نگارشاتِ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

(حصہ سوم)

گردآوردہ: محمد عالم مختار حق

BEACON BOOKS

نگارشاتِ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

(حصہ سوم)

گردآوردہ: محمد عالم مختار حق

بیکن بُکس
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 042-37320030
• گلگشت کالونی، ملتان فون: 061-6520790-6520791
BEACON BOOKS
E-mail:beaconbookspakistan@hotmail.com
Web: www.beaconbooks.com.pk

Marfat.com

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ بیکن بکس سے باقاعدہ تحریری اجازت لیے
بغیر کہیں بھی شائع نہ کیا جائے۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتِ حال
پیدا ہوتی ہے تو پبلشر کو قانونی کارروائی کا حق حاصل ہوگا۔

131253

اشاعت : 2012ء

عبدالجبار نے

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹنگ پریس لاہور

سے چھپوا کر بیکن بکس ملتان-لاہور

سے شائع کی۔

قیمت : -/690 روپے

ISBN : 978 - 969 - 534 - 224 - 4

Marfat.com

انتساب

محترم جناب **فیض محمد قریشی** صاحب اور محترم جناب **عبدالجبار چودھری** صاحب کو برصغیر پاک و ہند میں حمید اللّٰہی لٹریچر کی اشاعتی پیشرفت میں ایک منفرد مقام حاصل ہے جس میں ان کا بلاشبہ کوئی سہیم و شریک نہیں۔ لہٰذا ان کے اس اعزاز پر میں نہ صرف انہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں بلکہ اپنی اس کاوش کو ان کے اسمائے گرامی سے مُعَنْوَن کرنے کی سعادت کا شرف بھی حاصل کرتا ہوں:

سوئے دریا تحفہ آوردم صدف
گر قبول افتد زہے عزوشرف

محمد عالم مختار حق

Marfat.com

فہرست

احوالِ واقعی 9

قرآنیات 17

کلام اللہ، حکمت و دانش کے چند نئے پہلو 19

قرآن مجید کے ترجمے 27

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم 41

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْنِ 43

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 114

قانون 123

اسلامی قانون اور اس کے مآخذ 125

اسلامی مملکت کا دستوری تصور اور اصول دستور 142

اسلامی قانون اور بیرونی اثرات 157

تدوین قانون اسلامی اور امام ابوحنیفہؒ 166

اسلامی مسائل کا عالمگیر ربط و تلازم 193

سوال نامہ 198

جواب از ڈاکٹر محمد حمید اللہ	199
اسلامی قانون اور قانونِ رُوما	202
کیا اسلامی قانون رومی قانون کا مرہون منت ہے	216
تاریخ	275
بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی حالت	277
خاتم المرسلین کا قائم کردہ سیاسی نظام	282
تقویم	297
عہدِ نبوی کے واقعات کے لیے تقویمی پیچیدگیاں	299
تقویمِ جلالی	305
جہاد و غزوات	311
جہاد و غزوات	313
غُلبتِ الرُّومُ فی أدنَی الأرض	318
غزوۂ بنی النضیر کا اصل باعث ابن اسحاق کی کتاب میں ایک قدیم سہو کتابت؟	328
نقد و تبصرہ	337
اسلامیات کی انگریزی کتاب پر سوال و جواب	339
عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی	343
استدراکات بر مقالہ صفی ہندی	348
بعض اختلافی مسائل میں متحدہ روایتیں	350
شخصیات	357
سیرت نگارِ نبویؐ ابن اسحاق	359
بہادر یار جنگ کی یاد میں	363
محبوب علی خاں نظامِ دکن کی معزولی کی سازش کا قضیہ	366
لیڈی ڈفرن اور سیر لاہور	369
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندوں کی نفسیاتی تحلیل	376

Marfat.com

دشمنانِ رسولؐ خدا کی نفسیات 382

نمرود اور فرعون کے شخصی نام 393

متفرقات

401

حضرت ابوبکرؓ کی سفارت بنام ہرقل 403

یادگار نمبر ...... بتقریب جشن صد سالہ مدرسۂ محمدی 422

مدراس کی عظیم الشان نمائش تاریخ و تمدن اسلامی 445

اُردو کا رواج ٹیپو سلطان کی فوج میں 455

پاکستانی زبانوں کا رسم الخط اور وفاق 470

خود شناسی 476

حسن آغا، زنیچا 479

ابوزرع کی روایت 484

ڈاک کے ٹکٹ 489

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ ایک گفتگو 498

مکتوبات

505

مدیر ''فاران'' کے نام 507

سرجری اور اسلام 509

مدیر ''الحق'' کے نام 512

عسکری صاحب کے انتقال پر ڈاکٹر حمید اللہ کا خط 513

کچھ باتیں ڈاکٹر حمید اللہ کے خطوط کے بارے میں 515

غیر مطبوعہ مکاتیب بنام محترمہ خدیجہ ہاشمی (کراچی) 607

خطوط بنام مولانا محمد طاسین 612

جامعہ عثمانیہ کے نام ایک مکتوب 615

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے چند مکتوبات 618

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے چند (غیر مطبوعہ) خطوط 634

(۱) بنام خدیجہ دردانہ 640

Marfat.com

(۲) بنام محمد سیف اللہ 641
(۳) بنام محمد سیف اللہ 642
(۴) بنام محمد اسماعیل قریشی 644
غرق فرعون 653
دفتر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام 663
مصنف عبدالرزاق 666
مصنف عبدالرزاق اور جامع معمر بن راشد 670
معمر بن راشد کی کتاب ''الجامع'' اور عبدالرزاق بن ہمام کی کتاب
''المصنف'' کا باب ''کتاب الجامع'' 674
قرآن مجید اور غیر عربی رسم الخط 675
خطوط بنام ڈاکٹر لئیق احمد بابری 681
خطوط بنام ڈاکٹر نبی بخش بلوچ 690
خطوط بنام ڈاکٹر احمد خاں 695
خطوط بنام پروفیسر عبدالرحمٰن مومن 697
انقرہ سے ایک آواز 709
مکتوبات ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ بنام خواجہ عبدالوحیدؒ 711
ڈاکٹر حمید اللہ کے ایک خط پر اظہار رائے 728
ڈاکٹر محمد حمیدؒ اللہ اور ماہنامہ الرشاد 749

Marfat.com

احوالِ واقعی

ہاتفم گفتا بگو وصفِ کریم
قُلتُ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

(شاہ ابوالمعالی لاہوریؒ)

خوانندگانِ گرامی قدر!

آپ کی خدمت میں ''نگارشاتِ ڈاکٹر محمد حمید اللہ'' کی تیسری جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ پہلی دو جلدیں ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۶ء میں علی الترتیب پیش کی جا چکی ہیں۔ تیسری جلد کی پیشکش میں تاخیر کا سبب پاکستان میں ڈاکٹر صاحب کے مقالات/مضامین کے متعلق اخبارات و رسائل اور دیگر ماخذ کی عدم دستیابی ہے کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی تحریریں سقوطِ حیدر آباد دکن سے قبل زیادہ تر حیدر آباد ہی کے روزناموں اور رسائل میں اشاعت پذیر ہوتی رہیں جن تک رسائی کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے مترادف ہے۔ تاہم موجودہ مجموعہ کے مضامین کی دستیابی میں جن احباب نے دستِ تعاون دراز فرمایا، ان میں سرفہرست محترم جناب ڈاکٹر **مختار الدین احمد** سابق استاذ شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (متوفی ۳۰، جون ۲۰۱۰ء) ہیں۔ انہوں نے نہ صرف خود دلچسپی لی بلکہ اپنے احباب کو بھی مقالات کی فراہمی کے لیے آمادہ کیا۔ دیگر معاونین کرام میں ڈاکٹر **عطا خورشید** صاحب اسسٹنٹ لائبریرین مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ میں ڈاکٹر صاحب کے مطبوعہ جملہ مضامین و مکاتیب کے عکس ارسال فرمائے۔ جناب **احمد شاکر** صاحب (مدیر ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور) نے پہلے کی طرح مولانا **محمد عطاء اللہ حنیف** لائبریری شیش محل روڈ لاہور کے دروازے کھلے رکھے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نیو کیمپس لاہور کے چیف لائبریرین چودھری **محمد حنیف** صاحب اور

Marfat.com

ڈپٹی چیف لائبریرین ہارون عثمانی صاحب کی مشترکہ کاوش سے قدیم رسائل سے مطلوبہ مضامین کی عکس برداری میں سہولت میسر آئی۔

محمد شاہد حنیف صاحب اقبال اکادمی پاکستان لاہور کا تعلق چونکہ اکادمی کے شعبۂ کمپیوٹر سے ہے، اس لیے وہ بعض رسائل کے اشاریوں کی مدد سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحریروں کی نشان دہی کرتے رہے۔ جناب **مظہر ممتاز قریشی** صاحب شرف آباد کراچی نے فراخ دلانہ اپنے نام کے تمام مکاتیب مطبوعہ سہ ماہی ''ارمغان'' کراچی (جولائی تا ستمبر ۱۹۹۶ء) ''نگارشات'' میں شامل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خواجہ عبدالرحمٰن طارق صاحب (برادر مشفق خواجہ متوفی ۲۱ فروری ۲۰۰۵ء) نے اپنے والد خواجہ عبدالوحید (متوفی ۱۹۷۹-۱۲-۲۷) کے نام غیر مطبوعہ مکاتیب ضروری حواشی سے مزین ارسال فرمائے۔ جناب ڈاکٹر **محمد ارشد** صاحب (مدیر شعبۂ اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور) نے دائرہ معارف اسلامیہ سے متعلق ڈاکٹر صاحب کے بعض غیر مطبوعہ مکاتیب مہیا کیے۔ جناب **محمد راشد شیخ** صاحب (سول انجینئر) نے ڈاکٹر صاحب کے بعض مشاہیر اہلِ علم کے نام غیر مطبوعہ خطوط کے عکس فراہم کیے۔ موصوف کی دلچسپی آخر تک قائم رہی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شیخ صاحب ہمہ وقت میرے ساتھ رہے۔ **چودھری رؤف احمد** صاحب (ایک نجی فرم کے مالک اور قدیم الطبع کتب سیرۃ کے دلدادہ) نے مطبوعاتِ حمید اللہ کی دستی فہرست کی نقل مہیا کر کے تلاشِ مضامین میں سہولت پیدا کی۔ جناب **محمد عزیر شمس** صاحب (ہندوستانی دانشور مقیم مکۃ المکرمہ) نے نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی پہلی دونوں جلدیں بنظر غائر مطالعہ کر کے اُن کے بعض تسامحات کی طرف توجہ دلائی۔ موصوف نے بغیر کسی سابقہ معرفت کے وہ کام کیا جو پاکستان میں کسی دوسرے کے نصیب نہ ہوا۔ میں ان تمام معاونین کرام کا اس للّٰہی یاوری پر ممنونیت ریز شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب میں جناب محمد عزیر شمس صاحب کے نشان کردہ تسامحات کے ازالہ سے ابتدا کر کے اشاعتی شعبہ میں ''اپنی کوتاہیوں کے اعتراف'' کی ایک نئی طرح بلاخوف لومۃ لائم ڈال رہا ہوں اور زبان پر معلم اخلاق شیخ سعدی شیرازی کا یہ شعر ہے:

ہیچ کس بے دامنِ تر نیست اما دیگراں
باز می پوشند وما در آفتاب افگندہ ایم

Marfat.com

نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (جلد اوّل):

بعض مضامین کے حوالے درج ہونے سے رہ گئے تھے۔ انہیں درج کیا جارہا ہے:

ص191: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک کسریٰ کے نام (ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی۔ مئی/1968ء/صفر1388ء)

ص213: سیرتِ طیبہ کا پیغام عصرِ حاضر کے نام (ماہنامہ ''المعارف'' لاہور۔ جولائی/ 1992ء/اگست، ستمبر/1992ھ)

ص609: اٹھارھویں موتمر مستشرقین لائیڈن (ماہنامہ ''معارف'' علی گڑھ۔ مارچ/1932ء)

ص148: بقیہ حواشی نمبر20 تا27 نظرانداز ہوگئے تھے۔ انہیں ذیل میں درج کیا جارہا ہے:

۲۰۔ حدیث کی کتابوں میں اَن گنت تشویقیں، ثواب، احکام وغیرہ ملتے ہیں۔ صحاح ستہ وغیرہ کا کتاب الجہاد ملاحظہ ہو۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ممکن ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند کرتے کہ بار بار راہِ خدا میں شہید ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت پر ہر شخص کا عمل ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن شہید کا عمل قیامت تک جاری سمجھا جاتا ہے۔

۲۱۔ قرآن مجید میں: (ا) ان الله يامر بالعدل . الآيه

(ب) واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل. الآيه

۲۲۔ مسلم الثبوت (اصول فقہ) از محب اللہ بہاری مسئلہ تقریر (سنت نبویؐ)۔

۲۳۔ بدایۃ المجتہد از ابن رشد صفحہ۲ کتاب الدیات۔

۲۴۔ ان الله عز وجل يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لهما دينها (حديث) (ک. و ق كتب حديث)

۲۵۔ امریکہ میں ممانعت شریف برنارڈ کی تصنیف انگلستان کا مذہب آئندہ صدی میں رجحانات سیاسی میں مجلس اقوام کے ذریعے اتحاد وتعاون عالم اور نیز اشتراکیت، حج زکوۃ اور اخوت اسلامی کی جانب مائل ہیں۔ روحانیات سے روز افزوں دلچسپی، مغرب کی عیسائیت سے بیزاری، دنیا میں بت پرستی اور شرک سے عام نفرت، ہندی ذات پات اور چھوت چھات سے کراہت، ملوکیت کی جگہ ذمہ دار جمہوریت اور پارلیمانی مشاورت وغیرہ وغیرہ۔

۲۶۔ باب باوز کی کتاب مارلس ان ایوالیوشن باب قانون اور انصاف۔

Marfat.com

۲۷ قرآن مجید:
(۱)

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۞

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۞

ترجمہ: خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے۔ خدا کی گواہی کافی ہے محمد رسول اللہ اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور باہم نرم، راکع وساجد خدا کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان ہیں۔ توریت وانجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ ایک پودا ہے جس کی شاخ نکلتی ہے، جو رفتہ رفتہ مضبوط اور سخت بن کر اپنی ساق پر استوار قائم ہو جاتی ہے اور بونے والے کو باغ باغ کر دیتی ہے، تاکہ کفار کو ان سے جلائے خدا نے ان میں سے مومنوں اور نیکوکاروں سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

(ب) اذلة على المومنين اعزة على الكافرين. الآيه

یعنی مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔

ص ۳۵۵: شیخ محمد زاہد کوثری کی وفات ۱۹۶۳ء کے بجائے ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔

Marfat.com

ص ۳۵۷: ابوحنیفہ دینوری کی وفات ۳۸۲ھ کے بجائے ۲۸۲ھ میں ہوئی۔

ص ۹: ''حرف مدعا''۔ ڈاکٹر صاحب کی تاریخ رحلت ۱۸ردسمبر ۲۰۰۲ء درج ہے۔ درست ۱۷ردسمبر ہے جیسا کہ ص ۱۳ پر درج ہے۔ ۱۸ردسمبر تدفین کا دن ہے۔

ص ۱۳: ازدیار کو ''ازدیاد'' پڑھا جائے۔

نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ (جلد دوم):

ص ۵۴۱: ''اسلامی مملکت کا دستوری تصور اور اسلامی دستور'' پر استدراک چھپ چکا ہے لیکن اصل مضمون ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک (اکتوبر ۱۹۷۹ء) جلد ہٰذا کی زینت ہے۔ ''استدراک'' کی طباعت کے وقت مذکورہ پرچہ دستیاب نہ ہو سکا تھا۔

ص ۵۵۴: یہ مکتوب ''نگارشات'' کی جلد اول میں بھی چھپ چکا ہے (ص ۶۷۳) مکرر اشاعت پر معذرت۔ اس مکتوب کی آخری سطر طباعت میں نظر انداز ہوگئی تھی جو یہ ہے: ''شاید آئندہ ماہ ڈربن جا کر ملاقات کر سکوں۔''

اب کچھ تصریحات غیر حمید اللہی تحریروں کی مجموعہ ہٰذا میں شمولیت کے سلسلے میں پیش خدمت ہیں:

۱۔ مضمون اطلبوا العلم ولو بالصین (تحقیق وتنقید) از غازی عزیر صاحب۔ ماہنامہ ''محدث'' لاہور کے دو شماروں جون، جولائی ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تھا جس کے جواب میں محترم محمد حمید اللہ صاحب کا تبصراتی مضمون ''محدث'' ہی کے اگست، ستمبر ۱۹۸۸ء کے مشترک شمارہ میں بعنوان ''حدیث اطلبوا العلم ولو بالصین (کے اسانید) کی تحقیق'' شائع ہوا جو ''نگارشات'' کی جلد دوم میں اگرچہ چھپ چکا ہے مگر تسلسل قائم رکھنے کے لیے اسے مکرر شریک اشاعت کیا جا رہا ہے۔ اس پر غازی عزیر صاحب کا تعاقباتی جواب اسی رسالہ کے دو شماروں مارچ و اپریل ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ جس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس بحث سے دست برداری اختیار کر لی کیونکہ ان کی طرف سے اس کا کوئی جواب نظر نواز نہیں ہوا۔ ہم نے پورے معاملہ کی تفہیم کی خاطر پوری بحث یکجا کر دی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی'' (طبع سوم) پر شرف الدین اصلاحی صاحب نے ''فکر ونظر'' اسلام آباد کے شمارہ اپریل ۱۹۸۲ء میں نقد وتبصرہ کیا تھا جس

Marfat.com

کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کا اسی عنوان سے وضاحتی مکتوب اسی رسالہ کے جون ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ یہ دونوں تحریریں یکجا شائع کی جارہی ہیں تاکہ دونوں صاحبوں کا موقف پیش نظر رہے۔

۳۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک مکتوب ''معارف'' اعظم گڑھ (مئی ۱۹۸۳ء) میں شائع ہوا تھا جو ''نگارشات'' جلد دوم میں صفحہ ۵۵۴ پر شامل ہے۔ اس مکتوب پر دو فاضلین (سید حبیب الحق نوری اور ایک نامعلوم صاحب) نے ''معارف'' (اگست ۱۹۸۳ء) میں اظہار خیال فرمایا۔ ہم دونوں فاضلین کی آراء کا احترام کرتے ہوئے معاملے کی وضاحت کے لیے انہیں شریک اشاعت کررہے ہیں۔ جلد دوم کی طباعت کے وقت یہ تبصرے علم میں نہ تھے۔ آپ سے گذارش ہے کہ پہلے ڈاکٹر صاحب کا مکتوب ملاحظہ فرمالیں۔ پھر ان آراء کا مطالعہ کریں۔

۴۔ سید نذیر حسین مدیر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ایک مکتوب بنام مدیر ماہنامہ ''الرشاد'' علی گڑھ تحریر کیا تھا جو ستمبر ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں چھپا۔ اس کے ضمن میں انہوں نے مصنف عبدالرزاق کے بارے میں بھی سوال اٹھایا تھا۔ اس استفسار کا جواب ڈاکٹر صاحب نے اسی پرچہ کے اپریل ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں لکھا۔ اس پر تعاقب حبیب الرحمٰن اعظمی نے مئی ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں کیا جس پر حمید اللہ صاحب نے اپنی مدافعت میں جون، جولائی ۱۹۸۳ء کے مشترک شمارہ میں ایک وضاحتی مکتوب تحریر کیا۔ یہ دلچسپ بحث لائقِ مطالعہ ہے اور اس حوالے سے غیر حمید اللہی تحریروں میں محفوظ کرلی گئی ہے۔

۵۔ ''دشمنانِ رسول کی نفسیات'' اور ''رسولِ اکرم کے معاندوں کی نفسیاتی تحلیل'' کے دو مضمون بمطلب واحد مختلف اوقات میں لکھے جانے اور اپنی ساخت اور طرزِ بیان میں فرق کے سبب انہیں شریک اشاعت کیا جارہا ہے۔

۶۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اپنی تصنیف ''مطالعات و مشاہدات'' مطبوعہ ادبی دائرہ اعظم گڑھ ۲۰۱۰ء میں مشمولہ اپنے ایک مضمون ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ماہنامہ الرشاد'' میں ڈاکٹر صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور ''الرشاد'' میں ان کی تحریروں پر نقد و تبصرہ کیا ہے اور ان کے امتیازی کارناموں کو اجاگر کیا ہے ضمناً ان کی شخصیت بھی زیر بحث آگئی ہے لہٰذا ہم اسے مضامین کے اختتام پر (بطور تمت بالخیر) شریکِ اشاعت کررہے ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کا سانحہ ارتحال ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو پیش آیا اور اب جب کہ یہ سطریں تحریر کی جا رہی ہیں، ان کی وفات پر ساڑھے آٹھ سال بیت چکے ہیں۔ اس عرصہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم و مغفور کے علمی و ادبی ذخیرہ کی اشاعت پر جس تندہی سے بیکن بکس لاہور/ ملتان نے دلچسپی کا عملی مظاہرہ کیا اس کی مثال برصغیر پاک و ہند کا کوئی اشاعتی ادارہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہم اس دعویٰ کے ثبوت میں بیکن بکس کی پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے حوالہ سے اشاعتی سرگرمیوں کی تفصیل مندرجہ ذیل سطور میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں۔ مرتبہ: سید قاسم محمود۔ ۲۰۰۳ء (اس انتخاب میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے مکاتیب گرامی بنام راقم بھی شامل ہیں)۔

۲۔ نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (جلد اول) گرد آوردہ: محمد عالم مختار حق۔ ۲۰۰۴ء۔

۳۔ پیغمبر اسلام (ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی فرانسیسی زبان میں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالمی شہرت یافتہ کتاب *Le Prophete de l'Islam* کا اردو ترجمہ) پروفیسر خالد پرویز۔ ۲۰۰۵ء۔

۴۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی سیرت پر انگریزی کتاب *Muhammad Rasulullah* کا اردو ترجمہ) پروفیسر خالد پرویز۔ ۲۰۰۵ء۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی و جانشینی (ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تصنیف *The Prophet's establishing a state and his succession* کا اردو ترجمہ) پروفیسر خالد پرویز۔ ۲۰۰۵ء۔

۶۔ خطبات بہاولپور (طبع جدید) ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ۲۰۰۵ء۔

۷۔ صحیفہ ہمام بن منبہ (طبع جدید) تحقیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ مع انگریزی ترجمہ از پروفیسر خالد پرویز ۲۰۰۵ء۔

۸۔ نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ (جلد دوم) گرد آوردہ: محمد عالم مختار حق۔ ۲۰۰۶ء۔

۹۔ اسلام کیا ہے؟ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی انگریزی کتاب *Introduction to Islam* کا ترجمہ) سید خالد جاوید مشہدی۔ ۲۰۱۰ء۔

۱۰۔ نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ (جلد سوم) گرد آوردہ: محمد عالم مختار حق۔ ۲۰۱۱ء (کتاب حاضر) تلک عشرۃ کاملہ۔

Marfat.com

آخر میں راقم الحروف دست بدعا ہے کہ اللہ کریم بیکن بکس کے کارپردازان کوخواہ ان کا ادارہ کے کسی بھی شعبہ سے تعلق ہو، اپنی حفظ وامان میں رکھے اوران کے اکل حلال میں برکت عطا فرمائے بالخصوص ادارہ کے منتظمین جناب فیض محمد قریشی صاحب، جناب عبدالجبار چودھری صاحب اور جناب مظہر سلیم مجوکہ صاحب کہ وہ حمید اللہی لٹریچر کی اشاعتی پیشرفت میں دل وجان سے کوشاں ہیں کے لیے دعا ہے کہ اللہ کریم انہیں سلامت باکرامت رکھے اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کی تصانیف کی موجودہ دور کے جدید تدوینی تقاضوں کے مطابق دلکش انداز میں پیش کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور راقم کے عزم وارادہ میں بھی برکت عطا کرے اور اپنے فضل وکرم سے اگلی جلد (نمبر چہارم) کی تکمیل کے غیب سے ساماں کردے:

خدایا ایں آرزوئے مرا چہ خوش است
تو زود مرا بایں آرزو برساں

آمین بجاہ نبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

لاہور: ۱۶/ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ / ۲۰/ مئی ۲۰۱۱ء۔ محمد عالم مختار حق

Marfat.com

قرآنیات

Marfat.com

Marfat.com

کلام اللہ، حکمت و دانش کے چند نئے پہلو

ماہر میری نظر میں

ماہرالقادری مرحوم سے اگرچہ میرے عملی روابط بہت کم رہے لیکن تھے وہ مجھے بہت عزیز۔ غالبًا ایک بار پارلیس سے زیادہ کراچی میں ملاقات رہی اور بس۔ لیکن اختصاصات کے اختلافات کے باوجود کہ وہ ادیب وشاعر تھے اور مجھے ان چیزوں سے دُور کا بھی لگاؤ نہیں۔ میرے دل میں ان کی عزت روز افزوں ہوتی رہی کیونکہ وہ عصرِ حاضر کے نادرروزگار لوگوں میں سے تھے خط کا فوراً جواب دیتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی تالیف "تاریخ الکبیر" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی کہ "جواب الکتاب واجب کردِ السّلام" (یعنی خط کا جواب دینا اسی طرح واجب ہے جس طرح سلام کا جواب دینا) مرحوم اس کے عالم نہ بھی ہوں تو اس پر عامل ضرور تھے۔ خدا بخشے ان کا رسالہ فاران دنیا کے پابندترین رسالوں میں سے ایک تھا۔ آدمی چاہے سو فیصد صورتوں میں ان کی رائے سے متفق نہ ہو اس سے انکار ممکن نہ ہوگا کہ مرحوم میں منافقی بالکل نہ تھی، دیں اور علم کا ادب کرتے تھے اور بے ادبوں کی تادیب، آدمی جہاں بھی ہو اللہ ہی کی سرزمین میں رہتا ہے، نامالوف ہی سہی اس نئے وطن میں قرآن کے مطالعے اور اس کی خدمت کا جو (صلا) ملا ہے، اس کے چند فوائد مرحوم کی یاد میں اہل علم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ قرآن حکیم کے اتھاہ سمندر کے ان کو موتی نہیں سیپیاں بھی قرار دیا جاسکے تو زہے نصیب۔ اس میں غلطیاں ہوں تو اہل علم تصحیح فرمائیں۔ ان کا پیشگی ہی شکریہ عرض کرتا ہوں۔

Marfat.com

قرآنی اصطلاحیں

تلاوت وغیرہ کی ضرورتوں سے قرآن مجید آیتوں، سورتوں اور منزلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سات منزلیں ہیں، ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور ہر سورے میں تین سے لے کر (۲۸۶) تک آیتیں ہیں، حصہ، باب اور جملہ کہنا مقصود ہے، مگر چُنی گئی ہیں یہ عجیب اصطلاحیں، منزل کے معنی ہوتے ہیں وہ مقام جہاں لمبے سفر پر جانے والا شخص رات گزارنے کے لیے ٹھہرتا ہے، سورۂ البلد (شہر کی فصیل) سے سب واقف ہیں۔ سورت کے معنے ہیں دیوار سے گھری ہوئی جگہ حجرہ، کمرہ، آیت کے لفظ کا عربی مادہ اُویٰ یا اَوی کے معنے لغت میں بستر پر جانے کے ہیں۔ آیت کا لفظی ترجمہ ''بستر'' کیا جا سکتا ہے۔

یہ اصطلاحیں کیوں منتخب کی گئی ہیں؟

خیال ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کہ نفسِ انسانی کو اپنے مولا سے فطری عشق ہے اور وہ اپنے محبوب کے پاس جانا چاہتا ہے۔ یہ محبوب دُور، لامتناہی مسافت پر، مگر شوق ہے کہ اس لمبے سفر پر آمادہ ہی نہیں مجبور بھی کرتا ہے۔

لمبے سفر میں لازمی طور پر دن بھر چلنے کے بعد ایک منزل میں اترنا، ''ہوٹل'' میں کمرہ حاصل کرنا اور مسافروں کی کثرت کے باعث بہ کثرت بستروں والے کمرے میں ایک بستر حاصل کر کے استراحت کرنا ہوگا۔ سفر چاہے جسمانی ہو یا روحانی۔

منزلیں سات کیوں ہیں؟

سات کا عدد عربی زبان میں لامتناہی کا رمز ہے۔ وقت کی نہ ابتداء ہے، نہ انتہاء، جب انسان نے اس لامتناہی چیز کو شمار کرنا چاہا تو سات ہی کا انتخاب کیا کہ سات دن کا ہفتہ ایک حسابی وحدت ہے۔ آٹھواں دن نہیں ہوتا، انہیں سات دن کی تکرار ہوتی رہتی ہے۔

قرآن کو کلام اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس اصطلاح کے بھی ایک عمیق معنے نظر آتے ہیں، اللہ موجود ہے لیکن ہمیں نظر نہیں آتا، دوسرے الفاظ میں آنکھوں کے باوجود ہم اندھے ہی ہیں جب کوئی اندھا اپنے معشوق و محبوب سے بچھڑ گیا ہو، اور دُور بھی ہو تو اس کی رہنمائی آواز کے سوا کس طرح کی جا سکتی ہے؟ راستہ دشوار گزار بھی ہے، اسی لیے مطلوب حقیقی تعالیٰ شانہٗ اپنی وفورِ رحمت سے اپنے عاشق کو پکار کر کہتا ہے کہ آگے بڑھ، دائیں مڑ، بائیں طرف پلٹ، یہ کر یہ نہ کر

Marfat.com

وغیرہ، غرض اندھے عاشق کی رہنمائی کلام ہی کے ذریعے سے ہوسکتی ہے اور بفضل خدا ہوئی بھی ہے۔ گویا انسان اپنے مولا کی طرف جاتا ہے اور آواز کے رُخ میں، اور آواز سے دی ہوئی ہدایتوں کی تعمیل کرتے ہوئے! اس سے بہتر کیا اصطلاح ہو؟

رحمان ورحیم

قرآن کریم کا آغاز ہوتا ہے "رحمان ورحیم خدا کے نام سے" ان لفظوں کا ترجمہ مہربان اور رحم والا (یا کوئی مماثل الفاظ) سے کیا جاتا ہے۔ جب رحمان اور رحیم دونوں کا مادہ ایک ہی یعنی رحم ہے تو ایک خلش سی ہوتی ہے کہ کیوں مختلف مادوں سے ترجمہ کیا جائے؟ میری ناقص رائے میں "بہت رحم کرنے والا" اور "رحم والا" ہوسکتا ہے۔ رحمان میں رحم کرنے کی اس صفت کے مظاہرے کا مفہوم ہے، تو رحم والے سے مراد اس صفت سے متصف رہنا، رحم مجسم ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رحم کا مالک ہونا اور رحم کرنا دونوں ایک چیز نہیں، خدا میں رحم کی صفت موجود بھی ہے اور وہ اسے استعمال بھی کرتا ہے۔

خدا کی خلافت اور خدا کی امانت

قرآن مجید ۲/۳۰ میں ذکر ہے "اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانا چاہتا ہوں" وہ سمجھ گئے کہ اس سے مراد انسان ہے۔ اس لیے فوراً عرض کیا کہ وہ تو فساد اور خونریزی کی سرشت رکھتا ہے، مگر ان کا اعتراض رد کر دیا گیا۔

اسی طرح قرآن ۳۳/۷۲ میں بیان ہوا " بے شک ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی مگر انہوں نے اس بار کو اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈرے مگر انسان نے اس (امانت) کو اٹھا لیا، بے شک وہ فرض سے بڑی کوتاہی کرنے والا، بڑا ناواقف و جاہل تھا۔"

کیا ان دونوں واقعات میں کوئی باہمی ربط ہے؟

میری ناچیز رائے میں جواب اثبات میں ہے۔

خدا نے خلقت تو کی لیکن وہ ہے بادشاہ، روزمرہ کے انتظام کے لیے ایک خادم کی ضرورت تھی جسے وہ تعالیٰ نائب بنا سکے، سب ہی اس کی مخلوق، ترجیح بلا ترجیح نہ ہونی چاہیے اور

Marfat.com

عادل حقیقی تعالیٰ کے فیصلے پر کسی کو اعتراض کا موقع بھی نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے گماں ہوتا ہے کہ مولائے پاک نے ساری مخلوقات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو نائب بنانا چاہتا ہوں، کون ہے جو اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے؟ جب شوق ہر کس کو ہوا تو مجبوراً پوچھنا پڑا، مولا اس کی شرطیں کیا ہیں؟ فرمایا: تقدیر تو میں کروں گا مگر ذمہ دار یہ نائب قرار دیا جائے گا! سب گھبرائے اور بولے، مولا یہ کیسے؟ کرے تو تُو، اور ذمہ دار ہوں ہم؟ کسی کو امیدوار بننے کی ہمت نہ ہوئی، تو اس دو ٹانگوں والے جانور، انسان کو ہوئی اور اس نے کہا مولا میں اس کے لیے تیار ہوں، اس کا بھولا پن محبوب کو بڑا پسند آیا اور خلافت الٰہی اسے سپرد کر دی گئی۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انسان فرض سے کوتاہی بھی کرتا ہے اور جاہل بھی ہے لیکن کیا وہ جاہل محض ہے؟ دیوانہ بہ کار خود ہوشیار! انسان نے سوچا ہوگا کہ خدا عادل ہے اور کبھی ظلم نہیں کر سکتا، پھر کیوں گھبرائیں، خدمت اور عہدہ قبول کر لو، مدد حاضر و ناظر مالک ہی دے دے گا۔

آدم علیہ السلام کا توبہ اور جنت کا عدم اعادہ

قرآنی قصے سے سب واقف ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے پاس نہ جانے کا حکم تھا، ان سے لغزش ہوئی اور جنت سے جلاوطنی کی سزا ملی، پھر توبہ تو قبول ہوئی لیکن جنت میں اعادہ نہ ہوا، یہ کیوں؟ کیا توبہ کی قبول نامکمل ہوئی؟

ایسا نہیں ہوا۔ قرآن (۳۷ تا ۲/۳۸ اور ۲۱ تا ۲۰/۱۲۳) میں کم از کم دو جگہ ایک معنی خیز صراحت ہے۔ آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھیں جن کی بناء پر اس تعالیٰ نے آدم کی توبہ قبول کر لی بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑے رحم والا ہے، ہم نے کہا، یہاں سے سب باہم نیچے جاؤ...... " (۳۷ تا ۲/۳۸)...... " اور آدم نے نافرمانی کی اور بھٹک گیا، پھر اس کے رب نے اس کو چُنا، پھر اس نے اس کی توبہ قبول کی اور رہبری کی، فرمایا: یہاں سے سب باہم نیچے جاؤ...... " (۱۲۱ تا ۲۰/۱۲۳)

ان دونوں آیتوں میں توبہ قبول ہونے کے بعد ہبوط کا ذکر ہے۔ کیا اس کے معنے یہ نہیں کہ توبہ قبول ہونے کے بعد خلافت الٰہی عطا ہوئی؟ مکان اور وطن تو جنت ہی ہے، عہدے اور فریضے کی انجام دہی کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ یہ سزا نہیں سرفرازی ہے۔

13/253

Marfat.com

لاتقولوا راعِنا

قرآن پاک (۲/۱۰۴) میں ہے: ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہیں، راعِنا نہ کہو......''

ایک دوسری جگہ (۴/۴۶) میں ہے: ''جو لوگ یہودیت پر گامزن ہیں ان میں سے بعض لفظ کو اس کے مواضع سے تحریف کرتے اور کہتے ہیں۔ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی، اور سناتے گئے بغیر سن، اور راعِنا اپنی زبانوں کو موڑ کر اور دین میں طعن کے طور پر......''

بعض مفسروں نے اس ''راعِنا'' کا ترجمہ ''ہمارا چرواہا'' کیا ہے لیکن یہ دل کو نہیں لگتا کیونکہ چرواہے کے لیے لفظ راعی ہوتا ہے، اس لیے راعینا ہونا چاہیے تھے اور ایسا نہیں ہے۔ راعنا کا لفظ ٹھیٹ عربی ہو تو صیغۂ امر اور ضمیر متکلم کا مرکب ہوگا۔ یعنی ہمارے ساتھ رعایت کر، بہ ظاہر یہ عربی لفظ نہیں ہے بلکہ یہودیوں کا اپنی زبان کو موڑ کر، اور اسلام پر طعن و تشنیع کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا بیان ہوا ہے۔ گویا کوئی اجنبی لفظ عربی کے طور پر کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے لیے۔

ایسا ہے تو عبرانی زبان میں ڈھونڈنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ רע کا لفظ عبرانی میں پایا جاتا ہے اور اس کا تلفظ ہے راغ اور اس کے معنی میرے سامنے عبرانی فرانسیسی لغت ہے۔ اس میں لکھے ہیں: ''برا شریر، بدصورت، ناخوشگوار، وحشی، بدطینت، بدنصیب، رنجیدہ، مصیبت کا مارا''

عبرانی گالی کو عربی لفظ کے پردے میں چھپانے کی کوشش تھی، مگر وہ چھپ نہ سکی، چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی؟

خشب مسندة

سورۂ منافقون ۶۳/۴ میں ہے:

''اور جب تو ان (منافقوں) کو دیکھتا ہے تو ان کا ڈیل ڈول تجھے بھاتا ہے، اور جب وہ بولتے ہیں تو تو ان کی بات پر کان دھرتا ہے، وہ خُشُبٌ مُسَنَّدَہ کے سے ہیں''

خشبہ کی جمع خُشُب کے معنی ہیں لکڑی کا کندہ یا ٹھاٹ۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں، مسندہ کے لغت میں دو معنی نکلتے ہیں، ایک تو کسی چیز سے لگانا، سہارا دینا اور دوسرے ''مسند'' نامی لباس کسی کو پہنانا۔

Marfat.com

بہت سے لوگ پہلے معنی لیتے ہیں مگر جمتے نہیں، ٹاٹ کو کسی جگہ لگانا معقول تو ہے لیکن منافقوں کو اس سے کیا مشابہت ہے، سمجھ میں نہیں آتی۔

لسان العرب نامی عربی لغت میں سند کے معنوں میں لکھا ہے:

والسند أن يلبس قميصا طويلا تحت قميص اقصر منه......

سند کے معنی ہیں ایک چھوٹی قمیص (صدریے) کے نیچے ایک لمبی قمیص (کُرتا) پہننا......

السند ضرب من الثياب: قميص ثم فوقه قميص اقصر منه......

سند ایک قسم کا لباس ہے ایک قمیص جس کے اوپر ایک مختصر تر قمیص کا ہونا......

سند الرجل اذا لَبِس السند وهو ضرب من البرد.

سند الرجل کے معنے ہوتے ہیں، اس نے سند پہنا جو ایک قسم کی چادر ہے۔

یعنی معنے پھبتے ہیں یعنی ایک لکڑی کے بت پر فیشن ایبل سوٹ پہنایا جائے تو اس سے وہ آدمی سا نظر تو آئے گا مگر اس میں آدمی کی عقل کہاں گی؟ وہ کندہ ناتراش ہی رہے گا، یہ ہے منافقوں کی شان، بہ ظاہر تو انسان اور سوٹ بوٹ میں ملبوس لیکن اتنے ہی بے سمجھ جتنا ایک کندۂ ناتراش!

عیسیٰ ابن اللہ/عیسیٰ عبد اللہ

توریت میں حضرت عیسیٰ کا ذکر نہیں کہ وہ قبل از وقت ہوتا، صرف انجیلوں ہی میں ان کا نام آتا ہے، بخت نصر، انتیوخوس وغیرہ بت پرست حملہ آوروں کے ہاتھوں توریت بار بار نیست و نابود ہوتی رہی، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی انجیل کے لکھوانے پر کبھی توجہ نہ فرمائی بلکہ اس کی زبانی ہی تبلیغ فرماتے رہے، ان کے دنیا سے اٹھا لیے جانے کے کہتے ہیں کہ کوئی ساٹھ سال بعد ان کے ایک حواری متّی نے اپنی معلومات آرامی زبان میں مدوّن اور انجیل یعنی خوشخبری کے نام سے شائع کیے، آج اس نسخے کا دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ متّی کی قدیم ترین انجیل اب یونانی میں ملتی ہے اور معلوم نہیں کس نے اور کب اسے لکھا۔ متّی کے دیکھا دیکھی بعض دیگر حواریوں اور ان کے تابعین نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنی معلومات اور زبانی قصے جمع اور شائع کیے اور ان کو بھی انجیل ہی کا نام دیا، اب ایسی ساٹھ ستر انجیلوں کا پتا چلتا ہے جو توریت یا قرآن کی جگہ

Marfat.com

مسلمانوں کے ہاں کی سیرت نبویہ کی کتابوں یعنی سوانح عمری کی قسم چیز ہیں ان میں سے بائبل میں صرف چار انجیلوں کو لیا گیا ہے، باقی کو جعلی قرار دیا جاتا ہے۔ ان چار کو کس نے، کب، کس طرح اور کن اصولوں پر شایان اعتماد قرار دیا کسی کو معلوم نہیں، ان میں باہم بھی تضاد بیانیاں ملتی ہیں۔

جو بھی ہو، ان انجیلوں میں بعض جگہ حضرت عیسیٰ کا اپنے آپ کو ابن اللہ کہنا مروی ہے، دیگر مقامات پر غیر لوگ انہیں اس لقب سے یاد کرتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ یہ عیسائیوں کے عقائد میں داخل ہو چکا ہے۔

قرآن مجید ۱۹/۳۰ میں ہے:

''(عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا''۔

اسی طرح ۱۷۳/۴ میں ہے:

''مسیح کو یہ کہنے میں کچھ تامل نہ ہوگا کہ اللہ کا ایک بندہ ہو......''

یہ باتیں سب کو معلوم ہیں۔ البتہ ایک چیز کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کو اللہ کا بندہ فرماتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

چنانچہ انجیل متیٰ ۱۷ تا ۱۲/۱۸ میں ہے:

''تاکہ وہ پیشین گوئی پوری ہو جائے جو سیعا نبی نے فرمائی تھی اور کہا تھا کہ میرے بندے کو دیکھو جسے میں نے چنا ہے، جو میرا حبیب ہے......'' اس سے مراد توریت کی کتاب سیعا نبی ۱/۴۲ ہے جہاں لکھا ہے: ''میرے بندے کو دیکھو جسے میں ترجیح دیتا ہوں اور جو میرا چنا ہوا ہے ''

غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس آنے والے نبی ''عبداللہ، حبیب اللہ اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی حضرت سیعا نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ بات مجھ پر صادق آنی چاہیے، وہ ان پر صادق آئی یا نہیں، یہ الگ بات ہے اس پر بھی اور بحث کی جا سکے گی، وہب بن منبہ اسے محمد مصطفیٰ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر معقول وجوہ سے منطبق کیا کرتے تھے مگر یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے کو ''عبداللہ'' خود کہتے ہیں۔

تتمے کے طور پر عرض کروں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دو ایک بار ''ابن اللہ'' کی اصطلاح کی تشریح بھی کی ہے چنانچہ انجیل متیٰ ۵/۹ کی عبارت ہے: ''مبارک ہیں وہ جو سلامتی

لائیں گے کیونکہ انہیں ابن اللہ کہا جائے گا'' اسی طرح انجیل لوقا ۶/۳۵ میں ہے'' بلکہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو، نیکی کرو، کوئی آس رکھے بغیر قرض دو، اور تمہاری جزاء بہت بڑی ہوگی اور تم (اللہ) تعالیٰ کے بیٹے ہوگے ظاہر ہے کہ اس معنے میں ہر نیک شخص اللہ کا ''بیٹا'' بن سکتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خصوصیت نہیں اور وہ اکلوتے بیٹے نہیں ہوسکتے۔

اوپر کے اقتباس اول کے متعلق یہ اضافہ کردوں کہ'' وہ جو سلامتی لائیں گے'' لفظ ''مسلم'' کا ترجمہ ہے۔ بخاری میں مشہور حدیث ہے'' **المسلم من سلم ، المسلمون ، من لسانه ویده**'' (مسلمان اصل میں وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں'' گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:'' مبارک ہیں مسلمان جو ابن اللہ، یعنی عبداللہ کہلانے کے مستحق ہیں۔'' ایسی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن پر پرانے محترم مفسروں نے اپنے زمانے کی معلومات دی ہیں، جن سے اب کچھ اور معنی بھی نکلتے معلوم ہوتے ہیں۔ خدا ان کو جزائے خیر دے اور ہمیں ''**قل ربِ زدنی علماً**'' سے نوازے۔ آمین۔

(''فاران'' کراچی، ماہر القادری نمبر۔ دسمبر ۱۹۷۸ء)

قرآن مجید کے ترجمے

ترجموں کی ضرورت

قرآن مجید نے انسانی سماج کی یہ حقیقت برملا تسلیم کی ہے کہ "واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذلک لآیات " (اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف: بے شک اس میں نشانیاں ہیں) اسی طرح جب یہ بیان کیا ہے کہ سابق میں جب کوئی نبی کسی ایک قوم کی طرف بھیجا گیا اور ساتھ ہی یہ تصریح کی ہے کہ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" (اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس قوم کی زبان کے واسطے سے) لیکن خود حامل قرآن علیہ السلام کو "کافۃ للناس بشیرا و نذیرا " (سارے ہی لوگوں کے لیے نذیر وبشیر) یہ تو عملاً ناممکن تھا کہ قرآن مجید بوقت واحد دنیا کی ساری موجودہ اور آئندہ آنے والی زبانوں میں نازل کیا جاتا اور نہ یہ کہ دنیا کے سارے لوگوں کو عربی سیکھنے پر مجبور کیا جائے۔ کیونکہ زبان ایک وسیلہ اور واسطہ ہے' مقصود نہیں' ان حالات میں " علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل " (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) کے مشہور قول (حدیث؟) کے مطابق مسلمان خادمان قرآن کا فریضہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو غیر عربی دانوں تک پہنچائیں۔

اولین ترجمے

یہ نظریہ تھا۔ عمل کی حد تک ذیل کے واقعات قابل ذکر ہیں:

شمس الائمہ سرخسی (فوت ۴۸۳ھ) حنفی مذہب کے بہت مستند فقیہ ہیں۔ مرتبے کے لحاظ سے ان کو ابن قطلو بغا نے امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں سب سے بڑے شاگرد ابو یوسف، محمد

Marfat.com

شیبانیؒ کے بعد ہی جگہ دی ہے۔ سرخسی نے المبسوط نامی فقہ کی ایک کتاب تالیف کی جو بڑی تقطیع کی تیس جلدوں میں چھپی ہے اس کی جلد اول صفحہ (۳۷) پر نماز میں قرآن کی تلاوت کے سلسلے میں اس مسئلے سے بحث کی ہے کہ اصلی عربی کی جگہ آیا ترجمے کو پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

یہ ظاہر ہے کہ کسی کو اللہ توفیق دے اور وہ مسلمان ہو جائے تو فوراً پنجوقتہ نمازیں ادا کرنے کی ضرورت ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نماز کی ساری دعائیں تشہد وغیرہ فوراً ازبر نہیں ہو سکتیں۔ خاص کر اگر یہ نومسلم عجمی وغیر عرب ہو تو قرآنی سورتوں ہی کے یاد کرنے میں ممکن ہے کئی دن اور کئی ہفتے لگ جائیں اور امام ابوحنیفہ نے "**یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر**" (اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے تمہارے لیے دشواری نہیں چاہتا) کی بناء پر یہ رائے ظاہر فرمائی کہ ایسے شخص کو نماز میں اصل عربی کی جگہ قرآنی سورتوں کا اپنی مادری زبان میں ترجمہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے سرخسی نے لکھا ہے:

''ابوحنیفہ (بعض شرائط کے ساتھ) ترجمہ پڑھ سکنے کے قائل تھے کیونکہ مروی ہے کہ (چند نومسلم) ایرانیوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ ان کے لیے قرآن کا فارسی میں ترجمہ کریں اور آپؓ نے سورہ فاتحہ کا فارسی میں ترجمہ کر کے انہیں بھیجا..........''

اسی واقعے کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور بڑے فقیہ امام تاج الشریعہ نے اپنی کتاب ''النہایۃ حاشیہ الھدایۃ'' میں مزید تفصیل یہ دی ہے کہ حضرت سلمان فارسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے یہ کام انجام دیا اور ان کے ترجمے کا ایک جزء بھی نقل کیا ہے۔ ''بنام خداوند بخشایندۂ مہربان'' (جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ ہے)

جاحظ (فوت ۲۵۰ھ) نے اپنی کتاب "البیان والتبیین" (ج ۱ ص ۱۳۹) میں لکھا ہے کہ مشہور واعظ موسیٰ بن سیار الاسواری تفسیر کا درس دیتے تو عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں مطلب سمجھایا کرتے تھے۔ (مگر یہ وضاحت نہیں کہ آیا انہوں نے اپنی فارسی تفسیر قلمبند بھی کی یا نہیں۔)

بزرگ بن شہریار نے اپنی کتاب ''عجائب الہند والصین'' (ص ۲ تا ۳) میں لکھا ہے کہ ۲۷۰ھ کے لگ بھگ ایک ہندو راجہ مسلمان ہوا اور ایک مسلمان عالم نے اسے سارا قرآن مجید ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ سمجھایا (یہ غالباً سندھی یا ملتانی زبان میں)

ترکستان میں سامانی خانوادہ برسراقتدار آیا تو بادشاہ منصور بن نوح نے ایک کمیٹی نامزد کی جس نے ۳۴۵ھ میں قرآن مجید کا فارسی اور ترکی ترجمہ کیا۔ فارسی ترجمے میں طبری کی مشہور تفسیر کا خلاصہ بھی فارسی میں شامل کیا۔ فارسی کتاب اب ایران میں چھپ گئی ہے اور اس کے مقدمے میں کمیٹی کے ارکان وغیرہ کی خود مؤلفوں ہی نے تفصیل دی ہے' ترکی ترجمہ دو مختلف بولیوں' مشرقی اور مغربی ترکی میں ملتا ہے۔

ایک اور فارسی ترجمہ اسی کے لگ بھگ زمانے کا ملتا ہے مگر گمنام ہے اس کا مخطوطہ جامعہ کیمبرج میں محفوظ ہے اور آنجہانی پروفیسر براؤن نے اس پر تفصیل سے ایک مضمون بھی شائع کیا ہے (دیکھو JRAS ۱۸۹۴ء ص ۴۱۷ تا ۵۲۴)

منورابادی کا ایک فارسی ترجمہ قرآن بھی اس کا ہم عصر یا پانچویں صدی ہجری کے وسط کا ہے اور مخطوطوں کی صورت میں محفوظ ہے (دیکھو اسٹوری کی فہرست کتب فارسی' ج ا ص نمبر ۳)

اسفرائنی (فوت ۴۷۱ھ) اور زاہدی (تالیف ۵۱۹ھ) کے فارسی ترجمے بھی تا حال موجود ہیں' ایضاً نمبر ۴)

خواجہ عبداللہ انصاری نے ۵۲۰ھ میں ایک فارسی ترجمہ مع تفسیر تالیف کیا یہ اب چھپ گیا ہے۔ دیباچے میں مؤلف کا بیان ہے کہ اپنے پیشروؤں کی (۱۰۷) تفسیروں کی مدد سے یہ کام انجام دیا گیا۔

یہ سارے ترجمے جید اور راسخ العقیدہ مسلمان علماء اور اہل دین نے کیے اور اس کے بعد ہر زبان میں ہر زمانے میں مسلمان ترجمے کرتے رہے اور یہ کام تا حال برابر جاری ہے۔

غیر مسلموں نے بھی ترجمے کیے، ابتداءً ان کا مقصد علمی سے زیادہ جدلی تھا کہ قرآن کی تردید و تنقید کریں جامعہ مانچسٹر کے مخطوطات میں ایک ناقص مخطوطہ ملا ہے جس میں قرآن مجید کا ترجمہ اور تنقید سریانی زبان میں ہے۔ نیز عربی متن سریانی خط میں درج کیا ہے۔ آنجہانی پروفیسر منگانا Minganat نے اپنے مضمون (An Ancient Translation Syriac of The Kuran) (مانچسٹر ۱۹۲۵ء) میں لکھا ہے دیونیسیوس بار صلیبی (فوت ۱۱۷۱ء) کے مطابق قرآن کا سریانی ترجمہ خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں حجاج بن یوسف کی گورنری میں (پہلی صدی ہجری ۷۱۱ء کے ثلث ثالث میں) ہوا تھا۔

Marfat.com

قرآنی ترجمے کی ممانعت

اوپر دی ہوئی تفصیل سے نظر آ چکا ہوگا کہ قرآن مجید کے ترجمے مسلمانوں میں شروع ہی سے ہوتے رہے بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایما بھی اس میں شامل رہا۔ اس کے باوجود گزشتہ صدی میں ترکی سلطنت (استانبول، مصر وغیرہ) میں یکایک غل مچا قرآن کا ترجمہ حرام ہے اور اسی کا اثر تھا کہ جب محمد مارماڈیوک پکتھال نے ۱۹۳۰ء میں انگریزی ترجمہ جامعہ از ہر کے اساتذہ کی اعانت سے کر کے حکومت آصفیہ (حیدر آباد) کے مصارف پر شائع کیا تو مصری حکومت نے اس کا مصر میں داخلہ ممنوع قرار دیا اس کی وجہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن اس سلسلے میں دو واقعات قابل ذکر ہیں۔

پہلے یہ کہ گزشتہ صدی میں اولاً براعظم ہند اور پھر رفتہ رفتہ شمالی افریقہ میں فرنگیوں کا قبضہ ہوا تو ملک کی قدیم علمی زبانوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ ہندوستان سے فارسی ہٹا کر اُردو کو رائج کیا جس میں اس وقت کوئی علمی ذخیرہ نہ تھا۔ پھر جب ذخیرہ آنے لگا تو اس کو بھی برخاست کر کے انگریزی کو مسلط کیا گیا۔ شمالی افریقہ (الجزائر وغیرہ میں) عربی جو مادری زبان تھی اسے ختم کیا گیا، کالے افریقہ میں عربی زبان ہی نہیں عربی خط کو بھی بند کیا گیا (بنگال میں بھی ایسا ہی ہوا) اور ہر جگہ فرنگی زبانیں پھیلائی گئیں جن میں مسلمان علماء کا لکھا ہوا ادب ناپید تھا۔ عیسائی مشنری اس عزم کے ساتھ مفتوح اسلامی ملکوں میں پھیل گئے کہ اسلام کو اپنے سیلاب میں غرق کر کے رہیں گے۔

دوسرے یہ کہ اسی کے معاصر زمانے میں چند عرب اہل قلم نے یہ لکھنا شروع کیا کہ قرآن کی زبان ایک معجزہ ہے اس کا ترجمہ ناممکن ہے لہٰذا ترجمہ حرام ہے۔

قصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مشنریوں میں سے بعض نے چند بھولے بھالے مسلمانوں سے کہا کہ قرآن کی زبان چونکہ معجز بیان ہے اس لیے اس کا ترجمہ ناممکن ہے، یہ سادہ لوح اچھل پڑے کہ دشمن بھی قرآن کی معجز بیانی کو مانتا ہے اور اس کی داد دیتا ہے مگر یہ نہ سوچا کہ نہ عربی زبان کی تعلیم ہو اور نہ مقامی زبان میں صحیح ترجمہ وتفسیر ہو تو دینی معلومات کا ذریعہ کیا ہوگا اور کیا کروڑوں مسلمانوں سے قرآن غائب نہ ہو جائے گا۔

الحمد للہ ترجمے کی ممانعت کا چرچا صرف عربی ممالک میں رہا، جہاں ترجمے کی ضرورت نہ تھی اور باہر نہ پھیلا اور اب وہ خود ہی خطرہ موت بن چکا ہے اب مصر ہی نہیں، سعودی حکومت بھی

Marfat.com

ترجموں کی سرکاری سرپرستی کر رہی ہے۔ ممانعت کے عین شور کے زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے فارسی میں اور شاہ عبدالقادر نے اُردو میں ترجمے کیے ان سے بہتر عالم اور زیادہ راسخ العقیدہ مسلمان کون ہو سکتے ہیں؟

ترجموں کی فہرستیں

دیگر اسلامی علوم وفنون کی طرح، تراجم قرآن کی فہرستوں پر کتب ومقالات کی تالیف کا آغاز مسلمانوں سے پہلے یہودی اور نصرانی فرنگیوں میں ہوا ہوا نظر آتا ہے، پھر انہیں کی مدد سے مسلمان یہ مواد اپنی زبانوں میں منتقل کرنے اور کچھ نہ کچھ معلومات میں اضافہ کرنے لگے، مثلاً اشنورر (Schnurrer) نے لاطینی میں، شوویں (Chauvin) نے فرانسیسی میں کتابیں لکھیں تسویمر (Zwemer) نے انگریزی میں مقالہ لکھا ایسی ہی چیزوں کی مدد سے جرجی زیدان نے مصر کے رسالہ الہلال میں بعض معلومات عربی میں منتقل کیں۔ عبدالصمد صارم صاحب کی تاریخ القرآن کا بڑا ماخذ یہی ہونا چاہیے، ان کے علاوہ بڑے کتب خانوں (واشنگٹن، لندن، برلن، پاریس) کی فہرست ہائے مطبوعات ومخطوطات کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ ان میں یہ کہ بعض تالیفیں کسی ایک زبان یا گروہ السنہ سے متعلق رہیں۔ مثلاً امریکہ میں ایک کتاب سلاوی زبانوں میں تراجم قرآن پر چھپی۔ اسٹوری نے (جس کا ذکر اوپر آیا ہے) فارسی تالیفوں کی جامع فہرست میں ایک باب فارسی تراجم وتفاسیر قرآن پر بھی رکھا۔

خدا جنت نصیب کرے ابومحمد مصلح صاحب کو، اصل میں بہار کے تھے۔ زیادہ عالم نہ تھے لیکن خدمت قرآن کا عشق رکھتے تھے۔ پنجاب میں بھی کام کیا، حیدرآباد دکن میں ''عالمگیر تحریک قرآن مجید'' بھی قائم کی اسی انجمن کے لیے میں نے ایک رسالہ اپنی بساط کے مطابق مرتب کیا تھا۔ ''القرآن فی کل لسان'' Quran in every Language یہ اولاً ۱۳۶۴ھ میں چھپا، پھر دو اور ایڈیشن ۱۳۶۵ھ اور ۱۳۶۶ھ میں نکلے، اس میں ہر ہر زبان کے سارے معلوم ترجموں کی فہرستیں بھی تھیں اور بطور نمونہ ہر زبان میں سورہ فاتحہ کا ترجمہ بھی شامل تھا۔ پہلے ایڈیشن میں (۲۳) زبانوں کا پتا چلا تھا، دوسرے میں (۴۳) اور تیسرے میں (۶۷) زبانوں کا افرنگستان سے سنت قابلی (دوسری جنگ عظیم) کو بعد از خرابی بصرہ، جب کسی نہ کسی طرح نکالا ملا تو اس نے ہندوستان جنت نشاں میں اپنا اڈا جمایا۔ لاکھوں کروڑوں دیگر اللہ کے بندوں کی طرح میرا دانا پانی بھی جنم

Marfat.com

بھوم سے دور مقدر ہوا۔ یہاں ''القرآن فی کل لسان'' کے چوتھے ایڈیشن کے لیے مواد تو خاصا جمع ہوا لیکن طباعت کا سامان نہ ہو سکا۔

پھر بھی دو تین چیزیں قابل ذکر ہیں:

پہلے یہ کہ جب ۱۹۵۹ء میں فرانسیسی ترجمہ قرآن کا خدا نے موقع مرحمت فرمایا تو اس کے دیباچے میں قرآن مجید کی تدوین وتحفظ کی تاریخ کے سلسلے میں صرف فرنگی زبانوں کے تراجم قرآن کی فہرست شامل کی اس کے پہلے ایڈیشن میں (۲۸) یوروپی زبانوں (۲۳۳) کامل وغیر کامل ترجموں کا ذکر کیا گیا۔ البانی[۱]، الخمیادو[۲]، المانی[۳]، جرمنی[۴]، انگریزی[۵]، آراگوئی[۶]، اسپینی[۷]، ایسپرانتو[۸]، اطالوی[۹]، بوہملی[۱۰] (چکوسلواکی) بلغاری[۱۱]، پولینڈی[۱۲]، پرتگالی[۱۳]، زمی[۱۴] (بخط لاطینی)، ڈانمارکی[۱۵]، روسی[۱۶]، رومانی[۱۷]، سربی[۱۸]، فرانسیسی[۱۹]، فن لینڈی[۲۰]، قسطی[۲۱]، ایستونی[۲۲]۔

لاطینی ۲۳، نارویجی ۲۴، (ناروے کی زبان) ہالینڈی ۲۵، ہنگروی ۲۶، یوکرینی ۲۷، یونانی ۲۸، پھر ہر نئی طباعت کے وقت اس فہرست کی نظر ثانی ہوتی رہی ۱۹۷۱ء میں اس کے ساتویں ایڈیشن کی صورت پیدا ہوئی تو (۴۵) یوروپی زبانوں میں (۴۱۷) مندرجہ ذیل تراجم کا پتا چلا۔

نمبر شمار	زبانیں	ترجمے	نمبر شمار	زبانیں	ترجمے
۱	افریقانی	۷	۲۵	روسی	۱۱
۲	البانی	۴	۲۶	رومانی	۱
۳	الخمیادو	۳۶	۲۷	سلووینی	۱
۴	المانی	۴۶	۲۸	سویڈنی	۶
۵	انگریزی	۸۵	۲۹	فنلینڈی	۱
۶	آراگوئی	۱	۳۰	فلاماں	۲
۷	اسپینی	۱۹	۳۱	فرانسیسی	۳۶
۸	ایسپرانتو	۴	۳۲	فریزونی	۳
۹	ایستونی	۱	۳۳	قتلانی	۲
۱۰	آئرلینڈی	۲	۳۴	کرینوی	۱
۱۱	آئسلینڈی	۱	۳۵	گالیک	۱

Marfat.com

۱۲	اطالوی	۱۲	۳۶	گروز	۱
۱۳	باسک	۱	۳۷	لاپ لینڈی	۱
۱۴	بوہیمی	۴	۳۸	لاطینی	۴۳
۱۵	بوشناق	۲۱	۳۹	لاٹوی	۱
۱۶	بروتونی	۲	۴۰	لولینڈی	۱
۱۷	بلغاری	۲	۴۱	نارویجی	۲
۱۸	پلات داییچ	۳	۴۲	ولاپوک	۱
۱۹	پولینڈی	۶	۴۳	ہالینڈی	۷
۲۰	پرتگالی	۵	۴۴	ہنگروی	۶
۲۱	پردواں سالی	۱	۴۵	یدیش	۱
۲۲	ترکی (بخط لاطینی)	۳۳	۴۶	یوکرینی	۱
۲۳	ڈانمارکی	۴	۴۷	یونانی	۳
۲۴	رومانش	۱			

دوسرے یہ کہ اس فرانسیسی مقدمے کا ترکی ترجمہ کتابی صورت میں چھپا تو اس میں سارے ترکی تراجم کا ذکر ہوا۔ جواد یغوری، عربی، لاطینی اور روسی چار خطوں میں ملتے ہیں۔ ترکی ترجموں کی تعداد سو سے اونچی ہے۔ تقریباً پچاس ترجموں کا سورہ فاتحہ لاطینی خط میں اس میں شامل کیا گیا۔ اس میں ایک دیندار دندان ساز ڈاکٹر ماجد یاشار اُوغلو کی مدد بھی شامل حال رہی۔

تیسرے یہ کہ پیرس میں جب مسلمانوں نے کچھ صحافتی سرگرمی بھی دکھانی شروع کی تو تعاونوا علی البر والتقوی (نیکی اور تقوے میں تعاون کرو) کے قرآنی حکم کی تعمیل میں اس موضوع پر بھی کام ہوا۔ چنانچہ اولاً ایک ایرانی دوست نے دوماہی ''افکار شیعہ Pensee Chi`ites شائع کرنا شروع کیا تو اس میں ہر ماہ میں حروف تہجی پر ایک ایک زبان کے حالات اور سورۂ فاتحہ کا نمونہ درج ہوتا رہا۔ بارہ نمبروں کے بعد یہ رسالہ بند ہو گیا پھر ایک تونسی دوست نے France-Islam نامی ماہنامہ جاری کیا۔ یہ گرتے پڑتے اب تک جاری ہے۔ اس میں مکرر وہی سلسلہ نظر ثانی کے بعد آغاز ہوا اور اب تک (۲۳) زبانوں کے حالات اور نمونے شائع ہوئے

Marfat.com

ہیں حرف (A) میں چودہ زبانیں آئیں جن میں سے متعدد کئی کئی خطوں میں لکھی جاتی رہی ہیں اور اب حرف (B) چل رہا ہے اس سلسلے میں صرف فرنگی زبانوں پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ دنیا کی ساری ''قرآن دار'' زبانوں کا ذکر ہے۔

اس تمہید میں ایک مزید نکتہ یہ قابل ذکر ہے جو حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ جیسے ابتدائی زمانے ہی سے مسلمان اور یونانی (بیزنطینی رومی) ہمسایہ ہو گئے اور چودہ سو برس سے یہ تعلق مسلسل باقی ہے۔ اس کے باوجود یونانی زبان میں قرآنی ترجمے عملاً حال تک مفقود رہے ہیں اس کے برخلاف لاطینی زبان میں (۴۳) ترجمے ملے ہیں حالانکہ اٹلی سے اسلامی راست تعلقات دیر سے شروع ہوئے اور مختصر عرصہ ہی باقی رہے۔ (صقلیہ اور جنوبی اٹلی پر اغلبی دور میں قبضہ ہوا اور فاطمی دور میں ختم ہو گیا)

زبانوں کے خط

ایک اور تفکر و تدبر کا مقتضی امر یہ ہے کہ اسلام کے عروج کے زمانے میں دنیا میں ہر جگہ زبانیں عربی خط میں لکھی جاتی تھیں۔ آغاز غالباً فارسی سے ہوا۔ بعد میں ہمالیہ تلے کے براعظم میں سندھی، نایطی، ہندی، تلنگی، تامل، بنگالی، گجراتی، کشمیری وغیرہ نیز بربر، کردی مشرق میں، اسپینی، پرتگالی، لنوار (پولینڈی)، بوشناق (یوگوسلاوی) اور غالباً لاطینی (صقلیہ، اربونہ یعنی جنوبی فرانس کے ناربون) کثرت سے عربی خط مستعمل ہوا۔ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی اسی کا استعمال کرنے لگے۔ اس کا اولین فائدہ یہ ہے کہ آدمی قرآن مجید کی راست تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے (یہودی بھی، شاید مسلمانوں کی دیکھا دیکھی اب تک یہی کر رہے ہیں جہاں بھی رہتے ہیں بولتے تو مقامی زبان میں، لیکن لکھتے اسے عبرانی خط میں۔ جرمنی میں اب تک متعدد روزنامے اور اخبار جرمن زبان مگر عبرانی خط میں چھپتے ہیں اور اس زبان کو یدیش Jiddisch کا نام دیا جاتا ہے۔ ایک پر لطف تاریخی واقعہ یہ ہے کہ صقلیہ (جزیرہ سسلی) میں ایک پرانا کلیسا اپنے کتبہ کی تاریخ میں فرنگی تاریخ روز و ماہ لکھ کر سنہ فلاں ہجری لکھتا ہے کہ عیسوی سنہ غیر معروف تھا۔ ادبار اور بے عقلی کا زمانہ آیا تو موجودہ اتحاد کو بھی پارہ پارہ کیا جانے لگا۔ البانیہ، ترکی، انڈونیشیا، ملایا، بنگال، بربر رقبے میں چوطرف عربی خط کو ترک کیا جا رہا ہے کہ علمی خودکشی ہو رہی ہے کیونکہ ہزار برس میں اسلاف نے جو لٹریچر پیدا کیا اس سے یکلخت دست برداری دی جا رہی ہے اور قوم پھر الف بے تک سے ایک نیا لٹریچر نئے خط میں

آغاز کررہی ہے۔ یہ محض غلط ہے کہ لاطینی روسی یا دیوناگری خط عربی خط سے بہتر ہیں Hamid کو (حَـمِـد ، حَـمـِـيـد، خامِد، حامِید) چارطرح پڑھ سکتے ہیں۔(J) کا تلفظ انگریزی میں (ج) فرانسیسی میں (ژ) جرمن میں (ی) اپینی میں (خ) ہوتا ہے۔ مطبع کی مصیبتوں کو لیجیے۔ صرف ایک حرف (a) کو (a، á، à، à، ā، ạ، a، å) آٹھ طرح تو میرے علم کی زبانوں میں لکھا جاتا ہے اور مجھے یورپ کی کم ہی زبانیں آتی ہیں۔

بعض تفصیلیں

قرآن مجید کے ترجمے میں ایک عجیب بات مجھے یہ نظر آئی ہے کہ اگر اُردو' فارسی' ترکی میں بین السطور ترجمہ کیا گیا تو عربی اوپر' ترجمے نیچے لکھا جاتا ہے۔ لیکن الخمیا دو یعنی عربی خط والی اندلسی زبانوں میں جو ترجمے ہوئے ہیں ان کے مخطوطوں میں ترجمہ اوپر اور عربی متن نیچے ملتا ہے۔ لیکن دونوں قسموں میں عربی کو جلی خط میں اور کامل اعراب کے ساتھ اور ترجمے کو خفی (باریک) خط میں عموماً اعراب کے بغیر دیا جاتا رہا ہے۔

عربی خط کا رواج جب گھٹنے لگا تو نہ صرف ہمارے ہمعصر بنگال میں' بلکہ اس سے قبل چین میں بھی ترجمے کے ساتھ قرآن مجید کے عربی متن کو مقامی زبان کے رسم الخط میں درج کیا جانے لگا تاکہ لوگ عربی متن کی تلاوت بھی کرسکیں ایسا عمل مسلمانوں نے بھی کیا اور غیر مسلموں نے بھی۔ سُریانی خط میں خلفاء بنی امیہ کے دور میں' لاطینی خط میں قرونِ متوسطہ میں' عیسائیوں نے اپنی علمی (جدلی) ضرورتوں سے ایسا کیا۔ ترکی میں کمالی دور میں پورا قرآن مجید لاطینی حروف میں چھاپا گیا۔ یوگوسلاویہ میں بعض اجزاء روسی خط میں چھپے۔ یہودیوں نے جدلی لٹریچر میں عبرانی خط میں بھی قرآن کے اقتباسات نقل کیے۔ حال میں تلنگی اور غالباً تامل خط میں بھی ایسا کیا گیا۔ سنا گیا کہ پاکستان میں برای (بریل) سسٹم پر اندھوں کے پڑھنے کے لیے قرآن شائع کیا گیا ہے۔

معلوم نہیں کہاں سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ کرم فرماؤں نے فراہمی کا وعدہ کیا۔ رقم بھی علی الحساب لے لی۔ ظاہر ہے کہ حسابِ دوستاں دردل ہی ہوتا ہے۔

قرآن مجید کے جو ترجمے قدیم زمانے میں ہوئے وہ اکثر گمنام ہیں' فارسی ہوں کہ ترکی' قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لیے اس کے کسی نسخے پر کسی انسان کا نام ہونا پسند نہیں کیا گیا۔

ترجمہ بعض وقت اپنے سارے پہلوؤں کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے تفسیر یا شرح کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ضرورت خود عربوں کو بلکہ خود صحابہ کرامؓ کو بھی پیش آئی اور باقی ہے۔ صحابہ کرامؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاً مطلب پوچھ لیتے تھے۔

اُردو ترجمے

ترجموں کی کثرت اور قلت کے لحاظ سے اردو سب سے پار ہے' میری پرانی تحقیق میں سو سے کچھ زیادہ ترجمے تھے۔ اب حال میں پاکستان میں بعض اہل علم نے کوئی تین سو ترجموں کا پتا چلایا ہے جن میں سے بعض منتخب اجزاء پر مشتمل ہیں۔ ترکی اور فارسی میں بھی سو سے زائد ترجمے ہو چکے ہیں۔ مزید سلسلہ جاری ہے۔ فرنگی زبانوں میں لاطینی میں (۴۳) ترجمے ملے ہیں جو حیرت انگیز بات ہے یہ مردہ زبان ہے اب اس میں کوئی نیا ترجمہ کئی سو برس سے نہیں ہوا۔ زندہ مغربی زبانوں میں سے انگریزی میں (۸۵) جرمن میں (۴۶) اور فرانسیسی میں (۳۶) ترجموں کا پتا چلا ہے اور ظاہر ہے کہ زندہ اور بولی جانے والی زبانوں میں آئے دن نئے مترجم نئے ترجمے کرتے ہی رہیں گے۔ اگرچہ طباعت کے روز افزوں گرانی سے نئے مترجم اب بے بس ہوتے جا رہے ہیں اور متعدد ترجمے قلمی ہی رہ گئے ہیں مثلاً ایک نومسلم انگریز عورت کا پاکستان میں کیا ہوا انگریزی ترجمہ۔

امریکی اور مشرقی ترجمے

اوپر (۴۷) یوروپی زبانوں کے تراجم کا ذکر ہوا۔ اوشیانیا اور افریقا کی ساٹھ زبانوں کے جن میں ترجمے ملے ہیں۔ نام نیچے درج کیے جاتے ہیں۔ امریکی سرخ فام قوموں کی زبانوں میں البتہ اب تک کسی ترجمے کا پتا نہ چلا اور نہ انتظام ہو سکا۔ نہ جزئی نہ کامل۔

مشرقی ترجمے ذیل کی زبانوں میں ملے ہیں:

(۱) آذری (۲) آسامی (۳) اردو (۴) ارمنی (۵) اڑیا (۶) اَمہری' (حبشی) (۷) اندونیسی (۸) اُلوف (سینگالی)' (۹) بربر (۱۰) برِی (۱۱) برنو (۱۲) بروہوی (۱۳) بلوچی (۱۴) بمرا (۱۵) بنگالی (۱۶) پالی (۱۷) پشتو (۱۸) پنجابی (۱۹) تامل (۲۰) ترکستانی (۲۱) ترکی' عثمانی (۲۲) تلنگی (۲۳) تھائی لینڈی (۲۴) جاپانی (۲۵) جاوی

Marfat.com

(۲۶) جرجانی (۲۷) چینی (۲۸) حوسہ (۲۹) دکھنی (۳۰) زولو (۳۱) ساراکولا (۳۲) سریانی (۳۳) سنڈانی (۳۴) سندھی (۳۵) سنسکرت (۳۶) سنہالی (سیلونی) (۳۷) سواحلی (۳۸) سوزای (۳۹) عبرانی (۴۰) فارسی (۴۱) فُلاتہ' (۴۲) فلپینو' (۴۳) کردی (۴۴) کشمیری (۴۵) کنٹری (۴۶) کونی (۴۷) کوہستانی (۴۸) گجراتی (۴۹) گورکھی (۵۰) لوگانڈا (۵۱) مجند تاد (۵۲) مرہٹی (۵۳) مکاسری (۵۴) مکرانی (۵۵) ملایالم (۵۶) ملایائی (۵۷) ملتانی (۵۸) میمنی (۵۹) ہندی (۶۰) یورویا۔

مشرق ومغرب کی یہ ایک سوسات زبانیں ہیں۔ان کے علاوہ عربی ہے جس میں اصل قرآن مجید ہے ترجے کا سوال نہیں کہ یہ زبان ابھی زندہ ہے اور بولی سمجھی جاتی ہے۔

یہ موادمیرے پاس ہے ممکن ہے کہ کچھ اور زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے ہوں۔خاص کرسیاہ افریقا میں۔مثلاً کچھ عرصہ قبل پاریس کے کتب خانہ عام نے ایک افریقی ترجمے کا مخطوطہ بتا کر مجھ سے نام پوچھا کہ یہ کون سی زبان ہے۔میں نے لاعلمی ظاہر کی۔

کراچی کے اخبار ''مسلم ورلڈ'' میں اکثر تراجم قرآن کا ذکر آتا رہتا ہے۔اگر ''فاران'' کے ناظر اور منتظم بھی اس کا پتا چلاتے اور اطلاع چھاپتے رہیں تو سودمند ہو۔

کامل اور جزئی ترجمے

کہنے کو تو اب بفضل خدا سو سے زائد زبانوں میں قرآن مجید کے بھلے برے ترجمے ہو چکے ہیں لیکن ان میں کافی تعداد ایسی بھی ہے جن میں سورہ فاتحہ وغیرہ دو چار مختصر سوروں سے زیادہ کو منتقل نہیں کیا گیا ہے' خاص کر یورپ کی چھوٹی زبانوں میں ان ترجموں کا مقصد زیادہ تر یہ ہے کہ ان مقاموں کے نومسلم نماز میں جو چیز پڑھتے ہیں اس کا مفہوم سمجھ کر پڑھیں۔

اسی طرح اچھی خاصی تعداد زبانوں کی ایسی ہے جن میں تا حال کوئی مسلمان مترجم نہیں مل سکا ہے۔کچھ زبانیں ایسی ہیں جن میں عربی نہ جاننے کی وجہ سے مترجم نے کسی ترجمے سے ترجمہ کیا ہے۔

دنیا میں اس وقت زندہ اور بولی جانے والی زبانوں کی تعداد ایک ہزار سے کچھ زائد بتائی جارہی ہے مگر ترجمے سریانی اور لاطینی ہی نہیں سنسکرت میں بھی ہیں۔(سنسکرت میں چند

Marfat.com

پاروں کا ترجمہ حیدرآباد دکن کے گنڈے راؤ نے کیا اور وہ غالباً ابھی زندہ ہیں) ظاہر ہے کہ ایسے ترجموں کی عملی افادیت کم ہے۔

انگلستان کی بائبل سوسائٹی نے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس میں یہ بتائے بغیر کہ ہر زبان میں انجیل کے کتنے ترجمے ہیں اور کس کس نے کب کیے ہیں' مختلف زبانوں میں انجیل کی ایک آیت (جو ہر زبان میں وہی نہیں ہے) بطور نمونہ شامل کی ہے۔ کتاب کا نام Bible in many Tongues ہے اس کا جو ایڈیشن میرے پاس ہے اس میں ایک ہزار سے زائد زبانوں کے نمونے ہیں۔ ان میں زندہ اور مردہ سب ہی زبانیں ہیں اور مزید زبانوں کے لیے کام جاری ہے۔

اس کو دیکھتے ہوئے قرآن کا سو' سوا سو زبانوں ہی میں پایا جانا موجب عبرت ہے۔ قرآن مجید کی چودہ سو سالہ سالگرہ سے بہت سی توقعات تھیں لیکن اب تک جن دو چار ملکوں میں قرآنی اداروں کے قائم ہونے کا علم ہوا ہے۔ ان میں مختلف زبانوں کے ترجمے کو نمائش کی خاطر جمع کرنے کی چھوٹی سی کوشش شاید ہوئی ہے۔ نئی زبانوں میں اور جزئی ترجمہ والی زبانوں میں کامل ترجمے میرے علم کی حد تک ربوہ اور قادیان[1] کے سوا کسی اور ادارے نے نہیں کرائے ہیں۔ مکہ معظمہ کے رابطہ اسلامیہ نے بہ ظاہر کوئی خاص کام اب تک نہیں کیا ہے کسی نئی زبان میں ترجمہ کرا کر چھاپنا تو کیا اپنی کتاب ''القرآن فی کل لسان'' کا چوتھا ایڈیشن طبع کرانا بھی میرے ذاتی امکان سے باہر ہے۔ کتاب بڑی نہیں' تین چار سو صفحے ہی ہوں گے' لیکن مختلف زبانوں کو چھاپنے میں جن حروف کی ضرورت صرف عربی اور لاطینی خط میں ہوتی ہے وہ بھی کسی معمولی مطبع کے بس کی چیز نہیں۔ ایسا مطبع چاہیے جو حروف ڈھالتا ہو۔ سورہ فاتحہ کے ترجمے جو بطور نمونہ ہیں ان کو فوٹو اور بلاک کے ذریعے سے چھاپا جا سکتا ہے۔ لیکن مؤلفوں اور کتابوں کے نام بہرحال کمپوز کرنے پڑیں گے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

---

[1] قادیانی' حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک جھوٹے مدعی نبوت کو مانتے ہیں اس لیے وہ مسلمان نہیں ہیں' قرآن کریم کی اشاعت یا ترجمانی یا تفسیر کا انہیں آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا' ان کی حیثیت غیر مسلم مستشرقین جیسی ہے۔ (فاران)

(فاران)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا یہ مقالہ ان کی تحقیق وتفحص کا شاہکار ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں مگر مقام افسوس وحیرت ہے کہ قرآنی تراجم پر ان کی اتنی معرکہ آرا تصنیف کی اشاعت کا اہتمام اب تک نہیں ہو سکا...... اس مضمون میں شمس الائمہ سرخسی کے حوالہ سے نماز میں (نومسلموں کے لیے ناگزیر حالات میں) ترجمہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے' مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی اس رائے اور اجتہاد سے رجوع کرلیا تھا لہذا یہ مسئلہ سرے سے ہی کالعدم ہو جاتا ہے.......... صحیح صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے کسی خطہ کے رہنے والے کو اس کی شکایت نہیں ہوئی کہ وہ قرآن کے حروف کا تلفظ کرنے سے معذور ہے یا قرأت میں کوئی بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ ہاں فارسی کی ''ژ'' ہندی کے '' ڈھا'' ''چھا'' '' جھنجھناہٹ'' ''تجھ'' ''جھوٹا'' '' ٹھونٹ...... کے تلفظ میں دشواری پیش آسکتی ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم نماز مغرب سے چند منٹ قبل اسلام قبول کرلیتا ہے تو اس کو ''اللہ'' یا ''بسم اللہ'' یاد کرادی جائے گی کہ وہ جماعت میں امام کی اقتدا میں قیام اور رکوع وسجود کرے اور ان لفظوں (اللہ یا بسم اللہ) کو دہراتا رہے۔ پھر مغرب سے عشاء تک کافی وقت ملتا ہے وہ سورہ فاتحہ کی دو تین آیتیں حفظ کرسکتا ہے اور عشاء کے بعد دو ڈھائی گھنٹہ کی محنت میں سورہ فاتحہ پوری یاد ہوسکتی ہے اسی طرح دو تین دن میں اسے پوری نماز یاد ہو جائے گی۔ اگر کوئی شخص نماز فجر کے بعد مسلمان ہوتا ہے تو اسے ظہر تک سورۂ فاتحہ کو ازبر کرنے کا خاصہ وقت ملتا ہے۔ '' صلوٰۃ'' میں قرآن کریم کا کوئی جزو (ماتیسر من القرآن) تلاوت کرنا چاہیے اور قرآن کا ترجمہ'' قرآن'' (T e x t) نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن کا ترجمہ نماز میں پڑھ لینے سے '' ماتیسر من القرآن'' کی تعمیل نہیں ہوسکتی۔ دنیا میں کسی کتاب کے لاکھوں حفاظ نہیں پائے جاتے یہ قرآن کریم کے تلفظ وہجا کے اعتبار سے بھی'' اس کے آسان ہونے کی دلیل بلکہ معجزہ ہے کہ مسلمانوں کا شاید کوئی قریہ بھی حافظ قرآن کے وجود سے خالی نہیں ہے۔''

(''فاران'' کراچی۔ مئی 1971ء)

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

Marfat.com

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ
فَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

(قسط نمبر ۱)

تحقیق و تنقید: جناب غازی عزیر

اس مشہور روایت کو امام ابو الفرج ابن الجوزیؒ نے "حسن بن عطیہ عن ابی عاتکہ عن انسؓ" کے طریق سے یوں ذکر فرمایا ہے:

اَنْبانا مُحَمَّدُ بْنُ ناصِرٍ قال انبانا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مَيْمُوْنٍ قال انبانا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ الْعَلَوِيُّ قال انبانا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بَيانٍ قال حدّثنا اَحْمَدُ بْنُ خالِدِ الْمَرْهَبِيُّ قال حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حَبِيْبٍ قال حدّثنا الْعَبّاسُ بْنُ اِسْماعِيْلَ قال حدّثنا الْحَسَنُ بْنُ عَطِيَّةَ الْكُوْفِيُّ عن ابي عاتكة عن انسٍ قال قال رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّى اللّٰه عليه وسلّم: اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ.[1]

اور

" انبانا عُمَرُ بْنُ ابي الْحَسَنِ الْبِسْطامِيُّ قال انبانا ابراهيم بْنُ ابي نَصْرٍ الْاَصْبَهانِيُّ قال انبانا مَنْصُوْرُ بْنُ نصر بن عبد الرّحيم السَّمَرْقَنْدِيُّ قال حدّثنا الْهَيْثَمُ بْنُ كُلَيْبٍ الشّاشِيُّ قال حدّثنا

Marfat.com

الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّوْرِيُّ ح وَانْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ خَيْرُوْنَ قَالَ انْبَانَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ انْبَانَا حَمْزَةُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ انْبَانَا اَبُوْ اَحْمَدَ بْنُ عَدِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ قُتَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَطِيَّةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاتِكَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ فَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ.''[2]

امام ابن الجوزیؒ کے علاوہ اس روایت کو ابونعیم اصبہانی[3]، ابن عبدالبر[4]، خطیب[5] بغدادیؒ، ضیاء مقدسی[6]، ابن علیک[7] نیشاپوری، ابن عدیؒ[8]، اور ابوالقاسم قشیریؒ[9] وغیرہ نے بھی ''حسن بن عطیہ الکوفی ثنا ابو عاتکہ طریف بن سلمان عن انس'' کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

بعض روایات میں صرف ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ'' اور بعض میں ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ'' کے بعد ''فَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ'' کے الفاظ کا اضافہ اور بعض میں صرف ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ'' کے الفاظ ملتے ہیں۔

اس روایت کے نصف اول یعنی ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ'' کے متعلق ابن عدیؒ فرماتے ہیں:

''مجھے علم نہیں کہ حسن بن عطیہ کے علاوہ کسی اور نے ''وَلَوْ بِالصِّيْنِ'' (خواہ چین میں ہو) کا قول روایت کیا ہو۔''[10]

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ'' کو حسن بن عطیہ کے علاوہ کوئی دوسرا راوی بیان نہیں کرتا۔[11] نیز اس امر کو حاکم نے بھی قبول کیا ہے جیسا کہ ابن المحب نے حاکم سے نقل کیا ہے۔''[12]

امام ابن الجوزی نے بھی حاکم نیشاپوری کی اس تحقیق کو نقل فرمایا ہے: ''حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری کا قول ہے کہ اس میں حسن بن عطیہ کا تفرد ہے۔''[13]

Marfat.com

لیکن حاکم نیشا پوری کی رائے سے اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

''یہ قول حاکم کی تحریف ہے کیونکہ یہی روایت حسن بن عطیہ کے علاوہ دوسرے طریق اسناد کے ساتھ بھی مروی ہے۔''[۱۴]

" اَنْبَانَا بِهِ عَبْدُالْوَهَّابِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُظَفَّرِ قَالَ اَنْبَانَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ الْعُقَيْلِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ الدَّخِيلِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الْعُقَيْلِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ الزعفرانی قال حدثنا احمد بن ابی شریح قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدِ الْخَيَّاطُ قَالَ حَدَّثَنَا طَرِيفُ بْنُ سُلَيْمَانَ اَبُوعَاتِكَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ فَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ "[۱۵]

امام عقیلیؒ نے بھی روایت کے اس دوسرے طریق کی تخریج یوں بیان فرمائی ہے:

" عَنْ حَمَّادِ بْنِ خَالِدِ الْخَيَّاطُ قَالَ حَدَّثَنَا طَرِيفُ بْنُ سُلَيْمَانَ بِهِ. الخ. "[۱۶]

اور ساتھ ہی اس پر یہ حکم لگایا ہے: ''وَلَوْ بِالصِّيْنِ '' کے الفاظ ابو عاتکہ کی روایت کے علاوہ کسی اور سے محفوظ نہیں ہیں جبکہ وہ خود متروک الحدیث ہے نیز ''فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ '' کی روایت میں بھی ضعف کی لچک کا تقرب پایا جاتا ہے۔''[۱۷]

اس روایت کے ہر دو طریق کے مشہور راویوں یعنی عطیہ الکوفی اور ابو عاتکہ طریف بن سلیمان کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

''حسن بن عطیہ کی ابو حاتم رازیؒ نے تضعیف کی ہے اور ابو عاتکہ کے متعلق امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔''[۱۸]

امام بخاریؒ کی طرح ابو عاتکہ کی تضعیف میں امام نسائیؒ نے "لَیْسَ بِثِقَۃٍ" (یعنی ثقہ نہیں ہے) امام عقیلیؒ نے "متروک الحدیث" اور ابو حاتم رازیؒ نے "ذَاھِبُ الْحَدِیْثِ" ہونے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ان کے فرزندؒ نے اپنے والدؒ سے نقل کیا ہے۔[19]

علامہ محمد ناصر الدین الالبانی فرماتے ہیں: "آفت الحدیث ابو عاتکہ وہ شخص ہے جس کی تضعیف پر اتفاق ہے۔"[20]

امام ابو الفرج ابن الجوزی التیمیؒ نے اس روایت کو اپنی مشہور کتاب "الموضوعات" میں درج کیا ہے پس یہ قابل التفات نہیں ہے کیونکہ امام ابن الجوزی کی اصطلاح میں موضوع وہ حدیث ہے جس کے بطلان پر دلیل قائم کی جائے۔ اگرچہ اہل علم حضرات کی ایک جماعت نے ان کی موضوع ٹھہرائی ہوئی بعض احادیث سے اختلاف کیا ہے[21] لیکن بقول علامہ ابن تیمیہؒ: "حق یہ ہے کہ موضوعات کے باب میں ابن الجوزیؒ کی رائے باتفاق علماء بیشتر صحیح ہے۔"[22]

چنانچہ اس روایت کو "موضوعات" میں درج کرنے کے بعد امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: "اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرنا صحیح نہیں ہے۔"[23]

علامہ ابن قدامہؒ الدوریؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ "انہوں نے یحیٰی بن معینؒ سے ابو عاتکہ کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا[24]" اور امام مروزی سے روایت ہے کہ "ابو عبداللہ یعنی امام احمدؒ نے اس حدیث کو بیان کر کے اس کا شدید انکار فرمایا۔" ابن حبان کا قول ہے: "وھٰذَا الْحَدِیْثُ بَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَہٗ۔" "یعنی یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں[25]" علامہ شمس الدین سخاویؒ نے اس قول کو "المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ"[26] میں ترجیحاً نقل کیا ہے۔ علامہ محمد ناصر الدین الالبانی بھی اس حدیث پر "باطل" ہونے کا حکم لگاتے ہیں[27]۔ لیکن جلال الدین سیوطیؒ نے "اللآلی المصنوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ" میں امام ابن الجوزیؒ کے ابن حبان سے نقل کردہ قول پر تعقب کیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ:

"یہ روایت، دوسرے دو طریق سے وارد ہوئی ہے: (۱) یعقوب بن اسحاق ابراہیم عسقلانی کی مرفوع روایت بسند عن زہری عن انسؓ، جسے حافظ ابن عبدالبرؒ نے روایت کیا ہے اور (۲) احمد بن عبداللہ الجویباری کی مرفوع روایت بسند عن ابی ہریرۃؓ، جس میں روایت کا صرف نصف اول یعنی "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْنِ" مروی ہے۔[28]

Marfat.com

اس تعقب کی چند چیزیں محل نظر ہیں۔ مثلاً اول الذکر طریق اسناد میں یعقوب نامی راوی موجود ہے۔ جو بقول امام ذہبیؒ "کذاب" ہے۔ یعقوب کی تکذیب کے بعد امام ذہبیؒ نے اس کی روایت کی ہوئی بعض دوسری باطل روایات کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اس نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہیں مثلاً "مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا۔" وغیرہ[29] اور آخر الذکر بطریق اسناد میں ایک راوی احمد بن عبداللہ نیشاپوری الجویباری ہے جس کے متعلق امام ابن الجوزیؒ نے مقدمہ "موضوعات" میں[30] "اِنَّہٗ مِنْ کِبَارِ الْوَضَّاعِیْنَ" یعنی وہ کبار وضاعین میں سے ہے، لکھا ہے نیز اس راوی کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ خود فرماتے ہیں: "وَالْجُوَیْبَارِیُّ وَضَّاعٌ۔" یعنی جویباری وضاع ہے۔ چنانچہ واضح ہوا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا یہ تعقب کچھ حقیقت وقعت کا حامل نہیں ہے۔

صاحب "التعقبات علی الموضوعات" فرماتے ہیں: "اس روایت کی تخریج ابو عاتکہ کے طریق سے امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں کی ہے اور اس پر یہ حکم لگایا ہے: "مَتْنٌ مَشْھُوْرٌ وَ اِسْنَادٌ ضَعِیْفٌ۔" یعنی متن مشہور اور اسناد ضعیف ہیں۔ ابو عاتکہ امام ترمذیؒ کے رجال میں سے ایک ہے، جس پر انہوں نے کذب یا تہمت کی کوئی جرح نہیں کی ہے۔ ابو عاتکہ کی حضرت انسؓ سے روایت میں متابعت موجود ہے (حافظ) ابو یعلی الموصلی اور (حافظ) ابن عبدالبر رحمہما اللہ نے "جامع بیان العلم" میں کثیر بن شنظیر عن ابن سیرین عن انسؓ " کے طریق سے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے۔ (حافظ) ابن عبدالبرؒ نے ایک اور طریق یعنی "عبید بن محمد الفریابی عن سفیان بن عیینہ عن الزہری عن انسؓ" سے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے۔ روایت کے نصف ثانی کی امام ابن ماجہ نے بھی تخریج کی ہے۔ جس کے بہت کثیر طرق اسناد حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ حافظ مزی فرماتے ہیں، ان روایات کا مجموعہ مرتبہ حسن تک پہنچتا ہے۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں عن انسؓ اس کو چار طرق سے اور عن ابی سعید الخدریؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔"[31]

اس تعقب کی بھی بہت سی چیزیں محل نظر ہیں، جن کا علمی جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(۱) امام بیہقیؒ کا قول شعب الایمان کے حوالہ سے جو اوپر نقل کیا ہے۔ یعنی:

"مَتْنُہٗ مَشْھُوْرٌ وَ اِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ وَ قَدْ رُوِیَ مِنْ اَوْجُہٍ کُلُّھَا ضَعِیْفَۃٌ۔"[32]

Marfat.com

تو آپؒ کا یہ قول روایت کے نصف ثانی سے متعلق ہے، نصف اول کے متعلق آں رحمہ اللہ نے قطعاً یہ نہیں فرمایا ہے۔

(۲) جہاں تک ابو عاتکہ کے امام ترمذیؒ کے رجال میں سے ہونے اور اس پر کذب یا کسی دوسری تہمت کی جرح نہ کیے جانے کا تعلق ہے تو وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو عاتکہ کی تضعیف میں کبار محدثین اور مشہور ائمہ رجال مثلاً امام بخاریؒ، امام نسائیؒ، امام عقیلیؒ، امام ابو حاتم، رازیؒ اور امام ابن الجوزیؒ وغیرہ کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ جن میں سے چند پہلے ہی نقل کیے جا چکے ہیں۔

(۳) کثیر بن شنظیر کی روایت جو "جامع بیان العلم" میں [33] "عن ابن سیرینؒ عن انسؓ" کے طریق سے اوپر بیان کی گئی ہے۔ اس کو سہمی نے تاریخ جرجان [34] میں اور ذہبی [35] نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن ان تمام کتب میں ابن ماجہ کی روایت کی طرح فقط روایت کا نصف ثانی موجود ہے، نصف اول تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہیں مل سکا۔

(۴) حافظ ابو یعلیٰ الموصلیؒ کی روایت میں بھی روایت کا نصف اول انتہائی تلاش کے باوجود نہ مل سکا اور بقول علامہ جلال الدین سیوطیؒ کہ: "اگر موجود ہوتا تو اسے علامہ ہیثمیؒ نے "المجمع الزوائد" میں ضرور جمع کیا ہوتا جو کہ نہیں ہے۔" نیز کثیر بن شنظیر کے متعلق علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ "یحییٰ کا قول ہے: "لَیْسَ بِشَیْءٍ" [36] لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: "صَدُوْقٌ یَخْطِیءُ" [37]

کثیر بن شنظیر کے علاوہ طریق اسناد میں اور بھی کئی مجروح رواۃ ہیں، جن کا ذکر ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ آگے کیا جائے گا۔ پس واضح ہوا کہ فن اسماء الرجال کی کسوٹی پر یہ طریق بھی کھرا ثابت نہ ہو سکا۔

حافظ ابن عبد البرؒ کی "زہری عن انسؓ" والی روایت دو طریق سے وارد ہوئی ہے، جس کے پہلے طریق میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے، جسے امام ذہبی نے "ضعفاء" میں شمار کیا ہے اور امام ابن الجوزیؒ نے بھی اسے "ضعیف" بتایا ہے۔ [38]

ابن عیاش کے متعلق مشہور ہے کہ ایسی روایات، جو وہ غیر شامیوں سے روایت کرتا ہے ان میں (یقیناً) ضعف پایا جاتا ہے۔ [39] اور چونکہ زیر نظر روایت میں بھی وہ ایک غیر شامی (یونس

Marfat.com

بن یزید، جو اہل مصر میں سے تھے) سے روایت کرتا ہے، اس لیے اس میں بھی ضعف ہے۔ اسماعیل بن عیاش کے علاوہ اس طریق اسناد میں ایسے اور کئی رواۃ موجود ہیں جو عندالمحدثین مجروح قرار پائے ہیں۔

''زہری عن انسؓ '' کی دوسری روایت میں عبید بن محمد الفریابی راوی ''مجہول'' ہے۔ اس کی ''جہالت کی طرف علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ابتداء سند نقل کرتے ہوئے خود ارشاد فرمایا ہے۔ پس اس طریق کو صحیح وسالم تصور کرنا محض واہمہ ہے۔

(۶) صاحب التعقبات علی الموضوعات کا یہ قول کہ: ''اس روایت کے بہت کثیر طرق اسناد ہیں...... '' تو اس سے مراد محض روایت کا نصف ثانی ہے، جیسا کہ کتب احادیث کے مطالعہ اور خود صاحب 'التعقبات'' کے کلام سے ظاہر ہے۔ یہاں البتہ علامہ مناویؒ یہ سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں کہ اس سے مراد پوری روایت ہے۔ چنانچہ اپنی شرح میں ابن حبانؒ کے اس روایت کے ''ابطال'' اور امام ابن الجوزیؒ کے ''موضوع'' ہونے کے احکام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ابن ہم علامہ مزیؒ کا قول پیش کرتے ہیں: اس روایت کے کئی طرق ہیں، جن کا مجموعہ درجۂ حسن تک پہنچتا ہے۔ اور علامہ ذہبیؒ کا قول ''تلخیص الواہیات'' میں اس طرح درج ہے کہ: متعدد واہیات طرق سے یہ روایت وارد ہوئی ہے لیکن اس کے بعض طرق صالح ہیں۔''

علامہ محمد ناصر الدین الالبانی علامہ مناویؒ، علامہ مزیؒ اور علامہ ذہبیؒ کے مندرجہ بالا اقوال کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ علامہ مناویؒ کا یہ محض وہم وگمان ہے کیونکہ علامہ مزی کی مراد روایت کے فقط نصف ثانی سے ہے، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے سابقہ کلام سے ظاہر ہے۔ اور اسی روایت کے نصف ثانی کو علامہ ذہبیؒ نے ''تلخیص الواہیات'' میں بھی مراد لیا ہے (جس کا علامہ مناویؒ نے حوالہ نقل کیا ہے) جس کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔''[۲۴]

محترم علامہ محمد ناصر الدین الالبانی مزید یہ فرماتے ہیں کہ: ''روایت زیر نظر کے نصف اول کے متعلق ابن حبانؒ اور ابن الجوزی نے جو حکم لگایا وہ برحق ہے کیونکہ ایسا کوئی صالح طریق اسناد موجود نہیں ہے جو اس کی صحت کو تقویت دے سکتا ہو، لیکن روایت کے نصف ثانی کا بقول

Marfat.com

علامہ مزیؒ درجہ حسن تک پہنچنے کا احتمال ہے کیونکہ حضرت انس سے مروی اس کے بہت سے طرق وارد ہوئے ہیں۔'' جن میں سے آں محترم کو صرف آٹھ طرق مل سکے ہیں۔

حضرت انسؓ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت، جن میں ابن عمر، ابوسعید، ابن عباس، ابن مسعود، اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، نے بھی اس نصف ثانی کو روایت کیا ہے۔ علامہ محترم کو بقیہ طرق اسناد کی تلاش ہے تا کہ ان پر تحقیق کر کے صحت یا تحسین یا تضعیف کا حکم لگا سکیں۔ [۴۲]

اوپر علامہ محترم محمد ناصر الدین الالبانی صاحب نے علامہ مناویؒ، علامہ مزیؒ اور علامہ ذہبیؒ کے اقوال پر اعتماد کرتے ہوئے اس نصف ثانی روایت کے بعض طرق کے صالح ہونے یا ان کے مجموعہ کے درجہ حسن تک پہنچنے کی تائید یا کم از کم ان کے درجہ حسن تک پہنچنے کے احتمال کا جو اظہار فرمایا وہ قطعاً حقیقت وانصاف کے منافی ہے جس کا تفصیلی جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت انسؓ سے اس روایت (نصف ثانی) کے سولہ طرق وارد ہوئے ہیں، جو اس طرح ہیں۔

طریق اول

"اَنَا عَلِيُّ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْبَاقِيْ قَالَا اَخْبَرَنَا الصَّرِيْفِيْنِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا الْكَتَانِيُّ قَالَ نَا اَبُوْ عَلِيٍّ اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُحَمَّدِ الصَّفَّارُ قَالَ حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ التَّرْقُفِيُّ قَالَ نَا رَوَّادُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ عَبْدِالْقُدُّوْسِ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ : لَمْ اَسْمَعْ مِنْ اَنَسٍ اِلَّا حَدِيْثًا عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ." (ذکرہ ابن عبدالبر والبیھقی والسخاوی وابن الجوزی) [۴۳]

یہ حدیث قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ اس طریق اسناد میں ایک راوی عبدالقدوس ابن حبیب دمشقی ہے جو کذاب ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ نے عبدالقدوس کو ''متروک'' قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے تصریح کی ہے کہ 'اِنَّہٗ کَانَ یَضَعُ الْحَدِیْثَ' یعنی وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا، عبدالرزاق کا قول ہے کہ ''میں نے ابن مبارکؒ کو عبدالقدوس کے علاوہ کسی اور کو ''کذاب'' کہتے

Marfat.com

نہیں سنا [۴۴]۔اس طریق میں عبدالقدوس راوی کا تابع ابراہیم بن سلام بھی بزارؒ کے نزدیک ''مجہول'' ہے۔[۴۵]

طریق دوم

" اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْخَطِيْبِيُّ . حِيْنَ قَدِمَ عَلَيْنَا قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ عُمَرَ بْنِ شَمَةَ قَالَ نَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْمُقْرِئُ قَالَ نَا اَبُوْيَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ قَالَ نَا هُزَيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْجَمَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الزُّهْرِيُّ قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ شَقِيْقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ الْمُقْرِئُ: وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ نُصَيْرٍ قَالَ اَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَالْبَجَلِيُّ قَالَ نَاحَسَنُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ شَنْظِيْرٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ: ..... الخ " (ذكره ابن عبدالبرؒ والسهميؒ والذهبيؒ وابن الجوزيؒ) [۴۶]

یہ طریق اسناد بھی نہایت کمزور ہے کیونکہ اس طریق کے بعض رواۃ کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: ''راوی عثمان بن عبدالرحمٰن الزہری کے متعلق یحییٰؒ کا قول ہے: ''كَانَ يَكْذِبُ ''اورابن حبانؒ کا قول ہے: ''كَانَ يَرْوِيْ عَنِ الثِّقَاتِ الْمَوْضُوْعَاتِ ''یعنی ثقہ راویوں سے موضوعات روایت کرتا ہے،راوی کثیر بن شنظیر کے متعلق یحییٰؒ کا قول ہے: ''لَيْسَ بِشَيْءٍ ''حفص بن سلیمان کے متعلق امام احمدؒ کا قول ہے: ''هُوَ مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ ''یعنی وہ متروک الحدیث ہے۔اس طریق کا ایک اور راوی اسماعیل بن عمرو البجلی ہے جو ضعیف ہے۔''[۴۷]

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کثیر بن شنظیر کے متعلق ''صَدُوْقٌ يُخْطِئُ '' کا قول اختیار کیا ہے [۴۸]۔لیکن حق یہ ہے کہ امام ابن الجوزیؒ کی رائے زیادہ قوی اور راجح ہے۔

Marfat.com

طریق سوم

" اَنَا عَلِیُّ بْنُ عُبَیْدِاللّٰہِ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْبَاقِیْ قَالَ اَنَا اَبُوْمُحَمَّدِ الصُّرَیْفِیْنِیُّ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَفْصِ الْکَتَانِیُّ قَالَ نَا اَحْمَدُ بْنُ نَصْرِ الْبَغْلَانِیُّ قَالَ نَا اِبْرَاھِیْمُ یَعْنِی ابْنَ رَاشِدٍ قَالَ نَا حَجَّاجُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ نَا الْمُثَنّٰی بْنُ دِیْنَارِ الْجَھْضَمِیُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: "
طَلَبُ الْعِلْمِ ...... الخ " (ذکرہ ابن الجوزیؒ) [49]

اس طریق میں ابوحفص الکتانی کا نام عمر بن ابراہیم بغدادی ہے [50]۔ یہ روایت بھی قوی الاسناد نہیں ہے کیونکہ امام ابن الجوزیؒ اس طریق کے راوی مثنیٰ بن دینار کے متعلق امام عقیلیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ: "فِیْ حَدِیْثِہٖ نَظَرٌ" [51]۔

طریق چہارم

" ...... نَا عُبَیْدُ بْنُ مُحَمَّدِ الْفِرْیَابِیُّ عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عُیَیْنَۃَ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:
" طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ" (ذکرہ ابن عبدالبرؒ) [52]

اس طریق میں عبید بن محمد الفریابی راوی "مجہول" ہے اس راوی کی "جہالت" کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے پوری سند نقل کرتے ہوئے ابتداءً خود اشارہ فرمایا ہے۔ [53]

طریق پنجم

" اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ خَیْرُوْنَ قَالَ اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مَسْعَدَۃَ قَالَ نَا اَبُوْعَمْرٍو الْفَارِسِیُّ قَالَ نَا ابْنُ عَدِیٍّ قَالَ نَا بَابَوَیْہِ بْنُ خَالِدٍ قَالَ نَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَۃَ قَالَ نَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ خِرَاشٍ عَنِ الْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ التَّیْمِیِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:
طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ. " (ذکرہ ابن الجوزیؒ) [54]

Marfat.com

یہ روایت بھی صحیح ثابت نہیں ہے کیونکہ اس طریق کا راوی عبداللہ بن خراش ہے۔ جسے ابن حبان نے ''ضعیف'' درج کیا ہے۔[55]

امام ابن الجوزی عبداللہ بن خراش کے متعلق ابوزرعہؒ کا قول نقل فرماتے ہیں: ''لَیْسَ بِشَیْءٍ ''[56] اس طریق روایت میں ایک راوی ابراہیم التیمی بھی ہے جس کے متعلق اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ وہ عندالبزار ''مجہول'' ہے۔[57]

طریق ششم

" اَنَا اَبُوْ مَنْصُوْرٍ الْقَزَّازُ قَالَ نَا اَبُوْبَکْرٍ اَحْمَدُ بْنُ عَلِیِّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ عَلِیِّ بْنِ الْوَرَّاقِ قَالَ نَا عَلِیُّ بْنُ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ السُّکَّرِیُّ قَالَ نَا اَبُوْ حَامِدٍ اَحْمَدُ بْنُ دَلُوَیْهِ قَالَ نَا اَبُوْ رُمَیْحٍ التِّرمِذِیُّ مُحَمَّدُ بْنُ رُمَیْحٍ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ صَوْرَانَ قَالَ حَدَّثَنَا مَیْمُوْنَ بْنُ زَیْدٍ اَبُوْاِبْرَاهِیْمَ قَالَ نَازِ یَادُ بْنُ مَیْمُوْنٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ... الخ." (ذکرہ الخطیب و ابن عبدالبرؒ ابو نعیمؒ عن طریق زیاد و اور دہ الذھبیؒ وابن الجوزیؒ)[58]

یہ طریق بھی مجروح راوی سے پاک نہیں ہے۔ چنانچہ زیاد بن میمون کے لیے مروی ہے: ''وَکَانَ یَکْذِبُ عَنْ اَنَسٍ ''[59] اور زیاد بن میمونؒ کے متعلق امام ابن الجوزی فرماتے ہیں: ''یزید بن ہارون کا قول ہے: ''کَانَ کَذَّابًا'' اور یحیٰؒ کا قول ہے: ''لَا یُسَاوِیْ قَلِیْلاً وَّلَا کَثِیْرًا ''[60]

طریق ہفتم

" قَالَ الْمُقْرِیءُ: وَنَا اَبُوْ عِمْرَانَ الْخَوْلَانِیُّ نَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِکِ اَبُوالتَّقِیِّ قَالَ نَا الْمُعَافٰی بْنُ عِمْرَانَ قَالَ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ عَیَّاشٍ عَنْ یُوْنُسَ بْنِ یَزِیْدَ الْاَیْلِیِّ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَنَسٍ

Marfat.com

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ " (ذكره ابن عبدالبرؒ و ابن الجوزیؒ) [61]

یہ روایت بھی غیر صحیح ہے کیونکہ اس طریق میں اسماعیل بن عیاش راوی ''ضعیف'' ہے۔ امام ذہبیؒ نے اسے ''ضعفاء'' میں شمار کیا ہے۔ امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: ''هُوَ ضَعِيْفٌ.'' [62]

نیز ابن عیاش کے متعلق مشہور ہے کہ اس کی ان روایات میں جو وہ غیر شامیوں سے روایت کرتا ہے، (یقیناً) ضعف پایا جاتا ہے [63]۔ چونکہ اس کی یہ روایت بھی غیر شامی یعنی یونس بن یزید، جو اہل مصر میں سے تھے، سے مروی ہے اس لیے ضعیف ہے۔

طریق ہشتم

" اَخْبَرَنَا الْقَزَّازُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ وَاَخْبَرَنَا ابْنُ نَاصِرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا نَصْرُ بْنُ اَحْمَدَ قَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ رِزْقٍ قَالَ نَا اَبُوْ اَحْمَدَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عُبَيْدِ الْخَلَّالُ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاضِرِ بْنِ حَيَّانَ قَالَ نَا عِمْرَانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ حَفْصٍ عَنْ مَيْسَرَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ مُوْسَى بْنِ جَابَانِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ (ذكره الخطيب و ابن الجوزیؒ) [64]

اس طریق میں راوی میسرہ بن عبداللہ غالباً میسرہ بن عبدربہ ہے، جس نے موسیٰ بن جابان سے روایت کی ہے اور جیسا کہ خطیب بغدادیؒ نے صراحت کی ہے۔ [65]

علامہ ذہبیؒ کا قول ہے کہ میسرہ بن عبدربہ 'مشہور کذاب ہے [66]'' خطیب بغدادیؒ کے بقول میسرہ بن عبدربہ ''متروک'' ہے۔ [67]

علامہ محمد ناصرالدین الالبانی فرماتے ہیں: ''هُوَ مُتَّهَمٌ لَا بُوْرِكَ فِيْهِ'' [68] اس طریق کے دوسرے راوی عمران بن عبداللہ کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ ''عمران کو ضعیف بتایا گیا ہے۔ [69] پس واضح ہوا کہ یہ روایت بھی ناقابل اعتماد ہے۔

Marfat.com

طریق نہم

" نا ابو سعید الزوزنی قال نا ابوعلی بن وشاح قال نا ابن شاهین قال نا عبدالله بن سلیمان الاشعث قال نا جعفر بن مبشر قال نا یحیی بن حسان عن سلیمان بن قدم عن ثابت البنانی عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: " طلب العلم..... الخ" (ذکره ابن عبدالبر والجوزی) [70]

یہ روایت بھی صحیح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس طریق میں ایک راوی سلیمان بن قدم ہے جس کے متعلق یحییٰ کا قول ہے: "لیس بشئ" امام ابن الجوزی نے بھی یحییٰ کے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ [71]

طریق دہم

" انا هبة الله بن احمد الحریری قال نا محمد بن علی ابن الفتح وانا یحیی بن الحسن بن البناء قال اخبرنا ابوالحسین ابن اللابنوسی قال حدثنا ابوالحسین ابن شمعون واخبرنا ابوسعید احمد بن محمد الزوزنی قال اخبرنا ابوعلی محمد بن وشاح قال اخبرنا عمر بن شاهین قالا نا ابو علی محمد بن محمد بن ابی الحناجر قال نا موسی بن داود قال نا حماد بن سلمة عن قتادة عن انس قال قال النبی صلی الله علیه وآله وسلم: " طلب العلم..... الخ " (ذکره ابن الجوزی) [72]

یہ طریق اسناد بھی صاف وسالم نہیں ہے۔ اگرچہ اس طریق کو ذکر کرنے کے بعد علامہ سخاوی فرماتے ہیں: "رجاله ثقات" یعنی اس کے رجال ثقہ ہیں [73] لیکن امام ابن الجوزی اس طریق کے ایک راوی موسیٰ بن داؤد کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ "مجہول" ہے۔ [74]

Marfat.com

طریق یازدہم

" اَنَا الْقَزَّازُ قَالَ اَنَا اَبُوْبَكْرِ اَحْمَدُ بْنُ عَلِيّ قَالَ نَا اَبُوْ اِسْحَاقَ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ الْمَرْوَزِیُّ قَالَ نَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ. وَاَخْبَرَنَا الْقَزَّازُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَلِيّ قَالَ نَا الْقَاضِیْ اَبُوالْعَلَاءِ قَالَ نَا اَبُوْ عُثْمَانَ سَعِيْدُ بْنُ اَبِی سَعِيْدِ النِّيْسَا بُوْرِیُّ قَالَ نَا اَبُوْ اِسْحَاقَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرَوَيْهِ الْوَاعِظُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْعَبَّاسِ اَحْمَدُ بْنُ الصَّلْتِ بْنِ الْمُغْلِسِ الْجَمَانِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْوَلِيْدِ قَالَ نَا اَبُوْيُوْسُفَ قَالَ نَا اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ" (ذکره الخطیبؒ وابن الجوزیؒ) ۵؎

یہ روایت بھی ساقط الاعتبار ہے کیونکہ اس طریق کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: ''اس میں احمد بن الصلت راوی ہے، جس کے متعلق امام دارقطنیؒ کا قول ہے: ''كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ'' نیز امام دارقطنیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھنا یا ان سے سماع یا کسی بھی ایک صحابیؓ سے ملاقات بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔ ۶؎

خطیب بغدادی نے بھی اپنی اسناد کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کا حضرت انسؓ کو نہ دیکھنا، نہ ان سے سماع ہونا اور نہ ہی امام صاحب کا کسی اور صحابی سے ملاقات کرنا ''عن حمزة السہمی عن دارقطنی'' بیان کیا ہے۔ ۷؎ لیکن علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس بارے میں علامہ خطیب بغدادی کی خطاء کا تذکرہ اس طرح کیا ہے: ''امام ابوحنیفہؒ کی کسی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی، مگر حضرت انسؓ کو امام موصوف نے بچشمِ خود دیکھا ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ انؓ سے آپ کا سماع نہیں ہے۔'' ۸؎

Marfat.com

طریق دوازدہم

" اَنَا اِسمٰعِیلُ بنُ اَحمَدَ قَالَ اَخبَرَنَا اِسمَاعِیلُ بنُ مَسعَدَةَ قَالَ نَا حَمزَةُ بنُ یُوسُفَ قَالَ نَا اَبُواَحمَدَ ابنُ عَدِیّ قَالَ حدَّثنَا اَحمَدُ بنُ عُمَرَ ابنِ البَلَدِیّ قَالَ حدَّثنَا عَبدُ اللّٰهِ بنُ یَزِیدَ الاَعمٰی قَالَ نَا مُحَمَّدُ بنُ سُلَیمَانَ بنِ اَبِی دَاوٗدَ قَالَ نَا مَعَانُ بنُ رِفَاعَةَ قَالَ نَا عَبدُ الوَهَّابِ بنُ بَخْتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ العِلمِ...... الخ"

(ذکرہ ابن الجوزیؒ) [79]

یہ روایت بھی نا قابل اعتبار ہے کیونکہ اس طریق کے ایک راوی معان ابان رفاعہ کو یحییٰ نے ''ضعیف'' بتلایا ہے اور ابن حبانؒ کا قول ہے: ''یَستَحِقُّ التَّرکَ'' یعنی چھوڑ دیے جانے کا مستحق ہے۔ اس طریق کا ایک اور راوی محمد بن سلیمان ہے جس کے متعلق امام ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں: ''هُوَ مُنکَرُ الحَدِیثِ'' یعنی وہ منکر الحدیث ہے۔ لیکن محمد بن سلیمان کو ابوعوانہ اور مسلمہؒ نے ''صَدُوق'' کہہ کر اس کی توثیق کی ہے۔ امام نسائیؒ بھی فرماتے ہیں: ''لا باس بہ'' یعنی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [80]

لیکن امام ابن الجوزیؒ نے معان ابن رفاعہ کے متعلق یحییٰؒ اور ابن حبانؒ کے اقوال اور محمد بن سلیمان کے متعلق ابو حاتم رازی کے قول کو اختیار کیا ہے۔ [81]

طریق سیزدہم

" اَنبَاَنَا اِسمَاعِیلُ قَالَ نَا ابنُ مَسعَدَةَ قَالَ اَخبَرَنَا حَمزَةُ قَالَ اَخبَرَنَا ابنُ عَدِیّ قَالَ نَا اَحمَدُ بنُ مُحَمَّدِ بنِ عَنبَسَةَ قَالَ نَا سُلَیمَانُ بنُ سَلَمَةَ هُوَالخَبَائِرِیُّ قَالَ حدَّثنَا بَقِیَّةُ قَال نَا الاَوزَاعِیُّ عَنْ اِسحٰقَ بنِ عَبدِاللّٰهِ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وآلِہ وسَلَّمَ: " طَلَبُ العِلمِ الخ"

(ذکرہ ابن الجوزیؒ) [82]

Marfat.com

یہ روایت بھی بھروسا کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس طریق کے راوی سلیمان بن سلمہ الخبائری کے متعلق ہیثمیؒ نے درج کیا ہے: ''اِنَّهُ مَتْرُوْکٌ [۸۳]'' ابن جنید کا قول ہے: ''کَانَ یَکْذِبُ [۸۴]'' ابن حبان نے اس راوی کا ذکر ''ضعفاء'' میں کیا ہے اور خطیب بغدادی کا قول ہے: ''وَالْخَبَائِرِیُّ مَشْهُوْرٌ بِالضَّعْفِ'' اور امام الجوزیؒ فرماتے ہیں، خبائری کے متعلق امام رازیؒ کا قول ہے کہ وہ ''متروک الحدیث'' ہے۔[۸۶]

طریق چہاردہم

"...... اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اَحْمَدَ قَالَ نَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا حَمْزَةُ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ عَدِیٍّ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ النَّضرِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ مُوْسَی الْجُرْشِیُّ قَالَ نَا حَسَّانُ بْنُ سِیَاهٍ قَالَ نَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ" (ذکرہ ابن عبدالبرؒ و ابن الجوزیؒ [۸۷]

یہ طریق بھی ضعیف راوی سے پاک نہیں ہے، چنانچہ امام ابن الجوزیؒ فرماتے کہ: ''اس میں حسان بن سیاہ راوی ہے جس کی ''تضعیف'' امام دارقطنیؒ نے فرمائی ہے۔[۸۸]

طریق پانزدہم

"...... اَنْبَانَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اَحْمَدَ قَالَ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ نَا حَمْزَةُ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ نَا اَبُوْاَحْمَدَ ابْنُ عَدِیٍّ قَالَ نَا عُمَرُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ نَا عَبْدُالْوَهَّابِ بْنُ الضَّحَاکِ قَالَ نَا ابْنُ عَیَّاشٍ عَنْ اَبِیْ سَهْلٍ عَنْ مُسْلِمٍ .... عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ". (ذکرہ ابن الجوزیؒ) [۸۹]

یہ روایت بھی عندالمحدثین نا قابل اعتبار ہے کیونکہ اس طریق کے راوی مسلم الملائی کے متعلق فلاس کا قول ہے: ''مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ جِدًّا'' یعنی بہت زیادہ منکر الحدیث ہے اور یحیٰی کا

قول ہے: "لَاشَیْ ءَ" اس طریق کا ایک دوسرا راوی ابو سہل جس کا نام بقول علامہ ابن الجوزیؒ حسام بن مصک ہے[90]، کے متعلق یحییٰ کا قول ہے: "لَیْسَ حَدِیْثُهُ بِشَیْ ءٍ" یعنی "اس کی حدیث کچھ بھی نہیں ہے"...... اس طریق کا تیسرا راوی عبدالوہاب بن الضحاک ہے، جس کے متعلق ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: "کَانَ یَکْذِبُ" اس طریق کا ایک چوتھا راوی بھی مجروح ہے۔ اس کا نام ابن عیاش ہے جو امام ذہبیؒ اور امام ابن الجوزیؒ کے نزدیک "ضعیف" ہے۔ اسماعیل بن عیاش پر نقد و جرح اس سے قبل "طریق ہفتم" میں بالتفصیل پیش کی جا چکی ہے۔

اس روایت کے مندرجہ بالا مجروح رواۃ کی تضعیف میں ائمہ جرح و تعدیل کے مذکورہ اقوال سے امام ابن الجوزیؒ نے بھی اتفاق درج کیا ہے۔[91]

طرق شانزدہم

"...... اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ الْمُبَارَکِ قَالَ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ ابْنُ الْحَسَنِ الْبَاقِلَّانِیُّ قَالَ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَحَامِلِیُّ قَالَ نَا اَبُوْبَکْرِ الشَّافِعِیُّ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ یُوْنُسَ قَالَ نَا سُلَیْمَانُ بْنُ کَرَانَ وَاَنَا ابْنُ نَاصِرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا نَصْرُ ابْنُ اَحْمَدَ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ رِزْقُوْیَهِ قَالَ اَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زِیَادٍ قَالَ نَا الْحَسَنُ بْنُ مُکْرَمٍ قَالَ نَا اَبُوالنَّضْرِ قَالَ نَا مُسْلِمُ بْنُ سَعِیْدِ الثَّقَفِیُّ قَالَ نَا نَافِعٌ قَالَ نَا اَبُوْعَمَّارٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ الخ" (ذکره ابن الجوزی) [92]

یہ روایت بھی اعتماد کے قابل نہیں ہے کیونکہ ابن عدیؒ نے اس کے راوی سلیمان بن کران پر شدید قدح و جرح فرمائی ہے اور ابو حاتم رازیؒ نے اس کی "تضعیف" کی ہے۔ اس طریق کا ایک راوی مسلم بن سعید الثقفی ہے۔ جس کا ترجمہ تلاش کے باوجود نہیں مل سکا ہے۔ ایک اور راوی ابوالنضر، جس کا نام ہاشم بن قاسم ہے اور جس سے حسن بن مکرم نے روایت کی ہے، خطیب کے نزدیک "ثقہ" ہے۔[93]

لیکن امام ابن الجوزی سلیمان بن کران پر ابن عدیؒ و ابو حاتم رازیؒ کی جرح سے اتفاق کرتے ہوئے ابوالنضر کو "مجہول" بتاتے ہیں۔[94] (جاری ہے)

Marfat.com

حواشی

''علم حاصل کرو خواہ چین میں ہو، کیونکہ علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔''

1. ''موضوعات'' الامام ابن الجوزیؒ، کتاب العلم ج ۱ ص ۲۱۵ طبع المکتبۃ السلفیہ بالمدینۃ المنورۃ ۱۳۸۶ھ۔
2. ایضاً۔
3. ''الاخبار الاصبہان'' لابی نعیم اصبہانیؒ ج ۲ ص ۱۰۶ طبع لیدن ۱۹۳۴ء
4. ''جامع بیان العلم'' لابن عبدالبر ج ۱ ص ۷۷ طبع مکتبۃ العلمیہ بالمدینۃ المنورہ۔
5. تاریخ ''للخطیب بغدادیؒ ج ۹ ص ۳۶۴ طبع بیروت و''کتاب الرحلۃ'' للخطیبؒ ج ۱ ص ۶
6. منتقی من مسموعاتہ بمرو للحافظ ضیاء مقدسیؒ ج ۱ ص ۲۸
7. ''فوائد'' لابن علیک نیشاپوریؒ ج ۲ ص ۲۴۱
8. ابن عدیؒ ج ۲ ص ۲۰۷
9. ''اربعین لابی القاسم قشیریؒ ج ۲ ص ۱۵۱
10. ابن عدی ج ۲ ص ۲۰۷
11. تاریخ للخطیب بغدادیؒ ج ۹ ص ۳۶۴
12. حاشیہ بفوائد
13. موضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۵۔
14. ایضاً۔
15. ایضاً۔
16. کتاب الضعفاء للعقیلی ص ۱۹۶
17. ایضاً۔
18. موضوعات ابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۶
19. ج ۱، ۲ ص ۴۹۴۔
20. سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ للشیخ محمد ناصر الدین الالبانی ج ۱ ص ۴۱۴ طبع المکتب الاسلامی ۳۹۸ھ۔

Marfat.com

۲۱ موضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۲۱۵، ۲۱۶۔

۲۲ اردو ترجمہ الوسیلہ للشیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۱۳۹ طبع لاہور ۱۹۷۶ء

۲۳ موضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۶

۲۴ منتخب لابن قدامہؒ ج ۱ ص ۱۰، ۱۹۹

۲۵ موضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۲۱۶

۲۶ المقاصد الحسنہ للسخاویؒ ص ۶۳ طبع المکتبۃ الخانجی بمصر ۱۳۷۵ھ

۲۷ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ للشیخ محمد ناصر الدین الالبانی ج ۱ ص ۴۱۳

۲۸ اللآلی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۱۹۳ (مختصراً) طبع المکتبۃ التجاریۃ بمصر

۲۹ میزان الاعتدال للذہبیؒ، ترجمہ یعقوب بن اسحاق طبع داراحیاء الکتب العربیۃ ۱۳۸۳ھ

۳۰ موضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۴۷

۳۱ تعقبات علی الموضوعات ص ۴

۳۲ کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاویؒ ص ۴۷۵

۳۳ جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ج ۱ ص ۹

۳۴ تاریخ جرجان للسہمیؒ ص ۳۷۵ طبع حیدر آباد دکن،

۳۵ میزان الاعتدال للذہبیؒ ۳ ص ۴۰۶

۳۶ العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۶۴ طبع لاہور

۳۷ تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی طبع لکھنؤ

۳۸ العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ لابن جوزیؒ ج ۱ ص ۶۴

۳۹ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للشیخ محمد ناصر الدین الالبانی ج ۱ ص ۴۴۰ و ج ۲ ص ۱۰۲، ۱۳۱، ۲۶۱

۴۰ اللآلی للسیوطی

۴۱ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ لناصر الدین الالبانی ج ۱ ص ۴۱۶۔

۴۲ ایضاً۔

۴۳ جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ج ۱ ص ۸ وشعب الایمان للبیہقیؒ والمقاصد الحسنہ للسخاویؒ ص ۲۷۶ والعلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ لابن الجوزی ج ۱ ص ۵۷، ۵۸

۴۴ کذا فی سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ لناصر الدین الالبانی ج ۱ ص ۳۰۶

۴۵ میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ص ۳۶

Marfat.com

۴۶ جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ج ۱ص ۹ و تاریخ جرجان للسہمیؒ ص ۲۷۵ والذہبیؒ ج ۳ص ۴۰۶ والعلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۵۹

۴۷ ایضاً ج ۱ص ۶۴

۴۸ تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ ترجمہ کثیر بن شنظیر

۴۹ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۵۷

۵۰ تاریخ بغداد ج ۱۱ص ۲۶۹ و العبر فی خبر من غبر للذھبیؒ ج ۳ص ۴۶ طبع دائرۃ المطبوعات والنشر الکویت ۱۹۶۰ء

۵۱ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۴ و میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۳ص ۴۳۵

۵۲ جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ج ۱ص ۹

۵۳ اللآلی للسیوطیؒ

۵۴ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۵۸

۵۵ کتاب المجروحین لابن حبانؒ ج ۱ص ۲۸۳

۵۶ العلل المتناہیہ لابن الجوزی ج ۱ص ۶۴

۵۷ میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۱ص ۳۲

۵۸ جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ج ۱ص ۸ و اخبار الاصبہان لابی نعیم الاصبہانیؒ ج ۲ص ۵۲ و میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۴ص ۹۵ و ذکرہ الخطیبؒ ج ۴ص ۵۶ والعلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۰

۵۹ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۱ص ۸۸

۶۰ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۵

۶۱ جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ج ۱ص ۹ والعلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۵۹

۶۲ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۴

۶۳ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ لناصر الدین الالبانی ج ۱ص ۴۳۰ و ج ۲ص ۱۳۶،۱۰۲......

۶۴ ساقہ الخطیبؒ ج ۲ص ۳۸۶ والعلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۰، ۶۱

۶۵ تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۳ص ۲۲۲

۶۶ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۱ص ۲۵۶

۶۷ تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۳ص ۲۲۲

۶۸ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ للالبانی ج ۲ص ۹۰

۶۹ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۵

۷۰ جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ج ۱ص ۷ والعلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۵۹

Marfat.com

۷۱ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ص۶۴ ج۱

۷۲ ایضاً ج۱ ص۵۸

۷۳ المقاصد الحسنہ للسخاوی ص۲۷۵

۷۴ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج۱ ص۶۴

۷۵ سیاقہ الخطیبؒ ج۴ ص۲۰۷ و ج۹ ص۱۱۱ و العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج۱ ص۶۰

۷۶ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج۱ ص۶۵

۷۷ ذکرہ الخطیبؒ ج۴ ص۲۰۸

۷۸ تبییض الصحیفہ للسیوطیؒ ص۵ و التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل ج۱ ص۱۸۰۔۱۸۱،
الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

۷۹ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج۱ ص۶۱

۸۰ تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ ص۹ ص۲۰۰ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ

۸۱ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج۱، ص۶۵

۸۲ ایضاً ج۱ ص۶۲

۸۳ مجمع الزوائد للہیثمی ج۸ ص۱۸۳ و ج۱ ص۱۶۰

۸۴ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ لناصر الدین الالبانی ج۲ ص۵۵

۸۵ ایضاً ج۲ ص۵۹

۸۶ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج۱ ص ۶۵

۸۷ جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ج۱ ص۷ و العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج۱ ص۵۹

۸۸ العلل المتناہیہ لابن الجوزی ج۱ ص۶۵

۸۹ ایضاً ج۱ ص۶۱۔۶۲

۹۰ ایضاً ج۱ ص۶۲

۹۱ ایضاً ج۱ ص۶۵

۹۲ ایضاً ج ص۶۱

۹۳ تاریخ بغداد للخطیبؒ ج۱۴ ص۶۳

۹۴ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج۱ ص۶۵

(''محدث'' لاہور۔ جون ۱۹۸۸ء)

Marfat.com

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْن
فَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ
عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ کی تحقیق

[قسط (۲) آخری]

تحقیق وتنقید: جناب غازی عزیر

اب اس باب کی باقی ماندہ روایات کے تمام طرق اسناد اور ان کے جملہ رواۃ کا محدثین وائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک مرتبہ ومقام کا جائزہ بھی لیتا چلوں جو حضرات علی ابن ابی طالب، ابن مسعود، ابن عباس، ابوسعید الخدری، جابر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث بیان کی جاتی ہے اس کے تین طرق وارد ہوئے ہیں۔

طریق اول

اَخْبَرَنَا الْقَزَّازُ قَالَ اَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَلِيّ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ شَهْرِ يَارَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ اَحْمَدَ قَالَ نَا اَحْمَدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ اَبِى الْعَبَّاسِ الْخَوَارَزْمِيُّ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ فَذَكَرَهُ (رَوَاهُ حُسَيْنُ بْنُ عَلِيّ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَاَخْرَجَهُ الْخَطِيْبُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَذَكَرَهُ الْهَيْثَمِيُّ وَابْنُ الْجَوْزِيِّ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ) [95]

اس روایت کے ناقابل اعتبار ہونے کی وجوہات یہ ہیں، اس طریق میں راوی عبدالعزیز موجود ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے کہ وہ ''متروک'' ہے، کیونکہ اس نے اپنی تمام کتب جلا ڈالی تھیں اور اپنی یادداشت کے مطابق حدیثیں بیان کیا کرتا تھا لہٰذا شدید غلطیوں کا مرتکب ہوتا تھا۔ علامہ ہیثمیؒ نے بھی اسے ''متروک'' بیان کیا ہے۔ [۹۶] ابن معین کا قول ہے: ''لَيْسَ بِثِقَةٍ'' حافظ عراقیؒ کا قول ہے کہ ''عبدالعزیز'' ''متروک ہے''۔ جیسا کہ اس کی تضعیف میں امام نسائیؒ وغیرہ سے منقول ہے۔ اور امام بخاریؒ کا قول ہے: ''لَا يُكْتَبُ حَدِيثُهُ'' [۹۷]

علامہ ذہبیؒ نے اس کے ترجمہ میں اسے ''غیر ثقہ'' بتایا ہے۔ [۹۸]

دارقطنیؒ کا قول ہے کہ وہ ''متروک'' ہے۔ ابن احبانؒ کا قول ہے: ''عَبْدُ الْعَزِيْزِ يروى الْمَنَاكِيْرَ عَنِ الْمَشَاهِيْرِ'' یعنی عبدالعزیز مشاہیر سے مناکیر روایت کرتا ہے۔ جیسا کہ امام ابن الجوزیؒ نے موضوعات میں بیان کیا ہے۔ [۹۹]

اس طریق میں دوسرا مجروح راوی خوارزمی ہے جس کے متعلق امام دارقطنیؒ کا قول ہے کہ وہ ''متروک'' ہے۔ [۱۰۰]

طبرانیؒ کا قول ہے کہ یہ حدیث حسین بن علیؓ سے کسی نے روایت نہیں کی مگر اس اسناد کے ساتھ کہ جس میں سلیمان کا تفرد ہے۔ [۱۰۱] امام ابن الجوزیؒ نے بھی خوارزمی کی تضعیف میں امام دارقطنی کا قول بیان کیا ہے۔ [۱۰۲]

طریق دوم

اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا حَمْزَةُ قَالَ نَا ابْنُ عَدِيّ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ حَفْصٍ قَالَ نَا عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوْب قَالَ نَا عِيْسَى بْنُ عَبْدِاللّٰه قال اَخْبَرَنِىْ اَبِىْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ عَلِيّ عن النَّبِيّ صلى الله عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ ... الخ" (ذكره الخطيب وابن الجوزیؒ) [۱۰۳]

یہ طریق اسناد بھی کھرا نہیں ہے کیونکہ اس میں راوی عیسیٰ بن عبداللہ تمام آفت کی بنیاد ہے۔اس کے دادا کا نام محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب ہے۔ابن حبانؒ کا قول ہے: ''یَرْوِیْ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ یعنی اپنے والد اور آباء سے ''عَنْ'' کے ساتھ موضوع چیزیں روایت کرتا ہے۔[۱۰۴]

امام دارقطنیؒ کا قول ہے: ''هُوَ مَتْرُوْکُ الْحَدِیْثِ'' یعنی وہ متروک الحدیث ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے اس کی ان احادیث کو جمع کیا ہے جو موضوع ہیں۔[۱۰۵] امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن عبداللہ ''ضعیف'' ہے۔ایک دوسرے راوی عباد بن یعقوب کے متعلق ابن حبانؒ کا قول ہے: ''یَرْوِیْ الْمَنَاکِیْرَ عَنِ الْمَشَاهِیْرِ فَاسْتُحِقَّ التَّرْکَ'' یعنی مشاہیر سے منسوب کر کے مناکیر روایت کرتا ہے، پس ترک کیے جانے کا مستحق ہے۔[۱۰۶]

طریق سوم

" اَنَا اَبُوْ مَنْصُوْرِ الْقَزَّازُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَکْرِ اَحْمَدُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ اَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْحُسَیْنِ النَّعَالِیُّ قَالَ اَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبُنْدَارُ قَالَ نَا اَبُوْنَصْرِ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ السَّمَرْقَنْدِیُّ قَالَ نَا اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ السَّمَرْقَنْدِیُّ قَالَ نَا اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ اَیُّوْبَ قَالَ نَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ نَا سُلَیْمَانُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ بْنِ عِمْرَانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ اَنَّ عَلِیًّا عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ...... الخ" (اخرجه الخطیب وذکره ابن الجوزیؒ) [۱۰۷]

یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔کیونکہ امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ ''اس طریق میں سمرقندی راوی ہے جو ''مناکیر بیان کرتا ہے۔'' اور محمد ابن ایوب اور جعفر بن محمد دو ایسے راوی ہیں جن میں غایت درجہ ضعف ہے۔''[۱۰۸]

Marfat.com

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی حدیث کا صرف ایک طریق ہے، جو اس طرح ہے:

" فَاَخْبَرَنَا ابْنُ خَيْرُوْنَ قَالَ نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا حَمْزَةُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ عَدِيّ قَالَ نَا اَبُوْيَعْلٰى قَالَ نَا هُذَيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْجُمَانِيُّ قَالَ نَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ"

(اخرجه ابو یعلی ورواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط وذکره الهیثمیؒ والحافظ والخطیب وابن الجوزیؒ) [۹]

یہ طریق نا قابل اعتماد ہے کیونکہ اس طریق میں ایک راوی عثمان بن عبدالرحمٰن القرشی "ضعیف" ہے۔ امام ابن الجوزی کا قول ہے: "وَعُثْمَانُ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ" یعنی عثمان حجت نہیں ہے۔ [۱۰]

حافظ ابن حجرؒ نے عثمان کے ترجمہ میں درج کیا ہے: " عُثْمَانُ صُدُوْقٌ اَكْثَرَ الرِّوَايَةَ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَالْمَجَاهِيْلِ " یعنی عثمان صدوق ہے لیکن اکثر روایتیں ضعفاء اور مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے۔ [۱۱] ابن معینؒ کا قول ہے "یکذب"، ابن حبانؒ کا قول ہے: "يَرْوِيْ عَنِ الثِّقَاتِ الْاَشْيَاءَ الْمَوْضُوْعَاتِ لَا يَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِهٖ" یعنی ثقات سے موضوع چیزیں روایت کرتا ہے، پس اس سے احتجاج جائز نہیں۔ [۱۲] ابن مدینی نے بھی اس کی بہت "تضعیف" کی ہے۔ ابن عدیؒ کا قول ہے: "مُنْكَرٌ لَمْ يُتَابِعْهُ الثِّقَاتُ" یعنی منکر ہے اور ثقات میں سے کوئی اس کی اتباع نہیں کرتا۔ امام بخاریؒ کا قول ہے: "سَكَتُوْا عَنْهُ" عبدالحق نے درج کیا ہے کہ وہ "متروک ہے۔" [۱۳] ہیثمی نے بھی اسے "متروک" درج کیا ہے۔ [۱۴]

علامہ ذہبیؒ بیان کرتے ہیں کہ " عثمان بن عبدالرحمٰن القرشی جو حماد بن ابی سلمان سے روایت کرتا ہے، کے متعلق امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ " مجہول " ہے۔ اور حماد کی حدیث قبول نہیں کی جاتی مگر وہ جو اس سے قدماء (مثلاً شعبہ وسفیان ثوری اور دسلوانی وغیرہ) نے روایت کی ہو۔ عثمان بن عبدالرحمٰن پر امام نسائی و امام دارقطنیؒ نے " متروک " ہونے کا حکم لگایا ہے اور امام بخاریؒ سے بھی اس کا " ترک " کرنا منقول ہے۔ [۱۵]

Marfat.com

امام ابن الجوزیؒ اس کے اور راوی ہذیل کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ "وہ غیر معروف ہے اور اس سے کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا۔[116]

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بھی صرف ایک طریق سے وارد ہوئی ہے جو یہ ہے:

فَاَنْبَاَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ نَا ابْنُ الْمُظَفَّرِ قَالَ نَا الْعَتِيْقِيُّ قَالَ نَا ابْنُ الدَّخِيْلِ قَالَ نَا الْعُقَيْلِيُّ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ نَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدَ ۔ الصَّائِغُ قَالَ نَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ اَبِيْ رَوَّادٍ قَالَ نَا عَائِذُ بْنُ اَيُّوْبَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ طُوْسٍ قَالَ نَا اِسْمَاعِيْلُ ابْنُ اَبِيْ خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ"

(ساقه العقيليؒ فی ترجمة عائذ و اورده الحافظؒ ورواه الطبرانی فی الاوسط وذكره الهيثمیؒ و ابن الجوزیؒ)[117]

اس طریق کے ایک راوی عبداللہ بن عبدالعزیز کے متعلق ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ "ضعیف" ہے امام عقیلیؒ کا قول ہے کہ "اَخْطَاَفِی السَّنَدِ وَالْمَتْنِ وَقَلَبَ اسْمَ الرَّاوِیُّ" یعنی سند و متن میں بہت خطا کار ہے اور راوی کا نام از خود گھڑ لیتا ہے۔ ابو حاتمؒ کا قول ہے: "اَحَادِيْثُهٗ مُنْكَرَةٌ یعنی اس کی احادیث منکر ہوتی ہیں۔ امام عقیلیؒ کا ایک اور قول ہے: "لَهٗ اَحَادِيْثُ مَنَاكِيْرُ" ابن جنیدؒ کا قول ہے: "لَايُسَاوِیْ فَلْسًا" یعنی ایک پیسہ کے برابر بھی نہیں اور یُحَدِّثُ بِاَحَادِيْثَ كَذِبٍ یعنی جھوٹی احادیث بیان کرتا ہے۔[118] امام الجوزیؒ نے بھی عبداللہ بن عبدالعزیز کے متعلق ابن جنیدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "لَا يُسَاوِیْ فَلْسًا"[119] ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: "ضَعِيْفٌ جِدًّا" یعنی وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔[120] اس طریق کے ایک دوسرے راوی عائذ بن ایوب کے متعلق ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ ابن ایوب "مجہول" ہے۔[121] لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: عائذ بن ایوب پر کچھ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کا تو وجود ہی نہیں ہے۔ البتہ ایوب بن عائذ رجال التہذیب میں سے ہے۔[122]

Marfat.com

حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی یہ حدیث صرف ایک طریق سے وارد ہوئی ہے جو اس طرح ہے:

" فَانْبَانَا بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْبَاقِيْ قَالَ انْبَانَا اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ الْقُضَاعِيُّ قَالَ نَا اَبُوْ مُسْلِمِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ عَلِيِّ ن الْكَاتِبُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَحْيَى الْاَصْفَهَانِيُّ قَالَ نَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَكَرِيَّا الْاَصْبَهَانِيُّ قَالَ نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَمْرِو ن الْبَجَلِيُّ قَالَ نَا مِسْعَرٌ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ ن الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ" (ذكره ابن الجوزی) [۱۲۳]

یہ روایت بھی قابل اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس طریق میں ایک راوی عطیہ العوفی ہے۔ جس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں: "صَدُوْقٌ يُخْطِىءُ كَثِيْرًا كَانَ شيعاً مدلساً" یعنی وہ صدوق ہے لیکن کثرت کے ساتھ غلطیاں کرتا ہے اور وہ مدلس شیعہ تھا۔ [۱۲۴] ائمہ جمہور نے اس کے "ضعف" پر جرح کی ہے جن کے اقوال حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ذہبی نے جمع کیے ہیں [۱۲۵]۔ علامہ ہیثمیؒ کا قول ہے کہ عطیہ "ضعیف" ہے، علامہ سخاویؒ نے بھی اس کی "تضعیف" بیان کی ہے۔ امام ذہبیؒ کا قول ہے: "عَطِيَّةُ وَاهٍ" [۱۲۶] امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ عطیہ کی "تضعیف" ابن عدیؒ اور رازیؒ اور دار قطنیؒ نے کی ہے۔ اور ابن حبانؒ کا قول ہے: "لَا يَحِلُّ كتب حَدِيْثِهٖ اِلَّا عَلَى التَّعَجُّبِ" یعنی اس کی حدیث لکھنا جائز نہیں ہے مگر صرف تعجب کے لیے۔ [۱۲۷]

اگرچہ عطیہ العوفی کی بعض احادیث کی تحسین امام ترمذیؒ نے کی ہے لیکن حق یہ ہے کہ امام ابوعیسیٰ ترمذی کی کسی حدیث کے بارے میں تصحیح یا تحسین کرنا حجت نہیں ہے کیونکہ اس سلسلہ میں آں رحمہ اللہ کچھ تساہل واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ امام ذہبیؒ کا ایک مشہور قول ہے کہ "لَا يَعْتَمِدُ الْعُلَمَاءُ عَلٰى تَصْحِيْحِ التِّرْمِذِيْ" [۱۲۸] یعنی علماء امام ترمذیؒ کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔

Marfat.com

اس طریق اسناد میں ایک دوسرا مجروح راوی اسماعیل بن عمرو ہے۔ جو امام دارقطنی، رازیؒ ابن عدی اور ابن الجوزیؒ کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔[129]

حضرت جابرؓ کی حدیث بھی صرف ایک طریق سے ہی وارد ہوئی ہے۔ جو حسب ذیل ہے:

فَاَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْمَلِکِ قَالَ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا حَمْزَةُ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ بْنُ عَدِیّ قَالَ نَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِیْدِ الْخَلَّالُ قَالَ نَا یَحْیَی بْنُ صَالِحٍ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْمَلِکِ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ''
(ذکرہ ابن الجوزیؒ)[130]

یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ ''اس طریق میں محمد بن عبدالملک ہے جس کا ذکر ہم نے آنفاً کیا ہے اور عباس بن ولید راوی ''مطعون'' ہے۔[131]

حضرت ابن عمرؓ سے جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ چار طرق سے وارد ہوتی ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:

طریق اوّل

اَنْبَانَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اَحْمَدَ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا حَمْزَةُ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ ابْنُ عَدِیّ قَالَ اَنَا الْقَاسِمُ بْنُ اللَّیْثِ قَالَ نَا مُعَافِیُّ بْنُ سُلَیْمَانَ قَالَ نَا اَبُوْ الْبَخْتَرِیّ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ حُمَیْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ مُؤْمِنٍ.'' (ذکرہ ابن الجوزیؒ)[132]

یہ روایت بھی ساقط الاعتبار ہے کیونکہ اس طریق میں ایک راوی ابوالبختری ہے جس کا نام وہب ابن وہب المدنی القاضی ہے۔ اس کے متعلق ابن معین کا قول ہے: ''کَانَ یَکْذِبُ

Marfat.com

عَدُوُّ اللّٰہِ'' یعنی وہ اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا تھا۔ امام احمدؒ کا قول ہے: '' کَانَ یَضَعُ الْحَدِیْثَ وَضْعًا'' یعنی وہ جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ امام ابن الجوزیؒ نے اسے مقدمہ '' موضوعات، میں...... کِبَارِ الْوَضَّاعِیْنَ'' یعنی وہ کبار وضاعین میں سے تھا۔ لکھا ہے۔ [۱۳۳] اس طریق کا دوسرا راوی محمد ابن ابی حمید ہے جس کے متعلق امام ابن الجوزیؒ یحیٰؒ کا قول نقل کرتے ہیں: '' لَیْسَ بِشَیْءٍ '' اور ابن کا قول ہے: '' لَا یُحْتَجُّ بِہٖ '' یعنی حجت نہیں ہے۔ [۱۳۴] محمد ابن ابی حمید کو ذہبی نے بھی '' ضعیف '' بتایا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس پر '' منکر الحدیث '' ہونے کا حکم لگایا ہے۔ امام نسائیؒ کا قول ہے: '' لَیْسَ بِثِقَۃٍ '' یعنی ثقہ نہیں ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا قول ہے: اس کی حدیث سے کوئی استشہاد نہیں ہے۔'' [۱۳۵] حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے کہ محمد بن ابی حمید '' متروک '' ہے۔ ایک اور مقام پر کہا ہے کہ وہ '' ضعیف الحدیث '' اور '' سیئ الحفظ '' ہے۔ [۱۳۶] امام عقیلیؒ نے اسے '' ضعفاء '' میں شمار کیا ہے۔ [۱۳۷]

طریق دوم

" اَنْبَاَنَا عَبْدُ الْوَھَّابِ بْنُ الْمُبَارَکِ قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُظَفَّرِ قَالَ اَخْبَرَنَا الْعَتِیْقِیُّ قَالَ نَا ابن الدَّخِیْلِ اَنَا الْعُقَیْلِیُّ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الْاَنْطَاکِیُّ قَالَ نَارُوْحُ بْنُ عَبْدِالْوَاحِدِ الْقُرَشِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اَعْیَنٍ عَنْ لَیْثِ بْنِ اَبِیْ سُلَیْمٍ عَنْ مُجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ......الخ" (ذکرہ العقیلیؒ فی ترجمۃ الروح وابن الجوزی) [۱۳۸]

یہ طریق اسناد بھی قوی نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو '' ضعیف '' ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کے ترجمہ میں درج کیا ہے: '' صَدُوْقٌ اخْتَلَطَ اَخِیْرًا وَلَمْ یَتَمَیَّزْ فَتُرِکَ '' یعنی صدوق ہے آخر میں اختلاط کا شکار ہوا اور تمیز نہ پاتا تھا، پس ترک کر دیا گیا [۱۳۹]۔ علامہ ہیثمی نے بھی اس کے '' ضعف '' کی یہی علت بیان کی ہے [۱۴۰]۔ حافظ عراقیؒ کا قول ہے: '' اِسْنَادُہٗ لَیِّنٌ '' یعنی اس کی اسناد میں لچک ہے [۱۴۱]۔ ابن ابی حاتمؒ کا قول ہے کہ '' عیسیٰ بن یونس روایت کرتے ہیں: '' میں نے اسے دیکھا ہے وہ اختلاط کا شکار تھا۔ [۱۴۲]

امام ابن الجوزی نے بھی کتاب ''الموضوعات'' میں اس کے ''ضعف'' کو بیان کیا ہے[۱۴۳]۔ ابن عدی کا قول ہے: ''وَتَفَرَّدَ بِهٖ مُوْسٰی عَنْ لَیْثٍ'' یعنی اس میں موسیٰ کا لیث سے روایت میں تفرد ہے۔ لیث کو امام احمدؒ وغیرہ نے ترک کیا ہے۔ اگرچہ ابن معین نے اس کے متعلق ''لَا بَاسَ بِهٖ'' کہا ہے[۱۴۴]۔ لیکن اس کے ضعف کے لیے اس کا اختلاط کرنا ہی کافی ہے۔ ابن حبان نے بھی اسے ''ضعیف'' شمار کیا ہے[۱۴۵]۔ ابن عدی کا ایک اور قول ہے: ''وَعَامَّةُ حَدِیْثِهٖ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ'' یعنی عموماً اس کی حدیث غیر محفوظ ہوتی ہے۔ امام دارقطنی کا قول ہے: ''فَغَایَةٌ فِی الضُّعْفِ'' یعنی حد درجہ ضعیف ہے۔ ابن خراس کا قول ہے: ''هُوَ مَتْرُوْکٌ یَضَعُ الْحَدِیْثَ'' یعنی وہ متروک ہے اور حدیث گھڑا کرتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ[۱۴۶] اور علامہ ابن عراق[۱۴۷] نے بھی اس کی ''تضعیف'' سے اتفاق کیا ہے۔ امام ابن الجوزیؒ کا قول ہے کہ لیث بن ابی سلیم کے متعلق ابوزرعہؒ کا قول ہے: ''لَا اَشْتَغِلُ بِهٖ'' اور ابن حبان کا قول ہے: ''آخر عمر میں وہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ اسانید از خود گھڑ لیا کرتا تھا اور مراسیل کو مرفوع کر دیتا تھا۔ اس کو ابن مہدی و یحییٰ و احمد نے ترک کیا ہے[۱۴۸]۔ علامہ محمد ناصر الدین الالبانی نے بھی ابن حبانؒ کے اس قول کو نقل کیا ہے۔[۱۴۹]

لیث بن ابوسلیم کے علاوہ اس طریق میں روح بن عبدالواحد بھی ہے جس سے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام عقیلی فرماتے ہیں: ''لَا یُتَابِعُ عَلَیْهِ'' یعنی کوئی اس کی اتباع نہیں کرتا اور ابوحاتم کا قول ہے: ''لَیْسَ بِالْمَتِیْنِ رَوٰی اَحَادِیْثَ مُتَنَاقِضَةً'' یعنی وہ متین نہیں ہے، متناقض احادیث روایت کرتا ہے۔ ابن حبانؒ نے اس کی توثیق کی ہے۔ ابن عدیؒ نے خلید بن دعلج کے ترجمہ[۱۵۰] میں اس کی احادیث پر تعقب کیا ہے۔[۱۵۱]

طریق سوم

" اَنَا اَبُوْ مَنْصُوْرِ ابْنُ خَیْرُوْنَ قَالَ اَخْبَرَنَا بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ نَا حَمْزَةُ قَالَ نَا ابْنُ عَدِیٍّ قَالَ نَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ نَا عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِیْدِ الْخَلَّالُ قَالَ یَحْیٰی بْنُ صَالِحٍ (قَالَ نَا) مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْمَلِکِ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: " طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ" (ذکرہ ابن الجوزی)[۱۵۲]

Marfat.com

یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طریق کے متعلق امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ اس میں محمد بن عبدالملک ہے جس کے متعلق امام احمد کا قول ہے: "قَدْ رَاَیْتُہٗ وَکَانَ یَضَعُ الْحَدِیْثَ وَیَکْذِبُ" یعنی میں نے اس کو دیکھا ہے وہ حدیث گھڑا کرتا اور جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ ابن حبان کا قول ہے: "لَا یَحِلُّ ذِکْرُہٗ فِی الْکُتُبِ اِلاَّ عَلٰی جِھَۃِ الْقَدْحِ فِیْہِ" یعنی اس کا ذکر کتابوں میں کرنا جائز نہیں ہے مگر صرف اس پر جرح وقدح کے لیے۔"[۱۵۳]

طریق چہارم

" اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْمَلِکِ قَالَ اَنْبَاَنَا الْجَوْھَرِیُّ عَنِ الدَّارَقُطْنِیِّ عَنْ اَبِی حَاتِمِ ابْنِ حِبَّانَ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَکْرِ ابْنُ اَبِی شَیْبَۃَ قَالَ نَا اَحْمَدُ بْنُ مُنِیْعٍ قَالَ نَا مُھَنَّأُ بْنُ یَحْیَی الرَّمْلِیُّ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ مُوْسٰی عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ: طَلَبُ الْعِلْمِ...... الخ"

(ذکرہ ابن حبان والدارقطنی والحافظ وابن الجوزیؒ)[۱۵۴]

اس روایت پر بھی بھروسانہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کے راوی احمد بن ابراہیم بن موسیٰ کے متعلق امام ابن الجوزی ابن حبانؒ کا قول نقل کرتے ہیں: "یَرْوِیْ عَنْ مَالِکٍ مَالَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ قَطُّ" یعنی مالک سے " عَنْ" کے ساتھ روایت کرتا ہے حالانکہ انہوں نے اس سے کوئی حدیث بیان نہیں کی ہے اور فرمایا: ھٰذَا الْحَدِیْثُ لَا اَصْلَ لَہٗ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَوَ مِنْ حَدِیْثِ نَافِعٍ وَلَا مِنْ حَدِیْثِ مَالِکٍ" یعنی اس حدیث کی نہ ابن عمرؓ کی حدیث سے، نہ نافع کی حدیث سے اور نہ ہی مالک کی حدیث سے کوئی اصل ہے۔

اس روایت کے ایک دوسرے راوی مہناء کے متعلق امام دارقطنی کا قول ہے: "میں نے مہناء کا احتساب کیا ہے، اس میں وہم پایا جاتا ہے۔ ایک طرف وہ مالک موسیٰ بن ابراہیم المروزی سے روایت کرتا ہے پھر اسی روایت کو بطریق موسیٰ بھی روایت کرتا ہے۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں" محمد بن بیان، جس نے مہناء سے اور اس نے موسیٰ بن ابراہیم سے روایت کی ہے اس نے اسی طرح مالک سے بھی روایت کی ہے جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ: "لا یثبت شیٔ من القولین معا" یعنی ان دونوں اقوال میں کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔"[۱۵۵]

Marfat.com

اختتام پر اس باب کی جملہ احادیث کی تصحیح وتضعیف میں کبار محدثین وعلمائے نقد وجرح و محققین کے جو مختلف اقوال وآراء ذخیرہ کتب میں ملتی ہیں ان میں سے چند یہاں پیش کی جاتی ہیں:

عراقی کا قول ہے کہ: ''قَدْ صَحَّحَ بَعْضَ الْاَئِمَّةِ بَعْضَ طُرُقِهٖ'' یعنی بعض ائمہ نے اس کے بعض طرق کی تصحیح کی ہے[۱۵۷]۔ علامہ مزیؒ کا قول ہے: ''اِنَّ طُرُقَهٗ تَبْلُغُ بِهٖ رُتْبَةَ الْحَسَنِ'' یعنی اس روایت کے طرق، حسن کے رتبہ تک پہنچتے ہیں۔ امام بیہقیؒ کا قول ہے: ''مَتْنُهٗ مَشْهُوْرٌ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ وَ قَدْرُوِیَ مِنْ اَوْجُهٍ كُلُّهَا ضَعِيْفٌ'' یعنی اس کا متن مشہور لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ اور روایت کی گئی ہے کہ بوجوہ یہ تمام ضعیف ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور قول ہے: ''لَا يَثْبُتُ عِنْدَنَا فِیْ هٰذَا الْبَابِ شَیْءٌ'' یعنی ہمارے نزدیک اس باب میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ ایسا ہی ایک قول ابن راھویہ سے بھی منقول ہے۔ ابوعلی نیشاپوری کا قول ہے: ''اِنَّهٗ لَمْ يَصِحَّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْهِ اِسْنَادٌ وَمَثَّلَ بِهِ الْحَاكِمُ لِلْمَشْهُوْرِ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسے روایت کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس میں (ضعیف) اسناد ہیں اور ایسا ہی حاکم سے منقول ہے کہ یہ روایت مشہور ہے، صحیح نہیں ہے۔ ابن الصلاح نے بھی اس بارے میں اسی رائے کی اتباع کی ہے۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد عراق الکنانیؒ اور علامہ سخاویؒ نے ان تمام اقوال کو اپنی تصانیف میں ترجیحاً نقل کیا ہے۔[۱۵۸]

امام ابن الجوزیؒ نے ''العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ'' میں اس روایت کے اکثر طریق اسناد جمع کرنے کے بعد ان میں سے ہر ایک کو فن اسماء الرجال کی کسوٹی پر پرکھا اور ان تمام روایات کی قلعی کھول کر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ! اختتام پر آں رحمہ اللہ ان تمام روایات کے متعلق فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں: ''هٰذِهِ الْاَحَادِيْثُ كُلُّهَا لَا يَثْبُتُ'' یعنی تمام احادیث ثابت نہیں ہیں۔

آں رحمہ اللہ نے اس بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ مشہور قول نقل فرما کر بحث کا خاتمہ فرمایا ہے: ''لَا يَثْبُتُ عِنْدَنَا فِیْ هٰذَا الْبَابِ شَیْءٌ'' جو اپنی جگہ ایک سند اور حتمی فیصلہ کا مقام رکھتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ!

Marfat.com

حواشی

95 اخرجہ الخطیب ج ۵ ص ۲۰۴ والمعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۹۲ طبع المکتبۃ السلفیۃ المدینۃ المنورہ و مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱ ص ۱۲۰ طبع مکتبۃ القدسی ۱۳۵۲ھ والعلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۵۴

96 مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱ ص ۵۲،۵۳

97 المجہ للحافظ العراقیؒ ج ۱ ص ۵۶

98 میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۲ ص ۶۳۲

99 سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۱ ص ۱۹۴

100 العلل المتناھیہ لابن لاجوزیؒ ج ۱ ص ۶۲

101 المعجم الصغیر للطبرانیؒ ج ۱ ص ۹۲ واخرجہ الخطیب البغدادیؒ ج ۵ ص ۲۰۴

102 العلل المتناھیہ لابن الجوزی ج ۱ ص ۶۲

103 الفقیہ والمتفقہ للخطیبؒ ج ۱ ص ۴۴ والعلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۵۵

104 ابن حبان ج ۲ ص ۱۱۹

105 سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۲ ص ۱۴۹

106 العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۶۲

107 اخرجہ الخطیبؒ ج ۱ ص ۴۰۷ والعلل المتناھیہ لابن الجوزی ج ۱ ص ۵۴

108 العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۶۲

109 مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱ ص ۱۹۹ والمطالب للحافظؒ ج ۳ ص ۱۳۰ والموضوع للخطیب ج ۲ ص ۲۷۰ والعلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۵۶

Marfat.com

۱۱۰ موضوعات لابن الجوزیؒ ج ۲ص ۲۳۲ والعلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۲

۱۱۱ تقریب التہذیب للحافظؒ: ترجمہ عثمان بن عبدالرحمٰن

۱۱۳ الاحکام الکبریٰ للشیخ عبدالحقؒ ج ۲ق ۱۳۸

۱۱۴ مجمع الزوائد للہیثمی ج ۴ص ۲۶۹

۱۱۵ میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ص ۴۳

۱۱۶ العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۳

۱۱۷ لسان المیزان للحافظ ابن حجر عسقلانیؒ ج ۳ص ۲۲۵ ومجمع الزوائد للہیثمی ج ۱ص ۱۲۰
والعلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۵۶

۱۱۸ لسان المیزان للحافظ ابن حجرؒ ۳ص ۳۱۰

۱۱۹ العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۴

۱۲۰ مجمع الزوائد للھیثمیؒ ج ۱ص ۱۲۰

۱۲۱ العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۴

۱۲۲ لسان المیزان لابن حجرؒ ج ۳ص ۲۲۵، ۲۲۶

۱۲۳ العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۲۔

۱۲۴ تقریب التہذیب للحافظ ابن حجرؒ، ترجمہ عطیہ العوفی۔

۱۲۵ تہذیب التہذیب للحافظ ابن حجرؒ و میزان الاعتدال للذہبیؒ۔ ترجمہ عطیہ العوفی۔

۱۲۶ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۲ص ۱۵

۱۲۷ العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۵ ـ ۶۶

۱۲۸ مقالات الکوثری ص ۳۱۱

۱۲۹ العلل المتناھیہ ج ۱ص ۶۵ ـ ۶۶

۱۳۰ ایضاً ج ۱ص ۵۷۔ ۱۳۱ ایضاً ج ۱ص ۶۴

۱۳۳ کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۴۷

۱۳۴ العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۶۳

۱۳۵ تدریب الراوی ۱۳۶ المطالب العالیہ ۱۳۷ الضعفاء للعقیلیؒ ج ۷ص ۴۲

۱۳۸ العلل المتناھیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ص ۵۶

Marfat.com

۱۳۹ تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ، ترجمہ لیث بن ابی سلیم

۱۴۰ مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱ ص ۱۳۴

۱۴۱ تخریج الاحیاء لابن عراقؒ ج ۱ ص ۱۴۳

۱۴۲ ابوحاتم ج ۲۔۳ ص ۱۷۸

۱۴۳ موضوعات لابن الجوزیؒ ج ۳ ص ۲۵۰ والعلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۶۳

۱۴۴ اللآلی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۱۰۱، ۱۰۲ ومیزان الاعتدال للذہبیؒ والتہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ

۱۴۵ کتاب المجروحین لابن حبانؒ ج ۱ ص ۵۷ وج ۲ ص ۲۳۱

۱۴۶ اللآلی للسیوطیؒ ج ۲ ص ۴۵

۱۴۷ تخریج الاحیاء لابن عراقؒ ج ۱۔۲ ص ۳۹۲

۱۴۸ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۶۳

۱۴۹ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۱ ص ۴۳۶۔۳۷

۱۵۰ ابن عدی ج ۲ ص ۱۲۰

۱۵۱ لسان المیزان لابن حجرؒ ج ۲ ص ۴۶۶

۱۵۲ العلل المتناہیہ لابن الجوزی ج ۱ ص ۵۵۔

۱۵۳ ایضاً ج ۱ ص ۶۳

۱۵۴ مجروحین لابن حبانؒ ج ۱ ص ۱۴۱ طبع دارالوعی بحلب ۱۳۹۶ھ ولسان المیزان للحافظ ابن حجر عسقلانیؒ ج ۱ ص ۱۳۲ والعلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۵۵

۱۵۵ العلل المتناہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۶۳

۱۵۶ لسان المیزان للحافظ ابن حجر عسقلانیؒ ج ۱ ص ۱۳۲

۱۵۷ تخریج الاحیاء لابن عراقؒ

۱۵۸ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ لابن عراقؒ ج ۱ ص ۲۵۸ طبع مطبعۃ العاطف ۱۳۷۸ھ والمقاصد الحسنۃ للسخاوی ص ۲۷۵۔

("محدث" لاہور۔ جولائی ۱۹۸۸ء)

Marfat.com

حدیث: اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْبِالصِّیْن

(کےاسانید) کی تحقیق

فاضل محترم غازی عزیر صاحب نے مذکورہ عنوان موضوع پر، لاہور کے مؤقر رسالہ ''محدث'' میں ایک طویل مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے جس کی آخری قسط جولائی ۱۹۸۸ء کے شمارے میں چھپی ہے اسی پر کچھ معروضہ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

مذکورہ مقالے کا لب لباب یہ ہے کہ اس حدیث کے اسانید میں بعض راوی نا قابل اعتبار ہیں، اس لیے یہ حدیث قابل رد ہے۔

علم ''جرح وتعدیل'' مسلمانوں کی ایک قابل فخر اور بے مثل ایجاد ہے اور اسی کے ذریعے سے صحیح واقعے اور من گھڑت افسانے میں امتیاز ہوتا ہے لیکن یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ اس علم کی کتابوں کے قابل احترام مؤلفوں نے کبھی معصومیت کا ادعا نہیں فرمایا۔ وہ اپنی رائے اور تاثر کا ذکر کرتے ہیں اور ان میں کسی شخص کے متعلق بعض وقت اختلاف رائے بھی ہوتا ہے۔ اس سے تلخ تجربے بھی ہوتے ہیں جیسا کہ محترم سیرت نگار نبویؐ ابن اسحاقؒ کے متعلق مجھے بھی ایک بار پیش آچکا ہے۔ اس میں مبالغہ مناسب نہیں، وہ کسی حدیث کی صحت کو جاننے کے متعدد وسائل میں سے ایک ہے، واحد وسیلہ نہیں۔

مذکورۂ عنوان پیاری حدیث کی اگر ساری معلوم روایتیں ایک ہی صحابی سے منسوب ملتیں، اور وہ ساری کی ساری ایک ہی ناکارہ راوی کے توسط سے ہم تک پہنچی ہوتیں تو بات الگ ہوتی۔ لیکن زیر بحث حدیث ایک نہیں، کم از کم چھ سات صحابیوںؓ سے مروی ہے۔ گویا عام حالتوں

Marfat.com

میں اسے حدیث صحیح ہی نہیں' حدیث متواتر کہا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ مختلف اسانید کے مطعون راویوں کے متعلق جرح یا اعتراض میں درجات کا تفاوت بھی ہے۔یوں بھی جھوٹے سے جھوٹا شخص بھی سو فیصد جھوٹ نہیں بولتا۔کراماً کاتبین ہی جانتے ہیں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں کتنی بار جھوٹ بول چکا ہوں لیکن جب جب اللہ نے توفیق دی تو میں سچ بھی بولتا رہا ہوں' جھوٹ کی ایک قسم وہ ہے جس کو خود قرآن مجید نے :اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔'' کے الفاظ میں جائز قرار دیا ہے۔اسی طرح '' اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً''بھی وارد ہے۔ایک صورت ''توریہ'' (یعنی دکھاوے) کی ہے۔ایک اور صورت کو لیجیے: کسی آدمی کو زہر دینا کیسا امر ہے؟ کسی فقیہ یا مشیر قانون سے پوچھو تو وہ کہے گا کہ یہ ایک جرم ہے اور حرام' لیکن کسی طبیب سے پوچھو تو وہ بتائے گا کہ وہی زہر فلاں بیماری کا علاج اور تریاق ہے۔

زیر بحث حدیث کے مطعون راوی عہدِ نبویؐ سے کئی نسلوں بلکہ کئی صدیوں بعد کے لوگ ہیں۔اگر آئندہ خوش قسمتی سے ان سے پہلے کے راویوں (صحابہؓ،تابعین، تبع تابعین وغیرہ) کی کتابیں دستیاب ہو جائیں۔(اور الحمدللہ ہو رہی ہیں) اور ان میں یہ حدیث بھی مل جائے تو ظاہر ہے کہ متاخر زمانے کے کسی ضعیف یا جھوٹے راویوں نے بھی اسی حدیث کی روایت کی ہو تو اس سے اصل حدیث کی صحت متاثر نہ ہو سکے گی۔

علم جرح و تعدیل میں صرف ''روایت'' سے نہیں بلکہ ''درایت'' سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ روایت کے لحاظ سے کوئی حدیث صحیح قرار پائے لیکن درایت کے لحاظ سے وہ ناممکن ہو تو حدیث کو رد ہی کرنا پڑے گا اور خیال کرنا پڑے گا کہ راوی سے سہو ہوا ہے۔مثلاً جس لمحے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ فرما رہے تھے۔کسی کی چھینک سے راوی پورا جملہ سن نہ سکا اور اس طرح اسے غلط فہمی ہوگئی۔اسی طرح ہوسکتا ہے کہ روایۃً تو حدیث رد کرنے کے قابل ہو' لیکن دیگر شواہد موجود ہوں تو اس کو قبول کرنے میں تامل نہیں کیا جائے گا۔

میں یہاں زیر بحث حدیث کے کچھ شواہد عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔اسواق العرب کا (یعنی قبل اسلام عرب میں جو سالانہ میلے لگتے تھے' ان کا) بہ کثرت مورخوں نے ذکر کیا ہے۔ان میں سے ایک' ابن قتیبہ کے استاذ' محمد بن حبیب کی کتاب اَلْمُحَبَّر (مطبوعہ حیدرآباد دکن' صفحہ ۲۶۵تا۲۶۶) میں لکھا ہے:

Marfat.com

ثُمَّ سُوْقُ دَبَا وَهِيَ اِحْدٰی فَرْضَتِي الْعَرَبِ يَأْتِيْهَا تُجَّارُ السِّنْدِ
وَالْهِنْدِ وَالصِّيْنِ وَاَهْلُ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَيَقُوْمُ سُوْقُهَا اٰخِرُ
يَوْمٍ مِّنْ رَجَبٍ۔"

"دبا کا میلہ یہ عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک ہے وہاں سندھ' ہندوستان' چین اور مشرق ومغرب کے لوگ آتے تھے' اور یہ کہ اس کا میلہ ماہِ رجب کے آخری دن لگتا تھا۔"

اس کے ساتھ مسند احمد بن حنبلؒ (جلد۴ صفحہ ۲۰۶) کو پڑھیے۔ وہاں قبیلہ عبدالقیس کے وفد کا ذکر ہے' جو اسی علاقے میں رہتا تھا اور اپنے اسلام کے اعلان کے لیے مدینہ آیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وفد کے سردار سے اس کے ملک کے بعض آدمیوں اور بعض مقاموں کے متعلق کچھ دریافت فرمایا تو اس نے بے ساختہ کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: آپ ہمارے ملک سے ہم سے بھی زیادہ واقف نظر آتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا: "میں نے تمہارے ملک کو روندا ہے اور مجھے وہاں بہت دن رہنے کا موقع ملا ہے۔"

ان دونوں تذکروں کو ملائیں تو گمان ہوتا ہے کہ غالباً اسلام سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال تجارت لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس علاقے کو تشریف لے گئے تھے۔ تعجب نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہاں چینی تاجروں کو دیکھا اور ان کے سامان مثلاً ریشم' چینی برتن وغیرہ کو دیکھ کر کاریگری سے متاثر ہوئے اور ان سے پوچھا ہو کہ تمہیں اپنے ملک سے یہاں (مشرقی عرب تک) آنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ اور اسی تاثر کے باعث بعد میں فرمایا ہو کہ:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ۔

اس استنباط کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ دَبا کے میلے میں چینی ہی نہیں ہندی اور سندھی تاجروں کا بھی ذکر ہوا ہے۔ حدیث ذیل سے (جو ابن ہشام' طبری' ابن سعد وغیرہ بہ کثرت مؤلفوں نے بیان کی ہے اور جو قبیلہ عبدالقیس کے مذکورہ بالا وفد کی ہمعصر ہے) کون واقف نہیں؟ ۱۰ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خالد بن الولید کو یمن بھیجا۔ انہوں نے اطلاع بھیجی کہ قبیلہ بلحارث (بنی الحارث بن کعب) مسلمان ہو گیا ہے' تو حضرت خالدؓ کو خط بھیجا کہ

Marfat.com

اب مدینہ واپس آ جاؤ اور نومسلم قبیلے کے چند لوگوں کو بھی ساتھ لاؤ۔ جب وہ آئے تو دُور سے دیکھ کر پوچھا:

مَنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَاَنَّهُمْ رِجَالُ الْهِنْدِ؟

"یہ کون لوگ ہیں جو اہل ہند کے سے معلوم ہوتے ہیں؟"

اس کا پس منظر بھی وہی دَبا کا میلہ ہونا چاہیے' جہاں تیس چالیس سال قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہندوستانی بنیوں کو دیکھ چکے تھے۔

ان شواہد کی موجودگی میں یہ ناممکن نہیں کہ بعض ضعیف راویوں کی موجودگی کے باوجود "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْبِالصِّيْنِ." کی حدیث (جو قرین قیاس ہے) صحیح ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

("محدث" لاہور۔ اگست، ستمبر ۱۹۸۸ء)

Marfat.com

حدیث: اُطْلُبُوا الْعِلْمِ وَلَوْبِالصِّیْن.

پر تعاقب کا جواب

(قسط نمبر ۱)

از قلم: غازی عزیر

(ماہنامہ محدث کے دو قریب شماروں میں راقم الحروف کا ایک مضمون زیر عنوان "حدیث اُطْلُبُوا الْعِلْمِ وَلَوْبِالصِّیْن. "الخ کی تحقیق" بالاقساط شائع ہوا تھا۔ مضمون ہذا پر عصر حاضر کے ایک فاضل محقق محترم جناب ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب (پیرس) حفظہ اللہ نے حدیث (اُطْلُبُوا الْعِلْمِ وَلَوْبِالصِّیْن.) (کے اسانید) کی تحقیق" کے عنوان کے تحت تعاقب فرمایا ہے جو ماہنامہ "محدث" لاہور کے[1] تازہ شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ ذیل میں آں محترم کے اس تعاقب کے بعض پہلو جو قابل جواب یا وضاحت طلب محسوس ہوئے ہیں انہیں ترتیب دے کر پیش کر رہا ہوں)

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ فاضل تعاقب نگار محترمی ڈاکٹر صاحب نے تعاقب کا عنوان اس طرح مقرر فرمایا ہے: حدیث "اُطْلُبُوا الْعِلْمِ وَلَوْبِالصِّیْن. "(کے اسانید) کی تحقیق مگر پورے تعاقب کو پڑھ کر راقم کی حیرانی کی کوئی انتہاء نہ رہی کیونکہ پورے تعاقب میں حدیث مذکورہ کی اسانید کی تحقیق تو کجا سرے سے کہیں ان کا تذکرہ تک موجود نہیں ہے اور نہ ہی آں محترم نے راقم الحروف کے سابقہ مضمون کی کسی عبارت یا روایت پر کوئی نقد و جرح یا بحث کی ہے۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آں محترم نے اپنے تعاقب کی پوری عمارت چند شبہات، احتمالات اور مفروضوں کی بنیاد پر کھڑی کی ہے اور انہیں اسانید کی تحقیق سے معنون کیا ہے۔ اس کی وضاحت ان شاء اللہ

Marfat.com

آگے پیش کی جائے گی۔ کاش محترم ڈاکٹر صاحب زیر مطالعہ حدیث پر کوئی ٹھوس علمی بحث پیش فرماتے یا ان نقائص کی نشاندہی فرماتے۔ جو آں محترم نے راقم الحروف کے سابقہ مضمون میں محسوس فرمائیں۔

فی الحال مختصراً یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فن حدیث میں ''سند'' اور ''اسناد'' کی اصطلاح سے عموماً محدثین کی مراد کیا ہوتی ہے تاکہ یہ احتمال باقی نہ رہے کہ فاضل ڈاکٹر صاحب نے اپنے تعاقب میں جن چند شبہات وقرائن کو بیان فرمایا ہے یا جن کی بنیاد پر اس حدیث کی تصحیح فرمانا ان کا مقصود ہے ان پر حدیث کی اصطلاح ''اسناد'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

علامہ بدر ابن جماعہؒ اور علامہ طیبیؒ کا قول ہے ''طریق المتن کی خبر کو سند کہتے ہیں۔'' [۳]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ ابن جماعہؒ سے نقل فرماتے ہیں طریق المتن کی اخبار کا نام سند اس لیے ہے کہ حفاظ حدیث کسی حدیث کی صحت اور ضعف کے لیے اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ کسی حدیث کا اس کا قائل کی طرف رفع ہونا اسناد ہے۔ طیبیؒ کا قول ہے: معنوی اعتبار سے یہ دونوں اصطلاحیں آپس میں متقارب ہیں یعنی صحت حدیث اور اس کے ضعف کے لیے حفاظ کا ان پر اعتماد کرنا۔ ابن جماعہؒ فرماتے ہیں: محدثین سند اور اسناد ایک ہی چیز کے لیے استعمال کرتے ہیں۔'' [۴]

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''نخبة الفكر فى مصطلح اهل الاثر'' کے ایک مقام پر طرق روایت کو ہی اسانید [۵] سے تعبیر فرماتے ہیں۔ پھر تھوڑا آگے چل کر ''اسناد'' کی تعریف میں فرماتے ہیں:

''هُوَ الطَّرِيْقُ الْمُوْصِلَةُ اِلَى الْمَتْنِ.'' [۶]

شیخ مصطفیٰ امین فرماتے ہیں: ''محدثین کے نزدیک متن کے لیے موصولہ طریق کی معرفت سند کہلاتی ہے۔ یعنی حدیث بیان کرنے والے راویوں کا طرق ... اور اسناد کی تعریف طریق المتن کی حکایت ہے۔'' [۷]

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں: ''سند وہ سلسلہ رواۃ ہے کہ جن کے طریقہ سے کوئی حدیث پہنچی ہے۔'' [۸]

Marfat.com

مولانا عبدالرحمن عبیداللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: ''طریق المتن کی حکایت کو اسناد کہتے ہیں۔ اس سے مراد رفع حدیث اور قائل کی طرف اس کی نسبت کرنا ہے۔

سند اصطلاحاً متن حدیث تک پہنچنے کا طریق ہے یعنی ان رجال کا سلسلہ جو متن تک پہنچتے ہوں۔ اس کا نام سند اس لیے رکھا گیا ہے کہ محدث کسی حدیث کی صحت اور ضعف کے لیے اس سلسلہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ پس سند کا معنی رواۃ الحدیث اور اسناد کا معنی فعل الرواۃ ہے اور اسناد کا اطلاق سند پر بھی ہوتا ہے۔ الخ [9]

دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں ''سند'' کو ''البرہان علی صحۃ الروایۃ'' بتایا گیا ہے۔ [10]

اصطلاحات ''سند'' و ''اسناد'' کی مذکورہ بالا تعریف کی روشنی میں محترم ڈاکٹر صاحب کے پورے تعاقب کو پڑھ ڈالیے اور بتایئے کہ آں محترم نے کس طریق المتن کی حکایت وخبر یا کس طریق موصلہ الی المتن یا کسی سلسلۂ رواۃ کی تحقیق فرمائی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہو تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس عنوان اور تعاقب کے مندرجات میں کس درجہ مطابقت پائی جاتی ہے؟

''عنوان پر تبصرہ کے بعد اب ہم محترم ڈاکٹر صاحب کے تعاقب کی طرف توجہ کرتے ہیں تعاقب شروع کرتے ہوئے آں محترم فرماتے ہیں:

''مذکورہ مقالے کا لب لباب یہ ہے کہ اس حدیث کے اسانید میں بعض راوی ناقابل اعتبار ہیں اس سلسلے میں یہ حدیث قابل رد ہے۔ [11]

اس سلسلہ میں فقط یہ عرض کرنا ہے کہ صحت حدیث کو پرکھنے کا یہ معیار کوئی نیا' انوکھا اور راقم الحروف کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اولین فقہائے حدیث و محققین کے دور سے رائج ہے مشہور کلیہ ہے کہ ''کسی حدیث کی تصحیح کا دارومدار تصحیح حدیث کے اوصاف مقتضیہ کے وجود مثلاً رواۃ کی عدالت' ضبط و اتقان' اتصال سند اور علل شذوذ سے اس کی سلامتی وغیرہ پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اگر کسی روایت کے تمام رواۃ ضبط و عدالت اور دوسری تمام صفات کے عالی مقام پر فائز ہوں تو وہ روایت عندالمحدثین اصح کہلاتی ہے۔ [12]

محدثین کے اسی متفقہ اصول کے پیش نظر راقم نے سابقہ مضمون کی تحقیق کے دوران یہ کوشش کی تھی کو رواۃ کی عدالت' ضبط' اتقان' اتصال سند اور دیگر علل کی پوری چھان بین کی جائے تا کہ قطعی طور پر ان روایات پر کوئی حکم لگایا جاسکے۔

Marfat.com

تیسرا معروضہ محترم ڈاکٹر صاحب کی اس عبارت:

''علم جرح و تعدیل مسلمانوں کی ایک قابل فخر اور بے مثال ایجاد ہے اور اسی کے ذریعہ سے صحیح واقعہ اور من گھڑت افسانے میں امتیاز ہوتا ہے لیکن یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اس علم کی کتابوں کے قابل احترام مؤلفوں نے کبھی معصومیت کا ادعاء نہیں فرمایا۔ وہ اپنی رائے اور تاثر کا ذکر کرتے ہیں اور ان میں کسی شخص کے متعلق بعض وقت اختلاف رائے بھی ہوتا ہے' اس سے تلخ تجربے بھی ہوتے ہیں۔ الخ [13]

......کی وضاحت میں ہے کہ بلاشبہ کتب علم جرح و تعدیل کے قابل احترام مؤلفوں نے نہ کبھی معصومیت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ ہی ان کی کتب میں فقط ان جارحین و معدلین کی اپنی شخصی ''رائے اور تاثر'' کا ذکر موجود ہے بلکہ تمام اصحاب نظر جانتے ہیں کہ جرح و تعدیل کی اصل بنیاد امور محسوسہ یعنی مشاہدات و مسموعات پر ہے۔ ان مشاہدات و مسموعات کی روشنی میں جارحین و معدلین کسی راوی کے متعلق کسی عصبیت' حقد و محابات اور لومۃ لائم کے خوف کے بغیر غایت درجہ ورع و امانت کیساتھ اپنا فیصلہ اور حکم صادر کرتے ہیں۔ اتصال سند' توثیق الرواۃ ان کا ضابط القلب اور جید الحافظہ ہونا' راوی و مروی عنہ کی معاصرت اور آپس میں ان کی لقاء و سماع وغیرہ کی تحقیق محض جارحین و معدلین کی شخصی رائے اور تاثر کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ عادل' جید الحدیث' حسن الحدیث' صدوق لہ اوہام' مقارب الحدیث' صالح الحدیث' لابأس بہ' مأمون' خیار' متقن' حجۃ' مضطرب الحدیث' سیئ الحفظ' واہم' مجہول' مستور' لایعرف' ساقط' واہ' ہالک' لایساوی شیئا' لایساوی فلسا' ضعفوہ' ترکوہ' متساہل' لیس بشیئ' منکر الحدیث' کذاب دجال رکن الکذب' متروک' وضاع' ذاہب الحدیث' سارق الحدیث' لیس بحجۃ' لایحتج بہ' لیس بحجۃ' بذاک' فیہ مقال وغیرہ الفاظ جرح و تعدیل کیے ہیں۔ ان تمام کی بنیاد حس' تجربیات' مسموعات اور مشاہدات پر ہے نہ کہ محض شخصی رائے' ذاتی تاثر یا قیاس و تخمین اور ظن وغیرہ پر۔

معترض محترم ڈاکٹر صاحب کے اقوال:

''اور ان میں کسی شخص کے متعلق بعض وقت اختلاف رائے بھی ہوتا ہے' اس سے تلخ تجربے بھی ہوتے ہیں۔''

...... کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل کے درمیان بعض اوقات جو اختلاف رائے نظر آتا ہے وہ صرف شخصی ''رائے اور تاثر'' یا قیاس و اجتہاد کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ

Marfat.com

کسی راوی کے حالات میں تبدیلی واقع ہونے، کبھی راوی کے احوال کی معرفت کے ذرائع مختلف ہونے اور کبھی جارحین ومعدلین کی شرائط ومعیار جدا ہونے کے سبب ہوتا ہے۔ اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی ایک امام نے جب کسی راوی کے متعلق معلومات جمع کیں تو وہ راوی اپنی سابقہ حالت بدل چکا تھا لہٰذا اس امام نے اس پر جرح کر ڈالی۔ مثلاً پہلے کوئی راوی قوی حافظہ اور ضبط کا مالک تھا، لیکن بیماری یا کبیر سنی یا کسی حادثہ کے باعث بعد میں اس کا حافظہ کمزور ہو گیا۔ اختلاف رائے کی دوسری وجہ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ کسی امام کو کسی راوی کا مفصل حال معلوم نہ ہو سکا، جہاں تک معلوم ہوا اس میں کوئی امر قادح نہ تھا۔ لہٰذا اس نے اس راوی کی تعدیل درج کی مگر کسی دوسرے امام نے جب اس کے متعلق دوسرے ذرائع سے معلومات جمع کیں اور اس کے حالات کی تحقیق کی تو اس راوی میں کچھ قابل جرح باتیں پائیں۔ پس آخر الذکر امام نے اس پر جرح درج کی۔ اختلاف رائے کا تیسرا سبب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی امام کے تساہل، تسامح، معتدل اور متشدد ہونے کی بناء پر بھی کسی ایک راوی کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر امام عجلیؒ اور ابن حبانؒ توثیق المجہولین کے معاملہ میں بہت زیادہ تساہل [۱۴]، امام ترمذی اور حاکمؒ تسامح، امام احمدؒ، دار قطنی اور ابن عدی معتدل اور ابو حاتم الرازیؒ وغیرہ انتہائی متشدد اور محتاط رویہ کے لیے مشہور ہیں۔ [۱۵] یہ تساہل، تسامح اعتدال اور تشدد ان جارحین ومعدلین کے اپنے اپنے معیار و شرائط جدا ہونے کے سبب ہے لیکن ائمہ جرح وتعدیل کے ان اختلافات یا تعارض کو رفع کرنے کے لیے محدثین کے پاس جرح مفسر ومبہم، تعدیل مفسر ومبہم اور اطلاع علی منہج الجارح والمعدل وغیرہ کے رہنما اصول موجود ہیں جن سے ایسے تعارض کی حالت میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے کہ کن حالات میں اقوال جرح کو ترجیح دی جائے اور کب اقوال تعدیل کو مزید تفصیلات کے لیے الخلاصۃ فی اصول الحدیث للطیبیؒ، دائرۃ المعارف ترتیب محمد فرید وجدی، تدریب الراوی للسیوطیؒ، مختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبداللطیفؒ، قاعدۃ الجرح والتعدیل للسبکیؒ، التقیید والایضاح للعراقیؒ، قواعد التحدیث از محمد جمال الدین قاسمیؒ اور رفع التکمیل فی الجرح والتعدیل از عبدالحیٔ لکھنویؒ [۱۶] وغیرہ کی مراجعت مفید ہوگی۔

ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کی تفسیر اور ان کے مابین تعارض کو رفع کرنے کے لیے جو اصول وضع کیے گئے ہیں ان کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان اختلاف سے صرف وہی شخص

گھبرا سکتا ہے یا اسی کو تلخ تجربات کا سامنا ہو سکتا ہے جسے حدیث' اصول حدیث اور علم الروایۃ وغیرہ سے بہت سطحی شُد بُد ہو۔ خدا ہی جانے محترم ڈاکٹر صاحب کو محترم سیرت نگار نبویؐ ابن اسحاقؒ کے متعلق کیسا تلخ تجربہ پیش آ چکا ہے۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ قطعی درست ہے کہ علم جرح و تعدیل کسی حدیث کی صحت کو جاننے کے متعدد وسائل میں سے ایک مگر انتہائی اہم اور بنیادی وسیلہ ہے "واحد وسیلہ نہیں" ہے۔

چوتھی بات محترم ڈاکٹر صاحب سے ان جملوں کے متعلق یہ عرض کرنی ہے:

"مذکورہ عنوان پیاری حدیث کی اگر ساری معلوم روایتیں ایک ہی صحابی سے منسوب ملتیں اور وہ ساری کی ساری ایک ہی ناکارہ راوی کے توسط سے ہم تک پہنچی ہوتیں تو بات الگ ہوتی لیکن زیر بحث حدیث ایک نہیں کم از کم چھ سات صحابیوں سے مروی ہے۔ گویا عام حالتوں میں اسے حدیث صحیح ہی نہیں حدیث متواتر کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اسانید کے مطعون راویوں کے متعلق جرح یا اعتراض کے درجات میں تفاوت بھی ہے' یوں بھی جھوٹے سے جھوٹا شخص بھی سو فیصد جھوٹ نہیں بولتا۔ کراماً کاتبین ہی جانتے ہیں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں کتنی بار جھوٹ بول چکا ہوں' لیکن جب جب اللہ نے توفیق دی تو میں سچ بھی بولتا رہا ہوں۔ [۱۲] الخ۔"

یہ سچ ہے کہ زیر بحث عنوان کے تحت وارد ہونے والی روایت کا معنی و مفہوم بظاہر بہت دلکش (بلکہ محترم ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں "پیاری حدیث") اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اور اس کی تمام معلوم روایتیں بھی کسی ایک صحابی سے منسوب نہیں بلکہ سات مختلف صحابیوں (حضرت انس بن مالکؓ' ابن عمرؓ' علیؓ' جابرؓ' ابن مسعودؓ' ابو سعیدؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم) سے مروی ہیں جس میں سے سولہ طرق روایات حضرت انس بن مالکؓ سے' چار طرق حضرت ابن عمرؓ' تین طرق حضرت علیؓ سے اور ایک ایک طریق حضرات ابن مسعودؓ' جابرؓ' ابن عباسؓ اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منسوب ہیں۔ پھر یہ ساری کی ساری روایات ہم تک کسی ایک ہی ناکارہ راوی کے توسط سے نہیں پہنچی ہیں بلکہ اکثر طرق میں الگ الگ مجروح رواۃ موجود ہیں اور ان پر جرح کے درجات میں تفاوت بھی ہے لیکن کسی حدیث کا متعدد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہونا یا متعدد رواۃ کے توسط سے یا بکثرت طرق ہم تک پہنچنا اس حدیث کی صحت کا معیار نہیں

Marfat.com

ہوسکتا۔ اگر کوئی حدیث صرف ایک صحابی سے مروی ہو مگر صحت کے معیار پر پوری اترتی ہو تو محض صحابی کے تفرد کی بناء پر اس حدیث کی صحت متاثر نہ ہوگی۔[۱۸]

اسی طرح کسی ناقابل احتجاج حدیث کی نسبت کئی صحابہ کی جانب کر دینے سے وہ صحیح نہیں بن جاتی۔ قدیم اصولیین ومحدثین میں سے غالباً کوئی بھی محترم ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ صحت حدیث کے اس انوکھے معیار سے واقف نہ ہوگا۔

اس حدیث کے متواتر نہ ہونے کی بحث تو ان شاء اللہ آگے پیش کی جائے گی۔ فی الحال یہ بتانا مقصود ہے کہ حدیث صحیح اور متواتر تو کجا حسن کے درجہ تک بھی نہیں پہنچتی اگرچہ محترم ڈاکٹر صاحب عام حالات میں اس کے صحیح ہی نہیں بلکہ متواتر ہونے کے قائل ہیں۔ شاید ڈاکٹر صاحب محترم نے اس سلسلہ میں محمد بن جعفر الکتانی اور جلال الدین سیوطیؒ کے اقوال پر تکیہ کیا ہے۔ شیخ محمد بن جعفر الکتانیؒ نے ''نظم المتناثر من الحدیث المتواتر'' میں اس حدیث کو کثرت طرق کی بناء پر ''متواتر'' شمار کیا ہے۔[۱۹]

اسی طرح علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

'' حافظ مزیؒ کا قول ہے کہ اس حدیث کی روایت امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے اس کو آں رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری دو حدیثوں کے ساتھ مشافہۃً سنا تھا اور ان سب کے طرق حسن کے رتبہ کو پہنچتے ہیں۔ میں (یعنی سیوطیؒ) کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ صحیح کے رتبہ کو پہنچتی ہے۔ کیونکہ میں اس کے تقریباً پچاس طرق سے واقف ہوں۔ جنہوں نے ایک علیحدہ جزء میں جمع کر دیا ہے۔[۲۰]

مولانا ابوالحسنات عبدالحئی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

'' فی الجملہ اس حدیث کی اسانید بہت زیادہ ہیں۔ حتیٰ کہ حافظ سیوطیؒ نے اس کو احادیث متواترہ میں شمار کیا ہے۔[۲۱]

شیخ احمد الغماری حنفی مرحوم نے بھی اپنی کتاب '' اتحاف ذوی الفضائل المشتهرة'' اور ''المسهم بطريق'' حدیث'' طلب العلم فريضة على كل مسلم'' میں اس حدیث کے جملہ طرق کے مجموعہ کو رتبہ صحیح لغیرہ تک پہنچایا ہے۔[۲۲]

Marfat.com

لیکن حق بات یہ ہے کہ کتانیؒ کا اس کو ''متواتر'' بیان کرنا سیوطیؒ' غماریؒ' لکھنوی اور ڈاکٹر صاحب وغیرہ کا اس کو ''صحیح'' کے رتبہ تک رفع کرنا محض کثرت طرق کی بنیاد پر ہے' کسی صحیح اور قابل احتجاج طریق کی بناء پر نہیں ہے۔ بعض علماء بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث متعدد حسن لذلتہ طرق کے ساتھ وارد ہو تو اس کا ہر طریق دوسرے طریق کے لیے تقویت کا باعث ہوتا ہے اور ان سب کا مجموعہ اس قوت کی بناء پر درجہ حسن سے ترقی کر کے صحیح کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے مگر وہ حدیث عین صحیح نہیں بن جاتی۔ [۴۳]

اسی طرح بعض علماء فرماتے ہیں اگر کوئی ضعیف حدیث متعدد طرق سے وارد ہو تو ان کا مجموعہ بوجہ اعتضاد ضعف کے درجہ سے ترقی کر کے حسن کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ [۴۴]

لیکن یہ کوئی متفقہ کلیہ نہیں بلکہ محل نزاع ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے اپنے زیر ترتیب مضمون بعنوان ''ضعیف حدیث اور اس کی شرعی حیثیت'' میں درج کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اصل مطبوعہ مضمون میں پیش کیے گئے ستائیس ۲۷ طرق میں سے ایک طریق بھی درجہ ''حسن'' کو نہیں پہنچتا۔ لہٰذا اعتضاد طرق کے سبب اس کو ''صحیح لغیرہ'' کے رتبہ تک رفع کرنا خارج از امکان ہوا۔ اب اگر محترم ڈاکٹر صاحب دعویٰ صحت و تواتر سے نیچے اتر کر اس کے تمام ضعیف طرق کے مجموعہ سے زیر مطالعہ حدیث کی صرف ''تحسین'' ہی فرمانا چاہیں تو وہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کے بیشتر طرق میں کذاب' متروک الحدیث' وضاع' منکر الحدیث اور مجہول رواۃ موجود ہیں۔ اگر اس کے کسی طریق میں ضعف کی نوعیت قریب متحمل ہوتی یا اس روایت کا کوئی صالح شاہد طریق موجود ہوتا تو بات بن سکتی تھی۔ لیکن ایسے شدید مجروح رواۃ والے خواہ کتنے ہی طرق کیوں نہ مل جائیں وہ ایک دوسرے کے لیے تقویت و اعتضاد کا باعث ہرگز نہیں بن سکتے بلکہ کسی بھی حدیث کے ضعف کو مزید مؤکد کرتے ہیں یا عام حالات میں ایسے طرق کا مجموعہ کسی حدیث کو ''منکر'' اور ''لا اصل لہ'' بنا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ قول: ''لیکن زیر بحث حدیث ایک نہیں کم از کم چھ سات صحابیوں سے مروی ہے گویا عام حالتوں میں اسے صحیح ہی نہیں حدیث متواتر کہا جا سکتا ہے۔'' بھی انتہائی قابل گرفت ہے کیونکہ کسی حدیث کا محض چھ' سات صحابیوں سے مروی یا منسوب ہونا اس کے ''متواتر'' ہونے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو کسی حدیث کے متواتر ہونے کے لیے کوئی عدد متعین ہی نہیں ہے...... بعض علماء نے چار' بعض نے پانچ' بعض نے کم از کم

دس، بعض نے چالیس، بعض نے ستر اور بعض نے اس سے بھی زیادہ رجال کی شرط بیان کی ہے [۲۵]۔ لیکن علمائے تحقیق کے نزدیک کسی روایت کو ''متواتر'' کہنے کے لیے صرف ان اعداد پر اعتماد کرنے کے بجائے ان تمام شرائط پر پورا اترنا لازم ہے جو محدثین کرام نے اس سلسلے میں مقرر فرمائی ہیں۔ ذیل میں ''متواتر'' حدیث کی تعریف اور اس کی شرائط بیان کی جاتی ہیں تا کہ ان کی روشنی میں محترم ڈاکٹر صاحب کے قول کی صداقت کو پرکھا جا سکے۔

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں: ''وہ روایت جسے جَمعٌ عَنْ جَمعٍ روایت کیا گیا ہو اور عقل کے نزدیک سب کا باتفاق جھوٹ بولنا محال ہو۔ الخ'' [۲۶]

شیخ عبدالرحمٰن عبیداللہ رحمانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''اصطلاحاً متواتر وہ روایت ہے جس کو ہم نے کثیر جماعت سے نقل کیا ہو اور عقل ان سب کا باتفاق جھوٹ بولنا اباء کرتی ہو۔ نیز ان کی خبر مشاہدات یا مسموعات میں سے کسی محسوس شئے سے متعلق ہو مثلاً یہ کہا جائے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا فرماتے سنا۔ تواتر کی چار شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ اس کو کثیر تعداد نے بلا حصر روایت کیا ہو۔ دوم یہ کہ ابتداء سے انتہاء تک ہر طبقہ سند کے رواۃ نے اس کو روایت کیا ہو۔ سوم یہ کہ عقل کے نزدیک ان تمام رواۃ کا کذب پر متفق ہونا محال ہو اور چہارم یہ کہ ان کی خبر باعتبار حس (مشاہدہ یا سماع) انتہائی مستند ہو۔'' [۲۷]

اور علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ حدیث ''متواتر'' کی شرائط بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''رواۃ کی کثیر تعداد کہ عقل کے نزدیک ان سب کا کذب پر متفق ہونا محال ہو، اس کو ابتداء سے انتہاء تک (ہر طبقہ رواۃ نے) روایت کیا ہو، وہ جس کی انتہاء تک مستند ہو وغیرہ۔'' الخ [۲۸]

اب قارئین کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا محترم ڈاکٹر صاحب کا مذکورہ بالا قول ''تواتر'' کی چاروں شرائط پر پورا اترتا ہے؟ اگر پہلی تین شرائط پر پورا اترنا تسلیم کر بھی لیا جائے تو چوتھی شرط یعنی خبر کا مستند ہونا بہرحال اس راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

جہاں تک زیر مطالعہ حدیث کے مختلف طرق میں موجود مجروح راویوں پر جرح کے درجات میں تفاوت ہونے کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ سابقہ مضمون کے بیان کردہ جملہ طرق میں پچاس سے زیادہ مجروح رواۃ موجود ہیں۔ جن میں سے اکثر یعنی بیس سے زیادہ رواۃ پر ''کذب''، ''وضاع''، ''منکر الحدیث'' اور ''متروک الحدیث''

جیسے سنگین حکم عائد کیے گئے ہیں۔ان میں سے آٹھ رواۃ کو ائمہ جرح وتعدیل نے ''مجہول'' اور باقی کو'' ضعیف'' ''مطعون'' ''لیس بشی'' ''لیس بثقہ'' اور ''لیس بحجۃ'' وغیرہ قرار دیا ہے۔پھر رواۃ پر جرح کے مراتب میں تفاوت ہونا کسی حدیث کی صحت کی دلیل تو نہیں ہوتا۔

اب فاضل تعاقب نگار محترم ڈاکٹر صاحب کے اگلے قول:

''یوں بھی جھوٹے سے جھوٹا شخص بھی سو فیصد جھوٹ نہیں بولتا۔کراما کاتبین ہی جانتے ہیں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں کتنی بار جھوٹ بول چکا ہوں لیکن جب جب اللہ نے توفیق دی تو میں سچ بھی بولتا رہا ہوں۔''

...... پر تبصرہ پیش خدمت ہے۔محترم ڈاکٹر صاحب کی یہ بات ہمیں تسلیم ہے کہ جھوٹے سے جھوٹا شخص بھی سو فیصد جھوٹ نہیں بولتا۔'' لیکن محض اس خیال کی بنیاد پر کسی کذاب یا متہم بالکذب اور وضاع راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ محدثین اور اصولیین کے متفقہ فیصلہ اور اصول حدیث کے کلیہ کے قطعاً خلاف ہے۔

حدیث نبوی میں عمداً جھوٹ بولنا اللہ کے دین میں ایک بڑی جسارت اور تمام انسانوں کے مصالح کے خلاف ہے۔اس بناء پر تمام فقہائے حدیث نے اس معاملہ میں انتہائی شدت اختیار کی ہے حتیٰ کہ بعض نے ایسے شخص کو واجب القتل تک بتایا ہے۔بعض محدثین نے کاذب کے تائب ہو جانے کے بعد بھی اس کی خبر کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابوالمظفر سمعانی المروزیؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص کسی ایک خبر میں کذب بیانی کرے اس کی پچھلی تمام احادیث کو بھی ساقط کرنا واجب ہے۔''[29]

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''فاسق کے تائب ہونے کے بعد اس کی روایت قبول کی جاتی ہے۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں کذب بیانی کرنے والے کی روایت توبہ کے بعد بھی قبول نہیں کی جاتی۔جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ ابوبکر الحمیدیؒ شیخ البخاریؒ اور ابوبکر الصیرفی الشافعیؒ کا قول ہے۔صیرفیؒ فرماتے ہیں جن رواۃ کی خبر کو ہم نے کذب کی بناء پر ساقط کیا ہے ہم ان کی توبہ کے بعد بھی ان کو قبول نہیں کرتے۔'' الخ [30]

Marfat.com

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں:

''اہل علم حضرات کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والوں سے کوئی حدیث نہ لی جائے۔''

امام ابن کثیرؒ بھی ان علماء کے ساتھ متفق نظر آتے ہیں جن کے نزدیک:[۴۲]

''اگر کوئی شخص حدیث نبویؐ میں عمداً جھوٹ بولے تو واجب القتل ہے۔''

ان ہی علمائے حدیث میں حضرت مُرّہ ہمدانی کا بھی شمار ہوتا ہے جنہوں نے حارث الاعور کی گردن قلم کرنے کے لیے ایک بار اپنی شمشیر میان سے باہر سونت لی تھی۔[۴۳]

جہاں تک محترم ڈاکٹر صاحب کے اس قول:

''کراماً کاتبین ہی جانتے ہیں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں کتنی بار جھوٹ بول چکا ہوں' لیکن جب جب اللہ نے توفیق دی تو سچ بھی بولتا رہا ہوں۔''

...... کا تعلق ہے محترم ڈاکٹر صاحب! مجھے یہ کہنے کی جسارت پر معاف فرمائیں کہ شریعت مطہرہ ہم تک نہ آپ کے واسطہ سے پہنچی ہے اور نہ ہی آپ ہمارے لیے ذریعہ علم پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں کہ کبھی کبھار عمداً یا بالاکراہ جھوٹ اور بتوفیق الٰہی سچ بھی بولنے سے شریعت میں خلل اور پلیدگی واقع ہوتی ہو۔ یہ تو ایسی صورت میں ممکن تھا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث اپنے طرق اسناد کے ساتھ روایت کرنے کا شرف حاصل ہوتا۔ مجھ' آپ یا کسی اور کے برخلاف رواۃِ حدیث کے کذب کی نوعیت بہت سنگین ہوتی ہے۔ کہ ان کے ذریعہ ہی ہم تک علم حدیث نبوی پہنچا ہے۔ اگر ان کے کذب کی نوعیت کو ہم اپنے' آپ کے یا کسی اور شخص کے مساوی سمجھ لیں تو نتیجتاً ہمارا سارے کا سارا ذخیرۂ احادیث مشکوک ومشتبہ ہو کر رہ جائے گا۔ پھر جو چیز مشکوک ومشتبہ ہو وہ یقینی علم کا ذریعہ کس طرح ہو سکتی ہے اور جو چیز غیر یقینی ہو وہ شریعت کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا منطقی اعتبار سے انکار حدیث لازم آیا' نعوذ باللہ من ذلک۔ (جاری ہے)

Marfat.com

حواشی

۱۔ ماہ نامہ محدث لاہور۔ جون، جولائی 1988ء

۲۔ ماہ نامہ محدث لاہور۔ اگست، ستمبر 1988ء

۳۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۴۱، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۹ء۔

۴۔ ایضاً ۴۱۔۴۲ وکذا فی قواعد التحدیث للقاسمی ص ۲۰۲

۵۔ متن نخبۃ الفکر لابن حجرؒ مع سبل السلام ج ۴ ص ۲۲۸ طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۶۰ء

۶۔ ایضاً جلد ۴ ص ۲۳۰۔

۷۔ محاضرات فی علوم الحدیث للشیخ مصطفےٰ امین، جلد نمبر ۱ ص ۱۷ طبع سوم مطبع دار التالیف بالمالیہ مصر۔

۸۔ مقدمہ منہاج الصالحین للشیخ عز الدین بلیق ص ۵۲ طبع دار الفتح بیروت ۱۹۸۸ء۔

۹۔ تحفہ اہل الفکر فی مصطلح اہل الاثر للشیخ عبدالرحمٰن ص ۲۶ طبع مکتبہ رحمانیہ اعظم گڑھ ۱۹۸۲ء

۱۰۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (عربی) ج نمبر ۷ ص ۳۳۱

۱۱۔ ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱۔۲، ص ۹۰

۱۲۔ حاشیہ بر مقدمہ تحفۃ الاحوذی لابی الفضل المبارکفوریؒ ص ۱۶۰ طبع نشر السنۃ، ملتان (بتصرف یسیر) ۱۳۔ ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱۔۲ ص ۹۰

۱۳۔ ماہنامہ محدث جلد ۱۹، عدد ۱۔۲، ص ۹۰

۱۴۔ تفصیل کے لیے التنکیل بمافی تانیب الکوثری للشیخ عبدالرحمٰن معلمی الیمانی ج ۱ ص ۶۶، تعلیق الشیخ الیمانی علی الفوائد، المجموعۃ ص ۱۰۷، ۴۸۵، مقالات الکوثری ص ۹۶۔۹۵ لسان المیزان لابن حجرؒ ج ۱ ص ۱۴، مقدمہ کتاب الثقات لابن حبانؒ ج ۱ ص ۱۳، الانوار الکاشفہ للیمانی ص ۶۸، جرح وتعدیل لابی لبابہ حسین ص ۱۶۸، رسالۃ المستطرفہ للکتانی ص ۱۱۰، ردعلی التعقیب الحثیث ص ۱۸۔۲۱، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ للالبانی ج ۱ ص ۳۲، ۳۳ اور سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی ج ۲ ص ۱۸۲، ۲۱۹ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۔ تفصیل کے لیے اعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ مع علم التاریخ عند المسلمین ص ۱۶۷، ۲۱ اور فتح المغیث سخاویؒ ج ۲ ص ۳۴۵ وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

Marfat.com

۱۶۔ الخلاصۃ فی اصول الحدیث للطیبیؒ ص ۵۷، دائرۃ المعارف...... محمد فرید وجدی ج ۳ ص ۳۷۵، تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۳۰۵۔۳۱۵ مختصر فی علم رجال الاثر للشیخ عبدالوہابؒ...... قاعدۃ الجرح والتعدیل للسبکیؒ ص ۶۰۵، التقیید والایضاح للعراقیؒ ص ۱۳۸، قواعد التحدیث للقاسمیؒ ۱۸۸۔۱۹۰، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل للکنوی ص ۹۹۔

۱۷۔ ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱۔۲، ص ۹۰۔۹۱

۱۸۔ تفصیل کیلئے اعلام الموقعین لابن قیمؒ ص ۱۶۰، قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۹۹، تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۶۷ اور مقدمہ منہاج الصالحین للشیخ عز الدین بلیق ص ۴۸ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۔ نظم المتناثر من الحدیث المتواتر الکتانی ص ۲۷

۲۰۔ تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ للسیوطیؒ ص ۷

۲۱۔ ظفر الامانی للکنویؒ ص ۹۲

۲۲۔ اتحاف ذوی الفضائل المشتہرہ للغماریؒ ص ۵۷۔۶۰

۲۳۔ کذا فی قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۱۰۲۔۱۰۳

۲۴۔ تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۵۸، فتح المغیث للسخاویؒ بحوالہ قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۱۰۹، ۱۱۰، مرقاۃ المفاتیح للقاریؒ بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوریؒ ص ۵۴، تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث مشکوٰۃ المصابیح لابی الوزیر محدث دہلویؒ ص ۴ وغیرہ

۲۵۔ تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۲ ص ۱۷۲۔۱۷۸

۲۶۔ مقدمہ منہاج الصالحین للشیخ عز الدین بلیق ص ۴۸ و کذا فی تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۲ ص ۱۷۶۔۱۸۰

۲۷۔ تحفۃ اہل الفکر فی مصطلح اہل الاثر للشیخ عبدالرحمٰن ص ۷۔۸

۲۸۔ متن نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر لابن حجرؒ مع سبل السلام ج ۲ ص ۲۲۸

۲۹۔ التقیید والایضاح للعراقیؒ ص ۱۵۱، تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۳۳۰، الباعث الحثیث لابن کثیرؒ تحقیق استاذ احمد شاکر ص ۱۰۱

۳۰۔ التقریب...... للنوویؒ مع تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۳۲۹۔۳۳۰

۳۲۔ باعث الحثیث لابن کثیرؒ تحقیق احمد شاکر ص ۱۰۲

۳۳۔ مقدمہ صحیح مسلمؒ ج ۱، ص ۱۹

("محدث" لاہور۔ مارچ ۱۹۸۹ء)

حدیث ''اطلبوا العلم ولو کان بالصّین''

پر تعاقب کا جواب (قسط نمبر ۲)

اس کے آگے محترم ڈاکٹر صاحب نے نفس مضمون سے ہٹ کر کذب کی اقسام، کذب بصورت اکراہ، توریہ، قانونی مشیر، طبیب اور زہر وتریاق کی غیر متعلق بحثوں کو چھیڑ کر خلط مبحث کرنا چاہا ہے، ہم غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے اس حصہ پر کلام کرنے سے قصداً گریز کرتے ہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''زیر بحث حدیث کے مطعون راوی عہدِ نبویؐ سے کئی نسلوں بلکہ کئی صدیوں بعد کے لوگ ہیں، اگر آئندہ خوش قسمتی سے ان سے پہلے کے راویوں (صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ وغیرہ) کی کتابیں دستیاب ہو جائیں (اور الحمدللہ ہو رہی ہیں) اور ان میں یہ حدیث بھی مل جائے تو ظاہر ہے کہ متاخر زمانے کے کسی ضعیف یا جھوٹے راوی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہو تو اس سے اصل حدیث کی صحت متاثر نہ ہو سکے گی۔'' ص۵۰

یہاں محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ بھی قطعی باطل ہے کہ زیر بحث حدیث کے مطعون راوی عہد نبویؐ سے کئی نسلوں بلکہ کئی صدیوں بعد کے لوگ ہیں۔ لفظ ''صدیوں'' بتاتا ہے کہ تمام مجروح رواۃ کم از کم دو سو سال یا اس کے بعد کے لوگ ہیں۔ احوال الرواۃ سے عدم مہارت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے اس دعویٰ کے بطلان میں ہم یہاں صرف چند شواہد پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت انس بن مالکؓ کے طریق دوم کا ایک مجروح راوی ''حفص بن سلیمان'' جو عند المحد ثین ''متروک الحدیث'' ہے۔ ۱۸۰ھ میں فوت ہوا تھا اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق ہفتم میں ایک ضعیف راوی ''اسماعیل بن عیاش'' ہے جس کی وفات ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ میں ہوئی تھی۔ حضرت انسؓ کے طریق دوازدہم کا ایک مجروح راوی ''معاویہ بن رفاعۃ'' جو عندالمحد ثین مستحق ترک ہے۔ ۱۵۰ھ کے کچھ بعد فوت ہوا تھا۔ حضرت انسؓ ہی کے ایک اور طریق (پانزدہم ۱۵) میں ایک راوی ''عبدالوہاب بن الضحاک'' کذاب ہے جو ۲۴۵ھ میں فوت ہوا تھا۔ اب حضرت ابوسعیدؓ کے طریق کا مجروح راوی ''عطیہ العوفی'' ملاحظہ ہو جو ایک مشہور تابعی ہے۔ اور ۱۱۱ھ میں فوت ہوا تھا۔ اس طرح حضرت ابن عمرؓ کے طریق دوم کا ضعیف راوی 'لیث بن ابی سلیم'' ۱۴۸ھ میں فوت ہوا تھا۔ مزید تتبع سے محترم ڈاکٹر صاحب کے دعویٰ کی تردید میں اس طرح کی اور بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

فاضل ڈاکٹر صاحب کا اگلا قول کہ ''اگر آئندہ خوش قسمتی سے ان سے پہلے کے راویوں (صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ وغیرہ) کی کتابیں دستیاب ہو جائیں......اور ان میں یہ حدیث بھی مل جائے تو ظاہر ہے کہ متاخرتر زمانے کے کسی زمانے کے کسی ضعیف یا جھوٹے راوی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہو تو اس سے اصل حدیث کی صحت متاثر نہ ہو سکے گی۔'' بظاہر بالکل درست اور عقلی اعتبار سے انتہائی موزوں معلوم ہوتا ہے لیکن کیا محض اس خوش فہمی اور موہوم سی اُمید کی بناء پر تمام ضعیف و موضوع احادیث کو زیر مطالعہ حدیث کی طرح قبول کرتے چلے جانا، کیا درست ہوگا؟ پھر اہل تشیع کی طرح اس بات کا منتظر رہنا مناسب ہوگا کہ جب بھی سُرمن رائے کے غار سے ہمارا پوشیدہ، صحیح و مستند ذخیرۂ احادیث برآمد ہو کر منصۂ شہود پر آئے گا تو ہم اس میزان کی مدد سے صحیح وسقیم (ضعیف و موضوع احادیث) کے مابین امتیاز کر کے قطعی فیصلہ کریں گے کہ کن احادیث کو رَد کیا جائے اور کن کو قبول۔ ایسی صورت میں تو ہمیں تمام موجود کتب احادیث پر عمل کو غیر معینہ مدت تک کے لیے مؤخر بلکہ معطل کرنا پڑے گا۔ بہر حال اگر فاضل ڈاکٹر صاحب مستقبل میں جب بھی کسی ایسے نایاب ذخیرۂ حدیث میں زیر مطالعہ ''پیاری حدیث'' کا کوئی قابل احتجاج طریق پالیں اور اس کی نشاندہی فرمائیں تو ہم انہیں خیر مقدم کہیں گے اور ان کے انتہائی شکر گزار ہوں گے نیز ہمیں اس کو تسلیم کرنے میں قطعی کوئی تامل نہ ہوگا'' قابل احتجاج طریق'' کی شرط ہم

نے اس لیے لگائی ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب تابعین اور تبع تابعین کے طبقات کو کلی طور پر ضعفاء وکذاب رواۃ سے پاک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر ہم تاریخ فن حدیث اور جرح و تعدیل کی کتب کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اکثر صحابہ عدول اور ان کی اتباع کرنے والے اکثر غیر صحابی (یعنی تابعین) ثقات تھے، پہلی صدی ہجری کا دور انہی مبارک اور باسعادت علمائے حدیث کا دور گزرا ہے لیکن اس دور میں بھی ہمیں ضعیف رواۃ نظر آتے ہیں، اگرچہ ان کی تعداد کم ہے۔ مثال کے طور پر ''حارث بن عبداللہ الہمدانی الاعور'' (م ۶۵ھ) جو کبار علمائے تابعین میں سے تھا۔ مگر ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ''ضعیف'' مشہور ہے، شعبیؒ اور علی بن المدینیؒ نے اس کو ''کذاب'' اور ابن حبانؒ نے ''غالی متشیع'' لکھا ہے۔ [۳۶] اسی طرح مختار بن ابی عبید الثقفی (م ۶۷ھ) کذاب تھا اور اس بات کا مدعی تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس پر نازل ہوتے ہیں۔ [۳۷]

صالح بن نبہان المدنی مولی التوأمہ بھی ثقہ نہ تھا [۳۸]۔

ان کے علاوہ عطاء بن السائب [۳۹]، معبد الجہنی [۴۰] (م ۸۰ھ) اور عاصم بن ضمرہ [۴۱] صاحب علی وغیرہ پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

اب محترم ڈاکٹر صاحب کا اگلا اقتباس اور اس پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

''علم جرح و تعدیل میں صرف ''روایت سے نہیں بلکہ ''درایت'' سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ روایت کے لحاظ سے کوئی حدیث صحیح قرار پائے لیکن درایت کے لحاظ سے وہ ناممکن ہو تو حدیث کو رد ہی کرنا پڑے گا اور خیال کرنا پڑے گا کہ راوی سے سہو ہوا ہے مثلاً جس لمحے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ فرما رہے تھے، کسی کی چھینک سے راوی پورا فقرہ نہیں سن سکا اور اس طرح اُسے غلط فہمی ہوگئی۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ روایۃً تو حدیث رد کرنے کے قابل ہو لیکن دیگر شواہد موجود ہوں تو اس کو قبول کرنے میں تامل نہیں کیا جائے گا۔'' [۴۲]

یہاں غالباً محترم ڈاکٹر صاحب جوش تعاقب میں اپنا موقف بھول گئے ہیں کہ ''جرح و تعدیل'' میں ''درایت'' سے کام لیا جاتا ہے یا متن ''حدیث'' میں۔ چنانچہ مذکورہ اقتباس کے شروع میں رقمطراز ہیں۔ ''علم جرح و تعدیل میں صرف روایت سے نہیں بلکہ درایت سے بھی کام لیا جاتا ہے۔'' پھر اگلے ہی جملہ میں ''علم جرح و تعدیل'' کو ''حدیث'' سے اس طرح بدل دیتے

ہیں: "ہو سکتا ہے روایت کے لحاظ سے کوئی حدیث صحیح قرار پائے لیکن درایت کے لحاظ سے وہ ناممکن ہو الخ۔" علم حدیث کی اصطلاح درایت اور اس کے محل استعمال پر ان شاء اللہ آگے روشنی ڈالی جائے گی۔ فی الحال مختصراً یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ "جرح وتعدیل" اور "حدیث" دو مختلف اصطلاحیں ہیں۔

حاجی خلیفہؒ (م ۱۰۶۷ھ) علم جرح وتعدیل کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ وہ علم ہے جس میں رواۃ حدیث پر مخصوص الفاظ کے ساتھ "جرح اور تعدیل" کی بحث کی جاتی ہے۔" [۴۳]

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں:

"علم جرح وتعدیل میزان الرجال کا علم ہے۔ اس میں رواۃ کے احوال یعنی ان کی امانت، ثقاہت، عدالت، ضبط یا اس کے برعکس کذب، غفلت اور نسیان وغیرہ پر بحث کی جاتی ہے الخ۔" [۴۵]

حاکم نیشاپوریؒ "جرح وتعدیل" کو دو علیحدہ اور مستقل علم بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ علم اصول الحدیث کی معرفت کا "ثمرہ" اور "مرقاۃ کبیرہ" ہے۔ [۴۶] اسی طرح ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازیؒ (م ۳۲۷ھ) سے "جرح وتعدیل" کی بابت مروی ہے:

"یہ علم اہل علم حضرات کے احوال ظاہر کرتا ہے کہ ان میں کون ثقہ اور کون غیر ثقہ ہے۔" [۴۷]

جب کہ "حدیث" کی اصطلاحی تعریف ابوالبقاءؒ کے الفاظ میں اس طرح ہے:

"حدیث، تحدیث یعنی اخبار کا اسم ہے، اس سے ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیے گئے فعل، یا قول یا تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔" [۴۸]

علامہ شیخ محمد جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"محدثین کے نزدیک حدیث سے مراد وہ خبر ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کا علم حاصل ہوتا ہے۔" [۴۹]

مولانا عبدالرحمٰن عبیداللہ الرحمانی حدیث کی تعریف میں فرماتے ہیں:

"وہ قول، فعل، تقریر یا وصف خلق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو یا اسی طرح وہ قول بھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

Marfat.com

اصحاب اور تابعین کی طرف منسوب ہو حدیث کہلاتا ہے۔''۵۱

''حدیث'' اور علم ''جرح و تعدیل'' دو علیحدہ علیحدہ تعریفوں اور ان کے مابین فرق واضح ہونے کے باوجود ہم محترم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے آں محترم کا ان دونوں اصطلاحوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرنا ان کی عدم واقفیت کے بجائے سہو پر محمول کرتے ہیں۔

منقولہ بالا اقتباس میں ''درایت'' سے محترم ڈاکٹر صاحب کی مراد کیا ہے یہ بات واضح تو نہیں لیکن گمان غالب یہی ہے کہ اس سے آں محترم کی مراد کسی چیز کا عقل کی کسوٹی پر کھرا اترنا ہے۔ ہمارے لیے اس گمان کو ڈاکٹر صاحب کے زیر مطالعہ تعاقب کے اختتام پر موجود ان الفاظ: ''جو قرین قیاس ہے'' سے مزید تقویت پہنچتی ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال ذیل میں ''علم درایۃ الحدیث'' (جسے علم حدیث کی دو قسموں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے) کی ایجاد، اس کے اصطلاحی معنی اور حدیث کی تحقیق میں اس سے کام لیا جاتا ہے بتانے کے لیے مختصراً خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس سلسلہ میں عصر حاضر میں پائے جانے والے عقلی کسوٹی کے غلط تصور کا ازالہ ہو سکے۔

علامہ شیخ عبدالوہاب عبداللطیف (سابق استاذ بکلیۃ اصول الدین بجامعۃ الازہر) فرماتے ہیں:

''علم درایت الحدیث متاخرین کی اصطلاح ہے یعنی ان علماء کی جو خطیب بغدادیؒ کے بعد اور علامہ ابن الاکفانیؒ کے زمانہ میں آئے۔ پھر اس اصطلاح کو جلال الدین سیوطیؒ نے ''تدریب'' میں اختیار کیا لیکن اس سے پہلے تمام متقدمین کے نزدیک احادیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کیفیت اتصال کی معرفت جو رواۃ کی کیفیت احوال یعنی ضبط و عدالت اور سند کی کیفیت اتصال و انقطاع وغیرہ سے حاصل ہوتی تھی، علم الحدیث کہلاتی تھی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس پر متاخرین کے نزدیک علم درایت الحدیث میں بحث کی جاتی ہے اور راوی اور مروی کی معرفت پر من حیث القبول والرد رجوع کیا جاتا ہے۔''۵۲

ابن الاکفانی ''ارشاد القاصد'' میں فرماتے ہیں:

''علم درایت الحدیث وہ علم ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کو سماع متصل اور ضبط و تحریر کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔''۵۳

Marfat.com

شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں:

''علم درایت الحدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ انواع روایت، اس کے احکام، شروط الرواۃ، اصناف مرویات اور استخراج معانی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جزائریؒ کا قول ہے کہ مصطلح الحدیث کے اس فن کو پہلی بار ابن الاکفانیؒ نے علم درایت الحدیث کا نام دیا تھا۔'' الخ [54]

علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجی ثم بھوپالیؒ فرماتے ہیں:

''علم درایت الحدیث وہ علم ہے جس کے ذریعے راوی و مروی کے حال کی معرفت من حیث ردّ و قبول حاصل ہوتی ہے۔ الخ [55]

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں:

" اَلْعِلْمُ بِدِرَایَةِ الْحَدِیْثِ وَهُوَ عِلْمٌ بَاحِثٌ عَنِ الْمَعْنَی الْمَفْهُوْمِ مِنْ اَلْفَاظِ الْحَدِیْثِ وَعَنِ الْمُرَادِمِنْهَا مُبَیِّنًا عَلٰی قَوَاعِدِ الْعَرَبِیَّةِ وَضَوَابِطِ الشَّرِیْعَةِ وَمُطَابِقًا لِاَحْوَالِ النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

''علم درایت الحدیث وہ علم ہے کہ جس میں احادیث نبویہ کے الفاظ کے معانی اور مقاصد سے عربی زبان کے قواعد اور شریعت کے ضوابط اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال کے مطابق غور کیا جاتا ہے۔'' [56]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

قَالَ الشَّیْخُ شَمْسُ الدِّیْنِ بْنُ الْاَکْفَانِی السَّنْجَارِیّ: دِرَایَةُ الْحَدِیْثِ عِلْمٌ تُعْرَفُ مِنْهُ اَنْوَاعُ الرِّوَایَةِ وَاَحْکَامِهَا وَشُرُوْطُ الرِّوَایَةِ وَاَصْنَافُ الْمَرْوِیَّاتِ وَاسْتِخْرَاجِ مَعَانِیْهَا وَیُحْتَاجُ اِلٰی مَایُحْتَاجُ اِلَیْهِ عِلْمُ التَّفْسِیْرِ مِنَ اللُّغَةِ وَالنَّحْوِ وَالتَّصْرِیْفِ وَالْمَعَانِیْ وَالْبَیَانِ وَالْبَدِیْعِ وَالْاُصُوْلِ وَیُحْتَاجُ اِلٰی تَارِیْخِ النَّقَلَةِ. [57]

Marfat.com

''شیخ شمس الدین ابن الاکفانی السنجاریؒ فرماتے ہیں کہ علم درایت حدیث سے روایت کی اقسام شروط، احکام، مرویات کی اقسام اوران کے معانی کا استخراج ہوتا ہے اوراس میں لغت، نحو، صرف معانی، بیان و بدیع کی اسی قدر ضرورت ہے جس قدر کہ علم تفسیر میں ہے اور ناقلین حدیث کے متعلق تاریخی معلومات (مثلاً موالید اور وفیات وغیرہ) کا علم بھی ضروری ہے۔''

علامہ شیخ محمد جمال الدین قاسمیؒ نے بھی ''قواعد التحدیث'' میں علامہ ابن الاکفانیؒ کا مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے اگر چہ الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف ہے مگر مفہوم و مدعیٰ تقریباً یہی ہے۔[58]

علم ''درایت الحدیث'' کے متعلق علامہ احمد بن مصطفےٰ طاش کبریٰ زادہؒ (۹۶۲ھ) اور شیخ عبدالرحمٰن عبیداللہ الرحمانی فرماتے ہیں:

هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ الْمَعْنَى الْمَفْهُوْمِ مِنْ اَلْفَاظِ الْحَدِيْثِ وَعَنِ الْمَعْنَى الْمُرَادِ مِنْهَا مُبَيِّنًا عَلَى قَوَاعِدِ الْعَرَبِيَّةِ وَضَوَابِطِ الشَّرِيْعَةِ مُطَابِقًا لِاَحْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[59]

''یہ وہ علم ہے جس میں الفاظ حدیث کے معنی و مفہوم پر بحث ہوتی ہے اوراس کے مرادی معنی عربی قواعد، ضوابط شریعت اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال کی روشنی میں بیان کیے جاتے ہیں۔''

اگر علم ''درایت الحدیث'' کی ان تمام تعریفوں کو جمع کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اصلاً یہ کوئی مدون فن نہیں ہے بلکہ اس کا زیادہ تر انحصار علوم لسانیہ مثلاً صرف حدیث کے مفہوم کو متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ کسی روایت کو محض عقل کی کسوٹی پر پرکھنا ''درایت'' نہیں کہلاتا۔ ''درایت'' کی یہ جدید تعبیر جو آج چہار سو معروف ہے قطعی باطل اور اسی چودھویں صدی کی ایجاد ہے۔ اس کے موجد غالباً مولانا شبلی نعمانی مرحوم اور ان کے حواری تھے۔ ''درایت'' کے متعلق مولانا مرحوم کا یہ قول بہت مشہور ہے:

''درایت'' سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت کے اقتضاء، زمانہ کی خصوصیتیں، منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقل کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔''

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب محترم کی عبارت کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ آں محترم بھی ''درایت'' کی اسی نعمانوی تعبیر سے کلی طور پر متفق نہیں تو کم از کم عقلی قرائن کی حد تک ضرور اتفاق رکھتے ہیں۔ حالانکہ اقتضاء طبیعت میں انسانی طبائع کی طرح انتہائی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہر زمانہ کی خصوصیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ جو عہد رسالت کی خصوصیات تھیں۔ وہ عہد تابعین میں نہیں ہوسکتیں اور جو عہد تابعین و تبع تابعین میں تھیں وہ ان کے بعد کے دور میں نہیں ہوسکتیں۔ اس طرح ہر شخص کی قوت، فہم و فراست، پروازِ تخیل، عقل کی نشو ونما اور دانشمندی کا حاصل قسمت جسے انگلش میں (Gence Quotient) یا I.Q کہتے ہیں، مختلف ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ شریعت میں ہمارے لیے نہ اقتضائے طبیعت معیار بن سکتے ہیں اور نہ زمانہ کی خصوصیتیں اور عقلی قرائن، جس چیز کو اصل اور بنیادی معیار ہونا چاہیے وہ فقط کتاب وسنت ہے اگر دین میں عقل کو معیار بنالیا گیا تو سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات کا انکار کرنا ہوگا، کیونکہ یہ تمام چیزیں بظاہر عقل و فطرت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اور درایت کی اس تعبیر (یعنی عقلی قرائن) سے ان کا ثابت کرنا محال ہے۔

اوپر ''درایت کی تعریف کے ضمن میں عیاں کیا جاچکا ہے کہ حدیث کی تحقیق اس کے معنی ومفہوم کی تعیین میں یہ علم کیا اور کس طرح رول (Role) ادا کرتا ہے۔ اب محترم ڈاکٹر صاحب کے قول:

''ہوسکتا ہے کہ روایت کے لحاظ سے کوئی حدیث صحیح قرار پائے لیکن درایت کے لحاظ سے وہ ناممکن ہو تو حدیث کو رد ہی کرنا پڑے گا اور خیال کرنا پڑے گا کہ راوی سے سہو ہوا ہے مثلاً جس لمحے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ فرما رہے تھے، کسی کی چھینک سے راوی پورا جملہ نہ سن سکا، اور اسے غلط فہمی ہوگئی الخ۔''

جہاں تک اس قول کے پہلے حصہ کا تعلق ہے تو محترم ڈاکٹر صاحب کی ''علم درایت الحدیث'' کے مبادی واصول، اس کی تاریخ اور اس کے دائرہ عمل سے لاعلمی کا مظہر ہے، ہم ڈاکٹر صاحب محترم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ شیخ شمس الدین محمد ابراہیم بن ساعد السنجاری المہدی (م ۷۹۴ھ) جو بقول شیخ احمد رافع الحسینی القاسمی حنفی کوئی مشہور محدث یا فقیہ نہیں بلکہ اصلاً ''علوم ریاضی، طب، معرفۃ الجواہر والعقاقیر کے ماہر اور حذاق الاطباء[۲] تھے۔'' سے قبل یعنی تقریباً سات

Marfat.com

سواسی سال ۱۸۰۷ تک) جب اس اصطلاح ''درایت'' کا کوئی وجود نہ تھا، اور ابن الاکفانیؒ کے بعد تقریباً سوا سو سال (یعنی امام سیوطیؒ کے دور) تک اس اصطلاح نے محدثین، علماء اور محققین کے نزدیک قبول عام حاصل نہ کیا تو آخر تمام اولین جلیل القدر محدثین، احادیث کی تحقیق کے لیے کن معیاروں پر اعتماد کرتے تھے، کیا وہ علوم روایت الحدیث اور مراتب الحدیث نہ تھے؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً ہے تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ آج ان علوم حدیث پر متاخرین کی ایجاد ''علم درایت الحدیث'' کو ترجیح دے کر اس عظیم فن کی تحقیر و تخفیف کی جا رہی ہے؟ پھر اس پر بس نہیں بلکہ ''درایت الحدیث'' کی اصل تعریف بھی بدل کر اسے ''عقلی قرائن'' کا متبادل بنا دیا گیا ہے۔ فإنا للہ الخ۔ کیا محترم ڈاکٹر صاحب اپنے اندر یہ حوصلہ پاتے ہیں کہ واضح الفاظ میں اس امر کا انکشاف و اعلان فرمائیں کہ سابق تمام جلیل القدر محدثین کے زمانوں میں احادیث کی تحقیق کے لیے جو مروجہ نظام و معیار تھا وہ موجودہ دور کی درایت (یعنی عقلی قرائن) کے نہ ہونے کے سبب ناقص تھا؟

مختصر یہ کہ خواہ کوئی روایت اقتضائے طبیعت، قواعد لسانیات، زمانہ کی خصوصیات اور عقلی قرائن کے خلاف ہی کیوں نہ وارد ہوا گر علم روایت الحدیث اور علم مصطلحات کے معیار پر پورا اترتی ہے تو اسے صحیح اور حجت ہی قرار دیا جائے گا، محض عقلی استحالات کی بنیاد پر اس مستند روایت کو رد کرنا سراسر ظلم و زیادتی کی بات ہوگی۔ اگر صحیح روایات کی تغلیط عقلی قرائن اور احتمالات مثلاً راوی کا سہو، خیالی چھینک کے سبب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا جملہ نہ سن سکے، یا اس کے باعث راوی کا غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے والے مفروضوں کی بنیاد پر کی جائے تو اس کا مطلب اس مستند روایت کی تکذیب کے ساتھ اس کے تمام ثقہ رواۃ کی امانت و صداقت پر طعن کرنا، اصول حدیث میں تشکیک پیدا کرنا اور رواۃ و ناقلین حدیث کی بالواسطہ تکذیب کرنا ہوگا۔

اسی طرح محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ قول:

''اسی طرح ہو سکتا ہے کہ روایۃً تو حدیث رد کرنے کے قابل ہو لیکن دیگر شواہد موجود ہوں تو اس کو قبول کرنے میں تامل نہیں کیا جائے گا۔ الخ''

بھی قطعاً لغو ہے کیونکہ تمام محدثین اور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی روایت کی سند میں وضاع، کذاب، متہم بالکذب یا فاحش الغلط راوی موجود ہوں تو اس روایت کو قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا، نہ احکام و عقائد میں اور نہ ہی فضائل الاعمال، ترغیب و ترہیب، مواعظ و مناقب

وغیرہ میں خواہ وہ روایت کتنی ہی "قرین قیاس" کیوں نہ ہو۔صحیح مسلم کے مشہور شارح امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"ائمہ حدیث کسی بھی حال میں ضعفاء سے کوئی چیز روایت نہیں کرتے اور نہ ہی ان سے احتجاج کرتے ہیں۔ائمہ محدثین اور علمائے محققین میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا ہے مگر بہت سے فقہاء بلکہ اکثر فقہاء ایسا کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ صواب نہیں بلکہ انتہائی قبیح ہے۔الخ"[11]

جہاں تک کسی نا قابل احتجاج روایت کے دیگر شواہد کی موجودگی کا تعلق ہے تو ان دیگر شواہد کو ضرور قبول کیا جائے گا بشرطیکہ وہ بھی روایۃً قابل احتجاج ہوں، مزید تصدیق و تفصیل کے لیے مصطلحات الحدیث کی کسی کتاب کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی اس طویل علمی تمہید پر تبصرہ کے بعد اب ان چند تاریخی شواہد کا جائزہ لیا جاتا ہے جو آں محترم نے زیر بحث حدیث کی تائید میں پیش کیے ہیں چنانچہ (سواق العرب قبل از اسلام کی بابت کتاب المحبر (ص ۲۶۵۔۲۶۶، طبع حیدر آباد) سے نقل فرماتے ہیں:

ثُمَّ سُوْقُ وَبَاءَ وَهِيَ احْدٰى فُرْضَتَيِ الْعَرَبِ يَاْتِيْهَا تُجَّارُ السند وَالْهِنْدِ وَالصِّيْنِ، وَاَهْلُ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَيَقُوْمُ سُوْقُهَا اٰخِرَ يَوْمٍ مِنْ رَجَبٍ."

پھر وباء کا میلہ،[12] یہ عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک ہے وہاں سندھ، ہندوستان، چین اور مشرق و مغرب سے لوگ آتے تھے اور یہ کہ اس کا میلہ ماہ رجب کے آخری دن لگتا تھا۔"[13]

وہاں قبیلہ عبد القیس کے وفد کا ذکر ہے جو اس علاقے میں رہتا تھا اور اپنے اسلام کے اعلان کے لیے مدینہ آیا تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد کے سردار سے اس کے ملک کے بعض آدمیوں اور بعض مقاموں کے متعلق کچھ دریافت فرمایا تو اس نے بے ساختہ کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہمارے ملک سے ہم سے بھی زیادہ واقف نظر آتے ہیں، حضور صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا میں نے تمہارے ملک کو روندا ہے اور مجھے وہاں بہت دن رہنے کا موقع ملا ہے۔''[64]

پھر فرماتے ہیں:

''ان دونوں تذکروں کو ملائیں تو گمان ہوتا ہے کہ غالباً اسلام سے قبل حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس علاقے کو تشریف لے گئے تھے، تعجب نہ ہو کہ آپ نے وہاں چینی تاجروں کو دیکھا اور ان کے سامان مثلاً ریشم، چینی برتن وغیرہ دیکھ کر کاریگری سے متاثر ہوئے ہوں اور ان سے پوچھا ہو کہ تمہیں اپنے ملک سے یہاں (مشرقی عرب تک) آنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ پھر اسی تاثر کے باعث بعد میں ارشاد فرمایا ہو کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ.''[65]

اس کے آگے فرماتے ہیں:

''اس استنباط کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ دباء کے میلے میں چینی ہی نہیں ہندی اور سندھی تاجروں کا بھی ذکر ہوا ہے۔ حدیث ذیل سے (جو ابن ہشام، طبری، ابن سعد وغیرہ بکثرت مؤلفوں نے بیان کیا ہے اور جو قبیلہ عبدالقیس کے مذکورہ بالا وفد کی ہم عصر ہے) کون واقف نہیں؟ ۱۰ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن الولید کو یمن بھیجا۔ انہوں نے اطلاع بھیجی کہ قبیلہ (بنی حارث بن کعب) مسلمان ہوگیا ہے تو حضرت خالد کو خط بھیجا کہ اب مدینہ واپس آجاؤ اور نومسلم قبیلے کے چند لوگوں کو بھی ساتھ لاؤ۔ جب وہ آئے تو دور سے دیکھ کر پوچھا: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَاَنَّهُمْ رِجَالُ الْهِنْدِ ؟ یہ کون لوگ ہیں جو اہل ہند کے سے معلوم ہوتے ہیں؟ (اس کا پس منظر بھی وہی دَبَاء کا میلہ ہونا چاہیے، جہاں تمیں چالیس سال قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہندوستانی نبیوں کو دیکھ چکے تھے)۔''[66]

اور پھر اختتام تعاقب پر زیر مطالعہ حدیث کو جس کی صحت خود آں محترم کے نزدیک بھی یقینی نہیں بلکہ مشتبہ ہے کے متعلق فرماتے ہیں:

''ان شواہد کی موجودگی میں یہ ناممکن نہیں کہ بعض ضعیف راویوں کی موجودگی کے باوجود اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ کی حدیث (جو قرین قیاس ہے) صحیح ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔''[67]

محترم ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ بالا عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں پر غور کرنے سے ایک عامی شخص بھی بہ آسانی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ یہ باتیں قطعی شواہد سے کہیں زیادہ مفروضوں، گمان اور قیاس

Marfat.com

محض پر مبنی ہیں کہ ایسا اور ویسا ہوا ہوگا۔ حالانکہ امور شریعت ظن اور گمان یا مفروضوں اور قیاس آرائیوں کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوتے بلکہ قطعی نصوص اور ناقابل تردید براہان کی بنیاد پر ثابت ہوتے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس ۲۵ سالہ عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال تجارت لے کر دوسری بار شام کے سفر پر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قافلہ وادیٔ الظہر ان، وادیٔ القریٰ، مدائن اور ارض ثمود وغیرہ سے گزرتا ہوا بصرہ پہنچا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام کے عیسائی پادریوں اور راہبوں وغیرہ کو دیکھا اور ان سے گفتگو فرمائی تھی۔[۶۸]

بنو عبدالقیس کے علاقہ (بحرین وعمان[۶۹]) تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے پر کسی مستند تاریخی کتاب سے شہادت لانا یقیناً مشکل ہے جہاں تک مسند احمد بن حنبلؒ کی مذکورہ بالا روایت کے ان جملوں:

فَقَالَ بِاَبِیْ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَاَنْتَ اَعْلَمُ بِاَسْمَآءِ قُرَانَا مِنَّا

فَقَالَ اِنِّیْ قَدْ وَطِئْتُ بِلَادَکُمْ وَنُبِسحَ لِیْ فِیْهَا الخ۔"[۷۰]

سے اس امر کے ثابت ہونے کا تعلق ہے تو واضح ہو کہ مسند احمدؒ کی یہ روایت کوئی زیادہ پختہ شہادت نہیں بلکہ خود محل نظر ہے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نے ایک طویل حدیث میں ان جملوں کو روایت کیا ہے جس کا طریق حسب ذیل ہے:

حَدَّثَنِیْ اَبِیْ (احمد بن حنبل) حَدَّثَنَا یُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَصَرِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ اَنَّهٗ سَمِعَ بَعْضَ وَفْدِ عَبْدِ الْقَیْسِ وَهُوَ یَقُوْلُ فَذَکَرَهٗ مَرْفُوْعاً بِهٖ۔[۷۱]

اسی طرح کے راوی "یحییٰ بن عبدالرحمن العصری بصری" کے متعلق امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: لَا یُعْرَفُ لَهٗ عَنْ شِهَابِ بْنِ عَبَّادٍ[۷۲] اور علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: لَمْ اَعْرِفْهُ[۷۳] نیز علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: "عصری کے علاوہ اس طریق کے باقی رجال ثقات ہیں۔ الخ"[۷۴]

مسند احمدؒ کی اس محل نظر روایت کی مذکورہ علت سے قطع نظر اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو عبدالقیس کے علاقہ تک تشریف لے گئے تھے تو بھی اس

Marfat.com

سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دَبَاء کے میلہ میں جو سال میں صرف ایک مرتبہ (یعنی ماہ رجب کے آخری دن) لگتا تھا اور جس میں بقول ابن الکلبی و ابن حبیبؒ ہندوستانی، چینی، سندھی اور مشرق و مغرب کے تاجر شریک ہوا کرتے تھے ضرور شرکت فرمائی تھی۔ پھر وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چینی تاجروں کو دیکھ کر ان کے ریشم، برتن اور کاریگری وغیرہ سے متاثر ہونا اور ان سے ان کے ملک سے دَبَاء تک کی مسافت کی بابت استفسار کرنا اور بعدہٗ انہی تاثرات کے زیر اثر زیرِ بحث حدیث کو ارشاد فرمانا محض ڈاکٹر صاحب محترم کے ذہن کی پیداوار نہیں تو اور کیا ہے؟ یقیناً اگر ڈاکٹر صاحب محترم کے پاس اپنے اس دعویٰ کی تائید میں کوئی ٹھوس تاریخی دلیل موجود ہوتی تو اس طرح قیاس آرائی اور جدل کی راہ اختیار نہ فرماتے۔

وفد بنی الحارث بن کعب کو جن میں قیس بن الحصین ذو الغصہ، یزید بن عبدالمدان، یزید بن المحجل، عبداللہ بن قراد الزیادی، شداد بن عبید اللہ القنانی اور عمرو بن عبداللہ الضبابی وغیرہ شامل تھے، کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''مَنْ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَاَنَّهُمْ رِجَالُ الْهِنْدِ'' ارشاد فرمانے کو علی تقدیر صحت دَبَاء کے میلہ کے بجائے ارض شام کے ہر دو تجارتی سفروں کے تجربات و مشاہدات کے زیر اثر کہنا زیادہ محتاط اور معقول بات ہے کیونکہ دَبَاء کے میلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرکت موثوق نہیں ہے۔ البتہ لنکا، سندھ، ہندوستان کے مغربی سواحل، براعظم افریقہ کے جنوب مشرقی سواحل، خلیج فارس، اور بحر عرب کے مختلف جزیروں کے باشندوں کی بصرہ یا دوسری نواحی تجارتی منڈیوں میں آمد و رفت کتب تاریخ سے ثابت ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس وفد کے لوگوں کو دیکھ کر ہندوستانی باشندوں کے مشابہ بیان کرنا بھی قطعی طور پر معلوم اور ثابت نہیں ہے جیسا کہ آگے واضح کیا جائے گا۔ فی الحال تاریخی روایات ان کی شرعی حیثیت اور ان کو قبول کرنے کی شرائط مختصراً بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ محترم ڈاکٹر صاحب کے شواہد کا بہتر طریقہ پر جائزہ لیا جا سکے۔

یہ کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے کہ حدیث کی طرح اکثر تاریخی روایات بھی ہم تک اگرچہ اسانید کے واسطہ ہی سے پہنچی ہیں مگر تاریخی روایات کی اسانید کے رواۃ کی تحقیق میں اس قدر اہتمام و احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے جس طرح کہ حدیث کی تحقیق و تصحیح کے بارہ میں رکھا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اکثر کتب تاریخ کے مؤلفین محقق، محدث اور نقاد نہیں بلکہ فقط اخباری

ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخی کتب میں ہم کو بے شمار غیر مستند اور بے سروپا باتیں نظر آتی ہیں بایں سبب تمام علماء کے نزدیک تاریخ شرعاً حجت نہیں ہوتی جبکہ حدیث کو حجت شرعی تسلیم کیا جاتا ہے۔ تاریخی روایات کے متعلق کلیہ یہ ہے کہ اگر کوئی تاریخی روایت کسی صحیح حدیث کے خلاف آجائے تو ائمہ حدیث اسے تعارض نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس کی تطبیق وتاویل کی کوشش کرتے ہیں بلکہ حدیث اور اس کی تحقیق کو تاریخی روایت پر ترجیح دیتے اور حتمی تصور کرتے ہیں اگر یہاں کوئی شخص اس بات پر مصر ہو کہ تاریخی واقعات کی جانچ پرکھ میں سند کی اس قدر حاجت نہیں ہوتی جس قدر کہ احکام شریعت میں یا تاریخی روایات حدیث کی تحقیق وتنقید کے سخت معیار پر کسے جانے کی متحمل نہیں ہوسکتیں، ورنہ ہم کو اپنی تاریخ کے نوے فیصد سے زیادہ حصہ سے دست بردار ہونا یا پھر اسے دریا برد کرنا پڑے گا۔ تو ہم اسے علامہ ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی مرحوم (م ۱۳۰۴ھ) کی مندرجہ ذیل تحریر پر کہ جسے آں محترم نے تمام امور دین میں اسناد کے لزوم کی بابت تحریر فرمایا ہے، غور کرنے کا مشورہ دیں گے۔

''پس یہ عبارت بصراحت یا بالاشارہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام دینی امور میں اسناد کی موجودگی اور ان پر اعتماد ضروری ہے خواہ یہ امور اخبار نبویہ، احکام شرعیہ، مناقب، فضائل مغازی، سیر یا فواضل وغیرہ کی قبیل سے ہوں کیونکہ ان سب کا تعلق دین متین اور شرع مبین سے ہے پس ان امور میں سے کسی ایسی چیز پر اعتماد نہیں کیا جائے گا جس کی تاکید اسناد سے نہ ہوتی ہو۔ الخ'' ۵۔

اب وفد بنی الحارث بن کعب کے مذکورہ بالا واقعہ پر غور فرمائیں۔ ابن ہشامؒ نے ''سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں اور ابن کثیرؒ نے ''البدایۃ والنہایۃ'' میں اس واقعہ کو ابن اسحاقؒ سے بلا سند نقل کیا ہے۔ ۶۔

طبریؒ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جملہ: ''مَنْ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَاَنَّهُمْ رِجَالُ ، الْهِنْدِ. ''نقل کیا ہے مگر ابن اثیرؒ کی ''الکامل فی التاریخ'' میں اس قول کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ ۷۔

اور جہاں تک ''الطبقات الکبریٰ'' لابن سعدؒ میں ان جملوں کے مذکور ہونے کا تعلق ہے تو آں رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بیان کرتے وقت سند روایت کا التزام کیا ہے جو اس طرح ہے:

Marfat.com

قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُوْسٰی الْمَخْزُوْمِیِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عِکْرَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ فَذَکَرَهٗ۔ "[۸ے]

مگر اسے محض اتفاق ہی کہیے کہ ابن سعدؒ کا مذکورہ یہ طریق بھی ہالک ہے۔ اس میں محمد بن عمر دراصل مشہور مورخ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی الواقدی المدنی القاضی، نزیل بغداد ہے، جس کے کذاب، متروک، غیر ثقہ اور وضاع وغیرہ ہونے پر علمائے جرح وتعدیل کا اتفاق ہے۔[۹ے]

پس واقدی کی یہ روایت اور محترم ڈاکٹر صاحب کا آخری سہارا بھی باطل اور نا قابل احتجاج ثابت ہوا۔

اب محترم ڈاکٹر صاحب اور معزز قارئین کو اختیار ہے کہ محض ظن وتخمین، ذاتی قیاس، بے بنیاد، مفروضوں اور مشکوک ومشتبہ شواہد کی بنیاد پر زیر مطالعہ حدیث پر حکم صادر فرمائیں یا پھر تاوقتیکہ اس کا کوئی صحیح اور قابل احتجاج طریق دریافت نہ کرلیں۔ ہماری سابقہ تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے اسے غیر ثابت ہی سمجھیں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ.

حواشی

۳۴ ماہنامہ محدث ج۱۹، عدد ا۔۲ص ۹۱۔

۳۵ ماہنامہ محدث ج۱۹، عدد ا، ص ۹۱۔

۳۶ تفصیلی ترجمہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں تاریخ یحییٰ بن معینؒ ج ۳ ص ۲۶۸، العلل لابن حنبلؒ ج ا ص ۱۴۷، التاریخ الکبیر للبخاریؒ ج ا ص ۲۷۳، التاریخ الصغیر للبخاریؒ ج ا ص ۱۴۹، الضعفاء الصغیر للبخاریؒ ترجمہ نمبر ۶۰، الضعفاء الکبیر للعقیلیؒ ج ا ص ۲۰۸، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ ج ا ص ۷۸، کتاب المجروحین لابن حبانؒ ج ا ص ۲۲۲، الکامل فی الضعفاء لابن عدیؒ ج ۲ ترجمہ ۶۰۴، الضعفاء والمتروکون للنسائیؒ ترجمہ ص ۱۱۴، الضعفاء والمتروکون للدارقطنیؒ ترجمہ ص ۱۵۳، میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ا ص ۴۳۵، مغنی فی الضعفاء للذہبیؒ ج ا ص ۱۴۱، تہذیب التہذیب لابن حجرؒ ج ۲ ص ۱۴۶ وغیرہ۔

۳۷ تفصیلی ترجمہ کے لیے میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۴ ص ۸۰ وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

۳۸ تفصیلی ترجمہ کے لیے التاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۲۹۱ الضعفاء الکبیر للعقیلیؒ ج ۲ ص ۲۰۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۴ ص ۴۱۶، الکامل فی الضعفاء لابن عدیؒ ج ۴ ترجمہ ۱۳۷۳، میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۲ ص ۳۰۲، للضعفاء والمتروکون للنسائیؒ ترجمہ ۳۰۱ اور تقریب التہذیب لابن حجرؒ ج ا ص ۳۶۳ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

۳۹ تفصیلی ترجمہ کے لیے تاریخ یحییٰ بن معینؒ ج ۲ ص ۴۰۳، التاریخ الکبیر للبخاریؒ ج ۳ ص ۴۶۵، الضعفاء الکبیر العقیلی ج ۳ ص ۳۹۸، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ ج ۲ ص ۳۳۳،

Marfat.com

الثقات لابن حبانؒ ج ۷ ص ۲۵۱، میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ص ۳ ص ۷۰، تہذیب التہذیب لابن حجرؒ ج ۷ ص ۲۰۹، تقریب التہذیب لابن حجرؒ ج ۲ ص ۲۲، اور الضعفاء الصغیر للبخاریؒ ترجمہ ۲۷۶ وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

۴۰ تفصیلی ترجمہ کے لیے الجرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ ج ۴ ص ۶۸۰، میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۴ ص ۵۷، مغنی فی الضعفاء للذہبیؒ ج ۲ ص ۶۴۰، لسان المیزان لابن حجرؒ ج ۴ ص ۴۹۰، تقریب التہذیب لابن حجرؒ ج ۲ ص ۲۶۲، الضعفاء الصغیر للبخاریؒ ترجمہ ۳۵۹، الضعفاء والمتروکون للدارقطنیؒ ترجمہ ۴۹۷ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

۴۱ تفصیلی ترجمہ کے لیے میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۲ ص ۳۵۲ وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

۴۲ ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱۔۲، ص ۹۱

۴۳ کشف الظنون ج ۱ ص ۵۸۰

شیخ عبدالوہاب عبداللطیفؒ فرماتے ہیں:

''جرح کسی روایت کی علت قادحہ کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً اس کے راوی میں آیا فسق ہے یا تدلیس یا کذب یا شذوذ وغیرہ اور تعدیل سے مراد راوی کا وہ وصف بیان کرنا ہوتا ہے جو اس کی روایت کو قبول کرنے کا متقاضی ہو۔'' ۴۴

۴۴ مختصر فی علم رجال الاثر ص ۴۵

۴۵ مقدمہ منھاج السنۃ للبلیق ص ۴۰۔۴۱۔۵۳

۴۶ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۵۲،

۴۷ کفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب بغدادیؒ ص ۸۲

۴۸ قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۶۱، ۴۹ ایضا

۵۰ مقدمہ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوریؒ ص ۱ وکذا فی کشف الظنون وتحفۃ اہل الفکر للرحمانی ص ۵۔

۵۱ تحفۃ اہل الفکر للرحمانی ص ۶

۵۲ خطبۃ المحقق تدریب الراوی ص ۱۰۵

۵۳ مقدمہ تحفۃ الاخوذی للمبارکفوریؒ ص ۲

۵۴ مقدمہ تحفۃ الاخوذی للمبارکفوریؒ ص ۲

Marfat.com

۵۵ الحطہ بذکر الصحاح الستۃ للبوفائیؒ ص ۳۶

۵۶ کشف الظنون ج ۱ ص ۱۲۳

۵۷ ابجد العلوم صدیق حسن خان ج ۲ ص ۴۸۳،

۵۸ قواعد التحدیث للشیخ جمال الدین قاسمیؒ ص ۷۵

۵۹ تحفۃ اہل الفکر للشیخ عبدالرحمٰن ص ۵

۶۰ التنبیہ والایقاظ فی ذیول تذکرۃ الحفاظ للطہطاوی ص ۵۶-۵۷۔

۶۱ شرح صحیح مسلم للنوویؒ ج ۱ ص ۱۲۶

۶۲ دباء کے اسی میلہ کا ذکر محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب "Introduction to Islam" میں "ابن الکلبی" کے حوالہ سے نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو کتاب مذکورہ ص ۶۰۵ طبع کویت ۱۹۷۷ء) ہوسکتا ہے امام ابن قتیبہ الدینوریؒ کے شیخ محمد بن حبیبؒ نے بھی اپنی کتاب المحبر میں دَباء کے اس میلے کا جو ذکر کیا ہے وہ "ابن الکلبی" کی تحقیق سے ہی ماخوذ ہو۔ یہ "ابن الکلبی" کون ہے، یقینی طور پر معلوم نہ ہوسکا، اگر "ابن الکلبی" سے محترم ڈاکٹر صاحب کی مراد محمد بن سائب بن بشر ابوالنضر الکلبی الکوفی ہے تو وہ تو عندالمحدثین متہم بالکذب، کٹر رافضی اور متروک الاحتجاج ہے لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ یہ "ابن الکلبی" محمد بن سائب نہیں بلکہ کوئی دوسرا شخص ہے کیونکہ محمد بن سائب ۱۴۶ھ میں وفات پا گیا تھا جبکہ محترم ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق ثانی الذکر "ابن الکلبی" کا سنہ وفات ۸۱۹ء یعنی تقریباً ۱۹۷ھ ہے۔ نیز ثانی الذکر ایک مؤرخ اور عرب قبل از اسلام کی نوادرات کا ماہر ہے۔ ملاحظہ ہو Introduction to Islam صفحہ ۲۵۶)

۶۳ ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱، ۲، ص ۹۱_۹۲

۶۴ ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱_۲،

۶۵ ایضاً ص ۹۳

۶۶ ماہنامہ محدث جلد ۱۹، عدد ۱_۲ ص ۹۱_۹۳

۶۷ ایضاً ص ۹۳

۶۸ کذا فی حیوٰۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) للدکتور محمد حسین ہیکل معری (ترجمہ انگریزی ص ۶۱ طبع امریکہ)۔

Marfat.com

۶۹ Introduction to Islam By: Dr Muhammad Hamidullah, Page-5

۷۰ مسند احمد بن حنبل" ج ۴ ص ۲۰۶ تا ص ۲۰۷ طبع المکتب الاسلامی۔

۷۱ مسند احمد بن حنبل" ج ۴ ص ۲۰۶۔۲۰۷ طبع الکتب الاسلامی

۷۲ میزان الاعتدال للذھبی"......

۷۳ المجمع الزوائد للھیثمی" ج ۹ ص ۲۶۸

۷۴ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ الالبانی ج ۴ ص ۳۶۔

۷۵ الاجوبۃ الفاضلۃ لاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ للکنوی" ص ۲۷ طبع بالریاض

۷۶ سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لابن ہشام" ج ۴ ص ۵۹۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت والبدایۃ والنہایہ لابن کثیر" ج ۵ ص ۹۸، طبع دار الفکر بیروت۔

۷۷ الکامل فی التاریخ لابن ابن اثیر ج ۲ ص ۱۹۹۔۲۰۰ طبع دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۳ء

۷۸ الطبقات الکبریٰ لابن سعد" ج ۱ ص ۳۴۰۔۳۴۱ طبع دار صادر بیروت

۷۹ واقدی کے تفصیلی ترجمہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

تاریخ یحییٰ بن معین ج ۳ ص ۱۶۰، الضعفاء الکبیر للعقیلی" ج ۴ ص ۱۰۷، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۴ ص ۲۰، کتاب المجروحین لابن حبان" ج ۲ ص ۲۹۰، الکامل فی الضعفاء لابن عدی" ج ۶ ترجمہ ۲۲۴۵، الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ ص ۵۳۱، الضعفاء والمتروکون للدارقطنی" ترجمہ ۴۷۷، الضعفاء الصغیر للبخاری" ترجمہ نمبر ۳۳۴، میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذھبی ج ۳، صفحہ ...، تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ج ۹، ص ۳۶۸ اور تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۱۹۴ وغیرہ۔

("محدث" لاہور۔ اپریل ۱۹۸۹ء)

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''محمد حمید اللہ حیدر آباد (ہندوستان) کے ایک ماہر اسلامیات ہیں آج کل فرانسیسی قومی مرکز برائے سائنسی تحقیقات' پیرس میں اعزازی ریسرچ افسر ہیں۔ انہوں نے ۲۵ برس تک استانبول یونیورسٹی اور مختصر مدتوں کے لیے انقرہ' ارض روم (ترکی) اور کوالالمپور کی یونیورسٹیوں میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے۔ ان کی مطبوعہ کتب میں پیغمبر اسلامؐ (فرانسیسی، پیرس ۱۹۵۰، ۱۹۸۰ء) اسلام کا نظام حکمرانی (انگریزی، لاہور ۱۹۷۷ء) اور قرآن مجید کا فرانسیسی میں ترجمہ (بیروت ۱۹۸۰ء، دسواں ایڈیشن) شامل ہیں۔''

۶۰۹ عیسوی میں رمضان کی ایک شب حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم مکے سے متصل جبلِ نور کے غارِ حرا میں استراحت فرما رہے تھے کہ آپ نے کسی کو اپنی طرف آتا دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا'' میں جبرئیل ہوں' اللہ کا فرشتہ' مجھے اس غرض سے بھیجا گیا ہے کہ آپ کو بتا دوں کہ آپ کو اللہ نے اپنا پیغامبر چنا ہے تاکہ آپ اللہ کا پیغام اور اس کی وحی کو لوگوں تک پہنچا دیں۔''

پہلی وحی جو آپ پر نازل ہوئی تھی:

''پڑھ اللہ کے نام سے جو تیرا رب ہے اور جس نے پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے۔ پڑھ کہ تیرا رب بزرگی والا ہے۔ وہ جس نے تعلیم دی

Marfat.com

قلم کے واسطے سے۔ انسان کو علم دیا ان باتوں کا جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔"

اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید کی سورت ۹۶ کی یہ ابتدائی پانچ آیتیں ہیں۔ یہ ابتدائی وحی اور اس کے بعد ۶۳۲ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک کے عرصے میں نازل ہونے والی تمام وحی قرآن مجید میں محفوظ ہے۔

اسلام کا مبدا یعنی مکہ ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک خوش حال تجارتی مرکز تھا جس کی آبادی دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ مکہ جزیرہ نمائے عرب سے گزرنے والے متعدد اہم تجارتی راستوں کے سنگم پر واقع تھا جب کہ خود جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں پر اس زمانے کی دو سب سے زیادہ طاقتور حکومتیں یعنی ایران کی ساسانی سلطنت مشرق میں اور بازنطینی سلطنت شمال اور مغرب (شام اور مصر) میں واقع تھیں۔

تجارتی قافلے اس زمانے کا سب سے قیمتی ساز و سامان لے کر مکے سے گزرتے تھے۔ چین سے ریشم، ہندوستان سے مسالے اور یمن سے خوشبوئیں اسی راستے سے ہو کر بیزنطین اور یورپ جاتی تھیں۔ یہ ایک باقاعدہ شہری ریاست تھی جس کی قیادت دس موروثی سرداروں کے ہاتھ میں تھی اور جس میں نظم و نسق چلانے کے لیے مختلف شعبوں کے وزرا مقرر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ذمے بالترتیب فصلِ مقدمات، دفاع، مذہبی رسوم، خارجہ تعلقات اور شہری معاملات اور دیگر مسائل میں عام شہریوں کی رائے معلوم کرنے سے متعلق شعبے ہوا کرتے تھے۔ ان شعبوں کے تمام سربراہ قبیلہ قریش کے اہم بطون سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قبیلہ قریش سے تھے۔

اہل مکہ اپنی دریادلی اور دیانت کی وجہ سے بڑی شہرت کے مالک تھے۔ جب قحط پڑتا تو وہ غریبوں کے کھانے کا انتظام کرتے۔ اگر کسی اجنبی کے ساتھ مکے میں کوئی ناروا سلوک ہوتا تو وہ اس کے مفادات کے تحفظ پر پوری جرأت کے ساتھ کمربستہ ہو جاتے۔ وہ اگرچہ ایک خدا کے وجود پر یقین رکھتے تھے، لیکن بیشتر خانہ بدوش اور سکونت پذیر لوگوں کی طرح جو اس زمانے میں جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھے، بتوں کو اس خیال سے پوجتے تھے کہ وہ ان کی جانب سے شفاعت کریں گے۔ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے یا حیاتِ اُخروی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

مکے کو اس بناء پر اہمیت حاصل تھی کہ یہاں کعبے کے نام سے ایک بت خانہ تھا جو زیارت کا ایک بڑا مرکز بن چکا تھا۔ اس کے تقدس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے

Marfat.com

بنایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر نو کی۔ کعبہ ایک مکعب نما عمارت تھی جس کے چاروں طرف ۳۶۰ بت نصب تھے اور جس کی اندرونی دیواروں پر حضرت مریمؑ اور شیر خوار حضرت مسیحؑ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کعبے کے کونے میں ایک سیاہ پتھر تھا جسے خاص طور پر مقدس خیال کیا جاتا تھا۔ یہ پتھر اس مقام کی نشان دہی کرتا تھا جہاں سے اس بت خانے کا طواف کیا جاتا تھا اور اس جگہ قسم کھائی جاتی تھی۔ کعبے کے سالانہ حج کے لیے سارے عرب سے زائرین جوق در جوق آیا کرتے تھے۔

اہل مکہ کی غالب اکثریت اور خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَن پڑھ تھے، لیکن ان کی خطابت اور شعر فہمی کی شہرت تھی۔ سارے ملک عرب سے شعراء حج کے موقع پر جمع ہوتے، اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے اور اہل مکہ سے داد پاتے۔

یہ تھے وہ حالات جن میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کا پیغام لے کر آئے۔

جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کی عمر اس وقت چالیس سال تھی۔ آپ کی ولادت مکے میں ایک تاجر عرب خاندان میں ہوئی، لہٰذا آپ بھی اپنے والد اور دادا کی طرح متعدد تجارتی قافلوں کے قائد رہ چکے تھے۔ آپؐ کی شریک حیات حضرت خدیجہؓ بھی ایک عرب تاجر کی بیوہ تھیں جن کے نمائندے کی حیثیت سے آپ نے شام، یمن، مشرقی عرب (بحرین، عمان) اور غالباً حبش جیسے مقام تک جو اس زمانے میں مکے سے مضبوط تجارتی روابط رکھتے تھے سفر کیے۔ جوانی کی عمر میں آپ کی بعض ایسی نمایاں اور غیر معمولی خصوصیات ظاہر ہوئیں جن کی وجہ سے آپ اپنے ہم عمروں اور ساتھیوں میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ خاص طور پر لین دین میں راست بازی کی وجہ سے آپ کو الامین (قابلِ اعتماد) کا لقب دیا گیا۔

مؤرخین کے مطابق آپ نے ایک نوجوان غلام زید بن حارثہ کو خریدا اور ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ زید دراصل ایک جنگ میں گرفتار ہوئے تھے۔ ان کے والد کو جو ایک بڑے قبیلے کے سردار تھے آخر بڑی جستجو کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ان کا لڑکا مکے میں ہے تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ کچھ رقم لے کر ان کے لڑکے کو آزاد فرما دیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب آپ کی نبوت کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں انہیں آزاد کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا بشرطیکہ لڑکا اپنی مرضی سے اپنے باپ کے ساتھ جانا پسند کرے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت زید نے بلاتوقف جواب دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہیں گے۔ رسول اللہ صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کے اس فیصلے سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ نے ان کو اسی وقت آزاد کر دیا اور پھر خانہ کعبہ جا کر اعلان کیا کہ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام کو متبنیٰ بنالیا ہے۔

ایک اور واقعہ بھی جو اوّلین نزولِ وحی سے کوئی پانچ برس قبل پیش آیا۔ آپ کے کردار کو روشن کرتا ہے۔ کعبے کی عمارت کو آگ اور پھر سیلاب سے نقصان پہنچا تھا' چنانچہ اہل مکہ نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا۔ اس دوران جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو مختلف خاندانوں میں نزاع پیدا ہوگیا۔ ان میں سے ہر ایک حجر اسود کو اٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر نصب کرنے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں اس وقت ایک ضعیف العمر شخص نے یہ رائے دی کہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے اور یہ اس طرح کہ اب جو بھی شخص سب سے پہلے یہاں آئے وہی معاملے کا فیصلہ کرے۔

جو شخص سب سے پہلے یہاں آیا وہ تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاملے کو اس طرح نمٹایا کہ حجرِ اسود کو اٹھا کر ایک چادر پر رکھ دیا اور ہر خاندان کے ایک ایک نمائندے کو اس چادر کو کناروں سے پکڑ کر اٹھانے کے لیے کہا۔ اس طرح حجرِ اسود کی تنصیب پر ہر قبیلہ حصہ دار ہوگیا۔ پھر آپ نے پتھر کو چادر سے اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا اور سب مطمئن ہو گئے۔

یہ زمانہ تقریباً وہ تھا جس میں آپ اپنے ماحول و اطراف کے حالات سے غیر مطمئن ہونے کی وجہ سے اپنا زیادہ تر وقت تنہائی اور غور و فکر میں گزارتے تھے۔ ان دنوں آپ زیادہ تر جبلِ نور کے غارِ حرا میں رہتے۔ تقریباً پانچ سال تک آپ نے رمضان کا پورا مہینا جو اس زمانے میں جاڑوں کے وسط میں پڑتا تھا' اعتکاف میں گزارا۔ پانچویں سال آپ وہاں سے لوٹنے ہی والے تھے کہ آپ نے جبرئیل امین کو پہلی بار دیکھا۔

اس واقعے کے بعد آپ گھر واپس آئے تو آپ بہت زیادہ گھبرائے ہوئے تھے۔ آپ نے سارا قصہ اپنی شریک حیات حضرت خدیجہؓ کو سنایا' آپ سخت پریشان تھے اور آپ کو خیال آتا تھا کہ کہیں یہ ابلیس نہ ہو۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو ہر ممکن طریقے سے تسلی دی اور دوسرے دن آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ایک ضعیف العمر نابینا تھے اور جنہوں نے نصرانی مذہب اختیار کر لیا تھا اور دینی معلومات سے واقف تھے۔

Marfat.com

جیسے ہی آپ نے اپنا واقعہ ان کو سنایا ورقہ بول اٹھے ''جو آپ نے کہا اگر یہی کچھ پیش آیا ہے تو یقین ہے کہ یہ وہی ناموس (بقول تورات) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا۔ اگر اللہ نے زندگی دی تو میں آپ کی جانب سے آنے والے مشکل وقت میں آپ کا دفاع کروں گا۔''

آپ نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا ''کیا مجھے اللہ اور اس کی رحمت کے بارے میں کچھ کہنے پر ایذا دی جائے گی۔'' ورقہ نے جواب دیا ''ہاں اس مشکل وقت سے اللہ کا کوئی نبی محفوظ نہیں رہا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ جلد ہی سارے شہر میں پھیل گیا۔ جو لوگ آپ پر ایمان لائے ان میں حضرت خدیجہؓ، آپ کے مخلص غلام زیدؓ، آپ کے دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ اور چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی تربیت آپ نے بیٹے کی طرح کی تھی شامل تھے، دوسرے لوگ اگر کھلے دشمن نہیں تو متذبذب ضرور تھے۔

اس کے بعد تین سال ایسے گزرے کہ جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آپ کے پاس نہیں آئے۔ قریب تھا کہ آپ مایوسی کا شکار ہو جاتے اس حال میں آپ کی چچی ام لہب نے آپ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا: ''میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان (مراد تھی حضرت جبرئیلؑ سے) نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اور تم سے بیزار ہو گیا ہے۔''

اس توہین آمیز سلوک نے آپ کو دل برداشتہ کر دیا۔ اپنے آپ کو آپ نے پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر ہلاک کرنا چاہا کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ انہوں نے آپ کو تسکین دی اور اللہ کا کلام سنایا ''قسم ہے دن چڑھتے وقت کی اور رات کی جب وہ چھا جائے، نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ...... پس یتیم کے ساتھ درشتی سے پیش نہ آ اور نہ سوال کرنے والے کو جھڑک اور تیرے رب نے تجھ پر جو فضل کیا ہے اسے بیان کرتا رہ۔''

(قرآن، الضحیٰ ۹۳: ۱ تا ۳ اور ۹ تا ۱۱)

آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کے مقصد کو فوراً سمجھ لیا کہ آدمی کو اللہ پر یقین رکھنا اور لوگوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل وطن کو جس پیغام کی تبلیغ فرما رہے تھے اس کے دو بنیادی عقائد تھے۔ اللہ کی وحدانیت اور موت کے بعد کی زندگی اور آخرت۔ چنانچہ خدائے

Marfat.com

وحدہٗ لاشریک کے تصور نے جو ہر بات جانتا ہے اور ہر جگہ موجود ہے اور جس کے آگے ایک دن ہر ایک کو جواب دہی کرنی ہے' مشرکانہ عقائد اور اہل مکہ کی روایات کو متزلزل کر دیا' پہلے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا مذاق اُڑایا پھر تحقیر پر اُتر آئے۔ آگے چل کر آپ اور آپ کی مختصر جماعت کے خلاف جس نے نیا دین اختیار کر لیا تھا ظلم وزیادتی کا طوفان برپا کر دیا۔ جب یہ زیادتیاں ناقابل برداشت ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان اصحاب کو حبش میں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ جہاں کے نصرانی بادشاہ نے انہیں پناہ دی اور اپنی حفاظت میں لے لیا۔ جب اہل مکہ نے غضب ناک ہو کر اپنا ایک وفد اس مطالبے کے ساتھ بھیجا کہ ان مسلمان پناہ گزینوں کو واپس کر دیا جائے تو حبش کے بادشاہ نے ان کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔

مکے والوں کا وفد ناکام لوٹ آیا اور اس ناکامی کے نتیجے میں انہوں نے یہ طے کیا کہ مکے میں جو مسلمان رہ گئے ہیں انہی کو مشقِ ستم بنایا جائے۔

آخر کار مشرکینِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاندان کے خلاف مقاطعے کا اعلان کر دیا اور ان کے ساتھ تجارت اور ان پر خوراک کی فروخت پر پابندی لگا دی۔ اس مقاطعے کے دوران متعدد مسلمان وفات پا گئے۔

اگرچہ تین سال کے طویل عرصے کے بعد یہ پابندی اٹھالی گئی' مگر اس سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشکلات ختم نہیں ہوئیں۔ آپ کے چچا حضرت ابو طالب کا جو سربراہ خاندان تھے اور آپ کی پشت پناہی کرتے تھے انتقال ہو گیا۔ خاندان کی سرداری دوسرے چچا یعنی ابولہب کو ملی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کو ہر ایک کے لیے جائز قرار دے دیا۔ ایسی حالت میں کوئی چارہ کار اس کے سوا نہیں تھا کہ آپ مکہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ قریبی شہر طائف میں پناہ کے لیے گئے' مگر طائف والوں نے اہل مکہ سے بھی زیادہ ظالمانہ سلوک کیا اور آپ وہاں سے اپنے ایک غیر مسلم دوست کی حفاظت میں جلد ہی وطن لوٹ آئے۔ اس ہمدردی کے نتیجے میں اس غیر مسلم کو بھی خاندان بدر کر دیا گیا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طے کیا کہ ہر سال باہر سے جو لوگ کعبے کے لیے مکہ آتے ہیں ان سے ربط پیدا کیا جائے۔ مختلف جگہوں سے آنے والے قبائل سے مایوس ہونے کے بعد یثرب جو بعد میں مدینۃ النبی'' رسول کا شہر'' یا صرف مدینہ کہلایا کے لوگوں کا ایک چھوٹا سا گروہ آپ کا ساتھ دینے اور آپ کے پیغام کی اپنے شہر میں تبلیغ کرنے پر رضامند ہو گیا۔

Marfat.com

اگلے برس مدینے سے بارہ افراد حج کے دنوں میں مکہ آئے اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ جب یہ لوگ اپنے وطن لوٹے تو ان کے ساتھ مکے سے ایک مبلغ بھیجا گیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں تبلیغِ اسلام کے بارے میں ہدایات دی تھیں۔

یہ تبلیغی کوشش اس حد تک کامیاب ثابت ہوئی کہ اگلے برس مدینے سے بہتر (۷۲) افراد مکے آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مظلوم ساتھیوں کو اپنے شہر ہجرت کی دعوت دی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالیا مگر پہلے آپ نے مکے کے مسلمانوں سے چھوٹے چھوٹے گروہ بنا کر مدینے ہجرت کرنے کو کہا یہ اس لیے کہ اگر اہل مکہ کو مسلمانوں کی اجتماعی ہجرت کا علم ہوگیا تو وہ انہیں پریشان کریں گے' چنانچہ خفیہ طور پر چھوٹے چھوٹے گروہ روانہ ہوئے۔

اس طرح جب بڑی تعداد میں مسلمانوں نے مکہ چھوڑ دیا تو اہل مکہ کو خوف ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کسی جگہ پناہ حاصل کرلی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ آخرکار اپنے وطن پر حملہ کریں گے۔ اس خیال سے انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ اپنے دوست حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس گئے اور ان دونوں نے طے کیا کہ رات کی تاریکی میں مدینہ چلے جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کا انتظام کیا جو اُن کے چھپنے کے مقام پر دو اونٹ لے کر آئے اور وہاں سے ایسے راستوں سے ہوکر انہیں مدینے تک لے جائے جن پر آمد ورفت نہیں ہوتی۔ آخرکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جان جوکھوں میں ڈال کر بہ حفاظت مدینے پہنچ گئے اور اس طرح ان مسلمانوں کے لیے خوشی کا موقع آیا جو پہلے سے یہاں موجود تھے۔

ہجرت کا یہ واقعہ اسلامی تقویم کا جس کے آج چودہ سو سال پورے ہو چکے ہیں' نقطہ آغاز تھا۔ ہجرت سے قبل اسلام کو دشواریوں کا سامنا رہا جب کہ اس کے بعد سے مدینے آ کر ایک نسبتاً محفوظ ماحول اور ترقی کا موقع ملا۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات سے متعلق تفاصیل تدریجاً مکمل ہوئیں اور اس طرح ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا عمل تھے۔ اپنے عمل کے ذریعہ سے آپ نے یہ بات ذہن نشین کرادی کہ مختلف شعبہ ہائے حیات میں ایک مسلمان کا کردار کیا ہونا چاہیے۔ زندگی کے ان شعبوں میں فرد کے روحانی اور انفرادی پہلو بھی شامل ہیں اور معاشرے کے ایک رکن کی

Marfat.com

حیثیت سے فرد کی زندگی کا سیاسی پہلو بھی اس دائرہ کار میں آتا ہے۔ آپ نے یہ عظیم کام مدینے میں انجام دیا۔

آپ کو جو اوّلین مسئلہ درپیش ہوا وہ مہاجرین کا تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے تجویز کیا کہ مدینے کے ہر خوش حال گھرانے کو چاہیے کہ وہ ایک مہاجر گھرانے کو برادرانہ تعلقات کی بناء پر اپنے ساتھ رکھے' دونوں اکٹھا کھائیں اور ایک خاندان کی طرح زندگی گزاریں۔ مدینے کے مسلمانوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور اس طرح مہاجرین کا مسئلہ بہت جلد حل ہو گیا۔

دوسرا اہم مسئلہ دفاع سے متعلق تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو مدینے میں سیاسی خلا موجود تھا۔ اس زمانے میں مدینے کی حالت یہ تھی کہ وہاں چند متحارب خاندان تھے جو نہ کسی کی قیادت تسلیم کرتے تھے' نہ کسی طرز حکمرانی سے واقف تھے۔ آپ نے آبادی کے ہر طبقے یعنی مسلمان' مشرکین عرب' یہودیوں اور نصرانیوں کے نمائندوں کو جمع کر کے ایک شہری ریاست کے قیام کی تجویز پیش فرمائی جس کی طاقت ہر حملہ آور کا مقابلہ کر سکے۔ یہ تجویز مان لی گئی اور آپ بہ نفسِ نفیس اس نئی ریاست کے سربراہ منتخب کیے گئے۔

ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کو سب سے پہلے دستور منضبط کرنا تھا۔ اس دستور کا متن آج بھی موجود ہے جو دنیا میں تحریری دستور کی اولین معلوم مثال ہے۔ یہ دستور سربراہ ریاست کے حقوق و فرائض اور اس کی ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے' نیز دفاع' انصاف' سماجی تحفظ اور دیگر ضروری امور کے متعلق تفاصیل مہیا کرتا ہے۔ اس دستور کی سب سے ممتاز خصوصیت انتہائی وسیع مفہوم میں رواداری ہے۔ یہ دستور مسلم اور غیر مسلم دونوں کو اس اعتبار سے یکساں حیثیت دیتا ہے کہ وہ اپنے عقیدے' قانون سے استفادے اور حصول انصاف کے معاملے میں برابر ہیں۔ اس کے مطابق اسلام کے تعزیری اور دیوانی قوانین کا اطلاق غیر مسلموں پر نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اسلامی ریاست کے دفاع کو منظم کیا۔ اس سلسلے میں مدینے کے اطراف میں آباد قبائل کے ساتھ دفاعی اغراض سے اتحاد کیا گیا اور اس اتحاد کی بدولت اہل مکہ کے شام' مصر اور عراق جانے والے قافلوں کو اسلامی ریاست میں سے ہو کر سفر کرنے سے روک دیا گیا۔ جب اس پابندی کے خلاف مکے والوں نے بہ زور ان علاقوں سے ہو کر گزرنا چاہا تو ان قافلوں کو روکنے کے لیے مسلمان دستے موجود تھے جو تعداد میں ان کا بعض اوقات تہائی اور کبھی دسواں حصہ ہوتے تھے۔ مثلاً جنگ بدر (سنہ ۲ ہجری) میں حاصل ہونے والی

Marfat.com

عظیم فتح صرف کم و بیش تین سو مسلمانوں نے حاصل کی تھی جن کے مقابلے میں دشمن کی تعداد نو سو پچاس کے قریب تھی۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مکے میں اقتصادی بدحالی کی علامات اُبھرنے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت کی فیاضانہ پیشکش کی لیکن جب انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی تو مکے کو کسی خون خرابے کے بغیر فتح کرلیا گیا۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد سب سے پہلا فیصلہ عام معافی کا فرمایا۔ اہل مکہ اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ایک ہی رات میں ان کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا۔

فتح مکہ کے بعد آپ کو یہ موقع مل گیا کہ اس بازنطینی حکومت سے معاملہ صاف کرلیا جائے جس نے مسلمان سفیر کے قتل اور اپنی حدودِ سلطنت میں مسلمانوں کو موت کی سزا دینے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے جزیرہ نمائے عرب کے بقیہ علاقوں پر بھی توجہ فرمائی جس کے نتیجے میں ان کے کئی وفود اپنے اسلام کا اعلان کرنے مدینے آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دو سال بعد بیت اللہ شریف کے حج کی غرض سے مکہ تشریف لے گئے۔ بیت اللہ شریف اسلام کا سب سے زیادہ محترم اور رفیع المقام شعار ہے۔ اب اس مقصد کی تکمیل ہو چکی تھی جس کے لیے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ چنانچہ تین ماہ بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت (۱۱ہجری۔۶۳۲ء) میں سارا جزیرہ نمائے عرب اور فلسطین کے جنوبی علاقے اور عراق تک حلقہ بہ گوش اسلام ہو چکا تھا۔ شہر مدینہ کے ایک حصے میں ہجرت کے پہلے سال میں تشکیل پانے والی اسلامی ریاست کی وسعت اب تیس لاکھ مربع کلومیٹر تک پہنچ چکی تھی اور اس میں اقتصادی، عسکری، تعلیمی، انتظامی، عدالتی اور تمام دیگر شعبے جو اس ریاست کی بقا اور ترقی کے لیے ضروری تھے قائم ہو چکے تھے۔

آپ نے اپنی وفات سے قبل اساسی دینی فرائض یعنی ایمان (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) نماز، زکوٰۃ کی ادائی، حج بیت اللہ اور رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے کے بارے میں تاکید فرمادی تھی۔ اسلام کے یہ پانچ ارکان ایسے معنوی اور ظاہری مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں جو آپس میں مل کر ایک متوازن ''کل'' کی تشکیل کرتے ہیں اور یہی آج تک اسلام کی بنیاد ہیں۔

(۱۔ ''پیامی'' کراچی، نومبر، دسمبر ۱۹۸۱ء

۲۔ ''سب رس'' کراچی۔ جنوری ۱۹۸۲ء)

قانون

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی قانون اور اس کے ماخذ

(ترجمہ: محمود احمد لودھی ایم اے)

ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی فکر انگیز کتاب Muslim Conduct of State میں اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ اگرچہ کتاب کا بنیادی موضوع اسلام کا بین الاقوامی قانون ہے اور بحث بھی اسی نقطہ نظر سے کی گئی ہے' تاہم اپنی عمومیت کے باعث اس بحث کے دوران میں اسلامی قانون کی نوعیت اور اس کے ماخذ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ زیر نظر مقالہ اسی کتاب کے متعلقہ اجزاء سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ادارے کی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا گیا البتہ بحث کی عمومیت کو قائم رکھنے کے لیے بعض حصے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ ترجمہ کو مصنف محترم دیکھ نہیں سکے ہیں۔

(ایڈیٹر)

(I)

فقہائے متقدمین نے فقہ کی مختلف تعریف مختلف طور پر کی ہے۔ "معرفۃ النفس مالہا وما علیہا" یا دوسرے الفاظ میں انسان کے حقوق اور فرائض کا علم وہ تعریف ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے منسوب کی جاتی ہے۔[1]

متاخرین میں سے جناب محب اللہ بہاری نے اپنی کتاب (مرتبہ ۱۱۰۹ھ) میں اس ہمہ گیر موضوع کا تعارف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرایا ہے۔[2]

"مفصل دلائل شرعیہ کے ذریعہ سے (زندگی کے عملی مسائل کے متعلق) دینی احکام معلوم کرنے کا علم"۔ دلیل شرعی سے ان کی مراد وہ ماخذ یا اتھارٹی ہے جس کی وساطت سے

Marfat.com

معلومات حاصل ہوں۔ کتب فقہ کے مندرجات پر ایک نظر اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ زندگی کے تقریباً تمام مسائل خواہ وہ مادی مسائل ہوں یا روحانی فقہ پر محیط ہیں۔ مندرجہ بالا مستند تعریفوں اور کتب فقہ کے مندرجات کی فہرستوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے کہی جا سکتی ہے کہ بین الاقوامی قانون (یعنی جنگ' صلح یا غیر جانبداری کی حالت میں حکمرانی کے اصول) عام ملکی قانون یعنی فقہ کا ایک حصہ ہے اور کتب فقہ میں ریاست کے تعلقات کے اصولوں پر باب سیر کے تحت بحث کی گئی ہے۔''

اس مقام پر قانون کی ابتداء سے متعلق مسلمان فقہاء کے نظریات کی توضیح غیر موزوں نہ ہوگی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اچھے کام (حسن' فرض اور واجب) کرے۔ بدی (قبیح اور حرام) کے کاموں سے پرہیز کرے اور ان کے درمیانی درجات (مستحب' مباح' مکروہ) کے متعلق پوری احتیاط ملحوظ رکھے۔ تاہم نیکی اور بدی میں امتیاز اور خاص طور پر اس وقت جبکہ روزمرہ کے عام معاملات کی بجائے مہذب اور متمدن زندگی کے نازک اور پیچیدہ مسائل سے واسطہ ہو' آسان کام نہیں عملی ضروریات اس بات کی متقاضی ہیں کہ تشریع (یعنی ہر مسئلے میں نیکی اور بدی کے درجات واضح طور پر متعین کرنے) کا اختیار انسان کے ہاتھ میں ہو۔ خواہ یہ حق فرد کو دیا جائے یا فقہائے امت کو' اور پھر منظم معاشرے یعنی ریاست کے پاس ہو لیکن محض عقل کو نیکی اور بدی کا معیار مان لینے سے پیچیدہ مشکلات کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ مسلم فقہاء کا کہنا ہے کہ اس بات کا امکان ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک ہی مسئلے پر مختلف انسانوں کے مابین اختلاف رائے موجود ہو۔ اور اس طرح اللہ کے رسولوں پر ایمان' اصول الفقہ کے نقطہ نظر کے مطابق بھی ضروری اور کارآمد ہے' کیونکہ ان رسولوں کے ساتھ عقیدت اور احترام کے نتیجے کے طور پر چند مبادی اور اصول بلا کسی حیل وحجت کے اور متفقہ طور پر تسلیم کر لیے جاتے ہیں۔ اور ان سے فروع کا استخراج ممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مسلمان مفکرین اس بات کے لیے اللہ تعالیٰ کے سپاس گزار ہیں کہ اس نے انسان کو عقل (فواد) کی نعمت سے نوازنے کے علاوہ ایسے برگزیدہ انسانی ہادی بھیجے جو زندگی کے معاملات میں اس کی رہنمائی کر سکیں۔ ان برگزیدہ انسانوں نے نیکی اور بدی کے متعلق حقیقی حاکم اور شارع یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک پہنچائے۔ انہی میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہیں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیم کرتے ہیں اور ان کی طرف سے انہوں نے اپنی حیات اقدس میں جو اوامر اور نواہی پہنچائے ہیں

Marfat.com

انہیں عام مسلمان بلا حیل و حجت آخری اور مکمل طور پر عقل کے مطابق تسلیم کرتے ہیں۔ یہ الٰہی احکام' جنہیں قرآن اور حدیث کے نام سے پکارا جاتا ہے (جس کے متعلق مفصل بحث آئندہ صفحات میں آئے گی) اس زمانہ کے مسلم معاشرے کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ لیکن بعد میں انسانی ضروریات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایسی نئی نئی صورتیں سامنے آئیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال یا افعال میں کوئی واضح حکم موجود نہ تھا اور چونکہ خود رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے اور خدا اور انسان کے درمیان وہ رشتہ منقطع ہو گیا تھا کہ جس سے انسان ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے مطلع ہو سکتا۔ اس لیے اگر خود قانون میں اس کی مزید تشریح و توضیح کے لیے واضح گنجائش موجود نہ ہوتی تو اس صورت حال کا لابدی نتیجہ انتہائی مہلک ثابت ہوتا اور اس دباؤ کے تحت فقہ کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ لیکن اس سلسلے میں فقہا کی اس خدمت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ قانون الٰہی میں اس لچک کا ادراک کیا بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ بھی اٹھایا۔ یعنی ایک قلیل عرصے میں ایک مکمل قانونی نظام وجود میں آیا جس نے ذی اقتدار مسلمانوں کی اس وقت کی بھی تمام ضروریات پوری کیں کہ جب ان کی سلطنت بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس طرح اگرچہ قانون کا مبداء اللہ تعالیٰ کے بلا واسطہ احکام تھے لیکن ان کی تشریح و توضیح کا وہ اختیار کہ جو انسان کے ہاتھ میں تھا' اور جس سے کام لے کر انہوں نے قیاس اور دوسرے طریقوں سے فروع کا استخراج کیا' ان کی تمام ضروریات کے لیے کافی تھا اور یوں ایک دوہری ضرورت پوری ہو گئی یعنی ایک طرف تو قانون کی تقدیس تھی کہ جس نے انسانوں کے دلوں میں احترام کے جذبات ابھارے اور دوسری طرف اس میں وہ لچک یا ترقی کی اہلیت پیدا ہو گئی۔ جس نے اسے زمان و مکان کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنایا۔

(II)

کسی علم کے ماخذ سے مراد وہ مقامات ہوتے ہیں کہ جہاں سے اس کے ضوابط بلا واسطہ اور بنیادی طور پر حاصل کیے جا سکیں۔ اصول الفقہ کے ماہرین اس مقصد کے لیے اصول (یعنی جڑیں) کی اصطلاح مبین استعمال کرتے ہیں اور انہی اصول (یا جڑوں) سے قوانین

Marfat.com

شاخوں کی طرح پھوٹتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصود قوانین کا وہ مبداء نہیں کہ جس کی پشت پر قوت نافذہ موجود ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں قانون کا واحد سرچشمہ اور اس کا کلی انحصار محض اس امر پر ہوتا ہے کہ کسی حکومت نے اس کے نفاذ کو تسلیم کر لیا ہے۔

اب ہم فقہ کے مندرجہ ذیل ماخذوں پر غور کریں گے۔

(۱) قرآن مجید

(۲) سنت یا احادیث نبویؐ

(۳) خلفائے راشدینؓ کا تعامل

(۴) دیگر مسلمان حکمرانوں کا عمل بشرطیکہ مسلمان فقہا نے اس سے براءت کا اظہار نہ کیا ہو۔

(۵) نامور مسلمان فقہاء کی آراء

(الف) اجماع (ب) قیاس

(۶) ثالثوں کے فیصلے

(۷) بری اور بحری سپہ سالاروں' سفراء اور دوسرے سرکاری حکام کو دی جانے والی سرکاری ہدایات

(۹) غیر ملکیوں اور بین الاقوامی تعلقاتؒ سے متعلق ملکی قانون سازی

(۱۰) روایات اور عرف عام

ا۔ قرآن

مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کو وحی الٰہی اور نتیجتاً قانون کی بنیاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل وحی الٰہی کا مجموعہ ہے بلکہ زیادہ صحیح طور پر حضرت جبریل کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے والی وحی متلو[ؒ] کا تخصیص شدہ مجموعہ ہے۔ قرآن مجید ایک ہی مرتبہ نازل نہیں کیا گیا بلکہ اس کے مختلف اجزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۲۳ سالہ زمانہ بعد از بعثت میں وقتاً فوقتاً نازل کیے جاتے رہے۔ جب بھی قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اپنے کسی کاتب کو تحریر کروا دیتے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورۃ اور مقام کی نشاندہی کر دیتے کہ جہاں وہ آیت یا آیات درج کی جاتی تھیں[۵]۔ چنانچہ قرآنی آیات میں نزولی ترتیب قائم نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ زمانہ نبوی میں قرآن مجید کتابی شکل میں یکجا مرتب نہیں کیا گیا بلکہ آیات قرآنی کو اوراق' شانے کی ہڈیوں' کھجور کے پتوں' اور دوسری سہل

Marfat.com

الحصول چیزوں پر لکھا گیا[6]۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ کسی آیت کے منسوخ ہو جانے پر فرمان نبوی کے مطابق اسے مٹا دیا جاتا[7]۔ عام طور پر اصحاب نبوی کی یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ آیات قرآنی حفظ کرلیں اور تحریری نقول بھی حاصل کرلیں حتیٰ کہ نبوت کے پہلے سال میں بھی قرآن مجید کے اس وقت تک نازل شدہ اجزاء کی ذاتی نقول مکہ میں موجود تھیں[8]۔ یہ سلسلہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات تک جاری رہا' جبکہ مندرجہ بالا تحریری نقول بھی حاصل کرلیں حتیٰ کہ نبوت کے پہلے سال میں قرآن مجید کے اس وقت تک کے نازل شدہ اجزاء کی ذاتی نقول کے علاوہ کم از کم چار ایسے اصحاب موجود تھے کہ جن کے سینے میں پورا قرآن محفوظ تھا[9]۔ حفاظ قرآن کی تعداد تیزی سے بڑھتی گئی[10]۔ کیونکہ اس طرح دنیوی فوائد عوامی شہرت اور سرکاری مناصب کا حصول کیا جا سکتا تھا[11]۔ حفاظ اور قاری آج تک اپنے شاگردوں کو اس امر کی سند عطا کرتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے اپنے شاگردوں کو سکھایا ہے۔ اسی طرح آیات اور سورتوں کی اسی ترتیب اور اسی ترتیل اور قرأت کے ساتھ انہوں نے اپنے اساتذہ اور ان اساتذہ نے اپنے اساتذہ سے سیکھا تھا۔ ان درمیانی واسطوں کے نام درج ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے مختصر سے دو سالہ عہد میں آیات قرآن کو ترتیب نبوی کے مطابق کتابی شکل (مصحف) میں جمع کیا گیا۔ یہ ذمہ داری کا کام کرنے والے اصحاب اس وقت تک کسی جزو کو متن میں شامل نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ تحریری نقول مہیا نہ کی جائیں اور مزید برآں حفاظ اس کی تصدیق نہ کریں۔ یہ کام بخیر و خوبی تمام ہوا اور صرف ایک یا دو آیات کے معاملے میں ایک سے زیادہ تحریری شہادتیں بہم نہ پہنچائی جا سکیں۔[12]

یہ مستند متن والا مصحف حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا' ان کی وفات کے بعد یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استعمال میں رہا' ان کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی اُم المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحویل میں چلا گیا[13]۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کے عہد میں دور دراز کے صوبوں میں مشکلات پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ خلیفہ وقت کے حکم سے مصحف ابوبکرؓ کی سات نقول تیار کروا کے صوبوں کے دار الخلافوں کو بھیجی گئیں اور اصل مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لوٹا دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں تک حکم دے دیا کہ اجاء[14] کے

معاملے میں بھی مستند نقول کی پیروی کی جائے اور تمام ذاتی نقول جو مستند متن سے کسی درجے میں بھی مختلف ہوں جمع کر کے تلف کر دی جائیں [15]۔ موجودہ قرآن مجید حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متن کے مطابق ہے۔

۲۔ سنت

اسلامی فقہ کے ماخذ میں ترتیب اور اہمیت کے لحاظ سے دوسرا درجہ سنت کو حاصل ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر پر مشتمل ہے۔ حدیث نبوی میں پائے جانے والے فقہی ضوابط تعداد میں قرآنی ضوابط سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔ حدیث کو قرآن مجید سے دوسرے درجہ پر رکھا جاتا ہے اور اس کی اصل وجہ احادیث کی صحت ثابت کرنے کے سلسلے میں دشواریاں ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ خود قرآن نے واضح اور غیر مشروط طور پر فرمان نبوی کو قرآن کے برابر کا درجہ دیا ہے کیونکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہر قول مرسل کی طرف سے سمجھا جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں احادیث جمع کرنے کا کام شروع کر دیا تھا اور اس کے علاوہ دوسرا سرکاری تحریری مواد ہے کہ جس میں معاہدے، محصلین صدقات کے لیے ہدایات، خطوط، وثائق، مردم شماری کی رپورٹیں [16] اور دوسرے کاغذات ہیں [17]۔ وہ ہزارہا احادیث کہ جنہیں صحابہ نے ضبط تحریر میں کیا۔ یا زبانی تابعین تک پہنچایا کہ جنہیں تابعین یا تبع تابعین تحریر میں لائے، اپنی ایک دلچسپ تاریخ رکھتی ہیں۔ موجودہ مفکرین کافی عرصہ تک اس غلط فہمی میں رہے کہ احادیث کو تحریری طور پر جمع کرنے کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوسو سال بعد شروع ہوا، بہت سے ہم عصر مسلم مفکرین نے جن میں الکتانی، شبلی، سلیمان ندوی شامل ہیں۔ اس غلط نظریے کی بے بنیادی کو واضح کیا ہے۔ حال میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے کہ جس کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں سوائے اس کے کہ قارئین کو اس امر کی طرف متوجہ کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر کافی مواد کتب احادیث کے علاوہ بھی ملتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ عمل راشد

عمل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ خلفائے راشدین کے عمل پر بھی کافی مواد ملتا ہے۔ اس سلسلے میں کتب احادیث' تاریخ اور مغازی' سیر اور اسماء الرجال عدالتی فیصلے ودیگر تالیفات شامل ہیں۔

یہاں یہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ خلفائے راشدین کا عمل اسی صورت میں قابل قبول ہوتا ہے جب کہ وہ حدیث نبوی کے خلاف نہ ہو۔ البتہ اس بات کا اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ کسی معاملے میں خلفائے راشدین کا عمل کسی حدیث نبوی کے خلاف پڑتا ہو' تو اس گمان کی گنجائش ہے کہ خلفائے راشدین نے جو کہ محدثین اور فقہائے متاخرین سے زیادہ بہتر طور پر حدیث کے عالم تھے' زیر نظر حدیث کی ناسخ کسی دوسری حدیث نبوی پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی ہوگی لیکن یہ صرف ایک نظری مسئلہ ہے اور ایسی کوئی عملی نظیر میرے علم میں نہیں۔

علم اصول الفقہ میں اگرچہ صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح معصوم عن الخطاء کا درجہ تو نہیں دیا جاتا لیکن کافی احترام کا مستحق ضرور سمجھا جاتا ہے۔ ان کا زہد وتقویٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی عقیدت انہیں کبھی اس بات کے لیے راضی نہ کرسکتی تھی کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے فرمان نبوی کی مخالفت کریں اور اگر کسی صحابی سے فرمان نبویؐ سے لاعلمی کی بناء پر کوئی ایسی بات سرزد ہوجاتی تو دوسرے صحابہ اصلاح کے لیے موجود تھے۔ البتہ ان معاملات کے بارے میں صحابہ کے اختلاف رائے کی نفی نہیں کی جاسکتی کہ جن کے بارے میں سنت نبویؐ میں کوئی واضح ہدایت موجود نہ تھی۔ ایسی صورت میں مختلف الرائے صحابہ کے ذاتی درجے اور مقام کے مطابق ایک کی رائے دوسروں سے افضل قرار پاتی ہے۔ مثلاً پہلے خلفائے اربعہ میں سے کسی کی رائے کسی دوسرے صحابی کی رائے کے معاملے میں ترجیح کی مستحق ہے۔

۴۔ عام مسلمان حکام کا عمل

خلفائے راشدین کا عمل قانونی درجہ رکھتا ہے لیکن دوسرے اور متاخر مسلمان حکام کے عمل کو یہ درجہ حاصل نہیں تاہم بعض اوقات ان کے عمل کی طرف رجوع کارآمد ثابت ہوسکتا ہے اور خاص طور پر اس حالت میں کہ جب ہم عصر یا متاخر فقہائے نے اس سے اپنی برأت کا اظہار نہ کیا

Marfat.com

ہو۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے چند سلاطین، سلطان صلاح الدین ایوبی، ہندوستان میں شہنشاہ اورنگ زیب اور کئی دوسرے مسلمان حکمرانوں نے کئی کارآمد نمونے چھوڑے ہیں۔ جن کی اہمیت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلے میں بھی تحریری مواد مختلف مآخذ سے تلاش کرنا پڑتا ہے اور وہ اسی حد تک قابل اعتماد اور قابل قبول ہو کہ جس حد تک متعلقہ ماخذ مستند ہو۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قانون کے یہ ضوابط اس شرط پر قبول کیے جاتے ہیں کہ وہ قرآن، سنت یا خلفائے راشدین کے عمل کے خلاف نہ ہوں۔

۵۔ فقہاء کی آراء

شروع سے علم اصول الفقہ کے مفکرین نے آراء کو دو مختلف اہمیت کی حامل صنفوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی اجماع اور قیاس۔

(الف) اجماع

مختلف احادیث نبوی کو اجماع کی حمائیت میں پیش کیا جاتا ہے مثلاً:

(اوّل) "لا تجتمع امتی علی الضلالة"

''میری امت کبھی ضلالت پر متفق نہ ہوگی۔''

(دوم)" یداللّٰہ علی الجماعة فمن شذ شذفی النار" (ترمذی)

''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے شامل حال ہے پس جو جماعت سے کٹا اس نے جہنم میں اپنی جگہ بنالی۔''

(سوم) "ماراہ المسلمون حسناً فھو عنداللّٰہ حسن."

''جس بات کی خوبی کے متعلق مسلمانوں میں اتفاق رائے ہو گیا وہ اللہ کے نزدیک بھی خوب ہوگی۔''

ان کے علاوہ اسی مضمون کی دوسری احادیث بھی ہیں نیز قرآن مجید کی آیات کو بھی اس کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔

اسلامی اصول الفقہ کے مطابق جب کبھی بھی وقت کے تمام فقہاء کے درمیان کسی مسئلے پر اجماع منعقد ہو جائے تو اس کی حیثیت آیت قرآنی یا مستند حدیث کی سی ہوگی ورجو اس کی حجیت سے انکار کرے گا وہ کافر گردانا جائے گا۔[19]

اصولی طور پر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ بعد میں منعقد ہونے والا اجماع اپنے سے پہلے اجماع کو نا قابل قبول بنا سکتا ہے۔[20]

باوجود اس اہمیت کے کہ جو اجماع کو دی گئی ہے۔ یہ امر تعجب خیز ہے کہ کوئی مستقل ادارہ اجماع کے انعقاد کے لیے قائم نہیں کیا گیا تاہم اس بات کی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون اور سیاسی معاملات میں صحابہ سے مشورہ کیا۔[21]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں حج کو ایک سالانہ ادارے کی صورت دے دی گئی کہ جس موقع پر وسیع سلطنت کے صوبیداروں سے مشورہ کیا جاتا۔ عدالت عالیہ سلطنت کی تمام عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سنتی اور دور دراز علاقوں کے شہریوں کے وفود کو شرف باریابی بخشا جاتا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد ایک دو نسلوں تک حکومت وقت کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ وہ ملک کی بہترین اور موزوں آرا معلوم کرنے کی کوشش کرے لیکن جلد ہی خانہ جنگی اور گروہ بندی کی فضا پیدا ہوگئی اور حکمرانوں نے سرکاری فقہاء (جن میں جلیل القدر فقہاء شامل ہیں) کی آراء کے حصول پر اکتفا کرنا شروع کر دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ غیر سرکاری علماء اور طلبہ نے اس علم کی تدوین کی اور اجماع کی ایک عملی شکل اختیار نہ کر سکا یا قانونی اصطلاح میں بعد کے ادوار میں وہ ایک قانونی Legal Fiction بن کر رہ گیا۔

اور اس نا قابل احاطہ اور ہر دم بڑھنے والے لٹریچر میں سے حقائق اخذ کرنا اور ان سے نتائج کا استخراج کرنا افراد کی محققانہ کوششوں پر منحصر ہو کر رہ گیا۔ مزید برآں اس بات کا جواز موجود نہیں کہ انفرادی طور پر فقہاء کسی مسئلے پر اپنی رائے کو اجماع کے لیے پیش کریں نیز مسلم ملت کے عام افراد کو جن کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہے۔ اس بات کے حق دار نہیں ہو سکتے کہ ان سب کی رائے کا پاس کیا جائے۔

Marfat.com

(ب) قیاس

مسلمان فقہاء اور علم السیاست کے مفکرین کی آراء کو اصولی فقہ میں مختلف درجات میں منقسم کیا جاتا ہے۔ قیاس بالنظیر' استخراج' استحصان' فتویٰ' عدالتی فیصلے' فقہاء کی کتابوں میں پائی جانے والی اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہونے والی انفرادی آراء...... ان سب کے لیے مختلف اصطلاحیں اور ترجیح کے درجے ہیں۔

یہ بات شاید خلاف فطرت نہیں کہ ہر قوم سب سے پہلے اپنے قانونی لٹریچر کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ مجموعہ ہائے قانون کی ترتیب شاید پہلی صدی ہجری ہی میں شروع ہوگئی تھی۔ کتاب المجموع جو زید بن علی (۱۲۲ھ ف) سے منسوب کی جاتی ہے۔ ہم تک پہنچتی ہے [۲۲] اور اس میں سیر یا بین الاقوامی قانون پر بھی ایک باب دیا گیا ہے۔ اسی طرح سے امام مالک (ف ۱۷۰ھ) کی موطا ایک اہم قانونی دستاویز ہے۔

یہی بات فتاویٰ (یعنی فیصلوں استفسارات کے مجموعوں) کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ ابتدائی مجموعہ ہائے فتاویٰ میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ جسے چند تابعین نے ترتیب دیا ہے لیکن یہ تلف ہو چکا ہے۔ ابتداء میں فتاویٰ ایک ہی قاضی کے عدالتی فیصلوں کے مجموعے (ایسا ایک مجموعہ ابن رشد سے بھی منسوب ہے) یا ایک ہی مفتی کے فتاویٰ پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں یہی نام مجموعہ ہائے قوانین کو دیا جانے لگا۔ چنانچہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں ایک مجلس کو مسلم قانون کی تدوین کے کام پر لگایا گیا اور اس کی محنت کے نتیجے کو فتویٰ عالمگیر کا نام دیا گیا [۲۳]۔ اب تک اس مجموعے کا ایک خاص مقام ہے۔

اس سلسلے میں علمی مجالس اور علمی اداروں کا تذکرہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ اجتماعی کوششوں کی وساطت سے حق کے قریب پہنچ جانا انفرادی کوششوں کی بہ نسبت زیادہ ممکن ہے۔ اسلامی تاریخ کا عہد عتیق بھی علما اور مفکرین کے اجتماعی اداروں سے خالی نہیں اور ایسے اداروں نے مسلم فکر پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ میں اس سلسلے میں اخوان الصفاء کو زیر بحث نہ لاؤں گا کیونکہ میرے نزدیک یہ ادارہ فقہی کم اور فلسفیانہ زیادہ تھا۔ لیکن میں امام ابوحنیفہ کی مشہور مجلس علمی کا تذکرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا جس کا اگرچہ اب تک گہرا مطالعہ نہیں کیا گیا لیکن جس نے اسلامی قانون کی ترتیب و تدوین پر گہرا اثر چھوڑا ہے کہا جاتا ہے کہ [۲۴] اس مجلس میں چالیس رکن شامل تھے

جو اگر چہ سب کے سب قانون دان حضرات تھے لیکن جنہیں کسی نہ کسی خاص میدان میں مہارت کا درجہ حاصل تھا ان میں ماہرین لسانیات' علمائے منطق اور ایسے مؤرخ شامل تھے کہ جنہوں نے عہد راشد کا خاص طور پر مطالعہ کیا تھا اور اس طرح وہ نظائر اور ان کا پس منظر جانتے تھے۔

۶۔ حکموں اور ثالثوں کے فیصلے

تحکیم ترجیع اور ایسی اصطلاحوں سے مراد وہ امر ہوتا ہے کہ جب فریقین کسی متنازع فیہ مسئلے میں کسی تیسرے غیر جانب دار شخص کا فیصلہ قبول کر لیں اس قسم کے مسائل نہ صرف یہ کہ ملکی معاملات میں بلکہ بین الاقوامی تعلقات میں بھی پیش آتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا کافی ہوگا کہ ایسے فیصلوں کی حیثیت کار آمد نظائر کی سی ہوتی ہے اور مشابہ مسائل کی صورت میں ان کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس صورت میں ان کی قدر و قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگر ان فیصلوں میں وہ اصول بھی بیان کیے گئے ہیں کہ جن کی بناء پر وہ فیصلہ دیا گیا تھا۔

۷۔ سرکاری ہدایات

اسلامی قانون کا ایک ماخذ ان سرکاری ہدایات پر مشتمل ہے جو بحری اور بری سپہ سالاروں' سفراء' نمائندوں وزراء کو دی گئیں۔ خواہ وہ ہدایات شائع کر دی گئی ہوں یا صیغہ راز میں رکھی گئی ہوں۔ ان میں ہمارے موضوع سے متعلق کافی مواد موجود ہوتا ہے۔ سرکاری ہدایات دینے کی یہ رسم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر اب تک جاری ہے۔

۸۔ عرف و رواج

رواج اور تعامل پر اب تک سائنٹفک نقطہ نظر سے لکھنے کی کوشش نہیں کی گئی باوجودیکہ مسلم فقہ میں ''عرف'' ''عادت'' تعامل اور عموم بلدہ کی حیثیت بالاحجت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس سلسلے میں یورپین مستشرقین نے بات جس انداز سے کی ہے اس سے باہمی بعد میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اور بہر حال مشہور کہانی کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ '' آپ کے تمام رشتہ دار آپ سے پہلے وفات پائیں گے۔'' اور آپ اپنے تمام رشتہ داروں سے درازعمر ثابت ہوں گے' فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے نجومی کو دربار میں ذلیل کیا گیا اور دوسرے کو انعامات سے نوازا گیا۔ ان فطری انسانی کمزوریوں سے صرف نظر کر کے ہم کوئی خدمت سرانجام نہ دیں گے۔ موجودہ یورپی مستشرقین یہ

کہہ دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ اسلامی فقہ بہت حد تک رومن قانون سے متاثر ہوئی ہے اور یہ قول مسلمانوں کی تلخی کا باعث بنا ہے۔ ایک مشہور یہودی نژاد مستشرق نے رومن قانون کے اثر کی نفی کی ہے لیکن وہ اس نظریے کے حامل ہیں کہ اسرائیلی قانون نے اسلامی قانون کو متاثر کیا ہے اور ان کے اس نظریے کی بنیاد عہد نبویؐ میں مدینہ میں یہودیوں کی موجودگی پر رکھی گئی ہے۔ ایسے تمام نتائج اور الزامات کی پشت پر قابل اعتراض داعیے کام کر رہے ہیں اور اسی لیے مستشرقین اپنی تنگ نظری کا ثبوت دے کر رہ گئے اور اصل تصویر نہ پیش کر سکے۔

یہاں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کا موقع نہیں [۲۵]۔ لیکن اگر میں نے اس بات کی وضاحت نہ کی کہ عام طور پر مسلم قانون اور خاص طور پر مسلم بین الاقوامی قانون کے ماخذ میں عرف عام کو کیوں شامل کیا جاتا ہے تو غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

ہم سنت کے تحت یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ کے کسی فعل پر نکیر نہ کرنا اسے سند جواز بخش دیتا ہے چنانچہ یہ تقریر اس بات کی شاہد ہے کہ رواج عام نیا ہو یا پرانا قانون کا ایک ماخذ ہے۔ یہ متاخرین کے مشہور اصول کو الاصل الاباحۃ [۲۶] (یعنی جو ممنوع نہیں وہ جائز ہے) یا العرف الحاصل [۲۷] (عرف فیصلہ کن ہے) اس بات کو واضح کر دیتے ہیں کہ چند شرائط کے ساتھ تعامل اور روایات مومنین کے لیے قانونی ضوابط کا درجہ رکھتے ہیں۔

یہاں مسلمانوں کے قوانین اور مسلم قوانین میں خلط مبحث نہ ہونا چاہیے۔ اوّل الذکر سے میری مراد ان قوانین سے ہے جن کی پابندی مسلم ملت کے بعض حصوں میں کی جاتی ہے۔ مثلاً میراث اور شادی کے متعلق وہ رواجات کہ جنہیں جزیرہ نمائے ملایا شمالی افریقہ کے بربر علاقوں پنجاب[1] بمبئی اور مالابار کے علاقوں میں تسلیم کیا جاتا ہے درآنحالیکہ یہ رواج قرآن اور سنت کے واضح احکامات کے خلاف ہیں۔

جہاں تک صحیح اسلامی قانون کا تعلق ہے ہم جانتے ہیں کہ اسلام کا ظہور مکہ کے کفار تاجروں میں ہوا جو کہ ہمسایہ سلطنتوں کے سفر اختیار کرتے رہتے تھے بعد میں تحریک کا مرکز ثقل مدینہ کی طرف منتقل ہو گیا کہ جہاں ہزار ہا یہودی آباد تھے۔ پھر ہجرت کے بعد دس سال کے قلیل عرصے میں اسلامی ریاست کی حدود رومی اور ایرانی سلطنتوں کی حدوں سے جا ملیں۔

---

1 مغربی پاکستان میں اب شرعی قانون وراثت نافذ ہو چکا ہے۔

Marfat.com

اگلے پندرہ سال کے عرصے میں (یعنی ۲۷ ہجری میں) [۲۷] اسلامی افواج نے ہسپانیہ پر بھی یلغار کر دی تھی۔ (اگرچہ کئی نسلوں کے بعد طارق نے اس فتح کی تکمیل کی) اور اسلامی ریاست ایک عظیم ہلال کی مانند کوہ پائرنیز (اسپین اور فرانس کی سرحد پر) سے لے کر چین کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی اور فارس' عراق' شام' عرب ترکستان' آرمیبیا اور شمالی افریقہ کے سواحل اس میں شامل تھے چنانچہ اس طرح نہ صرف یہ کہ کفار مکہ اور دوسرے عربوں سے روابط پیدا ہوئے بلکہ یہودیوں' یونانیوں' ہسپانوی باشندوں' ایرانیوں' ترکستان کے بدھ باشندوں اور دوسری متمدن قوموں کے ان باشندوں سے تعلقات پیدا ہوئے کہ جنہیں حلقہ اسلام میں داخل کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جاہلیت کے حج اور (اسلام کے بنیادی رکن) اسلامی حج میں چنداں فرق نہیں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کی فتح کے بعد ایرانیوں کا مالیاتی قانون مکمل طور پر اپنالیا تھا۔ اور یہ کہ مسلمان فقہاء کی ایک بڑی تعداد بخارا سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں کہ کسی زمانے میں بدھ مت اور چینی تہذیب کا اثر تھا اور یہ کہ تابعین' تبع تابعین اور ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کے اساتذہ میں سے اکثر موالی تھے جو کہ پیدائشی لحاظ سے غریب عرب تھے اور جو کہ کسی صورت میں اپنے ممالک اور خاندانوں کی قبل اسلام کی حالت نہ بھلا سکتے تھے اور یہ کہ قرآن مجید [۲۸] کے اس بارے میں واضح احکام ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے رسولوں (علیہم السلام) کے قوانین کی پیروی کی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم [۲۹] قابل اعتماد طریقے سے ثابت ہے کہ جن معاملات میں اسلامی قانون میں کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہو وہاں مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کا طرز عمل اپنالینا چاہیے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ دور جاہلیت کا عمل بعض اوقات برداشت کیا بلکہ یہاں تک فرمادیا کہ **یعمل فی الاسلام بفضائل الجاهلیه** [۳۰] (اسلام میں دور جاہلیت کے فضائل پر عمل کیا جائے) تاہم اس امر کے بارے میں بھی کوئی شک نہیں کہ رومیوں' ایرانیوں اور دوسروں کے قانون ضوابط اسلامی قانون میں کسی تقدیس کے حامل نہیں بلکہ انہیں سہولت اور وقتی ضرورت کے تحت اپنالیا گیا تھا اگر وہ اسلامی قانون کے تحت مثبت اور واضح ہدایت کے خلاف نہ پڑتے تھے۔

Marfat.com

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس بات کے کہ کئی روایات رواج معروفات اور عادات کو اسلام نے مٹا دیا یا ان میں ترمیم کر دی۔ لیکن پھر بھی یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ان کے ایک عظیم بقیہ نے اسلامی قانون کے ایک قابل قدر ماخذ کا کام دیا ہے[۱۳]۔ (اس سلسلے میں ملاحظہ ہو میرا مقالہ ''رومن قانون کا اثر اسلامی قانون پر'' مجلہ حیدر آباد (اکیڈمی جلد چہارم)

پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اور سنت اسلام کے مستقل مثبت قانون کی حیثیت رکھتے ہیں ملکی قوانین اور معاہدے وقتی مثبت قانون کی حیثیت کے حامل ہیں اور باقی ماخذ کی حیثیت غیر مثبت فیصلہ جاتی قانون اور Suggested Law کی ہے۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ شرح التوضیح لمتن التوضیح (از صدر الشریعہ) صفحہ ۹

۲۔ مسلم الثبوت صفحہ ۵

۳۔ توضیح التلویح صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۹ نیز اصول الفقہ پر کسی کتاب کا باب حسن و قبح"

O Strong, Angora Ketorius Ch.Roots of Law D.B Macdonald, Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theroy-(New York) P.73 seq.

۴۔ قرآن مجید کے مطابق رسول خدا کا ہر فرمان وحی الٰہی پر مبنی تھا (وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی النجم آیات ۳ تا ۴) لیکن نبی کے تمام فرمان نماز میں تلاوت نہیں کیے جا سکتے' اس لیے وحی متلو اور وحی غیر متلو میں امتیاز کیا جاتا ہے۔

۵۔ مسند احمد بن حنبل (جلد ۱۔۶۹) الترمذی' النسائی وغیرہ بحوالہ کنز العمال جلد (۱۔۴۷۵۹)

۶۔ کنز العمال (جلد ۱۔۴۸۵۹) بحوالہ البخاری' الترمذی' النسائی' ابن سعد وغیرہم

۷۔ ابن ہشام (صفحہ ۱۵۔۴۱۔۱) کشف الاسرار' از عبدالعزیز البخاری (شرح از Pazdawiy) جلد ۳ صفحہ ۱۸۸

وقال الحسن رحمۃ اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اوتی قرانا ثم نسیہ فلم یکن شیئاً ولم یبق منہ شئی لما رفع اللہ تعالیٰ من قلبہ ذالک و کان ھذا جائزاً فی القرآن فی حیات النبی علیہ السلام۔

Marfat.com

۸ ابن ہشام سیرت رسول اللہ صفحہ ۲۲۶۔ابن سعد ۲/۳ صفحہ ۱۹۳

۹ ابن سعد ۲/۳ صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۳' البخاری باب فضائل القرآن باب القراء

۱۰ حضرت عمر کے ایک لشکر میں حفاظ کی تعداد تین سو تھی (کنز العمال' جلد ۱ صفحہ ۳۔۴)

۱۱ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۳۔۴ (بحوالہ بن الزنجوع)

۱۲ بخاری (محولہ بالا نیز ۹۳:۳۷' ۷۵:۳۳(۳) ابن سعد بحوالہ کنز العمال جلد ۱۔۲۔۴۷۷۔......

۱۳ بخاری ۶۶:۳۔۹۳:۳۷

۱۴ قسطلانی: عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱۔صفحہ ۶۔۴

۱۵ بخاری ۶۶۔۳ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۴۷۹

۱۶ سورہ النجم (۳ تا ۴) احزاب (۲۱) حشر (۷)

۱۷ بخاری جلد ۱۔۵۶۔۱۸۱

۱۸ ملاحظہ ہو الوثائق السیاسیہ از مصنف نیز میری دوسری کتاب Corpus des Traits et Letters Diplomatiques de l Islam پہلا مجموعہ صحابہ کے وقت سے شروع ہوتا ہے' نیز ملاحظہ ہو میرا مقالہ ابتدائی دور میں جمع حدیث Eerly Compilation of Hadith (Islamic Review, Woking May. 1949 اور صحیفہ ہمام بن منبہ واہمیتھا فی تاریخ تدوین الحدیث

۱۹ کشف الاسرار علی اصول النیر دوی للبخاری جلد ۳ صفحہ ۲۶۱۔

۲۰ محولہ بالا صفحہ ۲۶۲۔

۲۱ سورہ آل عمران (۱۵۹) شوریٰ (۳۸) محمد (۲۱) وغیرہ۔

۲۲ مندرجہ ذیل عنوان کے تحت شائع ہوا:

Corpus Juris di Zaid Ibn Ali (VIIIS. Che2)
la pin antica raccolta di legislazftie edi Jurisprudenza Muslumana finora ritorata testo araho pubper la prima volta sin mass iemenici delta .... Ambrosiana de E.Griffani; Milano, 1919

(کتاب المجموع)

Marfat.com

بروکلین نے اپنی کتاب جی اے ایل میں ایک اور فقہ وحدیث کی کتاب کا ذکر کیا ہے (موطا کی طرز پر) الامیری ف ۰ رنے مرتب کیا ہے لیکن الخطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ الامیری نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی امام مالک کے ایک بزرگ ہمعصر ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے موطا سے پہلے اپنی کتاب مرتب کی ہو لیکن یہ ہم تک نہیں پہنچی۔

۲۳ اسے فتاوٰی حنفیہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۴ جامع مسانید الامام الاعظم لابی المویدمحمد بن محمود الخوارزمی جلد ا۔ صفحہ ۳۲۔۳۳ شبلی سیرۃ النعمان جلد ۲ صفحہ ۷۸ امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی مولفہ حمید اللہ۔

۲۵ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو میرے ایک لیکچر کا نوٹ Islamic Culture جنوری ۱۹۳۹ء صفحات ۱۲۵ تا ۱۲۶) نیز میرا مقالہ ''رومن قانون کا اسلامی قانون پر اثر'' (حیدرآباد اکیڈمی سٹینڈرڈ نمبر ۶ ۱۹۲۳)

(IV.85ff)Raccolta di Seritfi کا مقالہ اپنی کتاب G.A.Nallino
Mystere de la formation et des origines کا مقالہ G.H.Basaanquet
du figh, (Revne Algerienno, etc., de Legislation etc., de
jurisprudence) (جولائی تا ستمبر ۱۹۴۷ء)

۲۶ واحل لکم ماور آء ذالکم (النساء آیت ۲۴) وقد فصل لکم ما حرم علیکم (الانعام ۱۲۰)

۲۷ طبری ''اخبار الرسل والملوک (جلد ا صفحات ۲۸۱۶ تا ۲۸۱۷) ابن الاثیر کامل (جلد ۳، صفحہ ۲۷) ذہبی: التاریخ الکبیر (Anno ۷۲) گبن زوال دولت روما جلد ۵ ۵۵ (مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس)

۲۸ انعام (۸۴ تا ۹۱) فبھداھم اقتدہ آل عمران (۹۵) + نحل (۱۲۳) ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً۔

۲۹ جامع الترمذی (باب الرجل)

۳۰ ابن حنبل: مسند (جلد ۳ صفحہ ۵۲۵)

۳۱ مفصل بحث کے لیے من جملہ ملاحظہ ہو:

المحبر از ابن حبیب (مرتبہ حیدرآباد ۱۳۶۱ھ) صفحات ۳۹۰ تا ۳۴۰

السنن النبی کانۃ الجاھلیۃ سنتھا فبقی الاسلام بعضھا واسقط بعضھا۔

(''چراغ راہ'' کراچی، اسلامی قانون نمبر۔ جون ۱۹۵۸ء)

اسلامی مملکت کا دستوری تصور اور اصول دستور

یہ مقالہ شہرۂ آفاق سکالر اور محقق اسلام علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (حال مقیم فرانس) نے شریعت سیمینار اسلام آباد منعقدہ ۹ تا ۱۱/ اکتوبر ۷۹ء میں پڑھا جو نذر قارئین ہے۔ (الحق)

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ سہولت بخش ہوتا اگر مدعو افراد کو ایک سوال بند بھی بھیجا جاتا تاکہ وہ کچھ تیار ہو کر آتے اور کچھ ایسی چیزیں بھی لکھ بھیجتے جن کی ضرورت ہے نہ کہ ایسے امور جو شاید تحصیل حاصل ہوں بہر حال فرمائش کی تعمیل اپنی حقیر قابلیت کے مطابق کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

بطور تمہید شاید یہ بیان کرنا بے حاصل نہ ہوگا کہ دنیا میں انسانوں کی حکومت کا باعث کیا ہوا ہے۔

دنیا میں انسان کی حکومت

عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت آدم و حوا شجرۂ ممنوعہ کے قریب گئے تو سزا کے طور پر انہیں جنت سے نکالا ملا اور خدا نے انہیں زمین پر بھیج دیا۔ اس پر دوبارہ جنت میں کیوں نہ داخل کر دیا گیا اور کیوں قید خانہ دنیا میں قیدی کو فرماں روائی دی گئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلیات کے باعث یہ خیالات مسلمانوں میں پھیلے ہیں کیونکہ قرآنی تصریحات سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔

قرآن مجید میں دو جگہ اس قصے کا ذکر ہے (سورۂ ۲ آیت ۳۷۔۳۸) میں ہے:

فتلقی ادم من ربه کلمات فتاب علیه انه هو التواب الرحیم

قلنا اهبطوا منها جمیعاً

دوسری آیت میں (سورہ ۲۰، آیت ۱۲۱ تا ۱۲۳) میں ہے:

وعصٰی ادم ربه فغوٰی ثم اجتبٰه ربه فتاب علیه وهدی قال اهبطامنها جمیعا.

دونوں جگہ صراحت ہے کہ توبہ قبول کرنے کے بعد خدا نے آدم وحوا کو حکم دیا کہ جنت سے ''ہبوط'' کرو، یہ بات معقول نہیں کہ توبہ قبول کرنے کے بعد کسی کو سزا دی جائے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن میں ''ہبوط'' کے معنی بلندی سے پستی میں گرا دیے جانے کے نہیں ملتے۔ یہ لفظ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ہے کہ طوفان کے اختتام پر کشتی سے نکل کر خشک زمین پر جائیں (یا نوح اهبط بسلام منا و برکات) اور دوسری جگہ ہے کہ بنی اسرائیل کو لذیذ تر چنور ین کی غذا مطلوب ہے تو صحرا کی جگہ شہر میں جا رہیں (اهبطوا مصراً فان لکم ماسالتم) غرض ہبوط کے معنی جانے کے ہیں، گرنے اور خراب تر حالت میں آنے کے نہیں۔ اس پس نظر میں حضرت آدم کا قصہ یہ نظر آتا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو پیشگی اطلاع دی ''انی جاعل فی الارض خلیفه) میں زمین میں ایک نائب بنانا چاہتا ہوں) فرشتوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس سے خاکی آدم مراد ہے تو انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ رتبہ تو کسی مطیع کو ملنا چاہیے نہ کہ مفسد اور سفاک کو لیکن جلد ہی فرشتوں نے اعتراف کر لیا کہ ان کا علم محدود اور ناقص ہے۔ اس کے بعد جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو خلافت پر تعین من مانے نہیں ہوا۔ قرآن کا بیان ہے:

اِنا عرضنا الا مانة علی السمٰوٰتِ والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوماً جهولا.

''ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور وہ ڈرے مگر انسان نے اپنی ناانصافی اور جہالت کے باوجود اسے قبول کر لیا۔''

یقیناً خدا کی نیابت ہر کسی نے چاہی ہوگی لیکن شرطیں انہیں کڑی معلوم ہوئیں یعنی خدا نے کہا کہ تقدیر تو میں کروں گا، لیکن جوابدہ خلیفہ قرار دیا جائے گا۔ اور اس پر اوروں کو ڈر لگا اور امانت قبول کرنے سے خود ہی ہو کر انکار کر دیا۔ دیوانہ بکار خود ہوشیار۔ انسان نے شاید یہ سوچا کہ

Marfat.com

خدا ظلم نہیں کرسکتا اور مجھے اس چیز کی سزا نہ دی جائے گی۔ جو میں نے نہ کی یا میرے امکان سے باہر ہو، پھر جب آدم علیہ السلام نے قبول کرلی اور خلائق عالم کا خلیفہ بن گیا تو اسے مسجود ملائک بھی بنایا گیا۔ اور جنت میں اسے رہنے کو جگہ دی گئی، اس کے کچھ بعد شجرہ ممنوعہ کا حادثہ پیش آیا۔ جب آدم وحوا نے معافی مانگی تو ان کی توبہ قبول ہوئی اور اس کے بعد انہیں حکم ملا کہ خلافت الٰہی کا جائزہ لینے زمین پر جاؤ۔ یہ سزا نہیں سرفرازی تھی، گھر جنت ہی میں رہا، ملازمت کرنے زمین پر بھیجا گیا، خدمت انجام دینے کے بعد گھر آئیں تو جنت ہی میں رہیں گے۔

چونکہ زمین یا کائنات کی عمر طویل تر رکھی گئی اور انسان کی عمر مختصر تر، اس لیے ناگزیر تھا کہ آدم کی وفات کے بعد ان کی اولاد اور ان کی اولاد کو تا قیام قیامت خلافت کرنی پڑے۔

یہ ہے انسان کی حکومت ارضی کا پس منظر، انسانی سماج کا ارتقاء معلوم ہے اور اس کا حرف اخیر ختم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کہلوایا گیا۔

اسلامی حکومت

تبلیغ نبویؐ کا تاریخی مطالعہ کریں تو نظر آتا ہے اسلام سے مراد شروع میں خدائے واحد کو ماننا اور اس کو حساب دینے کے لیے صحیح علم حاصل کرنا تھا (**اقراء باسم ربک الذی خلق٥ خلق الانسان من علق٥ اقراء و ربک الاکرم ٥الذی علم بالقلم٥ علم الانسان مالم یعلم٥**) اس کے بعد عمل صالح کا مطالبہ ہوا (**اما الیتیم فلا تقھر واما السائل فلا تنھر**) تبلیغ پر بہ استثناء چند ٹھٹھول ہوا اور اذیت دی جانے لگی جس سے نہ مبلغ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا گیا نہ ایمان والے رضی اللہ عنہم کو، جب اذیت ناقابل برداشت ہوگئی تو ہجرت حبشہ کا مشورہ دیا گیا لیکن مفسدین مکہ نے فوراً ایک وفد بھیج کر ان پناہ گزینوں کے استرداد کا مطالبہ کیا۔ نجاشی نے انصاف پسندی کے باعث انکار کیا تو اہل مکہ نے کھسیانی بلی کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل خاندان کا مقاطعہ کیا کہ کوئی نہ ان سے بات کرے نہ ان سے خرید وفروخت کرے نہ شادی بیاہ اور سارے قبائل مکہ اور ان کے اطراف واکناف کے حلیف قبائل نے اس میں شرکت کی۔ اس مقاطعے کے جو تین سال جاری رہا، شدت اتنی تھی کہ کئی آدمی بھوک پیاس سے مرگئے اور ایک معجزہ تھا کہ باقی جانبر ہوسکے۔ جب مقاطعہ آخر ٹوٹا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک شدید تر ابتلاء سے سابقہ پڑا۔ انیس بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

عنہا اور شفیق بزرگ خاندان ابو طالب نے وفات پائی اور نئے رئیس قبیلہ ابولہب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرد (یعنی کنبہ بدر) کر دیا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ جو چاہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مار ڈالے، قبیلہ نہ آپ کی مدافعت کرے گا نہ قاتل سے باز پرس۔ اس پر مجبوراً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک وطن فرمایا اور چاہا کہ طائف میں متوطن ہو جائیں لیکن وہاں کی فضا مکہ معظمہ سے بھی بدتر نظر آئی، کیا کریں اور کہاں جائیں؟ اس بے بسی کے عالم میں وہ مشہور عالم دعا کی جو خاتم الانبیاء ہی سے ممکن تھی اور جواب بھی دلوں کو تڑپا دیتی ہے:

اللهم اليک اشکو ضعف قوتي، وقلة حيلتي، وهواني على الناس، يا ارحم الراحمين انت رب المستضعفين، وانت ربی، الی من تکلتی ؟ انی بعيد يتجهمنی ام الی عدو ملکته امری؟ ان لم يکن بک علی غضب فلا ابالی، ولکن عافيتک هی اوسع لی، اعوذ بنورو جهک الذی اشرقت له الظلمات، وصلحت عليه امراء الدنيا والاخرة من أن ينزل بی غضبک، او يحل علی سخطک، لک العتبیٰ حتی ترضی ولا حول ولا قوة الا بک.

ایک عزم مصمم کے ساتھ مکہ ہی واپس ہوتے ہیں لیکن اسوۂ حسنہ قائم کرنا تھا، عالم اسباب کی ضرورتوں کے مطابق عمل فرماتے ہیں۔ مکے میں وہاں کے باشندے کی طرح نہیں ایک پناہ گزیں کی طرح جاتے ہیں اور مضافات میں پہنچ کر پہلے اپنی بیوی حضرت سودہؓ کے ایک رشتہ دار سہیل بن عمرو سے پناہ دہی کی خواہش کرتے ہیں۔ اس نے معذرت کی تو اخنس بن شریق سے جو آپ کی ماں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس نے بھی انکار کیا تو اپنی مرحوم بیوی حضرت خدیجہؓ کے ایک رشتہ دار مطعم بن عدی سے خواہش ظاہر کی۔ اس نے قبول کر لیا اور شہر سے باہر جا کر آپ کو ساتھ لے آیا۔ مگر اس کے معنی یہ تھے کہ اب آپ شہر مکہ کی "سیاست" میں حصہ نہ لیں۔ یعنی تبلیغ سے باز رہیں۔ اس کا حل آپ نے یوں فرمایا:

حج کے زمانے میں باہر سے آنے والے حاجیوں میں پرچار کریں اور ممکن ہو تو جا کر اس میں بس جائیں، اس کی کوشش کی اور یکے بعد دیگرے پندرہ قبیلوں کے حاجیوں میں گئے اور ناکام

Marfat.com

رہے۔ استقلال کے کیا کہنے پھر بھی ہمت نہ ہاری، آخر سولھویں گروہ نے جو چھ اہل مدینہ پر مشتمل تھا اسلام کو فوراً قبول کر لیا اور اس خلوص کے ساتھ گھر جا کر اس کی تبلیغ کی اور ایک سال بعد بارہ نئے جویائے حق لوگوں کو بھیجا۔ انہوں نے بیعت کرنے کے بعد التجا کی کہ ایک مبلغ و مدرس کو مدینہ بھیجیں۔ اس کی کوشش سے ایک ہی سال بعد بہتر ۷۲ آدمی حج کے زمانے میں آ کر نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ عرض کیا کہ آپ اور سارے مصیبت زدہ مسلمان مدینہ ترک وطن کر لیں۔

مکی مسلمان بتدریج مدینہ جانے لگے تو مشرکین کو خوف ہوا کہ کہیں ایک دن یہ مکے پر چڑھائی نہ کر دیں، اس لیے جڑ پر وار کرنا طے کیا، یعنی سرورِ کائنات ہی کو شہید کر دیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے یارِ غار ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ روانہ ہو جاتے ہیں، مگر اہل مکہ اس پر بھی چین لینے نہیں دیتے۔ انہوں نے اہل مدینہ کو دھمکی لکھ بھیجی کہ یا تو وہ آنحضرت کو قتل کر دیں یا اپنے ملک سے نکال دیں۔ ورنہ اہل مکہ مناسب تدبیریں اختیار کریں گے۔

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس فرما لیا کہ مذہب کی تبلیغ کے لیے اس کی مدافعت بھی ناگزیر ہے۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں آپ نے مدینے میں ایک شہری مملکت کی بنیاد رکھی۔ اس کے لیے جو تدبیریں اختیار کیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً مہاجرین کی بسر برد کا انتظام کیا اور اس کے لیے ان میں اور اہل مدینہ میں مؤاخات کی تجویز پیش فرمائی۔ اہل مدینہ کی نیک دلی نے چشم زدن میں کئی سو پناہ گزینوں کی ساری مشکلوں کو حل کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ اور اس کے پاس کے سارے مسلمانوں اور غیر مسلم قبائل کے نمائندوں کو جمع فرما کر ان سے فرمایا کہ تمہارے علاقے میں کوئی مملکت یا مرکزیت نہیں ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنے آپ پر تکیہ کرنے پر مجبور اور اپنے سے قوی تر دشمن کے مقابلے میں بے بس ہے۔ اس لیے کیوں نہیں یہاں ایک مملکت قائم کی جائے جس میں ہر قبیلے کو آزادی بھی رہے اور دشمن سے مقابلے کے لیے ہمسایوں کی معاونت بھی۔ بات دل کو لگی اور مسلمانوں غیر مسلم عربوں اور یہودیوں نے اسے قبول کر لیا۔ قبیلہ اوس کے تین قبیلے جو ابو عامر راہب کے تابع تھے اور غالباً عیسائی تھے اس سے الگ رہے اس طرح شہر مدینہ کے ایک حصے میں ایک شہری مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس کے لیے باہمی مشاورت سے ایک تحریری دستور بھی مدون ہوا جو من وعن تاریخ میں نقل ہو کر ہم تک پہنچا بھی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

Marfat.com

اس زمانے میں نہ صرف تبلیغ دین کا کام جاری رہا بلکہ تدبیریں بھی اختیار کی جاتی رہیں۔ مثلاً یہ حکم دیا گیا کہ مسلمان ہر جگہ سے ترک وطن کر کے مدینہ آ بسیں۔ اس طرح مسلمان جلدی ہی مدینے میں اقلیت کی جگہ اکثریت بن جائیں۔ محرم ۲ ہجری جسے ابتدائی زمانے میں ہجرت نبوی کے صرف نو ماہ بعد مدینے کے مضافات میں بین نامی مقام پر قبیلہ اسلم کے نومسلمانوں کی ایک نو آبادی ملتی ہے جیسا کہ سمہودی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

شہری مملکت مدینہ کی تاسیس کے فوراً بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے اطراف کے قبائل پر توجہ فرمائی۔ شمال میں جہینہ، جنوب مغرب میں بنی ضمرہ، بنی غفار وغیرہ کے علاقوں کا سفر کر کے ان کے سامنے بھی دفاعی حلیفی پیش کی۔ کہ تم پر کوئی حملہ کرے تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور ہم پر کوئی حملہ کرے تو تم بھی ہماری مدد کو آؤ۔

جب اس میں معتدبہ کامیابی ہوئی اور اسلامی سرزمین کی حفاظت کے ابتدائی انتظامات حسب دل خواہ مکمل ہو گئے تو مکے کو زیر کرنے کی تدبیر شروع کی گئی اور اس کے لیے جنگ کی جگہ، معاشی دباؤ کو ترجیح دی گئی چنانچہ حکم دیا گیا کہ مکے کے تجارتی کارواں (عراق، شام اور مصر) کو جانا چاہیں تو مدینے اور اس کے زیر اثر (حلیف) علاقے سے نہ گزریں۔ اہل مکہ نے اسے قبول نہ کیا اور زبردستی گزرنا چاہا، اس پر بدر، اُحد اور خندق کی جنگیں ہوئیں۔ پھر حدیبیہ کی صلح اور آخر میں فتح مکہ اور اہل مکہ کے خوش دلانہ اسلام قبول کر لینے پر اس کشمکش کو جو بیس سال جاری رہی حسن اختتام نصیب ہوا۔

اس اثناء میں دوسرے محاذوں پر بھی عملیت جاری رہی۔ اور فتح مکہ کے اڑھائی سال بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو اس وقت اسلامی مملکت جو سن ہجری میں شہر مدینہ کے ایک حصہ پر شروع ہوئی تھی بڑھتے بڑھتے تین ملین مربع کلومیٹر علاقے پر پھیل گئی تھی۔ اور عجوبہ روزگار یہ ہوا تھا کہ روزانہ ساڑھے آٹھ سو مربع کلومیٹر کے مسلسل الحاق کے باوجود دشمن کا ماہانہ مشکل سے ایک آدمی میدان جنگ میں قتل ہوتا رہا۔ دس سال کے ایک سو بیس مہینوں میں بمشکل دشمن کے دو سو آدمی کھیت رہے اور تین ملین کلومیٹر کو اسلامی امن چین اور خدائی حکومت نصیب ہوگئی۔

اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں اس لیے چند نکات کی طرف اشاروں پر اکتفا کروں گا۔

Marfat.com

تحریری دستور

رسولِ امّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاریخ عالم میں پہلی دفعہ تحریری طور پر دستورِ مملکت مدون اور نافذ فرمایا۔ ابن ہشام کی سیرت رسول اللہؐ نے ،ابوعبید کی کتاب الاموال نے اور ابن خیثمہ کی روایت کو ابن سید الناس نے نقل کیا ہے اور یہ باون دفعات پر مشتمل ایک جامع دستور ہے جس میں اس زمانے کی ساری ضرورتوں کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً پہلی دفعہ میں ذکر ہے کہ مسلمان انصار و مہاجرین سے ان کے تابع ہونے والوں اور ان کے ہمراہ جنگ پر آمادہ لوگوں پر مشتمل ایک ''امت'' قائم کی جاتی ہے جو ساری دنیا کے مقابلے میں ایک مستقل وحدت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یہودیوں کے لیے کامل دینی آزادی کی صراحت ہے۔ مسلمانوں میں عاقل یعنی سماجی بیمے کا نظام قائم کیا گیا ہے اور دلچسپ طور پر قبائلیت کے خاتمے کا انتظام کیا گیا ہے۔ چنانچہ اول تو یہ حکم ہے کہ اگر ایک قبیلے کی ضرورت کے لیے اس کا اپنا معاقل سرمایہ کافی نہ ہو تو دوسرے ہمسایہ قبیلوں کی انجمن ہائے بیمہ اس کی مدد کریں اور اس سے بڑھ کر یہ مکی مہاجرین کا ایک نیا قبیلہ قائم کیا گیا۔ اہل مکہ ایک نہیں بہ کثرت قبیلوں کے تھے مگر ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ سارے مہاجرین کا ایک قبیلہ مہاجرین قرار دیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں قبیلہ خونی رشتہ داری پر نہیں بلکہ ہم خیال لوگوں کی خواہش اتحاد پر مبنی ہو۔ اس طرح قبائلی اختلاف کی جگہ اسلامی اتحاد ذہنوں میں راسخ کیا گیا اور جلدی ہی دارالسلام اور دارالکفر دنیا میں صرف دو قومیں قبول کی گئیں۔ جب تک مسلمانوں نے اسے نہ بھلایا۔ " اسمعوا واطیعوا ولو امر علیکم حبشی اجدع "اولادِ آدم کی خوش بختی کا سامان کرتی رہی۔ مغرب جدید کی خونی ، رنگی ، زبانی اور جغرافی قومیتیں مسلمانوں میں آئیں تو مسلمانوں ہی کے لیے نہیں، ساری انسانیت کے لیے خسارے کا باعث بنیں اور بدقسمتی سے ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اس دستور میں انصاف کو افراد یا قبیلے سے بھی لے کر مرکز کے سپرد کیا گیا ہے۔ جو اس زمانے کے لیے ایک انقلابی واقعہ تھا۔ عدل گستری اگرچہ ایک حد تک قبائلی سرداروں کے سپرد رہی۔ لیکن ایک تو بین القبائل جھگڑوں میں اور دوسرے مرافعہ (اپیل) میں مرکز سے رجوع ناگزیر تھا۔ جنگ اور صلح کو مشترکہ مفاد کا مسئلہ قرار دیا گیا اور ناقابل تقسیم یعنی یہ نہیں کہ چند کنبوں اور قبیلوں سے صلح ہو اور باقی رعایا سے جنگ۔ قانون سازی بھی مرکزی مسئلہ رہی اور ہر ملت (مسلمان ،

Marfat.com

یہودی وغیرہ) من حیث الکل خودمختار رہی اور ظاہر ہے کہ اسلام کے لیے قرآن وحدیث ہی واحد ماخذ تشریع رہے۔

اس دستوری دستاویز کی کامل تحلیل یہاں سے محل ہوگی۔

طرز حکومت

قرآن مجید میں صرف بادشاہوں کا ذکر ہے۔ اچھے بادشاہ بھی جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام اور بُرے بادشاہ بھی جیسے فرعون اور نمرود۔ دوسرے الفاظ میں بادشاہت کوئی ممنوع طرز حکومت نہیں قرآنی آیت ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ بلقیس کے اس قول کو قرآن نے نقل کیا ہے اور وہ بُرے بادشاہوں کے طرز عمل سے عبارت ہے۔ جس طرح خضر علیہ السلام کے قصے میں بیان شدہ اچھے جہازوں کو ظلم سے ضبط کرنے والے بادشاہ کا ذکر ہے کہ:

کان وراءھم ملک یاخذ کل سفینۃ غصبا۔

قرآن میں جمہوریت کا کہیں ذکر نہیں ہے اگر چہ قبل اسلام یونان وروما میں جمہوریتیں قائم ہو چکی تھیں۔ سنت نبویؐ میں مشترکہ حکمرانی کو برقرار رکھنے کا بھی ذکر ہے۔ (جو آج کل بعض ملکوں میں پائی جانے والی جماعتی کابینہ گورنمنٹ سے مشابہت رکھتی ہے) چنانچہ عمان میں جیفر بن الجلندی اور عبد بن الجلندی دو بھائی مشترکہ حکمران تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اسلام لانے پر انہیں ان کی مشترکہ حکمرانی پر برقرار رکھا۔

اس صورتحال کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر مسلمانوں نے بادشاہت قائم نہیں کی اور نہ بادشاہت کو واجب سمجھا بلکہ صرف جائز قرار دیا۔ اور اپنے لیے خلافت راشدہ کو پسند کیا۔ یعنی بادشاہت سے مراد ایک خاندان میں موروثی طور پر حکمران کا پایا جانا ہوتا ہے جو تاحیات حکمرانی کرتا ہے اور عموماً کارفرما حکمران اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو اپنا جانشین نامزد کرتا ہے اور کبھی اتفاقاً وہ کسی کی نامزدگی کے بغیر مر جائے تو ارباب حل وعقد اس کے کسی رشتہ دار کا انتخاب کر لیتے ہیں اور کوئی دشمن فتح اور غلبہ حاصل کرے تو اسے تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر ایک نیا خانوادہ برسر اقتدار آ جاتا ہے۔ جمہوریت میں مادام الحیات کی جگہ معین مدت کے لیے انتخاب عمل میں آتا ہے۔ جمہوریت ہی نہیں بادشاہت میں بھی حکمران کے فرائض اور اختیارات معین ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ اس بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین نہیں کیونکہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ بھی بیک وقت نبی اور بادشاہ تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر آپ کے چچا عباسؓ اور چچا زاد بھائی علیؓ کی خواہش ضرور نظر آئی کہ خانوادہ وار اور وراثتی حکومت قائم کریں لیکن امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: **لن نستعمل علیٰ امرنا من ارادہ** (کوئی شخص حکومت کے کسی عہدے کا خواہش مند ہو تو ہم اسے کبھی اس پر مامور نہیں کریں گے) صحابہ کی اکثریت نے جب اپنے لیے خلافت راشدہ (یعنی غیر موروثی منتخب اور مادام الحیات حکمران) کو پسند کیا تو خدا نے اہل بیت نبوی کو اس برائی سے بچا دیا۔ جس میں وہ بے خیالی سے ملوث ہونا چاہتے تھے۔

جیسا کہ عرض ہوا۔ خلافت راشدہ کی کوئی جمہوریت نہ تھی کیونکہ خلفاء راشدہ کا انتخاب معین مدت کے لیے نہیں کیا جاتا تھا۔ جو جمہوریت کا اساسی اصول ہے۔ وہ بادشاہت بھی نہ تھی کیونکہ رشتہ دارانہ وراثت کا اس میں لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے امام حسن کو ولی عہد نامزد کیا تھا، اگر یہ صحیح ہے تو خانوادہ وار بادشاہت اور باپ کے بعد بیٹے کے جانشینی نہ صرف "**وورث سلیمان داؤد**" کی آیت پاک کے مطابق ہوگی۔ بلکہ خلفائے راشدین کی نظیر بھی اس کی تائید میں پیش کی جا سکے گی۔

خلافت راشدہ کے انتخاب میں ہمیں کئی اصول کارفرما نظر آتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کا انتخاب ارباب حل وعقد خود کرتے ہیں کیونکہ سابق حکمران کی کوئی سفارش صراحت سے موجود نہ پائی گئی۔ حضرت عمرؓ کے لیے سابق خلیفہ نے صراحت کی انکی وفات پر چھ بہترین افراد جن کا نام اس وصیت نامے میں تھا۔ کسی ایک کا اپنے میں سے انتخاب کرلیں۔ اور اگر رائیں مساوی ہو کر گتھی پڑ جائے تو ایک ساتویں رکن کو بھی نامزد کیا کہ صرف گتھی کی حالت میں رائے دے اور وہ بھی اس فریق کے لیے جس کی طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے تو عبدالرحمٰن کو یاد فرمایا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید مجھ ہی کو ولی عہد بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے آتے ہی سلام کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے خلیفہ نامزد نہ کیا جائے۔ مجلس انتخاب نے انتخاب کا فریضہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سپرد کر دیا۔ اور جیسا کہ ابن کثیر نے صراحت سے بیان کیا ہے انہوں نے کئی دن اور

Marfat.com

کئی رات شہر مدینہ کے ہر طبقے کے لوگوں سے رائے پوچھیں۔ عالموں سے بھی، تاجروں سے بھی۔ عارضی مقیم مسافروں سے بھی۔ طلبہ سے بھی، اساتذہ سے بھی، مردوں سے بھی، عورتوں سے بھی اور دیکھا کہ ان ہزاروں آدمیوں میں سے صرف دو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باقی حضرت عثمانؓ کے لیے تھے۔ اس رائے طلبی کے بعد بھی انہوں نے دونوں امیدواروں سے پوچھا، کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ قرآن اور سنت نبوی اور ابوبکرؓ وعمرؓ کی نظیروں کے مطابق عمل کرو گے؟

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاں کہا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ قرآن و حدیث بے شک، لیکن ابوبکرؓ وعمرؓ کی طرح مجھے بھی اجتہاد کا حق ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت عثمانؓ کے انتخاب کا اعلان کیا۔ جہاں تک امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ہے ہم نے ابھی اوپر بیان کیا کہ بعض مؤرخوں کے مطابق انہیں ان کے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانشین نامزد کیا تھا اگرچہ دوسرے مؤرخ کہتے ہیں کہ ان کے الفاظ یہ تھے۔

''حسن کی بیعت کا نہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔''

اقتدارِ اعلیٰ

اقتدار اعلیٰ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قانون سازی ہو یا کوئی اداری و انتظامی امر، حرف آخر کسے حاصل ہو؟ اس سلسلے میں اکثر اسلامی ممالک میں آج کل ڈیموکریسی کی اصطلاح روزافزوں استعمال ہونے لگی ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنے ہیں عوام الناس کی حکومت، یعنی اہل ملک کی اکثریت کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے اور یہ ہر امر میں، عوام یا انکے نمائندے مذہب کو بھی بدل سکتے ہیں دن کو رات یا رات کو دن کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایسا نہ کریں۔ لیکن انہیں ایسا کرنے کی کامل آزادی حاصل ہے۔ اس وجہ سے یہ اصطلاح اسلامی حکومت کے لیے موزوں نہیں۔ اس لیے پاکستان نے یہ طے کیا تھا کہ اقتدار اعلیٰ خدا کی ذات کو حاصل ہے اور یہ انسان کی امانت میں دیا گیا ہے۔ یعنی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احکام دیئے ہیں وہ بدلے نہیں جا سکتے اور قرآن وسنت کے سکوت کے وقت قرآن وسنت میں بتائے ہوئے اصول کے مطابق احکام کو استنباط کیا جائے۔ خاص کر حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

"تحکم، بکتاب اللہ، فان لم تجد فبسنة رسول اللہ؟ فان لم تجد اجتهد برائی."

قرآن میں بارہا مشورت پر زور دیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں **سبعین رجلا لمیقاتنا** میں کثیر جماعت کی ایک متناسب قلیل جماعت کے ذریعے سے نمائندگی کا جواز بھی بتایا گیا ہے لیکن طریقہ انتخاب کی تفصیلیں نہ ہونے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں انسان کو حسب ضرورت عمل کی آزادی ہے۔

جو لوگ انتخاب کرتے ہیں انہیں معزول کرنیکا بھی حق ہونا ناگزیر ہے مثلاً ہمارے بڑے فقہاء میں سے کاسانی (بدائع الصنائع، ج ۱۔ص ۱۶) نے خلیفہ کو وکیل سے مشابہت دی ہے اور جس طرح کوئی مؤکل جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کرسکتا ہے۔ خلیفے کو بھی اصحاب حل وعقد معزول کرسکتے ہیں۔ ان حالات میں حکمران کے مادام العمر انتخاب میں کوئی عملی قباحت بھی نہیں رہتی۔ ملک کی مجلس مشاورت جب چاہے نااہل حکمران سے گلوخلاصی کرسکتی ہے۔ موقتی انتخاب میں اچھے حکمران کے تجربوں سے محرومی سے سابقہ رہتا ہے۔

یہ بھی یاد دلانا چاہیے کہ اسلامی نظام میں بیعت کو ہمیشہ سے اہمیت رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے لوگ ہی بیعت کرتے اور اطاعت کا وعدہ کرتے تھے۔ اگر کسی حکمران نے اپنے جانشین کو نامزد بھی کیا ہو تو وہ صرف سفارش ہوتی ہے اور اس کی تکمیل کے لیے ارباب حل وعقد بیعت کرتے ہیں جو لوگ بیعت کر کے کسی کو مامور کرتے ہیں تو وہ معزول بھی کرسکتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ خود حکمران استعفا بھی دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں امام حسن کی مثال دی جاسکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر ان کے متبعین نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی لیکن فوج میں اتنی بدنظمی تھی کہ انعام واکرام کے مطالبے پر جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسب دل خواہ رقم تقسیم نہ کی تو فوج نے خلیفہ کا خیمہ لوٹ لیا اور وہ زخمی ہو کر جان بچا کر وہاں سے بھاگ سکے اور مدینے میں پناہ لی۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے معاہدہ کر کے اپنی خلافت سے ان کے حق میں دست برداری دی اور یہ شرط کی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد وہ ساری اسلامی سرزمین کے خلیفہ ہوں گے (مگر وہ حضرت معاویہؓ کے جیتے جی فوت ہو گئے۔)

غیر مسلم رعیت

اسلام نے " لا کراہ فی الدین" کا قابل ناز اصول قائم کیا ہے۔اسی طرح غیر مسلم لوگ اگر رعایا بننا قبول کریں تو انہیں ہر طرح کی آزادی رہتی ہے اور اس سلسلے میں " ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ" کا اصول بھی قرآن مجید نے صراحت سے واجب قرار دیا ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ عہد نبوی ہی سے غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں نہ صرف ضمیر، دین اور عبادت کی، بلکہ قانون کی بھی خود اختیاری حاصل رہی ہے۔کسی مقدمے کے چاہے دیوانی ہو یا فوجداری، فریقین مثلاً عیسائی ہوں تو عدالت بھی عیسائی، حاکم عدالت بھی عیسائی اور قانون بھی عیسائی ہوتا ہے اور مرافعہ (اپیل) تک اسلامی عدالت میں نہیں آتا۔

اس میں دو ایک ذیلی استثناء ہیں۔اگر غیر مسلم فریقین خود اپنی ملی عدالت کو ترک کریں اور اسلامی عدالت میں رجوع کریں تو اس سے انکار نہیں کیا جاتا۔اصولاً تو اس صورت میں فریقین پر اسلامی قانون نافذ ہونا چاہیے تھا، لیکن عہد نبوی کی متعدد نظیریں ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان غیر مسلموں پر جو آپ کے پاس رجوع ہوئے تھے انہیں کا قانون نافذ فرمایا۔ غالباً اسی وجہ سے امام محمدؒ شیبانی نے اپنی کتاب السیر الکبیر میں صراحت کی ہے کہ ان کے زمانے میں مسلمان قاضی غیر مسلم فریقین پر انہیں کے قانون کیمطابق فیصلہ کیا کرتا تھا۔

دوسرا مسئلہ جس میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی مقدمے کے فریق دو مختلف ملتوں کے ہوں ایک عیسائی اور ایک یہودی یا ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم۔اس کا تعلق تصادم قوانین (کنفلکٹ آف لاز) سے ہے اور علی العموم مدعی علیہ کے قانون کیمطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔غیر مسلم رعایا کو مذہبی اور قانونی خود اختیاری دینے سے تجربہ بتاتا ہے کہ اسلامی حکومت کو کبھی نقصان نہ پہنچا۔خلفائے راشدین کے زمانے سے لے کر حروب صلیبیہ اور اس کے بعد تک ان گنت نظیریں ہیں کہ جب کبھی کسی غیر مسلم حکمران نے اسلامی سرزمین پر حملہ کیا اور اپنے ہم مذہب ذمیوں کو اکسایا کہ بغاوت کریں تو انہوں نے ہمیشہ یہ جواب دیا کہ ہم تیری رعیت بننے پر مسلمانوں کی رعیت رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔عیسائی مؤرخوں اور پادریوں نے جل کر ان "فضیحت آمیز" جوابات کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

اس قانونی مرکز گریزی سے بعض دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو اس کا چودہ سو سال سے تجربہ ہے۔ مثلاً غیر مسلم رعایا کو شراب نوشی اور شراب فروشی کی آزادی رہ سکتی ہے۔ اور مسلمان اس سے ''فائدہ'' نہیں اٹھاتا۔ غیر مسلم کتابیہ عورت سے مسلمان نکاح کرے تو غذا کے علاوہ بچوں کی تعلیم وتربیت کے مسئلے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ مشترکہ مسائل میں غیر مسلم رعیت کو مشاورت میں بھی شریک رکھا جاتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کی نظیریں اس بارے میں موجود ہیں۔

مالی مسائل میں چند نکات قابل ذکر ہیں۔ غیر مسلم رعیت کو شراب وخنزیر جیسے امور ہی میں نہیں بلکہ نقد رقم کی زکوٰۃ سے بھی مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم نظم ونسق کو الگ الگ رکھا گیا تو غیر مسلم ملت کے انتظامی مصارف کے لیے زکوٰۃ النقدین سے اسلامی مرکزی حکومت نے دست برداری دے دی اور وہ رقم غیر مسلم خود وصول کرتے اور خود خرچ کر سکتے تھے۔

دیگر محاصل (ٹیکس) مثلاً زکوٰۃ التجارۃ، زکوٰۃ المعادن وغیرہ مرکزی حکومت ہی سے متعلق اور چونکہ غیر مسلم رعیت سودخوری کی آزادی سے زیادہ تیزی سے متمول ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس سے بعض محاصل زیادہ بڑی شرح سے لیے جاتے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ التجارہ مسلمان سے اڑھائی فیصد تو ذمی سے پانچ فیصد اور اجنبی سے 10 فیصد لی جاتی رہی۔ زکوٰۃ الارضی میں مسلمان سے پیداوار کا عشر لیا جاتا تو غیر مسلم سے معاہدات کے مطابق معینہ خراج لیا جاتا اور یہ ہر علاقے میں مختلف رہا ہے۔ ایسی بھی نظیریں ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ذمی سے اس کی خراجی زمین خریدی تو اسلامی محکمہ مالیہ نے ان سے عشر کی جگہ سابقہ خراج ہی کی مقدار میں محصول کا مطالبہ کیا تھا۔

جزیہ عجیب سا مسئلہ ہے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مروی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو میں اس کی ماں کی قوم یعنی قبطیوں سے جزیہ معاف کر دیتا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب ایک قحط کے زمانے میں ایک یہودی نے نہر سویز کی پیشرو نہر کے مقام کی نشاندہی کی جو مٹی سے بھر کر غائب ہو چکی تھی اور وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہر امیر المومنین کھدوا کر مصر سے

Marfat.com

بحیرہ قلزم کو ملایا اور مصر سے کشتیاں راست مدینے کے قریب بندرگاہ تک جا پہنچ سکیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوش ہو کر اس یہودی کو تاعمر جزیے سے مستثنیٰ فرمادیا۔

پاکستان کے آغاز پر جب ایک مجلس تعلیمات اسلامی قائم کر کے مجلس دستور ساز اسلامی کا انتظام کیا گیا تو اس مجلس نے مذکورہ نظائر کی موجودگی کے علاوہ اس امر پر بھی توجہ منعطف کرائی تھی کہ آج کل غیر مسلم مملکتوں میں لاکھوں کروڑوں مسلمان بستے ہیں اور ہندو، عیسائی اور یہودی مملکتوں میں رہنے والے مسلمانوں پر اسلامی مملکتوں کے جزیے کے ردعمل کا امکان ہوگا۔ یہ امر البتہ اسلامی مملکتوں کے غور کا محتاج ہے کہ ان کے ہاں تو عیسائی یہودی اور ہندو وغیرہ غیر مسلم داخلی خود اختیاری رکھتے ہیں لیکن مغربی ممالک میں نہ صرف عارضی مقیم بلکہ وہاں کی مسلم رعایا کو بھی نکاح، طلاق، وراثت جیسے مسائل شخصی میں بھی اسلامی قانون پر عمل کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اسلامی مملکتوں کے لیے آسان ہے کہ اپنی دوست غیر مسلم مملکتوں کو دوستانہ مشورہ دیں کہ ان کے ہاں بھی مسلمان ساکنین کو مقامی قانون سے مستثنیٰ کر کے اسلامی قانون پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے۔

متفرقات

حکومت کے فرائض، مغرب میں تنفیذیہ، تشریعیہ اور عدلیہ تک محدود سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی تصور حکومت میں ثقافیہ کے اضافہ کرنے پر مجبور ہے۔ کہ اسلام کا مقصد حیات ہی حکومت الٰہی کا پرچار ہے۔ شعائر اسلامی کا نفاذ اسلامی مملکت میں نہ ہو تو کہاں ہو سکے گا؟ اس کی تفصیل میں گئے بغیر شاید عورت کے پردے کے متعلق چند الفاظ پر اس حقیر یادداشت کو ختم کیا جاتا ہے۔

عورت کے لباس کے متعلق آج کل مسلمان اہل قلم میں کچھ اختلاف نظر آتا ہے۔ بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ ڈھانکنا ضروری نہیں اور یہ لوگ دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ایک حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ایک دن وہ رقیق لباس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں گئیں تو فرمایا: اے اسماء، جب عورت بالغ ہو جائے تو اسے سارا بدن ڈھانکنا چاہیے، بجز چہرے اور ہاتھوں کے۔

Marfat.com

دوسری حدیث یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وعظ فرمایا: تو سانولے رنگ کی ایک عورت نے اٹھ کر کچھ سوال کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جواب دیا (یعنی عورت بے نقاب تھی، اور اسے سب لوگوں نے دیکھا۔)

ان دونوں حدیثوں کا زمانہ معلوم نہیں۔ آیا نقاب کی آیتوں کے نزول سے پہلے کی ہیں یا بعد کی۔ دوسرے حضرت اسماء کے متعلق یہ نہ بھولنا چاہیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سالی یعنی محرم تھیں (کہ دو بہنوں سے بیک وقت نکاح نہیں کیا جا سکتا) اور سالی سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ اور نقاب کے سلسلے میں اجنبیوں، قریبی رشتہ داروں اور محرموں میں فرق کیا جاتا ہے۔ سانولے رنگ والی عورت کے قصے میں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کوئی آزاد عورت تھی یا لونڈی (اور لونڈی کو نقاب کرنے کی ضرورت نہیں) نہ یہ معلوم کہ وہ جوان عورت تھی یا معمر کہ معمر عورت کو بھی نقاب کی ضرورت نہیں۔

ان حالات میں مذکورہ حدیثوں سے عام عورت کے متعلق استدلال بحث طلب ہو جاتی ہے۔ عام اسلامی قانون قرآن کی دو آیتوں میں ہے۔ پہلے جلابیب کا حکم نازل ہوا اور عورتیں گھر سے باہر جاتیں تو برقع پہن لیتیں اور سارا چہرہ بھی ڈھانپ لیتیں (اور راستہ دیکھنے کے لیے ایک آنکھ البتہ نقاب سے باہر نکالتیں) ان سے غالباً یہ مطلب لیا گیا کہ گھر میں شوہر کے ملاقاتیوں سے پردہ کی ضرورت نہیں۔ اس پر ''خمرھن'' کی آیت نازل ہوئی کہ اجنبی مردوں سے جہاں بھی رہو چہرہ ڈھانکنے کی ضرورت ہے۔ کام کاج سے روکنے یا کمانے کی ممانعت کا سوال نہیں۔ نہ تعلیم کی بندش بلکہ صرف اجنبیوں کے سامنے نقاب ڈالنے کا حکم ہے۔

میں ممنون ہوں کہ مجھے اپنے ناچیز خیالات کے عرض کرنے کی عزت بخشی گئی۔ ممکن ہے کہ میرے خیالات پر اعتراض کی گنجائش پائی جائے اور میں خوشی سے اپنے خیالات بدلنے پر آمادہ ہوں۔ اگر کوئی مدلل چیز بیان کی جائے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

کتابیات۔ (میری ناچیز تالیفیں)

(ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک۔ دسمبر ۱۹۷۹ء)

Marfat.com

اسلامی قانون اور بیرونی اثرات

ایک طرف ہمارے یورپی مؤلف ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اچھی چیز کسی مشرقی سے ممکن ہی نہیں۔ ان کا بیان ہے بلکہ ادعا ہے کہ اسلامی فقہ صرف قانون روما کی معرب شکل کا نام ہے اور وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مجھے علم نہیں کہ بیرون ہند مسلمان ماہرین قانون نے حالیہ زمانے میں اس پر کچھ تحقیق کی ہو، ہند کی حد تک امیر علی اور عبدالرحیم نے باوجود اپنی اعلیٰ قابلیتوں کے اس بارے میں کوئی محنت اور کوشش نہ کی اور قانون اسلام پر اپنی تالیفوں میں "ممکن ہے کہ" اور "شاید کہ" وغیرہ الفاظ کے ساتھ چند سطروں میں یورپی مؤلفوں کے خیالات ہی کو ذرا نرم پیرائے میں دہرادیا ہے۔

ایک طرف یہ اور دوسری طرف ہمارے بعض قدامت پرست مؤلفوں کو قانون روما کے نام سے اتنی چڑ ہوگئی ہے کہ اس سے واقفیت بھی پیدا کیے بغیر اس کے وجود سے انکار کر بیٹھے ہیں۔ اردو کے ایک مشہور مؤلف سے جن کا نام لکھنے کی ضرورت نہیں یہ لکھنے کی توقع نہ تھی کہ قانون روما صرف ایک ایک سطری بارہ اصولوں کا نام ہے۔ مجلس دہگانہ کا مرتب کردہ بارہ الواح کا ابتدائی رومی قانون تک بارہ جملوں سے کہیں زیادہ پر مشتمل ہے۔ بعد کے زمانے میں گایوس اور جسٹی نین کے تدوین کردہ مجموعہ ہائے قانون بھی کافی ضخیم ہیں۔ اگر فقہ پر قانون روما کا اثر پڑا تو فقہ کی قیمت گھٹ نہیں جاتی اور اگر اثر نہیں پڑا تو اس کی موجودہ قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہو جاتا۔ بیرونی اثرات کو نہ تو ہوّا بنا دینا چاہیے، نہ ڈھکوسلا بلکہ واقعات کو دیکھنا چاہیے کہ اصل میں کس طور سے پیش آئے تھے۔ فقہ کی توسیع و ارتقاء میں بیسیوں بیرونی ماخذوں سے مدد لی گئی ہے۔ قرآن و حدیث نے جن چیزوں کو حرام کر دیا اسے کسی بیرونی اثر نے جائز نہیں بنایا اور جو چیزیں واجب قرار دی گئی

Marfat.com

تھیں بیرونی اثرات بھی ان کو مسلمانوں کے نزدیک ناجائز قرار نہیں دے سکتے۔ صرف جن چیزوں سے قرآن وحدیث ساکت تھے ان کے متعلق معقول روایات جو قرآن وحدیث کے الفاظ اور روح کے خلاف نہ تھے قبول کیے گئے اور جاری رہنے دیئے گئے۔ خود قرآن نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام .... وغیرہ ایک درجن سے زائد پیغمبروں کا نام لے کر آخر میں حکم دیا کہ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (ان کی ہدایت پر چلو) اسی طرح جب پیغمبر اسلام کے متعلق لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے الفاظ استعمال کیے تو بعینہ یہی الفاظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی اور عام طور پر دیگر پیغمبروں کے متعلق بھی قرآن نے استعمال کیے۔ توریت وانجیل وغیرہ کی قانونی حیثیت قرآن نے تسلیم کی تو ان کے متعلق پیغمبر اسلام کا یہ طرزِ عمل بخاری، ترمذی وغیرہ میں مروی ہے کہ اگر کسی بات کے متعلق آپ کو راست وحی نہ آتی تو آپ اہل کتاب کے رواج پر عمل کرنا پسند کرتے۔ مسند احمد بن حنبل (۳/۴۲۵) میں ایک اور دلچسپ حدیث غیر اہل کتاب کے متعلق یوں مروی ہے کہ " يعمل في الاسلام بفضائل الجاهليت" (اسلام میں زمانہ جاہلیت کی اچھی باتوں پر عمل کیا جائے گا) حج جیسے رکن اسلام کے متعلق کون نہیں جانتا کہ بجنسہ زمانۂ جاہلیت کا ادارہ ہے جس کی اسلام میں مشرکانہ اور نامناسب رسمیں حذف کردی گئیں اور یہ کہنا دشوار ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی جن چیزوں کو اسلام نے برقرار رکھا وہ سب کی سب انبیائے سلف اور خاص کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت تھیں۔ خون بہا کے سو اونٹ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ...... عبدالمطلب نے ایک کاہنہ کی تجویز پر قبول اور رائج کیے تھے۔ غرض اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ خود مشرک عربوں کے اپنے رواجات میں بھی کچھ معقول چیزیں ہوں جن کو اسلام نے جاری رہنے دیا۔ عہد نبوی کے بعد مسلمان مختلف ممالک میں پھیلے تو ان کو ناگزیر نئی ضرورتوں اور نئے نئے رواجات سے سابقہ پڑا، اور فقہاء نے یقیناً ان میں سے چند کو جو معقول تھے اور قرآن وحدیث کے غیر معارض جاری رہنے دیا کہ قبول کر کے فقہ کا جز بنا دیا۔ ان حالات میں اگر غریب قانون روما کا بھی کچھ اثر پڑا تو کونسی نئی بات ہوگی؟ میں تو کہتا ہوں کہ شام ومصر کے ابتدائی فقہائے دھرم شاستر سے متاثر رواجات یقیناً یہ تمام رواجات ان چیزوں کے متعلق قبول کیے گئے جن کے متعلق قرآن وحدیث خاموش تھے، اور جن کے خلاف کوئی صریح حکم نہیں تھا۔ فقہاء نے یہ رواجات معقول اور قیاساً درست سمجھے اور قرآن وحدیث کے مطابق ہونے کے باعث قبول کیے، جب ہم یہ سب ماخذ تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں تو خود ہی یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ قانون روما کا حصہ کتنا تھا۔

Marfat.com

لیکن اسی قدر نہیں، بعض اور چیزیں وضاحت چاہتی ہیں۔ اسلامی قانون کو مکہ اور مدینے کے رواجات سے سب سے پہلے سابقہ پڑا، خاص کر مدینے میں یہودی کثرت سے رہتے تھے، مکے کے لوگ تجارت کے لیے جہاں شام ومصر وحبشہ جاتے تھے وہیں وہ عراق اور یمن اور عمان بھی جاتے تھے۔ شام ومصر میں رومی اور عراق میں ایرانی حکومت کے قوانین سے دو چار ہوتے تھے۔ یمن جس نے بعد میں اسلامی قانون کی ترقی میں بڑا حصہ لیا ایسا علاقہ تھا جس میں نہ صرف ایک اس کا اپنا نہایت قدیم تمدن تھا بلکہ وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے کچھ ہی پہلے یہودیوں، حبشی رومیوں اور ایرانیوں کی حکومت میں رہ چکا اور ہر ایک سے کچھ نہ کچھ تاثرات حاصل کر چکا تھا۔ حجاز، یمن، بحرین، عمان وغیرہ ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر اندرون عرب بے شبہہ اجنبی اثرات ناپید سے تھے لیکن عہد نبوی میں اسلامی مملکت نے بیرون میں پھیلنے کا آغاز کیا وہ دس پندرہ ہی سال بعد حضرت عثمان کے زمانے میں مغربی چین سے لے کر اندلس کے کچھ حصہ تک پہنچ گئی اور اس وسیع مقبوضہ علاقوں میں صرف رومی قانون رائج تھا بلکہ بہت سے دیگر مستقل تمدن بھی تھے ۔حضرت عمرؓ نے عراق میں قدیم ایرانی قانون مال گزاری باقی رہنے دیا تھا۔ جیسا کہ مسعودی کا بیان ہے اور کوئی تعجب نہیں، جو شام ومصر میں رومی نظام ہی باقی رکھا گیا ہو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاص کر چنگی وغیرہ کے مسائل کے لیے حکم دے رکھا تھا کہ بیرونی مسافروں سے وہی برتاؤ کیا جائے جو ان کے ملک میں مسلمان مسافروں کے متعلق ملحوظ ہو۔

خصوصی معاہدات کے ذریعے سے بھی قانون انتظامی کے مختلف اجزاء خلافت راشدہ اور اس کے بعد ہمیشہ نافذ ہوتے رہے۔ کوفہ شیعیت کا مرکز تھا، اور یہ ایرانی علاقے میں تھا۔ بنی اُمیہ برسر اقتدار آئے تو شیعی امام زیادہ تر حجاز میں رہے۔ وہاں رومی اثرات معدوم کہے جا سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ ایرانی النسل ورنہ کم از کم ایرانی الوطن تھے۔ اور ان کی زندگی زیادہ تر کوفہ، مکہ، بغداد کے غیر رومی علاقوں میں گزری اس کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ قانون روما کا راست یا بالواسطہ کبھی اس دور میں عربی میں ترجمہ ہوا ہو۔

قانون اسلام سے بیرونی اثرات کو کم کرنے کے لیے ابتداء ہی سے ایک انقلابی اصول قرآنی احکام کے تحت نافذ کر دیا گیا تھا کہ ہر مذہب کے لوگ اپنے قانون شخصی کے پابند ہیں اور ان کو عدل گستری ان کی اپنی خصوصی عدالتوں میں ان کے اپنے ہم مذہب حکام کے ہاتھوں میں ہو اور اسلامی قانون کے وہ پابند نہ ہوں۔

Marfat.com

میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کم از کم ابتدائی فقہی کتابوں کی ترتیب ہی قانون روما کے مماثل ہو، قانون روما زمانہ قبل مسیح ہی سے عبادات کو معاملات سے الگ کر چکا تھا اور دنیوی معاملات کا قانون اشخاص، اشیاء اور ضابطہ Persons, things and actions کے تین حصوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ ابوحنیفہ کی ترتیب عبادات، معاملات اور جنایات کے تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی جس میں قوانین عمومی یعنی دستور اور احکام مملکت بھی شامل تھے، اور ان کی یہ ترتیب رومی قانون کی ترتیب سے بنیادی اختلاف رکھتی ہے۔ ابوحنیفہ کا زمانہ بنی اُمیہ کے آخری اور بنی عباس کے ابتدائی دور پر مشتمل تھا اور ابھی یونانی علوم وفنون کا زیادہ ترجمہ اور رواج نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی جو کچھ رواج ہوا ہوا اس سے ممکن تھا کہ چند فنی اصطلاحیں لی گئی ہوں لیکن منطق وفلسفہ، طب ونجوم، کلام وجغرافیہ وغیرہ کے برخلاف اصول فقہ میں کوئی معرب اصطلاح کسی زمانے میں نہیں ملتی، نہ لاطینی نہ یونانی، نہ فارسی نہ کوئی اور، جتنے بھی الفاظ ہیں وہ قدیم عربی ہی کے مروج الفاظ ہیں اور اگر قرآنی الفاظ ہیں مثلاً فقہ، شرع، سنت وغیرہ جن کو اصطلاح کی حیثیت دی جانے لگی تھی، معاملات وکاروبار تجارت میں چند غیر عربی اصطلاحیں ملتی ہیں لیکن وہ بھی غالباً اسلام سے پہلے ہی عربی میں آ چکی تھیں۔ امام مالک نے موطا میں ابواب کی جو ترتیب رکھی ہے وہ امام ابو حنیفہ کی ترتیب سے مختلف ہے اور عبادات ومعاملات سب خلط ملط ہیں مجھے امام زید بن علی کے مجموع الفقہ کو اس مضمون کے لکھتے وقت مکرر دیکھنے کا موقع نہ ملا، لیکن اس کی بھی ایک مستقل ترتیب ہے۔ گو وضو یا نماز ہر ایک کے ہاں سب سے مقدم ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی میں اسے دین کا ستون قرار دیا گیا تھا۔ ان تینوں ہم عصر فقہاء کی تالیفوں میں ابواب کی ترتیب کا بے انتہاء اختلاف بتاتا ہے کہ ترتیب میں بھی ان کے سامنے کوئی بیرونی نمونہ نہ تھا، اور ہر کوئی اپنی ذہنی جولانی سے اپنے لیے کوئی خاکہ پسند کر رہا تھا، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا زمانہ نسبتاً بہت بعد کا ہے۔ ان سے یہاں بحث کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ قابل ذکر ہے کہ رومی ترتیب کسی بھی اسلامی فقیہ نے اختیار نہیں کی، قانون روما اور قانون اسلام میں بنیادی فرق بھی کم نہیں، رومی بت پرست اور مشرک تھے تو مسلمان وحدانیت کے لیے اٹھے۔ روما میں پدری سطوت معاشرتی نظام کی بنیاد تھی (پوسٹ کا مقدمہ انسٹیٹیوٹ آف گایوس ص ۱۲) عربوں میں یہ چیز نہ زمانۂ جاہلیت میں تھی نہ زمانۂ اسلام میں، قانون روما اس قدر لکیر کا فقیر تھا کہ اس کی دل برداشتہ کرنے والی ضابطہ پرستی (Formation)

Marfat.com

کبھی بھی دور نہ ہو سکی۔ مثال کے طور پر گایوس کے نسبتاً جدید (دوسری عیسوی کے مجموعہ قانون میں حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی درخواست میں انگور کی بیل لکھے تو مقدمہ خارج ہو جائے کیونکہ قانون دوازدہ الواح میں انگور کے درخت کی اصطلاح آتی ہے۔ (گایوس ۲/۱۱) مقدمہ بازی میں دعوے اور جواب وغیرہ میں الفاظ بلکہ حرکات تک ناقابل تبدیل تھے۔ (پوسٹ ص ۲۳)

خود جس چیز کو رومی قانون کہا جاتا ہے وہ بھی خالص رومی چیز نہیں ہے بلکہ غیر قوموں سے تماس نے قدیم پست قواعد کو بدلنے پر آمادہ کیا۔ آخر افریقہ سے تجارت پھر ایشیائے کوچک کے تمدن سے سابقہ مشرقی اثرات کو رفتہ رفتہ قانون روما میں اور اسے مہذب بنانے کا باعث ہوئے (پوسٹ ۳۴ تا ۳۵) انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسیس عنوان کارپس جوریس سوئیس)

ابتداء میں قانون روما (Fa S) یا قانون مراسم مذہبی پر مشتمل تھا اور دیوتا ہر انسانی معاملے میں دلچسپی لیتے سمجھے جاتے اور پجاری براجتا تھا۔

۴۵۱ء تا ۴۴۸ء ق م۔ میں قانون دنیوی (Jus) کو الگ کر کے اس کا تعلق کشوری انتظامات سے کر دیا گیا۔ چنانچہ مجلس دہگانہ نے قانون دوازدہ الواح مرتب کیا۔ جس میں کاروبار کے متعلق نیز دستور مملکت کے متعلق احکام تھے (پوسٹ صفحہ ۱۱۷ تا ۲۱) رفتہ رفتہ حکمرانوں نے قانون سازی کے اختیارات حاصل کر لیے، اسلام میں پجاریوں کا نظام کبھی آیا ہی نہیں اور قرآن و حدیث کے خلاف قانون سازی کا کبھی کسی کو اختیار ہی نہیں ملا۔ قانونِ روما میں نکاح اور غلامی کے متعلق جو اخلاق سوز اور ظالمانہ احکام تھے وہ اسلام میں کبھی نہ آئے، نکاح اور غلامی کے متعلق بہت سے اسلامی ادارے قانونِ روما میں کہیں نہیں ملتے، گو چند ادارے مشترک ضرور ہیں لیکن وہ نئے نہ تھے بلکہ قدیم سے عرب میں رائج تھے، یا پیغمبر اسلام نے ان میں اصلاح کی تھی۔

بے شبہ ابتدائی فقہی کتابوں کے نام مثلاً مجموع، جامع، مدونہ، مبسوط، اصل، امام، حاوی، Code، Compendium، Corpus، Institutes، Principlus، Pandects وغیرہ کے ہم معنی معلوم ہوتے ہیں، لیکن ایک تو یہ ممکن ہے کہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے عرب مؤلفوں کے ذہن میں یہ نام خود ہی آئے ہوں کیونکہ عربی میں ان کے سوا کوئی اور نام ہو بھی نہیں سکتے اور دوسرے جسٹی نین کے تدوینات بھی جو پورے قانون روما پر حاوی ہیں۔ امام مالک، یا امام محمد شیبانی کی کتابوں سے حجم یا تنوع میں کچھ بہت بڑھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ

Marfat.com

عبادات کو مقابلے سے حذف بھی کر دیں تو معاملات میں ایسے بہت سے ابواب ہمیں ان اسلامی کتابوں میں ملتے ہیں جن کا ذکر قانون روما میں بالکل نہیں ہے۔ امام محمد کی کتاب المبسوط اگر چھپ جائے تو دو ڈیڑھ ہزار صفحوں سے کم میں نہ آئے۔ مؤطا امام مالک کے مختلف ایڈیشن بھی خاصے بڑے ہیں اور یہ بالکل ابتدائی فقہی کتابیں ہیں ورنہ پانچویں صدی ہجری میں سرخسی نے امام محمد کی کتاب کے خلاصے کی جو شرح مبسوط کے نام سے لکھی وہ بڑی تقطیع کی پوری تیس جلدوں میں چھپ سکی۔ اور ہزار سالہ ارتقاء پر جسٹی نین نے پچاس ابواب کا جو ڈائجسٹ مرتب کرایا، اس سے صرف سو سالہ ارتقاء پر قانون اسلام تنوع کی حد تک اچھی طرح مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ بہت سے امور میں زیادہ مہذب اور موافق اخلاق ہے۔ غور کرنے پر یہ بھی نظر آتا ہے کہ اگرچہ بنی اُمیہ کا پایۂ تخت دمشق رومی علاقے میں تھا لیکن ان کے زمانے میں اہل علم وقلم یا تو حدیث کو جمع اور مرتب کرنے میں منہمک رہے یا ادبیات یا صرف ونحو پر توجہ کی، فقہ سے شوق عہد بنی عباس میں شروع ہوا جو ایرانی ماحول میں رہتے تھے اور بغداد میں اپنا تخت منتقل کر چکے تھے لیکن بدقسمتی سے ایرانی قوانین کے متعلق جدید ترین مغربی تحقیقات بھی یہ ہے کہ وہ قانون روما کے مقابل بہت فرومایہ تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان کے آئین نامہ وغیرہ کی ترتیب وکیفیت کیسی تھی۔ ولسن وغیرہ کی تحقیق میں تو عہد نبوی اور آغاز اسلام کے وقت مشرق میں قانونِ روما سرے سے رائج ہی نہ تھا، اور مشرقی رواجات اور پادریانہ تحکیمات ہی کا دور دورہ تھا۔ قانون روما کا احیاء صدیوں بعد نشاۃ ثانیہ میں شروع ہوا چنانچہ:

ترجمہ: ''یہ امر مشتبہ ہے کہ جسٹی نین کی اصلی رعایا نے اس کے مجموعۂ قوانین سے کوئی بہت بڑا فائدہ اٹھایا ہو کیونکہ ان قوانین کا بڑا حصہ لاطینی زبان میں تھا اور رعایا میں سے اکثر یونانی بولتے تھے اور کچھ سریانی یا عربی، پھر خود قانون سازہی اپنی حکومت کے آخری تیس سال کے دوران میں بار بار اور محض بے اصولی کے ساتھ ان قانونوں کو بدلتا رہا ان کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بناء پر یہ رائے قائم کرنی پڑتی ہے کہ اس عہد کے شہنشاہی قوانین بڑے بڑے مستقرہائے نظم ونسق کے باہر محسوس بھی نہیں ہوتے تھے اور مشرقی صوبوں کے دور دراز اضلاع میں باقاعدہ

Marfat.com

عدالتوں میں لوگ اتنا رجوع نہیں ہوتے تھے۔ جتنا پادریوں اسقفوں اور مذہبی افسروں کے پاس ثالثی کے لیے اور ان ثالثوں کے قانون تصورات قانون روما کے ماخذوں پر دوسرے یا تیسرے واسطے سے مبنی تھے اور ان رومی ماخذوں میں بھی دیگر عناصر شامل تھے۔"

(اینگلو محمڈن لاء از ولسن ۱۸۹۴ء ص ۶)

غرض قانونِ اسلام پر قانون روما کا اثر پڑا یا نہیں۔ اس سوال کے جواب کی تائید میں صرف ایک امکان پیش کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اپنے قانون کی ترقی و تدوین کے آغاز ہی میں ان علاقوں پر قبضہ کر لیا جہاں پہلے رومی یعنی بیزنطینی حکومت تھی۔ اس علاقے کے رواجات سے قرآن و حدیث کے سکوت کے وقت فقہاء کا مسائل اخذ کرنا ممکن ہے۔ اس ایک امکان کے مقابل بارہ واقعات نا قابل نظر انداز ہیں۔

(۱) مرجع قانون اسلامی یعنی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تو وہ زبانیں آتی تھیں جن میں قانون روما لکھا ہوا تھا اور نہ آپ کا قیام ان علاقوں میں رہا جہاں وہ قانون رائج تھا۔

(۲) اسلامی قانون کی بنیاد اولاً اپنی پیدائش کے رواجوں پر ہونی چاہیے، حجاز میں رومی اثرات کبھی نہ آئے۔

(۳) تمام ابتدائی اسلامی مذاہب فقہ حجاز یا عراق یعنی غیر رومی علاقوں میں پیدا ہوئے، اور پھلے پھولے۔ واحد استثناء امام اوزاعی ہوتا لیکن ان کا مذہب ان کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

(۴) بے شبہ اموی دور میں دارالخلافہ دمشق کے رومی علاقہ میں تھا لیکن اموی دور میں فقہ سے زیادہ تفسیر، حدیث، تاریخ، طب وغیرہ پر توجہ ہوئی۔ فقہ کا مرکز اموی دور میں بھی کوفہ اور حجاز ہی تھے۔ عباسی دور میں فقہ سے توجہ ہوئی تو دارالخلافہ عراق میں منتقل ہو گیا تھا۔

(۵) منطق، فلسفہ، جغرافیہ، طب اور الٰہیات وغیرہ کے برخلاف فقہ میں کسی زمانے میں بھی معرب اصطلاحیں نہیں ملتیں بلکہ سب کی سب خالص عربی اصطلاحیں ہیں۔ جو قرآن یا حدیث کے الفاظ سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

(۶) اورعلوم کے برخلاف فقہ کی تدوین وترقی کے زمانے میں قانون کی کسی بیرونی کتاب کے عربی میں ترجمے کا کوئی ذکرنہیں ملتا اور نہ ایسے فقہاء ملتے ہیں جو رومی قانون کی کتابوں کو پڑھنے کے لیے اجنبی زبانوں مثلاً لاطینی، یونانی یا سریانی سے واقف ہوں۔

(۷) قریب قریب تمام مشہور فقہاء غیر رومی علاقوں سے پیدا ہوئے، حجاز کے بعد سب سے زیادہ ایران اور ترکستان نے فقہاء کو پیدا کیا یہاں ایرانی اور رومی قانون تو ہوں گے لیکن رومی اثرات نہیں۔

(۸) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگی اور مالگذاری کے قواعد غیر رومی علاقوں سے اخذ کیے تھے جزیہ تک بھی قدیم ایران میں ملتا ہے۔ رومی علاقوں میں نہیں۔ قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی ایران میں تھا، کم از کم موبذان وموبد عدالتی کام بھی کرتا تھا۔

(۹) قرآن نے صراحت سے حکم دیا ہے کہ ذمی رعایا کو قانونی اور عدالتی خودمختاری حاصل رہے، اس پر عہد نبوی ﷺ ہی عمل شروع ہو گیا اور عثمانی ترکوں تک باقی رہا، اس کا ناگزیر نتیجہ مسلمانوں اور ذمیوں کے نظامہائے قانون کی ایک دوسرے سے جدائی اور باہم عمل ورد عمل سے علیحدگی رہی۔

(۱۰) فتوحات اسلامی کے آغاز ہی پر مسلمانوں نے وقت واحد میں ایرانیوں اور رومیوں دونوں پر ایک ساتھ حملہ کر کے دونوں کو ایک ساتھ زیر کیا تھا، یہ کہنا کہ مفتوحوں میں سے صرف رومیوں کا اثر فاتحوں پر پڑا اور اسپین سے چین تک، آرمینیا سے ہندوستان تک جو دیگر مفتوح اقوام تھے ان کے رواجات کا اثر نہ پڑا محض ترجیح بلا مرجح ہے۔

(۱۱) اسلامی تمدن اور رومی تمدن میں بنیادی فرق بھی بہت ہیں، جہاں تک میں تقابلی مطالعہ کر سکا عبادات (یعنی توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) تعزیرات، مالیات قرض وسود، وراثت، نکاح، طلاق، نسب، خلع، غلاموں کی آزادی، عدل گستری، قانون بین الممالک وغیرہ میں کوئی مماثلت نہیں ملتی، لے دے کر کچھ حصہ معاملات کا رہ جاتا ہے ان کی مماثلت کے اسباب کی تلاش سے قطع نظر غیر مماثل اجزاء کے وجود سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ قانون اسلامی کے بہت بڑے حصے پر قانون روما کا بالکل اثر نہیں ہے۔

Marfat.com

(۱۲) آغاز اسلام پر قانون روما مشرقی رومی یعنی بیزنطینی سلطنت میں رائج ہی نہ تھا، بجز چند صوبیدار صدر مقاموں کے اور پادریوں نے عدل گستری اور تحکیم و ثالثی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اور مذہبی یا خود غرضانہ وجوہ سے غیر عیسائی رومی قانون سے رجوع کرنا وہ پسند نہ کرتے تھے۔

میں نے ایک مستقل مقالے میں یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ قانون روما کے اثرات قانونِ اسلامی پر ہوئے یا نہیں۔ میں مذکورہ بالا خلاصۂ دلائل سے اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور ہوں کہ فقہاء نے بیرونی مصادر سے استفادہ ضرور کیا لیکن ان بیرونی مصادر میں قانونِ روما کا حصہ اتنا کم ہے کہ اسے کوئی خصوصی اور امتیازی جگہ نہیں دی جا سکتی اور شاید یہ کہنا بہت زیادہ مبالغہ نہ ہوگا کہ قانون اسلام کے بیرونی اثرات میں قانون روما کا حصہ مشکل سے سواں حصہ ۱۰۰/۱ ہوگا۔

(''چراغ راہ'' کراچی۔ اسلامی قانون نمبر۔ جون ۱۹۵۸ء)

Marfat.com

تدوینِ قانونِ اسلامی اور امام ابوحنیفہؒ

مختلف ملکوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر جگہ ابتداءً قبائلی رسم و رواج کا دور دورہ تھا، اور کسی معاملے میں رواجی نظیر رہبری کے لیے موجود نہ ہوتی تو کسی معتمد علیہ اور فرزانہ پنچ سے رجوع کیا جاتا اور اس کا فیصلہ قانون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ہوتا تھا۔ کسی بستی کے بس جانے اور شہری مملکت کے قائم ہو جانے پر قبائلی وحدتوں کا رواج جلد ہی سربرآوردہ قبیلے کے رواج میں ضم ہو جاتا ہے۔ اور اکثر ملکوں میں رسم و رواج کسی بڑے ہیرو کی افسری کے زمانے میں تحریری صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے کو حقیر سمجھنے کا جذبہ اور مرعوبیت بعد والوں کے لیے اس تحریری قانون میں جمود پیدا کر دیتے ہیں اور جب تک کوئی انقلاب انگیز بیرونی اثرات نہ پڑیں یا خود اس تحریری قانون میں ترقی کر سکنے کے لیے اندرونی لچک نہ رہی ہو تو جلد ہی وہ قانون ان کا ازکاررفتہ ہو کر طبعی موت مر جاتا ہے۔

ایک دوسرا رجحان اکثر ممالک میں یہ رہا ہے کہ ابتداءً جملہ شعبہ ہائے حیات چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات، یا جرائم و جنایات مذہب کی ہمہ گیر گرفت میں جکڑے رہتے ہیں اور قانون دانی و عدل گستری پجاری کا اجارہ ہوتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ عبادات اپنے تقدس کے باعث غیر تبدیل پذیر ہو جاتی ہے اور سیاست اپنے نت نئے مسائل کے باعث روز افزوں صوابدید پر منحصر ہوتی چلی جاتی ہے، اسی لیے مذہب اور سیاست میں دوری ہو جاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کا آغاز شہر مکہ سے ہوا۔ متعدد کاروانی راستوں کا اہم جنکشن ہونے کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں یک نسلی باقی نہ رہی تھی۔ اسماعیلی خاندان عراق یا فلسطین سے آئے تھے۔

Marfat.com

خزاعہ یمن کے تھے، مکے والوں کے رشتہ داری کے اور کاروباری تعلقات شہر مدینہ اور شہر طائف سے بھی کافی تھے۔ قصی کا تعلق شمالی عرب کے قبیلہ قُضاعہ سے تھا۔ قُصی کی کوشش اور قابلیت سے قریشی قبائل نے شہر مکہ میں برسرآوردہ حیثیت حاصل کی اور قُصی کی ہی سرداری میں ایک زیادہ منضبط شہری مملکت قائم ہوئی، جس میں مختلف مذہبی، سماجی اور انتظامی عہدے موروثی طور پر مختلف خاندانوں میں پائے جاتے تھے جہاں تک قانون کا تعلق ہے حجاز میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم رہنے کے باعث اسلام سے پہلے کسی تحریری مجموعے کا پتا نہیں چلتا، لیکن قانونِ معاہدہ اور قانونِ جرائم وغیرہ کے بہت سے رواجی احکام روایات نے محفوظ رکھے تھے۔ حتیٰ کہ اجنبیوں کے حقوق کے تحفظ اور تصادم قوانین کے نفاذ کے لیے حلف الفضول کے نام سے ایک رضا کارانہ نظام بطور تہدید و تدارک وجود میں آ گیا تھا۔ شہر مکہ میں اسی قُصی کی اولاد میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبرِ اسلام کی حیثیت حاصل فرمائی۔ مکہ "وادی غیر ذی زرع" ہے۔ اس لیے یہاں کے لوگ عام طور پر تجارت پیشہ ہی تھے۔ تجارت اور کاروانی کاروبار کے سلسلے میں پیغمبر اسلام نے بھی عرب میں یمن اور عمان کا کافی طویل سفر کیا تھا اور عرب کے باہر کم از کم فلسطین جانے کا دوبار پتا چلتا ہے۔ ایک مرتبہ آٹھ نو سالہ نو عمری میں ضد کر کے اپنے سرپرست چچا کے ساتھ اور ایک مرتبہ بطور خود پچیس سال کی عمر میں لکھنے پڑھنے سے ناواقف اُمی ہونے اور یونانی، لاطینی اور سریانی زبانوں کے نہ جاننے کے باعث سوائے قانون ورواجِ تجارت کو تیز نظری سے دیکھنے کے اس کی کم توقع کی جاسکتی ہے کہ فلسطین میں اس زمانے میں کسی اور چیز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلچسپی لی ہو۔

بہر حال چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شہر کے ایک جونیئر گھرانے کے ایک جونیئر رکن تھے، اپنے متعلق خدا کے پیغام رساں ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔

آپ جہاندیدہ تھے کئی بار شام، کئی بار یمن (حباشہ) اور کم از کم ایک بار علاقہ قبیلہ عبدالقیس کا یعنی بحرین وعمان کا سفر فرما چکے تھے، جیسا کہ مسند ابن حنبل (۴/۲۰۶) میں مذکور ہے۔ بحری سفر فرما کر ایک مرتبہ حبش جانا بھی مکتوب نبویؐ بنام نجاشی کے متعارفانہ انداز وغیرہ سے مستنبط ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی صریح تائید میں حوالہ نہیں ملتا۔ اس تجربے کا اثر (وحی پر تو نہیں لیکن)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوابدید میں قانون سازی پر پڑسکتا ہے۔

خدا کا جو پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے وصول ہوتا تھا اسے آپ فوراً ایک ترتیب سے لکھوا دیتے، اس کے مجموعے نے کتاب اللہ اور قرآن کا نام حاصل کیا، چونکہ پیغمبر اسلام نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا اس لیے قوم کے ہر شعبہ حیات کے لیے اس میں رہنمائی کی گئی اور صرف ایک دنیوی امور کے قانون ہی پر قرآن منحصر نہیں ہوگیا۔

قرآنی پیغام کی تشریح وتوضیح اور اصلاح قوم کے سلسلے میں ملک کے بہت سے اچھے اور معقول قدیم رواجات کو آپ نے متبعین میں جو برقرار رہنے دیا یہ بھی قانون اسلام کا بہت بڑا ماخذ ہے۔ خاص کر اس لیے بھی کہ خود قرآن نے متعدد جگہ اس کا صراحت سے حکم دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ہر قول وفعل اور ہر امر ونہی واجب التعمیل اور لائق تقلید ہے لیکن یہ سنت نبویؐ اس باقاعدہ اور مکمل طور سے تحریراً مرتب نہ ہو سکی جو قرآن کے متعلق ملحوظ رکھا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ سنت نبویؐ میں بھی صرف قانونی احکام نہیں ہیں بلکہ دیگر قسم کے امور بھی ملیں گے۔ قانونی احکام کچھ تو قرآنی اجمال کی تفصیل وتکمیل پر حاوی تھے تو کچھ نئے اور زائد احکام تھے جو قرآن کے سکوت کے وقت دیئے گئے تھے اور کچھ ملکی اچھے رسم ورواج کے مختلف اجزاء کو برقرار رکھنے پر مشتمل تھے، پیش ہونے والے مقدمات کے فیصلے روزمرہ نظم ونسق کا تذکرہ، حکام اور افسروں کی ہدایتیں، خصوصی خطبات و اعلانات، غرض بیسیوں قسم کی چیزیں سنت میں ملتی ہیں، دنیا کا کوئی قانون مباح امور کی فہرست مکمل نہیں کر سکتا، اچھا اور معقول نظام قانون اپنی چند خصوصیات کو واجب اور ضروری قرار دے کر اور ممنوعات کی فہرست کو مکمل کر کے باقی تمام چیزوں کو روا[1] قرار دے دیتا ہے اور جن چیزوں میں بیک وقت متعدد حقوق قائم ہوتے ہیں ان کا تناسب بیان کر دیتا ہے: "اُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَآءَ ذٰلِکُم" وغیرہ قرآنی آیتوں سے قانون اسلام میں بھی یہی اصول ملحوظ رہا ہونا ہویدا ہوتا ہے۔......"الا ما اضطرر تم الیہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا" وغیرہ سے قانون میں لچک اور حالات کا ساتھ دینے کی قابلیت، واجبات وممنوعات کے متعلق بھی پیدا کر دی گئی۔

---

[1] روا "مباح" کے معنی یہ نہیں کہ اسے ضرور کیا جائے بلکہ وہ ہر شخص کی صوابدید، اس کے ذوق سلیم، اس کی ضرورت اور اس کے خصوصی حالات پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور نہ صرف دو آدمیوں کے بلکہ ایک ہی آدمی کے دو مختلف اوقات کے طرز عمل میں ان کے متعلق اختلاف ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

اسلام میں ترقی کا اصول

لیکن بڑا اہم سوال آئندہ کی ترقی کا ہے کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے نامعلوم اور ان گنت نئے مسائل سے دوچار ہونے پر کیا کیا جائے؟ اس بارے میں امام ترمذیؒ وغیرہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث متعدد ماخذوں سے روایت کی ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرکاری افسر بنا کر روانہ کیا، تو رخصتی باریابی میں حسب ذیل گفتگو فرمائی:

...... ''اگر کوئی مقدمہ پیش ہو تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟''

جیسا کہ کتاب اللہ میں حکم ہے۔

...... اگر کتاب اللہ میں صراحت نہ ہو تو؟

پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کے مطابق۔

...... اگر سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی نہ ملے تو؟

تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرستادے کو اس چیز کی توفیق دی جسے اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پسند کرتا ہے۔

یہ مکالمہ نہ تو کوئی کاغذی نظریہ بنا رہا اور نہ ہی کوئی انفرادی واقعہ تھا۔ اہم معاملات میں استصواب، نگرانی اور تصحیح کی ناگزیر ضرورتوں کے ساتھ ساتھ وسیع صوابدید کا حق خود جناب رسالت مآب کی طرف سے افسران قانون کے لیے تسلیم کر لیا جانا، اور ایک دوسرے موقع پر انتم اعلم بامور دنیاکم (تم لوگ اپنے دنیوی امور کو زیادہ بہتر جانتے ہو) ارشاد فرما کر اپنے خالص جمالیاتی حکم کو منسوخ کر دینا ایک انقلابی لیکن فیصلہ کن نظیر تھی جس کے باعث اسلامی قانون کے مستقبل نے اپنے متعلق مکمل اطمینان حاصل کر لیا۔

عہد نبوی مسلمانوں کا دور قانون سازی تھا۔ اس کے بعد تعبیر و توسیع کا سلسلہ تو جاری رہا لیکن خالص قانونی احکام کا مجموعہ تیار کرنے کی کوئی سرکاری کوشش نہ ہوئی۔ اگرچہ خلفا کی سرپرستی بلکہ خود ان کی خواہش پر بعض خانگی مجموعے تیار ہوئے۔ جس کی ایک مثال خود امام مالک کی مؤطا کا خلیفہ منصور کی خواہش پر مرتب ہونا ہے (دیکھیے زرقانی کی شرح مؤطا کا مقدمہ) لیکن ان کو

Marfat.com

کبھی سرکاری طور سے قانون ملک کے طور پر نافذ کر کے عدالتی و انتظامی افسران مملکت کو انہیں کا پابند کر دینے کی صورت پیش نہ آئی۔[1] ایسے مجموعے صرف ایک اور درسی کتاب کی حیثیت حاصل کر سکے جن سے حسب ضرورت حکام عدالت وغیرہ بھی مدد لیتے تھے۔ بہر حال ان خانگی کوششوں نے وہی مقصد حاصل کر لیا جو سرکاری اہتمام سے ممکن ہوتا اور کوشش کے خانگی ہونے نے آئندہ بھی خانگی علماء کی ہمتیں بلند رکھیں۔ جو تدوین کے سرکاری ہونے کی صورت میں اتنے درخشاں نتائج پیش نہ کر سکتیں۔ میرے ایک فاضل بزرگ اس کی دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر و توضیح کرتے ہیں کہ اسلام میں عہد نبوی کے بعد نہ صرف عدلیہ کو تنفیذیہ سے آزاد رکھا گیا بلکہ تشریعیہ کو بھی اس سے بڑھ کر یہ کہ تشریعیہ کو بڑی حد تک خالص غیر سرکاری بنا دیا گیا۔

---

[1] ابوحنیفہؒ کی علمیت کا معترف ہونے کے باوجود منصور (حکومت ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) کا ان کی جگہ امام مالک سے تدوین فقہ کی خواہش کرنا کچھ تو امام ابوحنیفہؒ کی پیرانہ سالی کے باعث ہوگا اور اس سے زیادہ ان کی سیاسی بے باکی و آزاد خیالی کے باعث عہد بنی امیہ میں وہ علانیہ انقلاب پسندانہ ہمدردیاں رکھتے تھے، چنانچہ جب امام زید بن علی نے ایک سیاسی انقلاب کے لیے جدوجہد کی تو انہوں نے بھی بڑی رقم چندے میں دی تھی، بنی عباس برسر اقتدار آئے تو چندے صبر کیا، پھر منصور کے خلاف ۱۴۵ھ میں بغاوت ہوئی تو انہوں نے علانیہ منصور کی برائی کی تھی، شاید امام مالکؒ نے بھی ابتداءً منصور کی بیعت کے جبری اور بے اثر ہونے کا فتویٰ دیا تھا (سیرۃ النعمان شبلی ص۵۹ تا ۶۱) لیکن صیمری نے (ورق ۴۸ تا ۴۹) ایک اہم واقعہ لکھا ہے کہ منصور نے ابن ابی ذئب العصری اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک تینوں کو بلا کر یہ سوال کیا تھا، کہ ان کی رائے میں وہ خلافت کا اہل ہے یا نہیں۔ ابن ذئب اور ابوحنیفہؒ نے تو صاف صاف منصور کے کردار کی خامیاں برملا اس پر ظاہر کر دیں۔ لیکن امام مالکؒ نے یہ دلچسپ انداز اختیار کیا:

"لو لم یرک اللہ اھلا لذالک ماقدرلک ملک امرا لامة وازال عنھم من بعلمن نبیتھم۔"

"اگر خدا تجھے اہل نہ سمجھتا تو وہ تجھے امت کے معاملات کا مالک بنانا طے نہ کرتا اور نہ امت سے ان لوگوں کی (حکومت) کو دور کرتا جو ان کے نبی سے (قرابت میں تجھ سے) زیادہ دور ہیں۔"

Marfat.com

اسلامی قانون کی ابتدائی تدوین

ہمارا موضوع سخن آج اسلامی قانون کی ایک ابتدائی خانگی تدوین ہے جو دوسری صدی کے تقریباً آغاز سے وسط تک جاری رہی یعنی امام ابوحنیفہؒ کی کوشش جو ۸۰ھ میں پیدا اور ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

کوفہ میں علم فقہ

جیسا کہ معلوم ہوا تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان علمی کام کوفے میں انجام پایا، کوفے کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی پشت پناہ، وغیرہ بہت زیادہ تعریف آمیز الفاظ سے یاد کرتے تھے اور یہ بے وجہ نہ تھا۔

کوفے کی آبادی میں قدیم شہر حیرہ کے قریب بسائی گئی۔ سد مآرب کے ٹوٹنے کے سلسلے میں جب بہت سے یمنی قبیلے شمالی عرب میں ترک وطن کر کے آ بسے، تو حیرہ بھی یمنی قبائل کا مرکز بنا، اور خاندان مناذرہ نے یہاں جو عرب حکومت قائم کی وہ ایرانی سرپرستی میں ایک خود مختار مملکت تھی۔ جس کا پایۂ تخت علم وفن کے چرچوں سے صدیوں تک گونجتا رہا اور وہ ایران و عرب کا علم اور اخلاق دونوں حیثیت سے سنگم بنا رہا۔ منذروں کا خاندان آغاز اسلام تک بھی برا جتا رہا، لیکن پھر اس علاقے کا الحاق ایران سے ہو کر حیرہ کی حیثیت ایک صوبیدار شہر کی ہو گئی۔ اتنے میں فتوحات اسلام کے اولین سیلاب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں سپہ سالار خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی ایرانیوں سے گلوخلاصی کرائی۔

حاشیہ گذشتہ صفحہ: اس ذو معنی فلسفیانہ جواب سے منصور کا اطمینان ہو گیا، اس لیے امام مالک کو اپنی مرضی [illegible] اور غالباً اسی عمدہ تاثر کے باعث جب اسے بغاوتوں سے فراغت حاصل ہوئی اور ایک مجموعہ قانون ملک کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے امام مالک سے رجوع کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تدوین کی خواہش تک جو ابوحنیفہ کی وفات ہو چکی اور ابوحنیفہ کے مدونہ قانون کو سیاسی وجوہ سے ملکی قانون بنانا مناسب نہ معلوم ہوا ہو۔ بہر حال منصور کی خواہش تھی کہ جملہ قاضیوں کو [illegible] ملک کے عمل ہونے پر اس کا پابند [illegible] قدرت نے ابو یوسف کو ہارون رشید کا قاضی القضاۃ بنا دیا تو چاہے "مذہب السلطان" ہونے کے باعث ہی سہی (جیسا کہ یاقوت جلد ۶ ص ۱۲ میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے) بہر حال شروع [illegible] اسلام میں فقہ حنفی [illegible] قانون بن گئی۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مملکت اسلامیہ میں جا بجا چھاؤنیاں تعمیر کرائیں تو حیرہ کے بالکل قریب ایک خالص عربی شہر بسایا، جس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ شہر کا نقشہ اور دیگر ابتدائی حالات کی تفصیل پروفیسر ماسینیون نے ایک مستقل مقالے میں دی ہے (تاریخ طبری ۱۷ھ میں بھی یہ پندرہ بیس صفحوں میں ہے) یہاں ہمیں صرف یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی ہوگا کہ اس چھاؤنی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی بارہ ہزار یمنیوں کو اور کئی ہزار دیگر قبائل کو بسایا، ان میں ایک ہزار صحابی تھے، جن میں چوبیس بدری بھی تھے (سیرۃ النعمان شبلی ص ۳۴ بحوالہ بلاذری و معجم البلدان یاقوت)

حیرہ میں پہلے بھی یمنی ہی تھے، اور اب کوفے میں تازہ ہزاروں یمنی آ بسے تھے۔ یمن وہ مقام ہے جس کا تمدن عرب میں بڑا قدیم ہے۔ سبا اور بلقیس کے متمدن زمانے کے قصے قرآن نے بھی ذکر کیے ہیں۔ ان کے ملک میں جتنے کتبے دستیاب ہوئے ہیں عرب میں کہیں اور نہیں ہوئے یمن پر عرصے تک یہودیوں کی حکومت اور توریت کی کارفرمائی رہی۔ اس کے بعد حبش کے عیسائی آئے اور اٹلی کے پادری گرے جینوس نے اسکندریہ کے بطریک کے حکم سے یہاں عیسائی قوانین نافذ کیے جن کا مجموعہ مخطوطے کی صورت میں ویانا میں اب تک محفوظ ہے[1]۔ عیسائی حبشیوں کا دور ایرانی حملے کے ذریعے سے ختم ہوا اور اس کے بعد ایرانیوں نے اسلام کے لیے جگہ خالی کی، اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ یمن تہذیب و ثقافت کے نقطہ نظر سے کتنے کثیر دریاؤں کا سنگم بنا اور کتنی دلچسپ روایات وہاں کے تمدن میں سرایت کر گئیں۔

انہیں یمنیوں سے کوفہ آباد ہوا لیکن یہی نہیں۔

صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی زندگی میں ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرمایا تھا۔ کہ جس کو کسی مسئلے کے متعلق قانونِ اسلام دریافت کرنا ہو عام طور سے انہیں سے رجوع کرے اور یہ وہ واحد شخص ہیں جو خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے[2]۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ دیورژے (Desvager) کی فرانسیسی کتاب "عرب Arabia" ص ۷۱ حاشیہ ان یہودیوں کو اس کا پابند کیا گیا کہ اپنی لڑکیاں کسی یہودی کو بیاہ نہ دیں بلکہ صرف عیسائی کو دیں ایضاً بحوالہ فرانسیسی تاریخ Huttes Empire Saint Martin کتاب نمبر ۴۔

۲۔ کتاب الترتیب الاداریہ المسمیٰ نظام الحکومۃ ، المنبویہ کتانی ج ۱ ص ۵۷۔

Marfat.com

سے عمر میں دس پندرہ سال چھوٹے تھے، ایک طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کہے جا سکتے ہیں، ان دونوں میں اتنی گہری دوستی تھی کہ اکثر یک جا ساتھ رہتے، کوئی کام کرنا ہو تو مل کر کرتے۔[۳]

عہد رسالت کے بعد خلافت صدیقی میں دونوں کا اشتراک عمل اور باہمی مشورہ اور بھی زیادہ ہو گیا۔ شاید اسی ہم مزاجی کو دیکھ کر ہجرت سے بھی پہلے جب مکہ میں مواخاۃ اولیٰ قائم کی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی میں بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا۔[۴] اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم صدیقی نے علوم فاروقی کے ساتھ امتزاج حاصل کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً انہیں بزرگوں سے تعلیم پائی، پھر براہ راست جناب رسالت مآب سے تفقہ حاصل کرتے رہے، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تعریفی سند حاصل فرمائی کہ جسے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھے۔[۵]

ان کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ان کو کوفے میں معلم بنا کر بھیجا[۶] اور یہ وہاں کی جامع مسجد میں فقہ کا درس دیتے رہے۔ ان کے شاگردوں میں یمن ہی کے دو فاضل علقمہ اور اسود نخعی (ف ۷۵ھ) نے امتیاز حاصل کیا اور کوفے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین بنے۔ علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم نخعی ایک اور یمنی نے مسجد کوفہ میں درس فقہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور جب ابراہیم نخعی کی وفات ہوئی تو حماد بن ابی سلیمان نے جو غالباً ایرانی تھے کوفے کی درس گاہ فقہ کو مزید شہرت عطا کی۔ امام ابوحنیفہؒ انہیں حماد کے شاگرد اور جانشین ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جو انا مدینة العلم وعلی بابها[۷] کے خطاب سے بارگاہ نبوی سے سرفراز ہوئے تھے۔ وہ بھی آخری عمر میں کوفہ چلے آئے۔ اور اس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے علوم کوفے میں جمع ہو گئے۔

---

۳ مغازی الواقدی (مخطوطہ برٹش میوزیم ص ۱۰۳) سیرۃ شامیہ غزوہ خندق

۴ کتاب المحبر مؤلفہ ابن حبیب باب المواخاۃ (مخطوطہ برٹش میوزیم)

۵ الاستیعاب ابن عبدالبر صفحہ ۱۵۳۶۔ ۶ الاستیعاب ابن عبدالبر ۱۵۳۶

۷ یہ حدیث زباں زد عام تو ہے لیکن صحاح میں سے صرف ترمذی "انا دار الحکمة وعلی بابها" کے الفاظ میں وارد ہے اور ترمذی نے اسے "حدیث منکر" قرار دیا ہے۔

Marfat.com

مدینہ منورہ میں توسیعِ فقہ

مزید برآں یہ کہ مدینہ منورہ میں توسیع فقہ کے لیے شوریٰ اور اجماع کا ادارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاصا منظم کر دیا تھا۔ اس دور کے فیض یافتہ تابعین میں سے ''فقہاء سبعہ'' نے جلدی ہی بڑا امتیاز پیدا کر لیا اور ان سات ماہرین کی کمیٹی نے ایک طرح سے قانون سازی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ سخاوی نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ خود قاضی بھی مدینہ منورہ میں اس مجلس ہفت گانہ سے مشورہ لیتے اور اس کے فتوے کے پابند تھے۔ ان لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں:

(۱) ماہر قرآن وحساب ومیراث زید بن ثابت کے بیٹے خارجہ (جو طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے اشتراک عمل سے تقسیم وراثت کے مقدمات فیصلہ کرتے اور معاہدات کی دستاویزیں لکھتے)

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے قاسم

(۳) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عروہ

(۴) بی بی میمونہ یا بی بی اُمِ سلمہ کے مولیٰ سلیمان بن یسار

(۵) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶) سعید بن المسیب

(۷) عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ابوسلمہ یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے سالم یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القرشی، اس ساتویں رکن کے تعین میں اختلاف ہے اور تین نام لیے جاتے ہیں جو تینوں مشہور فقیہ تھے۔ ممکن ہے مذکورہ بالا چھ میں سے بعض کے انتقال پر دو نئے ارکان اس کمیٹی میں شریک کر لیے گئے ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کے دنیائے اسلام کے اکثر اہم مرکزوں میں تعلیمی سفر اختیار کیا۔ اور خاص کر مکہ اور مدینہ کئی دفعہ گئے اور مجلس ہفت گانہ فقہاء سبعہ کے جو ارکان زندہ تھے ان سے خوب فیض حاصل کر لیا تھا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندانی سلسلے کے ممتاز ارکان امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور امام زید بن علی زین العابدین سے بھی سالہا سال استفادہ کیا۔ اور آخر میں کوفے ہی میں متوطن ہو کر وہیں فقہ کا درس دیتے رہے۔

Marfat.com

ان حالات میں کوئی حیرت نہ ہوا گر سفیان بن عیینہ نے اپنے زمانے کے حالات دیکھ کر یہ کہا ہو کہ اگر کوئی غزوات (تاریخ اسلام) کی تعلیم پانا چاہتا ہے تو اس کا مرکز مدینہ منورہ ہے اور کوئی مناسک حج کی مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو مکہ اور فقہ چاہتا ہے تو کوفہ۔[1]

رسول عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی دس سالہ مدنی زندگی میں جس سیاست کی بنیاد ڈالی تھی اور خاص کر آخری سالوں میں ایران وروم کے لیے جو کارروائی شروع کی تھی، اس کو آپ کے جانشینوں نے جاری رکھا اور جب عراق وشام ومصر بھی شہر مدینہ کے نظام مرکزی میں منسلک ہو گئے تو ناگزیر بہت سے صحابہ ان مقبوضہ علاقوں میں جا کر متوطن ہو گئے۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے جو فقہی مذاہب رائج ہیں وہ زیادہ تر تین صحابہ کے مکاتب کی روایات کے حامل ہیں۔ یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کہ بیان ہوا کہ کوفہ جا بسے تھے، جو نو آباد اور خالص عربی شہر تھا، اگرچہ عراق میں واقع اور ایرانی تمدن کے اثرات سے گھرا ہوا تھا اور ان کے تعلیمی سلسلے کی براہ راست پیداوار علقمہ نخعی پھر حماد اور پھر ابو حنیفہؒ ہیں۔

حضرت ابن عمر زیادہ تر حجاز میں رہتے تھے۔ امام مالکؒ کے شاگرد امام شافعیؒ اور امام شافعیؒ کے شاگرد امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیغمبر اسلام کے چچا زاد بھائی، پروردے اور داماد تھے۔ زیادہ تر مدینے میں رہے، آخری عمر میں سیاسی ضرورتوں سے کوفے جا رہے تھے، ان کی تعلیم کا ایک خاندانی سلسلہ بھی چلا، اور جملہ شیعہ مذاہب اسی کی شاخیں ہیں۔

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للصیمری مخطوطہ استانبول (فوٹو دار احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد) ورق نمبر ۶۱ نیز معجم البلدان یاقوت ذکر کوفہ۔

Marfat.com

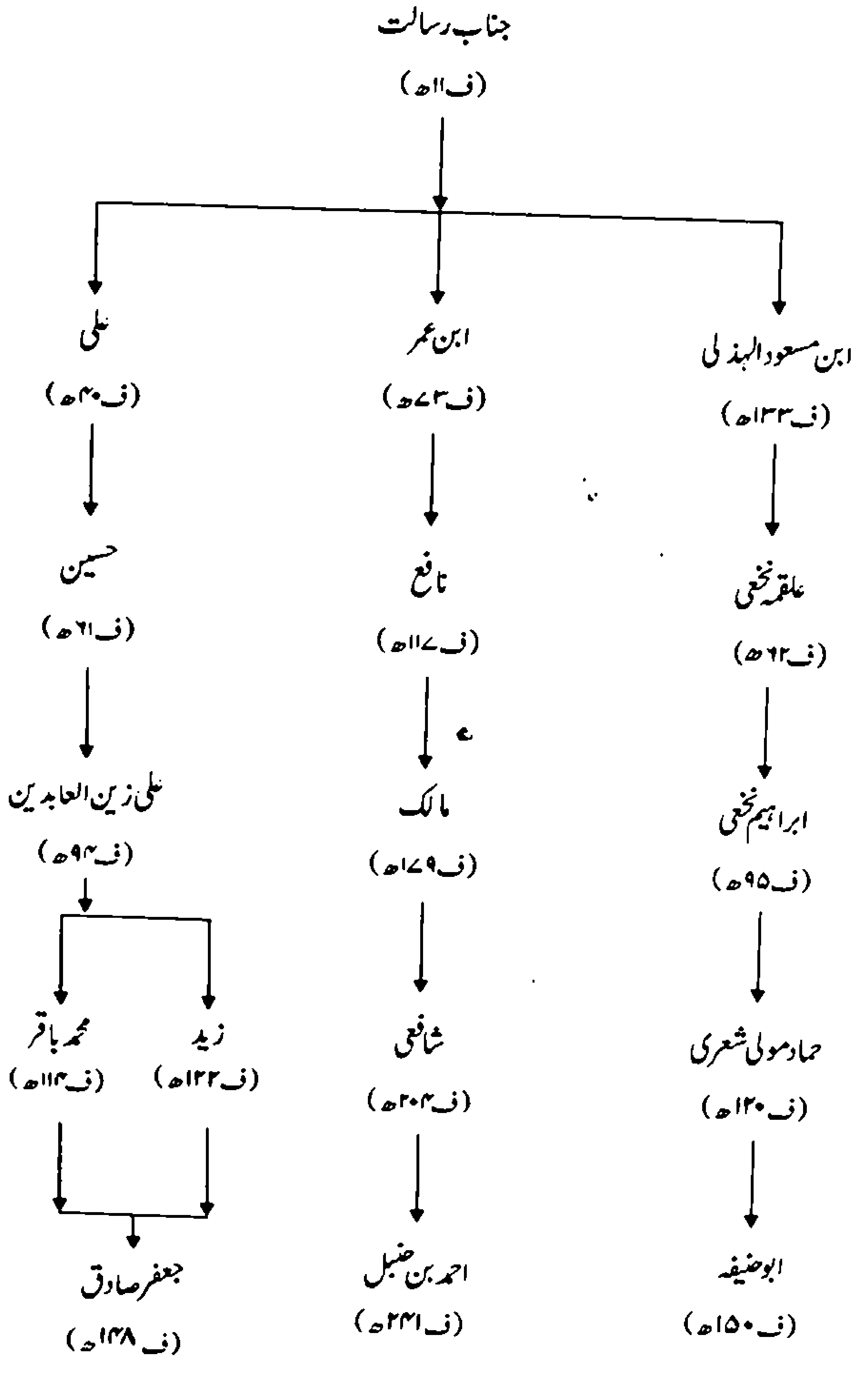
جناب رسالت
(ف ۱۱ھ)
ابن مسعود الہذلی
(ف ۳۳ھ)
علقمہ نخعی
(ف ۶۲ھ)
ابراہیم نخعی
(ف ۹۵ھ)
حماد مولی شعری
(ف ۱۲۰ھ)
ابوحنیفہ
(ف ۱۵۰ھ)
ابن عمر
(ف ۷۳ھ)
نافع
(ف ۱۱۷ھ)
مالک
(ف ۱۷۹ھ)
شافعی
(ف ۲۰۴ھ)
احمد بن حنبل
(ف ۲۴۱ھ)
علی
(ف ۴۰ھ)
حسین
(ف ۶۱ھ)
علی زین العابدین
(ف ۹۴ھ)
زید
(ف ۱۲۲ھ)
محمد باقر
(ف ۱۱۴ھ)
جعفر صادق
(ف ۱۴۸ھ)

Marfat.com

یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ مختلف مکاتب ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہے، اور بالکل علیحدہ ترقی کرتے رہے بلکہ اس زمانے کا رواج تھا کہ ہر بڑا عالم بیسیوں اساتذہ کے درس میں شریک رہا، اور ان کی تربیت سے فیض یاب ہوا ہوتا۔ مثال کے طور پر بعض عقیدت مند...... سوانح نگاروں نے امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ کی تعداد ہزاروں تک پہنچادی ہے۔ بہر حال یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات نہ صرف زید کے مذہب بانی امام زید بن علی زین العابدینؒ سے تھے[1] بلکہ امامیہ مذہب کے بانی جعفر صادقؒ اور ان کے والد محمد باقرؒ کے بھی، کہتے ہیں کہ وہ بہت دن تک شاگرد رہے، امام مالکؒ سے بھی ان کی ملاقاتیں اور افادے اور استفادے کے لیے مباحث رہتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید اور حنفی مذہب کے مشہور امام محمد شیبانی نے بھی امام مالکؒ سے عرصے تک تعلیم پائی تھی یہی حال امام شافعیؒ کا تھا۔ یہ نہ صرف امام مالکؒ کے شاگرد رشید تھے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے دو بڑے شاگردوں محمد شیبانی اور وکیع سے سالہا سال درس لیا تھا اور محمد شیبانی کی اونٹ بھر کتابیں (حمل بختی کتبا) انہوں نے نقل کی تھیں۔[2]

غرض جب تک یہ مکاتب تعصبات کا شکار نہ ہو گئے باہم افادہ اور استفادہ جاری رہا اور فراخ دلی اور آزاد خیالی کا ملاپ ان کا مسلک تھا لیکن بعد میں ایسے زمانے آ گئے کہ شیعوں اور سنیوں ہی میں نہیں شافعیوں اور حنبلیوں تک میں آپس میں خونریز جھگڑے ہونے لگے۔ اب اس پس منظر کے ساتھ دیکھو تو حنفی شافعی ہی نہیں، سنی شیعہ فقہ بھی مخصوص فرقہ وار فقہ نہیں، بلکہ وہ مسلمانوں کی مشترکہ فقہ ہے۔ اور خاص کر ابتدائی صدیوں میں فرقہ وار اساتذہ اپنے فرقہ تک محدود نہیں رہتے تھے، خود جس چیز کو حنفی فقہ کہتے ہیں اس میں ابوحنیفہ کے اقوال پر مشکل سے پندرہ فی صد امور میں عمل ہوتا ہوگا اور جس طرح سے شافعی و مالکی فقہ حنفی فقہاء سے متاثر ہوتی رہی ہے۔ حنفی فقہ کی بھی جزئیات میں ترمیم غیر حنفی اثرات سے محسوس و غیر محسوس دونوں طریقوں سے ہر زمانے میں ہوتی رہی، اسی لیے ہم نے اس مقالے کا عنوان ابوحنیفہ کی تدوین فقہ حنفی نہیں بلکہ فقہ اسلامی رکھا ہے۔

---

1. مناقب موفق ۲۶۰/۱ مناقب کردری ۲۵۵/۱۔
2. صیمری ورق نمبر ۷۲/ب ذہبی کی مناقب محمد شیبانی ورق ۴۔

Marfat.com

تدوین و تحریر کا دور

قرآن کو خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدوّن کرایا۔ آثار نبوی یا حدیث کو لکھنے کی بہت سی کوششیں مختلف صحابہ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی کیں، اور آپ کے بعد بھی، اور جن صحابہ نے لکھنے کو اہمیت نہ دی وہ بھی اپنی معلومات زبانی طور سے نوعمر نسلوں میں منتقل کرتے رہے۔ اس میں تخصص بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ ہفتے میں ایک دن تفسیر پر ایک دن غزوات نبویہ پر اپنے طلبہ کو لیکچر دیتے تو باقی دنوں میں مختلف دیگر آثار نبویہ یا علوم اسلامیہ پر، جہاں تک فقہ کے موجودہ مفہوم کا تعلق ہے اور جس میں عبادات، معاملات اور حدود و تعزیرات یعنی سزائیں داخل ہوتی ہیں۔ عہد نبوی ہی سے اس کے لکھنے کی کوشش شروع ہو چکی تھی۔ فتح مکہ کے وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احکام و اصول سے لبریز خطبہ دیا تھا وہ خود جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے لکھ کر ابو شاہ نامی ایک صحابی کو دیا گیا تھا کہ اپنے ملک میں اس کو لے جا کر دستور العمل بنائیں (بخاری) عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر بناتے وقت جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طویل تحریری ہدایت نامہ دیا اسے بھی تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ زکوٰۃ کے سرکاری محاصل جو غلے، جانوروں اور نقد رقم وغیرہ پر وصول کیے جاتے تھے، ان کا نصاب بھی تحریر کر کے محصلین زکوٰۃ کو دیا جاتا تھا۔

حضرت ابن عباس (فوت ۶۸ھ) کے پاس کسی شخص نے ایک مرتبہ ایک کتاب پیش کی تھی جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے یکجا کیے گئے تھے۔ حکام عدالت کے فیصلوں کی نقلیں بھی محفوظ رکھی جاتی ہوں گی۔ جس کا امام ابو یوسف وغیرہ کے زمانے سے پتا چلتا ہے۔ جو اصحاب اپنے طلبہ کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے اس کی یادداشتیں بھی لی جاتی رہی ہوں گی۔ امام زید بن علی (فوت ۱۲۲ھ) کی طرف فقہ میں ایک کتاب المجموع منسوب ہے جو اب چھپ کر دستیاب بھی ہونے لگی ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس بحث کا خاتمہ نہیں ہوا کہ یہ کتاب امام زید کی لکھی یا املا کرائی ہوئی ہے یا ان کے لیکچروں کو ان کے کسی شاگرد نے بعد میں خود مرتب کیا ہے؟ اگر وہ امام زید ہی کی ہے تو پھر یہ امر دلچسپ ہوگا کہ اس کی تدوین کا خیال انہیں کس طرح پیدا ہوا؟ اس کی ترتیب ابواب میں انہیں کسی سے مدد ملی؟ اور ان کا طریقہ کار کیا تھا؟ اور آیا وہ انفرادی کوشش تھی یا اشتراک و تعاون کا نتیجہ۔

Marfat.com

احادیث نبوی کو فقہی ابواب پر مرتب کرنے کی کوشش امام مالک (ف ۱۷۹ھ) کی موطا سے بھی قبل امام ابن الماجشون (ف ۱۶۴ھ) [1] نے کی لیکن سوائے زرقانی کی شرح موطا کے دیباچے میں نام کے حوالے کے اس کا اب کوئی پتا نہیں چلتا۔ امام مالک کی تالیف اسی کی اصلاح اور اس کے جواب میں تھی۔ یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ اولاً خالص حدیث کے مجموعے تیار ہوئے۔ پھر فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب ہونے کے بعد آخر خالص فقہی کتابیں تیار ہوئیں لیکن میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ خالص حدیث کے بعد خالص فقہ کی کتابیں لکھی گئیں، تو ردعمل کے طور پر قانونی احادیث کے مجموعے تیار ہوئے۔ امام زید بن علی، امام ابوحنیفہ اور ابن الماجشون (ف ۱۶۴ء) جنہوں نے صرف رواجات مدینہ کو جمع کر کے ایک کتاب شائع کی اور دیگر اہل الرائے نے ایک مکتب خیال قائم کیا جس کے پیروؤں نے بعد میں غلو پیدا کیا تو بطور ردعمل اہل حدیث نے سنت کی پیروی پر زور دینے کے لیے فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب کیں۔

امام مالک (ف ۱۷۹ھ) وغیرہ چند ہم عصروں کی موطاؤں کو اسی تحریک کا آغاز سمجھنا چاہیے اور صحیح بخاری کو اس کی انتہا۔

جب تک مملکت کے استحکام اور امن و امان کے ساتھ قانونی احکام کی روز افزوں وسعت و کثرت ہونے لگی تو ان کے مجموعوں کی ضرورت حکومت نے بھی محسوس کرنی شروع کی اور خانگی علماء نے بھی مذکورہ بالا مختصر پس منظر سے فوراً معلوم ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ (ف ۱۵۰ھ) کی کوششیں فقہ کو مدوّن کرنے کے متعلق اپنی نوعیت کی اولین نہ تھیں لیکن ان کے کام کی وسعت تنوع اور فنی خصوصیات کے باعث ان کی کوششیں اوروں سے زمانے میں متاخر ہونے کے باوجود ہر نقش ثانی کی طرح زیادہ دلکش ہیں اور آج انہیں کا مختصر ذکر مطلوب ہے۔

---

[1] گولت سیہر کو (محمد انشحے اسعود مین ص ۳ و ص ۲۲۰) کو دھوکا ہوا ہے اور العامری محمد بن عبدالرحمن مشہور بہ ابن ابی ذئب کو سب سے قدیم موطا نویس قرار دیا حتیٰ کہ ان کی وفات تک کی سہو سے ۱۲۰ھ لکھ دی ان کی وفات اصل میں ۱۵۹ھ میں ہوئی۔ یہ غلطی تحقیق مزید نہ کرنے سے گولت سیہر کے حوالے سے بروکلمان تک نے (جرمن تاریخ ادبیات میں عربی ص ۶۵ تا ۶۶) اصل مع ضمیمہ جدیدہ دہرادی ہے ان دونوں نے حوالہ زرقانی کا دیا ہے لیکن زرقانی نے ابن ابی ذئب کی جگہ ابن الماجشون کو تقدم عطا کیا ہے اور امام مالک کا پیش رو قرار دیا ہے ابن ابی ذئب کی طرف ایک موطا منسوب کی ہے اور کوئی امر بیان نہیں کیا ہے چونکہ یہ امام مالک سے زیادہ معمر تھے اس لیے ممکن ہے انہوں نے موطا پہلے تالیف کی ہو۔

Marfat.com

امام ابوحنیفہؒ

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی (یا زوطرۃ[1]) کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ان کے متعلق بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ نسلاً کون تھے؟ کوئی عرب بتاتا ہے تو کوئی ایرانی، کوئی افغانی کابلی بتاتا ہے تو کوئی باپ کو ایرانی اور ماں کو سندھی، تاریخ بغداد (نمبر ۷۲۹۷، ص ۳۲۵) میں خطیب نے علاوہ کابل، بابل، انبار، ترمذ اور نسا کے ایک روایت میں ان کے نبطی[2] ہونے کی بھی درج کی ہے۔ نبطی عموماً یہودی ہوتے تھے اور بعض وقت کسان پیشہ بھی بلالحاظ قومیت، ہمیں اس بحث سے زیادہ دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اسلام نے شعب وقبائل کی نسبت کو باہم تعارف اور پہچانت کی حد تک تو جائز رکھا ہے ورنہ اس اجازت کے ساتھ ہی اس نے کہہ دیا ہے کہ: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقَاکُمْ اگر اس بحث کی تکمیل وتحقیق سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ قانونِ اسلام کی تدوین یا ارتقاء پر امام ابوحنیفہؒ کے ذریعے سے کون سے بیرونی اثرات پڑے، تو وہ بھی لاحاصل ہوگی، کیونکہ چاہے ان کے دادا ایک آزاد کردہ غلام نومسلم ہی کیوں نہ رہے ہوں، خود ان کی آنکھ مسلمان گھرانے میں کھلی تھی، ماحول خالص اسلامی ملا اور زندگی زیادہ تر کوفے، مکے یا بغداد کے اسلامی شہروں میں گزری۔ گو وہ فارسی ضرور جانتے تھے (مناقب الامام الاعظم مؤلفہ الموفق ص ۲ ص ۵۵ تا ۵۶) اور ان کے اساتذہ میں عطا بن ابی رباح نوبیہ کے حبشی تھے۔ عکرمہ مولا ابن عباس بربر کے تھے۔ مکحول شامی یا مصری یا کابلی تھے اور عربوں کے علاوہ مختلف نسلوں کے عجمی مسلمانوں سے بھی تعلیم پائی تھی۔ تجارت غالباً ان کا آبائی پیشہ تھا۔ ہرحال ہم ان کو ریشم کے کپڑوں کا کاروبار عمر بھر کرتا پاتے ہیں اور زمانہ طالب علمی میں بھی ان کو ''موسر'' مالدار کہا جاتا دیکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں انہیں تعلیم کا نہ تو شوق تھا اور نہ موقع ملا تھا اور وہ اپنی ذہانت وتوانائی بازار ہی میں صرف کرتے تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کا علم پرور دور آیا تو اس نے ان کو بھی متاثر کیے بغیر نہ چھوڑا جسے ایک بار علم کا چسکا پڑ جائے وہ کہاں چھوٹ سکتا ہے۔

---

1. ذہبی کی مناقب امام ابوحنیفہ وصاحبیہ (نشریہ احیاء المعارف النعمانیہ، حیدرآباد دکن) میں ان کا نسب نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہے، بعض روایتوں میں زوطی بن ماہ کا جو نام ملتا ہے وہ شبلی (سیرۃ النعمان) کی رائے میں بعد میں نعمان بن مرزبان ہوگیا، زوطی کے لفظ کا ہندوستانی ''جاٹ'' سے بھی ممکن ہے کچھ تعلق ہو یا یہ کہ وہ ''چھوٹے'' کا معرب ہو کیونکہ نہ صرف اس لفظ کا تلفظ ''زوطا'' اور ''زوطی'' دونوں میں ہے (لہٰذا دونوں کے مابین ''زوطے'' سمجھنا چاہیے) بلکہ اس کے معنی بھی مؤلف نے ''چھوٹے'' ہی کے بتائے ہیں۔ شاید سندھی لفظ ہو۔

2. ابن سیرین کو ابوحنیفہ پر چوٹ کرنی ہو تو ''نبطی زادہ'' ہی کہا کرتے تھے۔ (صیمری ورق ص ۵۵)

شعبی ایک مشہور محدث گزرے ہیں ان کی مردشناس آنکھ نے ہونہار ابوحنیفہ کا جوہر تاڑ لیا۔ اور ایک دن پوچھ ہی لیا کہ صاحبزادے تم کس سے تعلیم پاتے ہو؟ اور جب کاروبار کا نام سنا تو فرمایا کہ تم غفلت نہ کرو اور علم حاصل کرنے اور علماء کے ساتھ بیٹھنے پر نظر رکھو کیونکہ میں تم میں ایک بیداری اور حرکت پاتا ہوں (موفق ۱/۵۹) حساس دل پر بے غرضانہ خلوص کا فوراً اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اب اعلیٰ تعلیم پر توجہ کی اور یکے بعد دیگرے بہت سے اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوکر اپنی پسند کا علم انتخاب کرنے لگے۔ (موفق ۱/۶۴)

بعض بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شروع میں علم کلام سے دلچسپی ہوئی جو اس زمانے میں نیا نیا رواج پذیر ہوا تھا اور آپ نے کافی درک بھی پیدا کرلیا لیکن ایک دن کسی بڑھیا نے ان سے روزمرہ کام کا کوئی معمولی سا مسئلہ پوچھا تو اس میں یہ کورے نکلے...... (صمیری ورق نمبر ۱۱۸) اس سے ان کے دل کو بڑی چوٹ لگی، کہ وہ علم ہی کس کام کا کہ غیر محسوس امور کے متعلق تو زمین و آسمان کے قلابے ملائیں اور روزمرہ کی ضرورتوں کے احکام سے نابلد رہیں۔ عقود الجمان فی مناقب الامام اعظم مؤلفہ محمد بن یوسف بن علی الصالحی میں لکھا ہے کہ شہر بصرہ میں امام ابوحنیفہؒ کے خوارج اباضیہ، صفریہ اور حشویہ فرقوں سے بیس سال سے زیادہ عرصے تک مباحث رہے۔

ایک بعد کے زمانے میں ان کے شاگرد ہیثم بن عدی الطائی نے ان سے پوچھا تھا کہ علوم تو بہت سے ہیں آپ نے فقہ کا کیوں انتخاب کیا تو انہوں نے کہا تھا:

''میں بتاؤں، توفیق تو خدا کی طرف سے ہوئی اور تعریف کا اہل و مستحق وہی ہے، بہرحال جب میں نے علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو سب ہی علم اپنے سامنے رکھے اور سب کو تھوڑا تھوڑا پڑھا اور پھر ان کے انجام اور نفع پر غور کیا۔ چنانچہ میں نے علم کلام کو لینا چاہا تو نظر آیا کہ اس کا انجام برا ہے اور منفعت تھوڑی۔ اور اگر کوئی شخص اس میں کمال بھی پیدا کرے اور لوگوں کو اس کی ضرورت پڑے تو بھی وہ علانیہ کچھ نہیں کہہ سکتا، ورنہ اس پر ہر قسم کے الزام لگائے جاتے ہیں اور اسے برا کہا جانے لگتا ہے۔ پھر میں نے ادب اور نحو پر غور کیا اس کا انجام صرف یہ نظر آیا کہ کسی بچے کا معلم بن سکوں، پھر میں نے شاعری پر غور کیا تو دیکھا کہ اس میں مدح و ہجو اور جھوٹ اور دین کی مخالفت کے سوا انجام کچھ نہیں، پھر قرأت پر غور کیا تو اس میں کمال کا انجام یہ نظر آیا کہ کچھ نوجوان میرے پاس پڑھنے آئیں گے اور قرآن اور اس کے معنوں پر کچھ کہنا تو بڑی ٹیڑھی چیز ہے، پھر میں نے کہا کہ حدیث پڑھوں تو دیکھا کو بہت سی حدیثیں جمع کرکے لوگوں کے لیے اپنی احتیاج پیدا

Marfat.com

کرنے میں بڑی عمر لگے گی اور جب یہ چیز حاصل بھی ہو جائے تو شاید صرف نوعمر ہی میرے پاس آئیں اور ممکن ہے کہ مجھ پر جھوٹ یا بھول کا الزام لگائیں اور قیامت تک وہ میری بدنامی کا باعث ہو جائے، پھر میں نے فقہ پر غور کیا اور جتنا زیادہ غور کیا اتنا ہی اس میں عظمت وجلالت ذہن نشین ہوتی گئی اور اس میں کوئی عیب نظر نہ آیا اور میں نے دیکھا کہ ایک تو اس طرح ہمیشہ علماء، فقہاء مشائخ اور اہل نظر کی ہمنشینی حاصل ہوگی اور ان کے اخلاق سے متصف ہونے کا موقع ملے گا اور دوسرے یہ بھی نظر آیا کہ اس کے جاننے کے بغیر نہ تو مذہبی فرائض کی ادائی ٹھیک ہو سکتی ہے نہ دینی امور انجام پا سکتے ہیں اور نہ عبادت کی جا سکتی ہے، یوں بھی اگر گھر میں یا رشتہ داروں میں یا محلے میں کوئی مسئلہ پیش آئے تو لوگ مجھ سے پوچھیں گے اور اگر میں جواب نہ دے سکوں تو کہیں گے کہ پوچھ کر بتلاؤ، اور اگر میں کسی سے پوچھوں تو وہ معاوضہ کی توقع کرے گا، غرض اگر کوئی فقہ سے دنیا حاصل کرنا چاہے تو اعلیٰ ترین مراتب پر پہنچنے کے امکانات ہیں اور اگر کوئی عابد اور عزلت گزیں بننا چاہے تو پھر کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے گا کہ بے جانے بوجھے عبادت میں لگ گیا ہے بلکہ یہی کہا جائے گا کہ علم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کیا ہے۔'' (موفق ۵۷تا۵۸) تاریخ بغداد (نمبر ۲۹۲۷ ص ۳۳۱تا۳۳۲) میں خطیب نے یہی روایت یوں بیان کی ہے کہ انہوں نے احباب سے مشورہ کیا اور مختلف علوم کے نتائج اور خامیاں بھی انہی نے ابوحنیفہ کو بتائی تھیں۔

بہرحال جب امام ابوحنیفہؒ نے فقہ پر توجہ کی تو شہر کوفہ کے مختلف اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں حاضر ہوتے گئے مگر سوائے حماد بن ابی سلیمان کے کوئی نظر میں نہ جچا۔ چنانچہ ان کی وفات تک برابر ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے رہے۔ (موفق ۶۴/۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے بطور معلم آ کر کوفے میں سکونت اختیار کر کے درس و تدریس کا جو اہم سلسلہ شروع کیا تھا اسے علقمہ پھر ابراہیم نخعی اور ان کے بعد حماد جیسے ممتاز فقہاء نے جاری رکھا تھا، اور خود امام ابوحنیفہؒ کے الفاظ ہیں جو انہوں نے خلیفہ منصور سے کہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم کا سنگم اس مدرسے میں ہو گیا تھا۔ (صمیری ورق ۴۸/ب) جس کے باعث اس مکتب نے خاص وقار حاصل کر لیا تھا۔ اب حماد کی وفات پر خوف ہوا کہ کہیں یہ نام مٹ جائے اور یہ سلسلہ ٹوٹ نہ جائے، پہلے حماد کے قابل بیٹے اسماعیل کو مسند نشین کرنے کی خواہش ہوئی لیکن انہیں فقہ سے زیادہ شاعری اور

Marfat.com

تاریخ سے دلچسپی تھی، آخر حماد کے شاگردوں نے باہم مشورہ کیا اور سب کی نظرا نتخاب ان کے درس ابو حنیفہ کے سوا کسی پر نہ جمی اور سکھوں نے انہی کو مجبور کرنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا: "بھائیو! مجھے عذر نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تم میں سے کم سے کم دس پورے سال بھر میرے درس میں موجود رہا کرو۔ انہوں نے یہ ایثار منظور کیا کہ ہم جماعت کے شاگرد بنیں اور اس طرح ان کے حلقہ درس کو عوام میں ایک وقار حاصل ہو گیا اور لوگ کھنچے چلے آنے لگے۔ ابو حنیفہ نے اپنے اخلاق اور اپنی دولت سے بھی اچھا کام لیا۔ شاگردوں وغیرہ میں سے غرباء کی امداد اور خوش باش لوگوں کو تحفے تحائف دینے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ کوفے کی جامع مسجد میں ان کا حلقہ درس سب سے بڑا حلقہ بن گیا اور ان کی ذہانت کے چرچے پھیل گئے چونکہ وہ خود خوشحال تھے اور علمی انہماک کے سوا دنیوی جاہ و منصب کی خواہش نہ رکھتے تھے اس لیے سرکاری حلقوں میں بھی ان کی وقعت بڑھتی چلی گئی (موفق ٦٦ و ٧ م ٢ /١٧)

شہرت سے ہم عصروں کو حسد پیدا ہوا کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہ سکے۔ خاص کر شہر کے قاضی اور کوتوال ان سے بہت جلتے تھے، کیونکہ بسا اوقات ان کے فیصلوں پر ابو حنیفہ تنقید کر کے غلطیاں نمایاں کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بغداد کے قاضی نے شہر کی ایک پیشہ ور طوائف کو آمادہ کیا کہ امام ابو حنیفہ کو کسی بہانے اپنے گھر بلائے۔ رات کو وہ مصیبت زدہ بن کر آئی اور اپنے بستر مرگ پر پڑے ہوئے شوہر کی تلقین کے لیے بلایا۔ وہ حسب ِمدعا امام گلیوں میں سے گزر کر اس کے گھر پہنچے تو پہلے سے تیار پولیس نے ان کو گرفتار کر کے طوائف کے ساتھ رات بھر حوالات میں رکھا ان کا چالان کر کے غیر ثقہ اور آئندہ گواہی کے نا قابل قرار دیا جائے، ابو حنیفہ رات بھر حسب عادت نوافل اور عبادت میں معروف رہے۔ اس کو دیکھ کر تھوڑی ہی دیر میں طوائف سخت پشیمان ہو گئی اور پورا واقعہ بیان کر کے معافی چاہی، کسی طرح ابو حنیفہؒ کی بیوی بھی پتا چلا کر بڑی رات گئے حوالات آئیں تو طوائف بڑی خوشی سے ان سے کپڑے بدل کر وہاں سے رخصت ہو گئی۔ صبح کو ابو حنیفہؒ مع اپنی بیوی کے عدالت میں پیش ہوئے اور عدالت کو مجبوراً انہیں عزت سے بری کرنا پڑا۔ (موفق ١٧١ تا ١٩ /١)

حمید طوسی (کوتوال) نے اور ایک روایت میں افسر تعارف شاہی (حاجب) ربیع نے ایک دن منصور کے سامنے ابو حنیفہ سے یہ خطرناک سوال کیا کہ وقتاً بوقت ہم کو خلیفہ قتل وغیرہ

Marfat.com

سزاؤں کے نفاذ پر مامور کرتا ہے اور ہمیں مقدمے کے حالات کا علم نہیں ہوتا کہ سزا منصفانہ ہے یا ظالمانہ، ایسی صورت میں ہم حکم کی تعمیل کریں یا نہیں؟ ابوحنیفہؒ نے جرح کی کہ "تمہاری رائے میں خلیفہ منصفانہ حکم دیتا ہے یا ظالمانہ؟ اس نے کہا" منصفانہ" ابوحنیفہؒ نے کہا" تو منصفانہ احکام کی فوراً تعمیل کرو، اس میں ثواب ہے" اور اس طرح عملی سوال کو علمی بنا کر خودداری کی لاج رکھی۔ (صمیری ورق نمبر ۵۰/ب مناقب مؤلفہ ذہبی بر موقع)

مشہور مؤرخ ابن اسحاق کی بھی امام ابوحنیفہ سے نہیں بنتی تھی۔ ایک دن وہ اور ابوحنیفہ دونوں خلیفہ منصور کے پاس موجود تھے، ابن اسحاق نے موقع دیکھ کر کہا: "امیر المؤمنین یہ شخص کہتا ہے کہ...... حضور کے جدّ امجد حضرت ابن عباسؓ نے اس مسئلے میں غلطی کی تھی، جب یہ کہا تھا کہ کوئی شخص قسم کھا کر بعد میں کسی وقت بھی ان شاء اللہ کہے تو قسم کی پابندی باقی نہیں رہتی" اور کہتا ہے کہ ان شاء اللہ قسم کے ساتھ فوراً کہنا چاہیے" ابوحنیفہ نے جواب دیا: "امیر المؤمنین یہ شخص کہتا ہے کہ آپ کی فوج پر آپ کی اطاعت واجب نہیں کیونکہ بیعت کا حلف لینے کے بعد گھر میں جا کر ان شاء اللہ کہہ دیتے ہیں۔" خلیفہ ہنس پڑا اور ابوحنیفہ عزت کے ساتھ گھر واپس آئے۔ (موفق ۱۴۳ تا ۱۴۴/۱، کردری ۱۸۴/۱)

امام ابوحنیفہ کو ایک بڑھیا کے سامنے فقہ کے ایک معمولی روزمرہ کے مسئلے کے متعلق جو خفت برداشت کرنی پڑی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اثر ان کے دل پر ہمیشہ رہا۔ چنانچہ فقہ میں درک حاصل کرنے، حماد کا جانشین بننے اور بہت سے شاگرد فراہم ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنی دیرینہ دلی آرزو پوری کرنے کی کوشش کی، اور چاہا کہ مختلف ابواب کے مسائل مرتب کریں، چنانچہ انہوں نے اسلام کی بنیاد یعنی نماز سے آغاز کیا اور اس پر ایک رسالے میں بہت سے احکام جمع کیے اور اس کا نام" کتاب العروس" رکھا۔ (موفق ۶۷ تا ۶۸/۱)

اس رسالے کی مقبولیت سے ہمت پا کر انہوں نے چاہا کہ مزید ابواب کے مسائل مرتب کریں کہ یک بیک ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جو ہر راسخ العقیدہ مسلمان کو بے چین کر دینے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ ابوحنیفہ نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کھود کر اندر کی ہڈیاں چوطرف پھینک رہے ہیں، تعبیر خواب کے فن کے بعض ماہرین[1] نے بتایا کہ ایسا خواب دیکھنے والا پیغمبر اسلام کے علوم کو زندہ کر کے چار دانگ عالم میں پھیلائے گا، اس پر ابو

Marfat.com

حنیفہ بہت خوش ہوئے، اور گوشہ گزینی چھوڑ کر دوبارہ فقہ کا درس دینے اور تدوین فقہ کا کام جاری رکھنے پر آمادہ ہوئے۔ (موفق ۱/۶۷ تا ۶۸)

اس کا پتا چلتا ہے کہ ہر انقلاب حکومت کے وقت نئے حکمران ملک کی اقلیتوں کو ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے ہیں (تاریخ طبری ص ۲۱۶ کے مطابق) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے سپہ سالار خالد بن الولید کو عراق میں اسی کا حکم دیا تھا۔ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کا خاتمہ ہوا تو کوئی تعجب نہیں کہ عباسیوں نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔ بہر حال اسکا پتا چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے زمانے میں ذمیوں یعنی یہودیوں، نصرانیوں، پارسیوں وغیرہ کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے۔ اور بعض ذمی، غریب مسلمانوں کی مالی مدد وغیرہ کرتے تھے، تاکہ رسوخ حاصل کریں اور بعض مسلمان ایسی امداد کے قبول کرنے کو ہتک اور تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے۔ (موقف ۱/۲۶۶)

ایسے دوستانہ تعلقات کے زمانے میں یہ ناگزیر نہیں تو ناممکن بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ میں دوستانہ بحثیں بھی ہوا کرتی ہوں اور کیا تعجب ہے کہ مسلمانوں کو طعنہ دیا گیا ہو کہ تمہارا قانون مدون ہی نہیں ہے اور ہمارا قانون باقاعدہ مرتب شدہ موجود ہے۔ ممکن ہے ایسے ہی کسی طنز پر امام ابوحنیفہ نے پورا اسلامی قانون مرتب کرنے کی کوشش شروع کی ہو، ضرورت بہت دن سے تھی، باعث کا پتا نہیں چلتا، ان کے ہم عصر ابن المقفع نے ایک درد بھرے رسالے میں حکومت کو توجہ دلائی تھی کہ: ''قضاۃ ساختہ قانون نیز فتاویٰ میں متضاد نظائر وآراء کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ صحیح اور متفق علیہ اسلامی قانون کا کسی امر میں بھی پتا چلنا تقریباً ناممکن ہوگیا ہے اور یہ کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ مختلف اقوال کو کھنگال کر اور کسی ایک کو ترجیح دے کر خلیفۃ المسلمین کے فرمان کے ذریعے سے وہ حکماً واجب التعمیل قرار دیا جائے اور اس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے۔
ابن المقفع کی اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک برائی کی جگہ دوسری برائی پیدا ہو جاتی، بہر حال کیوں قانونِ اسلامی کو مدون کیا؟ اس کا جواب سوائے قیاس آرائی کے نہیں دیا جا سکتا، کیا کام کیا؟ اس سے سب لوگ واقف ہیں، کس طرح وہ کام انجام دیا اس پر کچھ مواد یہاں فراہم کیا گیا ہے۔

---

[1] عام طور پر بصرہ کے امام ابن سیرین کا اس سلسلے میں نام لیا جاتا ہے مگر شبلی نے (سیرۃ النعمان ص ۵ میں) اس پر اعتراض کیا ہے کہ ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی اور امام ابوحنیفہ کو یہ خواب حماد کی وفات ۱۲۰ھ کے بعد ہوا ہوگا بہر حال کسی نے تعبیر کی ہوگی، خواب بھی آغاز تعلیم پر نظر آیا ہو سکتا ہے اور ابن سیرین ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کا طریق کار

ابھی ہم نے دیکھا کہ حماد کی وفات پر ابوحنیفہ کوفے میں فقہ کا درس دینے لگے تھے۔ ان کا طریقہ تعلیم چند ایک منتشر بیانات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اعمش ایک مشہور فقیہ گزرے ہیں۔ ان سے اگر کوئی کچھ مسئلہ دریافت کرتا تو وہ کہتے جاؤ اس حلقے میں بیٹھو، یعنی ابوحنیفہ کے پاس کیونکہ اگر کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو وہ اس پر باہم بحث کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ خوب روشن ہو جاتا ہے۔ (مناقب کردری ۲/۳)

ابن عیینہ مشہور محدث تھے، ایک دن وہ گزرے تو دیکھا کہ ابوحنیفہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں ہیں، اور خوب غل مچا ہوا ہے انہوں نے کہا: ''ابوحنیفہ یہ مسجد ہے، یہاں آواز نہ اٹھنی چاہیے۔'' ابوحنیفہ نے کہا انہیں چھوڑ دو بھی، اس کے بغیر وہ سمجھتے نہیں کردری ۲/۳)

ایک دن یہ سوال تھا کہ بلوغ کس عمر میں سمجھا جائے۔ اس دن تیس شاگرد موجود تھے۔ ابوحنیفہ نے سب سے پوچھا کہ وہ کب بالغ ہوئے؟ اکثر نے اٹھارواں سال بتایا اور چند نے انیس، اس پر انہوں نے مرد کا بلوغ اکثریت کے تجربے پر اٹھارہ سال میں مقرر کیا۔ (موفق ۱/۸۲)

ایک دن کسی نے فقہ کا درس اور قیاس آرائی دیکھی، تو فقرہ کس دیا کہ: ''قیاس سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا۔'' (مراد یہ تھی کہ خدا نے جب حضرت آدم کو سجدے کا حکم دیا تو آتشی مخلوق کو خاکی مخلوق سے افضل قیاس کر کے ابلیس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا) ابوحنیفہ اس طرف متوجہ ہوئے اور کہا بھلے مانس تم نے بے محل بات کہی ہے۔ ابلیس نے خدا کے حکم کو ٹھکرایا تھا اور ہم ایک مسئلے کو دوسرے پر صرف اس لیے قیاس کرتے ہیں اسے قرآن یا سنت یا اجماع امت کے اصول کے تابع کریں اور اسی کی کوشش کرتے ہیں اور (خدا کے حکم کی) پیروی چاہتے ہیں، پھر یہ اور وہ دونوں ایک کیسے ہوئے؟ (موفق ۱/۸۱)

ایک دن اور کسی نے ان کے اجتہاد کرنے پر اعتراض کیا تو کہا:

''میں قرآن ہی کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم ملے، اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہوں۔ اور ثقہ لوگوں کے ذریعے سے جو صحیح حدیث نبوی ملے اس کو لیتا ہوں۔ اگر قرآن میں حکم ملے اور نہ سنت میں تو آپ کے صحابہ کے اقوال پر نظر ڈالتا ہوں۔ اگر ان میں باہم میں اختلاف ہو تو خود کسی ایک کو ترجیح دیتا ہوں۔ لیکن اگر صحابہ اور غیر صحابہ

Marfat.com

میں اختلاف ہوتو صحابہ کے قول کو ہرگز نہیں چھوڑتا، ہاں جب رائے ابراہیم اور شعبی اور حسن بصری اور ابن سیرین اور سعید بن المسیب وغیرہ وغیرہ کی ہو تو جس طرح ان کو اجتہاد کا حق ہے مجھے بھی ہونا چاہیے۔ (موفق ۱/۸۹)

محمد بن ابی مطیع کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کوئی چار ہزار مشکل سوالات مرتب کیے۔ جو ہر باب سے متعلق تھے یا واقعات پیش آ چکے تھے۔ وہ اپنا سوال بند لا کر ابوحنیفہؒ سے جوابات پوچھا کرتے تھے۔ ابوحنیفہ نے کہا: ''ابو مطیع کیا ایسے بہت سے سوالات ہیں؟ کہا تقریباً چار ہزار، ابوحنیفہؒ نے کہا: ''میری مشغولیت کے وقت یہ چیزیں نہ پوچھو، دریافت اس وقت کرو جب میں فارغ ہوں۔'' چنانچہ وہ ابوحنیفہؒ کی فراغت کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور رفتہ رفتہ تمام سوالات ختم کر دیئے۔ (موفق ۱۴۱ تا ۱/۱۴۳)

ابوحنیفہ کا قول ہم نے بھی سنا کہ وہ فقہی سوالات کے حل کرنے میں قرآن کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ان کا قرآنی مطالعہ ظاہر ہے کہ بہت وسیع ہونا چاہیے وہ حافظ تو تھے ہی، شروع شروع میں روزانہ پورے قرآن کا ختم کرلیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں جب اصول کے استخراج اور مسائل کے استنباط میں مشغول ہو گئے تو بھی تین دن میں ایک ختم ضرور کر لیتے تھے۔ (موفق ۱/۲۴۴)

حقیقت میں ان کو قرآن سے عشق معلوم ہوتا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ جب کبھی کسی نہایت دقیق مسئلے پر غور کرنا ہوتا تو وہ تخلیئے میں اپنے تین مخصوص شاگردوں کو لیتے جن میں سے ایک خوش الحانی سے کچھ آیات کی تلاوت کرتا۔ پھر ابوحنیفہ سے اس مسئلے پر باہم بحث کرتے۔ (موفق ۱/۶۶)

ابوبکر معتصمی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ تین سال تک ابوحنیفہؒ کے پڑوس میں رہا۔ میں رات بھر ان کو نماز میں قرآن پڑھتے سنتا، اور دن بھر اپنے شاگردوں سے فقہی مسائل کے شغل میں پاتا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کھاتے کب اور سوتے کب تھے۔ (موفق ۱/۲۵۰ اور دیگر شہادت موفق ۱/۲۵۱)

کوفے کی مسجد میں وقف کی چار سو دا تین طلبہ کے لیے ہمیشہ رہتی تھیں۔ (موفق ۲/۱۴۰) اور یقیناً ابوحنیفہ کے سیکڑوں ہی شاگرد ہونے ہوں گے۔ امام سیف الائمہ سائلی کا بیان ہے کہ ابوحنیفہ کے ایک ہزار شاگرد تھے، جن میں چالیس خاص فضیلت و جاہات رکھتے تھے بلکہ

Marfat.com

اجتہاد کے درجے تک پہنچ چکے تھے، ابو حنیفہ ان کو خاص طور سے عزیز رکھتے تھے، اور ان کو تقرب حاصل تھا۔

ایک دن انہوں نے ان چالیس شاگردوں سے کہا کہ تم میرے سب سے جلیل القدر ساتھی اور میرے دل کے رازداں اور میرے غمگسار ہو، میں فقہ کی اس سواری کو زین اور لگام لگا کر تمہارے سپرد کر چکا ہوں، اب تمہیں چاہیے کہ میری مدد کرو، کیونکہ لوگوں نے مجھے دوزخ کا پل بنا دیا ہے کہ سہولت تو دوسروں کو ہوتی ہے اور بوجھ میری پیٹھ پر رہتا ہے۔ (موفق ۱/۱۳۳)

ان چالیس طلبہ میں سے مختلف ایسے علوم وفنون کے بھی ماہر تھے، جن سے فقہ میں مدد ملتی، مثلاً تفسیر، حدیث وسیرت، بلاغت وبیان، صرف ونحو، لغت وادب، منطق، ریاضی وحساب وغیرہ وغیرہ، خود ابو حنیفہ عملی معاشیات اور تجارتی کاروبار کا وسیع تجربہ رکھتے اور علم کلام وغیرہ سے بھی ابتدائے تعلیم میں خوب واقفیت پیدا کر چکے تھے۔ اس طرح ان شاگردوں میں ہر ملک کے لوگ تھے، عرب بھی، ایرانی بھی، خراسانی بھی، عراقی بھی، موالی بھی (مبسوط سرخسی ۲ تا ۱/۳، موفق ۳۲، ۳۳، ۲، ۱/۷، ۲/۱۳۳)

امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی

ایک حدیث میں ہے کہ: ''خدا علم کو یک بیک اٹھا نہیں لیتا ہے، بلکہ علماء کی موت کے ذریعے سے اس کو چھین لیتا ہے، اور جاہل لوگ سردار بن جاتے ہیں جو ناسمجھی سے احکام دیتے ہیں۔'' کہتے ہیں کو ابو حنیفہ اس حدیث سے بہت متاثر تھے، انہوں نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ علماء ہیں تو، لیکن علم منتشر ہے اور خوف ہے کہ ناخلف نسلیں آئندہ اسے ضائع نہ کر دیں، اسی لیے انہوں نے فقہ کے مسائل کو باب وار مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا۔ (موفق ۱/۳۴، ۲/۱۳۶)

اس مجلس میں تدوین میں فقہ میں ہم کو بڑے بڑے نام ملتے ہیں۔ امام ابو یوسف امام محمد شیبانی اور امام زُفر کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے، عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض اور داؤد بن نصیر جیسے عابد وزاہد بھی اس میں شریک تھے، وکیع جیسے ماہر تفسیر بھی تھے، حسن بن زیاد جیسے فقیہ اور حفص جیسے ماہر حدیث بھی تھے، ان کے علاوہ خارجہ بن مصعب سے ابو حنیفہ اکثر مشورہ کرتے... (موفق ۱/۲۲۲) اور عافیہ نامی شاگرد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فقہی غور وخوض میں شریک

Marfat.com

رہا کرتے تھے، اور اگر کسی دن وہ نہ ہوتے تو ابو حنیفہؒ کہتے کہ بحث کو ابھی مکمل نہ سمجھو، چنانچہ عافیہ آ کر بحث کے نتیجے سے اتفاق کر لیتے تو پھر اس کو ختم سمجھا جاتا (جواہر عبدالقادر نمبر ۲۰۳) انہیں میں یحیٰ بن زکریا، حبان، مندل، قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن، بن حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے نام بھی ملتے ہیں۔ (موفق ۳۳ر۱)

ابوحنیفہ کا طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مسئلہ پیش کرتے اور ہر ایک کے معلومات اس کے حل کے لیے دریافت کرتے اور اپنی رائے بھی پیش کرتے اور مہینہ بھر بلکہ اس سے بھی زیادہ تک مناظرہ جاری رہتا اور جب کسی رائے کے دلائل پوری طرح واضح ہو جاتے تو پھر امام ابو یوسف اس کو لکھ لیتے (موفق ۳۳ر۱، کردور ۵۰ر۱) اور دیگر ائمہ کے برخلاف امام ابو حنیفہؒ نے انفرادی کوشش اور تنہا استبدادی رائے کی جگہ اپنے مذہب کو مشورے پر منحصر کر دیا تھا۔ (حوالہ ایضاً)

ایک مرتبہ کسی نے ان سے ایک خاص مسئلے کے متعلق پوچھا کہ صحابہ کرام تک اس کے متعلق ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے تھے، آپ کیسے قطعی رائے ظاہر کرتے ہیں؟ ابو حنیفہ نے کہا کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یونہی رائے قائم کر لی ہے؟ میں نے خاص اس مسئلے پر پورے بیس سال غور وفکر کیا۔ اس کی مماثل چیزیں ڈھونڈیں اور ہر صحابی کے قول کی اصول مسلمہ پر جانچ کی (کردری ۱۵۰ر۱ تا ۱۵۱)

ایک دفعہ انہوں نے قیاس کا اصول بیان کیا تھا کہ قیاس ہر چیز میں نہیں چلتا۔ قیاس صرف ان چیزوں میں چلتا ہے جن کا رائے سے ادراک ہو سکتا ہو، قیاس کسی طرح ارکان دین کے ثابت کرنے اور اسباب وعلل میں نہیں چلتا بلکہ صرف احکام کے ثبوت کے لیے چلتا ہے۔ (کردری ۱۴۵ر۱)

ایک مرتبہ کسی معتزلی نے مناظرہ میں پوچھا کہ: ''زمین کا مرکز کہاں ہے؟ ابو حنیفہ نے جواب دیا: ''جس جگہ تو بیٹھا ہے، اس پر وہ چپ ہو گیا۔ (موفق ۱۶۱ر۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ زمین کے کرہ ہونے کے قائل تھے کیونکہ اسی صورت میں ہر مقام اور ہر نقطہ مرکز بن سکتا ہے۔ (کردری ۱۴۵ر۱)

اس طرح باب بہ باب تدوین ہوتی گئی اور انہوں نے سب سے پہلے وضو اور طہارت کا باب رکھا، کیونکہ ایمان کے بعد اسی کی ہر وقت ضروری رہتی ہے۔ (کردری ۱۴۵ر۱)

Marfat.com

کہتے ہیں کہ ان مباحث میں تقریباً پانچ لاکھ مسئلے مرتب ہوئے جن میں سے اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے اور باقی کا معاملات سے تھا۔ ان میں بعض:

مشتمله على دقائق النحو والحساب ما يتعب فى استخراجها اهل العلم بالعربية واهل العلم بالجبر و مقابله

...... (موفق ۱۳۷/۲ تا ۳۸)

''صرف نحو اور ریاضی کے ایسے دقیق مسائل پر مشتمل تھے کہ ان کا استخراج زبان دانوں اور ریاضی دانوں کے چھکے چھڑا دیتا ہے۔''

اس باب وار تدوین اور کتاب وار ترتیب میں طہارت کے بعد نماز پھر روزہ، پھر یکے بعد دیگرے تمام عبادات کا ذکر کیا، عبادات کے بعد معاملات کے ابواب رکھے۔ اور سب سے آخر میں ترکہ و میراث کا ذکر کیا، طہارت و نماز کا ذکر مقدم اس لیے کیا کہ وہ سب سے اہم اور سب سے عام عبادت ہے، اور معاملات کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اور ہر شخص بری الذمہ ہوتا ہے۔ (جب تک کہ اس کا خصوصی ثبوت نہ ملے) اور وصیت اور میراث کو سب سے آخر میں رکھا، کیونکہ وہ انسانی احوال میں سب سے آخری چیز ہیں۔ (موفق ۱/۱۶۴)

کہتے کہیں کہ ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کیں۔ ان سے پہلے اس پر مستقل بحث کسی نہ کی تھی۔ (موفق ۱/۳۵)

قانون بین الممالک کو بھی انہوں نے ایک مستقل چیز قرار دیا اور کتاب السیر مرتب کی، جس میں قوانین جنگ و امن سے بحث تھی اور اس کو تاریخ سے الگ کر کے فقہی چیز قرار دیا ہے۔ اس پر ہم عصر بحثیں خوب چھڑیں اور امام اوزاعی نے اس کی تردید لکھی، ابو یوسف نے اس کا جواب لکھا (اور آخری رسالہ الرد علی سیر الاوزاعی کے نام سے اب حیدر آباد میں چھپ چکا ہے) محمد شیبانی نے بھی سیر صغیر لکھی اور پھر سیر کبیر جو اتنی بڑی تھی کہ ایک گاڑی میں ڈال کر لے جائی گئی، تا کہ ہارون رشید کو تحفہ دی جائے (مقدمہ ناشر الرد علی سیر الاوزاعی ابی یوسف نیز شرح السیر الکبیر للشیبانی ص ا سرخسی شارح کی تمہید)

ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس چہارگانہ کے علاوہ ایک مختصر تر دس آدمیوں کی ایک کمیٹی بھی تھی۔ محمد بن وہیب جو پہلے اہل حدیث سے تھے بعد میں ابوحنیفہؒ کے معتقد ہو گئے وہ

Marfat.com

اس کمیٹی کے رکن تھے اور "ان دس آدمیوں ہی نے فقہی ابواب مدوّن کیے تھے۔" (کردری ۲/۱۸۵ تا ۸۶ صیمری ورق ۸۴/ب تا ۸۵ الف)

صیمری نے ایک خاص الخاص مجلس چہارگانہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ: "ابوحنیفہ کے حلقے میں ہمیشہ رہنے والے دس تھے لیکن جس طرح لوگ قرآن کے حافظ ہوتے ہیں اس طرح فقہ کے حافظ ان میں چار ہی تھے۔ (زفر، یعقوب، اسد بن عمرو اور علی بن مسعر"..... صیمری ورق ۵۴ الف)

حضرت عبداللہ بن مبارک مستقل طور سے کوفے میں نہیں رہ سکتے تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہؒ کی ایک ہی کتاب کو کئی کئی بار تحریر کرتا تھا کیونکہ اس میں اضافے ہوتے رہتے تھے جن کو میں لکھ لیا کرتا تھا۔ ان کی زفر سے بڑی دوستی تھی اور کوفہ آ کر انہی سے ابوحنیفہ کی کتابیں مستعار لیتے اور نقل کر لیتے تھے۔ (موفق ۲/۶۸ صیمری ورق نمبر ۳۳ ب)

ابوحنیفہؒ کی فقہی کتابوں کا مطلب اصل میں ان لیکچروں کی یادداشتیں ہیں جو مختلف ابواب فقہ پر ہوتے تھے اور جو ان کے شاگرد مرتب کرتے رہتے تھے محمد شیبانی کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ستائیس ہزار مسائل قیاسی طور سے مدون کیے تھے (کردری ۲/۱۵۹) اس میں بہت کچھ استاد کے لیکچروں سے بھی ماخوذ ہوگا، امام مالک کا بیان ہے کہ ابوحنیفہؒ نے ساٹھ ہزار مسائل سے رائے ظاہر کی تھی۔ (موفق ۱/۹۶) بعض لوگوں نے اس تعداد کو پانچ لاکھ تک پہنچا دیا ہے۔ (موفق ۲/۳)

چونکہ سیرۃ النبی خاص کر غزوات کے ذکر کے متعلق ابوحنیفہؒ کے زمانے میں اتنی احتیاط اور چھان بین نہیں کی جاتی تھی۔ جتنی عام حدیث کے متعلق اس لیے وہ اہل سیرت کے متعلق بدگمان سے رہتے تھے۔ اور اپنے شاگردوں کو بھی منع کرتے تھے کہ ابن اسحاق جیسے ماہر فن تک سے نہ ملیں۔ لیکن جب ان کے بعض شاگردوں نے عذر کیا کہ سیرت دانی کے بغیر مقدم و مؤخر اور ناسخ و منسوخ سوانح نبوی معلوم نہیں ہو سکتے، اور سیرت کے مبادی نہ معلوم ہونے سے بڑے سے بڑا فقیہ بھی مضحکہ خیز غلطیاں کر جاتا ہے تو حق پسند ابوحنیفہ چپ ہو گئے۔ (موفق ۲/۱۳۱ تا کردری، ۲/۱۳۷) اور ابوحنیفہ کے دونوں سب سے بڑے شاگرد ابو یوسف اور محمد شیبانی تو واقدی جیسے مقابلۃً وافسانہ نویس سے تاریخ و سیرت میں مدد لینے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (موفق ۲/۲۳۹ کردری ۱۴۱ تا ۲/۱۴۲، ۲/۱۵۱)

Marfat.com

امام شافعی جیسے ماہر فن نے کیا خوب کہا ہے کہ لوگ پانچ آدمیوں کے محتاج ہیں، جو مغازی نبوی میں تبحر چاہتا ہے، وہ ابن اسحاق کا محتاج ہے جو فقہ میں تبحر چاہتا ہے وہ ابوحنیفہ کا محتاج ہے (ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: "جو قیاس واستحسان میں تبحر چاہتا ہے۔" (موفق ......) نیز صمیری ورق نمبر ۱۱ ا ب) جو شاعری میں تبحر چاہتا ہے وہ زہیر کا محتاج ہے۔ جو تفسیر میں تبحر چاہتا ہے وہ مقاتل بن سلیمان کا محتاج ہے اور جو صرف ونحو میں تبحر چاہتا ہے وہ کسائی کا محتاج ہے۔ (موفق ۶۷/۲)

("چراغ راہ" کراچی، اسلامی قانون نمبر۔ جون ۱۹۵۸ء)

Marfat.com

اسلامی مسائل کا عالمگیر ربط وتلازم

وَسَخَّرَلَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً مِّنْهُ ، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ. (سورۂ جاثیہ آیت ۱۳)

یعنی" وہی (ذات باری) ہے جس نے وہ سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا سب اپنی طرف سے تمہارا مسخر بنا دیا ہے اس میں بیشک غور وفکر کرنے والی قوم کے لیے کچھ نہ کچھ نشانیاں ہیں۔"

اس آیت پاک کا جتنا زیادہ تحقق آج کل جوہری قوت کے دور میں ہورہا ہے۔ اس کا پہلے کبھی خواب وخیال بھی نہ ہوتا ہوگا۔ لیکن جہاں کلام ربانی کی حقانیت ہویدا ہوتی جارہی ہے، وہیں اس کلام کے امین وحامل روزافزوں اور نت نئی ذمہ داریوں کے بوجھ سے لدے جارہے ہیں۔

اس موضوع پر کچھ درد دل سن سنانے کا باعث اصل میں یہ ہوا ہے کہ بعض واقعے دیکھنے سننے یا پڑھنے میں آئے ہیں۔ جن پر سارے عالم اسلامی کے دردمندوں کو سر جوڑ کر سوچنے اور کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ میں صرف چند منتشر خبروں کو نقل کرتا ہوں۔ ان کا اندرونی رابط اہل فکر سے پوشیدہ نہ رہے گا:

سلطان ابن سعود مرحوم نے امریکہ کو عرب میں پٹرول نکالنے کی اجازت دیتے ہوئے یہ شرط کی تھی کہ" کارخانوں اور کاروبار کے سلسلہ میں عرب میں نہ تو گرجے تعمیر کیے جائیں اور نہ مقامی باشندوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔" اس کی تعمیل جس طرح ہورہی ہے اس کے لیے" A Bridge to Islam " پڑھی جائے۔ جو ابھی ابھی ایک امریکی پادری نے شائع کی ہے۔

Marfat.com

اور مشرق قریبہ میں بیس سال گزارنے کے بعد اپنے تجربے اپنے ہم مشربوں کے لیے لکھے ہیں۔ وہ بیان کرتا ہے کہ "ظہران (پٹرولی علاقے) میں جو شفا خانے امریکی کمپنی نے کھولے ہیں اس میں ڈاکٹر اور نرس مشنری پادریوں اور ننوں (Nuns) میں سے چنے گئے ہیں۔" ابھی ابھی اخباروں میں یہ اطلاع بھی شائع ہوئی ہے کہ "امریکہ سے عرب کے لیے جو خصوصی ریڈیو نشریات عربی زبان میں ہوتی ہیں ان میں عیسائیت پر بھی تقریریں شامل کی گئی ہیں۔" تیسری تدبیر جو کمپنی کے عرب ملازم کی زبان سے سنی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "ظہران میں کمپنی کے نوجوان عرب ملازموں نیز ان کے بچوں کے لیے مدرسے کھولے گئے ہیں، ان میں بچوں کے لیے اسلامی تعلیم مفقود ہے اور وہ تمام ہتھکنڈے امریکی مدرس اختیار کر رہے ہیں جو اسلام سے ٹھنڈول اور بچوں میں لامذہبیت ، بداخلاقی اور بدچلنی پیدا کرنے میں مدد ومعاون ہوتے ہیں۔"

براعظم افریقہ رقبے اور آبادی میں جو کچھ ہے ظاہر ہے اسی وسیع سرزمین میں مصر، لیبیا اور حبش کے نیم یا تین چوتھائی آزاد دو ایک ملکوں کو چھوڑ کر سارا ہی علاقہ گوری نو آبادیوں پر مشتمل ہے۔ جنوبی سوڈان میں مسلمان کم ہیں۔ وہاں مشنریوں کا نہ صرف زور ہے بلکہ انگریزی حکومت مسلمانوں کو اس علاقے میں پھٹکنے نہیں دیتی۔ یہی حال ان نو آبادیوں کا ہے جو غیر انگریزی گوروں کے قبضے میں ہیں۔ اس کے باوجود کالونی میں اسلام اس تیزی سے پھیل رہا ہے کہ ہم کو حیرت اور غیروں کو گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ دو چیزیں قابل ذکر ہیں:

"چند ہفتوں کی بات ہے فرانس کے نائب وزیر اعظم موسیو رینو افریقی مقبوضات کے ایک سرکاری طویل دورے کے بعد پیرس واپس آئے تو ہوائی اڈے (مطار) پر انہوں نے اپنے تاثرات صحافت کے لیے تین لفظوں میں بیان کیے۔

"یہ نہ سمجھنا کہ کالے لوگ جمود میں ہیں، وہاں اسلام، اشتراکیت اور ہندی نو آبادکار تین خطرناک حرکتیں نمایاں ہیں۔"

اسلام کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ دوسری خبر یہ ہے کہ "انگلستان، فرانس اور بلجیم کی حکومتوں نے افریقی مسائل کا تجربہ رکھنے والے وظیفہ یاب کشوری افسروں، مستشرقوں، عمرانیاتیوں اور پادریوں پر مشتمل ایک سرکاری مشترکہ تحقیقاتی کمیٹی قائم کی ہے کہ مشنریوں کی ناکامی اور کالے افریقہ میں اسلام کی روزافزوں توسیع کے اسباب کا پتا چلائیں اور اس کے روکنے کی تدبیریں سجھائیں۔"

Marfat.com

کچھ اور خبریں بھی سنیئے۔ الجزائر میں ایک چھوٹا سا پندرہ روزہ اخبار نکلتا ہے (Jirume Musulman) (نوجوان مسلمان) اس کے ۱۲۔ مارچ ۵۴ء کے نمبر میں پیرس کے ایک طبیب نے (جو بڑی پابندی سے جمعہ کی نماز کو مسجد پیرس میں آیا کرتے ہیں) اپنے اسلام لانے کے اسباب پر ایک خط شائع کیا ہے، اس کا ایک جملہ یہ ہے کہ "۲۰ رفروری ۵۳ء کو میں نے مسجد پیرس میں اسلام کا اعلان کیا اور وہاں کے رجسٹر میں مجھے نمبر ۵۰ پر نوٹ کرلیا گیا۔" اس بیچارے کو جو پریشانیاں اٹھانی پڑ رہی ہیں وہ ناگفتہ بہ ہیں۔

ایک اور نومسلم کا حال سنیئے۔ یہ ایک خاتون ہیں بیس ۲۰ سال سے مذاہب عالم کا مطالعہ کر رہی ہیں۔ کچھ عرصہ بدھ مت بھی اختیار کیا تھا۔ شوہر (جواب تک غیر مسلم ہی ہیں) دہریئے ہیں۔ بیوی کو پوری آزادی دے رکھی تھی کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے، چاہے لامذہبیت ہو، بدھ مت ہو یا کوئی اور سال بھر ہوا خدا نے اس مخلصہ کو راہِ حق کی ہدایت کی، اس پر شوہر بچھر گئے، بات کرنا تک چھوڑ دیا، بیوی کو پاگل قرار دینے لگے، مرنے پر سہاگہ یہ کہ ایک "مسلمان" صاحب جو اس گھرانے میں آتے جاتے تھے شوہر کا ساتھ دیتے رہے اور اپنی روشن خیالی جتانے کے لیے اسلام کے خلاف طرح طرح کی گل افشانی کرنے لگے۔ خدا کی شان اسی زمانے میں کرملی سلسلہ کے ایک راہب پادری بھی اس خاندان میں آنے جانے لگے۔ یہ پہلے ٹینس کے چیمپئن تھے اب راہب ہیں ننگے پاؤں پھرتے ہیں، روزانہ آٹھ گھنٹے عبادت اور دو گھنٹے تفکر و استغراق میں گزارتے ہیں۔ ایک دن مذکورہ "مسلمان" صاحب کی موجودگی میں پادری صاحب نے اسلام کا ذکر چھیڑا۔ سورۂ فاتحہ کی عربی میں تلاوت کی اور بے ساختہ کہنے لگے کہ "یہ کلام خدا کے سوا کس کا ہو سکتا ہے؟ انسان کا تو قطعاً نہیں، میں ہر روز قرآن کا مطالعہ کرتا ہوں، اور میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام اور وحی کے ذریعہ سے انسان تک پہنچا ہے۔" جلسے میں خاموش کھلبلی مچ گئی۔ پادری صاحب اپنے استغراق میں تھے اور میاں بیوی اور وہ "مسلمان" صاحب ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہا تھا۔ کچھ دن بعد پادری صاحب پھر ضیافت پر آئے اور صرف شوہر بیوی کی موجودگی میں اسلامی تعلیم کی حقانیت کی کچھ اس شدت سے حمایت کرتے رہے کہ دہریئے شوہر صاحب بھی اب چند ہفتوں سے اپنے

Marfat.com

معتقدات ونظریات میں مذبذب سے ہو گئے ہیں۔ان کرکلی راہب کا بیان ہے کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں، البتہ مجھے عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم زیادہ پسند ہے، اصل میں ہر نبی کی تعلیم اچھی ہے۔صرف فرق یہ ہے کہ مختلف انسانوں کی افتادِ طبع کے لیے مختلف انبیاء کی تعلیمیں زیادہ موافق آتی ہیں۔''

''ہماری ان نو مسلم بہن کی تہجد گزاری سے چند ''موروثی'' مسلمان طلبہ کو بھی جو پیرس میں تعلیم پاتے ہیں، شرم آنے لگی ہے اور نماز کے پابند ہو چلے ہیں۔ مسجد پیرس میں اب زنانہ مقصورے میں دس بارہ نو مسلم گوری بہنیں جمعہ کے دن نظر آیا کرتی ہیں۔بعض کی گود میں دودھ پیتے بچے بھی ہوتے ہیں۔ان کے مطالعے اور تعلیم کے لیے اسلامی لٹریچر کی فرانسیسی زبان میں ضرورت بڑھ رہی ہے۔یہاں کی انجمن المرکز الثقافی الاسلامی جو جمال الدین افغانیؒ کی قائم کردہ انجمن کے احیاء پر مشتمل ہے۔تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کوشاں ہے مگر ع

کریماں را بدست اندر درم نیست!!

پیرس یونیورسٹی کے پروفیسر موتا ئیں نے روز نامہ ''موند'' میں ایک سلسلہ مضامین شمالی افریقہ (تیونس، مراکش، الجزائر) کے حالات ابھی ابھی شائع کیا ہے۔ضمناً وہ لکھتے ہیں:

''اگرچہ آج کل بھی اڑھائی لاکھ شمالی افریقی مسلمان فرانس میں مزدوری کرتے ہیں لیکن آئندہ چند ماہ میں ایک نئی تجویز عمل میں لائی جانے والی ہے اور پندرہ ہزار الجزائری خاندانوں کو بیوی بچوں سمیت منتقل کر کے فرانس میں کسی جگہ مستقلاً بسایا جائے گا۔اور یہ اس سلسلہ کی قسط اول ہوگی۔ان عربوں کو زبان وتمدن میں فرانسیسی بنانے کے لیے بھی مناسب تدبیریں اختیار کی جائیں گی۔''

صوبۂ الجزائر میں سرکاری مدرسوں میں عربی زبان کی تعلیم ممنوع ہونے سے الجزائری اب بھی عام طور پر عربی لکھ پڑھ نہیں سکتے۔اور عربی کے مقابلے میں فرانسیسی بہتر بولتے ہیں۔مذکورہ بالا نو آبادی میں تو آئندہ نسل عربی سمجھ بھی نہ سکے گی۔اس طرح لاکھوں مسلمانانِ فرانس کے لیے مستشرقوں کے فراہم کردہ نہیں۔بلکہ مسلمانوں کے لکھے ہوئے

Marfat.com

لٹریچر کی فرانسیسی میں ضرورت فوری ہوگئی ہے۔ایک اسلامی ماہنامے سے آغاز کیا جاسکتا ہے یہاں اس کے لیے چندہ ہو رہا ہے مگر اس گراں ملک کی ضرورتوں کی تکمیل مقامی مسلمانوں کے ہاتھوں ہونے میں نہ معلوم کتنا عرصہ لگے گا۔

مراکش میں عربی کتابیں لاطینی خط میں چھاپ کر اب درس وتدریس کے لیے نافذ کی جارہی ہیں۔ستم پر ستم یہ کہ فصیح عربی کی جگہ شہر رباط کی بولی کو اختیار کیا گیا ہے۔غالباً جلدی ہی یہ سارے ملک میں نافذ ہو جائے گی۔منشاء بظاہر یہ ہے کہ مراکش کا تعلق باقی دنیائے اسلام سے (عربی زبان کے باعث) جو کچھ رہا سہا باقی ہے وہ بھی کٹ جائے۔ریڈیو بھی فصیح عربی کی جگہ مقامی بولی کی روز افزوں سرپرستی کر رہا ہے۔

مختلف ملکوں میں مخلص مسلمان شدید مشکلات کے باوجود کام کر رہے ہیں اور خدا خلوص میں برکت دیتا ہے لیکن موجودہ دور میں جب کرۂ ارض سے مسافت گویا ناپید ہوگئی ہے ان کارکنوں میں ارتباط بھی نہ ہو تو پھر کسی اور چیز کا کیا گلہ کیا جائے۔

(''فاران'' کراچی۔جون 1954ء)

سوال نامہ

(۱) اسلام کا تصور قانون کیا ہے؟

(۲) آپ کی نگاہ میں اسلامی زندگی کی تشکیل و تعمیر میں قانون کا کیا حصہ ہے؟
اسلام اس سلسلہ میں قانون کا کیا رول متعین کرتا ہے؟

(۳) فقہ اسلامی میں جمود کا اصل سبب کیا ہے؟

(۴) اسلامی قانون کی تشکیل جدید کس طرح ہو سکتی ہے؟
آپ کے خیال میں:

☆ اس کی شکل کیا ہو سکتی ہے؟

☆ اس کے لوازمات اور تقاضے کیا ہیں؟

(۵) پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے کیا اقدامات ضروری ہیں؟

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

پروفیسر پیرس یونیورسٹی (پیرس)

تصور قانون

(۱) میری دانست میں اسلامی تصور کے مطابق قانون سے مراد وہ دستور العمل ہے جس کی اساسی چیزیں وحی ربانی کے ذریعہ انسان تک پہنچی ہیں۔ جو ساتھ ہی سراسر معقول اور انسان کے لیے مفید بھی ہیں۔ چنانچہ جس چیز میں حسن ہی حسن ہو وہی فرض و واجب ہوتا ہے اور جس میں حسن غالب ہو وہی مستحب قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جس میں قبح ہی قبح ہو وہ حرام ہوتا ہے اور جس میں قبح غالب ہو وہ مکروہ، جو امر ممنوع قرار دیا جائے صرف وہی ممنوع ہوگا۔ باقی ساری غیر محدود مسکوت عنہ چیزیں مباح ......احکام ربانی کو انسان بدل تو نہیں کرسکتا لیکن تعبیر انسانی چیز ہے اور تعمیل ہر شخص اپنی سمجھ اور بساط کے مطابق ہی کرسکتا ہے۔ مزید برآں خود قرآن اور حدیث کے ارشادات بھی سارے کے سارے فریضہ عائد نہیں کرتے۔ ان سے مستحبات اور مباحات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کی عدم تعمیل پر کوئی سزا نہیں دی جاسکتی (نماز پڑھو، اور خیرات دو اور حج کے زمانے میں تجارت کرو، یہ تینوں قرآنی ارشادات ہیں، لیکن تینوں کا اثر یکساں نہیں، ایک فرض دوسرا مستحب اور تیسرا مباح) خدائی اساس اور انسانی تعبیر کے باعث اسلامی قانون میں استحکام بھی ہے، اس سے انسان کے دل میں عقیدت بھی پیدا ہوتی ہے اور اس میں لچک بھی ہے چنانچہ ایک قیاس سے دوسرا قیاس ہی نہیں، ایک اجماع سے دوسرا اجماع تک منسوخ ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

حیات کی تعمیر میں قانون کا حصہ

(۲) فقہ میں عبادات، معاملات، عقوبات غرض انسانی زندگی کے سارے ظاہری پہلوؤں کے متعلق احکام ملتے ہیں۔ حکمرانی اور بیرونی ممالک سے تعلقات تک اس سے خارج نہیں۔ یہ جامعیت بیک وقت روح اور بدن دونوں کی ضرورتوں کی تکمیل کرتی ہے اور انسان میں ایک ہم آہنگ توازن پیدا کرتی ہے، روح اور بدن میں تفریق پیدا کر دیں اور عبادات کے انصرام کو عام معاملات سے جدا کر دیں تو جس پہلو پر زیادہ توجہ ہوگی وہ ترقی تو کرے گا لیکن یہ ادھوری ترقی ہوگی۔ صرف روح سے واسطہ رکھیں تو انسان فرشتہ بن جائے گا۔ صرف بدن پر توجہ ہو تو درندہ انسان نہیں...... اسلام ہر جہتی اور سب پہلوؤں کی بیک وقت ترقی چاہتا ہے۔ مزید برآں اس کی اعتدال پسندی کے باعث وہ مٹھی بھر انسانوں ہی کے لیے ممکن العمل نہیں رہتا۔ بلکہ خود عوام کے لیے، معاشرہ انسانی کے سارے ہی افراد کے لیے۔

فقہ اور جمود

(۳) فقہ اسلامی میں کوئی جمود نہیں۔ انفرادی فقہا میں جمود ہو سکتا ہے اور یہ فقہ کا قصور نہیں۔

قانون کی تشکیل جدید

(۴) فقہ کی تشکیل جدید کا سوال اتنا ہی بے محل ہے جتنا یہ سوچنا کہ دو اور دو تو پرانے زمانے میں چار ہوتے تھے اور اب کچھ اور۔ جس کی ضرورت ہے وہ صرف یہ ہے کہ نئی چیزوں کے متعلق اس کے سارے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر نئے قاعدے استنباط کریں اور اگر کسی پرانی چیز کے متعلق پرانا فیصلہ نئے ماحول میں ''عسر'' پیدا کرتا ہے تو راست سرچشمہ قانون یعنی قرآن اور حدیث سے رجوع کریں اور نئے سرے استنباط کریں۔ پرانے ائمہ کا احترام تو ملحوظ رہے گا لیکن وہ ارباباً من دون اللہ نہیں قرار دیئے جائیں گے۔ علماء امتی انبیاء بنی اسرائیل کے بمصداق اپنے زمانے کے ہادی تھے تا ابد نہیں۔

قرآن وحدیث سے تعلق کو راست اور مدامی طور پر برقرار رکھنے کے لیے خصوصی بلکہ اساسی چیز یعنی اجماع امت کو منظم کرنا چاہیے کہ **لاتجتمع امتی علی الضلالۃ** مثلاً ہر شہر اور ہر اس مقام پر جہاں کوئی عالم ہو اسے کسی مقامی، ضلع داری، صوبہ داری، دارالسلطنتی، انجمن سے درجہ بدرجہ منسلک کریں اور ملکتی انجمنیں ہر ملک میں ہوں، جن میں آپس میں وفاق پیدا کیا جائے۔ جب کبھی کوئی مسئلہ پیش ہو تو مرکز اسے ساری شاخوں میں بھیجے۔ شاخوں کی رایوں میں اختلاف ہو تو فریقین کی دلیلیں مکرر گشت کرائی جائیں۔ فیصلہ کثرت رائے سے ہو۔ ایسا مرکز چند مقاموں کے اشتراک سے چھوٹے پیمانہ پر فوراً بھی شروع ہوسکتا ہے۔ ذریعہ بحث اندرون ملک مقامی زبان ہو تو بین الممالک مراسلت میں (جو بین الاسلامی چیز ہوگی) عربی زبان جس سے ہر فقیہ واقف ہوتا ہے۔ وقتاً فوقتاً اجتماع اور زبانی مباحث بھی ہوسکتے ہیں۔

فقہ کی ہمیشہ سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ علماء کی نجی چیز رہی ہے اور حکومت سے آزاد، اس لیے نظام اجماع کو بھی غیر سرکاری اساس پر قائم کیا جانا چاہیے۔ فقہاء کو رائے قائم کرنے سے قبل متعلقہ علوم وفنون کے ماہروں سے مشاورت بھی کرنی چاہیے مثلاً بینک کے ماہرین اور علم ہیئت کے ماہرین وغیرہ۔

(۵) حرکت میں برکت ہے۔ **فاذا عزمت فتوکل علی اللہ**

(''چراغ راہ'' اسلامی قانون نمبر۔ جولائی، اگست ۱۹۵۸ء)

اسلامی قانون اور قانونِ رُوما

ڈاکٹر سی۔اے۔نال لینو (اٹلی) ترجمہ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ پیرس

بے بات کی بات بنانا بھی ایک فن ہے اور کوئی شک نہیں کہ مغربی مستشرقین کو اس فن میں یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ ان کی اسی ریاضت کا ایک شاہکار یہ دعویٰ بھی ہے کہ اسلامی قانون دراصل قانون رُوما ہی کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس کا جداگانہ کوئی وجود نہیں۔ اس بات کو مستشرقین کا ایک گروہ بڑی بے باکی سے بار بار کہہ رہا ہے اور بہت سے نئے تعلیم یافتہ مسلمان بھی ایسے ہیں جو اس پروپیگنڈے سے متاثر و مرعوب ہیں۔ اس لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لے کر حق کو باطل سے ممتاز کیا جائے۔ اور زیر نظر مقالہ اسی نوعیت کی ایک کوشش ہے۔

ڈاکٹر نال لینو یورپ کے ان چند مستشرقین میں سے تھے جو محض تعصب کی عینک سے ہر چیز کو نہیں دیکھتے بلکہ دیانت داری کے ساتھ علمی تحقیق کرتے ہیں انہوں نے مقالہ International Congress of Roman Law منعقدہ ۱۹۳۳ء میں پیش کیا تھا اور ۱۹۴۱ء میں یہ اطالوی زبان میں ان کی کتاب ''تحریرات کارلو نال لینو جلد چہارم؛ مشرقی قوانین'' میں چھپا مگر دوسری زبانوں کے طالب علموں کے سامنے یہ تحریر نہ آسکی۔ اب ڈاکٹر حمید اللہ نے اس مقالہ کا ترجمہ اطالوی زبان سے کیا ہے اور ہم اس مقالہ کو ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں تا کہ ایک مغربی محقق کی تحقیق ان کے سامنے آجائے اور حقیقت پر سے ظلمتوں کے پردے چاک کر دیے جائیں۔

(ایڈیٹر)

Marfat.com

''حق بات کو ماننا چاہیے، چاہے وہ تلخ ہو، مسلمان فقہا نے اسلامی قانون کی جو تدوین کی، آیا اس میں انہوں نے فلسفے، طب وغیرہ کی طرح بیرونی مدد لی یا نہیں۔ اگر لی ہے تو چشم ما روشن اور اگر نہ لی تو چشم ما روشن اس میں نہ تو شرمانے کی ضرورت ہے اور نہ مغرور ہونے کی بلکہ تلاش و تحقیق کی ضرورت ہے۔ اسی جذبہ کے تحت اس موضوع کا میں مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ وَفَوقَ كُلِّ ذِى عِلمٍ عَلِيم.

بعض ''بے رنگ'' اہل قلم کو ضد ہے کہ رنگدار قوموں میں اپج نہیں ہوسکتی، اور ان کی ہر عمدہ چیز یونان یا روما کی نقل اور بگڑی ہوئی نقل ہوتی ہے۔ فقہ کی حد تک اہل قلم کی کمی نہیں۔ اور ان کی متفقہ یقین دہانی پر'' طاقفان وزدان بر سر قلۂ کوہ نشستہ بودند'' کا قصہ صادق آتا ہے اور پکڑے جانے والوں میں بعض بھولے بھی ہوتے ہیں، میں نے ایسی بہت سی چیزیں پڑھیں لیکن ان میں بے بنیاد مفروضات اور بے دلیل دعوؤں کے سوا کم کوئی چیز ملی۔

میں نے اپنے ناچیز خیالات ایک سے زائد موقعوں پر ظاہر کیے، اولاً جامعہ مدراس کی دعوت پر ایک مقالہ'' فقہ اسلام کی تدوین وارتقاء میں بیرونی اثرات'' پڑھا تھا ایک اور مقالہ انجمن علمی اساتذہ جامعہ عثمانیہ کو سنایا گیا تھا۔ رسالہ اسلامک کلچر حیدرآباد ۱۹۳۹ء (ص ۱۲۵ تا ۱۲۶) میں بھی بعض چیزیں شائع کیں۔ ''امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی'' (مجموعہ مقالات حیدرآباد اکاڈمی ۱۳۶۱ھ) کا باب بھی اسی پر مشتمل ہے، سب سے مفصل بحث میں نے کل ہند موتمر مستشرقین ہند کے اجلاس حیدرآباد ۱۹۴۱ء میں کی۔ مجھے علم نہیں یہ مقالہ اس کی روداد میں چھپا یا نہیں، لیکن اسے حیدرآباد اکاڈمی کے مجموعۂ مقالات (۱۹۴۳ء) میں انگریزی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ (انفلوئنس آف رومن لا ان مسلم لا) ہندی موتمر مستشرقین (۱۹۴۱ء) کے ایک سال بعد اطالوی زبان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے اس کا نام'' تحریرات کارلو نال لینو آنجہانی، جلد چہارم، مشرقی قوانین'' ہے۔ مجھے اس کا علم ابھی چند ماہ ہوئے ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ یہ مقالہ ۱۹۳۲ء میں لکھا گیا تھا، لیکن چھپ نہ سکا، اور ۱۹۴۳ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا، مارگیولوث، شاخت وغیرہ کے مضامین کے مقابلہ میں یہ ایک دیانتدارانہ علمی تحقیق ہے اور اس قابل ہے کہ ہمارے اہل علم اس سے واقف ہوں۔

Marfat.com

''ایک اور مضمون جامعہ الجزائر کے پروفیسر بوسکے نے ۱۹۴۷ء میں فرانسیسی میں لکھا تھا جورویوالغ ریئین (جولائی تا ستمبر ۴۷ء مطبوعہ الجزائر) میں چھپا تھا، یہ ایک طرح سے نال لینو کے مضمون کا تکملہ ہے اور رطب و یابس پر مشتمل ہونے کے باوجود کافی معلومات کا حامل ہے۔

اولاً نال لینو کا مضمون اطالوی سے ترجمہ کر کے پیش کیا جاتا ہے اگر ناظرین کو پسند آیا اور طلب جاری رہی تو فرانسیسی مضمون (مولفہ بوسکے) کا ترجمہ بھی گزرانا جائے گا۔'' (ب۔د۔ا)

میں یہاں صرف ایسے خیالات پیش کروں گا جو اصلاً تاریخی نوعیت کے ہیں اور یہ اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ ممتاز ماہران قانون کے اس کثیر مجمع میں مجھے کچھ کہنے کی گنجائش ہو سکے۔

اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو پہلا شخص جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اسلامی قانون مادی حد تک رومی قانون سے ماخوذ ہے ۱۸۶۱ء میں ڈومے نی کوگات تیسکی Domenico Gatheschi تھا (دیکھو اس کی اطالوی تالیف Manualdi diritto publico privato Ottemans'' یعنی عثمانی قانون عمومی و خصوصی'' کی متداول کتاب مطبوعہ اسکندریہ ۱۸۶۵ء یہ شخص اسکندریہ کی عدالت مرافعہ مخلوط میں وکالت کرتا تھا اور انجمن ''العہد المصری'' کا رکن تھا۔ اسے نہ عربی آتی تھی اور نہ ترکی، لیکن اسے سلطنت عثمانیہ (ترکی) اور مصر سے تعلق رکھنے والے مسائل قانون و ضابطہ سے بڑی دلچسپی تھی، اور اس موضوع پر قابل قدر کتابیں (مغربی زبانوں میں[1]) ناپید نہ تھیں۔

وہ اپنے قیاس کا آغاز بعض مفروضات سے کرتا ہے، جو اس حیثیت سے بہت کچھ قابل بحث ہوتے ہیں کہ تاریخی وجوہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یا نہیں، اور یہ کہ دونوں قوانین (جسٹی نین کے قانون روما اور اسلامی قانون) میں متعدد مشابہتیں پائی جاتی ہیں یا نہیں، اس کا گمان تھا کہ رومی احکام و قواعد کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب جعلی حدیثوں کی شکل میں مسلمانوں نے اپنے ہاں بآسانی داخل کر لیا ہوگا۔

---

[1] یہ تین لفظ میں نے اپنی طرف سے بڑھائے ہیں، غالباً یہی مراد ہے۔ (مترجم)

اس وقت سے اس نظریہ کی طرح طرح سے تائید کی جاتی رہی ہے۔ کبھی تو پورے اذعان کے ساتھ اور کبھی محض قیاس کی بناء پر یہ موئیدین یا تو غیر مستشرق قانون دان ہیں، جن میں سے بعض براہ راست یہ دعوے کر بیٹھے کہ مسلمانوں کا قانون اساساً رومی ہے، جس میں بہ مشکل کوئی ترمیم کی گئی ہے جیسا کہ ہنری ہیوز نے ۱۸۸۰ء میں کہا تھا یا وہ طلبہ مسائل اسلامی ہیں جو قانون میں بہت کم دخل رکھتے ہیں۔

لیکن حقیقت میں کسی نے بھی اس موضوع کی ساری پیچیدگیوں پر غور نہیں کیا، جو ''اسلامیاتی'' ماخوذیت کے طرفدار ہیں، وہ یا تو عام ادعا پر اکتفا کرتے ہیں جو تخمینی اندازوں کا ثمرہ ہوتا ہے، نہ کسی گہرے مطالعے کا یا بہت ہی مخصوص نکات پیش کرتے ہیں۔ یا معین اسلامی قواعد اور معین رومی قواعد کی مماثلتوں کو جمع کرتے ہیں جو بعض وقت زیر بحث مسئلہ پر اثر انداز تو ہوتی ہیں لیکن اس سے اس کا اثبات نہیں ہوتا اور یہ مماثلتیں بے شبہ زیر بحث مسئلے پر قیمتی مواد مہیا کرتی ہیں لیکن اس کو حل کرنے سے بہت دور ہیں۔

ان کے مقابلہ میں چند جدید مسلمان ایرانی بہائی مؤلف ابوالفضل الجارفقدانی کی ایک تالیف کی بناء پر جو ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی اور جس کا عربی متن عبدالجلیل سعد کی ''مقدمۃ القوانین'' میں ہے یہ ادعا کرتے ہیں کہ جس چیز کو اہل یورپ رومی قانون کہتے ہیں وہ اصل میں اسلامی قانون سے ماخوذ ہے۔

اس لیے میں چاہتا ہوں کہ قانون روما کے (جس سے اس کا وسیع ترین مفہوم مراد ہے) قانون اسلام پر عمیق اثر پڑنے کے متعلق مجھے جو شکوک و شبہات ہیں ان کے سب وجوہ یکجا بیان کردوں اور چند ایسے نکات بتاؤں جن کو ان دونوں قانونوں کے باہمی تعلقات پر رائے ظاہر کرنے والوں نے یا تو محض بے وجہ فرض کرلیا یا نہایت ناکافی بنیاد پر انہیں قابل لحاظ قرار دے لیا۔

(۱) ایک اور خلط مبحث اس مسئلہ میں اس بناء پر پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ بتانا بھول جاتے ہیں کہ قانون اسلامی کا کیا مفہوم ذہن میں ہے۔'' قانون اسلامی'' کی یہ اصطلاح اہل یورپ کے ہاں مختلف معنی اختیار کرلیتی ہے۔ اکثریت کے ہاں یورپی زبانوں اور نظاموں میں اس کے ہم معنی اصطلاح کی غیر موجودگی کی وجہ سے جس چیز کو مسلمان ''فقہ'' سے موسوم کرتے ہیں اس کا مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مذہبی قانون (شریعت) کا وہ حصہ ہے جو مومن کے خدا کے ساتھ اپنے آپ کے ساتھ اور دوسروں

Marfat.com

کے ساتھ پائے جانے والے تعلقات ظاہری کے احکام بیان کرتا ہے۔'' قانون'' کا جومفہوم اہل مغرب کے ہاں ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ تعریف ایک جہت سے ضرورت سے زیادہ وسیع ہے اور ایک جہت سے ضرورت سے زیادہ تنگ ہے۔ چنانچہ عبادات (جن میں بعض ایسے احکام بھی مندرج تھے جو ہمیں قانون عمومی سے متعلق معلوم ہوتے ہیں مثلاً نظامِ خراج کے بعض اجزاء قواعد معدنیات وغیرہ) قانون خاندان اور اشخاص اور قانون جائیداد بشمول اوقاف) قانون معدلت (ادب القاضی) اور عقوبات، قانون جنگ (سیر) اور بعض ایسے مسائل جو اہل مغرب کو...... رسم ورواج سے زیادہ متعلق نظر آتے ہیں مثلاً یمین ونذر، معمولی مسائغ، قربانی کا ذبیحہ جائز ونا جائز اکل وشرب، صید البر والبحر جن کا ذکر فقہ میں ہوتا ہے اس کے برخلاف مقدس مصادر (قرآن واحادیث) کے مہیا کردہ عناصر میں صراحت نہ ہونے کے باعث قانون عمومی کے اہم حصے اور خود قانون خصوصی (پرائیویٹ) کے متعدد اجزاء فقہ سے خارج سمجھے گئے ہیں۔ مثلاً نظریہ سلطنت وسلطان قانون انتظامی کے بہت سے اجزاء جن کو سیاست شرعیہ کہا جاتا ہے۔ یعنی معاملۂ عمومی میں صوابدید کا اس طرح استعمال کہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔

بعض اہل یورپ قوانین اسلامی کے ایک ایسے معنے بتاتے ہیں جو فقہ سے کافی مختلف ہیں چنانچہ وہ فقہ سے اپنے من مانے ایسے اجزاء الگ کر لیتے ہیں جو مغربی تصورات کے مطابق واقعی قانون ہیں اور ان میں وہ کچھ تو ایسے امور کا خاص کر قانون عمومی کے مسائل کا اضافہ کر لیتے ہیں جو مسلمانوں کی نظر میں سیاست شرعیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ ایسے مسائل کا جو فقہ میں بڑھائے گئے ہیں اور متاخر زمانہ میں گوارا کر لیے گئے ہیں مثلاً طویل المدت اجارات اراضی کے معاہدے جن کو بہت متاخر زمانے میں بحر متوسط کے اسلامی ممالک میں اوقاف اور جاگیروں کی کثرت وترقی کے باعث جائز تسلیم کر لیا گیا ہے۔

اسی طرح بعض وقت خاص کر نوآبادیاتی ماحول میں قانون اسلامی کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ اس قانون کا نام ہے جو کسی خاص علاقے کے مسلمانوں میں مستعمل ہو، یعنی وہ اجزائے فقہ جن پر عمل متروک نہ ہو گیا ہو، بشمول اس خالص رواجی قانون کے جس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ اگر مذکورہ بالا تین تعریفوں میں سے کسی ایک کو بھی ترجیح دی جائے تو قانون روما کے ساتھ تعلقات کا مسئلہ کسی قدر مختلف طور پر پیدا ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مذکورہ صدر تعلقات کے متعلق جو لوگ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں ان میں سے اکثر کے متعلق یہ واضح نہیں ہوتا کہ آیا وہ صرف کلیات موضوعہ کی حد تک یعنی بطور علم قانون کے قانون اسلام کو قانونِ روما کا تابع قرار دیتے ہیں۔ (جیسا کہ حقیقت میں بعض کا خیال ہے) یا صرف کتابوں میں مواد کی ترتیب و تبویب کی حد تک۔

(۲) مزید بحث سے پہلے یہ متعین کرنا ضروری ہے کہ عربی قانون یا عربی قانونوں کی حالت اسلام سے پہلے کیا تھی؟ اس بارے میں بنیادی تحقیقات اب تک عمل میں نہیں لائی گئی ہے اور ایسی تحقیقات کی ضرورت کو وہ لوگ بالکل نظر انداز کرتے رہے ہیں جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر خاندان (ازواج اور اس کے تعلقات) وراثت، تعزیرات اور طریقہ عدل گستری کے قانون کو چھوڑ دیا جائے تو عربوں کا قانون ایک ایسی خلا سے مشابہ تھا جسے رفتہ رفتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کے زمانوں میں غیر عربی اقوام نے جو اسلامی حکومت کے ماتحت اور مسلمان بنالی گئی تھیں اجنبی قوانین سے پر کر دیا۔

لیکن قبل از اسلام ترقی یافتہ عربی قوانین کا پایا جانا ہر شک وشبہ سے پاک ہے ہم صرف جنوب مغربی عرب ہی سے بحث نہیں کرتے جو نہایت پرانے شہر روما کی بنیاد رکھے جانے سے بھی پہلے قدیم تمدن کا مرکز تھا، اور جس میں مملکتی عضو تمین یا ادارے شاہی قسم کے دستور کے ساتھ مستحکم طور پر موجود تھے۔ اور جہاں اس کا رواج عام تھا کہ معاہدوں کو پتھر یا تانبے پر کندہ کر کے شائع کرتے تھے اور جہاں ایک باقتدار تحریری قانون بھی پایا جاتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں ایک سبائی کتبہ شائع کیا گیا ہے جس میں سبا اور ذوزیدان کے بادشاہ شیمر یہرش نے جانوروں اور غلاموں کی جنایات کے سلسلہ میں قانون تعذیب (قید و جلاوطنی) کے حدود و احکام مقرر کیے ہیں۔ اس جنوب مغرب ہی سے نہیں بلکہ ہم ۶۰۰ء کے لگ بھگ کے زمانے کی حجاز کی حضری و شہر نشین آبادیوں سے بھی بحث کرتے ہیں جن کی مدد کو اسلام نکل کھڑا ہوا تھا، یہ ممکن نہیں کہ اس سے صدیوں پہلے ان لوگوں میں قانون جائیداد نے قابل ذکر ترقی نہ کر لی ہو، اس بات کی طرف اشارہ کافی ہے کہ قریش مکہ بین الممالک نوعیت کا عظیم الشان کاروانی و تجارتی کاروبار کرتے تھے اور خانہ کعبہ کے حج کے سلسلہ میں میرہ (غلہ رسانی) وخفارہ (بدرقہ کی عظیم خدمات انجام دی جاتی تھیں، بڑے زرعی اور آب رسانی کے کام انجام دیئے گئے تھے،

Marfat.com

اور مدینہ، تبوک، تیما، الیمامہ وغیرہ کے نخلستانوں میں مختلف قسم کے زراعتی معاہدے ہوا کرتے تھے، اس سے ظاہر ہے کہ کم سے کم اسلامی قانون جائیداد کے ایک بڑے حصے کے جراثیم اس آبادی میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کافی پہلے وجود میں آ چکے تھے۔

بے شک یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ فلسطین وشام سے تماس کے باعث رومی اثرات عرب میں آ گئے ہوں لیکن اگر ایسا ہوا ہوگا تو یہ اثرات اسلامی قانون پر قبل اسلام کے عربی قانون کے توسط سے پڑے ہوں گے نہ کہ اسلامی زمانے میں جب کہ عربوں نے اپنے جزیرہ نما کے باہر بڑی فتوحات حاصل کیں اور مفروضہ بھی محض گمان ہی گمان ہے جس کی اب تک واقعات وحقائق سے کوئی تائید نہیں ہوتی اور اگر ایسی کوئی چیز ثابت بھی ہو جائے تو اس سے دوسری قسم کی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی، میں یہاں صرف ایک چیز کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں یہ پانچویں صدی عیسوی کے نصف اول کی مشہور شہادت تھیوڈوریٹو کا بیان ہے کہ رومی سلطنت کے اقصائے حدود میں ایسی آبادیاں جو روما کی ماتحت تو ہیں مگر ان پر رومی قانون نافذ نہیں ہوتا۔ تھیوڈوریٹو اس کی وضاحت میں لکھتا ہے کہ:

''علاوہ اور اقوام کے طاقتور اسماعیل قبائل To Pompolaphylatoy Ismaeel اس میں شامل ہیں۔''

اب صرف یہ (امر) دریافت طلب رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ان علاقوں میں جہاں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں اسلام پیدا ہوا اور پھلا پھولا، زمانہ قبل اسلام کے قانون جائیداد کو جزا ہی سہی بحال کیا جا سکے؟ اس سوال کا جواب تقریباً نفی میں ہوگا، اگر ہم صرف اس مواد پر اکتفا کریں جو پرانی عربی شاعری اور زمانہ قبل اسلام اور پہلی صدی ہجری کی اولیات مہیا کرتی ہیں اور ان معاملات کو نظر انداز کر دیں جو حدیث میں بیان ہوئے ہیں، جدید اسلامیاتیوں کو شاعری وقصص کے ان ماخذوں پر بڑا غرہ ہے، یہ اعتماد دینیات، سیاسیات اخلاق وغیرہ کے متعلق تو درست ہوگا لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ خاص قانون کے معاملہ میں صورت حال مختلف ہے، مذکورہ صدر شعبوں کے برخلاف قانونی احکام پر مشتمل حدیثوں کی تعداد ہزاروں پر مشتمل نہیں، بلکہ مختصر ہے اور ان میں یہ صورت حال بھی نہیں ہے جو اسنوک ہور خر دینے (Snouck Hurgronje) نے دوسرے معاملات میں مشاہدہ کی ہے کہ کسی معینہ مسئلہ میں اگر ایک حدیث ایک بات کا حکم دیتی ہے تو دوسری حدیث اس کے بالکل خلاف ہے، اور ایک تیسری حدیث الفاظ کے ایسے لطیف فرق سے جو بہ مشکل محسوس ہوتا ہے، دونوں کے بین بین حکم دیتی اور

Marfat.com

دونوں اضداد میں تطابق پیدا کر دیتی ہے۔ قانون میں مختلف مذاہب فقہ اختلافی مسائل میں بیشتر مختلف حدیثوں کی بنیاد پر اختلاف نہیں کرتے بلکہ عموماً ایک ہی حدیث کی مختلف تعبیروں کی اساس پر اختلاف ہوتا ہے مثلاً خیارِ مجلس کو شافعی، حنبلی اور اثنا عشری جائز قرار دیتے ہیں اور مالکی اور حنفی ناجائز اور یہ اختلاف ایک ہی حدیث کی مختلف تعبیروں کے باعث ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایسے اختلافات میں مسلمانوں کی ابتدائی نسلوں نے ان صورتوں میں حدیثیں وضع نہیں کیں جبکہ عدم یقین وارادہ میں اختلاف ہو، مثلاً وقف کے سلسلے میں جس میں بے شمار اختلافات ہیں یا وہیں اور دوسرے اہمیت رکھنے والے مسائل کے سلسلے میں ایسے معاملات میں مسلمان فقہاء اپنی رائے کی تائید میں جو حدیثیں بیان کرتے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس قسم کے مشاہدات کی بناء پر مجھے امید ہے کہ حدیثوں کو کام میں لا کر قبل اسلام کے عربی قانون کو بحال کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اس امر کی تائید کہ اسلام سے پہلے ایک ایسا عربی قانون موجود تھا جو قابل ذکر ترقی کر چکا تھا، اس واقعہ سے بھی (جس کا بظاہر کسی نے اب تک لحاظ نہیں کیا ہے) ہوتی ہے کہ اسلامی قانون کا ایک بڑا حصہ بشمول قانون جائیداد پہلی صدی ہجری ہی میں مدون ہو چکا تھا، اگر اتنی جلد تشکیل کو نہ مانیں تو پھر میرے خیال میں اس دوسرے واقعے کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکے گی کہ مسئلہ متعہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے مختلف غیر راسخ العقیدہ[1] فرقوں (شیعہ، خوارج) اور راسخ العقیدہ (سنی) فرقوں کے مذاہب فقہ میں اس سے زیادہ فرق نہیں ہے۔ جتنا خود سنیوں کے چاروں مذاہب میں پایا جاتا ہے، اگر میں غلطی نہیں کرتا تو اس کی بناء پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلامی قانون عمومی طور پر ان تفرقوں کے پیدا ہونے سے قبل تشکیل پا چکا تھا، جو بڑے معتقداتی اختلافات کے باعث رونما ہوئے اور یہ کہ مدینے میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد کی نسلوں میں فقہاء (سبعہ) کے پائے جانے کی جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ اس سے زیادہ اعتماد کی مستحق ہے، جتنا اب تک اس پر کیا جاتا ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ چونکہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں شیعوں کو سیاسی اقتدار حاصل نہ تھا، اور اس طرح انہوں نے اپنا نظام قانون اس امکان کے بغیر تعمیر کیا کہ اس کا عملی اطلاق ہو، اس لیے ان کو اس کی تحریک ہوئی ہوگی کہ اس سے زیادہ آزادی کے ساتھ عمل کریں جتنا راسخ العقیدہ سنی جو حقائق حیات کے لحاظ کرنے پر مجبور تھے۔

---

[1] یہ اصطلاح مولف کی ہے مترجم کی نہیں۔

Marfat.com

(۴) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے فوراً ہی بعد عربوں نے اپنے ہولناک حملوں سے نہ صرف بیزنطینی (رومی) سلطنت کے کئی بڑے ایشیائی اور افریقی صوبے چھین لیے بلکہ ایک دوسری بڑی سلطنت ساسانی ایران کو بھی شکست دے کر اس پر پوری طرح قبضہ کرلیا۔ اس لیے نظریے کی حد تک یہ خیال کرنا منطقی ہوگا کہ اسلامی فقہ پر ساسانی قانون کا اثر بھی پڑا ہوگا اور ایرانی نظم ونسق نے فوراً ہی اسلامی نظم ونسق کی بعض اصطلاحیں مہیا کیں، مثلاً ''دیوان یا خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۳ تا ۲۳ھ (۶۳۴ تا ۶۴۴ء) نے فتح کے بعد ہی بابل اور عراق کے علاقے کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ اسلامی قانون کے مطابق مفتوحہ ممالک میں اراضی کے مال گزاروں سے برتاؤ کرنے کا ایک نمونہ بن گیا۔ اس نظامِ مال گزاری نے ایران سے چند اصطلاحیں بھی لے لیں مثلاً بیع المرابحہ کا ایک دوسرا نام دہ یازدہ دہ دوازدہ گویا اس میں حط نہیں بلکہ ربح ہوتا) یہ لفظ مفتجہ (ہنڈی) س کا کوئی عربی مترادف نہیں یا پانی کے قواعد جو ایسے ممالک میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، جہاں زندگی صرف آب پاشی پر منحصر ہو اور یہ اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اسلام سے قبل ہی ساسانی سلطنت نے علاقہ بابل کی پوری سرحد پر بدویوں کے حملوں کو روکنے کے لیے ایک حاجز مملکت کھڑی کردی تھی، اور آخر میں یہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ خاص علاقہ مابین النہرین اور بابل ہی میں جہاں ساسانی پائے تخت تھا، سنیوں کے دو بڑے مذاہب حنفی وحنبلی کے بانیوں نے زندگی گزاری اور تدریس کا کام انجام دیا، نیز ایک اور سنی مذہب شافعی کے بانی کی زندگی کا پہلا حصہ بھی وہیں گزرا، اس طرح مختلف فرقوں کے مختلف شعبوں کے نظام ہائے قانون بنانے والے بھی وہیں رہے، ان اسباب کی بناء پر نظریہ کی حد تک اسلامی قانون پر ایرانی ساسانی قانون کے اثرات کا بھی امکان ہے، اگرچہ اب تک اس قانون کے متعلق ہمیں، عملاً کچھ بھی معلوم نہیں ہے اس لیے زیر بحث مسئلے کے متعلق کوئی قیاس آرائی نہیں کی جاسکتی۔

قبل اسلام کے عربی قانون ہی کی طرح ساسانی قانون میں رومی یا یونانی اثرات کے سرایت کر جانے اور پھر اس کی راہ سے اسلامی نظام تک پہنچنے کا خیال کوئی لغویات نہیں ہوگی، لیکن پھر بھی یہ گمان ہی گمان ہوگا، جس کا پیش کرنا تو آسان ہے لیکن ثابت کرنا مشکل۔

Marfat.com

(۵) جسٹی نین (یوسی نیاں) کے زمانے کے قانون روما کے قواعد اور اسلامی قوانین میں بہ کثرت مشابہتیں ہیں اور بعض صورتوں میں اثر انداز بھی، لیکن یہاں مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر بیرونی مشابہت کی تائید اندرونی عناصر اور تاریخی دستاویزوں سے نہ ہو تو یہ مشابہت کتنی ہی مغالطہ انگیز کیوں نہ ہو۔ اس کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے کہ ایک قانون دوسرے کا تابع اور اس سے ماخوذ ہے۔ جو لوگ اسلامی قانون کے بڑے حصے کے رومی قانون سے ماخوذ ہونے کا ثبوت دینے کی غرض سے مماثلتوں کو اکٹھا کرتے ہیں، وہ اس مسئلہ کے تین بنیادی نکتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

(الف) مثلاً وہ ان اختلافات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جو اسلامی مذاہب فقہ میں خود چار راسخ العقیدہ سنی مذاہب میں بھی پائے جاتے ہیں، اس لحاظ سے جن مسائل میں اسلامی قانون اور رومی قانون میں مشابہت بتائی جاتی ہے وہ کسی ایک مذہب کے چند احکام میں ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب فقہ میں وہ احکام نہیں پائے جاتے، اس نکتہ کو فراموش کر دینے کی وجہ سے غیر عربی دانوں مثلاً دارستی Dareste کولر (Kohler) کی تحقیقات میں بعض ایسے عناصر کو اسلامی قانون کی خصوصیت قرار دے دیا گیا ہے جو اس کے صرف کسی ایک مذہب فقہ کی خصوصیت ہیں۔

(ب) دوسرے وہ ان مماثلتوں'' کا شکار کرنے'' میں اس کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ان اختلافات کو بھی نمایاں کریں جو فقہ اور رومی قانون کے احکام میں پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ اختلافات مکسو بہ حال کو جانچنے میں کسوٹی کا سا کام دے سکتے ہیں۔

(ج) تیسرے وہ اس عمیق فرق کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں جو مغرب کے ام الادوار (کلاسیکل زمانہ) اور اسلامی دنیا میں '' قانون'' اور اس کے ماخذوں کے تصور کے متعلق پایا جاتا ہے، ایسی صورتیں بہت ہیں کہ وہ خیالات اور ادارات جو اس ہیلینی (یونانی) میں گہری جڑ پکڑ گئے تھے۔ عربوں کی فتح کے بعد عربی اسلامی تمدن کی اساس بن گئے۔ پھر بھی وہ اسلامی قانون (فقہ یا غیر فقہ) میں سرایت نہ کر سکے، مثلاً یہ سب جانتے ہیں کہ ہیلینی (یونانی) ماحول میں بیع و شراء کو ایک معاہدۂ مالی سمجھا جاتا ہے حالانکہ تمام اسلامی مذاہب فقہ کا اجماع ہے کہ وہ ایک معاہدۂ تراضی (آپس کی رضامندی کا معاملہ) ہے، مسلمانوں کا یہ رجحان اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ اس بارے

میں رومی تصورات کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور نہ اس بناء پر ہے کہ وہ معاملہ مالی اور معاملہ تراضی میں امتیاز پیدا کرتے رہے ہیں، بلکہ اس کی بنیاد پر قرآنی آیت (سورہ نمبر۴، آیت نمبر۲۹) ہے جس میں "تجارۃ عن تراض" وارد ہوا ہے یعنی تجارت آپس کی رضامندی سے ہونی چاہیے۔

اسی طرح جب عربوں نے بہت مختصر مدت میں بیزنطینی سلطنت کے انتہائی زرخیز صوبوں پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے وہاں مال گرو کرنے (Hypothec) کا بڑا رواج پایا اگرچہ یہ چیز خود یہودیوں کے قانون مشنا میں اپوطیقی کے نام سے آ گئی تھی مگر معاشی زندگی میں اس کی اہمیت کے باوجود یہ ادارہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا کہ اسلامی قانون میں سرایت کرسکے اور اب ہمارے زمانہ میں یورپی قانون سازی کے ذریعہ سے (مسلمانوں میں) داخل کیا گیا ہے۔

ہیلینی دنیا میں طویل المدت اجارۃ اراضی بہت رائج تھا، مگر اس کو مسلمانوں کے قانون میں اپنی حقیقی جگہ حاصل کرنے کے لیے..... طویل صدیاں لگیں، پھر بھی تمام مذاہب فقہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا، ماورا اور اس عدم جواز کا باعث اوقاف اور جاگیروں (اقطاع) کی کثرت تھی۔

(٦) اکثروں نے اسلامی قانون کو رومی قانون کا تابع قرار دیا ہے اور کچھ لوگ تو یہاں تک گمان کرتے ہیں کہ قانون روما کی کتابوں کا عربی میں اور کتاب پانڈیکٹ (Pandects) کا فارسی ترجمہ ہو چکا ہوگا، جن کا مسلمان فقہاء نے مطالعہ کرکے ان سے اپنے نظامہائے قانون اخذ کیے ہوں گے، حالانکہ ایسا دعویٰ کرنا آج بھی ممکن نہیں ہے اور اس قسم کے دعوؤں کی تاریخی لغویت قطعی ثابت ہے اور یہی امر ان جدید ترین (۱۹۳۲ء تک کے) منفی نتائج سے بھی واضح ہوتا ہے جو مختلف مشرقی (عبرانی، سریانی قبطی، عربی حبشی) ادبیات میں تحقیقات کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ تحقیقات خاص اس غرض کے لیے عمل میں لائی گئی تھی تاکہ شہنشاہی (رومی) قوانین کو نئے روپ میں پائے جانے کے متعلق بنفانتے (Benfante) کے مفروضے کی تائید کے لیے مواد فراہم کیا جا سکے۔

تاریخی لغویت سے قطع نظر بھی یہ بات عجیب ہے کہ ان خیالات کے مؤیدین نے یہ نہیں سوچا کہ معین مسائل کو خاص خاص ابواب میں داخل کرنے کے لیے شدید مشابہتوں کا پایا جانا

Marfat.com

ضروری اور لازمی ہے خواہ وہ کسی متمدن قوم کا قانون کیوں نہ ہو، اس بناء پر اپنے شخصی خصوصی قانون کی چند مثالوں تک محدود رکھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر عرب فقہاء نے کسی رومی متداول کتاب کو نمونہ بنایا ہوتا، تو وہ نابالغوں اور غلاموں یا ملکیت اراضی کے مسائل کو ایسے مختلف ابواب میں ہرگز نہ منتشر کرتے، جہاں ان کے پانے کا کوئی یورپی قانون دان کبھی گمان ہی نہیں کر سکتا اور مسائل ربا کو بیع وشراء سے متعلق نہ کیا جاتا، اسلامی فقہ میں اس کی نہایت واضح علامتیں موجود ہیں کہ اس کے ایک بڑے حصہ کی تدوین مستقل طور پر عمل میں لائی گئی اور یہ تدوین میری رائے میں محض قانون نظریات سے کہیں زیادہ ان تاریخی حالات کے باعث ہوئی جن میں مسلمانوں کے قانونی وسماجی ادارات نے ترقی کی۔

(۷) اسلامی قانون پر رومی قانون کے اثر کے نظریے کی تائید میں جو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں ان میں سے ایک دلیل اس کی تدوین میں سرعت بھی ہے کہ دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں مسلمانوں میں فقہی مسائل کا مطالعہ اور اس پر تالیفیں شروع ہو کر عظیم ترقی حاصل کر چکی تھیں اور اس غیر معمولی واقعہ کی توجیہ وہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ اس کے لیے رومی قانون کو نمونہ فرض کیا جائے، جو رومی قانونی ادبیات نے مہیا کیا تھا۔

لیکن اس دلیل آرائی کے وقت اس کو بھلا دیا جاتا ہے کہ اس غیر معمولی اور قبل از وقت وسعت و بارآوری کا باعث یہ نہ تھا کہ مسلمانوں کو قانون سے (اس کے مغربی معنوں میں) کوئی عشق تھا۔ اس زمانے میں تو مشرقی عیسائیت کے پیدا کردہ مصائب کے نتیجے میں قانونی میلان سارے مشرق قریب میں کلیۃً مفقود تھا، اس کے برخلاف مسلمانوں میں اس کثیر قانونی پیداوار کا سبب اصل میں وہ تصور تھا جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے متبعین قانون کے متعلق رکھتے تھے کیونکہ قانون (فقہ) کو علم دین کا جزو لاینفک قرار دیا گیا تھا اور وہ محض دنیوی مادی علم نہیں تھا اور فقہ کی اتنی تیز ترقی اصل میں علوم دینی کی (جن کا آغاز قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تدوین وتشریح سے ہوا) تیز ترقی ہی کا ایک پہلو ہے۔

(۸) جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی قانون رومی قانون کا تابع ہے یا کم از کم اس پر اس کا عمیق عمل ہوا ہے، ان کا یہ فریضہ تھا کہ کم سے کم اور وضاحت کے ساتھ یہ بیان کرتے کہ یہ تابعیت یا عظیم اثر کس طور پر وقوع پذیر ہوا۔

Marfat.com

بعض اہل قانون نے یہ مفروضہ پیش کیا ہے کہ رومی قانون کی کتابوں کے عربی ترجمے ہوئے ہوں گے مگر واقعات وحقائق اس مفروضے کی پوری تردید کرتے ہیں یا کم از کم یہ اسکندریہ و بیروت کے مشہور مدارس قانونِ کی جو اگرچہ عربی فتوحات سے ایک صدی پہلے ہی بند ہو چکے تھے، روایات جاری رہی ہوں گی، اس کے مقابلے میں علوم اسلامیہ کے یورپی ماہرین اوران عیسائیوں اور یہودیوں کا نظریہ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا تاریخی حقیقت سے کم دور تھا، کیونکہ انہوں نے ان محاکم عدالت کا خیال کیا، جو اسلامی فتح کے وقت پائے جاتے تھے، لیکن اس گروہ کو اپنے اس مفروضہ سے قبل چند سنجیدہ اور شدید تاریخی گتھیوں کو حل کرنے کی ضرورت تھی یعنی جس وقت عربوں نے فلسطین وشام پر تسلط قائم کیا، اس وقت وہاں کے نظامہائے عدالت کی واقعی حالت کیا تھی؟ کیا وہ برسرکار تھے؟ اور بہت سے مقاموں پر وہ اہل کلیسا کے سپرد نہیں ہو چکے تھے؟ (اور ہم کو معلوم ہے کہ مشرق میں یہ لوگ قانون مسائل سے کتنی کم واقفیت رکھتے تھے) اور کیا عربی تاریخوں سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ عربی حملہ شروع ہوتے ہی تقریباً تمام بیزنطینی کشوری اور عدالتی مجسٹریٹ جو قانون کے واحد حقیقی واقف کار تھے ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس کا پتا اس واقعہ سے چلتا ہے کہ شہروں کی اطاعت اسقفوں کے توسط سے ہوتی رہی کشوری افسروں کے توسط سے نہیں جو فرار ہو چکے تھے؟ زیر بحث مسئلے میں ان سوالات کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لیکن ابھی ایک اور نکتہ ہے جس پر مختصر طور پر توجہ منعطف کرانے کی ضرورت ہے۔

وہ یہ کہ اسلامی قانون کی رومی قانون سے ماخوذیت اور ان دونوں کے باہمی تعلقات پر جتنی بحثیں ہوئی ہیں ان میں ضمناً یہ چیز پیشگی فرض کر لی جاتی رہی ہے کہ پرانا نظامِ عدل گستری عربی فتوحات کے بعد بھی ایک سو برس تک باقاعدہ طور پر جاری وساری رہا تھا اور نئے مالک اپنی غیر مسلم رعایا کے متعلق اس سے استفادہ کرتے رہے تھے جو واقعہ کے مطابق نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے مفتوحہ قوموں کے نظام میں مداخلت نہیں کی اور یہ قرار دیا کہ جس کا جو مذہب ہوگا اس کا وہی قانون۔ اس طرح اگر وہ یہ غیر صحیح مفروضہ مان لیں کہ اسقفوں اور ربیوں کی عدالتیں باقاعدہ کارگزار تھیں (باقاعدہ اس معنی میں کہ اسقف رومی قانون کی صحیح صحیح تعمیل کرتے رہے) تو بھی عرب اس سے علمی استفادہ نہیں کر سکتے تھے، اور ان کا مفاد مشترکہ معاشی کاروبار سے بھی وابستہ نہ تھا، جس کی بناء پر قانونِ جائیداد کے سلسلے میں فاتح اپنے مفتوحوں سے کچھ سیکھتے کیونکہ فتوحات کے بعد عرصۂ دراز تک عربوں نے صرف حاکمانہ فرائض سے کام رکھا،

Marfat.com

یعنی وہ صرف افسر اور سپاہی رہے، کسان، تاجر اور زمیندار (زرعی زمینوں کے مالک) نہیں بنے یہ صحیح ہے کہ سرکاری زمینیں فوجیوں کو بطور جاگیر عطا ہوتی رہیں لیکن جاگیر کا عرب مالک صرف اس پر قناعت کرتا تھا کہ عیسائی گماشتے اسے لگان ادا کرتے رہیں اور جو زرعی معاہدے عمل میں آئے اور ان کی بناء پر جو جھگڑے پیدا ہوتے تھے ان میں فریقین عیسائی ہوتے تھے اور پہلی صدی ہجری میں جب اسلامی قانون شکل گیر ہو رہا تھا، اسلامی عدالتیں ایسے مقدموں کی سماعت نہیں کرتی تھیں اور اگر اتفاقاً ان سے رجوع کیا بھی جاتا تو وہ مقدموں کا فیصلہ اپنے قوانین کی اساس پر کرتی تھیں۔ عیسائیوں کے قانون کی بنیاد پر نہیں، اس کے علاوہ جو زمانہ زیر بحث مسئلہ کے لیے اہمیت رکھتا ہے اس میں نومسلموں کا کوئی قابل ذکر اثر ہی نہیں تھا اور وہ صرف موالی کی حیثیت رکھتے تھے اور عربوں سے کم مرتبہ خیال کیے جاتے تھے، اور ان کو قضا کے عہدوں پر مامور نہیں کیا جاتا تھا۔

ان تاریخی حالات میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ عام ملکی نظم ونسق کے ایک جز کو چھوڑ کر رومی قانون کا اثر اسلامی قانون کے بننے میں قابل ذکر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

(''چراغ راہ'' اسلامی قانون نمبر۔ کراچی۔ جون ۱۹۵۸ء)

کیا اسلامی قانون رومی قانون کا مرہون منت ہے

(پروفیسر فٹز جیرالڈ) ترجمہ پروفیسر محمد حمید اللہ، پاریس

(قسط نمبر۱)

یہ مضمون اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ اس میں خود ایک یورپین فاضل نے اس مشہور اعتراض کا کہ ''اسلامی قانون رومن لا سے ماخوذ ہے'' بڑا محققانہ اور مدلل جواب دیا ہے، جیسا کہ فاضل مترجم نے لکھا ہے کہ ''اصل مضمون کی عبارت اتنی پیچیدہ ہے کہ ترجمہ میں بھی اس کا اثر ہے، راقم نے اس میں سلاست پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی اس کی ژولیدگی پوری طرح دور نہ ہو سکی۔'' (م)

رسالہ معارف جنوری ۱۹۵۳ء اور مارچ و اپریل ۱۹۵۸ء میں اطالوی پروفیسر نالینو (Nalleno) اور فرانسیسی مستشرق بوسکے (Bousquet) کے خیالات کا ترجمہ مندرجہ عنوان کے موضوع پر پیش کیا جا چکا ہے۔ کلیۃ الشریعۃ، مکہ معظمہ کے فاضل استاد ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے میری توجہ ایک اور مضمون کی طرف منعطف کرائی ہے۔ ان کے دلی شکریہ کے ساتھ آج اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے مؤلف فیٹز جیرالڈ (S.V.Fitzgerald) لندن یونیورسٹی کے مدرسہ السنہ شرقیہ میں استاد تھے، جن کا یہودی النسل رہا ہونا بیان کیا جاتا ہے، لندن کے سہ ماہی رسالہ قانون (Law Quarterly Review) جنوری ۱۹۵۱ء کے شمارے ص ۸۱ تا ۱۰۲ پر اس کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کے انگریزی عنوان The alleged debt of Islamic

Marfat.com

to the Roman Law کا لفظی ترجمہ ہوگا: ''اسلامی قانون کی مزعومہ مدیونیت رومی قانون سے'' میں ایک تتمے کا بھی وعدہ ہے۔ جو بہ ظاہر شائع نہیں ہوا، مؤلف کا اسلوب بہت ژولیدہ ہے جس کا اثر ترجمہ میں بھی ہے، اس مقالے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلامی قوانین پر رومی تاثیر کے مدعیوں کا جواب دیا گیا ہے اور جہاں حاشیے میں مترجم نے اپنی رائے ظاہر کی ہے اس میں لفظ ''مترجم'' لکھ دیا ہے یا قوسین میں کر دیا ہے۔

رسالے کے ایڈیٹر سے ترجمے کی اجازت مانگی تھی اس کے جواب میں خاموشی رہی، جسے عدم ممانعت سمجھتا ہوں ترجمہ کئی سال سے تیار تھا، اب رمضان ۱۳۹۲ھ میں صاف کرنے کی نوبت آئی۔

مقدمہ

(۱) سر ولیم میکناٹن[۱] (Sir William Machiaghten) بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ خود سر ولیم جونز[۲] (Sir William Jones) کے زمانے سے لے کر آج تک رومی اور اسلامی قانون کے مابین جو پہلو بچانے والی مشابہت نظر آتی ہے اس پر وقتاً فوقتاً توجہ منعطف ہوتی رہی ہے، خاص کر کوئی انگریز وکیل جسے طلبہ کو اسلامی قانون کا درس دینے کی ضرورت ہو، اس کا احساس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلامی قانون کی توضیح و تمثیل انگلستان کے قانون تصورات کے مقابلے میں کتنی زیادہ صفائی کے ساتھ رومی قانون کی مدد سے انجام دی جا سکتی ہے۔

لیکن اب تک کسی نے اس مسئلے کا جامع مطالعہ نہیں کیا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے لیے کسی ایک تنہا اہل علم کی تحقیقات کافی نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کے لیے نہ صرف قانون اور تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنا ہوگا بلکہ بہت سی کثیر زبانوں کے جاننے کی بھی ضرورت ہوگی[۳]۔ دیگر شعبہ ہائے علم کی طرح یہاں بھی ایک اکیلا محقق صرف یہ کر سکتا ہے کہ عمارت کی تعمیر میں اپنی پرت بھی لگا دے، یا ضرورت پر اپنی کدال کی مدد سے سابقہ تعمیرات کے مناسب حصے کو منہدم کر دے۔ پھر بھی زیر بحث موضوع کا معمہ برقرار رہتا ہے۔ فون کریمر[۴] اور سانتیلانا[۵] نے چند عمیق ملاحظات ضرور پیش کیے ہیں لیکن تحقیقات میں کوئی منظم پیش روی نہیں کی ہے۔ قابل ترین اہل قلم میں سے بعض کا طریق عمل بھی یہ رہا ہے کہ مشابہت والے احکام کی ایک فہرست مرتب کر ڈالیں، ان میں بعض وقت

واقعی مشابہت ہوتی بھی ہے تو علی العموم سطحی بلکہ اکثر تو خیالی اور فرضی، پھر یہ دعویٰ کریں کہ یہ مشابہتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ متاخر زمانے کا نظام قانون اپنے سے قدیم تر نظام قانون کا مدیون (اور مرہون منت) ہے۔

زیر نظر مسئلے سے بحث کے اس غیر علمی طریقے میں اگر مدد لی بھی جاتی ہے تو غیر تاریخی اور غیر ثابت شدہ اوصاف (یا امور) کو ثابت شدہ قرار دیتے اور اپنے مفروضات سے اور اس کے نتیجے میں جو بیان ہمارے سامنے پیش کیے جاتے ہیں وہ کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ "قانون محمدی اصل میں جسٹی نین (Justinian) کا رومی قانون ہی ہے، عرب لباس میں ہے" یا جیسا کہ ایک اجڈ اہل قلم نے لکھ مارا ہے کہ "عربوں نے رومی قانون میں چند اغلاط کے سوا اور کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کیا" اس لیے بحث کو قابل اطمینان راستے پر چلانے کے لیے اولین ضرورت یہ ہے کہ پہلے زمین ہموار کی جائے تا کہ نئی بنیادیں رکھی جا سکیں۔

(۲) جو رائے عام طور پر مقبول ہے اس کے اصل ذمہ دار تین شخص ہیں: پروفیسر شلڈن آموس (G.Shelden Amos)، سوّاس پاشا (Savvas Pasha) اور مشہور ماہر عربیات گولٹ سیہر[1] (Golziher)۔ ان میں سے شلڈن آموس (۱۸۳۵ء تا ۱۸۸۶ء) دیکھو انگریزی قومی سوانح عمریوں کی قاموس (Dictionary of National Biographies) کا ضمیمہ، جلد اول صفحہ ۴۴) غالباً اپنے زمانے کا سب سے ممتاز انگریز سویلین (رومی قانون مدنی کا ماہر) تھا اور اصول قانون پر اپنی ایک تالیف کی بناء پر اسے سوائنے[2] انعام (Swiney) بھی ملا تھا۔

قسمت کی ستم ظریفی ہے کہ جس موضوع میں وہ سند مانا جاتا تھا عرصہ ہوا علم کی موج اسے پیچھے چھوڑ کر اس کے پاس سے گزر چکی ہے اور اب وہ یاد کیا جاتا ہے تو اس بد بختانہ دخل دہی کی بناء پر جو اس نے ایک ایسے موضوع میں کی تھی، جس سے اسے بالکل ہی واقفیت نہ تھی۔ اس کی یہ خیال آرائی اس کی انگریزی کتاب "رومی قانون مدنی" (Roman Civil Law) (جلد دوم صفحہ ۴۰۶ تا ۴۱۴) میں ملے گی۔ اس میں جو بہت سی فرضی چیزیں ہیں اس کا اندازہ صرف ایک مثال سے ہو جائے گا، قانون روما میں ایک لاطینی قاعدہ ہے کہ "جو بات حکمران کو پسند آئے وہ قانون کی تاثیر رکھتی ہے، (Quod principi plasuit legis habet vigorem) اس کی مماثل چیز کی (اسلامی قانون میں) تلاش نے اسے بھٹکا دیا، اور اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ خلفاء

Marfat.com

کے احکام ہی اسلامی قانون کا اصل ماخذ ہیں، اگر وہ اس کو اسلامی قانون کی ایک متاخر شاخ تک جسے عام طور پر "عثمانی ترکوں کا قانون" کہا جاتا ہے، محدود رکھتا تو وہ ایک حد تک ..... اور صرف ایک حد تک ہی ..... درست ہوتا، مگر ایک ایسے نظام قانون کے متعلق جو صرف خدا کی ذات کو قانون کا واحد ماخذ سمجھتا ہو اور اس سے منکر ہو کہ کسی انسانی اقتدار کو بھی قانون سازی کا حق ہے، مذکورہ بالا ادعاء حقیقت حال کے بالکل برعکس ہے، پہلے چار خلفاء (راشدین) کے جو فیصلے مذکور ہوئے ہیں ان کی قانونی قدر و قیمت اس لیے نہیں ہے کہ وہ خلیفہ (صدر حکومت) تھے، بلکہ اس بناء پر کہ وہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریبی ساتھی رہے تھے اور اس کا امکان تھا کہ وہ حضرت پیغمبر کے ذہن (خیالات) سے واقف ہوں، اور اسی لیے ثانوی حیثیت میں سہی، ربانی ہدایت کی پرچھائیں سمجھے جائیں، دوسرے صحابہ نبی کے فیصلوں (فتووں) کا درجہ بھی یہی ہے۔ [8]

(۳) سو اس پاشا عثمانلی (ترکی) سلطنت میں ایک ممتاز عیسائی افسر گزرا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ پاشا کے رتبے پر فائز ہو چکا تھا، اس لیے اسے اسلامی قانون اور ایشیائے کوچک کی تاریخ کا بھی ماہر رہا ہونا چاہیے، اور یہ مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان مسائل میں جاہل **مطلق** تھا، اس لیے جب وہ اپنے ہمعصر زمانے کے ترکی انتظام مملکت کے متعلق کچھ لکھتا ہے تو اس کے بیانات کو اس سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے جتنا کہ اب تک ہوتا رہا ہے لیکن اس شخص کا دماغ غیر عالمانہ اور غیر صحیح تھا، اور اس نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ایک سیاسی غرض کے مدنظر تھا، جیسا کہ خود اس نے (فرانسیسی) میں لکھا ہے کہ "مغربی قانون کو مسلمان بنایا جائے" (Islamiser le dorit occidental) اور وہ اس کے لیے اپنے ہم وطن مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ اسلامی قانون ہمیشہ سے مغربی اثرات کو اتنا ہی قبول کرتا رہا جتنا سو اس پاشا چاہتا تھا۔ اس لیے اگر کسی قانونی یا تاریخی واقعے کو تھوڑی سی تبدیلی کے بعد اپنے دعوے کی دلیل بنایا جا سکتا ہو تو وہ غالباً پوری دیانتداری کے ساتھ یقین کر لیا کرتا تھا کہ مرمہ واقعہ ہی حقیقت ہے۔

(۴) اگناتس گولٹ سیہر (۱۸۵۰ء تا ۱۹۲۱ء) عربی کے ماہر ترین لوگوں میں سے ایک تھا۔ لیکن رومی قانون میں اس کی مہارت اس درجے کی نظر نہیں آتی بہر حال اس کے قلم سے اس بارے میں نکلی ہوئی دلیلیں جن کو بڑی شہرت ہے، ایسی ہیں جن کو خود اس نے

Marfat.com

زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اور وہ اس مقالے کے اساسی رجحان کے بھی خلاف ہیں کیونکہ گولٹ سیہر کے دوسرے بہت سے نشریات کی طرح اس مقالے کا مقصد بھی اس پر زور دینا ہے کہ اسلامی تمدن اصولاً ایک عربی چیز ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (رومی قانون کے اثرات کے متعلق) اپنے ان خیالات کو خود گولٹ سیہر نے اپنی بعد کی زیادہ پختہ تالیفوں میں ترک کر دیا ہے، یہاں ان ہی تینوں مؤلفوں کے دلائل پر غور کیا جائے گا۔

(۵) جو مؤلف مروجہ غلط خیالات ہی کو عام طور پر باور کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ان میں حسب ذیل لوگ شامل ہیں:

(۱) آیون (Ion) جس نے مچیگن لا رویو (Michegan Law Review) (ج ۶ ص ۴۴ تا ۵۲، ۱۹۴ تا ۲۱۴، ۳۲۱ تا ۳۹۶) میں انگریزی میں ایک مقالہ لکھا ہے۔ (آیون نے اگرچہ بعض نئی چیزیں بھی پیش کی ہیں لیکن اس کے ہاں بھی یہی رجحان ہے کہ واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کیا جائے (تاکہ اس کے دعوے کے مطابق ہو سکیں)

(۲) شرمان Sherman کی انگریزی کتاب ''رومی قانون جدید دنیا میں Roman law in the modern world (طبع سوم، ص ۱۳۹ نیز ۱۷۸ تا ۱۸۱) ان کے ساتھ مُلّا MUllah کی انگریزی کتاب ''مسلمان قانون نکاح پر مقالہ'' Dissertation on the Muslim law of Marriage (مقدمہ ص ۳۶ و مابعد) سکسینہ کی انگریزی تالیف 'اسلامی قانون' (Sksena, Muslim Law) طبع ۱۹۳۷ء ص ۱۰۵ تا ۱۰۸)، میکڈانلڈ (Macdonald) دیکھو اس کی انگریزی کتاب ''اسلامی الٰہیات'' اصول قانون اور نظریہ دستوری کا ارتقاء Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional theory (ص ۸۵) اور طیب جی (دیکھو ان کی انگریزی کتاب ''قانون محمدی'' (Tyabji, Muhammedan Law) طبع سوم ص ۸۲۷) جن کو عالمگیر قدر و شہرت حاصل ہے اس کے متعدی اثر سے پوری طرح بچ نہ سکے۔

Marfat.com

۲۔تاریخ

(۲) جسٹی نین کے مجموعۂ قوانین (Corpus Juris of Justinian) کے نفاذ (۵۲۹ تا ۵۴۳ء) اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات (۶۳۲ء) کے مابین جو صدی گزری ہے وہ انسانی تاریخ کا سب سے بدقسمت زمانہ ہے، ہم لوگ (دو عالمگیر جنگوں کے زمانے میں) دو مرتبہ تباہی کے دہانے تک پہنچ چکے تھے اور اب (۱۹۵۱ء میں) ایک عظیم تر تباہی کے کنارے جی رہے ہیں، اس لیے ہم لوگ مذکورہ بالا صدی کی بدبختیوں کو اپنے آباواجداد کے مقابلے میں ..... جن کے شاندار زمانے میں شلڈن آموس، سوا س پاشا اور گولٹ سیہر نے اپنی کتابیں تالیف کی ہیں ..... زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ مذکورہ صدی دو ایسی حکمرانیوں سے شروع ہوئی تھی، جن کی شان وشوکت افسانوی اور ضرب المثل بن چکی ہے، یعنی مشرقی رومی (بیزنطینی) سلطنت میں جسٹی نین اور ایران میں آنوشروان عادل کی فرمانروائی، جسٹی نین کے نام سے ہمیں نہ صرف اس کا مجموعہ قوانین یاد آتا ہے بلکہ آیا صوفیا کی تعمیر[۱۰]، بیلیزاریوس[۱۱] (Belisorius) کی فتوحات، نرسی[۱۲] (Narses) کا خواجہ سرا یوحنہ[۱۳] (John the Eunuch) بھی، لیکن ان کا ایک تاریخی پہلو بھی رہا ہے اور (اسی وقت سے) آنے والی تباہی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

مغرب (یعنی اٹلی) کی فتوحات نے نہ صرف ایک عارضی پردے کا کام دیا تھا کہ ٹیوٹانی (Teuton) (جرمن) قبائل نام کی حد تک بیزنطینی سلطنت کی آقائی کو تسلیم کرلیں۔ ورنہ حقیقت میں وہ ان سرسبز علاقوں کے مالک بن گئے تھے جن پر انہوں نے قبضہ کیا تھا، اس سے شہنشاہ کے خزانے کی مشکلوں میں اضافہ ہوگیا تھا اور مشرقی (بیزنطینی) صوبوں کو کچل دینے والے محاصل (ٹیکس) کا بوجھ برداشت کرنا پڑا، جسٹی نین کے جدید احکام (Novellae) کا ایک طویل سلسلہ اس بات کا شاہد ہے کہ قرضوں کی کثرت بھی ایک ایسا مسئلہ بن گیا تھا جس پر فوری توجہ کی ضرورت تھی، گول میدان (Circus) (کھیل کی جگہ) میں جو طبقہ وار احمقانہ لڑائیاں ہوتی تھیں وہ بھی اس بات کی علامت تھیں کہ جسد مملکت کی کوئی چیز بھی ٹھیک حالت میں نہ رہ گئی تھی (اگرچہ اس کی تعبیر آسان نہیں) یہ لڑائیاں قسطنطنیہ کے گندہ محلوں کے باشندوں کی حد تک ہی

Marfat.com

محدود نہ تھیں بلکہ بیزنطینی سلطنت کے ہر شہر میں پائی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ یروشلم (بیت المقدس) جیسے مقدس شہر میں بھی اور مذہبی فرقہ واریت سے معیار اخلاق اتنا پست ہو چکا تھا کہ الٰہیاتی مباحث کے سلسلے میں مخالف پارٹی کے خلاف یہ خونریز ہنگامے کرائے جاتے تھے، خود شہنشاہ جسٹی نین بھی تنگ نظری کی طرف مائل تھا۔ اور آرتھوڈکس فرقے کا (بیزنطینی) کلیسا دوسرے (بدعقیدہ) عیسائی فرقوں اور غیر عیسائی مذہبوں کے متعلق جو رجحان رکھتا تھا وہ عام طور پر عدم رواداری کا تھا، اگرچہ اس نے وہ ظالمانہ ایذا رسانی نہیں کی جو کبھی کبھی ایران میں نظر آتی ہے[۱۴]۔ تاریخی بیانات کے مطابق اثینہ (آتھنس) کے مدارس فلسفہ کے باقیات صالحات کا معیار کتنا ہی پست کیوں نہ ہو گیا ہو مگر یہ واقعہ کہ جسٹی نین نے ان کی اصلاح کی کوشش کرنے کے بجائے ان کو سرے سے بند کرا دیا، ہماری ناچیز رائے میں اس حکمران کے دور کے ثقافتی معیار کی بلندی نہیں ظاہر کرتا۔ ان (مدارس) کو خسرو (کسریٰ) کے تحت ایک نئی زندگی ملی اور ایران میں پناہ گزین (یونانی فلسفیوں) سے مسلمانوں نے افلاطون اور ارسطو کا نام سنا تھا۔[۱۵]

(۷) جسٹی نین کی ضعیفی اور وفات پر اس کی چمک دمک کم ہو گئی اور اس دور کے تاریک تر پہلو زیادہ نمایاں ہو گئے، ایران کی تاریخ کو بھی انوشرواں کی وفات کے بعد ایسی ہی افسوسناک صورت حال پیش آئی، ان دونوں سلطنتوں نے اپنے کو مجبور پایا کہ بیرونی وحشی حملہ آوروں کے خلاف مدافعت کے لیے مسلسل، خرچیلے اور چور چور کر دینے والے انتظامات کریں (رومی سلطنت کے حدود پر صقلبی Slavs، آوار Avars خزر (Khazars) اور برجان (Bulgars) یعنی روس میں دریائے والگا پر بسنے والے قبائل کے اور ایرانی سرحد پر منگولیوں کے حملے مراد ہیں) اسی طرح یہ دونوں سلطنتیں اندرونی ظلم و ستم اور بار بار کی خانہ جنگیوں کے باعث پارہ پارہ ہو گئی تھیں، ان سب کے باوجود ان دونوں کا باہمی حسد ختم نہ ہوا، اور ان کی کشمکش کی آگ صدیوں تک سلگتی اور جلا کر راکھ کرتی رہی، لیکن زیر بحث (اسلام کے عین پہلے کا زمانہ معمول سے زیادہ خون آشام رہا، کیونکہ اس (صدی) میں بمشکل بیس سال برائے نام صلح رہی۔ ۵۳۱ء کی نام نہاد "ابدی دوستی اور صلح" صرف سات برس قائم رہی اور ۵۶۱ء کی زیادہ متواضع نام والی "پچاس سالہ صلح" بھی مختصر عرصہ تک باقی رہ سکی۔ یہ جنگیں بھی محض فوجی جھڑپیں نہ تھیں بلکہ ہمہ گیر لڑائیاں تھیں، ایرانیوں نے دوسرے شہروں کے ساتھ

Marfat.com

اطا کیہ کو ۵۴۰ء اور ۶۱۱ء میں، قیساریہ کو ۶۱۲ء میں، دمشق کو ۶۱۴ء میں، یروشلم کو ۶۱۴ء میں اور اسکندریہ کو ۶۱۵ء میں جلا کر خاک کر دیا۔ دیہاتی رقبے بھی اسی طرح تاراج کیے گئے، پھر جب رومی (بیزنطینیوں) کو موقع ملا تو انہوں نے بھی اسی طرح کا برتاؤ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ تباہ کاری کے وسائل اس زمانے میں اس سے کم تھے، جتنے آج ہیں لیکن تعمیر جدید کے وسائل بھی ویسے ہی (کم) تھے، ایک جلائے ہوئے شہر کو سنبھلنے میں بیسیوں برس لگتے تھے، انسانوں کی وحشت اور درندگی کے ہاتھوں میں جو بلائیں آتیں ان پر مستزادوہ مصیبتیں تھیں جن کو قانون انگلستان میں بے حیائی اور تدین کے عجیب امتزاج کے ساتھ "افعال خدا" کا نام دیا گیا ہے، یعنی طاعون، امراض متعدی، قحط (جو جنگ کے ناگزیر لوازم ہیں) نیز آتش زدگی اور سخت زلزلے۔

(۸) اگرچہ دونوں سلطنتوں کی حالت خراب تھی لیکن ان میں رومی (بیزنطینی) سلطنت کی حالت خراب تر تھی جس مختصر عرصہ کے لیے ان میں صلح بھی رہی، ان میں بھی رومی سلطنت ایران کو خراج ادا کرتی رہی، اور یہ ہرقل کی فوجی عبقریت اور مہارت تھی جس نے ان عظیم مشکلات کے باوجود ایشیائے کوچک اور شام ومصر کو ایرانی قلمرو میں ضم ہو جانے سے روکے رکھا تھا۔

(۹) ان حالات میں جب مٹھی بھر دینی جنون والے عرب، ٹھنڈے دل سے کام کرنے والے ماہر جرنیلوں کے ماتحت دنیا کو فتح کرنے کے لیے نکلے تو انہیں رومی اور ایرانی سطوت سے نہیں بلکہ دو ایسی شہنشاہیوں سے سابقہ پڑا جو شکست خوردہ اور تھکی ہوئی تھیں اور جان لیوا زخم سے مجروح تھیں [۶۱]۔ رومی لگذاری کا نظم ونسق تو جاری و برقرار رہا۔

لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ کس حد تک ٹھیک طور پر چل رہا تھا، مٹھی بھر مالدار لوگ عیش و نشاط میں مشغول تھے لیکن شلذن آموس کا یہ کہنا کہ عربوں نے شام کے شہروں کی "متمول اور منظم زندگی" پر قبضہ کیا تھا، ایک مبالغہ ہے، عربوں (مسلمانوں) کی برق آسا فتوحات کی ایک جزئی توجیہ شاید یہ ہے کہ (رومی سلطنت میں) عوام الناس کی نظروں میں ملک ایسی چیز نہ تھا جس کی خاطر جنگ کی جائے۔ [۶۲]

Marfat.com

(۱۰) اس میں شک نہیں کہ تمدن کی عام تباہی کے وقت بھی لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک قسم کی قانونی تنظیم برقرار رکھیں۔ اور خواہ جان بوجھ کر ہو یا بے جانے بوجھے، وہ اسی عملدرآمد پر چمٹے رہتے ہیں، جس کے وہ اب تک عادی رہے ہیں، اس لیے اگر فون کریمر یہ کہتا ہے کہ "رومی بیزنطینی قواعد، رواجی قانون کی شکل میں برقرار رہے" یا جب سانتلانا (فرانسیسی میں) یہ بیان کرتا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ اس قسم کے قواعد: "مشرق میں تمدن کے جو دیگر عناصر تیر رہے تھے..... (اس "تیرنے" کے کنایے کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے)..... انہیں کی طرح وہ بھی برقرار رہے" ہوں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اصولاً غیر اغلب ہو، سیلاب کی موجیں جن چیزوں کو بہا کر لے جارہی ہوں ان کو لے کر ان سے ایک نیا نظام قانونی تعمیر کرنا، اس سے بالکل الگ بات ہے کہ جسٹی نین کے پیچیدہ اور نازک ولطیف اصول قانون کو من وعن لے لیا گیا ہو۔

(۱۱) اس بات کو عام طور پر سب ہی مانتے ہیں کہ جسٹی نین کا مجموعہ قوانین (Corpus Juris) کبھی بھی مغربی (یعنی اطالوی) رومی سلطنت میں رواج نہ پاسکا، وہاں جو رومی قانون پھر زیر عمل تھا، وہ تھیوڈ وسیوس (روم) کا مدونہ (Theodosian Code) تھا لیکن اس میں ان وحشی (جرمنوں) کے رسم ورواج کی بھی تھوپا تھاپی کی گئی تھی جو جسٹی نین کی فتوحات کے باوجود فرمانروا طبقہ بنے رہے، اور اہل روما کے ساتھ ایک ماتحت قوم کا سلوک کرتے رہے، حتیٰ کہ ملک میں بعض جگہ (Romanus) یعنی (رومی) کے معنے بالآخر "غیر آزاد شخص" کے ہوگئے تھے، ان حالات میں مغربی (اطالوی) رومی قانون کے لیے یہ بات مشکل تھی کہ اسلامی قانون کی تاسیس میں کوئی اثر رکھے خواہ ہم اس یقینی بات کو تھوڑی دیر کے لیے نظر انداز ہی کیوں نہ کردیں کہ اس (اسلامی) قانون کے بنیادی اصول مدینہ منورہ کے مشہور امام مالکؒ کے متبعین کے ہمراہ آٹھویں صدی عیسوی (دوسری صدی ہجری) کے نصف دوم میں (اندلس و مغرب اقصیٰ میں پہنچنے سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں مدون ہو چکے تھے، مشرقی (بیزنطینی) رومی سلطنت کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں جسٹی نین کے وضع کردہ

Marfat.com

قانون ہی پر بیزنطینی عدالتی افسر عمل کرتے تھے، اور بیزنطہ (قسطنطنیہ) میں تعلیم پائے ہوئے وکیل Lawyers بھی اسی کے مطابق وکالت کرتے تھے۔ (مصری پاپیرس یعنی) بردی کاغذوں پر لکھی ہوئی جو دستاویزیں ملی ہیں ان کی شہادت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم (بیزنطینی صوبہ) مصر میں رسم و رواجی قواعد کا قابل لحاظ حصہ برقرار تھا جو رومی قانون کے ساتھ یا تو مسابقت و مقابلہ کرتا تھا یا اس کے ساتھ ایک تکلیف دہ حلیفی زندگی گزار رہا تھا، یہ جو کہا گیا کہ جسٹی نین نے ''دو غلے نظریوں'' کو برخاست کرنے کی کوشش کی تھی اس کے معنی غالباً یہی ہیں کہ اس کی کوشش یہ تھی کہ رومی نظام قانون کی مصر کے مقامی رواج کے ذریعے سے ترمیم کو روکا جائے، زیر بحث تحقیقات میں اس کی زیادہ اہمیت نہیں ہے مگر اس سے ضمناً یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مسلمان اہل فقہ کو اپنے نظام قانون کی عمارت کھڑی کرنے میں بروقت جو سامان اور مواد ملا تھا اس میں صرف رومی قانون کے اجزاء ہی نہ تھے (بلکہ ہر جگہ کے مقامی رواجات بھی تھے)

(۱۲) شام میں ایک نام نہاد'' شامی رومی قانون کی کتاب'' (Syro-Roman Law Book) ملی ہے یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جسٹی نین کا'' مجموعۂ قوانین'' زندہ نہ رہا تھا۔ یہ دستاویز[۱۸] اصل میں طلبہ کی ایک درسی کتاب ہے، اور اسے ایک طرح کا ''رومی قانون کا خلاصہ'' کہا جا سکتا ہے، اس میں صرف قانونِ مدنی (Jus Civile) ہے، اعزازی قانون[۱۹] (Jus Honorarium) نہیں، یہ بیزنطینی شہنشاہ زینون[۲۰] (Zenon) کے زمانے میں ۴۸۰ء اصل میں یونانی میں لکھی گئی تھی اور شاید لاطینی میں بھی، کیا یہ تصور میں بھی آ سکتا ہے کہ لارڈ برکنہیڈ[۲۱] (Birkenhead) کے زمانے کی (جدید وکثیر) قانون سازی ہی سے پہلے نہیں بلکہ حکام عدالت کے قانون (Judicature acts) سے بھی پہلے، جس نے غیر مکتوبہ عام شائع و رائج قانون Common Law اور قانون استحسان (Equity) کو ضم کرنے کا حکم دیا تھا[۲۲]۔ پہلے کے قانون انگلستان کو آج کل کے انگریز قانون پیشہ لوگ کسی مبتدیوں کے لیے لکھی ہوئی ایک چھوٹی سی درسی کتاب کی اساس پر نافذ کر سکیں؟

Marfat.com

مگر یہی وہ کارنامہ ہے جسے جسٹی نین کی قانون سازی کے بعد "شامی رومی قانون کی کتاب" کو استعمال کرنے والے قانون پیشہ لوگ انجام دینے کی کوشش کررہے تھے، اور یہی وہ بدنصیب رٹانے کی کتاب تھی جس کا شام اور عرب کی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور جسے شام کے گرجاؤں[۲۳] میں قانون کی درسی کتاب کے طور پر رائج کیا گیا۔ نالینو[۲۴] کے اس ادعا میں صداقت پائی جاتی ہے کہ نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) کے شامی (عیسائیوں) نے جسٹی نین کا بطور قانون ساز کے نام بھی نہ سنا تھا، ایسی حالت میں کیا اس کا امکان ہے کہ ان کے حاکم عربوں نے اسے سنا ہو؟ اسلامی فقہ کی کتاب میں کسی رومی سند (یا ماخذ) کا کوئی ایک بھی حوالہ نہیں پایا جاتا[۲۵]۔

Marfat.com

حواشی

۱ اس کی کتاب Principles and Precedents of Mohammedan Law......(یعنی اصول ونظائر قانون محمدی) کلکتہ ۱۸۱۷ء میں (مولف)

۲ اس کی کتاب Easy on Bailments (یعنی رہن پر مقالہ) مطبوعہ ۱۸۷۱ء میں۔ (مؤلف)

۳ نہ معلوم یہ اشارہ کس چیز کی طرف ہے، اسلامی قانون کے لیے عربی اور رومی قانون کے لیے لاطینی اور ایک حد تک یونانی کا جاننا کافی ہے''(مترجم)

۴ فون کریمر کی جرمن کتاب'' زمانۂ خلفاء میں مشرق کی ثقافتی تاریخ (Von Kremer, Culturges chichte des orient S unter den chalifen) مطبوعہ ویانا (آسٹریا) ۱۸۷۵ء تا ۱۸۷۷ء، انگریزی ترجمہ از خدا بخش مطبوعہ، کلکتہ ۱۹۲۰ء (مؤلف)

۵ سانتیلانا کی فرانسیسی کتاب''تونسی اسلامی قانون کے مجموعے کا مسودہ''مطبوعہ ۱۸۹۷ء کا مقدمہ Santillana Avant-Props d`un projet de code de droit musuman tunisien نیز بارہا اس کی دیگر نشریات میں۔(مؤلف)

۶ ''اس کے نام کا صحیح تلفظ گولٹ سیہر ہے، گولڈزیہر غلط ہے۔''(مترجم)

۷ سوا سو سال عرصہ ہوا سوا نئے ایک مالدار مجنون گزرا ہے (جو غالباً یہودی تھا) بیماری اور جوش جنون کی حالت میں اس نے ایک وصیت نامہ لکھ کر انگلستان کی انجمن فنون لطیفہ کے دفتر کے دروازے پر چپکے سے ڈال دیا، خط کھولا گیا تو ایک وصیت ملی کہ اس کی ساری جائیداد قانون کی عمدہ

Marfat.com

تالیفوں پر انعامات دینے میں صرف کی جائے چونکہ سوائنے کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے انجمن فنون لطیفہ نے جائیداد تو حاصل کر لی لیکن انعام کا فیصلہ ملک کے مشہور اہل قانون کی مدد سے کرایا جاتا ہے، اس لیے اسے قانونی کتابوں کا ''نوبل پرائز'' قرار دیا جا سکتا ہے۔ (مترجم)

۸ خلفائے راشدینؓ اور دیگر فقیہ صحابہ کے متعلق یہ بیان صحیح نہیں، انہوں نے قرآن و حدیث کی تعبیر و استنباط سے قانونی احکام بیان کیے اور قرآن کے سکوت کی صورت میں (حدیث معاذؓ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی اجازت ہی کی بناء پر) قیاس و اجتہاد سے کام لیا ہے۔ صحابہ میں باہمی علمی اختلاف رائے بھی رہا ہے جو مؤلف کے مفروضے کی تردید کرتا ہے۔ (مترجم)

۹ اس کتاب کے آخری دو باب کا اردو ترجمہ اس ناچیز نے کیا تھا، جو حیدر آباد دکن کے ماہنامہ ''روح ترقی'' میں ''اسلامی اصول قانون اور نظریہ دستوری کا ارتقا'' کے عنوان سے بہ اقساط دسمبر ۱۹۴۵ء سے جولائی ۱۹۴۸ء تک چھپتا رہا۔ (مترجم)

۱۰ آیا صوفیا شروع میں ایک بتکدہ تھا جسٹی نین نے اس کو توڑ کر وہاں ایک عیسائی گرجا بنایا جس کی عمارت اب تک استانبول میں باقی ہے، سلطان محمد فاتح نے اسے خدائے واحد کی عبادت کے لیے مختص کیا تھا، کمالی دور میں اس مسجد میں نماز بند کر کے سیاحوں کے دیکھنے کی تفریح گاہ قرار دیا گیا۔ (مترجم)

۱۱ جسٹی نین کی فوج کا ایک جرنیل جس نے اٹلی وغیرہ کو فتح کیا تھا۔ (مترجم)

۱۲ جسٹی نین کا خواجہ سرا اور اس کی فوج کا ایک جرنیل جس نے ایران سے جنگ میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ (مترجم)

۱۳ غالباً یہ بھی جسٹی نین کا کوئی کارندہ تھا اس نام کا ایک راہب بھی گزرا ہے جس کو نہ قسطنطنیہ سے تعلق ہے اور نہ جسٹی نین سے۔ (مترجم)

۱۴ ایران میں عام طور پر مذہبی رواداری برتی جاتی تھی، مذہبی ایذا رسانی ایک بیماری تھی جو صرف کبھی کبھی وہاں پھوٹ پڑتی تھی، مگر ایسے موقع پر وہ شدید ہوا کرتی تھی (مؤلف)...... ''یہ اس امر کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے کہ جب قباذ کے زمانے میں مانی کے مذہب نے اباحیت پھیلائی اور زردشتی سرکاری مذہب نہ رہا تو اس کے جانشین انوشرواں نے بہ زور تیغ اباحیت کا قلع قمع کیا اور دوبارہ زردشتی مجوسیت پھیلائی لیکن مؤلف مقالہ کے یہودی النسل ہونے کی بناء پر گمان غالب یہ

Marfat.com

ہے کہ یہ بائبل کی کتاب ایستر کی طرف اشارہ ہو جس میں یہ واقعہ (جو درحقیقت ایک تعلیمی و تلقینی افسانہ ہے) بیان ہوا ہے کہ ایک ایرانی بادشاہ نے اپنے وزیر کے مشورے سے ملک کے سارے یہودیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، شاہی محل میں ایک یہودن بھی تھی، اس نے بادشاہ کو مدہوش کر کے یہ حکم نکلوایا کہ یہودیوں کو نہ چھیڑا جائے اور وزیر اور دوسرے بہت سے ایرانی امراء کو جو یہودیوں کے مخالف سمجھے جاتے تھے، پھانسی پر چڑھایا جائے اور اس حکم کی فوراً تعمیل بھی کرائی۔" (مترجم)

۱۵ غالباً جندیسابور کی طرف اشارہ ہے لیکن یونانی فلسفہ زیادہ تر شامی سریانیوں کی مدد سے عربی میں منتقل ہوا، مامون نے راست یونانی کتابیں منگوائیں، اور بغداد کے بیت الحکمہ میں ان کے ترجمے ہوئے، پھر ترجموں کی نظر ثانیاں بھی ہوتی رہیں۔ (مترجم)

۱۶ یہ ضرورت سے زیادہ مبالغہ ہے، اگر تھوڑی دیر کے لیے نینوہ کی شکست کے بعد ایران کو مہلک زخم سے مجروح بھی فرض کر لیا جائے تو رومی فاتحوں کے متعلق تو ایسا خیال نہیں کیا جا سکتا، ایران سے لڑنے کے لیے ہرقل نے جو فوج بھرتی کی تھی اس میں کئی لاکھ تربیت یافتہ سپاہی تھے (جن میں سے ایک لاکھ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ۸ھ میں مؤتہ بھیجے گئے تھے) کیا ۱۹۳۹ء میں مٹھی بھر حبشی شکست خوردہ جرمنی نہیں بلکہ فاتح روس وامریکہ پر حملہ کر کے ان کو فتح کر سکتے تھے؟؛ مسلمانوں نے ایران و روم (بیزنطہ) دونوں سے بیک وقت مقابلہ کر کے دونوں پر قبضہ کیا تھا۔ (مترجم)

۱۷ ایک مزید وجہ یہ ہے کہ شام اور مصر کی رومی فوج میں عرب سپاہی بہ کثرت تھے اور یہ حملہ آور (مسلمانوں) کے ہم نسل تھے (مؤلف)۔ غسان کے سردار نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر تک کو قتل کرنے میں باک نہیں کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عیسائی شدہ عربوں کو یونانیوں سے کہیں زیادہ اسلام سے نفرت تھی۔ (مترجم)

۱۸ لگے ہاتھوں یہ کہتے چلیں کہ اس کتاب اور اسلامی قانون میں جو واحد مماثل چیز ملی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی قانون میں کوئی شخص اپنی جائیداد کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ کسی کو بطور وصیت نہیں دے سکتا جو اس (رومی) کتاب میں بھی مذکور ہے، اور ظاہر ہے کہ اصل متن میں کسی نے بعد میں اس کا اضافہ کر دیا ہے۔" (مؤلف) یہ کتاب اسلامی عہد کی تالیف ہے، اور اس پر نالینو نے متعدد مقالے اطالوی میں لکھے ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

۱۹ اعزازی قانون سے مراد وہ قانون ہوتا ہے جو مجسٹریٹ (حاکم عدالت) کے جاری کردہ اعلان سے بنے۔ (مترجم)

۲۰ زینون کا زمانہ حکمرانی ۴۷۴ء تا ۴۹۱ء۔ (مترجم)

۲۱ وزیر ہند بننے سے پہلے لارڈ برکنہیڈ نے جب پہلی جنگ عظیم کے بعد وزیر عدلیہ تھا تو اس زمانے میں متعدد مسائل پر انگلستانی رواج اور نظائر وغیرہ کی مدد سے پہلی دفعہ قانون وضع کرائے، مثلاً قانون جائیداد وغیرہ۔ (مترجم)

۲۲ پرانے زمانے میں انگلستان میں بہ یک وقت دو قانون رائج تھے چنانچہ جب کوئی شخص اپنے مقدمے کے لیے ''عام شائع قانون کی عدالت (Common Law Court) میں جاتا تو ایک طرح سے فیصلہ ہوتا اور اگر محکمۂ قانون استحسان چانسری کورٹ (Chancery Court) کی طرف رجوع کرتا تو اس کے برعکس فیصلہ ہوتا۔ ۱۸۷۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے جب اصلاح عدلیہ کا قانون (Judicature Act) منظور کیا تو یہ فرق ختم ہوا اور ساری عدالتیں ایک ہی قانون کے نافذ کرنے کی پابند کی گئیں۔ (مترجم)

۲۳ جیسا کہ مؤلف آگے خود بھی بیان کرے گا، اسلامی حکومت میں اہل ذمہ کامل عدالتی خودمختاری سے متمتع تھے، مثلاً جب کسی مقدمے کے فریقین عیسائی ہوتے تو قانون بھی عیسائی ہوتا، حاکم عدالت بھی اور محکمہ عدالت بھی عیسائی ہوتے، اور حاکم عدالت عموماً طبقہ اہل دین یعنی پادریوں اور راہبوں سے چنے جاتے، اسی لیے گرجا والوں کو قانون کتاب کی ضرورت پیش آئی کیونکہ انجیل میں قانونی احکام نہیں ہیں، اس لیے ہمعصر بیزنطینی عیسائی سلطنت کے قانون پر عمل کرنا کافی سمجھا گیا۔ (مترجم)

۲۴ نالینو کی اطالوی کتاب ''بیزنطینی قانونی کتابیں'' (Nallino Seritti Juridici Byzentini) صفحہ ۱۵۸ تا ۱۵۹، نیز اسی کی دوسری اطالوی کتاب (Sul Lilro Diro-Romano (in: Studi P. Bontante) یعنی شامی رومی کتاب کے متعلق جو مقالات بونفانتے نامی تالیف میں شائع ہوئی) دیکھو جلد اول مطبوعہ پاریا (Paria) ۱۹۲۹ء اس ''شامی رومی قانون کی کتاب'' کے متعلق نالینو کا نظریہ ہم قبول کرتے ہیں لیکن اگر متیس (Mitteis) کا یا کسی اور کا نظریہ قبول بھی کریں تو ایک طرف تو اس ''شامی رومی قانون کی کتاب'' کے اور جسٹی نین کے ''مجموعہ قوانین'' کے نہایت ترقی یافتہ اصول کے درمیان اور دوسری طرف

Marfat.com

نہایت لطیف قیاسی استدلال کرنے والے ابتدائی مسلمان فقہاء کے ذہن کے درمیان فرق کی جو خلیج پائی جاتی ہے وہ بے حد وسیع ہو جاتی ہے۔ (مؤلف)

۲۵ اسلامی قانون کے مقابلے میں کچھ کم سہی، اسلامی فلسفہ بھی خدا پر مرتکز ہے، اس کے باوجود مسلمان مؤلف کھلے بندوں اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ افلاطون اور ارسطو کے مدیون اور مرہون منت ہیں (مؤلف) یعنی کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان فلاسفہ اور اطباء کے مقابلے میں مسلمان فقہاء کم دیانتدار رہے ہوں، اگر فقہ میں بیرونی مصادر سے واقعی مدد لی گئی ہوتی تو وہ ضرور اس کا اعتراف کرتے۔ (مترجم)

(ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ۔ جنوری ۱۹۷۳ء)

Marfat.com

کیا اسلامی قانون

رومی قانون کا مرہون منت ہے

(قسط نمبر۲)

(۱۳) سادہ حقیقت یہ ہے کہ جسٹی نین کے دور حکومت میں بھی اور بعد کے زمانوں میں بھی رومی قانون (بیزنطینی سلطنت میں) ایک اجنبی قانون کی حیثیت رکھتا تھا، جو...... تازہ ترین ترمیموں کو مستثنیٰ کر کے اگر دیکھیں تو وہ لکھا بھی جاتا تھا، ایک اجنبی (یعنی لاطینی) زبان میں (بیزنطینی سرکاری یعنی یونانی زبان میں نہیں)۔ (ایشیائی اور افریقی) صوبہ جات میں لوگ یہ لاطینی زبان نہیں جانتے تھے اور اس قانون کا نفاذ جو افسر کرتے تھے، ان کے لیے متعین ہونے کے مقام کا باشندہ ہونا ضروری نہ تھا۔ جو خاص افراد کی حد تک بعض وقت ہو سکتا ہے بلکہ ایک ایسے شہنشاہی اقتدار کے نمائندوں کی حیثیت سے جو بہت دور تھا اور تقریباً بالکل اجنبی کی حیثیت رکھتا تھا، رومی قانون ایک ایسا راز نہاں تھا جس سے شہر بیزنطہ (قسطنطنیہ) ہی میں طویل عرصے کی تعلیم کے بعد واقفیت حاصل ہو سکتی تھی اس صورت حال کے تین سبب تھے۔

(الف) لاطینی زبان کا عام رواج میں نہ ہونا۔

(ب) جسٹی نین کا سارے قانونی مدرسوں کو بند کر دینا بجز قسطنطنیہ اور بیروت کے

(ج) بیروت کا ۵۵۱ء کے زلزلے میں تباہ ہو جانا اور وہاں کے مدرسۂ قانون کا بالآخر ۵۶۰ء میں ختم ہو جانا۔

Marfat.com

(۱۴) جہاں تک پہلے سبب کا تعلق ہے اب یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ جسٹی نین کا دور حکومت لاطینی زبان کے لیے ایک نقطہ انقلاب تھا کہ اگر پہلے وہ عام استعمال کے باہر تھی تو اب وہ سرکاری استعمال سے بھی خارج کر دی گئی۔ جسٹی نین کے "جدید احکام" Novellae (جو اسی حکمراں کے "مجموعہ قوانین Corpus Juris کے ترمیمات پر مشتمل تھے) یا تو دو زبانوں میں شائع ہوئے، یا صرف یونانی میں لاطینی کے بغیر، لیکن قانون ملک کی کتابوں یعنی "مجموعۂ قوانین" Corpus Juris، "عہود" Institutes "مدونہ احکام" Code اور "خلاصہ" Digest کے قدیم اجزاء لاطینی ہی میں رہے۔ ان کے جو یونانی ترجمے ہوئے بھی (توفیل Theophilus نے کتاب "عہود" کا شرح ترجمہ کیا تھا اور اس مترجم کے سرکاری عہدے کے باعث اس کو نیم سرکاری حیثیت حاصل ہو گئی تھی) ان کا واحد مقصد یہ نظر آتا ہے کہ طلبہ قانون کو سال اول کے ابتدائی زمانے میں مطالعے میں سہولت بہم پہنچائی جائے، اس کی کوشش کبھی نہیں کی گئی کہ قوانین ملک کے (جو لاطینی میں تھے) بڑے اور اہم حصے کو ایسی زبان میں پیش کیا جائے (بیزنطینی سلطنت میں) جو عام طور پر سمجھی جاتی ہو، ایسی کوشش اگر ہوئی بھی تو جسٹی نین کے دو سو سال بعد[1]۔

یعنی اس وقت جب اسلام اور بیزنطینیوں کے سیاسی تعلقات ایسے تن گئے تھے کہ رومی قانون سے براہ راست نقل کا کوئی سوال نہیں تھا اور یہ وہ وقت ہے جب اسلامی قانون کی اصل بنیادیں پڑ چکی تھیں۔

(۱۵) جسٹی نین نے اپنے Cmnem (جامع) نامی حکم نامے کے ذریعے قسطنطنیہ اور بیروت کو چھوڑ کر سارے علاقوں کے قانونی مدرسے بند کرا دیے تھے اس کا مقصد یہ تھا کہ رومی نظریات Doctrine پاک صاف حالت میں اور (ہر جگہ) یکساں رہیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ہر قسم کے (مفید) نئے خیالات کے داخلے کا دروازہ بالکل بند ہو گیا اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح ہر چیز کو مرکز کے تحت لانے کی کوشش قوت کی نہیں بلکہ ایسے ضعف کی علامت تھی جس کا شعور بھی ہو بالکل اسی طرح جس طرح قدیم تر زمانے میں رومی فوجوں کا برطانیہ سے واپس بلا لینا، جو بھی ہو، اس میں تو شک نہیں کہ قانونی تعلیم کے مدرسے واقعتہً بند کر دیے گئے، جب قانون اور عدالتیں

Marfat.com

دونوں شہنشاہ کی مرضی پر منحصر ہو جائیں تو قانون پیشہ لوگوں کے لیے یہ بداہتہً ایک فضول چیز ہو جاتی ہے کہ کوئی ایسی سند حاصل کریں جسے شہنشاہ تسلیم نہ کرتا ہو، اس کے باوجود پروفیسر شلڈن آموس کا دعوٰی ہے کہ بیروت اور اسکندریہ کے (رومی) مدارس قانون مسلمانوں کے شام و مصر کو فتح کرنے کے بعد ایک صدی سے زائد عرصے تک چلتے رہے۔

(۱۶) بیروت کا آگے ذکر آئے گا، جہاں تک اسکندریہ کا تعلق ہے شلڈن آموس کے ادعاء کا واحد ماخذ یہ ہے کہ آگاتیاس [ے] Agathias نامی شخص نے "جامع" نامی حکم نامے کے نفاذ کے ربع صدی بعد اسکندریہ میں قانون کی تعلیم پائی تھی، اس لیے یہ معلومات اس کو براہ راست نہیں بلکہ ثانوی طور پر ایک غیر معروف فرانسیسی مؤلف دمونت روی [ے] (De Montreuil) کی اپنی غلط فہمی کے باعث حاصل ہوئے ہیں (اصل میں) آگاتیاس ۵۵۱ء کے زلزلے کا ذکر کرتا ہے اور اس تاریخ کی اساس پر "مسلمانوں کے شام و مصر فتح کرنے کے بعد" ایک صدی سے زائد عرصہ" کہنا دور کی کوڑی لانا Fox-Cryt ہے (کہ ۵۵۱ء اسلام سے قبل کا زمانہ ہے) آگاتیاس کے (یونانی) الفاظ یہ ہیں: "میں وہاں یعنی اسکندریہ میں، قانون سے پہلے ایک عمومی تعلیم میں مشغول تھا۔" اس کے معنی جیسا کہ نیبور [ے] (Niebuhr) نے ٹھیک سمجھا ہے، صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ "قانون (کی تعلیم) سے قبل ایک عمومی Liberal تعلیم" اس کے بعد آگاتیاس یہ بھی بیان کرتا ہے کہ وہ اسی سال اسکندریہ چھوڑ کر بیزنطہ (قسطنطنیہ) روانہ ہو گیا..... اور بیروت کے زلزلے کے بعد وہاں کے مدرسے کے باقیات الصالحات جو بھی شہر صیدا Sidon میں رہے ہوں ان کو چھوڑ دیں تو اس وقت کا جو واحد مقام جہاں قانون کی تعلیم حاصل کی جا سکتی اور اسے بطور پیشہ استعمال کر سکنے کی سند مل سکتی تھی وہ بیزنطہ تھا اور بیزنطہ ہی میں اس نے قانونی تعلیم کا آغاز و اہتمام کیا تھا۔

(۱۷) اس کا قطعی ثبوت اشعار میں ملا ہے، ان میں سے ایک نظم Epigram میں (جو منتخب یونانی اشعار Anthalogia Graeca ج ۱ ص ۳۵ میں ہے) ایک بھینٹ کا ذکر ہے جو طلبۂ قانون کی ایک جماعت کی طرف سے چڑھائی گئی تھی۔ اس جماعت میں

Marfat.com

آ گا تیاس بھی ہے اور اسکندریہ کا روفینوس Rufinus بھی جنہوں نے قانونی تعلیم کا چوتھا سال اسی زمانے میں ختم کیا تھا اور یہ بھینٹ میکائیل فرشتے ؑ کی مورت Eikon پر بمقام "ایوستیا" چڑھائی گئی تھی، یہ مقام آبنائے بوسفورس (بوغاز، استانبول) پر ہے اور اب خلیج استیبا Stenia Bay کہلاتا ہے، اپنی تعلیم کے پانچویں سال (آ گا تیاس) پایۂ تخت کی لغویات اور بداخلاقیوں سے تنگ آ کر شہر سے کنارہ کشی کرتا ہے، اور سکون کے ساتھ قانون کا عمیق مطالعہ کرنے کے لیے شاخ زریں کے (یعنی Golden horn جسے اب ترکی میں "خلیج" کہتے ہیں اور جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار تک جاتی ہے) (مترجم) شمالی ساحل پر سکونت پذیر ہوگیا۔ یہاں اس کے اور اس کے دوست پاولوس سیلنٹیاریوس (Paulus Silentiarius) کے مابین ... جو بظاہر آ گا تیاس کی قانون سے وابستگی کو کچھ زیادہ سنجیدہ چیز نہیں سمجھتا تھا۔ خطوط کا تبادلہ ہوا، جن کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے، ان کا متن مذکورہ "منتخب یونانی اشعار" ج ۵ ص ۲۹۲، ۲۹۳ میں محفوظ ہے۔ آ گا تیاس کے نام والی دیگر نظمیں بھی غالباً اسی زمانے سے متعلق ہیں۔ اگرچہ ان کے محل وقوع کا تعین اتنا قطعی نہیں مثلاً وہ کتبہ جو ایک قانونی درس کے رفیق کی قبر پر ہے (دیکھو "منتخب یونانی اشعار" ج ۷ ص ۵۷۴) نیز وہ جن میں اس کے دوست نائب قنصل تھیوڈور Proconsul Theodore سے تخاطب ہے۔

(۱۸) بیروت کا مدرسہ ۵۵۱ء کے جب زلزلے سے تباہ ہوگیا تو اس کے اساتذہ اور طلبہ کو صیدا بھیج دیا گیا جہاں وہ تقریباً دس سال مقیم رہے۔ ۵۶۰ء میں جب وہ بیروت واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے تو مدرسے پر یہ نئی مصیبت آئی کہ مدرسے کے لیے (بیروت میں) جو نئی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں وہ ایک آتش زدگی میں برباد ہوگئیں اور جیسا کہ پروفیسر کولینے Collinet نے (حوالہ بالا میں) بتایا ہے اس تاریخ کے بعد سے اس (مدرسے) کا پھر کوئی ذکر نہیں ملتا اور ۶۰۰ء میں یہ صرف کھنڈر ہی تھا۔ اس کے بعد کے سالوں میں جو مصیبتیں آئیں ان کے باعث یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب مسلمانوں نے اسے فتح کیا تو وہ کھنڈروں کے انبار کے سوا کچھ اور نہ رہا ہو۔ یہ فتح ۶۳۵ء ۱۴ھ میں ہوئی جبکہ مدرسے کی تباہی پر ۷۵ برس گزر چکے تھے اور اس کے آخری استاد کو

Marfat.com

مرے ہوئے اور وہاں کے آخری درس کو بھلائے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا۔ عربوں کی فتوحات سے تین چوتھائی صدی قبل کے عرصے سے رومی سلطنت میں تربیت یافتہ قانون دانوں کے ملنے کا واحد ماخذ پایۂ تخت بیزنطہ تھا۔

(۱۹) قانون کے ان مدرسوں کی برقراری کا افسانہ جس دوسری اساس پر مبنی ہے وہ فون کریمر (Von Kremer) کا ایک اتفاقی اور ضمنی ملاحظہ (ریمارک) ہے اور جو لوگ اساطیر اور افسانوں کی نشو و نما کا مطالعہ کرتے ہیں ان کے لیے یہ دلچسپی کا باعث ہوگا کہ زیر بحث افسانے کی نشو و نما کس طرح ہوئی۔ اس ممتاز مؤرخ فون کریمر نے اپنی جرمن کتاب ''مشرق کی ثقافتی تاریخ'' میں (جس کا خدا بخش نے ۱۹۲۰ء میں کلکتہ میں انگریزی ترجمہ شائع کیا، دیکھو ص ۲۴۷) ایک خیال پیش کیا ہے کہ دو قدیم مسلمان فقیہ، امام اوزاعی اور امام شافعی چونکہ شام[۸] میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے وہ ''بے شبہ ایسے بہت سے بیزنطینی قواعد سے واقف رہے ہوں گے، جو رسم و رواج کی شکل میں برقرار رہے ہوں گے'' بعد والے راویوں کے ہاتھوں میں ''بے شبہ'' کی جگہ مسلمہ طور پر اور ''رسم و رواج'' کی جگہ بیزنطینی قانون ہو گیا، ایک مؤلف نے تو یہاں تک لکھ مارا کہ ''جیسا کہ بہت معروف بات ہے کہ انہوں (یعنی شافعی) نے فقہ کی تعلیم بیروت میں پائی۔'' امام اوزاعی ایک ہندو غلام کے پوتے تھے[۹]۔ زندگی شام خاص کر بیروت میں گزاری، ان کے حالات زیادہ معلوم نہیں، دوسرے بیانات میں باہم تضاد ہے[۱۰]۔ بہر حال ان کا مذہب فقہ بہت جلد غائب ہو گیا اور اگر اس کی کوئی تاثیر رہی بھی ہو تو اس کا سراغ نہیں ملتا۔ اسلامی قانون میں امام شافعی ایک بڑی شخصیت گزرے ہیں، ماں کی طرف سے وہ پیغمبر اسلام کی اولاد (سید) تھے اور باپ کی طرف سے ایک متوازی شاخ میں تھے (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا ہاشم کے بھائی مطلب کی اولاد میں تھے (مترجم) وہ اگرچہ غزہ (فلسطین) میں پیدا ہوئے لیکن کم عمری میں مکہ لے جائے گئے جہاں سے انہیں طفولیت ہی میں ایک بدوی قبیلے میں بھیج دیا گیا[۱۱]۔ تا کہ خالص اور پاک صاف عربی زبان سیکھیں۔ پھر عنفوان شباب میں انہوں نے فقہ کی تعلیم بیروت میں نہیں، بلکہ مدینہ منورہ میں پائی۔

(۲۰) لیکن ہم سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''دمشق میں پورا رومی نظام عدالت، عربی فتوحات کے ایک صدی بعد برقرار رہا۔'' اس دعویٰ کی سند سوا اس پاشا[۱۲] کا بیان ہے۔ جو اس کی

Marfat.com

فرانسیسی کتاب ''اسلامی قانون کے نظریات کا مطالعہ'' Etude Dela theorie de droit... طبع دوم ۱۹۰۲ء میں ذیل کے الفاظ میں کتاب کے مقدمے کے صفحہ (۲۱) میں درج ہے۔

''اسے سب لوگ جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کی پیدائش کے وقت رومی قانون نے اس پر جو اثر ڈالا اس سے قطع نظر بھی فقہ کا متاخر اور تکمیل کنندہ ارتقاء اور اسلامی مجموعۂ احکام کا نشو ونما ان علماء کا کارنامہ ہے جو علم قانون کی تعلیم دیتے اور وہ فرائض انجام دیتے تھے جو رومی دور کے (شام میں پریٹر[۱۳] Preetor) انجام دیتے تھے حضرت معاویہؓ کے دور میں شام کا نظام عدلیہ وقضاءت خفیف فرق کے ساتھ وہی رہا جو اسلامی فتح کے قبل پایا جاتا تھا، عدالتی مفتی پریٹر کی طرح، احکام کا خاکہ بنادیتے تھے اور مفتی کے بتائے ہوئے ان احکام کی روشنی میں فرائض قضاءت کی انجام دہی کے لیے قاضی واقعات کو اس خاکے کے مندرجات کی روشنی میں جانچتا جو مفتی نے اس کے سامنے پیش کیا تھا اور اپنا فیصلہ اسی رائے کے مطابق بناتا جو پریٹر (یعنی مفتی عدالت) نے اپنے خاکے میں اسے بتایا تھا۔''

''میں اس بات سے ناواقف نہیں کہ (پریٹر کا حاکم عدالت کو مسئلہ اور جواب کا) خاکہ مرتب کردینا، اگرچہ رومی شہنشاہ دقیانوس (دِقلطیانوس Diocletien کے زمانے میں شروع ہوا تھا مگر بعد میں اس کی جگہ وہ طریق عمل شروع ہوا تھا جسے غیر معمولی طریقہ (Extra ordinem cognits غیر معمولی ضابطۂ واقفیت) کہا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک واقعہ ہے کہ (مسلمان) فاتح نے خاکوں کا طریقہ شام میں پوری قوت کے ساتھ زیرِ عمل پایا۔''

(۲۱) دوسرے الفاظ میں سوٗ اس پاشا نے جو بے شبہہ اصلاحات کی ایک قابل تعریف مہم میں مشغول تھا، اپنی مہم کے لیے ہتھیار فراہم کرنے کی غرض سے نہ صرف یہ باور کرلیا تھا کہ مقدمے کے سوال جواب کا خاکہ مرتب کرنے کا جو طریقہ تھا وہ اپنے خاتمہ کے چار سو سال بعد بھی کارفرما تھا، بلکہ یہ بھی کہ اسلامی فقہ کے مؤسس اس کی تعلیم دینے اور اس پر عمل کرنے میں ملک شام ہی نہیں خلیفہ معاویہؓ کے دربار میں بھی مشغول تھے، حالانکہ ایک (حضرت) عمر بن عبدالعزیزؒ کو چھوڑ کر فقہاء عموماً حضرت امیر معاویہؓ اور سارے اموی خلفاء کی کم وبیش مسلسل خاموش مخالفت کی حالت میں رہے تھے[۱۴]۔

حقیقت میں امیر (حکمران) اور فقیہ میں جو مقاطعہ ساری اسلامی تاریخ میں نظر آتا

Marfat.com

ہے وہ اسی اموی دور میں شروع ہوا اور ہمارے موضوع سے اس کا اہم تعلق ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا امام اوزاعی کی واحد مثال کو چھوڑ کر پورے اموی دور اور عباسی دور کے ابتدائی حصہ میں کوئی بھی بڑا فقیہ نہ شام میں مقیم اور نہ وہاں کارفرما رہا، مدینہ منورہ اور کوفہ ہی فقہ کے اولین مرکز رہے پھر ابوحنیفہ [۱۵] اور ان کے ساتھی اور احمد بن حنبل بغداد میں رہے اور شافعی مصر میں [۱۶]۔

(۲۲) لیکن (سوٴاس پاشا کے بیان میں) سب سے بڑی غلطی شاید یہ ہے کہ مفتی کو پریٹر (Preetor) کے اور قاضی کو یودیکس (Judex یعنی رومی جج) کے مماثل سمجھا جائے، سواس پاشا کے ذہن میں ممکن ہے کہ اس زمانے کے اعلیٰ عہدیدار ہوں جیسے قسطنطنیہ میں شیخ الاسلام اور مصر میں مفتی اعظم (جس کے فرائض منصبی کے متعلق دیکھو لین (Lane) کی انگریزی کتاب ''جدید مصری' Modern Egyptions باب چہارم) اگر یہ صورت واقعہ ہے تو بھی پریٹر سے مماثلت دور کی کوڑی لاتا ہے لیکن پرانے زمانے کے مفتی صرف علمائے قانون (رومیوں کے Jurisprudents یعنی قانون سے واقف لوگوں کی طرح تھے (جن کے ذمے کوئی سرکاری یا عدالتی فرائض نہ ہوتے تھے) یہ کسی مسئلے کی دریافت پر فتویٰ یعنی جواب ضرور دیتے تھے، لیکن قاضی کے فیصلے کے لیے سوال جواب کا کوئی خاکہ (فارم) مرتب نہیں کرتے تھے اور ساری اسلامی تاریخ میں قاضی اپنے اختیار سماعت میں بالکل خودمختار رہا کیے ہیں۔

(۲۳) بعض وقت ابن خلدون کے ایک بیان پر زور دیا جاتا ہے، ابن خلدون اسپینی تھا اور چودھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اس نے جو بڑی تاریخ تالیف کی اس کے مقدمے میں لکھا ہے کہ افکار اسلامی کے اکثر بڑے موسس عجمی تھے، جہاں تک فقہ کے اولین موٴسسوں کا تعلق ہے اس دعویٰ میں کافی ترمیم کی ضرورت ہے، بے شبہ قرآن مجید کے ایڈیٹر (حضرت) زید بن ثابتؓ ایک آزادشدہ غلام تھے [۱۷] ابوحنیفہ اور اوزاعی آزادشدہ غلاموں کی اولاد ہیں [۱۸]۔

خود زیدؓ کے (مولیٰ ہونے کے) معنے لازماً یہ نہیں کہ وہ عرب نہ رہے ہوں، فقہ کی پیدائش مدینہ اور کوفہ جیسے عرب شہروں میں ہوئی، خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ (حضرت علیؓ) اور مذاہب فقہ کی پیدائش کے مابین جو تاریک (یعنی معلومات سے خالی) زمانہ ہے، اس میں بھی مدینہ منورہ میں سات اور کوفے میں سات [۱۹] فقہاء کا وجود مذکور ہے [۲۰] مدینہ منورہ کے فقہاء

Marfat.com

سبعہ کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خالص عرب تھے اور کوفے والوں کی اکثریت عجمی النسل تھی لیکن یہ دونوں مقام خالص عربی تھے، اور دونوں، خاص کر کوفہ، جغرافی نقطۂ نظر سے رومی اثر سے بہت دور تھے، اس کے برعکس کوفہ ایرانی سرحد سے زیادہ دور نہ تھا اور سورا Sura اور پمبادیتا (Pumbaditha) کے قریب تھا جہاں (یہودی رہتے اور) تلمودی مدرسے پائے جاتے اور ربیوں کا قانون پھل پھول رہا تھا[۲۱]۔

یوں بھی یہ صحیح ہے کہ ابتدائی مسلمان فتح اپنی عیسائی اور یہودی رعایا کے ساتھ جس رواداری کا سلوک کرتے تھے، اس میں عدالتی آزادی بھی شامل تھی (یعنی ہر قوم اور ہر فرقہ اپنے ہی قانون پر عمل کرنے کا مجاز تھا) آرتھوڈاکس فرقے والے ہوں یا بدعقیدہ عیسائی اور یہودی، سب اس بارے میں مساوی حقوق رکھتے تھے اور ان کی جو خصوصی عدالتیں تھیں وہ مذہبی عدالتیں تھیں[۲۲] جن کی صدارت متعلقہ ''ملت'' کے مذہبی قائد ہی کرتے تھے[۲۳]۔

(۲۴) ہم فرض کر سکتے ہیں کہ عیسائیوں کی عدالتیں عام طور پر رومی قانون ہی کے عام اصول کا اتباع کرتی تھیں خواہ شعوری طور پر یا بغیر شعور کے، مگر اسی حد تک جس حد تک کہ وہ ان اصول کو سمجھتی ہوں لیکن یہ اس سے بہت مختلف چیز ہے کہ یہ مزعومہ رومی عدالتیں اپنے اعلیٰ تربیت یافتہ پیشہ ور ملازموں کے ساتھ برقرار رہی ہوں۔ اور یہ بات بداہتہً عرب (حکمرانوں کے لیے) ناممکن تھی کہ ایسی عدالتوں کے وجود کو گوارا کریں، جو اسلام کی ماتحتی کو قبول نہ کرنے والی ایک اجنبی سلطنت کی طرف سے مامور ہوں اور اپنے کو اسی کے ماتحت سمجھتی ہوں، اس سے قطع نظر بھی کہ اسلامی قانون میں (جو خدا کی مرضی پر مبنی ہے) اور رومی قانون میں (جو شہنشاہ کی خوشنودی پر منحصر ہوتا ہے) باہم ایک بنیادی فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (حضرت عمرؓ کے زمانے کی فتح پر) مصر اور بیت المقدس[۲۴] سے جو معاہدے ہوئے ان دونوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ ''رومی'' یعنی بیزنطینی عہدہ دار اجنبی قرار دیے گئے ہیں، بیت المقدس کے معاہدے میں تو پوری صراحت ہے کہ یہ لوگ بالکل (وہاں سے) چلے جائیں، ان میں یہ بھی ذکر ہے کہ اگر وہ رہنا چاہیں تو نجی طور[۲۵] پر رہیں (سرکاری ملازم اور حاکم کے طور پر نہیں۔)

(۲۵) لیکن شلڈن آموس یا 9 اس پاشا سے بھی ایک بہت بڑے فاضل یعنی اگناٹس گولٹ سیہر کو بھی اس طرح کی رائے کے لیے بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے

Marfat.com

کہ گولٹ سیہر کے متعلق ہم اولاً یہ بتادیں کہ اس کی زیر بحث رائے اس موضوع پر خود اسی مؤلف کی ساری دیگر رایوں کے خلاف ہے اور بہ ظاہر زیادہ گہرے غور وفکر کے بعد اس نے مذکورہ رائے کو ترک کر دیا تھا، کیونکہ اسلامی قانون پر اس کا (جرمن زبان میں) جو شہ کار ہے۔ یعنی ''اسلام پر لیکچر'' (Vorlesungen Uber den Islam) اور جس کا ۱۹۲۰ء میں فرانسیسی ترجمہ آزیں نے ''اسلام کا قانون اور عقیدہ کے نام سے شائع کیا۔ (Arin, La Loi et le dogm det jslam) اس میں اس کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔

(۲۶) بہر حال ۱۸۸۴ء میں گولٹ سیہر نے ہنگری کے ایک علمی رسالے میں [۲۶] ''اسلامی قانون کا ماخذ [۲۷] (Muhammedan Jugtudomany eredeterol) کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی مضمون کا (انگریزی) ترجمہ امریکہ میں ''مؤرخوں کی تاریخ عالم'' (Historians' History of The World) نامی کتاب میں ۱۹۰۷ء میں چھپا، اس میں اس کا (انگریزی) عنوان ہے'' اسلام میں قانون کے اصول'' اس مضمون میں گولٹ سیہر نے بعض رائیں ظاہر کیں، اور رومی اور اسلامی قانونوں کی بعض مشابہتیں دکھا کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ مشابہتیں براہ راست نقل (Borrowing) کی بناء پر ہونی چاہئیں مگر گولٹ سیہر نے ۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۰ء میں اپنی جو جرمن کتاب ''اسلامی مسائل'' (Muhammedanischo Studien) شائع کی ہے اس میں مذکورہ رائے کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا اور اس کے بعد کی کتاب ''اسلام پر لیکچر'' میں جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا، گولٹ سیہر نے ان خیالات کو بالکل ہی ترک کر دیا ہے بجز اس مختصر اور ضمنی ملاحظے کے کہ اسلامی فقہ اور (رومی) Prudentia میں مشابہت ہے۔ (اس لاطینی اصطلاح سے آگے بحث آئے گی)

Marfat.com

حواشی

۱ـ کتاب منتخب Ecloga ۷۴۰ء، ۱۲۳ھ میں ''دستی کتاب'' ''Procheiron'' ۸۰۰ء/۱۴۰ھ اور ۸۵۰ء/۲۳۶ھ کے درمیان اور ''شاہی کتاب'' ''Basilica'' اس کے بھی بعد کی ہیں جب کہ امام مالک ۷۹۵ء/۱۷۹ھ میں اور امام ابوحنیفہ ۷۶۷ء/۱۵۰ھ میں وفات پا چکے تھے (مؤلف) حتیٰ کہ امام اوزاعی کا ۷۷۳ء/۱۵۷ھ میں امام ابو یوسف کا ۷۹۸ء/۱۸۳ھ میں امام محمد شیبانی کا ۸۰۴ء/۱۸۹ھ میں اور امام شافعی کا ۸۲۰ء/۲۰۴ھ میں انتقال ہوا۔ ان ہی کی کتابیں اب تک اسلامی قانون پر سند سمجھی جاتی ہیں اور بعد کے سارے مؤلف ان ہی کی کتابوں کے خوشہ چیں ہیں۔ (مترجم)

۲ـ یہ ایک یونانی مؤرخ ہے جس نے جسٹی نین کے دور کی ایک تاریخ لکھی ہے۔ (مترجم)

۳ـ دمونتروی نے اسکالیجر Scaliger کے ۱۶۰۰ء کے ترجمے پر بھروسا کیا تھا۔ (مؤلف)

۴ـ نیبور نے آگاتیاس کی نظم کو Corpus scriptum historicorum bys- یعنی ''بیزنطینی تاریخی رسائل کا مجموعہ'' کی جلد سوم، طبع بون Bonn ۱۸۲۸ء میں شائع کیا۔ یہ کتاب مکرر ''یونانی پادریوں کی تحریروں کا مجموعہ'' شائع کردہ Migne, Patrologia Graeca کی جلد (۸۸) طبع پارس ۱۸۶۴ء میں بھی شائع ہوئی لیکن اس میں نظمیں نہیں ہیں۔ آگاتیاس کے اپنے (یونانی) الفاظ ''پروتون ناموس'' (یعنی ''قانون سے پہلے'') بذات خود بے معنی ہیں اور اس کے یہ معنی تو قطعاً نہیں ہو سکتے کہ ''قانونی پیشہ شروع کرنے سے پہلے'' بلکہ کوئی نہ کوئی لفظ محذوف ماننا پڑے گا، جو یہاں صرف یہی ہو سکتا ہے کہ لفظ ''پیدیاس'' (یعنی ''تعلیم'') کی تکرار مراد ہوتی اور

Marfat.com

تکرار سے بچنے کے لیے شاعر نے اسے حذف کیا ہو (مترجم) اس عبارت کو بعض لوگ "پروس تون ناموس" (یعنی قانون کے لیے) پڑھنا چاہتے ہیں لیکن اس سے بھی وہ معنے نہیں نکلتے جو اسکالیجر اور دموتر وی نے اس سے لیے ہیں۔ (مؤلف)

۵ (انجیل کے آخری رسالے) "مکاشفہ" Apocalypse (فصل ۱۲ جملہ ۷) کی بنا پر ہم خیال کرنے لگے ہیں کہ میکائیل فرشتہ صرف آسمانی فوج کا سپہ سالار ہے لیکن یہودی ربیوں کی لکھی ہوئی کتب مناقب وفضائل Hagiology کے مطابق وہ ایک بڑا وکیل اور اسرائیل کی تائید میں بحث کرنے والا بھی ہے، اس مفہوم کے لیے عبرانی زبان میں سانیگور Sanegor کا لفظ ہے جو اصل میں یونانی لفظ "سانیگوروس" کی عبرانی شکل ہے "جوبلیوں کی کتاب" Book of Jubilees (جس میں توریت کی کتاب پیدائش میں مذکورہ واقعات ہی کو کسی نے عبرانی میں لکھا ہے (مترجم) میکائیل علیہ السلام کا مزید یہ کام بھی بتاتی ہے کہ وہ معلم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی طرف سے قانون کی تلقین کرتا ہے۔ جس کے مماثل اسلامی عقائد کے مطابق جبرئیل فرشتہ قرآن نازل کرتا ہے۔ میکائیل فرشتے کے متعلق یہ تصور (یہودیوں سے) عیسائیوں میں آنا انجیل کی کتاب یہودا فقرہ (۹) کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے (جس میں لکھا ہے: چنانچہ جب صدر فرشتہ میکائیل نے شیطان سے اختلاف کیا اور موسیٰ (علیہ السلام) کی لاش کے متعلق اس سے جھگڑا کیا تو بھی اس نے شیطان پر توہین کا الزام لگانے کی جرأت نہ کی، بلکہ صرف یہ کہا: پروردگار تجھے ڈانٹے" (مترجم) شاید اس سے اس بات کی توجیہ ہوسکتی ہے کہ کیوں نوجوان قانون پیشہ لوگوں کی ایک نہیں تین تین نظمیں ایسی ملی ہیں جو میکائیل فرشتے سے معنون ہیں۔ ایک کا اوپر ذکر ہوا دوسری میں یہ بتایا گیا ہے کہ میکائیل فرشتہ تھیوڈور Theodore نامی شخص کو شہر افسوس Ephesus میں مجسٹریٹی کے تمغے (علامتیں) عطا کر رہا ہے (دیکھو مذکورہ منتخب یونانی اشعار ج ا ص ۳۶) اور تیسری قسطنطنیہ کے مضافات کے ایک مقام "پلاگ" کی مورت سے متعلق ہے۔ (مؤلف)

۶ زیر بحث زمانے میں نائب قنصل سے مراد کسی صوبے کا والی (گورنر) ہوا کرتا تھا۔ (مترجم)

۷ کولینے کی فرانسیسی کتاب "بیروت کا مدرسہ قانون" Crinet Histoire de l'ecole de droit de Beyrouth پارس ۱۹۲۵ء۔ صفحہ ۵۴ تا ۵۸ (مؤلف)۔

Marfat.com

۸ امام شافعی غزہ (فلسطین) میں پیدا ہوئے، دو سال کی عمر میں ان کو مکہ مکرمہ لے جایا گیا، عمر کا حصہ حجاز اور یمن میں گزرا کچھ عرصہ بغداد میں رہے، آخری چند سال مصر میں گزار کر مصر ہی میں فوت ہوئے۔ (مترجم)

۹ امام اوزاعی کے متعلق ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" (طبقہ خامسہ صفحہ ۲۳) میں لکھا ہے کہ "کان اصلہ من سبی السند" یعنی وہ سندھ کے قیدیوں کی اولاد میں سے تھے اور یہ کہ انہوں نے زندگی کا آخری زمانہ بیروت کی چھاؤنی میں فوجی سپاہی کی حیثیت سے گزارا لیکن مسعودی کی "مروج الذہب" طبع یورپ میں "سبی السند" کی جگہ "سبی الیمن" چھپا ہے جو غالباً سہو کتابت ہے کیونکہ اموی دور میں یمن کوئی غیر مسلم علاقہ نہ تھا کہ اس سے جنگ ہو اور قیدی پکڑے جائیں، یمن عہد نبوی ہی میں مسلمان ہوگیا تھا، وہاں جنگ اور قیدیوں کا کبھی موقع پیش نہیں آیا بجز اس کے کہ سندھ کے قیدی پہلے یمن لائے گئے ہوں، پھر شام بھیجے گئے ہوں، امام اوزاعی نے اپنی عمر کا آخری حصہ بیروت کی فوجی چھاؤنی میں گزارا نہ کہ زندگی خاص کر بیروت میں گزاری، جیسا کہ مؤلف نے لکھا ہے" ہندو غلام کا پوتا" نہ معلوم کہاں سے نکالا ہے، ماخذوں میں ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ (مترجم)

۱۰ اپنے فاضل رفیق ڈاکٹر شیخ عبدالقادر (جس سے مراد شاید علی حسن عبدالقادر ہیں) (مترجم) کی مدد سے میں نے ان سارے بیانات کی تحقیق کی یہ تاریخ طبری میں اوزاعی کے متعلق ہیں نیز اس کتاب کی جو جنگ کے مال غنیمت کے مسئلے پر اوزاعی اور ابو حنیفہ کے اختلاف کے متعلق ابو یوسف نے لکھی ہے۔ (بظاہر یہ اشارہ امام ابو یوسف کی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی کی طرف ہے، جسے حیدر آباد دکن کی احیاء المعارف النعمانیہ نے مصر میں چھپوایا ہے اور جو امام شافعی کی کتاب الام کے باب "سیر الاوزاعی" کا ملخص ہے۔) (مترجم) لیکن ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے رومی تاثیر کا سراغ ملتا ہو، طبری کی کتاب" اختلاف الفقہاء" کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے جس میں اوزاعی کے کثیر اقتباسات ہیں، شاید اوزاعی کی طرف منسوب فقہ کی ایک کتاب مسجد القیروان (Al-Kairawan) کے کتب خانے میں بھی پائی جاتی ہے۔ (مؤلف) مسجد قیروان (تونس) میں کوئی کتب خانہ نہیں ہے مؤلف کی مراد شاید مسجد القرویین (فاس، مراکش) سے ہے، اس کے مشہور کتب خانے میں مجھے ایسی کوئی کتاب نہیں ملی، بروکلمان Brockelmann Gal اور فواد سزگین Fuat Sezyin, Gas کی جرمن فہرستوں میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

۱۱ عربوں کی اس رواج میں مماثل چیز قرون وسطیٰ کے آئرلینڈ میں رضاعت Fosterage کی شکل میں پائی جاتی تھی۔(مؤلف)

۱۲ اوپر یہی بیان شیلڈن آموس کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔(مترجم)

۱۳ قدیم رومی سلطنت میں حاکم عدالت ایسے شخص کو بنایا جاتا تھا جو رعب داب اور وجاہت کا حامل ہو، مگر یہ عموماً جاہل لوگ ہوتے، اسی لیے عدالتی کام میں مدد دینے کے لیے پریٹر نامی ایک عہدہ دار ہوتا تھا، جو حاکم عدالت کو مقدمے سے متعلق قانون سے آگاہ کرتا، ہمارے ہاں قانون گو کا لفظ دوسرے معنوں میں برتا گیا ہے لیکن یہ مشیر عدالت جو قانون بیان کرتا ''قانون گو'' کے نام سے موزوں تر طور پر موسوم کیا جا سکتا ہے۔(مترجم)

۱۴ (حضرت) ابوموسیٰ اشعریؓ نے بے شک (حضرت) معاویہؓ کے زمانے میں سرکاری ملازمت قبول کی (؟) لیکن یہ بات جن حالات میں وقوع میں آئی وہ (حضرت) ابوموسیٰؓ کے لیے قابل ستائش نہیں خیال کیے جا سکتے، ٹریٹن نے اپنی انگریزی کتاب ''خلفاء اوران کی غیر مسلم رعیت'' کے صفحہ (۲) میں لکھا ہے: ''اسلامی قانون کی ترقی کا آغاز دربار اور حکومت سے دور رہ کر ہوا۔'' سارے ہی اہل علم اس بیان کو تسلیم کرتے ہیں۔(مؤلف) اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ فقہاء اموی خلفاء کی مخالفت کرتے اور ان سے مقاطعے کی حالت میں رہے، امام زہری اور امام اوزاعی سے بڑا اور متقی کون ہو سکتا ہے؟ اور چونکہ اسلام میں حاکم عدالت آزاد تھا، اس لیے فقہاء بے جھجک قاضی بننا قبول کرتے تھے کیونکہ انہیں یہ ڈر نہ تھا کہ خلیفہ یا اسکے متوسل عدالت کی آزادی میں دخل دیں گے، قاضی عام طور پر اچھے فقیہ ہی ہوتے تھے، یوں شاذ و نادر مثالیں شاید اس کی بھی مل جائیں گی کہ نہایت متدین، ذہین اور منصف مزاج لوگ ابتدائے اسلام میں قاضی بنے ہوں لیکن ان پڑھ رہے ہوں اور فقہاء سے مشورہ کرتے ہوں، لیکن شاذ کو عام قاعدہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

۱۵ ابوحنیفہ بغداد نہیں کوفے میں رہے، تازہ آباد بغداد میں وہ اس لیے دفن ہوئے کہ خلیفہ منصور نے انہیں کوفے سے بغداد بلا کر قید میں ڈال دیا تھا اور وہ وہیں فوت ہوئے۔(مترجم)

۱۶ اصل میں قاہرہ ہے جس کو فاطمیوں نے بسایا تھا، مگر وہ ابھی بنا نہ تھا، فسطاط لکھتا تو صحیح ہوتا۔(مترجم)

Marfat.com

۱۷ کاتب وحی کو قرآن کا ایڈیٹر قرار دینا لغویات اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے مگر ہم یہاں اس بحث میں نہ پڑیں گے (اس لیے دیکھو میرے فرانسیسی ترجمۂ قرآن کا مقدمہ برائے تاریخ تدوین قرآن) حضرت زیدؓ بن ثابت کو موالی سے قرار دینا سہو ذہنی اور نادانستہ غلطی ہے۔ مؤلف نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو (جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام، اور فوجی کمانڈر رہتے) حضرت زیدؓ بن ثابت سے (جو کاتب وحی اور قانون وراثت وغیرہ کے ماہر فقیہ تھے) مخلوط کر دیا ہے، حضرت زیدؓ بن ثابت مدنی عرب اور انصاری ہیں، غلام کبھی نہیں رہے۔ (مترجم)

۱۸ یہ جواب بے محل سمجھا جائے گا کیونکہ ابن خلدون نے عجمی (غیر عرب) لوگوں کا ذکر کیا ہے، غلاموں کا نہیں، اوپر خود مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ امام اوزاعی ہندی (سندھی) تھے، امام ابو حنیفہ بھی عجمی ہی تھے۔ (مترجم)

۱۹ یہ ضروری نہیں کہ سات کا عدد اپنے لفظی معنوں میں لیا جائے اور ہر مدرسۂ فقہ میں بہت سے اساتذہ اور علماء رہے ہوں گے (مؤلف) ''بڑے'' کے معنے ''سارے'' کے نہیں۔ (مترجم)

۲۰ کوفے کے فقہاء سبعہ سے میں واقف نہیں، مدینے والوں کا اکثر ذکر آتا ہے، سخاوی نے (فتح المغیث ص ۳۹۹۔۴۰۰) میں وضاحت سے بیان کیا ہے کہ خود قاضی بھی مدینہ منورہ میں اس مجلس ہفت گانہ سے مشورہ لینے اور اس کے فتوے کے پابند تھے، وہ یہ تھے (۱) حضرت ذید بن ثابتؓ کے بیٹے خارجہ (جو طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے اشتراک سے تقسیم وراثت کے استفتاؤں کا جواب دیتے اور معاہدات کی دستاویزیں لکھتے تھے) (۲) حضرت ابو بکرؓ کے پوتے قاسم (۳) حضرت زبیرؓ کے بیٹے عروہ (۴) بی بی میمونہؓ یا بی بی ام سلمہؓ کے مولیٰ سلیمان بن یسار (جن کو زرکلی نے ''الاعلام'' میں ایرانی الاصل بتایا ہے) (۵) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (۶) سعید بن المسیب (۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیٹے ابوسلمہ یا حضرت عمرؓ کے پوتے سالم یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القرشی تین نام اس ساتویں نشست کے سلسلے میں لیے جاتے ہیں ممکن ہے کہ باقی چھے میں سے بعض کی وفات پر نئے ارکان اس کمیٹی میں شریک کیے گئے ہوں۔ (مترجم)

۲۱ سورا کا ذکر یاقوت نے معجم البلدان میں کیا ہے کہ وہاں کی شراب مشہور ہے اور وہاں سریانی رہتے ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

۲۲ اس کا امکان ہے کہ اس طرح کی کلیسائی عدالتیں عربوں کی فتح سے قبل ہی وجود میں آنے لگی ہوں، مغربی (اطالوی) رومی سلطنت میں مہلک طور پر مجروح مدنی (دنیوی وکشوری) نظم ونسق کے ہاتھ سے جو عصاء اقتدار گرا اسے کلیسا نے اٹھا لیا تھا، اس میں شک نہیں کہ مشرقی (بیزنطینی) کلیسا کی افتادِ طبع مقابلۃً کم شدت کے ساتھ عملی تھی لیکن چھٹی صدی عیسوی اور ساتویں صدی کے آغاز کی مصیبتوں اور بدنظمیوں میں (لوگوں کو خدا یاد آیا ہوگا اور) وہ فطرۃً کلیسا کی طرف متوجہ ہوئے ہوں گے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر بیت المقدس کی (مسلمانوں کے سامنے) اطاعت قبول کرنے میں وہاں کے بطریک نے قائدانہ حصہ لیا تھا (مؤلف) لیکن اس کی توجیہ نالینو نے (دیکھو رسالہ معارف جنوری ۱۹۵۳ء) یہ کی ہے کہ یونانی عہدیدار اسلامی فوجوں کی آمد پر شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس لیے مجبوراً مذہبی افسروں نے باشندوں کی قیادت کی۔ (مترجم)

۲۳ شاید اس کے مماثل چیز انگلستان کے بیت دین (Beth Din) کا اقتدار سماعت ہے جو حکومت کی نظروں میں تو محض ثالثی اور تحکیم کا محکمہ تھا لیکن پکے یہودی کے لیے اس عدالت کے فیصلے مذہبی وجوب کے حامل ہوتے تھے۔ (مؤلف)

۲۴ مصر کے معاہدے کے متن کے لیے دیکھو تاریخ طبری طبع یورپ سلسلہ اول صفحہ (۲۵۸۸) اور معاہدۂ بیت المقدس کے لیے بھی وہی کتاب صفحہ (۲۴۰۵ تا ۲۴۰۶)۔ (مؤلف)۔

معاہدۂ مصر کے متعلقہ الفاظ ہیں: ''ان کی صلح میں جو رومی اور نوبی (نوبیہ والا) داخل ہوگا اسے بھی وہی (حق) حاصل ہوں گے جو ان کو ہیں اور اس پر بھی وہی (فرائض) ہوں گے جو ان پر ہیں، جو اس کو نہ مانے اور چلا جانا چاہے اس کو اس وقت تک کے لیے امان ہے جب تک کہ وہ اپنے امن گاہ کو نہ پہنچ جائے'' ہماری سلطنت سے باہر نہ چلا جائے۔ معاہدہ بیت المقدس کے جسے اس زمانہ میں ایلیا (Aelia Capitolina) کہتے تھے، ضروری حصے یہ ہیں: ''اہل ایلیا پر (واجب) ہوگا کہ جزیہ دیں جس طرح (دیگر) شہروں والے دیتے ہیں اور وہ اپنے ہاں سے رومیوں اور چوروں کو باہر نکال دیں، ان (رومیوں) میں سے جو باہر جائے گا، اسے جان و مال کا امان ہوگا، تا آنکہ اپنے امن گاہ کو پہنچ جائے، لیکن ان میں سے جو رہنا چاہے اسے امان حاصل رہے گا، اور اہل ایلیا ہی کی طرح اس پر جزیہ دینے کی (پابندی) ہوگی، اہل ایلیا میں سے جو رومیوں کے ہمراہ جان و مال کو لیکر چلا جانا اور اپنے گرجاؤں اور صلیبوں کو چھوڑ دینا چاہے تو اس کی جان و مال اور گرجاؤں اور صلیبوں

کو امان رہے گا تا آنکہ وہ اپنے امن گاہ کو نہ پہنچ جائے ...... جو جانا چاہے وہ رومیوں کے ہمراہ جا سکتا ہے، اور جو چاہے اپنے لوگوں میں واپس آ سکتا ہے، اس سے اس کی فصل کی کٹائی تک کوئی چیز نہ لی جائے گی'' (مترجم)...... ان دونوں اور اس قسم کے دوسرے معاہدوں کے متن کی حد تک کچھ اختلاف روایت پایا جاتا ہے اور بعض دیگر وجوہ سے بعض اہل علم کو ان معاہدوں کی صحت میں شبہ ہے، لیکن اگر ان کے متن کے الفاظ پر اتفاق بھی نہ ہو تب بھی اس کے مفہوم تک زیر بحث تفصیلات کے متعلق کافی اتفاق پایا جاتا ہے، طبری کے نقل کردہ ان معاہدہ ناموں اور (ذمیوں سے برتاؤ کے متعلق) حضرت عمرؓ سے منسوب حکم نامے میں (اس کے لیے ڈیکموٹریٹن کی مذکورہ بالا کتاب، باب اول) بہت نمایاں فرق ہے، مگر وہ طبری کے بیان کی بنیادی صحت کی تائید ہی کرتا ہے۔ اس معاہدے کے بعد چند رومی عہدہ دار فلسطین رہ گئے اور جب موقع ملا عربوں (مسلمانوں) کی ملازمت میں جگہ پا گئے۔ (بلاذری نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کا جو خط شام کے عامل (گورنر) کے نام نقل کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: " ابعث الینا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا" یعنی ایک یونانی کو ہمارے پاس مدینہ بھیج دو جو ہمارے مالگذاری کے حسابات کا ٹھیک انتظام کر سکے۔ (مترجم) یہ ایسے لوگ رہے ہوں گے جو کیسا ہی ہنگامہ ہو اپنی کاربرآری کر لیتے ہیں لیکن اس کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ ان میں قانون پیشہ لوگ بھی رہے ہوں، ڈیکموٹریٹن کی کتاب بالا صفحہ (۱۹)، حضرت عمرؓ کے حکمنامۂ اہل ذمہ کی ساری مختلف روایتیں ایسے امور سے متعلق ہیں جو آج کے دن تک عملی سیاست سے تعلق رکھتی ہیں (یعنی ذمیوں سے کیسا برتاؤ کیا جائے) اور جیسا کہ ٹریٹن نے بیان کیا ہے:'' یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ معاہدہ ناموں کا مسودہ تیار کرنے کی مدارس قانون میں جو مشق کرائی جاتی تھی یہ اس کا نمونہ ہے۔'' اس کے برخلاف طبری کے نقل کردہ عہد نامے مختصر اور عملی ہیں، اور جن مسئلوں سے ہم بحث کر رہے ہیں وہ ایسے ہیں کہ معاہدے پر عمل شروع کرتے ہی ان کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، اس لیے مشکل ہی سے اس کا امکان پایا جاتا ہے کہ وہ کسی آئندہ ضرورت کے لیے جعلی طور پر تیار کیے جائیں۔ (مؤلف) بیت المقدس کا معاہدہ طبری کے علاوہ یعقوبی نے بھی نقل کیا ہے اور مصر کا معاہدہ قلقشندی کی صبح الاعشیٰ، نیز جزء ابوعبید کی کتاب الاموال میں بھی ہے۔ معاہدۂ بیت المقدس پر لین پول (Lane-Pole) نے اور معاہدہ مصر پر لین پول کے علاوہ بٹلر (Butler) نے بھی مقالے لکھے ہیں، یہاں معاہدہ

Marfat.com

بعلبک بھی قابل ذکر ہے جس کا متن بلاذری کی فتوح البلدان میں ہے اور اس میں بھی یونانیوں کا ذکر ہے: "یہ امن نامہ فلاں بن فلاں...... (غالباً کوئی یونانی نام ہوگا) (مترجم)

۲۵ یعنی مسلمانوں کی رعیت اور ذمی کے طور پر۔

۲۶ اس کا خلاصہ بھی اسی زمانے میں ایک اور رسالے میں بھی شائع ہوا ہے۔ (مؤلف)
مؤلف نے زیادہ تفصیل نہیں دی ہے۔ (مترجم)

۲۷ مجھے اصل (ہنگروی) مضمون کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، اس لیے مجبوراً اس خلاصے پر اعتماد کرنے پر مجبور ہوں، جسے تاجر کتب گوتینر (Geuthner پاریس) نے گولڈ سیہر کی فہرست تالیفات میں شامل کیا ہے، اس کتابیات میں گولڈ سیہر کی کسی ایسی تالیف کا ذکر نہیں جس سے مذکورہ (انگریزی) ترجمہ عمل میں آیا ہو۔ (مؤلف)

(ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ۔ فروری ۱۹۷۳ء)

کیا اسلامی قانون

رومی قانون کا مرہون منّت ہے

(قسط نمبر ۳)

(۲۷) چونکہ (رومی قانون کے فقہ پر اثر کے سلسلے میں) گولٹ سیہر کا ممتاز نام پیش کیا جاتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے بیانات اور پھر ان کے جوابات کو بترتیب پیش کیا جائے۔

۱- ''اسلامی علم قانون دوسری صدی ہجری میں پیدا ہوا''

(۲۸) اس واضح اور متفقہ روایت کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ (دوسری صدی ہجری کے بہت پہلے) اسلامی قانون وراثت کو تفصیل سے Elaboration خلفائے راشدین کے زمانے میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تیس (۳۰) ہی سال کے اندر زید بن ثابت' ابوموسیٰ اشعری' عمر بن الخطاب اور علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے مرتب کر دیا تھا[1]۔ یہ سب کے سب صحابی ہیں۔

(۲۹) اس سلسلے میں شلڈن آموس کا بیان ہے کہ صحابہ کو اس کام کی '' نہ فرصت تھی' نہ ان میں مطلوبہ ذہنی صلاحیت تھی اور نہ وہ ایسے لوگ تھے جن کی ضرورت تھی'' تا کہ ایک نفیس ترقی یافتہ قانون کی عمارت کھڑی کریں۔ یہ بیان جتنا ہمہ گیر ہے اتنا ہی غلط بھی ہے۔ مکہ اور مدینے کے لوگ پیغمبر اسلام کے صدیوں قبل سے شہروں میں زندگی گزارنے

Marfat.com

کے عادی ہو چکے تھے اور وہاں وہ سب چیزیں تھیں جو حضری زندگی کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ فقہاء اور علمائے دین کا امیروں (حاکموں) اور سپہ سالاروں سے الگ رہنا ایک ایسا واقعہ ہے جو اسلام کی ابتداء ہی سے پایا جاتا ہے۔ (حضرت) "عمرؓ کی ہدایات قاضی کو[۲]" (بنام حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ) اگرچہ صرف زبانی روایت[۳] کی صورت میں محفوظ رہی ہیں۔ لیکن یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ صحیح ہیں اور ان کے مندرجات رومی قانون سے نہیں بلکہ ربیون کے یہودی قانون سے ماخوذ ہیں۔ جیسا کہ مارگولیوث نے بیان کیا ہے کہ "اس ہدایت نامے کے لکھنے والے (حضرت عمرؓ) کے پہلو میں ایک یہودی قانون پیشہ موجود تھا۔" اس ہدایت نامے میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس طریقہ تفکر کا ذکر ہے جن کے متعلق اس ابتدائی زمانے کے مسلمان حاکم عدالت سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اس کو اپنا رہبر بنائے گا اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اسلامی قانون اسی کے مطابق مرتب و مدون بھی ہوا ہے۔ اسلامی قانون کے ابتدائی مؤلف اور معلم جن کی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں یعنی چاروں سنی مذاہب کے امام اگرچہ دوسری صدی ہجری کے ہیں[۴]۔

لیکن یہ یقینی ہے کہ بہت بڑی مقدار میں قانونی تالیف کا کام ان سے پہلے ہو چکا تھا۔ یہ مؤلفین بعض تفصیلات میں باہم اختلاف رکھتے ہیں لیکن قانون کا بنیادی خاکہ سب کے ہاں ایک ہی ہے۔ تفصیلات میں اس طرح کا اختلاف اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ بنیادی اساس مستحکم طور پر ڈال نہ دی گئی ہو اور یہ اساس شام یا مصر یا خود بغداد میں نہیں ڈالی گئی۔ جیسا کہ شلڈن آموس کا خیال ہے بلکہ مدینہ منورہ اور کوفے میں ڈالی گئی۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ "عربی لفظ فقہ کے متعلق یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ وہ لاطینی لفظ Prudentia کا ترجمہ ہے، دونوں کے معنی معقولیت Reasonableness کے ہیں۔"

(۳۰) یہ جملے لکھنے کے بعد (گولٹ سیہر نے) دائرہ معارف اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) میں "فقہ" پر جو مقالہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا جملے میں "معقولیت" اس کے (ہنگری لفظ کا) غلط ترجمہ ہے۔ گولٹ سیہر کی مراد اس سے

Marfat.com

استعقال یا ملکہ استدلال کا استعمال Raciocination, the ues of reasoning faculty ہے۔ بعض ابتدائی عرب مؤلفین ''فقہ'' یعنی ملکہ استدلال کو ''علم'' یعنی وحی Revelation اور حدس Inluition کے ذریعے سے حاصل ہونے والی واقفیت Knowledge کے برعکس چیز کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وینسنک Wensinck نے (فقہ کا ترجمہ) Insight (یعنی داخلی نظر و واقفیت) کیا ہے جو پرانی عربی نیز لاطینی سے قریب تر ہے لیکن اس سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ (لاطینی سے) براہ راست مستعار لی ہوئی اصطلاح نہیں ہے بلکہ وہ چیز ہے جس کے متعلق مذکورہ بالا کتاب میں سانتلانا Santillana نے (فرانسیسی میں) صحیح کہا ہے کہ I`identite essentielle de I`esprit humain یعنی وہ ''انسانوں کے فکر کی بنیادی یکسانیت'' کے باعث ہے۔

(۳۱) حقیقت میں سارے ہی قانونی نظام ناگزیر طور پر عقل اور استدلال reason کے استعمال پر مبنی ہوتے ہیں۔ کیا اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ایسا قانون پیشہ شخص بھی ہو سکتا ہے جسے اس کا شعور نہ ہو کہ اس کے پیشے میں ملکہ استدلال کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے؟ کہا تو یہ بھی جا سکتا ہے اگرچہ یہ احمقانہ بات ہوگی کہ سنسکرت کے الفاظ ''نیایا'' (منطق) اور ''میمانسا'' (تعبیر و تاویل) جو ہندو قانون میں ہندو مکاتب فلسفہ کے طریقہ بحث کو داخل کرتے ہیں۔ روما سے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔

(۳۲) یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عربوں کے لیے لاطینی سے براہ راست کوئی چیز مستعار لینے کا موقع نہ تھا۔ اور ''قانون کو جاننے'' Jurisprudens کے لیے یونانی لفظ پرونی موس (pronimos) (مالک قانون) نہیں ہے بلکہ نومی کوس (Nomikos) (یعنی قانونی بصیغۂ اضافت) یا اسخولاسطیکوس (Scholastikos) (تدقیق کنندہ ہے)۔ گولت سیہر کے اس خیال کی صحیح قدر و قیمت کا جاننا مشکل ہے کہ ''اس کا مماثل عبرانی لفظ بھی مماثل معنی رکھتا ہے'' لیکن ایسا ہو بھی تو ربی (یہودی) قانون کے ماہروں نے فہم انسانی کا استعمال روما سے نہیں سیکھا تھا۔

۳۔ ''(احکام فقہ کا) دو قسموں یعنی لکھے ہوئے Leges scriptae اور نہ لکھے ہوئے leges non scriptae میں منقسم ہونا رومی قانون سے ماخوذ ہے۔''

Marfat.com

(۳۳) اس بیان میں ''نص'' کو جو مستند قانونی عبارت (یعنی قرآن وحدیث) کے معنی رکھتا ہے'' لکھے ہوئے قانون'' Lex scripta کا مترادف قرار دے لیا گیا ہے۔ گولٹ سیہر کے مضمون میں دوسری قسم (یعنی بن لکھے قانون) کا (عربی) نام تو نہیں دیا گیا ہے مگر اس کی مراد ''قیاس'' سے ہے۔ ۲۶/الف

(۳۴) لکھے ہوئے Jus scriptum اور نہ لکھے ہوئے قانون jus non scriptum میں جو فرق ہے وہ جسٹی نین کی کتاب ''عہود'' (انسٹی ٹیوٹس ۱/۲/۳) میں بیان ہوا ہے۔ لکھا ہوا قانون وہ ہے جس کا رسمی وجوب Formal Validity اس لیے ہوتا ہے کہ اسے کوئی قانون ساز فرد یا گروہ معین طور پر وضع کرتا ہے۔ بن لکھا قانون وہ ہے جس کا وجوب محض قدیم زمانے سے پائے جانے والے رسم ورواج کے باعث ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف نص اور قیاس میں فرق یہ ہے کہ نص ایک اساسی قانون ہے اور قیاس میں اہل علم نص سے کوئی منطقی استنباط کرتے ہیں۔ لکھے ہوئے اور بن لکھے قانون اور نص وقیاس میں سوا اس کے کوئی چیز مشترک نہیں کہ ان دونوں میں قانونی احکام کی تقسیم یوں کی گئی ہے کہ ایک وہ قانون ہے جس کا وجوب لفظ بہ لفظ ہوتا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کے لفظ پر نہیں بلکہ جس کی روح (مفہوم) پر عمل واجب ہوتا ہے[۸]۔ یہ ایک فطری ارتقاء ہے اور ایسے نظام ہائے قانون میں بھی پایا جاتا ہے جن میں روما سے ماخوذ ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ مثلاً انگلستان میں عام وشائع قانون Common Law اور قانون موضوعہ Statute میں ایسا ہی فرق ہے یا وہ تدریجی فرق جو ہندو قانون کی سرتی Sruti اور اسمرتی Smirti میں ہے پھر اسمرتی اور نلندھا Nilandha میں بھی پایا جاتا ہے۔

(۳۵) علماء کے جوابات (فقہاء کے فتاویٰ Responsa Prudentium) کو جو رومی قانون کا ایک جزء ہیں، جسٹی نین نے '' لکھے ہوئے قانون'' میں داخل کیا ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ رومی ''قانون اقتباسات'' Lex citationem نے فتووں کو قانون موضوعہ Statute Law کے برابر مؤثر قرار دیا ہے۔ نیز اس لیے کہ ساری کتاب ''خلاصہ'' (ڈائجسٹ) (جو علماء کی آراء پر مشتمل ہے) قانون موضوعہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قانون روما کے ایک قدیم تر زمانہ ارتقاء میں فتووں کو بن لکھا قانون سمجھا جاتا تھا[۹]۔

Marfat.com

اگر ہمارا یہ گمان صحیح ہے تو رومی قانون میں لکھے ہوئے اور بن لکھے ہوئے قانون میں جو فرق ہے وہ قانون اسلام کے (نص وقیاس) کے فرق سے قریب تر ہوگا کیونکہ قانون اسلام کے دور تدوین سے بہت عرصہ بعد تک علماء کے استنباطات کو ''نص'' نہیں سمجھا جاتا تھا اور اسلامی قانون میں ایسی کوئی چیز نہیں جو رومی قانون کے ''لیکس'' Lex (یعنی قانون شہنشاہی) ''پلے بی سیتاس'' Plebiscitas (قانون بر استشارۂ عوام) ''سیناتس کونسولتا'' Senatus Consulta (مجلس حکومت کے فیصلے) ''پرین کی پیوم پلا کیتا'' Principium Placita اور ''ماگستراتوم اے دکتا'' Magistratum edicta (مجسٹریٹ کے حکم ناموں) کے جن کا جسٹی نین نے اپنی تقسیم قوانین میں ذکر کیا ہے' مماثل ہو۔ اسی طرح قانون روما میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اسلامی قانون کے اس دعوے کے مماثل ہو کہ وہ احکام الٰہی کا نام ہے جس پر اسلامی نظام قانون قائم ہے۔ اسلامی قانون کے مستند احکام (نص) صرف قرآن پر مبنی نہیں ہیں اور خود قرآن اس لیے واجب العمل نہیں کہ وہ لکھا ہوا ہے بلکہ اس لیے کہ وہ خدائی وحی پر مشتمل ہے بلکہ اس میں حدیث (جو اسلام کے آغاز سے ڈیڑھ سو سال تک) قلمبند نہیں کی گئی [۱۱]۔ اور اجماع بھی شامل ہے (جو علمائے قانون یا ساری اُمت کے عام اتفاق کا نام ہے)۔ شہنشاہ یولیان Julian (دیکھو کتاب ڈائجسٹ ۳۲/۳/۱) پوچھتا ہے کہ ''اس کی کیا اہمیت ہے کہ قوم اپنی خواہش کا اظہار ووٹ کے ذریعے سے کرے یا خود اشیاء و اعمال میں؟'' لیکن اگر کوئی رواج اتنا قوی ہو کہ اسے قوم کی خواہش کا غیر مشتبہ اعلان قرار دیا جا سکتا ہو تو وہ اسلامی قانون میں اجماع الامت ہے اور اسی لیے وہ ایک ''نص'' ہے [۱۱]۔

ایک کہاوت ہے کہ ''زبانِ خلق نقارۂ خدا'' Vox populi vox de عوام کی آواز خدا کی آواز ہے لیکن یہ رومی قانون کا کبھی کوئی کلیہ نہ رہا۔ البتہ ان معنوں میں اسلامی قانون کا ایک کلیہ ہے کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی طرف منسوب ایک قول کی بناء پر یہ قرار دیا گیا ہے کہ جو بات سارے مسلمان متفقہ طور پر قبول کریں یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ خدا کی ہدایت ہے [۲]۔ جو رواج اس سے کم متفقہ ہو وہ محض رواج ہونے کی بناء پر قانون بالکل نہیں سمجھا جاتا۔ بجز متاخر مالکی مذہب کے [۱۱]۔ اگرچہ قانون کے ماتحت وہ واجب العمل ہو سکتا ہے۔

(۳۶) اس سلسلے میں گولٹ سیہر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ لکھے ہوئے اور بن لکھے قانون میں جو فرق ہے وہ اسلام سے تقریباً پچاس سال قبل یہودیوں نے رومی قانون سے لے کر

ربیوں کے قانون میں داخل کر دیا تھا لیکن یہ فرق فی الحقیقت ''ہمارے [۱۴] رب'' (نعوذ باللہ) کے زمانے میں بھی موجود تھا اور اس وقت (یہودیوں کو) رومی تسلط سے جو نفرت تھی اس کے باعث ایسی کوئی تاثیر عملاً ہو نہیں سکتی تھی [۱۵]۔ گولٹ سیہر کے ذہن میں بظاہر یہودی عقائد کا ایک متاخر تغیر تھا کہ بن لکھے قانون کو بھی لکھے ہوئے قانون کے برابر توریت کا جزء سمجھیں اور یہ مانیں کہ وہ بھی (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر جبل حورب Horeb (یعنی طور سینا) پر. نازل ہوا تھا لیکن یہ بالکل غیر رومی تصور ہے۔

۴۔ ''جس طرح روما کے اہل قانون کی رائے Opinon میں ''علمائے قانون کی رائے'' بہت وزن دار چیز تھی اسی طرح مسلمان فقہاء نے بھی یہ امتیازی حق حاصل کرلیا کہ ایک واجب العمل موضوعی (شخصی) رائے ظاہر کرسکیں۔ عربی اصطلاح ''رائے'' لاطینی اصطلاح Opinio کا لفظی ترجمہ ہے۔''

(۴۷) مگر یہ ایک تاریخی غلط فہمی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اپنی انانیت کی وجہ سے جسٹی نین نے (لاطینی میں) یہ کہا ہے کہ Tam conditor quam interpres legumsolus imperutor (یعنی صرف شہنشاہ ہی بہ یک وقت واضع قانون اور تعبیر کنندہ قانون ہے [۱۶]۔) گویا یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کی دریافت کا سہرا اس کے سر ہو۔ حقیقت میں وہ کم از کم دقیانوس (دقلطیانوس diocletian فوت ۳۰۵ء [۱۷]) کے زمانے سے معلوم تھی کیونکہ اس وقت ممتاز اہل قانون کا اثر قانون کی نشو و نما کے لیے شہنشاہ کے نام سے شہنشاہی مجلس شورائے راز Privy Council میں ڈالا جانے لگا تھا۔ عہد زریں میں ماہر قانون پاپی نیان [۱۸] Papinian بھی اس خدمت کو انجام دے چکا تھا۔ اور رومی ماہرین قانون میں سے آخری ''جو اس کے مجاز ہیں کو قانون بنائیں quibus Permissum est jura condere اور جن کے متعلق یہ خیال کرنا درست ہے کہ ان کی رائے قانون کا اچھا ماخذ ہے۔ مودیستیوس

Modestinus تھا۔ (زمانہ ۲۲۶ تا ۲۴۴ء) جو اسلام سے چار صدی پہلے گزرا ہے[۱۹]۔

واضح رہے کہ کوئی قوم بعض وقت کسی دوسری قوم کے تمدن سے وہ چیزیں مستعار لیتی ہے جو اس کے زمانے میں اس کے ہاں پائی جاتی ہوں لیکن تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی قوم نے کسی دوسری قوم کی طویل وقدیم تاریخ قانون میں آہستہ آہستہ ارتقاء کی جو تدبیریں ہوئی تھیں ان کو مستعار لیا ہو۔ اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں ایسے (غیر مسلم) علمائے قانون Prudentes پائے جاتے تھے جن کی مسلمان فقیہ نقل کر سکتے تھے اور شاید انہوں نے نقل کی بھی[۲۰]۔ لیکن یہ رومی نہیں بلکہ بابلی یہودی تھے جو سورا اور پمبادیتا[۲۱] میں رہتے تھے۔ اور کتاب تلمود کی[۲۲] تعلیم گاہوں کے صدر (گونیم Gaonim) تھے۔

ہم اوپر (نمبر ۲۳ میں) اس ممکنہ مماثلت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ رومی علمائے قانون Prudentes اگر شہنشاہ کی مرضی کے تابع ہوا کرتے تھے تو اس کی مثال ربی (یہودی) اہل قانون کے ہاں بھی ملتی ہے' ان میں سے ایک اپنے زردشتی مربی اور شہنشاہ ایران کے نام سے منسوب ہو کر عام طور پر شاپور کے نام سے معروف ہے۔ ''اہل رائے'' (یعنی رائے کی مدد سے قانون استنباط کرنے والے) کی اصطلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اولاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین کے متعلق ان کے مخالفین نے بطور اعتراض وطنز کے استعمال کیا۔ اس سے (ضمناً) یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے دیگر اہل قانون کی طرح مسلمان فقہاء بھی اس کو ماننے سے ہچکچاتے تھے کہ وہ اپنی شخصی رائے سے قانون سازی کرتے ہیں۔ چاہے وہ حقیقت میں ایسا کرتے نہ ہوں' اس کی مماثل شہادت اس روایت میں ملتی ہے جس کے مطابق امام مالک نے کہا تھا کہ اگر کبھی وہ قیاس سے کام لیں تو انہیں کوڑے لگائے جائیں۔ ایک اور قدیم فقیہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ ''قیاس'' سور کے گوشت کی طرح ہے: اس کا کھانا صرف اس وقت جائز ہے جب کوئی اور چیز موجود نہ ہو[۲۳]۔

۵- ''عربی (اسلامی) قانون میں مصلحت یا استصلاح کا جو اصول پایا جاتا ہے وہ رومی قاعدہ ''مفاد عامہ'' Utilitus publica ہی ہے۔''

Marfat.com

(۳۸) ''مفادعامہ'' کورومی قانون کی ترقی کے لیے بطور اُصول کبھی صراحت سے تسلیم نہیں کیا گیا۔ پہلی مرتبہ وہ قرونِ متوسطہ کے طلبہ میں اصولوں میں سے ایک کے نام کے طور پر دکھائی دیتا ہے [۴۴]۔

یہ ایک بالکل مختلف قانونی اُصول تھا۔ اس کے برخلاف یہ یہودی قانون کا ایک ممتاز اُصول ہے۔ مثلاً ''کتاب مشنا گیتین Mishnagittin ۴ اور ۴/۵ ''عوام کی بھلائی کی پیش بندی میں'' جملہ کم سے کم بارہ ۱۲ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اسلامی قانون میں اس اُصول کی سب سے بڑی ترقی (امام مالک کے ہاتھوں) مدینہ منورہ میں ہوئی۔ مدینے میں یہودی اثر مسلمانوں کی دسترس میں تھا لیکن یہ مقام رومی اثرات سے بہت دور تھا [۴۵]۔

(۳۹) اسی طرح اسلامی نظریہ ''اجماع الائمہ'' (یعنی ماہر اہل علم کا اتفاق رائے) گولٹ سیہر کی نظر میں عیسائی کلیسا سے مشابہ ہے [۴۶]۔

اگر یہ مماثلت قبول بھی کی جائے تو اس سے رومی قانون سے ماخوذ ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ علماء کا اتفاق رائے کبھی بھی رومی قانون کا کوئی مستند و مسلمہ Formal ماخذ نہیں رہا۔ شہنشاہ دقیانوس (دقلطیانوس) کے زمانے سے تو یقیناً ماخذ نہیں رہا۔ البتہ ربیون کے (یہودی) قانون کا ایک باقاعدہ ماخذ ہے۔ چنانچہ تلمود میں اکثر یہ جملہ دُہرایا گیا ہے کہ ہمارے سارے ربی یہ رائے رکھتے ہیں کہ:........''

(۴۰) مذکورہ بالا دلائل کی اساس پر گولٹ سیہر نے جو دعویٰ ثابت کرنا چاہا ہے وہ بظاہر یہ ہے کہ رومی قانون کے ایک سابقہ (قدیم تر) دور کی صورت حال سے اسلامی فقہاء نے وہ ذہنی آلہ کار مستعار لیا جس کی مدد سے انہوں نے اپنے نظام قانون کی تعمیر کی ہو لیکن اس طرح مستعار لینے کی کوئی شہادت نہیں ملتی اور حقیقت میں یہ سارا تصور ہی لغو ہے۔ اگر اس کی کوئی ضرورت پائی بھی جاتی رہی ہو یعنی (مسلمان فقہاء کا) ان کی ذاتی قابل لحاظ استدلالی قابلیت کے سوا کوئی اور ماخذ رہا بھی ہو تو دو ایسے ماخذ ہیں جو زیادہ قرین قیاس ہیں' ان دونوں کا اوپر ذکر ہوا' ان سے مسلمان کا سابقہ تھا یعنی ربیون کے مدرسہ ہائے قانون اور ان یونانی فلسفیوں کے جانشین جن کو جسٹی نین نے ایتھنس سے جلاوطن کر دیا تھا اور جنہوں نے ساسانی (ایرانی) سلطنت میں پناہ لی تھی' آخر الذکر (فلاسفہ) کے اثرات کی ایک مثال یہ ہے کہ اہم اصطلاح ''فاسد'' کی تعریف ''جوہر''

Marfat.com

اور "عرض" کے واسطے سے کی جائے ۳۹؎۔

یہ ارسطو طالیسی منطق کی یاد دلاتا ہے۔ اگرچہ اس میں جو بنیادی تصور ہے وہ خالص اسلامی چیز ہے۔ اسلامی قانون کا ایک اور ممکنہ ماخذ (جو ایک دوسری ہی چیز یعنی عبادات سے متعلق ہے) اور جس کی طرف خود گولٹ سیہر نے اشارہ کیا ہے وہ ساسانی سلطنت کا نظامِ قانون ہے لیکن اس کے متعلق معلومات بہت کم پائی جاتی ہیں ۴۰؎۔

(۴۱) (رومی تاثیر کے متعلق) خود گولٹ سیہر نے اپنی ان دلیلوں کو جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تاثیر کے متعلق اس کا یہ گمان خود اس کے اس (ہنگری) مضمون کے دوسرے اجزاء سے بمشکل مطابقت رکھتا ہے جس میں یہ نظریہ بیان ہوا ہے کیونکہ وہاں اور اس کی دوسری چوٹی کی تالیفوں میں یعنی "اسلامی مسائل" (مطبوعہ ۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۰ء) اور "اسلام پر لیکچر" (مطبوعہ ۱۹۱۰ء) میں اس نے جو نقطہ نظر پوری صراحت سے بیان کیا ہے اور جو آغاز اسلام کے وجوہ کا پتا چلانے کے سلسلے میں اس کی نہایت قیمتی علمی خدمت رہی ہے وہ یہی ہے کہ اسلام کے سارے نظام کی تعمیر میں عربوں کی قدامت پسندی نے جو حصہ لیا اس پر زور دیا جائے۔

Marfat.com

حواشی

۱ (قانون وراثت بڑی جامع تفصیل سے قرآن مجید میں مذکور ہے۔ مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم تقسیم ترکہ کی حساب دانی کے لیے مشہور ہیں نہ کہ اس قانون کے بنانے والوں کی حیثیت سے۔(مترجم)

۲ (Omar`s Instructions to the Qadi کے عنوان کے مضمون میں) مارگولیوث نے انگلستان کی انجمن مستشرقین کے سہ ماہی رسالے "جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی" jras کی ۱۹۱۰ء کی جلد میں صفحہ (۳۰۷) و مابعد پر (حضرت) ابوموسیٰ اشعری کو دی ہوئی ان ہدایتوں کا (انگریزی میں) ترجمہ کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وثیقے کی صحت کے متعلق مارگولیوث کی رائے بدلتی رہی ہے۔ مذکورہ رسالہ jras میں اس نے اس کی صحت کا محتاط الفاظ میں اعتراف کیا ہے لیکن راقم الحروف (فقیر حمید اللہ) سے اس کے کئی سال بعد اس نے اس سے بہت زیادہ پر زور الفاظ میں اس کی صحت کی تائید میں اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ (مترجم)......راقم الحروف (محمد حمید اللہ) نے اس موضوع پر ایک مفصل مضمون پارس کے ماہوار رسالے "فرانس اسلام" France Islam کے شمارے ۳۲ تا ۳۵ (۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۰ء) میں فرانسیسی میں شائع کیا۔ پھر مزید نظر ثانی و اصلاح کے بعد انگریزی میں "جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی" کے جنوری ۱۹۷۱ء کے شمارے میں چھپوایا اور لوگوں کی آراء کی تحلیل کے علاوہ اس میں مارگولیوث کا بھی خاصا ذکر ہے۔ مارگولیوث نے اپنا مضمون شروع تو کیا اس ہدایت نامے کو جعلی قرار دینے کے لیے لیکن لفظ "قیاس" کا اس ہدایت نامے میں ذکر دیکھ کر اسے خیال آیا کہ یہ عبرانی لفظ "ہمقش" سے ماخوذ ہوگا۔ اگرچہ قیاس کا مادہ عربی میں "قیس" ہے جس کو ہمقش سے کوئی تعلق نہیں اور عبرانی میں ہمقش کے معنی تصادم کے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی یہودی نے یہ ہدایت نامہ مرتب کر دیا ہوگا۔ اس فرضی یہودی اثر کی دریافت پر وہ اتنا آپے سے باہر ہو گیا کہ ہدایت نامہ اس کی رائے میں صحیح ہو گیا۔(مترجم)

۳ (اس کا اصل وثیقہ صدیوں مرسل الیہ کے خاندان میں محفوظ رہا۔ "زبانی" روایت کہنا درست نہیں۔(مترجم)

۴ (امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی وفات دوسری صدی ہجری میں ہوئی۔ امام شافعی اور امام ابن حنبل کی تیسری صدی میں۔ (مترجم)

۵ غالباً یہ مراد ہے کہ مسلمان بیزنطینی یونانیوں کے ہمسایہ تھے۔ لاطینی روما کے نہیں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے ہی میں نہ صرف شمالی افریقہ بلکہ سپین پر بھی مسلمان جزءً قابض ہو چکے تھے۔ امویوں نے مغربی یورپ میں بہت سی فتوحات حاصل کیں اور یہاں لاطینی ہی بطور علمی زبان کے رائج تھی۔ اس طرح تاثیر کے امکان کی حد تک مسلمانوں کے لیے یونانی اور لاطینی میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہی حال سنسکرت کا ہے کہ خلافت فاروقی ہی سے مسلمان سندھ اور گجرات میں پہنچ چکے تھے۔ (مترجم)

۶ جسٹی نین کی کتاب ''خلاصہ'' (ڈائجسٹ ۲/۳/۱) میں ڈیموستھینس Demosthenes کا ایک اقتباس ہے جو ارسطوجیتون کی رائے کی تردید Contra Aristogeitonem کے لیے ہے۔ بادی النظر میں اسلامی قانون تصورات سے ایک مماثلت کا حامل ہے۔ ڈیموستھینس (یونانی میں) بیان کرتا ہے کہ'' قانون ایک کلمہ طیبہ ہے جو خداؤں کا عطیہ ہے۔ کتاب'' خلاصہ'' کے عیسائی کاتبوں نے تبدیل کر کے اسے بصیغۂ واحد خدا کا عطیہ کر دیا جو نتائج کی بصیرت رکھنے والے لوگوں کی آراء سے حاصل ہوتا ہے'' لیکن یہ مماثلت محض سطحی ہے کیونکہ نتائج کی بصیرت رکھنے والے یہاں کسی علمی اصطلاح کے طور پر نہیں بلکہ لفظ ''لوگوں'' کی صفت کے طور پر اور ڈیموستھینس کا لفظ ڈوگما (dogma) ''تعلیم'' کا مفہوم نہیں رکھتا ہے جو کلیسا نے اب اسے دے رکھا ہے اور جو اسے لفظ'' فقہ'' کا اچھا ترجمہ بنا دیتا ہے۔ یونانی جملہ'' اکتشاف'' اور خداؤں کا عطیہ میں اور سامی قوموں (یعنی یہودی و اسلامی مترجم) کے تصور قانون میں کہ وہ امر خداوندی کا نام ہے۔ فرق کی ایک پوری دنیا پائی جاتی ہے۔ (مؤلف)

۷ میرے فاضل رفیق کار مسٹر وارٹسکی I.Wartski کا بیان ہے کہ یہودی لفظ حاخام (یعنی حاکم) مفہوم کے لحاظ سے یونانی لفظ'' اخو اسطیکوس'' (یعنی تدقیق کنندہ) سے قریب تر بہ نسبت لاطینی لفظ'' پروڈنس'' Prudens کے جس کے معنی ہیں اندرونی نظر رکھنے والا شخص ایک مدراس (یعنی توریت کی تشریح) بھی پائی جاتی ہے۔ (دیکھو کتاب تکوین پر مدراس ربہ Midrash Rabbah ۲۴) جس میں شہنشاہ ہاڈریان Hadrian کے زمانے کے رومی افسر ربی (یہودی) قانون کے ایک بڑے ماہر کو'' توریت کے اخو اسطیکوس'' کے نام سے یاد کرتے بیان کیے گئے ہیں۔ (مؤلف)

Marfat.com

۷ غیر منصوص قانون کے لیے گولٹ سیہر نے اگر کوئی نام نہیں دیا تو اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس میں صرف قیاس ہی نہیں بلکہ استدلال، اجتہاد، استنباط، استحسان، استصلاح، استمرار سنن انبیاءِ سلف وغیرہ بکثرت چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ (مترجم)

۸ یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ فقہ میں نص کا وجوب لفظ بہ لفظ ہوتا ہے اور فقہاء کے قیاسات میں لفظ پر نہیں بلکہ معنوں پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، ہماری ناچیز رائے میں دونوں ہی پر لفظ بہ لفظ عمل کرنا واجب ہے۔ فرق یہ ہے کہ نص صرف ایک ہوتی ہے اس کا وجوب ابدی ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اس کے برخلاف قیاسات ایک ہی مسئلے میں متعدد بلکہ متضاد بھی ہو سکتے ہیں اور اختلاف مذاہب میں (جو بسا اوقات خود ایک مذہب اور ایک مکتب فقہ کے اندر بھی ہوتا ہے) باہم تکفیر نہیں کی جاتی اور کسی سابقہ فقیہ کا قیاس بعد کے بزرگ تر فقیہ کے قیاس کے باعث غیر مرجح قرار پا کر نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں نص کا وجوب یقینی اور قطعی ہے اور قیاس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے کیونکہ نص خدا اور نبی معصوم کی جانب سے ہوتی ہے اور قیاس غیر معصوم انسانوں کی جانب سے۔ اس مثال سے اس کی وضاحت ہوگی حنفی مذہب میں پانی کے جانوروں میں سے صرف مچھلی کا کھانا جائز ہے اور جھینگا ناجائز، شافعی مذہب میں جھینگا بھی حلال ہے، اس حرام وحلال کے باوجود حنفی اور شافعی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ متاخر احناف جھینگے کو حلال قرار دیدیں اور سابقہ حنفی قیاس غیر مرجح سمجھا جانے لگے۔ (مترجم)

۹ دیکھو کتاب ڈائجسٹ ۱/۲/۱۲ میں پومپونیوس Pomponius (مؤلف)

۱۰ یہ بیان صحیح نہیں، بہت سے صحابہ نے حدیث کو عہد نبویؐ ہی میں قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا۔ بعض نے بعد میں یا تو خود لکھا یا لکھوایا اس کے متعلق کچھ معلومات علامہ شبلی کی سیرۃ النبیؐ جلد اوّل میں ملیں گی۔ کچھ تفصیل میری کتاب ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' (خاص کر اس کے انگریزی ترجمے) کے مقدمے میں ہے۔ (مترجم)

۱۱ نہ معلوم یہ کس حد تک قابل قبول ہے کہ اجماع کو نص سمجھا جائے۔ اجماع بے شک واجب العمل ہے اور قرآن وحدیث کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ بشرطیکہ ان دونوں پر مبنی ہو۔ اس کے خلاف اجماع قابل تبدیل چیز ہے۔ جیسا کہ اُصول بزدوی میں صراحت سے بیان ہوا ہے کہ جدید تر اجماع قدیم تر اجماع کو منسوخ کر سکتا ہے۔ (مترجم)

۱۲ نہ معلوم اس سے کس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ "لاتجتمع اُمتی علی ضلالة" (میری اُمت کسی گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی) "مار آه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن" (جو مسلمانوں کی نظروں میں اچھا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے) "يد الله مع الجماعة" (جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے) حدیث میں بے شک ملتے ہیں لیکن مؤلف کا بیان ان میں سے کسی کا لفظی ترجمہ نہیں۔ (مترجم)

۱۳ فنٹر جیرالڈ کی انگریزی کتاب ''قانون محمدی'' Mohammedan Law صفحہ ۱۴

۱۴ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لفظ Our Lord کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے عیسائی مذہب قبول کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ اسی لیے پیدائشی عیسائیوں سے زیادہ زور وشور سے اس کا اظہار کرتا ہے۔ (مترجم)

۱۵ دیکھو انجیل متی باب ۲۵ جملہ ۲ اور انجیل مرقس باب ۷ جملہ ۵ تا ۱۳ جن میں ہے کہ ''خدا کی بات کو تم اپنے رواج کے باعث بے اثر بنا دیتے ہو۔'' (کامل عبارت ۱۵/۱ تا ۳ میں یوں ہے۔ ''فریسی لوگ اور کاتبان توریت یروشلم سے یسوع کے ہاں آئے اور پوچھا: ایسا کیوں ہے کہ تیرے متبع پرانے لوگوں کے عملدرآمد پر دست درازی کرتے ہیں؟ کیونکہ وہ کھانا کھاتے وقت ہاتھ نہیں دھوتے! جواب دیا: اور تم اپنے عملدرآمد کی خاطر اللہ کے احکام پر کیوں دست درازی کرتے ہو؟...... مرقس کے ہاں قصہ زیادہ تفصیل سے ہے اور وہاں جملہ ۸ تا ۹ میں ہے: ''تم اللہ کے حکم کو نظر انداز کرتے ہو اور انسانوں کے عملدرآمد کو ملحوظ رکھتے ہو اور یہ بھی فرمایا: تم بے تردد اللہ کے حکم کو باطل قرار دیتے ہو تا کہ اپنے عملدرآمد کی حفاظت کر سکو۔'' (مترجم)

۱۶ دیکھو جسٹی نین کا مدونہ قوانین ۱/۱۴/۱۲ (Code, Xiv,12) (مؤلف)

۱۷ (یہ رومی شہنشاہ ہے جو ۲۰۵ء میں فوت ہوا۔ مترجم)

۱۸ یہ ایک رومی قانون دان ہے جسے شہنشاہ کاراکلا Caracalla نے ۲۱۲ء میں سزائے موت دی تھی۔ (مترجم)

۱۹ جس آخری قانون والے کا ذکر ملتا ہے وہ ہرموگے نیانوس Hermogenianas ہے جو محض ایک معلومات کو جمع کرنے والا مؤلف Compiler ہے (جس میں کوئی اپج نہ تھی) اور یہ بھی اسلام سے تین صدی پہلے گزرا ہے۔ (مؤلف)

۲۰ یہودی عبرانی میں لکھتے تھے اور اسے غیر یہودیوں سے مخفی رکھتے تھے ان کی کسی چیز کا

Marfat.com

عربی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا' ان کی تعداد بھی مٹھی بھر تھی جن سے مسلمان اہل علم کو کبھی سابقہ نہیں پڑتا تھا اس لیے وہ سارے اعتراضات جو رومی اثر کے مدعی پر کیے جا سکتے ہیں اس پر بھی وارد ہوتے ہیں کہ یہ یہودی اثر مسلمانوں پر کب اور کس طرح پڑا؟ ہر بچہ پیدا ہوتے وقت روتا ہے' یہودی بھی مسلمان بھی اور کوئی کسی دوسرے سے نہیں سیکھتا' جب کوئی طریقہ عمل معلوم نہ ہو تو ہر انسان پہلے اپنے ہاں کے قانون ہی کی طرف رجوع کرتا ہے' پھر خود سوچتا ہے' سورا اور پمپا دیتا میں نہ مسلمان رہتے تھے اور نہ وہاں مسلمان فقیہ پیدا ہوا۔ مسلمان فقہاء میں کسی نومسلم یہودی کا بھی پتا نہیں چلتا۔ (مترجم)

۲۱ دیکھو اوپر حاشیہ ۱۸ ارب۔ (ندارد۔ مرتب)

۲۲ ''تلمود'' کا عبرانی لفظ وہی ہے جو عربی میں تلمذ اور تلمیذ (یعنی شاگردی اور شاگرد) کی شکل میں ملتا ہے۔ یہ توریت کی گویا شرح اور ربیوں کی آراء پر مشتمل ہے۔ اس نام کی دو کتابیں ہیں۔ ایک بابلی تلمود اور دوسری یروشلمی تلمود۔ (مترجم)

۲۳ ''القیاس کالخنزیر لا یوکل الا عندالضرورۃ'' یہ قول بعض انتہائی متشدد تابعین کی طرف منسوب ہے۔ بات تو حق ہے لیکن اسے برے اور گندہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مفہوم سے کسی کو اختلاف نہیں اور خود ''اصحاب الرائ'' اور قیاس کا برملا استعمال کرنے والے بھی یہی کہتے ہیں۔ اس قول سے مراد یہ ہے کہ پہلے قرآن و حدیث پر عمل کیا جائے۔ اگر یہ دونوں ساکت ہوں تو اجماع پر اور سب سے آخر قیاس پر' اس کے سوا کوئی اور صورت درست نہیں' زیادہ شدید اس وقت پیش آئے گی جب اس کے بارے میں قرآن و حدیث ساکت ہوں۔ جیسا کہ سلیم العوا نے از راہ عنایت مطلع کیا ہے کہ امام شافعی نے بھی اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں اس کی مماثل عبارتیں لکھی ہیں۔ اس وقت ایسی صورتوں میں اجماع کے مطابق حکم دے گا' پھر قیاس جو اس (یعنی نص) سے ضعیف تر ہے مگر وہ ضرورت کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ جب ''خبر'' (یعنی حدیث) موجود ہو تو قیاس جائز نہیں ہوتا۔ جس طرح تیمم کہ اس سے سفر میں طہارت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب پانی موجود نہ ہو لیکن اگر پانی موجود ہو تو اس سے طہارت حاصل نہیں ہوتی۔'' (الرسالہ ص ۱۸۱۷ اشائع کردہ احمد شاکر)...... (مترجم)

۲۴ ممکن ہے کہ اندلس، صقلیہ اور مغرب اقصیٰ کے مسلمانوں ہی سے یہ تصور یورپ میں گیا ہو۔ (مترجم)

Marfat.com

۲۵ امام مالک کے زمانے میں مدینے میں کوئی یہودی نہ تھا وہ عہد نبوی ہی میں وہاں سے جا چکے تھے۔(مترجم)

۲۶ اس سے مراد یہ ہے کہ کیتھلک کلیسا کے مطابق پادریوں کے اجتماع پر روح القدس کا سایہ رہتا ہے اوران کے فیصلے غلطی سے مبرا اور معصوم ہوتے ہیں۔"ید اللہ مع الجماعة" اور "لاتجتمع اُمتی علی ضلالة" کے مماثل ہے۔(مترجم)

۲۷ اگر یہاں اصل مضمون میں کوئی طباعتی غلطی نہیں ہوئی ہے تو اس گنجلک جملے کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے "جوہر" میں برائی آئے تو وہ باطل اور حرام ہو جاتی ہے اور اگر برائی "عرض" یعنی ذیلی چیز میں ہو تو وہ فاسد ہو جاتی ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:

The definition of the important word fosid in terms of 'essence' and accident is reminiscent of Aristotelian logic.(مترجم)

۲۸ ایک ایرانی مؤلف علی مظاہری نے کچھ عرصہ ہوا پارلس کے رسالے "افکار شیعہ" Aenscechiite نمبر۳ جنوری ۱۹۶۰ء میں ص(۲۰ تا ۱۷) پر فرانسیسی میں ایک چھوٹا سا مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے "ساسانی قانون کا اسلامی قانون سے مقابلہ" اس میں اولاً یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں ہی کی طرح مجوسی بھی یہ خیال کرتے تھے کہ قانون ایک خدائی امر ہوتا ہے وہ الحاد جادوگری اور ارتداد کو بھی حرام قرار دیتے تھے۔ پھر اس جملے کی آزلی ہے کہ "ساری مشابہتوں کے ذکر کے لیے ہمیں ایک پوری کتاب لکھنے کی ضرورت ہوگی۔" جو سب سے بڑی مثال مشابہت کی انہیں ملی ہے وہ یہ ہے کہ ساسانی قانون میں "وزغ" (جس کے معنی پہلوی میں "مینڈک" کے ہیں) قتل کی اجازت ہے۔ اسلامی فقہ کی کتابوں میں بھی "وزغ" کے (جس کے معنی عربی میں چھپکلی کے ہیں) قتل کی اجازت ہے۔ البتہ فقہاء نے مینڈک کے قتل سے صراحتہً منع کیا ہے مگر اس عالمانہ بحث سے ساسانی قانون کی فقہ پر تاثیر کیا ہوئی' کچھ واضح نہیں ہوتا۔(مترجم)

(ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ۔ مارچ ۱۹۷۳ء)

کیا اسلامی قانون

رومی قانون کا مرہون منت ہے

(قسط نمبر ۴)

(۳) عام ملاحظات

(۴۲) اسلامی قانون اگر رومی قانون کا مدیون ہے تو بہر حال یہ نہیں ہوا کہ ایک کے ماہرین قانون نے دوسرے کے ماہرین قانون سے براہ راست کوئی چیز مستعار لی ہو۔ اس کے دلائل ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

(۴۳) الف: لغوی شہادت: جب کوئی ادارہ یا نظریہ ایک قوم کسی دوسری قوم سے مستعار لیتی ہے تو عام طور پر نہ صرف وہ نظریہ بلکہ وہ بیرونی علامت (لیبل) بھی مستعار لیتی ہے جس سے وہ نظریہ (مستعار دہندہ کے ہاں) موسوم و معروف ہوتا ہے۔ مثلاً جب رومی قانون میں "ہپوطیقا" hypotheca (رہن) "خیروگرافا" Cheirographa (قلمی معاہدہ مع دستخط) "سنگرافے" Syngraphae (سارے فریقان معاہدہ کے ایک ساتھ دستخط) "امپفوتیوسس" Emphyteusis (طویل المیعاد رہن) کی اصطلاحیں نظر سے گزرتی ہیں تو فوراً ان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یونان سے آئی ہیں (کیونکہ یہ لفظ یونانی ہیں لاطینی نہیں) تلمودی قانون میں بھی عبرانی (یعنی عبرانی بنائے ہوئے) یونانی اور معرب لاطینی الفاظ کی بھرمار ہے[۱]۔ دیگر زبانوں کے مقابلے میں عربی کو بیرونی الفاظ مستعار لینے کی کم ضرورت ہوتی ہے۔ گو وہ بھی بعض وقت مستعار لیتی رہی ہے[۲]۔

Marfat.com

ہم یہاں ایک حیران کن نکتے سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہ خیال کرنے کے وجوہ ہیں کہ اموی خلفاء نے جنہوں نے اپنے پایہ تخت دمشق کی آرائش وزیبائش کی اتنی کوشش کی' کشوری اور عسکری نظم ونسق کے رومی تصور کو برقرار رکھا یا اسے زندہ کیا اور چند بیرونی لفظ جو انہوں نے مستعار لیے ان کو پہلی بار استعمال کیا' باقی وہ تھے جو پہلے میں جو مؤسسین قانون (ائمہ فقہ) تھے وہ ان حکمرانوں (یعنی خلفاء) سے نفرت کی وجہ سے پہلوتہی کرتے تھے کیونکہ ان خلفاء کا ادعاءِ اسلام بڑے شبہات پیدا کرتا تھا[۳]۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ ہوگا کہ اگر اموی خلفاء کوئی بات پسند کرتے تھے تو یہ واقعہ ہی اس بات کے لیے کافی تھا کہ وہ فقہاء کے لیے ناپسندیدہ ہے اور اپنی حد تک یہ خلفاء اور ان کے حاشیہ بردار قانون (فقہ) سے ذرا بھی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ خراج گزار ذمی قوموں کو اجازت دیدی گئی تھی کہ وہ اپنے معاملات اور مقدمات کا خود ہی فیصلہ کرلیا کریں[۴]۔ اور یہ تصور کرلیا گیا تھا کہ دوعدد قاضی اس بات کے لیے کافی ہیں کہ ساری وسیع اسلامی شہنشاہی کے ان جھگڑوں کی سماعت کریں جو عربوں (مسلمانوں) میں (جو عسکری پیشہ کرتے تھے) پیدا ہوں اور دیگر وسائل سے (خارج عدالت) حل نہ ہوں[۵]۔ اس لیے اسلامی قانون کی وسیع فہرست اصطلاحات میں ایک بھی ایسی نہیں جو لاطینی یا یونانی سے ماخوذ (معرب) ہو۔ البتہ اس سے خود لفظ ''قانون'' کو مستثنیٰ کرنا چاہیے لیکن اس لفظ سے نظم ونسق کے احکام (اور بعض وقت رسم ورواج) مراد ہوتے تھے نہ کہ Law (قانون ملک' فقہ[۶])

امویوں کے جانشین عباسی خلفاء کی ریاکارانہ اور دکھاوے کی دینداری کا مظاہرہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا پایہ تخت بغداد میں منتقل کردیا (جو یونانی تمدن کے بھوت کی دسترس سے باہر تھا) اور اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں باہمی کشاکش کے باوجود Uneasy فقہاء اور امراء یعنی اہل قانون اور ارباب نظم ونسق میں ایک طرح کی رفاقت پائی جاتی تھی جو تاریخ اسلام میں نادر چیز ہے[۷]۔ بہر حال ترکی سلطان 'سلیمان قانونی'' کے وقت سے پہلے لفظ ''قانون'' سے مراد قانون ملک Law نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ قاعدہ جو قانون کے ماتحت ہو۔

(۴۴) ب: عثمانی ترکوں سے پہلے اسلامی قانون میں تحریر کو بمشکل کوئی جگہ حاصل تھی[۸]۔ ہر قانونی عمل حتیٰ کہ قاضی کا تقرر بھی زبانی ہونا ضروری تھا[۹]۔ بجز اس استثناء کے کہ عمل کنندہ شخص بہرا اور گونگا ہو جس میں زبان سے ادائی ناممکن ہے مگر اس صورت میں بھی اہل قانون نے کوشش کی کہ اس کا کوئی جسمانی بدل پیدا کریں۔ مثلاً سر کو جھکا کر اپنی قبولیت کو ظاہر کریں۔

(۴۵) ممکن ہے اس کا سبب یہ رہا ہو کہ ابتدائی عرب اہل قانون کا تحریر پر اعتماد نہ رہا ہو مگر اس بناء پر قابل ملاحظہ (قابل حیرت) ہے کہ اسلام سے پہلے عرب ایک لکھنے پڑھنے والی قوم ہو چکی تھی[۱۰]۔ یہ کہ خود قرآن (۲۸۲/۲۔۲۸۳) سفارش کرتا (حکم دیتا) ہے کہ معاہدات کو شہادت (ثبوت) کی ضرورتوں کے لیے لکھ لیا جایا کرے۔ (اس طویل آیت مداینہ کا اہم حصہ یہ ہے: ''اے ایمان والو! جب تم کسی ایسے قرض کا معاملہ کرو جو کسی معین مدت کے لیے ہو تو اسے لکھ لیا کرو...... اور اپنے مرد لوگوں میں سے دو گواہوں کی شہادت حاصل کرو۔ یہ خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے اور شہادت کے لیے زیادہ درست اور اس بات کے لیے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔'' (مترجم) اور یہ کہ ابتدائی زمانے ہی سے یہ احتیاط برتی جا چکی تھی کہ قرآن مجید کو لکھ لیا جائے۔ بے شک جو لغوی شہادت اوپر پیش کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب فاتح اس قدر و قیمت سے واقف تھے جو رومی نظم و نسق میں تحریر کو حاصل تھی' پھر بھی شریعت کے موسس (ائمہ) نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی' نہ صرف یہ کہ (اسلامی) قانون اس بات کو قبول کرنے میں ناکام رہتا یا اس سے انکار کرتا ہے کہ تحریر کے ذریعہ کسی قانونی عمل دستاویز Legal Instrument یا معاملہ طے کرنے کا کوئی وثیقہ Dispositive Document تیار ہو بلکہ تحریر کی شہادتی قدر و قیمت زبانی شہادت کے مقابلے میں کم قرار دی گئی ہے (کیونکہ گواہ سے کرید کر پوچھا جا سکتا ہے اور مزید معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں' دستاویز سے نہیں۔ مترجم) تحریری دستاویز صرف اس واقعہ کی تفصیلات کی شہادت دیتی ہے جو فریقین میں زبانی طے ہوتا ہے[۱۱]۔

اور ایک مستقل شہادت کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ باتیں واقعی (فریقین میں) کہی گئی (اور طے ہوئی) تھیں[۱۲]۔ خود گواہوں کا دستاویز پر دستخط کر کے اس کی تصدیق کرنا ایک ایسا امر ہے جو اگرچہ فطرۃً قانون کی مابعد کی ترقی کے باعث نشوونما پاتا ہے لیکن اسلامی نظام کی ابتدائی صدیوں میں قانون شریعت کے ماہرین کے ہاں بہرحال وہ غیر معروف رہا ہے (جس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں میں دستخط کی جگہ مہر کا رواج تھا اور اسی لیے سرکاری مہر کی حفاظت ہمیشہ قابل اعتماد افسروں کے تفویض ہوتی رہی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

(۴۶) اس صورتحال کے بالمقابل معاملہ طے کرنے کا وثیقہ مثلاً رومی وصیت نامہ جس پر سات گواہوں کی شہادت ثبت ہوتی تھی یا عبرانی (یہودی) طلاق نامہ ایسی چیزیں ہیں جو اس بات کی تردید کرتی ہیں کہ (مسلمانوں نے) براہ راست ایسی کوئی چیز مستعار لی ہو۔ مصر میں بردی کاغذوں (پاپیرس) پر ملی ہوئی دستاویزوں سے وہاں کے جس رواجِ قانونی کا پتا چلتا ہے وہ بھی اسلامی شریعت سے بعید نظر آتا ہے کیونکہ وہاں رواجی قانون یہ تھا کہ اراضی کی انتقال ملکیت یا ان کو کرائے پر دینا' اسی طرح نکاح اور دیگر قانونی اعمال عام طور پر ایسی دستاویزوں کے ذریعے انجام دیے جاتے تھے جن پر متعدد گواہوں کی شہادت ثبت ہوتی تھی [۱۳]۔

اس میں شک نہیں کہ عثمانی سلطنت میں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد اس سے کسی قدر مختلف تصور کو کارفرمائی حاصل ہوتی ہے' کم از کم اراضی کی انتقال ملکیت کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ کسی مصدق (نوٹری) کے ہاں ملکیت جائیداد کو اور اختیاری ہونے کے باوجود عام طور پر نکاح اور طلاق کو رجسٹر کرانا مصر' شمالی افریقہ' ہندوستان' نیز ترکی میں پوری طرح پھیل گئے لیکن یہ اصل (اسلامی) قانون کا جزء نہ تھا جہاں تک عثمانی قلمرو کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ وہاں (رجسٹر کرانے کے متعلق) بیزنطینی قانون سے ایک متاخر زمانے میں واقفیت حاصل ہوئی تھی لیکن یہ ترقی (یعنی رجسٹر کرانے کا رواج) دوسرے مقاموں پر بھی ہوا جو یہ عدالتوں کی کارروائی Procedure کے باعث ہوا تھا [۱۴]۔

(۴۷) رومی قانون سے براہ راست اور جان بوجھ کر کسی چیز کے مستعار لینے کے تصور کی تردید کرنے والا ایک تیسرا امر یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے قانونی ادبیات (کتب) میں کہیں بھی ایسے ماخذ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ دونوں (اسلامی اور رومی) نظام حقیقت میں اس بنیادی اصول کے بارے میں ناقابل مطابقت طور پر مختلف رائے رکھتے ہیں کہ قانون کا صحیح ماخذ کیا ہے۔ اسلام میں قانون ایک خدائی چیز ہے اور خدا ہی قانون کا واحد وضع کنندہ ہے' کوئی انسانی حکمران قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ (اسی لیے فقیہ ہر مسئلے میں حکم کی تلاش اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال میں کرتا ہے۔ مترجم) اور مشیت عامہ (اجماع) کو صرف اس وقت قبول کیا جاتا ہے جب وہ بڑی حد تک اتفاق رائے پر مبنی ہوتا کہ یہ سمجھا جائے کہ وہ خدا کی آواز کی نمائندگی کرتی

Marfat.com

ہے۔ اسی لیے اس بات پر زور دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کے
مؤسس اپنے لیے یہ بات مشکل پاتے کہ رومی قانون کے مدیون ہونے کو قبول کریں'
خواہ ایسا ہونے کا انہیں شعور بھی نہ رہا ہو[۶۵]۔

پیشگی فیصلہ کیے بغیر محض بحث کی خاطر ہمیں یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ جو لوگ عام طور پر مشہور نظریے کی رومی تاثیر کے متعلق تائید کرتے ہیں وہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے بہت دور ہیں اور محض یہ کہہ دینے سے کہ اس تاثیر کا مسلمانوں نے (بددیانتی سے) اعتراف نہیں کیا ہے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ مسلمانوں نے باہر سے کوئی چیز واقعتہً مستعار لی ہو۔ اسی لیے جب سر رولنڈ ولسن نے اپنی (انگریزی) کتاب ''انگریزی اسلامی قانون کا خلاصہ'' Sir Roland Wilson: Digest of Anglo Mohammaden Law (طبع پنجم صفحہ ۲۴) میں یہ لکھا کہ عرب مؤلفوں میں ان ماخذوں کے متعلق جن سے انہوں نے مواد لیا ہے۔ ''سکوت برتنے کے لیے ایک مقدس سازش'' پائی جاتی ہے تو قابل ثبوت چیز کو ثابت شدہ فرض کر لینا چاہیے۔ ایسی سازش کا کوئی وجود نہیں اور یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی قانون کے ماخذوں کے متعلق ہمیں جن چیزوں کا علم ہے وہ اس سے ذرا بھی مختلف کوئی چیز نہیں جو مسلمان مؤلف خود بیان کرتے ہیں۔

(۴۸) شریعت (یعنی اسلامی قانون) کو مدون کرنے والے (ائمہ) اور حدیثوں کو جمع کرنے
والے ابتدائی مؤلف دیانتدار لوگ تھے (چاہے وہ بعض صورتوں میں بھولے اور زود
یقین کیوں نہ رہے ہوں)[۶۶]۔

اور ایسے کام میں مشغول تھے جسے وہ ایک مقدس فریضہ سمجھتے تھے کہ خدائی قانون کی وضاحت کریں۔ انہیں اپنے کام کی مذہبی حیثیت کا جو احساس تھا وہ انہیں ہر ایسی چیز سے روکتا تھا جو چوری چھپے کی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ امکان خارج نہیں ہو جاتا کہ مستعار لینا خواہ بالواسطہ اور غیر شعوری طور پر ہوا ہو اس نقطہ نظر سے دیکھو تو حدیثیں ایک ایسی کوشش نظر آتی ہیں کہ اس وقت کے موجودہ رواج یا مختلف فقہاء کے آراء کو پیغمبر اسلام کی حقیقی یا مفروضہ قبولیت کی کسوٹی تک پہنچا دیں[۶۷]۔

ان حدیثوں میں جو رواج بھرا ہوا ہے وہ کس حد تک رومی الاصل ہے ہم اس کا کسی آیندہ وقت مطالعہ کریں گے لیکن یہ بات بالکل یقینی ہے کہ (جسٹی نین کے) ''مجموعہ قوانین'' Corpus Juris سے فقہ میں کوئی چیز براہ راست مستعار نہیں لی گئی۔

Marfat.com

(۴۹) جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسلامی شریعت اور رومی قانون کے درمیان خصوصیت اور مقصد دونوں میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ رومی قانون اس وقت بھی جب وہ انتہائی مجرد مفہوم اور علمی بحث میں مشغول ہو ہمیشہ قانون پیشہ لوگوں کا (یعنی انسانی) قانون رہتا ہے۔ جیسا کہ مسلم ہے Hominus Cause omne Just Constitutum (یعنی جو قانون بھی وضع ہوا وہ انسان ہی کے باعث وضع ہوا ہے) اس کے برخلاف اسلامی شریعت بنیادی طور پر ایک ایسا نظام ہے جو فرد انسانی کی روح کے خدا کے ساتھ تعلق پر استدلالی طور پر خیر و شر کا فیصلہ کرنے میں Casuistics مشغول ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں نماز' روزہ' حج اور اسی قسم کی دوسری چیزیں داخل ہیں اور جب بیع اور رہن جیسے خالص مدنی (دنیوی) معاملات کے احکام سے بحث ہوتی ہے تو بھی اکثر ان میں بھی جو صرف فریقین سے متعلق ہوتے ہیں مذہبی پہلو غالب آجاتا ہے [۱۸]۔

اس کا نتیجہ جیسا کہ ممتاز اہل علم نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ شریعت پر بطور ایک نظام قانون کے غالباً کبھی بھی کامل طور پر عمل نہیں کرایا گیا لیکن دوسری طرف وہ شاذ ہی عدل گستری پر طاقتور اثر ڈالنے میں ناکام رہی ہو۔ ہماری موجودہ بحث کے نقطہ نظر سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ رومی نظام قانون کے بہت سے مندرجات ایسے ہیں جو شریعت کے ماہرین کے لیے جو خیر و شر کا استدلالی مطالعہ کرتے ہیں' دلچسپی کے حامل نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ لوگ رومی قانون سے واقعتہً واقف بھی ہوتے جب ہم اسلامی قانون یا ''محمڈن لاء'' (قانون محمدیؐ) کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہماری مراد شریعت ہی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح شریعت میں لازماً ایک بہت سی چیزوں سے بحث ہوتی ہے جن سے روما کے اہل قانون کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی اور شریعت کے احکام ایسے ملحوظات پر مبنی ہوتے ہیں جو رومیوں کے لیے بالکل اجنبی اور بیگانہ ہیں۔

(۵۰) توقع ہے کہ آئندہ ایک مضمون میں تعمیری نوعیت کے ایسے چند عارضی خیالات بطور تجربہ Tentative اس امر کے متعلق پیش کیے جائیں گے کہ کن میدانوں میں رومی قانون کے بالواسطہ اثر کا پتا چلایا جا سکتا ہے اور وہ کون سی راہیں ہیں جن سے گزر کر یہ اثر مسلمانوں تک پہنچا ہوگا؟ نیز چند ایک چیزیں بھی واضح کی جائیں گی جن کی حد تک رومی اور اسلامی قانون میں توارد محض اتفاقی ہے۔

Marfat.com

حواشی

ا۔ مثلاً لفظ فرنی Pherny (دلہن کا جہیز) "پارافرنا" Paraphema (بیوی کی شخصی جائیداد) سونیگوروس: Sonygoros (وکیل و مدافع) سونہیدریون Sonhedrion (انعقاد مجلس) "انتی خریسیس" Antichrisis (تبادلہ یا خلاف مسح) جو عبرانی میں برتے جاتے ہیں سب یونانی الاصل ہیں۔ عبرانی میں غیر زبانوں سے لیے ہوئے الفاظ بہ کثرت ہیں۔ (مؤلف)

۲۔ مثلاً جیفری کی انگریزی کتاب Jeffery, the foreign Vocabulary of the Quran (قرآن مجید میں عربی لفظ) مطبوعہ بڑودا ۱۹۳۸ء الفاظ کی اجنبی اصلیت کے متعلق جیفری کے محض استنباطات قابل اعتراض ہیں لیکن وہ نکتہ جس سے ہمیں یہاں بحث ہے یہ ہے کہ قرآنی لفظ سجل کو قانونی ذائقہ عصر قرآنی کے بہت بعد حاصل ہوا (یعنی سورہ ۲۱ آیت ۱۰۴ میں وارد شدہ لفظ "یوم نطوی السماء كَطَىِّ السجل للكتب" میں سجل لاطینی۔ Sigillum کا معرب ہے جس کے معنی مہر کے ہیں اور اس سے مراد خط پر مہر لگانے اور خط کے ہیں مگر بعد میں سرکاری دفتر میں رجسٹر کرانے کے معنی ہو گئے۔ (مترجم) اموی دور میں مستعار لیے ہوئے لفظوں میں سے "برید" (ڈاک) یونانی "بے رو دوس" اور لاطینی "وے رے دس" Veredus سے ماخوذ ہے۔ "شرطہ" یعنی خلیفہ کا محافظ دستہ لاطینی "کوہورتیم" Cohortem سے اور "قاردوس" شاید "کردوس" مراد ہے۔ (مترجم) یعنی فوجی ٹولی یا سواروں کا دستہ غالباً ہمارے انگریزی لفظ "اسکارڈن" Sguardon ہی کی طرح سے اگر کسی لاطینی لفظ مثلاً کوادرالوس Quadralus یعنی مربع سے نکلا ہو تو معقول بات ہوگی۔ رومی لفظ فوجی زبان میں باقی رہ سکتے ہیں۔ مثلاً انگریزی فوجی اصطلاحیں ہندوستان کی فوج میں قابل لحاظ ہیں۔ (ہندوستان انگریزی مقبوضہ رہا۔ اس کی زبان اور نظم و نسق اب تک انگریزی ہے۔ عرب پر نہ رومیوں کی کبھی حکومت رہی نہ رومی زبان مسلمانوں میں رائج رہی۔ (مترجم) لیکن صاحب الشرطہ

Marfat.com

جو سرکاری جلاد اور ایک قسم کا مجسٹریٹ (حاکم عدالت) ہوتا تھا کبھی شریعت (یعنی اسلامی قانون) کے نفاذ کے سلسلے میں حاکم عدالت (قاضی) نہیں رہا اس کے فرائض منصبی ''عہد جدید'' (یعنی انجیل متی ۸/۵، ۲۷/۵۴، انجیل مرقس ۱۵/۴۴۔ مترجم) میں مذکور امیران صدہ Cemtusion کی طرح اصل قانون کے نہیں بلکہ نظم و نسق کے متعلق ہوتے تھے۔ (مؤلف)

۳۔ شاید ولید بن یزید جیسے آخری اموی خلفاء کی حد تک یہ ایک مدت تک صحیح ہو۔ سارے اموی خلفاء کو ایک لاٹھی سے ہانکنا صحیح نہیں۔ (مترجم)

۴۔ ذمیوں کی قانونی اور عدالتی آزادی قرآنی احکام کے تحت تھی اور عہد نبویؐ سے چلی آ رہی تھی، امویوں کی ایجاد نہیں تھی۔ (مترجم)

۵۔ معلوم نہیں اس غلط فہمی کی اساس کیا ہے۔ بصرہ و کوفہ ہی نہیں قاضی ہر شہر میں تھے۔ (مترجم)

۶۔ دیکھو فٹنر جیرالڈ کی مذکورہ انگریزی کتاب ''قانون محمدیؐ'' صفحہ (۱۲)...... قانون کا لفظ نہ قانون کے نہ رسم رواج کے معنوں میں ائمہ مذاہب کے زمانے میں استعمال ہوا۔ یہ بہت بعد کی چیز ہے۔ (مترجم) عثمانلی سلاطین کے زمانے میں ''قانون'' کو جو عظیم اہمیت دی گئی وہ دوسرا معاملہ ہے۔ پھر بھی خود عثمانلی زمانے میں نظریہ کی حد تک یہ قاعدہ برقرار رہا کہ سلطان کوئی ''قانون'' اس وقت تک جاری نہیں کر سکتا جب تک کہ شیخ الاسلام اس کے مطابق شریعت ہونے کی توثیق نہ کرے۔ کہا جاتا ہے کہ عربی لفظ ''وارث'' لاطینی لفظ ہیریس Heres کا معرب ہے اور ''دین'' (یعنی قرض) یونانی لفظ دانے گیوں Daneion سے ماخوذ ہے لیکن یہ دونوں باتیں صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں عربی لفظ پرانے سامی مادوں سے نکلے ہیں اور وہ یونانی یا رومی تاثیر سے بہت قبل توریت (بائبل) کی عبرانی زبان میں بھی ملتے ہیں۔ دوسرے ان عربی لفظوں کے معنی ان کے گمان کردہ لاطینی اور یونانی ماخذوں سے بالکل مختلف ہیں۔ رومی ''ہیریس'' اور عربی ''وارث'' میں اس اتفاقی بات کے سوا ان میں کوئی مماثلت نہیں کہ ان دونوں عربی و لاطینی لفظوں کا ترجمہ جدید یورپی زبانوں میں ایک ہی طرح کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں (Heir) فرانسیسی میں (Heritier) اور اطالوی میں erede، رہا یونانی لفظ ''ڈانے ئیون'' اس سے مراد صرف رقمی قرض ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف عربی لفظ دین سے ہر قابل نالش ذمہ داری Chose in action ہوتی ہے اور یہ

Marfat.com

عربی لفظ جس مادے سے نکلا ہے اس کے معنی عبرانی اور عربی دونوں میں ''بدلہ دینے'' کے ہیں۔ (مؤلف)......(''دان'' کے معنی عربی میں اطاعت کرنے کے بھی ہیں۔مؤلف)

۷ یہ گولٹ سیہر کی ایجاد بندہ ہے اور دلیل کی صحت بھی مشتبہ ہے۔اس دلیل سے دعوے کا ثبوت بہر حال نہیں ملتا مگر یہاں بحث اور تردید کی شاید ضرورت بھی نہیں۔(مترجم)

۸ اس میں بڑی مبالغہ آرائی ہے۔کتاب الام (۲۱۸/۲۱۶/۶) میں امام شافعی قدیم امام نے لکھا ہے کہ قاضی شہادت کو قلمبند کر کے محفوظ رکھے۔اگر کتاب القاضی الی القاضی میں قاضی کا مراسلہ لانے والا شخص خط کے مندرجات اور مہر کے صحیح ہونے کی زبانی شہادت دینے کا پابند تھا تو مزید احتیاط کے لیے نہ کہ تحریر کی عدم اہمیت کے باعث۔(مترجم)

۹ معلوم نہیں اس سے کیا مراد ہے۔عہد نبویؐ ہی سے قاضیوں کا تقرر تحریری پروانوں کے ذریعے ہوتا رہا ہے۔(مترجم)

۱۰ بلاذری وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حرب بن اُمیہ اور عبدالمطلب کے زمانے میں مکے کی زبان لکھی جانے لگی تھی مگر دس پندرہ افراد سے پوری قوم لکھنے پڑھنے والی نہیں سمجھی جاتی' لکھنے پڑھنے کی ترقی قرآنی احکام واوامر کے باعث ہوئی تھی۔(مترجم)

۱۱ ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے۔(مترجم)

۱۲ یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا' زبانی شہادت اس بات کی دی جاتی تھی کہ دستاویز اصلی ہے نہ کہ مندرجہ امور کے طے ہونے کے متعلق اگر ابتدائی گواہ مر چکے ہوں تو دستاویز کی اہمیت لازماً بڑھ جائے گی۔(مترجم)

۱۳ یہ واضح نہیں ہوتا کہ مؤلف یہ رواج اسلامی دور کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہے یا اسلام سے پہلے کے زمانے کے متعلق' ایسی تحریری دستاویزیں اسلامی دور میں مصر کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتیں' چاہے وہ مصر میں محفوظ رہ گئی ہوں اور دوسرے مقاموں پر ضائع ہو گئی ہوں۔(مترجم)

۱۴ فٹز جیرالڈ کی مذکورہ انگریزی کتاب ''قانون محمدیؐ'' صفحہ (۳۰) شاخت Schacht کا گمان ہے کہ رجسٹری کا رواج رومی دور کے باقیات میں سے رہا ہوگا لیکن اگر ایسا ہوا بھی تو وہ قانون شریعت کا جزء نہیں' زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایسی چیز رہی ہوگی جو موجود تو تھی لیکن شرعی قانون کو مدون کرنے والے استدلال پسند فقہاء Casuits اس کو نظرانداز کرتے رہے مگر ادب کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ یہ فرض کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں معلوم ہوتی کہ ایسی کوئی

Marfat.com

(رومی) چیز موجود رہی ہو جس کی شہادت بہت کم ملتی ہے یا بالکل نہیں ملتی اور اس معقول توجیہ کو ترک کر دیا جائے کہ مسلمانوں نے یہاں کا نظام مصدق (نوٹری) ایک تاریخی اور تدریجی (داخلی) نشوونما کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی برقراری کی کوئی شہادت نہیں ملتی، رجسٹر کرانے کی دو صورتیں بہت عام ہیں۔ ایک قاضی کا فیصلہ تاکہ سازشی جعلسازی نہ ہو (Collusive decrees)۔ دوسرے عدول یعنی سرکاری گواہ کے ریکارڈ کو محفوظ رکھنا تاکہ آیندہ گواہی دینے میں مدد ملے، ان دونوں کے متعلق بمشکل کہا جا سکتا ہے کہ وہ رومی قانون سے آئے ہیں۔ شاخت کی تازہ تالیف Origins of Mohammaden law (قانون محمدی کے مصادر آغاز) اس مضمون کے طبع ہونے تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کے خیالات کی طرف اشارہ نامکمل ہوگا کیونکہ وہ مبنی ہے ان دو مختصر تنقیدوں پر جو شائع ہوئی ہیں اور جن کی نقل شاخت نے از راہ عنایت بھیجی ہے۔ (مؤلف)

۱۵ بددیانتی کے اس امکان کی مؤلف نے خود نیچے اسی فصل میں تردید کی ہے۔ (مترجم)

۱۶ امام بخاری جیسا شخص جس نے ایک مرتبہ سوال بند کو لے کر (؟) دنیائے اسلام کا دورہ کیا تھا وہ اس میں کامیاب ہو گیا کہ جلد یا بدیر وہ جواب پالے جس کی اسے ضرورت تھی وہ یہ کہ عظیم مقدار میں Wholesale جعلی حدیثیں بنائی گئیں اسے ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔ (مؤلف) مگر یہ بھی بتاتا ہے کہ کون سی چیز صحیح اور کونسی موضوع یا ضعیف ہے۔ (مترجم)

۱۷ یہاں مؤلف کے قلم نے بہک کر خواہش کو واقعہ قرار دے لیا ہے۔ بہتر ہوتا اگر وہ اپنے فن قانون ہی میں رہتا۔ حدیث جیسے اجنبی فن میں خیال آرائی نہ کرتا۔ (مترجم)

۱۸ اس کی مثال کے لیے دیکھو وہ حنفی دلیل جو قبضہ بیجا Trespass کے ہرجانے کے سلسلے میں سر عبدالرحیم نے اپنی کتاب "مسلم جورس پروڈنس" (صحیح نام محمڈن جورس پروڈنس Principles of Mohammaden juris prudence ہے) اور کلکتے میں چھپی ہے۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے اس کا اردو ترجمہ "اصول فقہ" کے نام سے شائع کیا ہے اس کا اطالوی ترجمہ بھی ہوا ہے۔ مترجم) اس کے صفحہ (۱۶۲ تا ۱۶۳) میں ہے کہ یہ بہتر ہے کہ ایک معصوم شاکی کو کسی بیجا مداخلت کرنے والے کے ہاتھوں ضرر پہنچے بہ نسبت اس کے کہ اس شاکی کو حد سے زیادہ ہرجانہ دلایا جائے کیونکہ ایسا ہرجانہ دلانے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو ظلم میں شریک قرار دیا جائے یعنی بیجا مداخلت کرنے والے کو اسی کتاب میں جو مثال جو ہر دعرض کے متعلق دی گئی ہے وہ بھی عملی

قانون سے دور ہی کا واسطہ رکھتی ہے۔ (مؤلف) جسٹس سر عبدالرحیم مرحوم نے توضیح التلویح لصدر الشریعہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ غاصب کو مال مغصوبہ کی واپسی کا حکم تو دیا جائے گا لیکن حنفی مذہب کے مطابق اس نے قبضہ غاصبانہ کے زمانے میں جو استفادہ کیا تھا اس کا معاوضہ دینے کا پابند نہ کیا جائے گا کیونکہ استفادہ ایک غیر محسوس چیز ہے جس کی ٹھیک ٹھیک مالیت معین نہیں کی جاسکتی۔ اگر ہم ایسے ضرر کا جس کی مقدار معلوم نہیں معاوضہ دینے کا حکم دیں تو ممکن ہے کہ زائد از ضرورت ہرجانہ دلایا جائے جو ہر عرض کے حوالے کا صفحہ مؤلف نے نہیں دیا ہے اور باوجود تلاش کے وہ ہمیں نہ ملا۔ توضیح التلویح بھی یہاں نہ ملی کہ اس کی تحقیق کر لی جاتی' کار دنیا کسے تمام نہ کرد۔ (مترجم)

(ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ۔ اپریل ۱۹۷۳ء)

Marfat.com

تاریخ

Marfat.com

Marfat.com

بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی حالت

دنیا میں برائی اور گناہ کو فن لطیف بنا دینے والے بھی اور قوم کی حالت پر کڑھنے اور دردمند دل رکھنے والے بھی ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔ برائی اور اخلاقی پستی جتنے بڑے طبقے میں پھیلتی اور شدت اختیار کرتی ہے۔ اتنے ہی بڑے کردار کے مصلح کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیائے سلف کے زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک قوم، کسی ایک بستی میں برائی کو بھلائی سمجھنے لگنا عام ہوتا تھا اور باقی دنیا ایک حد تک گوارا کرنے کے قابل کردار رکھتی تھی۔ اور نبی بھی خاص مقام کے لیے روانہ کیے گئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عہد نبوی کے آغاز پر دنیا کے کس کس ملک میں مصلح کی ضرورت تھی۔ ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہونے کے باوجود روز افزوں پھیلنے والی نسل انسانی قدیم زمانے میں ذرائع معیشت کی ضرورتوں سے جب اپنوں سے بچھڑتی اور رشتہ داروں سے دور دوسری جگہ جا بستی تو پھر اپنے مرکز سے تعلق رکھنے کی ضرورت یا موقع کم ہی پیش آتا تھا۔ ایک تو ذرائع حمل ونقل کی کمی تھی۔ دوسرے ہر مقام اپنی ضرورتوں کے لیے (جو زیادہ تر غذا، لباس وغیرہ پر مشتمل ہوتیں) خود اکتفا ہوتا۔ یہ نہ تھا کہ آج کل کی طرح ہر کوئی اپنی کسی نہ کسی ضرورت کے لیے دوسروں کا محتاج ہو۔ کہیں غلہ نہ ہو کہیں روئی نہ ہو، کہیں لوہا، کہیں کوئلہ یا پٹرول نہ ہو، کہیں کاغذ کا مواد نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ قدیم زمانے میں بین الاقوام اور بین الممالک تعلقات ناپید سے تھے۔ ناگزیر نبی اور مصلح بھی قومی ہوتے تھے۔ (عالمگیر اور بین الاقوامی نہیں) اور ان کی تعلیم کسی بربری، کسی غیر بنی اسرائیل، کسی غیر آریہ سے متعلق ہی نہ ہوتی تھی۔ انسانیت میں بین الاقوامی احتیاج رفتہ رفتہ ہی پیدا ہوئی۔ اور عہد نبوی کے آغاز پر اس کا عبوری دور اس حد تک گزر چکا تھا کہ مہمات پسند عرب تاجر ایک طرف حبش ومصر وشام کو تو دوسری طرف چین وایران وہند کو کارواں

Marfat.com

لے جایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے جہاز بنانا اور زمین کے قلابے ملانا انسان سیکھ چکا تھا۔ ناگزیر اب نبی بھی، مختص المکان اور مختص الزمان ہونے کی جگہ ایسا ہونا ضروری تھا جو معتدل اور مستقل تعلیم دے۔ سرد ممالک ہوں یا گرم، شہری باشندے ہوں کہ خانہ بدوش، سب کو ایک مرکز سے دوبارہ جوڑنا اور سب کے لیے بنیادی مذہب لانا ممکن ہو، تعلیم میں مستحب اور نفل کی تھوڑی سی لچک ضرور ہے۔ لیکن اقل قلیل فرائض بنیادی مذہب کا کام دے سکیں۔ اور وہ سب ہی کے لیے ایک سال ہوں۔ یونان کسی زمانے میں حکمت اور فصاحت کے دریا بہا چکا تھا۔ دنیا کو اس کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کے لیے حکمت اور فصاحت کے ایک بہتر اور بلند تر نمونے کی ضرورت تھی۔ روما نے قانون سازی میں کمال پیدا کیا تھا اور رسول عربی کی ولادت سے پانچ ہی سال پہلے مرنے والے شہنشاہ جسٹی نین نے رومی قوانین کی تدوین کا کارنامہ انجام دلا کر دنیا کو ایک چیلنج دے دیا تھا کہ اس سے بہتر قانون لاؤ۔ اسی طرح ہندیوں نے کچھ مصریوں نے کچھ، ایرانیوں نے کچھ، ایسے کارنامے چھوڑے تھے جن سے خاص خاص شعبوں میں انسانی ذہنیت پر ان کی برتری مسلم ہو چکی تھی اور ضرورت تھی کہ انسانی ذہن کی صحت مند بالیدگی کے لیے ان کچلنے والے مواقع کو دور کر دیا جائے، اور انسان کو عقل، فکر، نظر، سمع، تفقہ، تدبر، شعور، علم وغیرہ سے خود کام لینے پر آمادہ کیا جائے۔ ان عطایائے فطری کو معطل کر لینا اسے انفرادی جواب دہی سزا و جزا سے بھی علیحدہ کر لینا فی الحقیقت اطاعت شعار فرشتوں اور سرکش شیطانوں سے الگ ایک احسن تقویم والی مخلوق کے پیدا کرنے کی غرض کو فوت کر دینا ہے۔ ان تمہیدی نکات کے ساتھ دنیا کے بڑے ممالک کی عام حالت سے جو بعثت نبوی کے وقت تھی ضروری واقفیت حاصل کر لینی چاہیے۔

چین

چین نے اقصائے مشرق میں اپنی صلاحیتوں کے معراج کمال کا مظاہرہ اپنے مصلح کونگ فوت سیو (کنفوشیوس) (زمانہ ۵۵۱ یا ۴۷۹ ق،م) کی صورت میں کر دیا تھا۔ عہد نبوی کے آغاز پر وہاں عجیب حالت تھی۔ کنفوشی نظام پارہ پارہ ہو چلا تھا، ہند کا بدھ مت وہاں گھسنے اور ایک عبوری دور پیدا کرنے کا باعث بنا ہوا تھا۔ متاخر خاں (Llums بن) خانوادے کی حکومت عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ Wai وائی Wu وو اور Shu شو حکومتیں کیا قائم ہوئی تھیں کہ خانہ جنگیوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ چھڑ گیا اور ملک کو انسانیت کی کسی خدمت

کے ناقابل بنا چکا تھا۔ گھریلو فتنے پر مستزاد تاتاریوں سیونگ نو اور تبت والوں کے حملے بھی تھے۔ عرصہ دراز کے افتراق کے بعد خانوادہ سوئی نے ۵۸۹ء تا ۶۱۸ء تیس سال کے قلیل عرصہ کے لیے ملک میں بہت کچھ وحدت پیدا کی، مگر ہجرت نبوی سے دو سال پہلے ہی اس کا خاتمہ ہوگیا۔ پھر ٹانگ خانوادہ برسر اقتدار آیا تو آہستہ آہستہ حالت کچھ سدھری اور ملک میں امن اور ایک جہتی تو پیدا ہوئی مگر ہم چومن دیگرے نیست کا ترقی سوز جذبہ انہیں کچھ سیکھنے میں مانع ہی رہا۔ (تفصیلات انسائکلو پیڈیا برٹانیکا وغیرہ میں)

ہند

ہند میں ایک ہزار سال قبل مسیح آریہ قبائل آ گھسے تھے۔ جات پات کے نظام، مظاہر پرستی کی سطحیت کے تحت کروڑوں دیوتاؤں کی ایجاد، رہبانیت اور ترک دنیا کو انسانیت کا کمال سمجھنے کا جذبہ اور اسی طرح کی چیزیں اسے پوری انسانیت کی اجتماعی زندگی کی خدمت کے ناقابل بنا چکی تھیں۔ کنفوشیوس کے ہمعصر زمانے میں گوتم بدھ نے برہمنوں کی مراسم پرستی کے خلاف احتجاج کر کے ایک دوسری انتہا پسندی کی تعلیم دی۔ علاج صحیح تھا، مگر ظاہر ہے کہ وہ عارضی ضرورتوں کے لیے تھا چند دن وہ پھلا پھولا، مگر ایک تو معتدل حالات کے لیے اس میں ٹھوس بنیادیں نہ تھیں، دوسرے بدھ مت اور برہمنیت کی کشمکش ایک دوسرے پر عارضی فتح کے بعد بالآخر بدھ مت کو بڑے مظالم کے بعد ہند سے خارج کردینے کا باعث بنی۔

عہد نبوی سے پہلے ہند پر وسط ایشیا کے سفید خان (Hunsi) خانوادے کی حکومت تھی مگر ولادت نبوی سے پانچ سال پہلے ۵۶۵ء میں دریائے جیحوں پر اس حکومت کو شکست ہوئی۔ تو ہند پر سے بھی اس کا تسلط جاتا رہا، پھر تھانیسر کے راجہ کا چھوٹا بیٹا ہرش (زمانہ ۶۰۶ء تا ۶۴۸ء) شمالی ہند کا مالک بنا۔ آسام، بنگال، نیپال، مالدہ، گجرات، کاٹھیاواڑ وغیرہ اس نے رفتہ رفتہ فتح کیے۔ مگر ۶۱۰ء میں ہجرت نبوی سے کچھ پہلے اس نے دکن کا رخ کیا تو چلوکیا خاندان کے راجہ پلی کے سن دوم نے اسے دریائے نربدا پر شکست دے دی۔ اس کے اولاد نہ تھی، اپنی رعایا کو اس نے آرام طلب بنالیا تھا۔ اس کی موت کے ساتھ اس کی شہنشاہی کا خاتمہ ہوگیا۔ اور پھر صدیوں تک تباہ کارانہ خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ چلوکیا والوں نے ہرش کو شکست تو دی مگر کانچی ورم کے پلوا والوں کے ہاتھ خود بھی تباہ ہوگئے اور ان کی سلطنت پنپ نہ سکی۔ (ماخوذ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا وغیرہ)

Marfat.com

ترکستان

یہ بڑا مردم خیز خطہ ہے۔ مگر سنہ عیسوی کی سات صدیوں تک یہاں کی حالت کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں۔ عہد نبوی کے ہم عصر خان (Huns) تبت پر چھا گئے تھے اور مغربی ترکوں کی مدد سے براج رہے تھے۔ مگر ان میں نہ کوئی تمدن تھا اور نہ خود غرضی کے سوا انسانیت کی خدمت کے لیے ان میں کوئی بلند مطمح نظر ہی۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

رومی وایرانی

یونان تو کبھی کا ختم ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ یورپ میں رومی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ مگر جب وہ مشرق ومغرب دو حصوں میں بٹ گئی تو ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی کے زمانے میں مغربی رومیوں پر جرمن وغیرہ وحشی قبائل ٹوٹ پڑے اور پایہ تخت روما کے بھی مالک بن گئے تھے۔ ان اَن پڑھ وحشیوں نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے محبت کے مذہب یعنی عیسائیت کو قبول کیا تو غیر عیسائیوں سے زیادہ بے رحمی اور بے اصولی دکھاتے رہے۔ اور مشرقی رومی حکومت قسطنطنیہ کے صدر مقام سے ہمسائیہ ایرانیوں کے ساتھ صدیوں تک آویزش میں مبتلا رہی۔ عہد نبوی کے ابتدائی زمانے میں ایرانیوں نے اپنے حریفوں سے مصر اور شام وغیرہ تک چھین لیے تھے۔ اور قرآن مجید نے غلبت الروم فی ادنی الارض کا اعلان کیا، مگر ۶ھ یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں نینویٰ (موصل) کے میدان پر رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ ان کے ہاں شاہ گردیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور ایران سنبھل نہ سکا۔ قسطنطنیہ کے رومی (بیزنطینی) اس فتح سے کیا فائدہ اٹھاتے جبکہ صدیوں کی بیرونی جنگوں نے ایک طرف ملک کو تباہ وتاراج کر دیا تھا تو دوسری طرف مذہبی فتنے بھی ان کے ہاں نا قابل بیان تھے۔

چنانچہ حضرت مسیح میں صرف خدائی طبیعت کا ہونا یا خدائی اور انسانی ہر دو طبیعتوں کا پایا جانا یا دو طبیعتوں مگر ایک مشیت کا پایا جانا وغیرہ نظریے فرقہ بندی پیدا کر رہے تھے اور ہر فرقہ اتنا تنگ نظر تھا کہ دوسرے کی زندگی تک کا روادار نہ تھا۔ یہ ایک دوسرے پر اتنے مظالم کرتے رہے کہ جب حکمران فرقہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو دوسرے فرقوں کے عیسائی دل وجان سے ان اجنبی غیر مذہب والوں کو خوش آمدید کہتے اور ان کو مدد دیتے رہے، اور مسلمانوں کے ماتحت رہنا

Marfat.com

ان کو غیر فرقے کے عیسائیوں کے ماتحت رہنے سے کہیں زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ (انحطاط و زوال روما مؤلفہ گبن)

یہی حال ایران کا تھا۔ مزدکیت کی دولت اور عورت میں اباحت پسندانہ اشتراکیت نے عرصے تک ملک کو نہ صرف خانہ جنگی میں مبتلا رکھا بلکہ ملک کے اخلاق کو ناقابل اصلاح طور پر تباہ کر دیا تھا۔ حد ہوگئی کہ مزدک نے بھرے دربار میں شہنشاہ سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ یہ تیری ملکہ بھی صرف تیری نہیں ہے، بلکہ اس سے ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے۔ اور اس پر نہ اسے غیرت آئی اور نہ یہ شرمائی، پھر نوشیرواں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے باپ کے عمل کو الٹ دیا اور اب آتش پرستی نے مزدکیت کے خلاف وہ وہ ظلم ڈھائے کہ بیان سے رونگھٹے کھڑے ہو جائیں۔ اسی زمانہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی مگر جیسا کہ ہم نے دیکھا رومیوں نے ایرانیوں کو کچھ ایسی زک دی تھی کہ وہ پنپ نہ سکے۔ (کرسٹن سین ساسانی)

حبش

حبش بھی کافی بڑا علاقہ ہے اس نے ایرانیوں سے یمن کو چھین لیا تھا۔ مگر جب یہ شمالی عرب میں بڑھے تو ولادت نبوی کے سال یہ "اصحٰب الفیل" کیڑا کھائے ہوئے کھوکھلے دانوں (عصف ماکول) کی طرح ختم ہو گئے اور جلد ہی عہد نبوی میں ان کی حکومت عرب میں بھی اور خود حبش میں بھی خانہ جنگیوں وغیرہ میں پھنس کر بیکار و معطل ہوگئی اور مسلمان مہاجرین ہمیشہ خود حبش کی ان خانہ جنگیوں سے پریشان رہے۔

غرض اس زمانے میں جدھر دیکھو دنیا میں تباہی اور فتنہ و فساد ہی تھا کسی جگہ بلند نظرانہ، عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی۔ ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہے اور ملک دار، قوم دار، نسل دار اور ایسے ہی دیگر محدود مذہب سے نجات دلائی جائے اور تمام انسانی دنیا کے لیے ایک بنیادی مذہب پیش کیا جائے جو زمان و مکان کے فرق سے بالا اور جاتیوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو۔ اور ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمہ داریاں عطا کر کے نوع بشری کی تخلیق کی اصلی غرض و غایت پوری کرنے کا انتظام کیا جائے۔

("خاتون پاکستان" کراچی رسول نمبر ۱۳۸۴ھ)

Marfat.com

خاتم المرسلین کا قائم کردہ سیاسی نظام

تمہید

جسم میں جب تک روح ہو، زندگی ہوتی ہے، روح چلی جائے تو وہی جسد نجس ہی نہیں بلکہ سڑنے گلنے کے باعث بدترین گندگی بن جاتا ہے۔ یہ حال افراد کا بھی ہے، اجتماع کا بھی۔ مزید برآں روح صحت مند ہے تو جسم فرشتوں کے لیے بھی باعث رشک بن جاتا ہے، روح بیمار ہے تو شیطان بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اس لیے صرف جسم یا روح پر توجہ ہو تو انسان کی ترقی ادھوری ہوگی۔ اسی لیے اسلام نے کہا: ''فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة'' بدھ مت اور شیوعیت اپنے اپنے شعبے میں مکمل چیز ہوں لیکن جامع نہیں۔ خیر الامور اوسطھا ایک پرانا اور آزمودہ سماجی تجربہ ہے۔ یہ اسلام ہی میں زیادہ نظر آتا ہے اور وہ دونوں کو جامع بھی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین ہی کی نہیں دنیا کی بھی تعلیم دی۔ اور ان دونوں کو اسی طرح ایک دوسرے کا تکمیل کنندہ بنا دیا جس طرح روح اور جسم کہ ان کے باہم اجتماع کے بغیر زندگی ممکن ہی نہیں۔ مزید برآں اسلام کے دینی واجبات میں دنیوی فوائد بھی بھرے ہوئے ہیں اور دنیوی احکام، دینی وروحانی منافع سے بھی لبریز ہیں۔ تفصیل ذیل میں اس کا کچھ ثبوت مل جائے گا۔

اسلام سے پہلے کا انسان

اسلام سے بہت پہلے ہی انسان نے ہر طرح کی ترقیاں کرلیں۔ بڑے بڑے فاتح، بڑی بڑی شہنشاہیاں پہلے بھی تھیں، دین اور مذہب کے کمالات سے بھی انسان محروم نہ تھا لیکن ان

Marfat.com

میں ملاپ یا باہمی تعاون نہ تھا۔ روحانی ترقی کی ابتداء ترک دنیا سے شروع کرائی جاتی تھی اور سیاست میں حق وانصاف یا اخلاق کو غیر متعلق سمجھا جاتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت پر اکتفا نہ کی، نمونہ عملی بھی بنے۔ جس مقدارِ عمل کا دوسروں سے مطالبہ کیا خود اس سے زیادہ کیا۔ شاید سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز سیاسی مسائل میں یہ فرمائی کہ اپنی امت کو ایک مطمح نظر عطا فرمایا۔ جب تک کوئی اچھا مطمح نظر (آئیڈیل) سامنے نہ ہو، عمل اکارت جائے گا۔ قرآن نے کہا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کی منفعت کے لیے وقف ہے لیکن انسان نہ ان چیزوں کے لیے ہے نہ اپنی ذات کے لیے، بلکہ خدا کی بندگی، خدا کے فرمانبردار اور اطاعت گزار رہنے کے لیے ہے۔ فرشتے بھی اطاعت گزار ہیں، لیکن نہ تو کائنات سے منفعت اندوزی کی ان کو اجازت ہے اور نہ ان میں یہ ملکہ کہ اپنی مرضی سے خدا کی اطاعت کریں۔

قومیت

انسان نے اسلام سے پہلے سیاسی ترقیاں تو کیں اور خوب کیں، لیکن اپنے اور پرائے کے فطری فرق کو اس نے اتفاقات اور ناقابل تبدیل عوارض پر مبنی رکھا۔ کوئی حبشی سرغنہ بنا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ گورے، سانولے، لال اور پیلے رنگ والے بھی حبشیوں کے لیے "اپنے" بن سکیں؟ تقریباً ربع صدی سے میں فرانس میں مقیم ہوں اور پوری دیانتداری سے یقین دلاتا ہوں کہ لسانی نقطہ سے میں اب تک کامل فرانسیسی نہیں بن سکا۔ فرانس نامی جغرافی مفہوم کے لیے بھی بیرونی ولادت کے باعث میں زندگی بھر اجنبی ہی رہوں گا۔ غرض قومیت اور وطنیت کے جتنے نظریے تھے (یا ہیں) وہ اتفاقی حوادث پر مبنی ہیں۔ جن میں انسان کی مرضی کو کوئی دخل نہیں۔ اپنے اور پرائے کے فطری فرق کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی اختیار کے پیرو کر دیا اور اسلامی قومیت، نسل، رنگ، زبان، وطن جیسی چیزوں کی جگہ مطمحیت (آئیڈیالوجی) میں متفق لوگوں سے مل کر مشتمل کی، مشاہدہ بھی ہے کہ دو حقیقی بھائی دشمن ہو سکتے ہیں لیکن دو اجنبی اگر مطمح نظر میں ایک ہوں تو اتنے دوست، اتنے متحد ہو جاتے ہیں کہ ایک روح دو جسم ان پر صادق آنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیا اگر چاہے بھی تو مثلاً نہ سیاہ فام قوم بن سکتی ہے، نہ کشمیری اللسان بن سکتی ہے، نہ پنجابی الوطن ہو سکتی ہے لیکن ساری دنیا بلکہ ساری کائنات کے جن وانس بھی چاہیں کہ ایک مطمحیت

اور ایک دین کی اساس پر اپنی قومیت بنائیں تو قدرت اس میں مانع نہیں۔ اسی لیے اسلام نے اپنی روز افزوں ترقی و توسیع کو ممکنہ حد تک غیر محدود رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ گزشتہ چودہ سو سال کا تجربہ بھی بتاتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمودہ بیان محض لاف اور لفاظی نہیں۔

''کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، سارے انسان آدم کی اولاد ہیں، اور خود آدم مٹی سے بنے! تم میں سے سب سے مکرم خدا کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔''

تسلسل اور عالمگیری

کوئی مذہب اپنے کو کامل حق و صداقت کا حامل نہ سمجھے تو اس کے وجود کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے مذہب کی گویا فطرت میں یہ امر داخل ہے کہ وہ کسی اور کو اپنے برابر نہ سمجھے، لیکن جب متعدد مذہب ہمسایہ ہوں تو چپقلش پیدا ہوگی۔ اس کا حل بھی اسلام نے جو پیش کیا وہ ٹھنڈے دل سے سوچنے کے قابل ہے۔ چنانچہ:

ہر مذہب میں ایک ''امنتُ ؔ (خلاصۂ عقائد) ہوتا ہے۔ اسلامی آمنتُ میں سارے پیغمبروں اور ساری الہامی کتابوں پر ایمان لانے کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اس کے مضمرات پر غور کریں تو نظر آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بلا استثناء سارے انبیاء کو، جو دنیا کے ہر گوشے سے اور ہر قوم میں اور ہر زمانے میں پیدا ہوئے ہیں، مان لینے سے تاریخ میں کوئی رخنہ نہیں رہتا بلکہ ایک تسلسل اور عالمگیریت پیدا ہوتی ہے جو خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت آدم علیہ السلام کے سپوت اور کامل و حقیقی جانشین کے شایانِ شان چیز بن جاتی ہے۔

ساری الہامی کتابوں کو خدا کا پیغام ماننے مگر عمل صرف آخری کتاب پر کرنے کی وجہ ایک معمولی روزمرہ کی مثال سے واضح ہو جائے گی۔ میری طرح اور بہتوں کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ قبل پوسٹ کارڈ کی قیمت محکمہ ڈاک نے تین پائی (پاؤ آنہ، تقریباً ڈیڑھ پیسہ) مقرر کی تھی۔ بار بار اس میں اضافہ ہوتا رہا، اب جو ہے اس سے سب واقف ہیں۔ فرض کیجیے کسی کے پاس پچاس سال قبل کا ایک غیر مستعملہ کارڈ موجود ہے اور وہ اسے ڈاک کے ڈبے میں ڈالے اور بعد میں بیرنگ کرنے والے افسر سے حجت کرے کہ یہ ملک کی واقعی و حقیقی (جائز) حکومت کے قانون کے

Marfat.com

مطابق ہے، تو ہر شخص اس حجتی کو جواب دے گا کہ وہ تو پرانا قانون تھا، اب تازہ ترین احکام پر عمل کرنا چاہیے!

اسلام بھی یہی کہتا ہے انبیائے سلف کے صحائف خدا کا کلام اور واجب الاحترام ہیں لیکن اسی خدا نے جو تازہ ترین حکم دیا ہے اس کو نظر انداز کرنا، اور پرانے قانون سے چمٹے رہنا صحیح اطاعت نہیں بلکہ معصیت ہی معصیت ہے۔ اصول قانون کا ایک اساسی اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ ایک قانون جس مقتدر کے حکم سے نافذ ہوتا ہے اسے منسوخ یا تو وہی مقتدر یا اس سے بالاتر مقتدر کرسکتا ہے، فروتر مقتدر نہیں، مثل خدا کے حکم کو جب چاہے خدا ہی بدل سکتا ہے، کوئی نبی یا کوئی فقیہ اسے بدلنے کا مجاز نہیں۔ نبی کی سنت ہو تو اسے نبی منسوخ کرسکتا ہے اور خدا بھی، لیکن کوئی فقیہ یہ نہیں کرسکتا کسی فقیہ کا اجتہاد حدیث و قرآن سے بھی منسوخ ہوسکتا ہے۔

خود وہ فقیہ بھی بعد میں اپنی رائے بدل سکتا ہے (نیز کسی قابل تر فقیہ کی رائے دوسری ہو تو وہ بھی عوام میں مقبول تر ہوسکتی ہے) اسی بناء پر سارے انبیاء کی کتابیں قابل احترام رہتی ہیں۔ آخری نبی کی لائی ہوئی کتاب پر عمل کرنے سے ان کی توہین نہیں بلکہ ان کتابوں کے مؤلف (خداوند تعالیٰ) کی اطاعت ہی مقصود ہوتی ہے۔

ضمناً یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو نبی انبیاء سلف کی (منسوخ) کتابوں کا اتنا احترام کرتا ہو اس کے متبعین میں اندرونی ''اختلاف رائے'' (فرقہ واریت) میں خون خرابہ تو نہیں ہونا چاہیے۔

وحدت و مرکزیت

اسلام نے اولادِ آدم کی مرکز گریزی کو روک کر ان کے مکرر اتحاد اور مرکز کشی کی کئی تدبیریں اختیار کیں۔ عہد نبوی میں بھی بہت سے مسلمان غیر مسلم ''مملکتوں'' میں رہتے تھے۔ اس کے باوجود سب کا کعبہ، سب کا قانون (قرآن) اور سب کا رسول ایک رکھا گیا۔ نئی دنیا (امیرکا) ہو کہ پرانی دنیا، قطبین پر بسنے والے ہوں کہ خط استواء والے، نماز میں سب کو کعبے ہی کی طرف متوجہ ہونا، حج کے لیے اسی جگہ جانا ہوتا ہے، روزہ اسی رمضان میں رکھنا ہوتا ہے (چاہے خط استواء سے اوپر کے علاقوں میں اس وقت موسم سرما، اور خط استواء سے نیچے کے علاقوں میں وہی وقت موسم گرما کیوں نہ ہو) رنگ دار لوگ ہوں کہ بے رنگ، مرد ہوں کہ عورت، ہر ملک کے مسلمان کا قانون بھی مشترک رکھا گیا۔

Marfat.com

نماز کی زبان بھی ساری دنیا کے لیے ایک رکھی گئی ہے جس کے بعض پہلو قابل ذکر ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو قرآن نے اُم المؤمنین (سارے مسلمانوں کی ماں) قرار دیا ہے۔ ساری ہی عربی بولتی تھیں۔ گویا عربی سارے مسلمانوں کی مادری زبان ہے۔ یہ عربوں کی بولی نہیں بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، قرآن و حدیث کی اور امہات المؤمنین کی زبان ہونے کے باعث مسلمانوں میں اذان و نماز کے لیے اختیار کی گئی ہے۔

مسلمانوں میں اذان و نماز کے لیے اختیار کی گئی ہے۔ ورنہ فرض کیجیے آپ چین جائیں اور وہاں کی کسی پگوڈا شکل والی عمارت میں سے کوئی چنگ چانگ چونگ کر کے چلانے لگے اور آپ کو معلوم نہ ہو کہ وہ اللہ اکبر کا ترجمہ اور اذان دے رہا ہے تو پابند نماز غیر چینی کا کتنا بڑا نقصان ہوگا۔ آپ اپنے سابق حاکم و دشمن انگریز کی زبان کو تو ''بین الاقوامی'' کہہ کر خوشی خوشی قبول کرتے ہیں۔ امہات المؤمنین کی یعنی آپ کی اپنی مادری زبان کو کیا آپ بھلانا یا انظر انداز کرنا پسند کریں گے۔

ء

عوام سے تماس

پیغمبر کا ''تقرر'' خدا کرتا ہے، انسان اسے ''مامور'' نہیں کرسکتا بلکہ ''تسلیم'' کرنے میں اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ یہ تسلیم ایک بیعت یعنی ایسے معاہدے کے ذریعے سے ہوتی ہے جس میں ایک فریق اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کی پیش کش کرتا ہے اور دوسرا اسے قبول کرتا اور اس طرح مُطاع اور فرمانروا بنتا ہے۔

لیکن ظلم ہی نہیں، غلط فہمیوں کے باعث بھی راعی و رعیت میں بدگمانی یا بدمزگی پیدا ہوسکتی ہے۔ اس لیے رائے عامہ سے مدامی تماس اور مسلسل باخبری راعی و رعایا دونوں کے حق میں مفید ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایسے نفسیاتی طریقے سے انجام دیا کہ اس سے زیادہ مؤثر تدبیر ممکن نہیں معلوم ہوتی یعنی آدمی کو قبل از وقت پکڑے جانے سے اور سزا پانے کا ڈر بدعنوانی اور سازش سے باز رکھتا ہے۔ (ساری حکومتیں خفیہ پولیس کی مدد سے ایسا کرتی ہیں) اسلام اس سے نہیں روکتا۔ بلکہ عہد نبوی کا نظام خبر رسانی حیرت انگیز طور پر ہمہ گیر نظر آتا ہے۔ لیکن حکمران اگر مسلسل بد اطواری میں مبتلا ہے تو عوام کے صبر کا پیالہ ایک دن لبریز ہو جاتا ہے اور جان پر کھیل کر وہ

Marfat.com

ظالم اوراس کے کارندوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور بعض وقت ہوس پرست طالبان اقتدار منصف وعادل کے خلاف بھی سر اٹھاتے ہیں۔اس لیے صرف مادی تہدید کافی نہیں معلوم ہوتی۔

بنا برآں پیغمبر اسلام نے دنیا کو دین میں سمونا مناسب خیال فرمایا، اور روزانہ پانچ وقت باجماعت نماز فرض فرمائی۔اس روحانی عمل کا دنیوی پہلو یہ ہے کہ محلے کے سارے لوگ سرکاری ملازم، تاجر، کاریگر، عوام حتیٰ کہ مرد ہی نہیں عورتیں بھی سارے کام ملتوی کر کے ہر روز پانچ مرتبہ چند منٹ کے لیے مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ جہاں محلے کا سب سے بڑا سرکاری افسر امامت کراتا ہے۔اوّل تو مسجد کا ماحول خدا کا ڈر پیدا کرتا اور آدمی کو حق وانصاف پر مائل کرتا رہتا ہے۔دوسرے اہالی محلّہ میں سے کسی کو مضرّت پہنچی ہو اور معمولی عدالتی چارہ جوئی ناکام ثابت ہوتی ہو تو وہ امام یعنی محلے کے سب سے بڑے سرکاری افسر سے براہِ راست رجوع کرنے کا روزانہ پانچ وقت موقع پاتا ہے۔اگر یہ افسر دادرسانی نہ کرتا یا نہ کرسکتا ہو تو متعفر شہر کی مرکزی مسجد میں شہر کے سب سے بڑے افسر سے، اور بدرجۂ آخر دارالسلطنت جا کر وہاں کی جامع مسجد میں رئیس مملکت سے رجوع کرسکتا ہے۔ان پنجوقتہ اجتماعوں میں مصلّیوں یعنی عوام کی آپس کی گفتگو سے رائے عامہ کا روزمرہ رجحان بہ آسانی حکومت کے کانوں تک پہنچتا رہتا ہے۔(شیوعی نظام میں محلّہ وار اڈے Cells اسی کی ادھوری نقل ہیں اور غیر شیوعی ملک میں اسی وسیلے سے رائے عامہ کو متاثر بلکہ مسموم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں)۔اس مسجدی تماس میں ہر ہفتہ حکومت کو موقع ملتا ہے کہ خطبۂ جمعہ کی مدد سے اپنی سیاست کی اساس، وجوہ اور تفاصیل سے عوام کو باخبر رکھے۔مسجدیں اور عیدگاہیں اہل ملک کے لیے کافی ہیں۔ایک عالمگیر مذہب کے لیے وسیع تر نظام کی ضرورت تھی۔ اسے حج کے ذریعے پورا کیا گیا۔ساری دنیا سے اہل ملت خدا کے گھر (کعبہ، بیت اللہ) کے پاس خشوع وخضوع سے حاضر ہوتے ہیں اور وہاں اسلامی حکومت ان کو مکہ، عرفات، منیٰ ہر جگہ خطبات کے ذریعے اپنی سیاسیات کے اصول سے واقف کرتی ہے اور حاجیوں کی مدد سے ان کے ہم وطن سارے مسلمانوں کو بھی۔

Marfat.com

دفاع

داخلی اور خارجی امن کو برقرار رکھنے کے لیے فوج کی ضرورت ہوتی ہے۔ جان کے خطرے کے باعث لوگ فوجی خدمت سے گریز کرتے ہیں۔ اس گتھی کو بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حل فرمادیا۔ جہاد ایک دنیوی چیز نہیں بلکہ ایک خدائی فریضہ ہے۔ جیو تو غازی اور مرو تو شہید اس سے بڑی سعادت کوئی اور نہیں۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان رضا کارانہ طور پر ہر وقت فوجی خدمت پر کمربستہ رہتا ہے۔

فوج کی تربیت اور استعمال اسلحہ کی تعلیم کے علاوہ عہد نبوی ہی سے فوجی وظائف کا نظام شروع ہوگیا تھا (جیسا کہ شرح السیر الکبیر میں امام محمد شیبانی نے وضاحت کی ہے) اسی کو بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترقی دے کر دیوان کا نام دیا تھا۔

فوجی مصالح میں روزہ بھی ایک اہم جگہ رکھتا ہے نپولین حسرت سے کہتا تھا کہ ''اگر مجھے فوج کے لیے مسلمان ملیں تو ساری دنیا فتح کرلوں کہ بھوک پیاس کا تحمل ان سے بڑھ کر کسی میں نہیں ہوتا۔''

حکمران سے متعلقہ امور

عہد نبوی ہی سے بیعت کے طریقے کا رواج ہوگیا تھا۔ بعد میں سارے خلفاء اس کو رائج رکھنے اور اسی کے ذریعے سے عوام کی طاقت کا اطمینان حاصل کر کے منبر سلطنت وحکومت پر بیٹھتے ہیں۔

جانشینی کو ہمیشہ حرص وحسد کے باعث پیچیدگی سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا حل کسی نے موروثی بادشاہت سے کرنا چاہا تو کسی نے موقتی صدارت جمہوریہ کے ذریعے سے موروثی بادشاہت میں خرابی یہ ہے کہ وہ ولی عہد شہزادہ ناز ونعمت سے پل کر اکثر نااہل بن جاتا ہے اور اس کے دور حکومت میں چاپلوس درباری مصیبت ڈھانے لگتے ہیں۔ جمہوریت میں اگر فرض بھی کرلیں کہ قابل ترین شخص ہی کا انتخاب ہوتا ہے اور دولت کا اثر نہیں پڑتا، تو بھی صدارت کی مدت محدود ہوتی ہے۔ حکمرانی کے جزئیات سے واقف ہوتے ہوئے ہی صدارت کی آدھی مدت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر انتخاب مکرر کی آرزو ہو تو ماقبی مدت میں انصاف سے زیادہ انتخاب پر اثر انداز افراد

کو خوش رکھنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے اور ملک اس قابل شخص کو اس کا موقع ہی نہیں دیتا کہ دلجمعی سے اصلاح و ترقی کے کاموں میں منہمک رہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے امام حسن کو اپنا جانشین بذریعہ وصیت نامزد کیا، اگر ایسا ہی ہے تو موروثی بادشاہت خلفائے راشدین کی سنت سمجھی جائے گی۔ یوں بھی قرآن مجید میں جمہوریت کا کہیں بھی ذکر نہیں، صرف بادشاہوں کا ہے، اچھے ہوں (جیسے داؤد وسلیمان علیہما السلام) یا بُرے ہوں (جیسے فرعون ونمرود علیہما اللعنہ) مزید برآں " وَرِثَ سلیمان داؤد " (حضرت سلیمان، حضرت داؤد کے وارث بنے) کی صراحت بھی قرآن ہی میں ہے۔ ابتدائی تین خلفائے راشدین میں تو خانوادگی کا یہ عنصر نہ تھا۔ اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ بادشاہت اور جمہوریت یا کوئی اور طریقہ حکومت، اسلام میں کوئی بھی ممنوع نہیں (یہ عوام کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے) اصل مطالبہ خدا ترسی اور انصاف کے ساتھ حکومت کرنے کا ہے۔

اس کے باوجود خلفائے راشدین کو صدر جمہوریت کہنا صحیح نہیں کیونکہ ان کا انتخاب موقتی نہیں بلکہ تاحیات ہوا تھا۔ مدت حکومت کے لحاظ سے یہ جمہوریت کی جگہ بادشاہت سے مشابہ نظر آتے ہیں اور طریقۂ جانشینی میں بادشاہت کی جگہ جمہوریت سے مشابہ ہیں۔ اور کہنا پڑتا ہے کہ اسلامی خلافت ایک نیا طریقۂ حکومت ہے اور اپنی آپ نظیر خلیفہ مادام الحیات حکمران بنتا لیکن ضرورت پر قابل عزل بھی ہوتا ہے۔

دوسرا نکتہ عہد نبوی ہی سے یہ نظر آتا ہے کہ صدر حکومت بھی ملک کے عام قانون کے ماتحت ہے۔ اسے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد رعیت بھی عدالت میں نالش کر کے حق رسانی پر مجبور کر سکتا ہے۔ وہ ہر شخص کے سامنے جواب دہی پر مجبور ہے۔

عہد نبوی ہی سے مشورتی نظام اسلامی حکومت کی اساس ہے۔ نمائندگان ملک کے چناؤ کے طریقے کو کوئی اہمیت نہیں، اہمیت اس کو ہے کہ وہ واقعی رائے عامہ کی نمائندگی کرتے اور رعایا کے معتمد ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت کے بعد ہی مدینہ منورہ میں ایک شہری مملکت قائم فرمائی اور اس کے لیے ایک تحریری دستور مرتب فرما کر نافذ فرمایا (جو دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلا اور سب سے قدیم تحریری دستور مملکت ہے اور لفظ بہ لفظ ہم تک پہنچا ہے)

Marfat.com

اس دستور میں راعی اور رعایا کے حقوق اور واجبات کی بھی تفصیل ہے، غیر مسلم رعایا کی مذہبی اور سماجی وعدالتی آزادی کا بھی، قانون سازی اور دفاع کا بھی، سماجی بیمے کا بھی، غرض اُس زمانے کی ساری سرکاری ضرورتوں کا ذکر ہے۔

اسلام کا عام قانون قرآن مجید میں ہے۔ اس کی تدوین وتحفظ کا جو انتظام ہوا وہ تاریخ مذاہب میں یگانہ ہے۔ جیسے ہی کوئی آیت نازل ہوتی، کاتب کو بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم املاء کراتے اور اس کی نقلیں ساری رعایا میں پھیلاتے (دینی کتاب صرف پجاریوں اور پادریوں کا اجارہ نہیں، ہر مسلمان کا انفرادی ورثہ ہے) اور ہر نئی آیت کے نزول پر اس کی جگہ پر متعین فرماتے (کیونکہ تاریخ نزول کے میکانیکل طریقے پر تدوین مطلوب نہ تھی بلکہ مباحث کے سیاق وسباق کے لحاظ سے) پھر ہر سال ماہ رمضان میں ''عرضہ'' ہوتا یعنی اس وقت تک کے نازل شدہ قرآن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پبلک طور پر تلاوت فرماتے (اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام بھی حاضر رہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سہو لاحق ہو تو فوراً لقمہ دیں) اور مسلمان اپنے نجی نسخے لا کر سنتے اور ضرورت پر ان کی اصلاح کرتے۔ آخری سال تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احتیاطاً دو مرتبہ سارے قرآن کی تلاوت فرمائی تھی۔ اسے ''عرضۂ اخیرہ'' کا نام دیا جاتا ہے، یہی نہیں تحریر کے ساتھ حفظ کا بھی حکم دیا کہ نماز میں ہر روز پانچ مرتبہ پڑھتے رہیں اور صرف یہی نہیں حکم دیا کہ مستند استاد سے تعلیم پا کر اطمینان کر لیں کہ اپنا نسخہ صحیح ہے اور اپنا حفظ بھی صحیح ہے۔ یہ طریقہ نسلاً بعد نسل چلتا ہوا آج تک جاری ہے۔ میں نے خود مدینہ منورہ میں شیخ القراء حسن الشاعر صاحب سے ناظرہ پڑھ کر سند لی، میرے پاس جو تعلیمی (جامعاتی) اسناد ہیں ان میں سب سے مؤقر یہی قرآنی سند ہے جسے میں ہر وقت حرز جان بنائے رکھتا ہوں۔

حدیث کی تدوین بھی صحابہؓ نے نجی طور پر عہدِ نبوی ہی سے شروع کی۔ اسلامی قانون کے یہ دو بڑے ماخذ یعنی قرآن وحدیث، دنیا کی کسی بھی دوسری دینی یا دنیوی کتاب سے تحفظ اور صحت میں بخوبی مقابلہ اور مسابقہ کرتے ہیں۔

محاصل اور سرکاری آمدنی

قرآن مجید نے کیا خوب کہا کہ افراد ہوں کہ اجتماع، انسانیت کا قیام و بقا مال پر منحصر ہے (اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما) حکومت کے لیے بھی مال کی ضرورت تھی۔ نماز اور جہاد کی طرح اس کو عبادت بنا کر ذہنوں میں اس طرح راسخ کیا گیا کہ حکومت کو خبر نہ ہو بھی تو رعیت خود اپنا واجبہ ادا کرتی ہے۔ عہد نبوی میں گھوڑے زکوۃ سے مستثنیٰ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ گھوڑوں کے ریوڑ ہونے لگے تو لوگ اپنے گورنر کے توسط سے خلیفہ سے بار بار اصرار کرتے رہے کہ ''گھوڑوں سے بھی زکات لے کر ان کے مال کو گندگیوں سے پاک کیا جائے'' کئی بار انکار کرنے کے بعد آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ دینا ہی چاہتے ہیں تو لے لو، یہ ان کا تبرع ہے۔

قرآن میں سرکاری ٹیکس کو زکات، صدقہ، حق اور نصیب چار مترادف الفاظ میں بار بار بیان کیا گیا ہے یہ خیرات نہیں ہے۔ (جو انفاق فی سبیل اللہ، اور خدا کے قرضہ حسنہ کے نام سے بیان ہوئی ہے) کیونکہ خیرات کا نہ وقت مقرر ہوتا ہے، نہ مقدار ہوتی ہے اور نہ جنس، اور نہ اس پر جبر کیا جا سکتا ہے، زکات میں یہ سارے عناصر ہیں۔

دنیا میں قدیم سے آمدنی کے قوانین اور احکام ہر جگہ ملتے ہیں، خرچ حکمران کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلام میں آمدنی کے مدات، شرح محصول اور دیگر تفصیلوں سے قرآن نے سکوت برتا ہے (گویا رعایا پرور حکومت اور اس کے نمائندے حسب ضرورت قواعد بنائیں، لیکن خرچ کی ساری مدات کو (سورہ نمبر ۹ آیت نمبر ۶۰) میں پوری تفصیل سے بیان کیا گیا۔ (انما الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین. الآیہ) یہاں میں تفصیل میں نہیں جاتا کہ اسے پہلے کئی بار اپنی کتابوں اور مضمونوں میں لکھ چکا ہوں، مگر صرف یہ عرض ہے کہ محصول کی ادائی کو عبادت بنا کر دنیا و دنیا میں اتصال پیدا کیا گیا۔

Marfat.com

قانون کی اصلاح وترقی

انسانی معاشرے میں بعض اٹل حقیقتیں ہیں (دواور دو چار ہوں گے چاہے اقلیدس کے آباواجداد کے زمانے میں ہو یا آینشٹاین کی اولادواحفاد کے عصر میں۔ اسی طرح قتل، چوری، زنا وغیرہ کو ہر سماج براہی قرار دے گا) بعض اور چیزیں فطرت نہیں بلکہ ماحول کے تقاضے پر انسان کرتا ہے۔ اس لیے ان میں حالات کے لحاظ سے تبدیلی ہوسکتی ہے، مزید برآں احکام کی شدت میں درجہ بندی بھی ہوتی ہے۔ ٹیکس کی عدم ادائی پر سزا دی جائے گی۔ خیرات سے انکار پر عوام میں فضیحت چاہے ہو، جبر کا سوال نہ ہوگا۔ اگر چہ زکات اور خیرات دونوں کی قرآن تاکید کرتا ہے۔

اسی لیے قرآن وحدیث میں واجبات اور محرمات صرف گنتی کی ہیں۔ مستحبات اور مکروہات کی تعداد کسی قدر زیادہ ہے۔ باقی ساری چیزیں مباح اور انسان کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہیں اور اس کے ضمیر پر اعتماد کیا گیا ہے۔

یہ دلچسپ مشاہدہ ہے کہ قرآن نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا حکم ایسے الفاظ میں دیا جو بڑے معنی خیز ہیں۔ ''معروف'' کے معنے ہی یہ ہیں کہ وہ چیز جسے سب جانتے ہوں اور جس کا اچھا ہونا ہر شخص مانتا ہو، منکر کے معنے ہیں جو چیز نامعلوم ہو، جس کا مطلق رواج نہ ہو گویا اشیاء احکام کا حسن وقبح انسانی فطرت کے مطابق اور معقول چیز ہے، وہ من مانا حکم نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کی عقل ہی موٹی ہو اور ذرا دیر سے کوئی بات سمجھتی ہو۔

ماحول کی تبدیلی سے نئے تقاضے پیدا ہوسکتے ہیں۔ اسے عہد نبوی ہی میں محسوس کرلیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کا حکم بنا کر بھیجا۔ رخصتی کے وقت یہ گفتگو ہوئی: ''معاذ! کس طرح فیصلے کیا کرو گے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''جس طرح اللہ کی کتاب میں حکم ہے! ....''اگر قرآن میں حکم نہ ہو تو؟'' ......اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق! ......اگر اس میں بھی کوئی وضاحت یا نظیر نہ ملے تو؟ ......تو پھر اپنی ذاتی رائے سے اجتہاد (کوشش) کروں گا! ...... خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرستادے کو ایسی چیز کی توفیق دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پسند ہے!

Marfat.com

یہ تو نئے آئین کے متعلق ہے۔ پرانے مسائل جن کے متعلق قرآن و حدیث میں صراحت ہے ان کے متعلق ابھی وضاحت کی گئی کہ ان میں ساری چیزوں کا یکساں حکم نہیں ہے بلکہ احکام میں واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح کی پنجگانہ تقسیم ہے۔ واجب و حرام جن پر مجبور کیا جاتا ہو محدود اور بہت کم تعداد میں ہے اور ان کی حیثیت واقعۃً ریاضیاتی حقائق کی طرح ہے کہ بدلنے کی اجازت بھی ہو تو کوئی عقل اسے بدلنا نہیں چاہتی۔ مستحبات اور مکروہات کی خلاف ورزی پر چاہے لعنت ملامت کی جائے، کوئی سزا نہیں دی جاتی۔ مباحات کو عارضی طور پر واجب یا عارضی طور پر ممنوع بوقتِ ضرورت نمائندگانِ ملت کر سکتے ہیں۔

مسلمانی کی تعلیم

صحیح بخاری وغیرہ میں ایک بڑی مشہور حدیث ہے کہ ایک دن جبریل ''بھیس بدل کر'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس طرح آئے کہ سب لوگ دیکھتے اور سنتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان، اسلام اور احسان سے کیا مراد ہے؟

(ایمان میں عقائد یعنی خدا، رسول، قیامت، قضا و قدر کا ذکر کیا، اسلام میں نماز، روزے، حج اور زکات کا۔ اور احسان کے معنے بتائے '' خدا کی بندگی یا اس کے احکام کی تعمیل اس طرح کرنا کہ گویا اس کے حضور اس کی موجودگی میں کر رہے ہو، اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے، لیکن وہ تمہیں دیکھتا رہتا ہے۔'' ظاہر ہے کہ جب یہ احساس فکر و دماغ پر چھا جائے گا تو کس کی مجال ہے کہ برائی کا خیال بھی کر سکے۔''

اسی ''احسان'' کو علم تصوف میں بیان کیا جاتا ہے۔ تصوف آجکل بدنام ضرور ہے لیکن وہ اتنا بد نہیں، ایک ''راز'' کی بات کہتا ہوں۔ آج کل شہر پیرس میں کوئی دس ہزار نو عمر فرنگی ہیں، ان میں یونیورسٹی کے پروفیسروں سے لے کر گھر کے ملازموں چوکیداروں تک ہر طبقے کے لوگ ہیں۔ اب تو خانقاہوں میں پچیس پچیس سال سے بندرا بہ عورتیں بھی تین کو ایک کرنے لگی ہیں۔

ان سے وجہ دریافت کرو تو ننانوے فیصد آپ سے اقرار کریں گے کہ وہ تصوف کے باعث مسلمان ہوتے ہیں۔ عقلی چیزوں کو مسلمان بنے بغیر اور کافر رہتے ہوئے بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کو دماغ اور عقل کے لیے نہیں دل اور طمانیت روح کے لیے قبول کرنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

نماز کی طرح جمناسٹک (کسرت) کہنے سے وہ میلان نہیں ہوتا جتنا یہ کہنے سے کہ وہ کائنات کی عبادت کا خلاصہ ہے۔ جمادات ہمیشہ کھڑے رہتے ہیں، حیوانات سارے ہی رکوع کی حالت میں ہیں۔ نباتات کا منہ (جڑ) ہمیشہ سربسجدہ ہے۔ اسلامی نماز نہ صرف ان تینوں حرکات کی جامع ہے بلکہ التحیات کے ذریعے سے معراج دلا کر حضور خداوندی میں پہنچا دیتی ہے، جہاں خدا سے دوبدو مکالمہ سلام وجواب کا شرف حاصل ہوتا ہے جو کسی اور مخلوق کو میسر نہیں۔

اسی طرح حج کو بین الاقوامی تجارتی میلہ یا سیاسی کانفرنس کہنے سے فرنگیوں کو وہ چیز نہیں ملتی جس کی ان کو ان کی اپنی مادی کثیر ترقی کے باوجود تلاش ہے۔ بارہا حج کے مندرجہ ذیل پہلو ان کو متاثر کرتے نظر آئے۔ اولاً کعبے کا بیت اللہ کہلانا، ایک حدیث قدسی میں خدا ارشاد فرماتا ہے: "نہ مجھے میری زمین کی وسعت کافی ہوئی اور نہ میرے آسمان کی وسعت، البتہ ایک متقی مومن کے دل کی وسعت مجھے کافی ہوگئی" گویا مومن کا دل خدا کا گھر ہے، جب بوجوہ ایک گھر بنانے کی ضرورت ہی ہوئی تو اسے دل کی شکل کا ہونا ناگزیر تھا۔ لغت تاج العروس کے مطابق لفظ "کعبہ" کے معنے ہیں مربع اور مدوّر ہونا (تربیع واستدارہ) یہ عجیب وغریب لفظ ہی بیت اللہ بن سکتا تھا اور کعبہ ہے بھی ایسا کہ ایک مربع پر ایک نیم دائرہ لگا ہوا دل کی شکل بھی ایسی ہی ہے۔ خدا کی توصیف انسان کیسے کر سکتا ہے۔ جب کرنا ہی پڑا تو اس نے اپنے ماحول اور اپنی زبان سے وہ لفظ چنے جو سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے کمزور کی نمائندگی کریں کہ خدا اور انسان کا تناسب ایسا ہی ہونا چاہیے۔ خدا "بادشاہ" (الملک القدوس) ہے اور انسان اس کا "بندہ" اور غلام (عبد) ہے۔ جب یہ رمز اختیار کر لیا گیا تو اس کے نتائج بھی قبول کرنے پڑے۔ قرآن ہی کے مطابق اس بادشاہِ حقیقی کے پاس ایک تخت (عرش) ہے۔ اس کے پاس خزانے اور فوجیں ہیں۔ (للہ خزائن السماوات والارض ، للہ جنودُ السماواتِ والارض) ملک میں ایک دارالسلطنت اور صدر شہر بھی ہونا چاہیے۔ زمانہ ماقبل اسلام سے مکہ مکرمہ کا نام اُمّ القریٰ (شہروں کی ماں) ہے۔ اردو میں تو نہیں فرنگی زبانوں میں یہی نام (میٹروپولس) دارالسلطنت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دارالسلطنت میں قصر شاہی ہونا چاہیے۔ بیت اللہ یہی چیز ہے، جب کسی بادشاہ کی اطاعت کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو لوگ قصر شاہی پر حاضر ہو کر بادشاہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اب کسی کو حیرت نہ ہو کہ ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض" (حجر اسود زمین میں خدا کا دایاں ہاتھ ہے) حاجی اس پر ہاتھ

Marfat.com

مارتا اور بوسہ دیتا ہے تو اسے بیعت ہی کا نام دیا جاتا ہے، ایسے مطیع لوگوں ہی کو قصر شاہی کا سنتری بنایا جاسکتا ہے جو اس کے اطراف طواف کرتے ہوئے اس کی حفاظت کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

روزے کے مادی فوائد بیان ہوئے لیکن اس کی تعداد میں بھی رمز ہے۔ ادیانِ سلف کی طرح قرآن نے بھی خدا کی اس مرحمت ونوازش کا ذکر کیا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنا ثواب ملے گا (من جآء بالحسنة فله عشر امثالها) یعنی اپنی ساری جائیداد خدا کو دینے کی ضرورت نہیں، اسکا دسواں حصہ کافی ہے، اسی لیے زراعت کا عشر خدا کے لیے دیا جاتا ہے، اور اسی لیے انسان اپنی غذا اور خوراک کا بھی دسواں حصہ خدا کی نذر کرتا اور اس زمانے میں کچھ نہیں کھاتا ہے۔ رمضان کے (۲۹ یا ۳۰) روزے، پھر شوال کے چھ روزے رکھنا حدیث شریف کے مطابق سال بھر روزہ رکھنے کے مترادف ہے۔ انتیسا رمضان ہو تو ۳۵ دن، تیسا ہو تو ۳۶ دن روزے ہوئے، ان کا دس گنا ۳۵۰ اور ۳۶۰ دن اور ان کا اوسط ۳۵۵ دن ہوئے۔ قمری سال کے دن اتنے ہی ہوتے ہیں۔

دیگر ادیان میں مادی رمز (بت) اختیار کیے جاتے رہے۔ اسلام نے مجرد تصورات پر اکتفا کی کہ انسان اب بچکانی کھلونوں کا محتاج نہیں، وہ مجرد مفہوم کی قدردانی کرسکتا ہے۔

اس روحانی دنیا میں بھی ایک سیاسی نظام نظر آتا ہے۔ یمن کا قبیلہ ہمدان مسلمان ہونے آیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر فرمایا کہ ان میں" اسلام کے ابدال اور اوتاد ہوں گے" (طبقات ابن سعد، جلد اول، حصہ دوم صفحہ ۷۴، مطبوعہ لائیڈن) مسند ابو داؤد اور مسند ابن حنبل کے مطابق امام مہدی کے ظہور پر شام کے اوتاد ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے، سیوطی نے احادیث کی مدد سے ایک پورا رسالہ ہی لکھا ہے " النجر الدال علی وجود القطب والنجباء والابدال والاوتاد" جس طرح عام وزراء کے علاوہ صدر مملکت کی اپنی کیبنٹ ہر صیغے کے متخصص سیکرٹری ہوتے ہیں اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے ظاہری بادشاہوں، حکمرانوں اور ان کے ماتحتوں کی طرح دنیا کے باطنی انتظام کنندہ قطب نجباء، ابدال اور اوتاد ہوتے ہیں۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

Marfat.com

دیگر تعلیمات

اسلام نے شراب اور جوئے (بشمول لاٹری) کی ممانعت کی ہے۔شراب میں فائدہ ہی فائدہ ہوتو بھی یہ ایک مشاہدہ ہے کہ مدہوشی کے عالم میں آدمی اپنے قابو سے نکل جاتا ہے، آج کل ثروتِ قومی کی سب میں مساوی تقسیم کا غلغلہ ہے۔غور کریں تو نظر آتا ہے کہ لاٹری کے ذریعے سے لاکھوں آدمیوں کو مسلسل قلاش بنا کر ایک آدمی کو لکھ پتی بنایا جاتا ہے اور ہر ہفتہ ہر روز اس کا سلسلہ باضابطہ طور پر جاری رہتا ہے کیا یہ اشتراکیت کا معاون ہوگا یا مخالف۔

پیرس میں سفیروں، وزیروں وغیرہ کی بیویوں کا ایک زنانہ کلب ہے، مجھے ایک دن وہاں ''مسلمان عورت'' پر تقریر کرنے بلایا گیا، تقریر کے بعد تقریر پر تو کسی کو اعتراض نہ ہوا، ایک بیگم صاحبہ نے جو غالباً میکسیکو کے سفیر کی بیوی تھیں، یہ سوال کیا ''مگر آپ عورتوں کو پردے نقاب پر کیوں مجبور کرتے ہیں؟'' میں نے کہا: ''آپ اپنے ہاتھ کے چمڑے اور اس کے رنگ کا مقابلہ اپنے جسم کے سدا ڈھکے رہنے والے اعضاء کے چمڑے اور رنگ سے کیجیے کہ کون ملائم تر ہے؟

کسی پرندے کے بیرونی پروں کا اسی کے پکوٹھے کے اندر کے پروں سے مقابلہ کیجیے۔

بلی کی پیٹھ اور پیٹ کے بالوں کا مقابلہ کیجیے۔ دیہاتی کسان عورت کا شہر کی بڑے گھرانے کی عورت کے رنگ و روپ میں مقابلہ کیجیے جو عضو سورج کی شعاعوں سے ڈھکا رہتا ہے اس کی طراوت زیادہ اور دیرپا ہوتی ہے۔ پردہ عورت کی جمالیات کے لیے ہے۔'' جب میں رخصت ہونے لگا تو بیگم صاحبہ نے مسکراتے ہوئے کہا میں آج سے پردہ شروع کرتی ہوں۔''

(ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور۔ ۸/اپریل ۱۹۷۴ء)

تقویم

Marfat.com

Marfat.com

عہدِ نبوی کے واقعات کے لیے تقویمی پیچیدگیاں

عجیب اور افسوسناک اتفاق کی بات ہے کہ جب میں پاریس میں تھا کہ میرے نام مضمون طلبی کا خط استنبول کے ایک ہوٹل کے پتے پر بھیجا گیا جہاں وہ کئی ماہ پڑا رہا۔ پھر جب میں ترکی گیا اور خوش قسمتی سے میں اسی ہوٹل میں ٹھہرا تو خط تو ملا لیکن تاریخ گزر چکی تھی۔ میں نے معذرت لکھ بھیجی تو مدت توسیع کا خط پاریس بھیجا گیا! وہاں سے استنبول آتے آتے کئی ہفتے لگ گئے، تاریخ ثانی بھی گزر کر عرصہ ہو چکا ہے۔ بہر حال مرحوم پروفیسر محمد شفیع میرے حال پر اتنے مہربان تھے کہ ان کی یادگار میں شرکت کے لیے سارے کام ملتوی کرتا ہوں۔ لیکن شدید عجلت کا نتیجہ ہے کہ برجستہ اور قلم برداشتہ کچھ لکھ سکتا ہوں، تحقیق کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ''یار زندہ صحبت باقی'' کہہ کر اپنے ہی کو تسلی دے لیتا ہوں اور ناظرین سے معذرت خواہ۔

عہدِ نبوی کے حالات جو کوئی اصل عربی ماخذوں میں پڑھتا ہے، وہ اس سے واقف ہے کہ بعض وقت ایک ہی چیز کے واقع ہونے کی تاریخ مختلف مؤرخوں یا راویوں کے ہاں مختلف ہوتی ہے۔ اس پر سہولت پسند یا اعتراض پسند اہل قلم، خصوصاً مغرب میں، فوراً یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ عربوں (مسلمانوں) میں حساب اور ضبط تاریخ کا ملکہ کم رہا ہے۔

Marfat.com

ایک دوسری پیچیدگی خودان مستشرقین کی پیدا کردہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کو فرنگی تقویم میں کس تاریخ سے شمار کریں؟ کوئی ۵۶۹ء کہتا ہے، کوئی ۵۷۰ء کوئی کچھ اور۔

کئی فرنگی مؤلفوں نے بڑی محنت کر کے تقابلی جنتریاں بھی شائع کی ہیں کہ ھجری اور عیسوی تاریخوں کو آغاز ہجرت سے آج تک مہینے اور دن کے تعین کے ساتھ مرتب کریں۔ وستنفلد کی جرمن کتاب ذرا پرانی ہوگئی ہے اور اس میں مہینے کے آغاز کا دن بتا دیا گیا ہے۔ کاتنوز Cattenoz نے اس سے بھی زیادہ محنت کی ہے اور ہجری مہینوں کے انتیسے یا تیسے ہونے کا بھی تعین کیا ہے کہ اس طرح ہجری اور عیسوی مہینوں اور ان تاریخوں ہی کا نہیں بلکہ دن کا نام بھی فوراً پتا چل جاتا ہے۔ لیکن اس دیدہ ریز محنت کے باوجود ان کی کتابیں نا قابل استعمال یا نا قابل اعتماد ہیں کیونکہ یہ دونوں مؤلف صراحت کرتے ہیں کہ محرم ہمیشہ تیسا ہوتا ہے! اور ہر دو تین سال کے بعد ذی قعدہ اور ذی حجہ دونوں کو مسلسل تیسا کیا جاتا ہے۔ اور جہاں تک کاتنوز کی تقابلی جنتری میں میں نے دیکھا رمضان بھی محرم ہی کی طرح ہمیشہ تیسا ہوتا ہے! چونکہ ان ماہر ریاضی دانوں کے فیصلوں کی عالم بالا میں تعمیل نہیں ہوتی اور چاند کا سلخ وغرہ کسی اور ہی حساب پر چلتا ہے، اس لیے جب کبھی مثلاً کسی عربی تاریخ میں کسی واقعہ کا ذکر روز (شنبہ یکشنبہ وغیرہ) تاریخ (پہلی دوسری وغیرہ) اور ماہ وسال کی تفصیل سے ہو اور ان مستشرقوں کی جدولوں میں اس کے خلاف ہو تو اولاً جدول ہی کو غلط تصور کرنا اور تاریخ کے بیان کو صحیح فرض کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً کاتنوز نے لکھا ہے کہ یکم محرم ۶۱ ھ کو پیر کا دن تھا۔ گویا شہادت عشوراء چہار شنبے کو ہوئی، جمعہ کے دن نہیں جیسا کہ مسلمانوں میں مسلّم ہے۔

وستنفلد اور کاتنوز علم ہیئت اور رصد کے ماہر نہیں، انہیں اس پر معاف بھی کیا جائے تو پاریس کی رصدگاہ سے شائع ہونے والی تقویم کو کیا کیا جائے جب ۱۹۶۳ء کے سالنامے میں بھی ہجری تاریخ کا یہی فارمولا دہرایا گیا ہے کہ محرم (نیز رمضان) ہمیشہ تیسے ہوتے ہیں۔ میں نے توجہ دلانے کی جسارت کی، غالباً مجھے اناڑی قرار دیا گیا ہوگا۔

ایک دوسری پیچیدگی اس بنا پر ہوتی ہے کہ ہمارے زمانے کی ہجری وعیسوی تاریخ چونکہ معلوم رہتی ہے لہٰذا اس کی اساس پر اوپر بڑھیں اور ۱ھ تک پہنچیں۔ ہر سال کے یکم محرم کی معادل فرنگی تاریخ ایک حد تک صحیح ہوگی۔ صرف ایک حد تک، جیسا کہ نیچے اس کے خلاف بھی کچھ عرض کروں گا، لیکن قبل ہجرت کی تاریخوں کے لیے جہاں تک میں نے دیکھا فرنگی مؤلفوں نے ایک

دوسری ہی لغزش کھائی ہے اور وہ یہ کہ قبل ہجرت کی تاریخوں کو بھی (ولادت نبوی سے لے کر بعثت نبوی، پھر ہجرت مدینہ کے لیے) قمری حساب پر مرتب کرتے ہیں۔

حالانکہ ساری اسلامی دنیا کی طرح یہ فرنگی مؤلف بھی جانتے ہیں کہ ۹ رذی حجہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''نسی ء'' (یعنی کبیسہ گری) کو منسوخ فرمایا۔ یعنی وفات نبوی سے تین ماہ پہلے تک کے سارے واقعات کو خالص قمری نہیں بلکہ کبیسہ والے قمری حساب سے شمار کرنا چاہیے کہ ہر چند سال میں ایک زائد خالی یا گمنام مہینہ بڑھا کر قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کیا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تریسٹھ سال حیات مبارک میں اس طرح کوئی دو سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔

میری تحقیقات میں اب تک تو اس کا کوئی صریح بیان نہ ملا کہ ہجرت کے بعد، جب کہ مسلمانوں کو (یصدون عن المسجد الحرام) کی آیت کے مطابق مشرکین مکہ، مکہ آنے سے چونکہ روکتے رہے اس لیے آیا مدینے میں مسلمان کی تقویم پر عمل کرتے تھے کہ کبیسہ گری کریں، یا خالص قمری حساب پر چلنے لگے؟ فرض کیجیے کہ مدینے میں خالص قمری حساب چلنے لگا اور فرض کیجیے کہ کسی واقعہ کا راوی ایسا شخص ہے وہ زیر ذکر واقعہ کے وقت کافر تھا اور مثلاً مکہ یا مکے کے زیر اثر علاقے میں رہتا تھا اور بیان کرتا ہے کہ مثلاً اس کے قبیلے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوال کے مہینے میں حملہ کیا، آیا جس مہینے کو مکے والے یا راوی شوال بیان کرتے ہیں وہ مدینے میں بھی شوال ہی تھا یا نسی کبیسہ گری کے باعث مہینے میں فرق ہو گیا تھا؟ پھر فرض کیجیے کہ اسی واقعہ کا ایک راوی اس اسلامی فوج کا سپاہی رہا ہو جس نے اس حملے میں حصہ لیا تھا اور وہ اسے شوال کی جگہ کسی اور مہینے کا واقعہ قرار دے تو اسے راویوں کی ''عدم حساب دانی'' اور ''ضبط تاریخ کا قصور'' قرار دیں یا محض غلط فہمی؟ یعنی دو مختلف طریقہ ہائے تقویم کے باعث ناظر کو غلط فہمی ہو رہی ہے ورنہ دونوں ہی راوی سچے ہیں۔

میں نے ابھی عرض کیا کہ ہجری اور عیسوی تاریخوں کا تقابل صرف ایک حد تک صحیح ہوتا ہے، کامل طور پر نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ زمین کروی ہے اور نقطۂ شمار کے آغاز و اختتام میں پورے چوبیس گھنٹے کا فرق ہوتا ہے۔ معمولی بات ہے کہ ایک واقعہ انگلستان میں جمعرات کی صبح کو پیش آئے اور راڈیو سے مشرقی پاکستان میں اسے فوری سنیں تو وہ جمعرات ختم ہو کر جمعہ کا واقعہ سمجھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

اس سے بڑھ کر یہ کہ چاند کی پیدائش اس کی گردش کے دوران میں ہوتی ہے۔ ہم کیم ماہ بلالی اس وقت فرض کرتے ہیں جب غروب آفتاب کے وقت چاند زمین سے اس قدر کنارہ کش ہو گیا ہو کہ اس کے بعد ایک گوشے پر سورج کی روشنی پڑ سکنے میں زمین حائل نہ رہے اور چاند پندرہ بیس منٹ مطلع مغرب پر نمودار رہ کر ڈوب جائے۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ مثلاً ڈھاکے میں رویت نہ ہو، کراچی میں یا مصر میں یا پاریس ولندن میں ہو جائے۔ ڈھاکے والے تیسا مہینہ شمار کریں گے، کراچی والے انتیسا، راوی اگر دونوں ملکوں کے ہوں اور اگر روایت میں تاریخ کی حد تک اختلاف ہو تو کون ہے جو انصاف کے ساتھ کہہ سکے ان دونوں میں سے کوئی بھی جھوٹا ہے! انتیس کو رویت کے وقت ابر وغیرہ کے باعث چاند نظر نہ آئے تو اب تک تو رواج یہی رہا ہے کہ اسے تیسا شمار کریں (واقعۃً قدرت کی حد تک یہ ممکن ہے غلط ہو، لیکن واقعہ انسانی کی حد تک مؤرخ کو جھوٹا کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، ممکن ہے لاہور میں مطلع صاف رہے، کراچی میں نہ رہے، ایسے واقعات عہد صحابہ میں پیش آ چکے اور کتب حدیث میں درج ہو چکے ہیں) امام ابوحنیفہ کا قول مشہور ہے کہ مشرق کی رویت سارے مغرب پر واجب العمل ہے۔ جدید علم ہیئت بھی یہی کہتا ہے کہ اگر ڈھاکے میں چاند ہو گیا تو کراچی میں بھی لازماً ہو گا (چاہے ابر کے باعث رویت نہ ہو سکے) لیکن نہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اور نہ جدید علم کہتا ہے کہ مغرب کی رویت سارے مشرق پر عائد ہو سکے۔ فرض کیجیے مدینے سے ایک سانڈنی سوار نکلتا ہے اور نجد و بحرین میں خبر پہنچاتا ہے اس کے نکلنے کے دن مثلاً پندرہ دن قبل فلاں واقعہ پیش آیا۔ ممکن ہے مدینے اور نجد میں رویت ہلال میں ایک دن کا فرق ہو چکا ہو اور مدینے کا راوی ایک تاریخ لکھے اور نجد کا راوی اسے اس کے ایک دن بعد کا واقعہ قرار دے۔

ضرورت ہے کہ جدید الیکٹرانک مشینوں سے حساب کر کے بتایا جائے کہ فلاں ہجری مہینے میں رویت ہلال کرۂ ارض کے کس نقطے پر غروب آفتاب کے وقت ہوئی اور منٹ ہی نہیں سیکنڈوں کے کسور کو بھی جمع کر کے ان سارے چودہ سو سالوں کی جنتری مرتب کی جائے تو پھر کہیں واقعۃً قدرت کی حد تک وہ جنتری صحیح ہوگی، واقعۃً انسانی و تاریخی کو اس سے اختلاف رہا۔ ہو سکتا ہے۔ یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ کمزوری صرف قمری سال میں ہے۔ عیسائیوں سے پوچھیے کہ ان کے ہاں ایسٹر کی عید کب منائی جاتی ہے؟ وہاں اس سے دس گنا زیادہ پیچیدگی ہے۔ پاریس کی مذکورہ

Marfat.com

رصدگاہ سے شائع شدہ تقویم کے مؤلف بھی اس بارے میں کتراتے ہیں اور ''فلاں عیسائی مدرسہ دینیات کے فلاں شخص کا جو اس کا متخصص ہے یہ بیان ہے'' کر کے اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔

ابھی اوپر نسی اور کبیسہ کا ذکر آیا۔ حجتہ الوداع سے قبل تک مکے میں اس کا رواج تھا۔ لیکن وہ کس فارمولے پر عمل کرتے تھے؟ میرے پاس جو مواد جمع ہوا ہے اس میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ہر سال، کوئی ہر دو سال میں ایک بار، کوئی ہر تین سال میں ایک بار ذی حجتہ اور محرم کے مابین ایک بار خالی یا زائد قمری مہینے کا اضافہ کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ البیرونی نے جو پیچیدہ تفصیل دی ہے اور دور بنائے ہیں کہ اتنے سال میں فلاں طرز کے، ان کے بعد اتنے سال فلاں طرز کے...... یہ میری دانست میں خواہشمندانہ ہیں مؤرخانہ نہیں۔ جو بھی ہو اس اختلاف کا اثر ان تاریخوں پر پڑے گا جو یہ مؤلف مرتب کریں اور ہم ناظران میں فرق دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور سے ہو جائیں گے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی جھوٹا ہے۔

لیکن میرے پاس جو مواد جمع ہو رہا ہے، اس سے آہستہ آہستہ بعض گتھیاں حل ہوتی جارہی ہیں چنانچہ آج ایک کے ذکر پر اس نوٹ کو ختم کرتا ہوں۔

امام بیہقی کی دلائل النبوۃ ابھی تک کاملا چھپی نہیں۔ بڑی کئی جلدوں کی کتاب ہے۔ اس کا بڑا حصہ استانبول میں کوپرولو کے کتب خانے میں ہے (جہاں ایک جلد کم ہے) اس میں ایک بڑا دلچسپ اور اہم بیان زیر بحث مسئلے کے متعلق ملتا ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے سرکاری فیصلے سے قبل مسلمانان مدینہ میں شمار کے لیے ہجرت کو نقطۂ آغاز قرار تو دے لیا گیا تھا لیکن حساب تین طرح کا تھا۔ (محرم تو سب کے ہاں سال کا پہلا مہینہ تھا لیکن) کچھ لوگ اس محرم سے حساب کرتے جس کے ذی حجہ میں عقبۂ ثانیہ کے معاہدے کے نتیجے کے طور پر مسلمانان مکہ ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے (گویا ہجرت سے ایک سال پہلے سے شمار ہوگا) کچھ لوگ اس محرم سے شمار کرتے تھے جس کے دو تین ماہ بعد ربیع الاول میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی (اور یہی اب رائج ہے) اور کچھ لوگ اس محرم سے شمار کرتے تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ آنے کے بعد پہلی مرتبہ آیا (یعنی ہجرت کے ایک سال بعد سے)

یہ بیان بڑا اہم ہے۔ اس سے تین سال کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اس کی روشنی میں ایک معین واقع کو لیجیے۔

Marfat.com

(الف) صحیح بخاری میں کتاب المغازی باب غزوۃ بنی المصطلق میں لکھا ہے:
''موسیٰ بن عقبہ کے مطابق یہ ۴ھ میں پیش آیا۔''

(ب) طبقات ابن سعد (طبع لیڈن جلد دوم حصہ اول صفحہ ۴۵): یہ شعبان ۵ھ میں واقع ہوا۔

(ج) ابن ھشام (برحاشیہ روض الانف للسھیلی جلد دوم صفحہ ۲۱۶) یہ شعبان ۶ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

کیا بیہقی کی توضیح کے بعد ان تینوں میں سے کسی ایک کو بھی جھوٹا یا کم از کم ناقص العلم قرار دیا جا سکتا ہے؟ یقیناً ان تینوں کا ماخذ مدنی راوی ہوں گے۔ اسی لیے سال کا تو فرق ہے، ماہ کا نہیں، لیکن اگر راوی مکی اور مدنی دونوں قسم کے ہوں۔ یا کم از کم یا کبیسی اور بے کبیسہ تقویموں کو ذہن میں رکھنے والے ہوں تو ماہ کا بھی فرق آتا ہے۔ مثلاً معاہدہ حدیبیہ کے متعلق عام طور پر مؤرخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ذی قعدہ ۶ھ کا واقعہ ہے۔ لیکن کتاب الخراج میں امام ابو یوسف لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں حدیبیہ گئے، اور تاریخ ابن کثیر میں ہے'' حدیبیہ کی صلح عروہ کے مطابق شوال میں طے ہوئی اور عروہ کا یہ بیان عجیب وغریب ہے'' لیکن اگر ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ مکے میں جو مہینہ رمضان تھا ہے وہ کبیسہ کو شمار نہ کرنے کے باعث ۶ھ میں مدینے میں ذی قعدہ ہو سکتا ہے یہ بھی نہ بھلایا جائے کہ واقدی اور ابن سعد کے ہاں کسی واقعہ کی تاریخ بکثرت یوں بیان ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ آنے کے اتنے مہینے کے بعد۔ اس کا شمار محرم کی جگہ ربیع الاول سے کرنا ہوگا اور خلط ملط کا امکان بڑھ جائے گا۔

غرض تاریخ و ریاضی و ہیئت کے تعاون کے متقاضی یہ مسائل اس قابل ہیں کہ ان پر ایک سے زائد دماغ وقت واحد میں کام کریں۔ وباللہ التوفیق۔

(اورینٹل کالج میگزین لاہور۔ مئی ۱۹۶۴ء)

تقویمِ جلالی

اسلامی شمسی کلنڈر

''رسالہ اسلامک کلچر حیدرآباد میں حال میں مسلمانوں کی شمسی تقویم پر عمر خیام کے زمانے کے متعلق جناب سید حسن صاحب برنی نے اور عہد نبوی کے متعلق راقم الحروف نے بعض معلومات شائع کیے تھے، ایڈیٹر صاحب معارف کی فرمایش سے ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔''

دنیا کے قریب قریب ہر تمدن میں دنوں برسوں کے حساب کا تعلق چاند سے رہا ہے اور تقریباً ہر زبان میں مہینے کے لیے جو لفظ ہے وہ عموماً چاند ہی کے معنی رکھتا ہے، حتیٰ کہ خود عربی لفظ'' تاریخ کا مادہ'' اَرخ'' بھی جو عبرانی، سریانی وغیرہ متعدد سامی زبانوں میں پایا جاتا ہے، چاند ہی کے معنی رکھتا ہے، لیکن قدرت کی کسی مصلحت سے قمری سال اور موسمی سال میں تقریباً دس دن کا فرق ہوتا ہے اور یہ فرق ہزاروں سالوں سے انسان کو معلوم ہو چکا ہے، چین میں، ہند میں، ایران میں، یونان میں، روما میں، اسلام سے پہلے کے عرب میں، غرض ہر ایسے ملک میں جہاں کچھ بھی تمدن رہا ہے قمری سال کو موسمی یا شمسی سال بنانے کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ عام طور پر ہر تیسرے سال ایک قمری مہینے کا اضافہ کیا جاتا رہا ہے، لیکن چونکہ سورج کا سال ٹھیک دنوں یا گھنٹوں میں نہیں بلکہ نازک کسرات میں پورا ہوتا ہے اس لیے یہ اضافے بہت زیادہ مفید

نہیں ثابت ہوئے اور چند ہی نسلوں میں گھنٹوں کا فرق جمع ہو ہو کر دنوں اور مہینوں کی صورت اختیار کر لیتا رہا ہے جس کے بعد پھر نئے سرے سے دخل دہی کرنی اور حساب کا آغاز کرنا پڑا ہے۔

شمسی سال کی جو مدت قدما، جدید اہل مغرب اور قدیم مسلمان ریاضی دانوں نے معلوم کی تھی وہ یہ تھی:

زمانہ	دن	گھنٹے	منٹ	سیکنڈ
منصور	۳۶۵	۵	۴۶	؟
مامون ۸۲۹ء	"	"	"	۵۴،۶۴۰۸۷۰
ایضاً	"	"	"	۴۵،۶۸۲۳۸۸
البتانی ۸۸۲ء	"	"	"	۲۴
البیرونی ۴۴۰ء	"	"	"	۲۰
یونانی	"	"	۵۶	؟
رومی	"	"	"	-
بابلی، ایرانی، ہندی				
	"	"	۱۲	؟
عمر خیام ۴۶۷	"	۵	۴۹	-
جدید ترین	"	۵	۴۸	۴۷،۴۶۲۴

اس سے معلوم ہوگا کہ مسلمان ریاضی دانوں نے زمانۂ جدید کے نازک اور حساس آلوں کی مدد کے بغیر جو نتیجہ حاصل کیا تھا، وہ یونان، بابل، ایران، ہند، چین وغیرہ سے بہت زیادہ صحیح اور جدید ترین تحقیقات سے محض تقریباً بارہ سیکنڈ سالانہ کا تفاوت رکھتا ہے۔

بہر حال سکنڈوں کے کسرات کی تلافی کے لیے موجودہ مغربی حساب میں جو پوپ گریگری کے حکم کی بنا پر نافذ ہے، ہر تین سوا تین ہزار سال میں پورے ایک دن کا فرق پڑ جائے گا اور اس مدت کے گزرنے پر ایک دن کو شمار سے باہر رکھنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ مسلمانوں نے جو طریقہ ملحوظ رکھا اس سے (۳۵) ہزار سال سے بھی کچھ زیادہ عرصے میں ایک دن کا فرق پیدا ہوتا ہے، کچھ مختصر تاریخی پس منظر کے بعد اس کی ذیل میں تفصیل دی جاتی ہے۔

Marfat.com

عرب جاہلیت

اسلام سے پہلے مکہ والوں نے ''نسی'' اختیار کر لی تھی جو اس امر پر مشتمل تھی کہ ہر تیسرے سال ذی حجہ کے بعد بجائے محرم الحرام کے صفر آئے، اس کے صفر کے بعد پھر محرم، صفر وغیرہ کا معمولی سلسلہ چلے، گویا ایک زائد قمری مہینہ آ جایا کرے، جو اشہر حُرم کے تسلسل کو توڑنے کا بھی فائدہ یا نقصان رکھتا تھا اور امور کی طرح یہ کام بھی موروثی ہو گیا تھا۔ اور قبیلہ تمیم کا ایک سردار جس کا لقب قلمس ہوتا تھا اسکا حج کے زمانے میں کعبہ کے سامنے رسمی اعلان کیا کرتا، قبیلہ تمیم بحرین کے قریب رہتا تھا جو ایرانی مقبوضہ تھا اس سے گمان ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ایران سے متاثر تھے (یوں بھی بحرین اور حجاز کے بعد المشرقین کا تعاون قابل توجہ ہے) قبیلہ تمیم کے ایک شاعر کا فخر یہ مقولہ ع

مِنّا نسیٔ الشهورِ القلمّسُ

بتایا ہے کہ اس میں وہ برائی نہ تھی جو بعض ریاضی سے ناواقف لوگوں نے آیت نسی کی تفسیر میں مشہور کر رکھی ہے ورنہ عربی شاعری میں قلامسہ کی ہجو میں کچھ نہ کچھ ضرور آ جاتا۔

عہد نبوی

۱۰ھ تک مسلمانوں نے حجاز کے سال نسی میں کچھ دخل نہ دیا، البتہ حجۃ الوداع کے موقع پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی اور مسلمانوں میں خالص قمری سال رائج ہو گیا۔

لیکن یہ استنباط کرنے کے وجوہ ہیں کہ عہد نبوی میں بھی شمسی اور قمری سالوں کے فرق کا اثر نظم ونسق پر معلوم کر لیا گیا تھا، اول تو قرآن مجید کے تذکرۂ اصحاب کہف (یعنی **ولبثوا فی کهفهم ثلثمائة سنین وازدادوا تسعا** وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے رہے، جس میں لوگوں نے نو سال کا اضافہ کیا) میں اسی کا ذکر ہے کہ ہر تیسرے سال ایک مہینے کے حساب سے تین سو سال میں تقریباً نو سال کا فرق شمسی اور قمری سال میں ہوتا ہے۔

دوسرے اس فرق کا کوئی اثر عملاً پڑ سکتا ہے، تو وہ مالگذاری کی حد تک تھا اور اس کے متعلق یہ انتظام کر دیا گیا تھا کہ بجائے قمری سال کے معینہ مہینوں میں محصول ادا کرنے کے فصلوں

Marfat.com

کے کٹنے پر ادا کریں اور اس طرح عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں کوئی دشواری نہ رہی۔ اس کا صریح ذکر اہل بحرین کے معاہدوں میں بھی ملتا ہے۔ وسیلۃ المتعبدین مؤلفہ عمر الموصلی (مخطوطہ بانکی پور ورق ۳۱ تا ۳۲) میں وہ مکتوب نبوی ہے جس میں بحرین والوں پر زکوٰۃ عائد کی گئی ہے اور طبقات ابن سعد (جلد اوّل حصہ دوم صفحہ ۳۲ تا ۳۳) میں وہ مکتوب مبارک ہے، جس میں اس زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ:

ولهم ان لا يحبسوا عن طريق الميرة ولا يمنعوا صوب القطر ولا يحرموا حريم (؟ صريم) الثمار عند بنوغه

''ان کا یہ حق ہے کہ ان کو غلے کے کاروانی راستے سے نہ روکا جائے اور نہ بارش کے مقام سے روکے جائیں اور نہ پھلوں کے کاٹنے سے جب کہ وہ تیار ہو جائیں۔''

سیاق وسباق سے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فصل کٹنے پر وہ غلہ فوراً برآمد کر سکتے ہیں، بارش ہو کر کسی جگہ چارہ ہو جائے تو اپنے ریوڑ وہاں فوراً لے جا سکتے ہیں اور پھل تیار ہونے پر فوراً توڑ کر کام میں لا سکتے ہیں۔ ان تمام امور میں انہیں سرکاری محصول وصول کنندہ کی آمد کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی بات پر اعتماد کیا جائے گا اور انہیں ہفتوں مہینوں انتظار کر کے نقصان اٹھانے کی ضرورت نہ ہوگی، یہ محصل (یا محصول وصول کنندہ) قمری سال کے حساب سے سال میں بظاہر صفر اور رجب میں دو بار جاتے تھے، جیسا کہ عہد نبوی کے معاہدہ نجران میں اشارہ ہے:

عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں صفر اور رجب میں کسان جتنا محصول پیش کرتے، لے لیا جاتا، اور باہمی اعتماد پر کام چلتا، بعد کے زمانوں میں جب ہر صفر اور رجب میں محصول طلب کیا جانے لگا، چاہے فصل کٹ چکی ہو یا نہ ہو تو رعایا پر سختی ہونے لگی اور مرکزی حکومت نے شکایتوں پر توجہ کر کے تحقیق کی تو شمسی وقمری سال کے فرق پر اس کی توجہ منعطف ہوئی۔

مسلمانوں نے مالگذاری کا سال ایرانی نہج پر اختیار کیا، لیکن اس میں حسب ضرورت اصلاح بھی دی جو اصلاح جلال الدین ملک شاہ سلجوقی نے ۴۶۷ھ میں کرائی وہ سب سے زیادہ اہم ہے، اس کام کے لیے عمر خیام، ابوالمظفر اسفرازی، خواجہ عبدالرحمن خازنی، میمون بن نجیب

Marfat.com

واسطی، محمد بن احمد معموری بیہقی، حکیم ابوالعباس لوکری وغیرہ ماہرین فلکیات کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی، اس نے شمسی سال کے متعلق دریافت کیا، کہ وہ (۵٦۳) دن (۵) گھنٹے (۴۹) منٹ پر مشتمل ہے۔ جو جدید ترین مغربی تحقیقات سے صرف بارہ تیرہ سیکنڈ کا فرق رکھتا ہے، اب ضرورت تھی کہ اس مدت کو بارہ مہینوں میں کس طرح بانٹا جائے، یہی جلالی تقویم تھی۔

بدقسمتی سے تاتاری سیلاب نے جلالی تقویم کے متعلق اصل دستاویزیں تباہ کر دی ہیں البتہ اس کا جو ذکر زیج الغ بیگ اور اس کی شرح مولفہ برجندی میں ملا ہے اس سے یہ معلوم کرنا ایک حد تک ممکن ہے کہ جلالی تقویم میں کیا فارمولا اختیار کیا گیا تھا۔

چنانچہ قدیم ایرانی طریقہ اس حد تک تو ملحوظ رکھا گیا کہ گیارہ مہینے تیس دن والے ہوں اور بارہواں مہینہ پینتیس دن کا (اسی طرح ۳٦۵ دن پورے ہو گئے اور گھنٹوں کی کسر کے لیے) ہر چوتھے سال آخری مہینہ چھتیس دن کا ہوتا، یہ چوتھا کبیسہ سال چھ یا سات مرتبہ کرنے کے بعد پھر کبیسہ سال چوتھے نہیں بلکہ پانچویں سال ہوتا، اس کا اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ سات کبیسہ سال انتیس برس میں آئیں اور آٹھ کبیسہ سال تینتیس برس میں آئیں جسے حسابی انداز میں یوں لکھا جا سکتا ہے: ۷ک/۲۹س، ۸ک/۳۳س برجندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸ک/۲۹س سے سال کی مدت میں جو اضافہ ہو جاتا تھا اس کی تلافی کرنے اور مدت کو گھٹانے کے لیے ۷ک/۲۹س شروع کیا جاتا۔

چنانچہ حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷ک/۲۹س میں شمسی سال (۳٦۵) دن (۵) گھنٹے (۴۷) منٹ اور (۳۵) سکنڈ کا ہوتا ہے اور ہر سال ایک منٹ (۲۵) سیکنڈ کی کمی ہوتی جاتی ہے، انتیس سال کے عرصے میں کمی (۴۱) منٹ (۵) سیکنڈ کی ہو جاتی ہے (جب کہ عمر خیام کے حسب کے متعلق علاوہ معمولی دنوں اور گھنٹوں کے پچاس منٹ کا سال ہو، اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیے (۷ک/۲۹س) کا چکر ختم ہونے کے بعد (۸ک/۳۳س) شروع کیا جاتا ہے اس سے سال (۴۹) منٹ اور (۵،۴۵) سکنڈ لیتا ہے اور (۳۳) سال میں (۱۷۹،۸۵) سکنڈ یا کچھ ہی کم تین منٹ کی بچت ہو جاتی ہے، اس لیے (۷ک/۲۹س) کے تین چکر اور (۸ک/۳۳س) کے اکتالیس چکر کیے بعد دیگرے کرائیں تو کمی اور زیادتی بالکل

برابر ہو جاتی ہے، یعنی ۷ک/۲۹س کے تین چکروں سے (۱۲۳) منٹ کم ہو جاتے ہیں، (۸ک/۲۹س) کے اکتالیس چکروں سے بھی (۱۲۳) ہی منٹ بڑھ جاتے ہیں اب اس کا طریقہ یہ رکھا جائے کہ (۸ک/۳۳س) کے تین چکروں کے بعد ۷ک/۲۹س کا ایک چکر آیا کرے اور اس طرح ۳۱ک/۱۲۸س ہو یعنی اکتیس کبیر سال (۱۲۸) سال میں آئیں تو سال کے (۳۶۵) دن (۵) گھنٹے (۴۰) منٹ (۴۵) سکنڈ ہوں گے اور ہر سال میں جدید ترین تحقیق جو (۲٫۴۶۲۴) سکنڈ یا تقریباً پونے تین سکنڈ کی کمی ہوگی، اس سے (۳۵) ہزار سال میں بھی بمشکل ایک پورے دن کا فرق پڑے گا جب کہ گریگری تقویم کے موجودہ انگریزی حساب میں (۳۳۳۰) سال میں ایک دن کا فرق آ جاتا ہے۔

(''ماہنامہ معارف'' علی گڑھ۔ دسمبر ۱۹۴۳ء)

Marfat.com

جہاد وغزوات

Marfat.com

Marfat.com

جہاد وغزوات

انبیاء سلف علیہم السلام کے حالات کا ہمیں بہت کم علم ہے۔ قرآن مجید میں مثلاً حضرت آدم علیہ السلام وادریس علیہ السلام ونوح علیہ السلام کی حد تک کسی جنگی تبلیغ کا پتا نہیں چلتا اور شاید چلنا بھی نہیں چاہیے کہ یہ انبیاء اپنے خاندان یا قبیلے ہی کی اصلاح چاہتے تھے اور ان کے نیز بعد کے زمانے میں نافرمان خدائی عذاب اور آفاتِ سماوی کا شکار ہو کر کیفر کردار کو پہنچتے رہے۔ ابراہیم علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام مایوسی کے عالم میں محض ہجرت کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی تبلیغ کی کشمکش میں شمشیر کی صورت نہ دیکھی۔ عملی اور حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے جانچو تو ان انبیاء کو اتنے پیرو ہی نہ ملے جو مخالفوں سے کشمکش میں سینہ سپر ہو سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نافرمان ساتھی تو ''اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا '' کا ضرب المثل جملہ کہنے سے باک نہ کرتے تھے۔ بہ ظاہر جس واحد نبی کو ہم قرآنی شہادت میں قتال فی سبیل اللہ کرتے دیکھتے ہیں وہ حضرت اشموئیل علیہ السلام ہیں جن کا ذکر پارہ سیقول کے آخر میں ہے ان سے بنی اسرائیل کہتے ہیں:

> ''ہمارے لیے ایک بادشاہ برپا کر، تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں اور اللہ کی راہ میں ہم کیوں نہ لڑیں گے، جبکہ ہمیں اپنے گھروں اور بال بچوں سے نکال باہر کیا ہے۔''

اسے زیادہ سے زیادہ انتقامی اور دفاعی جنگ کہہ سکتے ہیں۔ وہ بے غرضانہ اور بے نفسانہ جنگ جس کا منشا نہ اہل وعیال ہو نہ مال ومنال اور نہ ہی شہرت یا حمیت بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ یا ایثار جس میں جان ومال وآبرو ہر چیز اللہ کے لیے اور اللہ کے حکم سے قربان کر دی جائے، اس کا پتا رسول عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے نہیں چلتا۔

Marfat.com

انسانی تاریخ جنگوں سے بھری ہوئی ہے لیکن وہ جنگ جس کا مقصد نہ جہانگیری ہو اور نہ اقتدار کی ہوس۔ بڑا دل گردہ چاہتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک جنگ کی اجازت دی، وہ جو اللہ کی راہ میں ہو، کسی صحابی نے پوچھا:

من فی سبیل اللّٰہ ؟ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتکون کلمۃُ اللّٰہِ ھی العلیا.

''اللہ کی راہ میں کون ہے؟ فرمایا صرف وہ جو اس لیے لڑائی کرے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو۔''

یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم جو مروجہ انجیل میں ملتی ہے۔ وہ انسانی مطیعت کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ ایک گال پر بے قصور طمانچہ مارنے والے کو دُوسرا گال پیش کردو لیکن اگر وہ حضرت داؤد علیہ السلام یا سلیمان علیہ السلام کے جانشین ہوئے ہوتے تو کیا کرتے؟

زمانہ حال میں بھی بعض ''بزرگ'' عدم تشدد کا پرچار کرتے رہے۔ لیکن صرف اس وقت تک جب تک قوی تر سے مقابلہ تھا اور ہاتھ میں فوج اور ہتھیار نہ تھے۔

اللہ کی راہ میں لڑائی یہ نہیں ہے کہ کمزور کو حریف دیکھ کر جی للچائے اور اسے دبوچ لیں۔ بھیڑیا بھی یہی کرتا ہے۔

رسول عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قول وفعل

اسلام نے اپنے پیروؤں پر جہاد فرض کیا ہے۔ اس اصطلاح کے لفظی معنی کشمکش کے ہیں۔ جو بہت وسیع مفہوم ہے اور جس میں بزور بازو اصلاح کرنا، زبان سے کلمۂ حق کہنا۔ بے بسی کے عالم میں کم از کم دل ہی سے برائی کو برائی سمجھنا۔ سب داخل ہیں، ہر چیز کا وقت ہوتا ہے اور ہر شخص کو موقع وحالات کے لحاظ سے کبھی کچھ اور کبھی کچھ کیے بغیر چارہ بھی نہیں۔ آدمی حقیقت پسند نہ ہو تو مقصد کو حاصل بھی نہ کر سکے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروؤں کو ہجرت سے قبل مکہ میں کیا کچھ اذیت نہ دی گئی اور جیسے جیسے یہ ہجرت کرتے جاتے تھے ان کی جائیداد، منقولہ ہو کہ غیر منقولہ کس طرح قرق نہ ہوتی گئی۔ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو کثیر رقمیں امانت تھیں ان کو آپ انتقاماً ہی ساتھ لے کر مدینہ ''فرار'' ہو سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کیا اس سے خود بیسویں صدی کے ''مہذب'' انسان کو (چاہے گورا ہو یا کالا) شرمانا پڑتا ہے۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر میں تشریف فرما ہیں۔ ابوجہل کی سرداری میں تعداد میں تگنا، سازوسامان میں دس گنا دشمن لشکر چڑھائی کرتا ہے۔ مورخ بلاذری نے ''انساب الاشراف'' میں ایک کم معروف مگر اہم تفصیل درج کی ہے اور لکھا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لشکر کو کہلا بھیجا کہ مکہ واپس چلے جائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے ٹکرانا نہیں چاہتے، جب اُدھر سے انکار ہوا تو مجبوراً لڑائی کرنی ہی پڑی۔ تگنے دشمن کو شکست فاش دینے کے بعد جب ستر اسی آدمی گرفتار ہوئے تو ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتارنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ اور شاید مسلمان حق بجانب بھی ہوتے مگر مقصود نہ انتقام تھا اور نہ درندگی و خونخواری، اگر ان سب کو یونہی چھوڑ دیا جاتا تو شاید وہ بھی افراد کی فطرتوں میں تفاوت کے باعث مقصد کو فوت کر دیتا۔ اس لیے قیدیوں سے برتاؤ بھی مختلف رہا، شریفوں کو محض اس وعدے پر چھوڑ دیا کہ آئندہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے، اسلحہ فروش مالداروں سے فدیہ میں ہتھیار مانگے گئے، سرمایہ داروں سے رقم مانگی گئی، پڑھے لکھوں سے کہا گیا کہ ہر شخص دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ صرف دو قیدیوں کو جو بدر کی چڑھائی کے اصول ذمہ دار تھے اور ہر طرح کے جبر اور طنز وغیرہ کے ذریعہ سے ہچکچانے والوں کو بھی ورغلا کر لائے تھے اور جن کی افتادِ طبع سے اس کی توقع ہی نہ تھی کہ کسی نرمی یا رعایت سے وہ کچھ بھی متاثر ہوں گے، صرف ایسے دو آدمیوں کو مستقبل کے خوف سے سزائے موت دی گئی۔''

بنوالنضیر کے یہودیوں نے بدعہدی سے گزر کر غداری کا اقدام کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے ہجرت پر راضی خوشی اپنی شہری مملکت کا سردار تسلیم کیا تھا لیکن جب ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے محلے میں گئے اور دھوپ سے بچنے کے لیے ایک برج کے سائے میں تشریف فرما ہوئے (ان اللہ کے بندوں کو اس کی بھی توفیق نہ ہوئی تھی کہ اپنے صدر مملکت کو کسی گھر میں بٹھا کر گفتگو کریں) تو برج پر سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو قتل کرنے کی تدبیر ہوئی، جب ہر طرح کی سرزوری اور جنگی مقاومت کے باوجود ان کو صرف یہ سزا ملی کہ کہیں اور چلے جائیں (اور پورا مال و متاع ساتھ لے جائیں) حتیٰ کہ مسلمانوں کو دیئے ہوئے قرضے بھی واپس حاصل کر لیں) تو اس رعایت کا بدلا یوں دیا کہ سارے عرب کو مدینے پر چڑھا لائے اور معرکہ خندق میں مسلمانوں کے ''کلیجے منہ کو آ گئے'' اس انتہائی نازک اور زندگی و موت کی کشمکش میں اندرون مدینہ کے بنو قریظہ نے عین دم آخر غداری کی اور چاہا کہ مسلمانوں پر اندر سے ٹوٹ پڑیں (اور خندق وغیرہ کا سارا دفاعی نظام بیکار کر دیں) انہیں بڑی فراست سے ایک دن روکا گیا، دوسرے دن یوم سبت (سنیچر) تھا جس میں یہودی اس زمانے میں جنگ نہ کرتے تھے۔ تیسرے دن عربوں کے حرام مہینے (ذیقعد تا محرم) شروع ہو رہے تھے، اس طرح لڑائی ختم ہوگئی۔

پروفیسر وینسنک نے (جو غالباً یہودی تھا) یہ معقول سوال کیا ہے کہ بنو النضیر کے ساتھ رعایت کے تلخ تجربہ کے بعد کیا بنو قریظہ کی قوت بھی انہی مخالفوں کی طاقت میں اضافے کے لیے چھوڑ دی جاسکتی؟ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی نرمی دکھائی، اور فرمایا کہ:

''ان یہودیوں ہی کے ایک سابق دوست اور حلیف کو پنچ ٹھہرایا جائے اور وہ جو بھی فیصلہ کرے وہ نافذ کیا جائے۔''

اگر بنو قریظہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم بناتے تو شاید رحمۃ للعالمینی کا مظاہرہ ہوتا۔ بہر حال اس پنچ نے بھی کوئی خاص سختی نہ کی اور صرف یہ حکم دیا کہ:

''توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مغلوب دشمن سے برتاؤ کا جو حکم دیا گیا ہے (دیکھو توریت کتاب تثنیہ Deutronomy فصل ۲۰، فقرہ ۱۰ تا ۱۴) وہی عمل میں لایا جائے۔''

گویا یہودی اپنے دشمنوں سے جو برتاؤ کرتے ہیں وہی برتاؤ ان سے کیا جائے۔

فتح مکہ شاید انسانی جہاد کا کمال ہے۔ اکیس سال سے مسلسل اہل مکہ مسلمانوں کو روز افزوں بے وجہ ستاتے چلے آرہے تھے۔ اس کی داستان سے سب واقف ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وطن کو جہاں سے جلاوطنی پر آپ کو مجبور کیا گیا تھا فاتحانہ واپس آئے جو برتاؤ عمل میں آیا، اس کا بیسویں صدی کا ''مہذب'' انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فوجی دستے شہر کی طرف بڑھے تو اس منادی کے ساتھ کہ:

Marfat.com

"جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اسے امان ہے، جو ہتھیار ڈال دے اُسے امان ہے، جو حرم کعبہ میں چلا جائے اُسے امان ہے جو سردار شہر ابو سفیان کے گھر[1] میں چلا جائے اُسے امان ہے۔"

شہر پر قبضہ مکمل ہو جانے کے بعد بستی کی ساری آبادی بلائی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ وہ کس برتاؤ کی توقع کرتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے قتل عام کا حکم دے سکتے، ساری جائیداد لوٹ لے سکتے، سارے لوگوں کو غلام بنانے کا بھی فیصلہ فرما سکتے تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ فرمایا کہ:

"جاؤ، تم پر کوئی گرفت نہیں، تمہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

اس نفسیاتی لمحہ میں فوراً ہی بہ کثرت لوگ مسلمان ہو گئے، ان میں سب سے پہلے ایک مشہور متمرد سردار عتاب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے چند لمحہ پہلے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو عتاب نے کہا تھا:

"خدا کا شکر ہے کہ میرا باپ آج زندہ نہیں ہے ورنہ وہ اس نہیقِ حمار (یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان) کو برداشت نہ کر سکتا۔"

جب عفو عام کے اعلان پر سب سے پہلے عتاب نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اچھا، میں تمہیں مکہ کا گورنر مامور کرتا ہوں۔"

تو مفتوحہ شہر دیں کے ایک نو مسلم کٹر دشمن کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور چند دن بعد مدینہ واپسی ہوتی ہے تو مدینہ کا ایک واحد سپاہی تک وہاں احتیاطاً چھوڑنا غیر ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

ولمثل هذا فليعمل العاملون.

طاقت کے وقت نرمی، کمزوری کے وقت ہمت و ایثار ہے۔ یہ ہے اسلامی جہاد۔

("فاران" کراچی، سیرت نمبر۔ جنوری ۱۹۵۶ء)

---

[1] مشہور تابعی ثابت البنانی نے لکھا ہے کہ قبل ہجرت گلی کے لونڈے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سنگباری کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو سفیان کے گھر میں گھس جاتے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امن مل جاتا، فتح مکہ کے وقت کا یہ اعلان اسی کی شکر گزاری میں تھا۔

Marfat.com

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِیْۤ اَدْنَی الْاَرْضِ

قرآن مجید کے اکیسویں پارے (یا تیسویں سورت) میں حسب ذیل ارشاد ہوا ہے:

''رحمان ورحیم خدا کے نام سے الف لام میم، رومی مغلوب ہو گئے قریبی علاقے میں اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد جلد غالب ہو جائیں گے، چند ہی سال میں اللہ ہی کے لیے ہے، حکم پہلے بھی بعد بھی! اور اس دن مؤمن خوش ہو جائیں گے۔ اللہ کی نصرت کے باعث! وہ جسے چاہتا ہے نصرت دیتا ہے اور وہ غلبے والا ہے اور رحم والا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن لوگوں کی اکثریت (یہ) نہیں جانتی۔ وہ دنیوی زندگی کی ظاہری حالت کا علم رکھتے ہیں۔ اور آخرت سے وہ غفلت برتتے ہیں۔ ......الخ'' (سورہ روم، آیت ۱ تا ۷)

ہمارے نوجوان تاریخ پڑھتے ہیں۔ انہیں قرآن مجید سے کم دلچسپی ہے اور جو قرآن مجید کی تلاوت رکھتے ہیں انہیں تاریخ کے مطالعہ کا شوق نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ شاید ان آیات کی تفسیر تو نہیں، مختصری تفصیل بے محل نہ ہوگی۔

اولاً لفظ ''روم'' اٹلی کا موجودہ پایہ تخت روم ابتداء چند مفرور پناہ گزینوں کا گاؤں تھا۔ رفتہ رفتہ وہ ایک شہری مملکت بنا، پھر ایک بڑی شہنشاہی کا دارالسلطنت، اس رومی سلطنت کے قبضے میں نہ صرف انگلستان، فرانس، اٹلی وغیرہ بہت سے ملک تھے، بلکہ افریقہ میں مصر اور ایشیا میں ترکی وشام بھی۔ کئی اتار چڑھاؤ کے بعد چوتھی صدی عیسوی میں اس نے عیسائیت قبول کی پھر جلد ہی

Marfat.com

انتظامی اغراض سے سلطنت کے دو صدر مقام مقرر کیے۔ روم اور قسطنطنیہ، اس پر زیادہ دن نہ گزرے کہ یورپی علاقوں میں جرمن اور دیگر وحشی قبیلوں نے تاخت وتاراج شروع کی اور پایۂ تخت روم تک پر قبضہ کرلیا۔ قسطنطنیہ اس اثناء میں خودمختار بن گیا تھا اور امتیاز کے لیے روم کو مغربی رومی سلطنت کا اور قسطنطنیہ کو مشرقی رومی سلطنت کا صدر مقام کہا جانے لگا۔ چونکہ شہنشاہ قسطنطین کے زمانہ میں تبدیلی سے قبل قسطنطنیہ کو 'بیزنطینہ' کہتے تھے۔ اس لیے اس مشرقی رومی سلطنت کو ''بیزنطینی سلطنت'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح ''روم'' سے اسی مشرقی رومی سلطنت (یا بیزنطینی سلطنت) کے عیسائی لوگ مراد ہیں اور شہر قسطنطنیہ کو قرون متوسطہ کے اختتام تک سرکاری طور پر ''جدید روم'' سے موسوم کیا جاتا رہا۔ چونکہ مندرجہ ذیل تفصیل میں کئی بار قدیم روم کا بھی ذکر آتا ہے اس لیے خلط مبحث سے بچنے کے لیے ہم یہاں ''بیزنطینی سلطنت'' کا لفظ استعمال کریں گے جو قرآن مجید کے ''الروم'' کا مترادف ہے۔

بیزنطینی سلطنت کی مختصر سرگزشت

رومی لوگ ساری دنیا کی حکومت کے مدعی تھے، کرۂ ارض کو ''رومی کرہ'' سے موسوم کرتے تھے۔ اور ان کے بے شمار معبدوں میں ایک رومی سلطنت بھی تھی، جس کی باضابطہ پوجا ہوا کرتی تھی۔ لیکن ان کا اقتدار اصل میں دنیا کے ایک محدود علاقے پر تھا، اس کا صدر مقام روم تھا۔

شہنشاہ تیودوس نے سیاسی پریشانیوں سے اپنا پایۂ تخت بیزنطینہ میں منتقل کیا۔ جب ۳۹۵ء میں اس کی وفات ہوئی تو خانہ جنگی نے سلطنت کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ہمیں مشرقی حصہ سے بحث ہے جسے بعد میں بیزنطینی سلطنت کہنے لگے۔

اعلان خودمختاری کے بعد سے ۴۸۸ء تک یعنی قریباً ایک صدی تک اسے اپنی آزادی منوانے کے لیے مسلسل برسرکارزار رہنا پڑا۔ جھگڑے اصل میں فوجی افسروں کی آپس کی رقابت کے باعث تھے اور سرکاری فوج کوئی قومی فوج نہ تھی بلکہ صرف بھاڑے کے ٹٹوؤں پر مشتمل تھی۔ ان میں قوط (Goth) کا عنصر زیادہ نمایاں تھا، جو یورپ کے وحشی باشندوں کا ایک قبیلہ تھا۔

بیزنطینی سلطنت کی مغربی سرحد اس وقت دریائے ڈانیوب تک چلی گئی تھی۔ وہاں اسے ترکستانی خانوں (HUMS) سے سابقہ پڑا جو آتیلا کی سرداری میں یورپ میں گھس آئے تھے اور آتیلا کو خراج دے کر ہی ادھر امن حاصل کیا جا سکا تھا۔

مشرقی سرحد پر ایران تھا۔ پانچویں صدی عیسوی کے اختتام تک اس سے تعلقات خوشگوار رہے بلکہ بارہا ایران اور بیزنطینہ میں تعاون کر کے مشترکہ طور پر ایک مشترکہ دشمن سے مقابلہ کرتے تھے جو وسط ایشیا سے نکل کر کوہ قاف کے دروں میں سے گزرتے ہوئے دونوں سلطنتوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس تعاون کی جگہ بدمزگی کا آغاز ہمارے مغربی بھائیوں ہی سے ہوا۔ شہنشاہ انسطاس نے ۴۹۶ء میں عادتی رقم کی ادائی سے انکار کیا تو جلد ہی ۵۰۲ء میں ایران سے جنگ چھڑی اور تین سال تک جاری رہی، پھر دب کر شہنشاہ قباذ سے صلح کرنی پڑی۔ ۴۹۷ء میں حکمرانِ کندہ (یمن) نے شام و فلسطین تک تاخت کی اور انسطاس ہی کو دبنا پڑا۔

اس اثناء میں مغربی سرحد پر بھی پریشانی سے سابقہ رہا اور ایک بڑا بحری بیڑہ جو قرطاجہ (تونس، شمالی افریقہ) پر حملہ کرنے بھیجا گیا تھا، تباہ و برباد ہو گیا۔

دو مزید مصیبتیں تھیں، جاگیردار رعایا پر ظلم و تشدد کرنے لگے اور مرکز شنوائی نہ ہوئی۔ دوسرے مذہبی جنون روز افزوں تھا۔ نہ صرف غیر سرکاری مذہبوں (یہودیت اور بت پرستی) پر بے وجہ ظالمانہ دست درازی ہوتی رہی بلکہ خود سرکاری مذہب (عیسائیت) فرقہ پرستیوں کا شکار تھا۔ اور ہر فرقہ نہ صرف دوسروں کو کافر کہتا تھا بلکہ جب بھی موقع ملتا دوسروں پر جبر اور خون خرابے سے دریغ نہ کرتا تھا، جھگڑا زیادہ تر اس عقیدے کے متعلق تھا کہ آیا حضرت مسیح میں صرف ایک طبیعت (خدائی) تھی یا بوقت واحد دو طبیعتیں (خدائی و انسانی) تھیں۔

شہنشاہ انسطاس نے سرکاری مصارف گھٹائے اور رعایا پر سے محصول بھی کم کیے جس سے جلد ہی سرکاری خزانہ لبریز ہو گیا لیکن مذہبی جنون اسے بھی تھا۔ یک طبیعتی فرقے سے تعلق کے باعث وہ دیگر فرقوں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا رہا۔ اور خانہ جنگیوں نیز بیرونی جنگوں کے زمانہ میں اس نے ۵۱۸ء میں دنیا کو خیر باد کہا۔ خواجہ سرا وزیر نے وارثوں کو محروم کر کے ایک جاگیردار یوستین (Justin) کو تخت نشین کیا۔ جو دو طبیعتی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر بے تعصبی اس میں بھی نہ تھی۔

اس نے پوپ سے پینگ بڑھائی مگر آریائی فرقے پر مظالم آغاز کیے۔ قوط اور دیگر جرمن قبائل اسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک آریائی سردار تیودوریک نے پوپ کو مجبور کیا کہ قسطنطنیہ جا کر شہنشاہ کے احکام کو منسوخ کرائے۔ پوپ نے تعمیل کی مگر ناکام واپس آیا تو تیودوریک نے پوپ کو قید خانہ بھیج دیا اور وہیں اسے جان دینی پڑی۔ اور جلد ہی شہنشاہ یوستین بھی ۵۲۶ء میں دنیا سے چل بسا۔

Marfat.com

اب اس کا بھتیجا یوستینیان (Justinian) تخت پر آیا۔ اس کا انتالیس سالہ دور حکومت گرم و سرد ہر چیز سے لبریز ہے۔ یہ عالم و فاضل مانا جاتا ہے۔ علم دوست بھی تھا، انتظامی صلاحیتیں بھی تھیں، دینداری بھی بہت تھی، لیکن کوشش یہ کرتا رہا کہ فرقہ واریت گھٹے اور سب عیسائیوں میں اتحاد رائے ہو جائے۔ اس اتحاد آرائی کی سعی میں اپنے علم و فضل سے وہ مصالحت کی نئی نئی تجویزیں پیدا کرتا رہا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مصالحت عقائد کی ان سرکاری تجویزوں کو بزور حکومت سب سے منوانے کی کوشش کی تو ان سے نئے فرقے ہی پیدا ہو گئے اور مذہبی جبر و ستم کسی طرح گھٹ نہ سکا۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ شہنشاہ نے ایک بدنام رقاصہ کو اپنا دل دے دیا۔ اس دلنواز تیودورا کا تعلق یک طبیعتی فرقے سے تھا۔ تیودورا سیاسیات میں بڑی دخیل رہی اور مورخ حیران رہ جاتا ہے کہ شہنشاہ چند پادریوں کو معزول کرتا ہے اور جلا وطن کرتا ہے۔ یہ ملکہ کے محل میں پناہ گزیں رہ کر پوری آزادی سے اپنی جماعت کی قیادت کرتے رہتے ہیں۔ شہنشاہ نے یک طبیعتی فرقے کے علاوہ نسطوریوں پر بھی شدید مظالم کیے جس سے وہ ملک چھوڑ کر ایران میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوتے رہے۔

قطع کلام ہی سہی! یہ یاد دلانا ہے کہ تخت نشین ہونے کے چند ماہ بعد ہی یوستی نیان نے تدوین قانون کا ایک کمیشن مامور کیا اور پرانے رومی قوانین و نظائر وغیرہ کا پہلا خلاصہ دو سال بعد کوڈ کے نام سے تیار ہو گیا۔ سرکاری ترمیموں وغیرہ کے باعث تدوین کا کام جاری رہا اور جلد ہی دوسرا مجموعہ پانڈیکٹ کے نام سے اور پھر تیسرا انسٹی ٹیوٹ کے نام سے شائع ہوا۔ ان مجموعہ ہائے قوانین کی بجا دھوم ہے لیکن ان کی تدوین انسانیت کو ایک مبارزت (چیلنج) بھی تھی کہ اس سے بہتر قانون ممکن نہیں۔ اور اس نے انسانی دماغوں کو مرعوب اور معطل کر دیا۔ اس مبارزت کو عرب کے ایک کملی والے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قبول کیا اور آپ کے بیان کردہ اصولوں کے اطلاق و توسیع سے فقہ کے نام سے دنیا میں جو نیا نظامِ قانون قائم ہوا، ناطرفدار مبصروں کی نظر میں، اس کے سامنے یوستی نیان کے مجموعے پھیکے ہی ثابت ہوتے ہیں۔

پایۂ تخت کی سرکس کے مقابلوں میں ایک مرتبہ جھگڑا بڑھا تو نہ صرف سپہ سالار کا گھر بلکہ شاہی محل اور صدر گرجا بھی جل گئے۔ بادشاہ شہر چھوڑ کر ایشیا میں بھاگ جانا چاہتا تھا، ملکہ نے ہمت بندھائی اور بڑی بے رحمی سے ہنگامے فرو ہوئے۔ یوستی نیان نے صدر گرجا دوبارہ تعمیر کیا۔ پانچ

Marfat.com

سال کے بعد اسے آیا صوفیہ کے نام سے عبادت کے لیے کھولا گیا۔ شان و شوکت کے لحاظ سے یہ اپنے زمانے میں عجوبۂ روزگار سمجھا جاتا تھا۔ سلطان محمد فاتح نے اسے تثلیث کی جگہ توحید کی عبادت گاہ بننے کی سعادت عطا کی، مرمت کے لیے چند ٹھیکریوں کی ضرورت تھی اور کمال اتاترک کو اپنی عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں اس کی گنجائش نظر نہ آئی تو قارونستان (امریکہ) پر نظر گئی، وہاں سے اس شرط پر خیرات ملی کہ وہاں آئندہ خدا کا نام نہ لیا جائے، فی الحال آیا صوفیہ نے میوزیم کی صورت اختیار کر لی ہے۔

حکمرانوں کی جوع الارضی مشہور ہی ہے، ابھی یوستی نیان کو تخت پر آئے چند ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ علاقۂ قفقاز کے اقتدار کے سلسلہ میں ایران سے جھگڑا شروع ہو گیا، تین چار سال جنگ جاری رہی، اور ایران میں اباحیت و مزدکیت کے بہ جبر و زور پرچار کے باعث ملک غیر متحد تھا۔ اور آخر ۵۳۲ء میں نوشیرواں تخت پر آیا۔ اس نے صلح کی سلسلہ جنبانی کی اور یوستی نیان کو یہی غنیمت معلوم ہوا اور دونوں نے ''مدامی'' امن کا معاہدہ کیا۔

یوستی نیان نے اس معاہدہ پر تکیہ نہ کیا بلکہ فرزانگی سے ایک طرف قفقازی سرداروں سے حلیفی کی طرح ڈالی تو دوسری طرف نجاشی حبشی سے بھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شام و فلسطین کے عرب باشندوں کو ایک غسانی سردار حارث بن جبلہ کی سرداری میں ایک نیم مختار سلطنت عطا کر کے اس کا پابند کیا کہ عرب سے ہونے والے بدوی حملوں کا سدباب کریں۔ غسانی عرب یک طبیعتی فرقے کے عیسائی تھے۔ غسانیوں نے بُصریٰ (فلسطین) کو اپنا صدر مقام بنایا۔ جہاں سارے عرب کے کارواں آنے لگے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نوعمری میں وہاں تشریف لے گئے تھے، چونکہ ایرانیوں کے حیرہ (کوفہ) میں لخمی عربوں کی حکومت تسلیم کر کے ان سے بیزنطینی جنگوں میں ہمیشہ فائدہ اٹھایا تھا۔ اس لیے غسانی سلطنت ایک طرح اس کا جواب بھی تھی تاکہ عربوں کو عربوں ہی سے لڑایا جائے۔

ادھر سے فراغت ہوئی تو یوستی نیان نے یورپ فتح کرنے کی کوشش شروع کی، مگر گھر میں مذہبی خانہ جنگیوں کے باعث رعایا کے دل کسی اور طرف لگے ہوئے تھے۔ ملکہ تیودورا کے اثر کا اندازہ اس سے لگایا جائے کہ اس کے اشارہ سے پوپ سلویریس تک کو معزول کر دیا گیا۔ جس پر الزام یہ تھا کہ وہ قوطیوں سے سازش کر کے اٹلی سے بیزنطینیوں کو نکالنا چاہتا تھا۔ اٹلی میں قوطیوں

Marfat.com

سے جنگ جاری رہی، ان لوگوں نے نوشیرواں کو اُکسایا، اس نے بھی موقع دیکھ کر شام پر حملہ کر دیا اور انطاکیہ پر قبضہ کیا۔ یہ جنگ چھوٹے پیمانے پر کئی سال جاری رہی۔ آخر ۵۶۲ء میں پچاس سال کے لیے دونوں ''بڑوں'' نے صلح کا معاہدہ کیا۔ قوطیوں سے جنگ جاری رہی۔ ایک مرتبہ پورا اٹلی ہاتھ سے نکل گیا۔ اور بڑی تباہیوں کے بعد دوبارہ اُس پر قبضہ ہوا۔ پھر اسپین سے جنگ چھڑی، اس اثناء میں ڈانیوبی سرحد سے غفلت برتی گئی، تو ترکستانی خان، سلاف اور بلغار اُدھم مچانے لگے اور بحیرہ آدریاتیک سے لے کر قسطنطنیہ تک تباہی پھیل گئی۔ اس وقت سرکاری خزانہ خالی تھا، مگر مذہبی جنون کم نہ ہوا اور حسب سابق شہنشاہ آئے دن مختلف مذہبی عقیدوں کی سرپرستی کرتا رہا۔ مالگذاری کے مظالم بھی بڑھ گئے۔ ملکہ تیودورا ۵۴۸ء میں مر چکی تھی، آخر بیاسی سال کی عمر میں ۵۶۵ء میں یوتی نیان نے بھی جان، جان آفریں کے سپرد کی تو رعایا نے اطمینان کا سانس لیا کہ شائد اب نت نئی آئے دن کی راج ہٹ سے نجات ملے گی۔

اب یوتی نیان کا بھتیجا یوتیتین تخت پر بیٹھا، اس کے پانچ سال بعد ۵۷۰ء میں مکہ معظمہ کو نبی آخرالزماں کی ولادت گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ۵۷۴ء میں یوتیتین کا دماغ چل گیا، اس نے ایک قابل فوجی افسر طبیر یوس کو اولاً قیصر (یعنی نائب السلطنت) کا پھر آگسٹوس کا شاہانہ خطاب عطا کیا تھا۔ اس لیے ۵۷۸ء میں وہی جانشین بنا، اس نے ملک کی مالی حالت کسی قدر درست کی، چار ہی سال بعد وہ چل بسا۔ اس نے موریق (Maurice) کو قیصر اور آگسٹوس کے خطاب اپنی زندگی میں دے کر ولی عہد بنا دیا تھا۔ اب وہی تخت پر بیٹھا۔

موریق کنجوس بھی تھا اور فوج میں بھی کلیدی عہدوں کے لیے اقربا نوازی کرتا رہا۔ اس طرح فوج میں نااہل لوگ شامل ہو گئے، دوسری طرف پوپ نے جواب تک اپنے کو بیزنطینی رعیت سمجھتا تھا، یہ ادعا شروع کیا کہ مذہبی معاملوں میں (جن میں گرجا کے پادریوں کا تقرر بھی شامل ہے) اقتدار اسے اور صرف اسے حاصل رہے۔ اس طرح پوپ سے بھی جھگڑا شروع ہو گیا۔ مغربی سرحدوں کا امن وہاں کے وحشی قبائل کے سرداروں کو وظیفہ (بلکہ خراج) دے کر حاصل ہوا تھا، کنجوسی کے جنون میں تخفیف مصارف کی کلہاڑی ان وظائف پر چلی، نتیجہ ظاہر ہے اس پر مستزاد یہ کہ ان مغربی بھاڑے کے ٹٹوؤں کی جگہ فوج میں آرمیدیا اور قفقاز کے لوگوں کو بھرتی کرنے کی تجویز میں بیزنطینی سرحد کو ان علاقوں تک پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ اس پر ایران سے جھگڑا شروع ہو گیا

Marfat.com

اور پچاس سالہ امن کا معاہدہ دس ہی سال بعد موریق نے چاک کر دیا۔ یہ جنگ پچاس سال تک چلتی رہی۔ اور غزوۂ حدیبیہ کے زمانے میں ختم ہوسکی۔ اسی جنگ کے وہ دو اجزاء ہیں جن کا سرِ مضمون پر درج کردہ آیاتِ قرآن میں ذکر ہوا ہے۔

آغازِ جنگ

جنگ کا خطرہ دیکھ کر دونوں "بڑوں" نے اپنے زیرِ اثر نیز اپنے ہمسایہ حکمرانوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ایک سفارتی جنگ شروع کی تھی۔ یوستین (Justin) نے مغربی ترکوں کے خاقان سے حلفی کر لی تھی۔ خاقان کا علاقہ چین سے ماوراء النہر تک پھیلا ہوا تھا۔ اور یہ ایران کا مخالف تھا۔ یوستین نے ایران کی آرمنی رعایا سے بھی ساز باز کر لی نیز اسیر قوم سے جو ایرانی صوبہ داروں سے نالاں تھے، (پھر ۵۰۲ء) میں یوستین نے اس خراج کی ادائی سے انکار کیا جو حسب معاہدہ وہ ایران کو دینے کا پابند تھا۔ نوشیرواں نے بیزنطینی سرحد کے سب سے اہم قلعہ "دارا" پر بہ آسانی قبضہ کر لیا۔ شہنشاہ یوستین بیمار تھا اس لیے عارضی صلح کر لی گئی۔ پھر مزید فوجیں اکٹھی کی گئیں۔ نوشیرواں بھی سمجھ گیا اور اچانک بیزنطینی آرمیںیا پر حملہ کر دیا۔ جنگ کا پر کبھی ادھر کبھی اُدھر جھکتا رہا۔ ۵۷۸ء میں نوشیرواں کی وفات پر ہرمزاور اس کے بعد پرویز بادشاہ بنے اور جنگ برابر جاری رہی۔ اور ۵۸۲ء میں موریق تخت پر آیا اور اپنی کنجوسی سے عین جنگ کے زمانہ میں سپاہیوں کی تنخواہ کم کر دی۔ انہوں نے بغاوت کر دی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ عین اس فیصلہ کن زمانے میں ایران میں بھی خانہ جنگی شروع ہوئی اور ایک سردار بہرام (چوبیں) نے کچھ اتنا سر اٹھایا کہ پرویز کو سوائے اس کے کچھ نہ سوجھی کہ بھاگ کر ۵۹۰ء میں بیزنطینی علاقے میں پناہ لے۔ موریق نے اس کی آؤ بھگت کی بلکہ اپنی بیٹی بھی اس کو بیاہ دی۔ پھر اپنی فوج بھی اس کے سپرد کی۔ پرویز نے اس کی مدد سے اپنا تخت واپس حاصل کر لیا اور اظہار شکر گزاری میں بہت سا علاقہ بیزنطینیوں کے سپرد کر دیا۔ موریق کو ایران کی طرف سے اطمینان ہوا تو یورپ کی طرف نئے سرے سے توجہ کی مگر یہ بعد از وقت ثابت ہوا۔ بیرونی تباہیوں کے وقت اندرونی خانہ جنگیاں بھی پھوٹ پڑتی ہیں چنانچہ فوقاس (Phocas) نے بغاوت کی اور موریق کو قتل کر کے تخت پر آیا۔ اور آٹھ سالہ حکومت میں موریق کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے علاقوں کے تخلیے

Marfat.com

شروع ہو گئے۔ شہنشاہ ایران تاک میں تھا کہ مجبوراً جو علاقے ''اظہار شکر گذاری میں'' سپرد کرنے پڑے تھے ان کو واپس حاصل کرے، اس نے اپنے محسن موریق کی موت کو بہانہ بنایا اور خون کے انتقام کے لیے جنگ شروع کر دی۔ اور ۶۰۵ء میں مکرر سرحدی قلعہ دارا پر قبضہ کر لیا۔ پھر شاہین نامی افسر کی سرداری میں بیزنطینی آرمیبیا پر حملہ کیا اور ارض روم پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے افسر شہر براز نے ماروین، آبد اور اویسہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ۶۱۰ء میں (بعثت نبویؐ کے سال) بحیرۂ بوسفورس پر خلقیدون (Chalgedon) تک پہنچ گیا۔ ان حالات میں بھی احمق شہنشاہ فوقاس کو سوجھی تو یہی سوجھی کہ شام و مصر میں عیسائی فرقہ بندی میں مذہبی تشدد کے شعلے بھڑکائے۔ سارے شام میں بغاوت مچی، یہودیوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اور انطاکیہ کے بطریک انسطاس کو جان سے مار ڈالا۔ اس زمانہ میں افریقی فوج کا سردار ہرقل مصر سے فوجیں لے کر قسطنطنیہ آتا ہے اور فوقاس کو قتل کر کے خود تخت پر بیٹھتا ہے۔

غُلبتِ الرُّومُ فی أدنَی الأرض

فوقاس (Phocas) کے زوال سے صورت حال نہ سنبھلی ۶۱۱ء میں ایرانی سپہ سالار شہر براز نے انطاکیہ پر قبضہ کیا۔ ۶۱۲ء میں ایرانی شام میں گھس گئے اور ۵/ مئی ۶۱۳ء کو بیت المقدس پر (جسے قرآن مجید نے ادنیٰ الارض، قریبی علاقہ کا نام دیا ہے) قبضہ کر لیا۔ یہاں سے وہ نہ صرف باشندوں کو بلکہ بطریک (صدر پادری) کو بھی قید کر کے لے گئے اور ستم یہ کیا کہ وہ اصل صلیب جس پر شبیہ مسیح کو سولی پر لٹکایا گیا تھا اور جس کی عیسائیوں میں انتہائی عزت و حرمت تھی، اسے بھی لے گئے۔ ۶۱۵ء میں شاہین نے خلقیدون پر قبضہ کر لیا اور ہرقل نے صلح کی التجا کی تو خط کا کوئی جواب تک نہ دیا گیا۔ جلدی ہی (۶۱۷ء تا ۶۱۹ء) مصر اور اسکندریہ پر بھی ایرانی قبضہ کیا ہوا کہ قسطنطنیہ کا غلہ کرانہ بند ہو گیا۔ عین اسی زمانہ میں اسپین بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اور ڈانیوبی سرحد میں آوار اور سلاف اُودھم مچانے لگے اور تو نئے خاقان کی سرداری میں جون ۶۱۷ء میں قسطنطنیہ تک پہنچ گئے اور چاہا کہ ہرقل کو کسی بہانے شہر سے باہر بلا کر قید کر لیں۔

Marfat.com

وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْن

ہرقل (۶۱۰ء) میں اسی سال تخت پر بیٹھا تھا جس میں بعثت نبویؐ ہوئی تھی۔ اور غلبت الروم کا واقعہ بھی اسلام کی مظلومیت اور قبل ہجرت زمانے سے ہمعصری کا تعلق رکھتا ہے۔ ہرقل کو کیا معلوم ہوگا کہ دور دراز مکہ میں بھی نہ صرف اس کے دوست تھے بلکہ پورے ایقان کے ساتھ دعویٰ کر رہے تھے کہ ''چند ہی سال میں رومی اپنی مغلوبیت کے بعد مکرر غالب آ جائیں گے۔'' یہ ہمدردی محض اس لیے تھی کہ ہرقل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تھوڑی بہت نسبت تھی اور وہ تثلیث کی الجھنوں کے باوجود اللہ کو ایک مانتا تھا۔ وہ آتش پرستی پر نیکی اور بدی کے دو الگ الگ خدا ماننے کو تیار نہ تھا۔ رسولِ عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر آئی ہوئی وحی کی اساس پر ابوبکر صدیقؓ نے بت پرستانِ مکہ سے شرط باندھی کہ نو سال کے اندر کایا پلٹ ہو جائے گی۔ اور واقعہ ۶۲۸ء میں پیش بھی آ گیا۔

یہ کیسے ہوا؟ اس عالم اسباب میں ہرقل ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھا رہا۔ اس نے بچے کھچے علاقے میں امن و نظم قائم کیا۔ فوج کی نئی تنظیم کی۔ اسے بہ کثرت مشق کرا کر کام کی تربیت دیتا رہا، اس نے ایک مقدس جنگ کی تیاری کا اعلان کیا۔ اور تین ہی سال بعد ۶۲۲ء میں (سالِ ہجرت) اس نے ایشیائے کوچک سے آرمینیا تک کا راستہ پہلے ہی حملہ میں صاف کر لیا۔ اور آذر بائیجان پہنچ کر قریب تھا کہ خود شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو قید کر لے۔

آرمینیا فوجی بھرتی کا علاقہ تھا۔ چنانچہ بیزنطینی فوج میں آرمنی اب آسانی سے بھرتی کیے جانے لگے۔ ۶۲۴ء میں (غزوۂ بدر کے سال) اس نے بحیرہ وان کے پاس شہر براز کو تین مرتبہ شکست دی۔ ۶۲۵ء میں (غزوہ اُحد کے سال) ہرقل کو کچھ پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ خسرو پرویز نے آوار قوم سے صلح کرنے کے بعد بڑی کوشش کی کہ ہرقل کے خطرے سے نجات حاصل کر لے اور چاہا کہ قسطنطنیہ پر ٹوٹ پڑے۔ شہر براز کا علقیدون پر قبضہ تھا۔ شاہین برابر ہرقل پر حملے کیے چلے جا رہا تھا اور ایسے وقت میں آوار قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے آ پہنچے۔ کچھ قسمت آزمائی کرنے کے بعد خانِ آوار یہ سمجھ کر کہ انگور ابھی کھٹے ہیں، واپس چلا گیا۔

ہرقل قسطنطنیہ کے محاصرے سے پریشان نہ ہوا اور اپنے بھائی تیودور کو شاہین سے مقابلہ کرنے کے لیے چھوڑ کر خود دجلہ میں اتر پڑا۔ یہ دسمبر ۶۲۷ء کا واقعہ ہے۔ تین ماہ بعد فروری

Marfat.com

۶۲۸ء میں (غزوۂ حدیبیہ کے سال) اس نے نینوا کے کھنڈروں کے پاس پرویز کی فوجوں کو ایک ایسی شکست فاش دی کہ تخت کیانی لرز گیا۔ اور ہرقل پایۂ تخت مدائن سے چند میل تک آ گیا۔

پرویز کو اس کے اپنے بیٹے شیرویہ نے جان سے مار ڈالا اور فوراً صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ مؤرخ گبن کے مطابق ماہ مارچ ۶۲۸ء مطابق ذیقعدہ ۶ھ میں اور مؤرخ بریئے (Brehier) کے مطابق ۳/ اپریل ۶۲۸ء مطابق ۲۲/ ذیقعدہ ۶ھ کو صلح نامہ طے ہو گیا۔ جس کے تحت آرمینیا، مصر، شام وغیرہ کا تخلیہ کرنا تھا۔

ہرقل نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ادیسہ سے پیدل بیت المقدس جا کر وہاں گرجا میں اصل صلیب واپس کی اور ستمبر ۶۲۸ء میں مذہبی عید کے وقت وہاں سر نیاز جھکایا۔ جیسا کہ مؤرخ نقفور (Nicephore) کا بیان ہے اور پھر اس کے بعد پایۂ تخت قسطنطنیہ گیا۔

اُدھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرط جیت کر قریش سے بہت سے اونٹ حاصل کیے۔ نقل کردہ آیات قرآنی کو پھر پڑھیے اور سوچیے کہ لوگوں کی اکثریت دنیوی زندگی کے ظاہر کو دیکھتی ہے اور آخرت سے بھی غفلت برتتی ہے اور " اعدوا الھم " سے بھی حالانکہ دنیا عالم اسباب ہے۔

(''فاران'' کراچی۔ نومبر ۱۹۵۴ء)

غزوۂ بنی النضیر کا اصل باعث

ابن اسحاق کی کتاب میں ایک قدیم سہو کتابت؟

سیرۃ النبی (علی صاحبہا السلام) کے اس واقعے سے بچہ بچہ واقف ہے کہ ۴ھ کے معرکہ بدر کے کچھ دن بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں اور بنی النضیر کے یہودیوں میں لڑائی ہوئی۔ فتح پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس شرط پر معاف کر دیا کہ اپنا سارا مال ومتاع حتیٰ کہ قرض کی جو رقمیں تھیں مسلمانوں سے واپس حاصل کر کے کہیں اور جا بسیں۔ یہ لڑائی کیوں ہوئی؟

ابن ہشام (یعنی ابن اسحاق) نے لکھا ہے کہ بدر کی شکست پر کھسیانی بلی کی طرح مشرکین مکہ نے یہ اعلان کیا کہ جو کوئی مسلمان کو قتل یا گرفتار کرے تو اسے انعام دیا جائے گا۔ ایک زر پرست بے اصول قبیلے[1] نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجا کی کہ تبلیغ اسلام کے لیے اس کے ہاں چند مشنری بھیجے جائیں[2]۔ اور جب وہ اس کے ہاں پہنچے تو ان کو گھیر کر مار ڈالا یا قید کر کے اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا[3]۔ اور بچا تو صرف ایک مسلمان جو قافلے کے اونٹوں کو چراگاہ لے گیا تھا اور واپسی پر بدقت جان بچا کر مدینہ روانہ ہوا۔[4] (یعنی عمرو بن امیہ ضمری) مدینے سے ایک منزل پہلے انہیں دو بدوی ملے اور معلوم ہوا کہ وہ اسی قبیلے کے افراد ہیں جس نے مسلمانوں کو دھوکے سے قتل کیا تھا، کھانی کر جب دونوں بدوی سو گئے تو حضرت عمرو بن امیہ نے چپکے سے انتقام لینے کے لیے ان کو قتل کر دیا جب مدینہ پہنچ کر واقعات بیان کیے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بدوی دوست (مسلمان تھے؟[5]) اور پروانہ امن لے کر گئے تھے، ظاہر ہے کہ قتل خطا پر خوں بہا دینے کی ضرورت تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی النضیر کے

Marfat.com

یہودیوں کے یہاں گئے تا کہ وہ بھی خون بہا کی ادائی میں شرکت کریں۔ بہ ظاہر تو انہوں نے قبول کیا اور انتظار کرنے کو کہا، پھر جس گڑھی کے نیچے سائے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، چاہا کہ اس کے اوپر سے چکی کے پاٹ گرا کر آپ کو قتل کر دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھانپ لیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ہمراہیوں کے ساتھ "ابھی آیا ہوں" کہہ کر مدینہ واپس ہو گئے، پھر دوسرے دن سزا دہی کے لیے بنی النضیر کا محاصرہ کیا......

ابن اسحاق کی اس روایت کو تقریباً سارے ہی متاخرین دہراتے رہے ہیں۔ مجھے بچپن ہی سے اس سے کھٹک رہی، ایک بار ہمارے سب سے بڑے سوانح نگار نبوی (مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم) حیدرآباد دکن آئے تو میں نے ان سے طالب علمانہ پوچھا تھا کہ قاتل جب مسلمان تھا تو یہودیوں پر خوں بہا کی کیوں ذمہ داری ہونی چاہیے؟ زیادہ سوچے بغیر فرمایا "نہیں جی وہ ذمہ دار تھے"۔ پھر اوروں سے گفتگو میں مشغول ہو گئے اور بات رہ گئی۔

ان کی سیرۃ النبی کا یہ حصہ غالباً ہمارے دوسرے سرکردہ عالم مولانا شبلی نعمانی مرحوم کا لکھا ہوا ہے انہیں بھی اس میں کوئی غیر مقبول بات نظر نہیں آئی۔

اس پر سالہا سال گذر گئے اور گتھی کا تشفی بخش حل نہ ملا۔ آخر ابھی حال ہی میں سمہودی کی وفاء الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ کو بار دیگر اور ذرا تفصیل سے پڑھنے کا موقع ملا تو الحمدللہ اس کا جواب مل گیا، میں نے فوراً "معارف" اعظم گڑھ کو ایک نوٹ بھیجا۔ شاید وہاں اسے گستاخی خیال کیا گیا۔ ابھی حال میں مصنف عبدالرزاق بن ہمام میں بھی (جو امام بخاری کے دادا استاد کی تالیف ہے) وہی داستان ملی جو سمہودی نے لکھی ہے (اور غالباً سمہودی کا ماخذ بھی وہی ہے)

چونکہ سیرت شبلی ہمارے ملک اور ہماری زبان کی سب سے بہتر سوانح نبوی ہے۔ اس لیے اگر ذیل کی معلومات شائع ہو جائیں تو کم از کم چند لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ سمہودی کی کتاب مستند بھی ہے اور معروف بھی ہے اس سے ناواقفیت کا سوال نہیں ہو سکتا۔ "سفر نامہ مصر شام و روم" کے محترم مؤلف کو عبدالرزاق کی مصنف سے واقفیت کا موقع بھی رہا ہے کہ اس کے کئی نسخے ہیں ہے۔ اور اب ڈابھیل اور جوہانسبرگ کی مشہور مخیر میاں فیملی کی توجہ سے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اسے شائع بھی کر دیا ہے۔

Marfat.com

بہر حال مصنف عبدالرزاق کی جلد پنجم حدیث نمبر (۹۷۳۳) میں اور سمہودی کی تاریخ مدینہ (طبع جدید) صفحہ (۲۹۸) میں غزوہ بنی النضیر کی اہم تفصیل ملتی ہے اور سمہودی نے لکھا ہے کہ وہی بیان عبد بن حمید کی تفسیر میں اور ابن مردویہ کی حدیث کی کتاب میں بھی اور عمدہ راویوں کی سند سے مذکور ہے اور یہ کہ ''یہ بیان ابن اسحاق کے بیان پر قابل ترجیح ہے۔ [۸]''

بدر کی جنگ کے بعد مشرکین نے بنوالنضیر کے یہودیوں کو ترغیب دلائی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی طرح قتل کر ڈالیں انہیں غیر یہودی نبی کا وجود گوارا نہ تھا۔ اس کی روز افزوں ترقی سے جلن تھی اور یہود بنی قینقاع کی شہر بدری سے غم اور غصہ بھی تھا اور خود اپنے مستقبل کے لیے خطرہ بھی نظر آ رہا تھا لیکن ممکن ہے کہ اہل مکہ نے انعام واکرام کا مالی لالچ بھی دلایا ہو، بہر حال انہوں نے قبول کرلیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیغام بھیجا کہ وہ اسلام قبول کرنے پر مائل ہیں اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تیس اصحاب کے ہمراہ ان کے یہاں تشریف لائیں تو تیس یہودی علماء آپ سے بحث کریں گے اور اگر یہ علماء قائل ہو گئے تو بنوالنضیر کے سارے یہودی اسلام قبول کرلیں گے۔ وقت معینہ پر یہودی عالم کپڑوں میں ہتھیار چھپائے ہوئے انتظار کرنے والے تھے، پھر انہوں نے سوچا کہ تیس ایسے مسلمانوں سے جن میں سے ہر ایک اپنی جان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کو ترجیح دینے والا ہو، ملاقات خطرے سے خالی نہیں، اس لیے فوراً ایک نیا پیغام بھیجا کہ تیس آدمیوں سے گفتگو میں گڑبڑ ہوگی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف تین آدمیوں کے ساتھ رونق افروز ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظور فرمالیا، ان یہودیوں میں ایک مدنی عرب عورت بیاہی ہوئی تھی جب اسے معلوم ہوا کہ تیس یہودی عالم اپنے جبّوں میں خنجر چھپائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا انتظار کررہے ہیں تو اس نے اپنے بھائی سے جو ایک انصاری مسلمان تھے خفیہ اطلاع بھجوائی۔ پیام ملتے ہی وہ دوڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت جالیا جب آپ بنوالنضیر کے گاؤں میں پہنچنے ہی کو تھے، خبر سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الٹے پاؤں مدینہ چلے آئے اور دوسری صبح کو فوجی دستوں کے ساتھ جا کر بنوالنضیر کا محاصرہ شروع فرمایا۔

عبدالرزاق اور عبد بن حمید جیسے پرانے محدثین کی یہ روایت معقول معلوم ہوئی اور دل کو لگتی ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن اسحاق کی کتاب المغازی کو نقل کرتے وقت کاتب سے سہو ہوئی

Marfat.com

اور یا تو چند سطریں یا پورا ایک ورق چھوٹ گیا اور نظر اچٹنے سے دو قصے مدغم ہو گئے یہ بہت قدیم زمانے میں پیش آیا اور بعد کو تحقیق کا کسی کو خیال نہ آیا۔

ان حالات میں سمہودی کے بیان کی (کہ یہ روایت ابن اسحاق کی روایت پر قابل ترجیح ہے) یہ ناچیز بھی تائید کرتا ہے اور توقع ہے کہ دیگر فضلاء و محققین اس نتیجے پر پہنچیں گے یہ تصحیح سیرت نبویہ کی ایک اہم خدمت متصور ہو سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں مرتب کی چند گزارشات

سیرت نبوی کے موضوع پر محترم جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا مطالعہ غیر معمولی وسیع ہے اور انہوں نے اس موضوع پر مختلف زبانوں میں متعدد کتابیں لکھی ہیں، خاص طور پر عہد نبوی کے غزوات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کی جنگوں اور حدود مملکت کے جو نقشے انہوں نے تیار کیے ہیں وہ اس موضوع پر ماخذ کا کام دیتے ہیں، عربی، اردو، انگریزی اور فرنچ میں انہوں نے قرآن کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس مختصر استدراک سے بھی سیرت نبوی پر ان کے مطالعہ کی گہرائی اور ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس میں غزوہ بنو النضیر کے سبب اصلی پر جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر اس سلسلہ میں راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس کا سبب نہ تو محض دیت کا مطالبہ تھا اور نہ قریش کی سازش میں ان کا ملوث ہونا تھا بلکہ ان مذکورہ بالا اسباب کے ساتھ ان کی وہ معاندانہ روش بھی تھی جس کی زد روزمرہ مسلمانوں پر پڑتی تھی ان تمام اسباب نے مل کر ایسی صورت پیدا کر دی تھی کہ اگر ان کے خلاف یہ قدم نہ اٹھایا جاتا تو وہ اسلامی حکومت جو ابھی وجود میں آئی تھی اور جس کا مرکز مدینہ منورہ تھا وہ ہمیشہ انتشار و فساد کی آماجگاہ بنا رہتا اور مسلمانوں کو مثبت طور پر کوئی کام کرنے میں ہمیشہ رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتیں جیسا کہ تین چار برس میں مسلمانوں کو متعدد بڑے بڑے خطرات کا سامنا کرنا پڑا اور آئندہ اس کا امکان باقی تھا چنانچہ یہود کے مدینہ منورہ سے نکل جانے کے بعد کسی کو پھر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی جرأت اسی لیے نہیں ہوئی کہ اب گھر کے بھیدی موجود نہ تھے۔

ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کی پوری آبادی پر یہودیوں کا نہ صرف اقتصادی غلبہ تھا بلکہ مذہبی اعتبار سے انصار اور دوسرے عرب قبائل بھی ان کو اپنے سے

معزز ومحترم سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہاں کے ہر اجتماعی معاملہ میں ان کا عمل دخل ضروری ہو گیا تھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اقتصادی اعتبار سے گو ان کا غلبہ باقی تھا مگر وہاں کے اجتماعی معاملات میں ان کی وہ قائدانہ حیثیت باقی نہیں رہی جو ہجرت سے پہلے تھی پھر ان کے کئی ممتاز علماء حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت زید بن سعنہ وغیرہ کے اسلام لانے کے بعد ان کی مذہبی قیادت بھی کمزور پڑ گئی اس کے ساتھ قرآن پاک میں ان کی بہت سی دینی و اخلاقی خرابیوں کو کھول کھول کر بیان کیا جا رہا تھا جس سے ان کی اخلاقی پوزیشن کمزور ہو رہی تھی، گو آپ ہمیشہ ان سے مداوات کا معاملہ فرماتے تھے، بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ:

وکان یحب موافقة اھل الکتاب بما لا یومر بشی ء (بخاری کتاب اللباس)

''جس چیز کے بارے میں کوئی حکم خدا کی طرف سے نہیں آتا تھا اس میں آپ اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔''

پھر آپ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان سے ایک معاہدہ امن بھی کر لیا تھا جس میں ان کو ہر طرح کی آزادی اور مسلمانوں کے برابر حیثیت دی گئی تھی مگر مذکورہ بالا اسباب کی بناء پر ان کو اسلام اور مسلمانوں اور ذات نبوی سے ایک نفرت پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے آپ کے اس اخلاقی طرز عمل کا کوئی اثر ان پر نہیں پڑتا تھا اور نہ اس معاہدہ امن کو انہوں نے ایک دن بھی دل سے قبول کیا بلکہ برابر اپنے طرز عمل سے اس کی خلاف ورزی کرتے رہے اور حسن اخلاق کے مقابلہ میں برابر بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

(۱) یہود عام طور پر آپ کی مجلس میں جاتے تھے تو آپ کی خدمت میں السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (آپ کو موت آئے) کہتے تھے، صحابہ کو اس سے سخت تکدر ہوتا تھا مگر آپ اسے انگیز فرماتے تھے، اس کے علاوہ بھی مختلف طریقوں سے آپ کو اذیت پہنچاتے تھے چنانچہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا.

''آپ اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنیں گے مگر آپ صبر سے کام لیں۔''

(۲) انصار کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج میں انہوں نے کئی بار اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی۔ (اصابہ ابن حجر ج ۱ ص ۸۸)

(۳) جہاں موقع ملتا تھا مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد)

(۴) ان کی سازش اور مختلف سازشوں کا علم ہوا تو آپ نے ان سے تجدید بیعت کے لیے کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ (ابوداؤد)

(۵) کعب بن اشرف یہودی جو بنو نضیر کا حلیف تھا اس نے آپ کی دشمنی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

(۶) ابن ہشام میں اور دوسری کتابوں میں دیت کے مطالبہ کا ذکر ہے جیسا کہ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہ روایت نقل کی ہے مگر حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف قریش نے ان کو آپ کے قتل اور مسلمانوں کے مدینہ سے نکالنے پر ابھارا تھا بلکہ گھر کے بھیدی کی حیثیت سے انہوں نے خود ان کو مسلمانوں سے جنگ پر ابھارا اور خفیہ باتوں سے بھی ان کو آگاہ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہود اور منافقین کی شہ اگر قریش کو نہ ملی ہوتی تو وہ تین سو میل دور آکر مدینہ پر کئی بار حملہ کرنے کی جرأت کبھی نہیں کر سکتے تھے سید صاحب نے دیت کے مطالبہ پر جو مختصر سا حاشیہ علامہ شبلی کی عبارت پر لکھا ہے وہ یہ ہے:

''یہ روایت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے، زرقانی نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی کی کتاب ہے یہ عبارت نقل کی ہے:

وکانوا قد دسوالی قریش فی قتاله صلی الله علیه وآله وسلم فحضوهم علی القتال ودلوهم علی العورة

''یعنی یہود نے قریش سے درپردہ سازش کی اور ان کو آمادۂ جنگ کیا اور ان کو مخفی راز بتائے۔''

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہود کے قبائل سے جنگ کر کے ان کو مدینہ سے جلاوطن کرنے کا کوئی ایک ہی سبب نہیں تھا بلکہ اس کے بے شمار اسباب تھے

Marfat.com

اور عام طور پر جیسا کہ ہوتا ہے کہ دو فریق میں یا دو قوموں میں اعصابی جنگ پہلے سے جاری رہتی ہے اور کوئی ایک قوی سبب میدان جنگ میں اترنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ بنو نضیر سے جو معاملہ کیا گیا وہ ایک سازش کے نتیجہ میں تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنو عامر کے دو مقتولین[9] کے دیت کا ان سے مشورہ یا مطالبہ بھی صحیح تھا اس لیے کہ معاہدہ کی رو سے آپ کو ان سے اس معاملہ میں گفتگو کرنے کا پورا حق تھا معاہدہ کی دفعات ۲۵، ۳۷، ۴۵ ملاحظہ ہوں۔

دفعہ ۲۵: بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت یا امت تسلیم کیے جاتے ہیں۔

دفعہ ۳۷: اور جو کوئی اس دستور والوں سے جنگ کرے تو ان میں (یہودی اور مسلمانوں کی) باہم امداد عمل میں آئے گی اور ان کے درمیان حسن مشورہ اور بہی خواہی ہوگی اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔

دفعہ ۴۵: اگر ان کو کسی صلح کے معاملہ میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے۔

معاہدہ کی مذکورہ بالا دفعات کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے دیت میں شرکت کے لیے فرمانا حق بجانب تھا، بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ نے بھائی چارہ کے طور پر دیت کے سلسلہ میں ان سے مشورہ کیا تھا کہ اتنی بڑی ذمہ داری کیسے ادا کی جائے اس لیے کہ نہ تو مسلمان ابھی اس پوزیشن میں تھے کہ دیت ادا کر سکیں اور نہ بیت المال میں اس کی گنجائش تھی اگر یہ رائے مان لی جائے تو پھر بات اور صاف ہو جاتی ہے۔ حضرت سید صاحب نے بھی حاشیہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

حواشی

۱ بنو عامر۔

۲ یہ پیغام ابوالبراء کلابی لے کر آیا تھا۔

۳ فروخت کرنے کا معاملہ عضل و قارہ نے کیا تھا، جس میں انہوں نے حضرت خبیب اور زید بن الدشنہ کو قریش کے ہاتھ فروخت کیا تھا، بنو عامر کے سلسلہ میں یہ واقعہ پیش نہیں آیا غالباً ڈاکٹر صاحب کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔

۴ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے خود ان کو چھوڑ دیا اور ان کے سر کے کچھ بال کاٹ دیئے۔

۵ یہ مسلمان نہیں تھے، بلکہ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پروانۂ امن عطا کیا تھا، ابن ہشام میں ہے وکان مع العامرین عقد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جوار ج ۲ ص ۱۸۶، ان دونوں عامریوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ امن کیا تھا۔

۶ حضرت سید صاحب نے اس کی تفصیل نہیں فرمائی مگر ان کا یہ فرمانا کہ ''نہیں جی وہ ذمہ دار تھے'' اس وجہ سے صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہود سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے تحت آپ کا ان سے مطالبہ کا حق تھا، جیسا کہ اگلے صفحات میں راقم الحروف نے اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے۔

۷ علامہ شبلی نے اپنے سفر نامہ مصر و شام و روم میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا اشارہ اسی طرف ہے۔

۸ یہی بیان عبدالرزاق کے واسطہ سے امام زہری کی مغازی میں بھی ہے۔ ص ۲۷

۹ ڈاکٹر صاحب نے ان مقتولین کو مسلمان کہا ہے مگر ان کا مسلمان ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ تمام روایتوں میں وکان مع العامرین عقد من رسول اللہ و جوار ان دونوں عامریوں کے پناہ کا ایک معاہدہ آپ نے فرمایا تھا۔ (ابن ہشام، البدایہ والنہایہ)

(ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ۔ جنوری، فروری ۱۹۸۲ء)

Marfat.com

نقد و تبصرہ

اسلامیات کی انگریزی کتاب پر سوال وجواب

مسلم مستشرق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے فرانس میں ''انٹروڈکشن ٹو اسلام'' لکھی ہے جس کے متعلق ۳۱/اگست (تاریخ غلط ہے، مرتب) کے صدق میں ایک مراسلہ بھی ہے۔ یہ کتاب تو ''عجوبہ'' معلوم ہوتی ہے۔

پیراگراف نمبر۱۸۴: میں یہ ہے۔ حج کے موقع پر بڑے پیمانہ پر دنگل مشاعرے اور مختلف تماشے ہوتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان مشاغل کو موقوف کیا۔

نمبر۵۸: میں فرماتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی تھی کہ اگر تلفظ میں زحمت ہو تو متن قرآنی کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادفات استعمال کر لیے جائیں۔

نمبر۳۹۲: میں "جلابیبھن" والی آیت کا ذکر ہی نہیں ہے لکھا ہے کہ عہد رسالت میں مومنات گانے والیاں ہیئر ڈریسر کا پیشہ کرتی تھیں اور عہد فاروقی میں ایک مومنہ مارکیٹنگ انسپکٹر تھیں!

نمبر۵۴۸: میں صرف جمپر کو نیچا کرنے کی ہدایت ہے، ٹانگوں کو ڈھانکنے کا ذکر ندارد!

نمبر۴۳۹: میں غیر مسلم اور غیر اہل کتاب ''موحدہ'' سے شادی ہو سکتی ہے اور اسے مئے نوشی وغیرہ کی اجازت ہوگی۔

یہ ہے مشتے نمونہ از خروارے ۔ اقبال

زاجتہاد عالمان کم نظر اقتدائے رفتگاں محفوظ تر

ایم اے (ملیگ) از کراچی

Marfat.com

مصنف کے قلم سے

کتاب ''انٹروڈکشن ٹو اسلام'' ایک روز افزوں شدید ضرورت اور تقاضے کو پورا کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے۔ وہ نقش اول ہے اور ضرورت ہی نہیں تمنا ہے کہ اہل علم اس کی اصلاح و تصحیح کے لیے مشورہ دے کر عند اللہ ماجور ہوں اور عند المؤلف مشکور، اب تک دارست (کذا) ہو کہ بالواسطہ ایسی تنقیدوں کا فقدان رہا ہے، انگریزی کا تیسرا ایڈیشن اب مطبع جارہا ہے، کاش یہ گمنام دوست ہی زیادہ غور سے کتاب کا مطالعہ کر کے کچھ تعمیری تنقید فرمائیں۔

موجودہ تنقید سے گمان ہوتا ہے کہ بیانات کا حوالہ نہ ہونا بعض ناظرین کے لیے کتاب کو ''عجوبہ'' (؟ اعجوبہ) بنا دیتا ہے کوشش کی جائے گی کہ آئندہ حوالے بڑھائے جائیں لیکن فی الحال یہ عرض ہے کہ سارے ہی بیانات قرآن مجید، حدیث شریف اور مستند کتب فقہ و تاریخ پر مبنی ہیں۔ اسلام نہ تو ترک دنیا کا نام ہے اور نہ ترک عقبیٰ کا بلکہ **فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة** کا۔

(۱) دنگل، تیر اندازی، گھڑ دوڑ، وزنی پتھروں کا اٹھانا وغیرہ مختلف جسمانی صلاحیتوں کے مقابلے فوجی ضرورتوں سے جناب رسالت مآب کی مدینہ منورہ میں سرپرستی حاصل کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ کتب حدیث میں صراحت ہے۔ مطعون ص ۱۸۴ میں تو زمانہ جاہلیت کا ذکر ہے۔ حجۃ الوداع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے تین ماہ قبل کا واقعہ ہے۔ پھر حضرت ابوبکر کی دو سالہ خلافت فتنہ ارتداد کے انسداد میں صرف ہوگئی۔

(۲) شاعری کو اسلام نے ممنوع نہیں قرار دیا بلکہ اس فطری صلاحیت کو بہتر راستے پر لگایا۔ کتب صحاح میں ہے کہ رسول اکرم حضرت حسان بن ثابت کو منبر پر چڑھ کر اپنے اشعار سنانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اور یہ کہ قبیلہ تمیم کا اسلام ایک ''مشاعرے'' میں مسلمان شعر کے جیتنے کے باعث وقوع میں آیا۔

(۳) ص ۵۸ کے سلسلے میں ایک مشہور واقعہ جو کتب حدیث میں مروی ہے یاد دلاؤں گا۔ ایک بدوی نے '' **شجرة الزقوم طعام الاثيم**'' کو ''طعام الیتیم'' تلفظ کیا اور بار بار

Marfat.com

مشق کرانے کے باوجود وہ اثیم کو یتیم ہی کہہ سکا ، اسے اجازت دی گئی کہ ''طعام الفاجر'' پڑھا کرے ''طعام الیتیم'' نہیں۔

(۴) ص ۳۹۲ ہی کہ کوئی اور فقرہ، یہ کیا ضروری ہے کہ ساری متعلقہ قرآنی آیتیں اس تمہیدی اور ابتدائی کتاب میں درج کی جائیں۔ قابل اعتراض جب ہو کہ عدم ذکر سے کوئی غلط بیانی ہوتی ہو۔ لیکن محترم ناقد نے جس آیت کے عدم ذکر کا ذکر کیا ہے وہ تو اس فقرے میں صراحت سے مذکور ہے۔ (دیکھو سطر ۸ تا ۱۰ فقرہ زیر بحث)

(۵) دلہنوں کو بنانے سنوارنے کی اسلام ممانعت نہیں کرتا۔ اور قطعاً نہیں کرتا..... تو یہ کام کسی اسلامی ملک میں مسلمان عورتوں کے سوا کون کر سکتا ہے؟ اور اس کسب حلال سے کوئی ماہر فن عورت کچھ کماتی ہے تو اس میں کیا اعتراض ہے؟ کتب حدیث سے پتا چلتا ہے کہ عہد نبوی میں مدینہ منورہ میں اس کا رواج رہا ہے (کتاب میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ ایسی عورتیں بے پردہ ہوتی تھیں) حضرت شفاء بنت عبداللہ کو حضرت عمر نے ..... مدینہ کے جس انتظامی کام پر مامور رکھا، اس کے متعلق ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ جناب رسالت مآب کے عمل ہی کو برقرار رکھنے پر مبنی تھا۔

(۶) ص ۵۴۸ کا مطعون بیان ایک حدیث پر مبنی ہے۔ نصف پنڈلی تک لٹکا رکھنا ٹانگوں کو ڈھانپنے ہی کے لیے ہے۔ اگر تلوے تک یا کسی اور حد تک ڈھانکنے کا لزوم ہے تو محترم ناقد صاحب براہ کرم حوالے کا ذکر فرمائیں آئندہ مطعون کی تصحیح کر دی جائے گی۔

(۷) ص ۴۳۹ کا بیان بھی کتب حدیث وفقہ پر مبنی ہے۔ غیر مسلم بیوی کو سارے اسلامی ممنوعات سے روکنے کا لزوم اگر محترم ناقد صاحب کسی آیت، حدیث یا فقہاء کے بیانات میں موجود پاتے ہوں تو براہ کرم حوالے دے کر ممنون فرمائیں۔

مکرر میں یقین دلاتا ہوں کہ زیر بحث کتاب حرف آخر نہیں نقش اول ہے۔ تعمیری تنقید ہم خرما و ہم ثواب کا باعث ہوگی۔ کم از کم کوئی بہتر کتاب ہمارے کم نام فاضل خود مرتب فرمائیں کہ اس کی شدید ضرورت ہے اور ہم اسی کو استعمال کریں گے۔ زیر تنقید کتاب کو نہیں۔

محمد حمید اللہ

صدق

ڈاکٹر حمید اللہ جو صحیح معنی میں ہجرت کر کے ہندوستان سے باہر گئے، اب ان کا اختیاری وطن پیرس ہے اور وہیں سے وہ (مجرد رہ کر) دینی تعلیمی جہاد کرتے رہتے ہیں۔ حال میں وہ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ حاضر رہے اور وہیں ایک کتاب مواجہہ شریف میں پیش کرتے رہے۔

اعتراضی کارڈ ان کی خدمت میں واسطہ در واسطہ پہنچا دیا گیا تھا اور اس کا جواب انہوں نے اپنی ضرب المثل مستعدی کے ساتھ فوراً ہی عنایت کیا۔

کتاب میں بے سند بات انہوں نے کوئی بھی نہیں لکھی۔ البتہ عبارت کی بے احتیاطی سے بعض جگہ خصوص میں عموم اور مُقید میں مطلق کی جھلک پیدا ہو گئی ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کا لحاظ وہ ضرور فرمالیں۔

اس جوابی مراسلے پر یہ بحث ختم کی جاتی ہے۔

(ہفت روزہ ''صدق جدید لکھنؤ'' ۲۵ رستمبر ۱۹۶۴ء)

نقد و تبصرہ

عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی

سیرت کے حوالہ سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو عوام و خواص میں شہرت و مقبولیت حاصل ہے۔ انہوں نے نہ صرف اُردو داں طبقوں کے لیے سیرت کے موضوع پر مستند مواد کا معتد بہ ذخیرہ فراہم کیا ہے بلکہ دنیا کی بعض دوسری اہم زبانوں کو بھی ادب سیرت سے مالا مال کیا ہے۔ یہ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے جو نظر ثانی اور اضافہ کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب محقق اسکالر ہیں، تلاش و تحقیق جن کا پیشہ نہیں اوڑھنا بچھونا ہے، اور یہ میدان اتنا وسیع ہے کہ کسی مقام پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حرف آخر ہے اور اب اس پر اضافہ نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس کتاب کے تینوں ایڈیشن جن اصحاب کی نظر سے گزرے ہیں انہوں نے اندازہ لگایا ہوگا کہ تحقیق کی دنیا میں ایک راہرو کو کس طرح خود ہی اپنا راہبر بھی بننا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کی شہادت ان تصانیف اور مقالات سے ملتی ہے اور انسان ان کو پڑھنے کے بعد ان کے علم و فضل کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن ایک بات جس کا احساس مجھے کتاب کے مطالعہ سے ہوا اور اس میں ڈاکٹر صاحب منفرد نہیں بلکہ یہ آج کل کا ایک عام رجحان ہے کہ اس دور ہمایوں کی باتوں کو بلا وجہ آج کل کی مروجہ اصطلاحات میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس سے ایک ناواقف شخص اس دور کی باتوں کے متعلق غلط تصور قائم کر کے غلط تاثر لے سکتا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ اس دور خیر القرون کا تقدس پامال ہوتا ہے بلکہ تصویر مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔

Marfat.com

پوری کتاب اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے چونکہ یہ اصطلاحات آج کل کے ماحول میں اپنا ایک خاص پس منظر رکھتی ہیں جو اس دور کے پس منظر سے نہ صرف مختلف بلکہ متضاد ہے اس لیے ان سے احتراز کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر لفظ سیاست آج کل جس مفہوم میں مستعمل ہے اس کے پیش نظر ہمیں اس لفظ کو اس عہد فرخ فال کے ذکر و بیان کے سلسلے میں آزادانہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح آج کل استعمال ہونے والی بہت سی دوسری اصطلاحات بھی ہیں جن میں ذم کا پہلو نمایاں ہے اگر ہم ان کی مناسب تشریح کے بغیر ان کو عہد رسالت کے حالات و واقعات پر منطبق کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک عام قاری انہیں بھی آج کل کے حالات و واقعات ہی کی طرح سمجھے گا اور اس سے دین اور اس کے متعلقات کے امتیازی اوصاف کے بارے میں لوگوں کے تصورات مسخ ہو کر رہ جائیں گے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ آج کل کی اصطلاحات یا مروجہ الفاظ کا سہارا لینے کی بجائے سیدھے سادے الفاظ میں باتیں بیان کر دی جائیں اور ضرورت ہو تو اس وقت کی اصطلاحات استعمال کی جائیں۔ وہ اصطلاحات اگر زیادہ نامانوس ہوں تو ان کی وضاحت کر دی جائے۔ ساتھ ہی اس وقت کی اصطلاحات اور آج کل کی متبادل اصطلاحات کے معنوی فرق کو بھی بیان کر دیا جائے۔ اس امر کا التزام اردو اور عربی وغیرہ سے زیادہ انگریزی اور دیگر یورپین زبانوں میں ہونا چاہیے اس لیے کہ ان میں ضرر کا اندیشہ اور بھی زیادہ ہے۔

ذیل میں اس قبیل کے چند تسامحات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ کے لیے حصول (ص ۱۴)

دور نبوت اور خلافت علیٰ منہاج النبوت کی اجتماعی ہیئت کے لیے حکمرانی اور اس سے بھی آگے بڑھ کر شہنشاہیت جیسے الفاظ کا استعمال علی الاطلاق نہیں معلوم کس ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔ (ص ۱۸)

''اسلامی فوجیں اسپین میں گھس چکی تھیں۔'' (ص ۱۹)

گھس چکی تھیں کی بجائے داخل ہو چکی تھیں یا پہنچ چکی تھیں ہوتا تو کیا مضائقہ تھا۔

رومی ایرانی اور حبشی تین ہم عصر شاہنشاہیتوں کے ساتھ مکہ یا مدینہ کی ''اسلامی شاہنشاہیت کا ذکر کتنی اہمل اور بے جوڑ سی بات ہے۔ (ص ۱۹)

Marfat.com

دور نبوت ہی سے متعلق ایک جملہ ہے ''انہیں یمن کے اہم صوبے کا علی الترتیب گورنر اور انسپکٹر جنرل تعلیم بنایا گیا۔'' (ص ۲۹۳)

یہ محض چند مثالیں ہیں پوری کتاب کا انداز تقریبا یہی ہے۔ زبان کے لحاظ سے بھی کتاب کا معیار زیادہ بلند نہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

''بااحترام'' بجائے ''لائق احترام یا واجب الاحترام''

''زمین گیر'' بجائے ''عالمگیر ہمہ گیر یا عالمی''

''ضرورت مسلم کر لی ہے'' بجائے ضرورت تسلیم کر لی ہے۔''

(شرف الدین اصلاحی)

(''فکر و نظر'' اسلام آباد۔ اپریل ۱۹۸۲ء)

Marfat.com

نقد و تبصرہ

فکر و نظر اپریل ۱۹۸۲ء کے شمارے میں محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب'' عہد نبوی میں نظام حکمرانی'' پر جناب ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کا تبصرہ شائع ہوا تھا اس سلسلے میں محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا ایک گرامی نامہ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ کے نام موصول ہوا جس کا متعلقہ حصہ بعینہٖ شائع کیا جارہا ہے۔

رسالہ فکر و نظر ۱۹ر۱۰ (جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ) میں ص ۶۶ تا ص ۶۸ پر ایک تنقید چھپی ہے۔ تنقید کی تنقید نہ ہوتی ہے، نہ کرانے کی استدعا، ان شاء اللہ بدگمانی نہیں ہے، غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔ وضاحت کرتا ہوں خدا مجھے صراط مستقیم کی توفیق دے۔

فاضل ناقد کو اعتراض ہے کہ کتاب سیاست کے ذکر سے بھری ہوئی ہے جس سے خیر القرون کا تقدس پامال ہو کر صورت مسخ ہوگئی ہے۔ عرض کروں کہ کتاب کا عنوان ہی ہے نظام حکمرانی'' آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' کے مصداق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ جامع سوانح عمری ہے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کہ'' میری حکومت اس دنیا سے متعلق نہیں ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خود قرآن فرماتا ہے:

و آتینا هم ملکا عظیماo اور فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنةo

سیاسۃ مُدُن ہماری بڑی پرانی اصطلاح ہے، اگر زمانہ حال میں آپ اس کے معنی بدلیں اور میں پرانے معنوں میں استعمال کروں تو مجھ پر تو جدت پرستی کا الزام نہ لگانا چاہیے کیا

Marfat.com

حکومت صرف مسٹروں کا حق ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹمن کے ساتھ مسجد میں معتکف رہیں؟

زکاۃ محصول نہیں بہت خوب، عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر زکات کے سوا کوئی محصول نہ تھا، زکات العین، زکاۃ الزراعۃ، زکاۃ التجارۃ، زکاۃ المعادن، زکاۃ المواشی، سب زکاۃ ہی کہلاتی تھی۔ و اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما. کون سی حکومت ہے جو محصول کے بغیر قائم رہ سکے۔ زکاۃ کے معنی خیرات کے نہیں اور نہ فقراء و مساکین سے مختص۔ خیرات کے لیے نہ وقت ادائیگی معین ہوتا ہے اور نہ مقدار، ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنگ کرنے کا حق نہ ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دینوی شاہوں کے بھی شاہ، شہنشاہ ہوں تو کیوں اعتراض ہو؟ داؤد و سلیمان علیہما السلام بھی قرآن کے لیے مِلک ہیں، فرعون و نمرود بھی، کیا یہ ان محترم پیغمبروں کی توہین ہے؟ سیاق و سباق معنی بتاتا ہے۔

اسلامی فوجیں اسپین میں ''گھس چکی تھیں'' لڑکر، بہ زور دیگر الفاظ میں یہ مفہوم نہیں ملتا۔

دیگر قابل اعتراض محاوروں کا حوالہ تک نہیں کہ اصل کو دیکھ سکوں۔ اگر کاتب نے ''تسلیم'' کو ''مسلم'' لکھ دیا تو غریب مؤلف کی کیوں عزت افزائی کی جائے؟

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(''فکر و نظر'' اسلام آباد۔ جون ۱۹۸۲ء)

Marfat.com

استدراکات بر مقالہ صفی ہندی

صفر ۱۳۶۳ھ (کذا) کا معارف ابھی ابھی وصول ہوا، آپ کے دلچسپ مضمون کے ص ۱۷۵ پر صفی ہندی کی تالیف نمبر ۳ کے لاپتہ ہونے کا ذکر ہے لیکن بروکلمان نے (ضمیمہ تاریخ ادبیات عربی ج ۲ ص ۱۴۴) میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ جس کا نام الرسالة التسعينية في الاصول الدينية ہے تونس کی جامع زیتونیہ (فہرست ج ۳ ص ۳۱ نمبر ۱۳۴۸) نیز مکتبہ ملکیہ قاہرہ (فہرست ج ۱ ص ۳۹۰) میں موجود ہے۔

بروکلمان کے ماخذوں میں شوکانی کی البدر الطالع ج ۲ ص ۱۸۷ و مابعد کا بھی ذکر ہے جو بظاہر آپ کے پیش نظر نہیں ہیں۔

معارف

آپ کی توجہ فرمائی کا شکریہ افسوس ہے کہ اتفاق سے بروکلمان کی یہ کتاب، یہاں اس مقالہ کی تسوید کے وقت موجود نہ تھی، جامعہ زیتونیہ تیونس کی فہرستوں میں سے صرف تاریخ سے متعلق جلدیں یہاں موجود ہیں، نیز کتب خانہ خدیویہ مصر کی فہرستیں تو ہیں مگر مکتبہ ملکیہ قاہرہ کی فہرست سے ہمارا کتب خانہ خالی ہے، ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ ان مآخذ میں آپ نے صفی ہندی کے اس رسالہ کا سراغ لگایا۔

شوکانی کی البدر الطالع تو مقالہ کی تسوید کے وقت پیش نظر رہی تھی، مقالہ میں اس کا تذکرہ بھی آیا ہے، ملاحظہ ہو معارف ج ۵۱ نمبر ۳ صفحہ ۱۷۶:

Marfat.com

''علامہ شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے البدر الطالع میں ان کو جگہ دی ہے، مگر ابن تیمیہ کے مقابلہ کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ انصاف کو قائم نہ رکھ سکے ہیں۔''

پھر ایک دوسرے موقع پر ص ۱۷۸ کے حاشیہ میں ہے:

''.........البدر الطالع جلد ۱ ص ۶۶، ۶۷... علامہ شوکانی نے شیخ صفی الدین کے ترجمہ جلد ۲ ص ۱۸۷، ۱۸۸) میں ان کے ان مزاحیہ فقروں کے دوسرے معنی پہنائے ہیں جو حقیقت سے دور ہیں، نیز ابن تیمیہ سے ان کے اختلاف کے سبب سے شیخ صفی الدین کے سوانح میں ان کا لب ولہجہ بھی اچھا نہیں رہا ہے۔'' ''ز''

(''ماہ نامہ معارف علی گڑھ جون ۱۹۴۳ء)

Marfat.com

بعض اختلافی مسائل میں متحدہ روایتیں

دو مذہب حتیٰ کہ دو آدمی بھی سو فیصدی باتوں میں متفق نہیں ہو سکتے، اچھی ہمسائیگی کے لیے اگر ہر شخص اپنی کامل آزادی برقرار رکھتے ہوئے دوسرے کی مساوی آزادی کا احترام کرے اور اس پر اختلافی امور میں طعن و تشنیع نہ کرے تو اختلاف رائے کے باوجود دونوں دوست رہ سکتے ہیں۔ دو مذہبوں اور دو فرقوں پر بھی یہی بات صادق آسکتی ہے۔ مشترکہ دشمنوں کی کثرت اور قوت کے وقت تو اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

مجھے عرصے سے تمنا رہی ہے کہ ایسی حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے جو شیعہ، سنی دونوں میں مشترک ہو، سنیوں کے یہاں صحاح ستہ وغیرہ ماخذ ہیں لیکن میری ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ شیعہ کتب حدیث سے نابلد ہوں، البتہ دوستی بہت سے شیعہ علماء اور غیر علماء سے ہے۔ ان سے ضرورت پر دریافت کر لیتا ہوں، اور آج ایسی دو تین حدیثوں سے بحث مقصود ہے۔

حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مادرزاد فقیہ تھے، کافی نوعمری ہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی اور صدر ناظر تعلیمات بنایا کہ شہر شہر، گاؤں گاؤں جائیں اور لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الوداعی ملاقات میں ان سے پوچھا: فیصلے کس طرح کیا کرو گے؟ کہا: کتاب اللہ کے مطابق، فرمایا: اگر صراحت نہ ملے تو؟ کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق، فرمایا اگر وہاں بھی نہ پاؤ تو؟ کہا: اپنی رائے سے پوری کوشش (اجتہاد) کروں گا

ور کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کروں گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جواب پر اس قدر خوش ہوئے کہ بے ساختہ ہاتھ اٹھائے اور کہا: اللہ کو حمد سزاوار ہے جس نے اپنے پیغمبر کے پیغامبر کو اس بات کی توفیق دی جس پر اس کا پیغمبر راضی اور خوش ہے۔

یہ حدیث دونوں فرقوں کے ہاں مسلم ہے۔ اس لیے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضرت فاطمہؓ، خلیفہ ابو بکرؓ کے ہاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ''مع الرفیق الاعلیٰ'' رہنے کو ترجیح دی تو مدینے میں یہود و نصاریٰ نے سر اٹھایا، انصار کو خواہش ہوئی کہ خلیفہ انہیں میں سے ہو، اہل بیت نبوی کا خیال تھا کہ خلافت موروثی چیز ہونی چاہیے، عام مسلمان انتظار میں تھے، ان حالات میں سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبور کر دیا گیا کہ خلافت قبول کریں۔ بلاذری کی کتاب انساب الاشراف کی روایت سے ان کی افتاد طبع اور طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن تک شہر میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ ابو بکر خلافت نہیں چاہتا، وہ تمہیں بیعت سے بری الذمہ کرتا ہے کہ کسی موزوں تر فرد کا انتخاب کر لیں۔

ایک مشترکہ روایت ہے کہ اس زمانے میں ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دادا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں گئیں اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت تقسیم کریں اور فدک کا علاقہ بی بی کو دیں (حضرت ابو بکرؓ کے جواب سے یہاں بحث نہیں کہ فرمان نبوی کے مطابق انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی) یہاں دو نکتے ہیں:

(۱) یہ مقدس لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کیوں گئے؟ کسی اور کے ہاں اس غرض کے لیے کیوں نہ گئے؟ یہ ظاہر ہے اسی لیے کہ یہ دونوں حضرات ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ خلیفہ ہی یہ کام کر سکتے ہیں۔ سرکاری اراضی کوئی اور دلا نہیں سکتا۔

(۲) کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک اجنبی کے یہاں اپنے شوہر کی اجازت بلکہ ہدایت کے بغیر جا سکتی ہیں؟ یہ ظاہر تو نہیں گویا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے ہی دن سے خلیفہ مان چکے تھے۔

Marfat.com

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دو مسلمان گروہوں میں صلح کرانا

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں ایک حدیث مشترک ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرا یہ بچہ ایک سید (سردار) ہے اور قریب میں اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔" یہ پیشگوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد تحقیق پذیر ہوئی۔ ایک گروہ امام حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہی کا تھا اور دوسرا گروہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دوسرے گروہ کو بھی مسلمان کے نام سے نامزد کرتے ہیں اس لیے کسی مسلمان کو حق نہ ہونا چاہیے کہ انہیں غیر مسلم اور کافر قرار دے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی باہمی خط کتابت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابن سبا کے کارندے غافقی کے ہاتھوں شہادت ہوئی تو اسلامی تاریخ کا سب سے المناک زمانہ شروع ہوا۔ خلافت کے دو دعویدار تھے۔ خونریزی کو روکنے اور امن واتحاد کا اعادہ کرنے کی دونوں طرف سے کوشش ہوتی رہی۔ نہج البلاغہ ایک مشہور شیعہ کتاب ہے۔ جس کی سنیوں کے یہاں بھی قدر ہے اس کا ایک پورا باب ان خطوط پر مشتمل ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں باہم لکھے گئے۔ ان میں ہر فریق نے اپنے استحقاق کی دلیلیں تفصیل سے لکھی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرم اللہ وجہہ کے خطوط میں جو دلیلیں ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ ان کا انتخاب بھی انہیں لوگوں نے مدینہ منورہ میں کیا جنہوں نے آپ سے پہلے کے تین خلفاء کا کیا تھا۔ صوبہ جات کو رائے کا حق نہیں، یہ کہ نبوت بنی ہاشم میں تھی اس لیے خلافت بھی بنی ہاشم میں ہونی چاہیے۔ یہ کہ آپ سابقین اولین کے ساتھ مسلمان ہوئے اور متاخرین کے مقابلے میں اسلام کی جنگ اور صلح ہر زمانے میں زیادہ خدمت کی...... غرض یہ اور ایسی ساری دلیلیں بیان ہوئی ہیں اور نہیں ہوئی ہے تو واحد فیصلہ کن دلیل کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے غدیر خم پر...... یا کسی اور مقام پر...... ولی عہد نامزد کیا تھا۔" یہ مسکت دلیل نہ تھی اور اس کی موجودگی میں کسی اور دلیل کی کوئی ضرورت بھی نہ ہوتی اور ظاہر ہے کہ اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رد بھی نہیں کر سکتے تھے۔

Marfat.com

بعد کے زمانوں میں ''من کنت مولاہ ...... فعلی مولاہ'' کی مشترک حدیث سے استدلال کیا جانے لگا۔ مذکورہ خط کتابت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال نہ کرنا بتاتا ہے کہ اس حدیث کے وہ معنی نہیں ہیں جو متاخرین لینے لگے ہیں یعنی لفظ ''مولا'' کے کیا معنی ہیں؟ معاصر زبان کی کتاب قرآن مجید ہے اس میں مولا کہیں بھی وارث، جانشین یا ولی عہد کے معنوں میں نہیں برتا گیا ہے اور یہ قانونی نکتہ بھی غور طلب ہے کہ ''فعلی مولاہ'' یعنی (علی اس کا مولا ہے) کہا گیا ہے۔ ''علی اس کا مولا بنے گا'' نہیں ہے یعنی غدیر خم کے دن بھی آپ رسول اللہ کے مولا تھے یعنی کچھ اور جانشین نہیں بلکہ کچھ اور مناسب حال صفت کے حامل تھے۔

مسجد نبوی میں کھلنے والے دروازوں کا بند کرایا جانا

امام ترمذی کی روایت کردہ ایک حدیث مشترک ہے ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے مکانوں کے وہ عقبی دروازے جو مسجد نبوی میں کھلتے ہیں، سب بند کردیئے جائیں، بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے حجرے کے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حجرے کے وہ دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے ہیں۔ (اس واقعے کی تاریخ بیان نہیں ہوئی ہے)

امام بخاری وغیرہ کے ہاں ایک حدیث اور بہ ظاہر شیعہ کتابوں میں نہیں ہے وہ یہ کہ وفات سے تین دن قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طویل اور اہم خطبہ قبل ظہر سے بعد ظہر تک دیا اس میں علاوہ اور چیزوں کے یہ فرمایا کہ لوگوں کے مکانوں کے عقبی دروازے جو مسجد نبوی میں کھلتے ہیں وہ سب بند کردیئے جائیں بجز حضرت ابوبکرؓ کے مکان کے۔

تلاش پر میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وہ یہ ہیں:

ہجرت پر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا کو ترک کرکے بنی النجار کے علاقے میں آ مقیم ہوئے تو وہاں نقیب النقباء حضرت اسعد بن زرارہ کی مسجد موجود تھی، حضور اس میں نماز پڑھانے لگے جب جلدی ہی وہ ناکافی ثابت ہوئی تو اس کی آس پاس کی زمین خرید کر توسیع کی گئی (جیسا کہ سمہودی کے ہاں صراحت ہے) اور اسی سے متصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مسکن تعمیر ہونے لگا۔ اس زمانہ میں قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے مسجد کے عقبی حصے میں تھے ایک کمرہ بیوی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے

Marfat.com

تھا، ایک کمرہ دونوں بچیوں حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے مشترکہ طور پر اور ایک کمرہ نئی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے تھا۔ جب حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عثمان سے نکاح ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر داماد کے طور پر اسی حجرے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔ جب قبلہ تبدیل ہو کر کعبے کے رُخ ہو گیا تو مسجد کے عقبی حصے میں چھت ڈال کر نئی نماز گاہ بنائی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کے حجرے جو عقبی حصے میں تھے اب وہ قبلہ رُخ دیوار سے متصل پیشین حصے میں آ گئے۔ ان کو ڈھا کر نئے کمرے عقبی حصے میں بنانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل وغیرہ کے لیے مسجد سے گزر کر صحن میں آنا پڑتا تھا۔ اس لیے استثناء کی ضرورت کو روا رکھا گیا۔ جب بنی قینقاع کو مدینے سے چلے جانے کا حکم دیا گیا تو ان کے مکان خالی ہو گئے اور حکومت کے بن گئے انہیں میں سے ایک مکان (جو مسجد نبوی سے میل بھر کی مسافت پر تھا) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلایا گیا اور وہ بیوی بچوں کے ساتھ وہاں منتقل ہو گئے۔ خالی کردہ حجرہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ملاقاتیوں کا کمرہ بن گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان شروع میں مسجد کے پچھلے حصے میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے مکان کے محاذی، جب قبلہ بدلا تو یہ دونوں مکان جو مسجد کے داہنے اور بائیں رُخ پر تھے مسجد کے اگلے حصے میں آ گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ دروازے بند کرنے کا حکم صحن کے لیے نہیں بلکہ مسقف نماز گاہ کے اندر کھلنے والے دروازوں کے متعلق تھا، اس لیے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ جو بھی ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کا دروازہ مسجد کی صفِ اول میں کھلتا تھا اور حضور وہیں سے راست محراب تک چلے جاتے تھے۔ صفوں کو عبور کرنے کی ضرورت نہ تھی، اب یہ استثنائی صورت حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے برقرار رکھی گئی۔ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احساس ہوا کہ علالت کے زمانے میں چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقتی امام تھے اس لیے ان کو امامت میں سہولت مہیا کی جانی ضروری تھی کہ وہ اپنے مکان سے اذان ہوتے ہی راست صف اول میں پہنچ جایا کریں۔

گھر دامادی کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمرے کا کوئی دروازہ دوسری طرف نہ تھا بلکہ مسجد نبوی کے اندر ہی کھلتا تھا اس کے برخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ عنہ کے مکان کا اصل دروازہ تو سڑک پر کھلتا تھا، صرف عقبی دروازہ (خوخہ) مسجد میں کھلتا تھا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی برقرار رہا (آجکل ایک کتبہ بتاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوخہ کہاں تھا ورنہ ان کا پورا مکان اب مسجد نبوی کے اندر شامل اور نماز گاہ کا جزو بن گیا ہے اور باب السلام سے متصل ہے)

مسجد و مسکن نبوی کا نقشہ

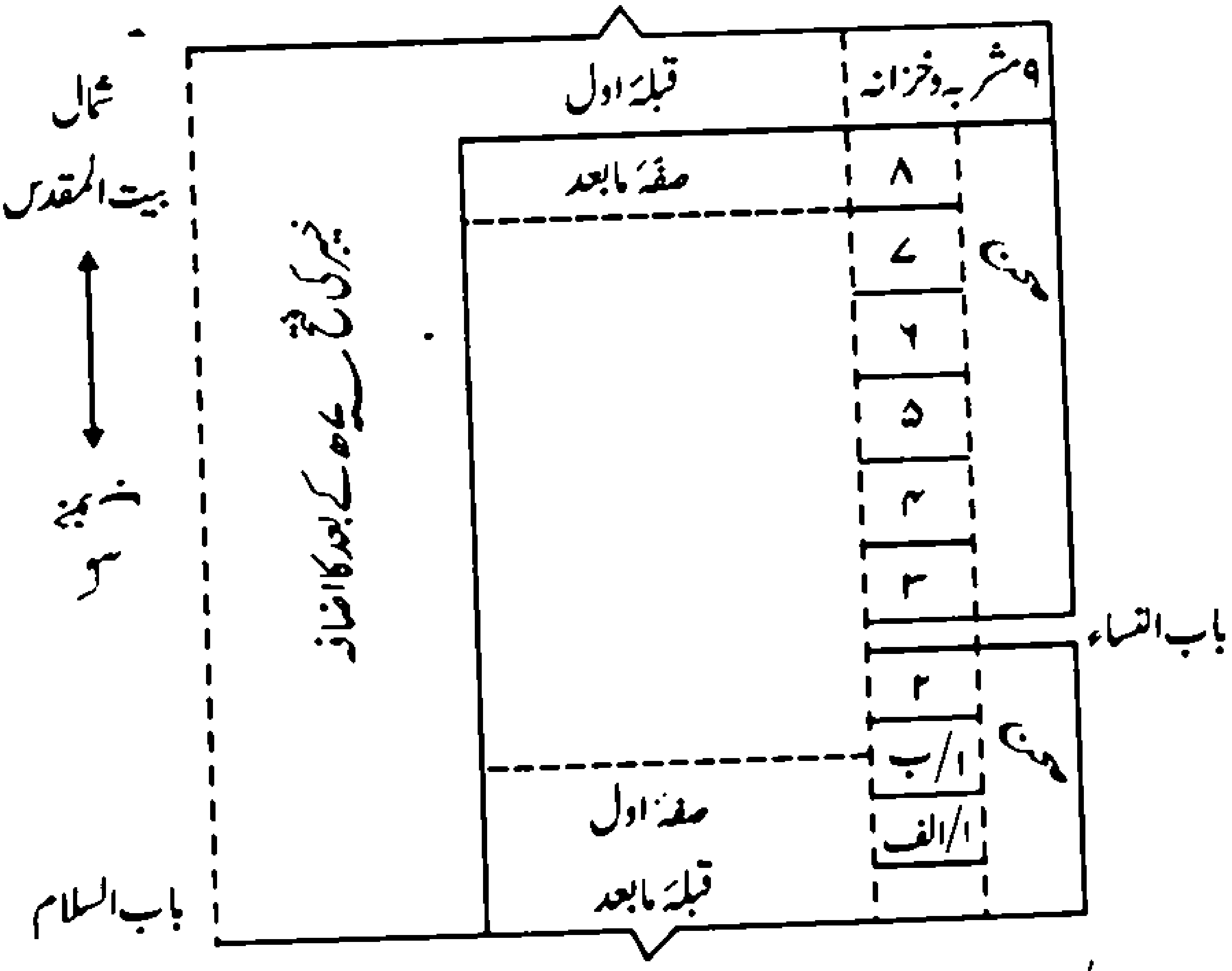

۱/الف۔ حضرت عائشہ، ۱/ب۔ حضرت فاطمہ/ ملاقات گاہ، ۲۔ حضرت سودہ، ۳۔ حضرت حفصہ۔ ۴۔ حضرت زینب بنت خزیمہ، (بعدازاں حضرت ام سلمہ)۔ ۵۔ حضرت زینب بنت جحش۔ ۶۔ حضرت جویریہ۔ ۷۔ حضرت ام حبیبہ۔ ۸۔ حضرت میمونہ۔ ۹۔ مشربہ یعنی دومنزلہ حجرہ برائے خزانہ سرکاری۔ نوٹ: حضرت صفیہ اور حضرت ماریہ مسجد سے دور رہتی تھیں۔

Marfat.com

اظہار تشکر:

محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی بین الاقوامی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ دینی علوم اور خاص طور پر سیرت نبوی پر ان کی تحریریں اور ان کے تیار کیے ہوئے اس عہد کے نقشے اہل علم کے لیے علمی ماخذ کا کام دیتے ہیں، یہ تحریر اور آخر میں جو نقشہ مسکن نبوی اور مسجد کا دیا ہے وہ بھی ان کی وسعت مطالعہ کا آئینہ دار ہے۔ ایک نئے پرچہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا مضمون بھیج کر جو ہمت افزائی کی ہے ہم اس کے لیے ان کے شکر گزار ہیں۔ امید ہے کہ موصوف آئندہ بھی جامعۃ الرشاد کو اپنے قیمتی مضامین سے علمی زینت بخشتے رہیں گے۔

(ماہ نامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ۔ اگست ۱۹۸۱ء)

ء

Marfat.com

شخصیات

Marfat.com

Marfat.com

سیرت نگارِ نبوی ابن اسحاق

اپریل ۱۹۶۷ء میں جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے عنوان بالا پر میرا ایک ناچیز مضمون شائع کر کے میری عزت افزائی فرمائی تھی، کسی کو دلچسپی ہو تو اس کا ترجمہ فرما سکتے ہیں، اس کا خلاصہ ممکن ہے بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کا باعث ہو۔ (م۔ح۔ا)

محمد بن اسحاق بن یسار کی ولادت ۸۵ھ میں ہوئی۔ ان کے جد کو مشہور مؤرخ مکہ حضرت مخرمہ بن نوفل[1] کے خاندان سے بطور موالی تعلق تھا اور سمجھنا چاہیے کہ ان کی پرورش و تربیت اسی خاندان میں ہونے سے ابن اسحاق کو تاریخ سے دلچسپی اور واقفیت بھی پیدا ہوئی تھی۔ بعد میں مشہور مؤرخ اور محدث امام زہری سے بھی انہوں نے تعلیم پائی۔ سیرت نبوی کی انہوں نے لاثانی خدمت کی ہے۔ مواد کو جمع کرنا اور مؤرخانہ انداز میں مدون کرنا انہیں کا کام تھا۔

بہ حیثیت راوی ان کے ثقہ ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا چاہیے کہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ محدثین کبار نے ان کی روایتیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ امام بخاریؒ نے محدثین کے حالات پر جو کتاب لکھی ہے (تاریخ کبیر) اس میں وہ (جلد اول میں) محمد بن اسحاق کے متعلق لکھتے ہیں: ''میں نے کسی ایک شخص کو بھی ابن اسحاق پر اتہام لگاتے نہ دیکھا اور شیعہ نے تو ان کو امیر المومنین (امیر المحدثین / سید المحدثین) فی الحدیث کے نام سے یاد کیا ہے۔'' بڑا ظلم ہوگا اگر ادھوری روایتیں نقل کر کے استدلال کریں۔

---

[1] حضرت عمرؓ نے تقسیم معاش کے لیے ایوان قائم فرمایا تو انساب کی مہارت کے باعث یہ کام بطور خاص انہیں کے سپرد فرمایا تھا۔

Marfat.com

بعض لوگوں نے ابن اسحاق پر جو الزام لگائے ہیں وہ ایک غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتے ہیں، جو ذیل کے قصے سے واضح ہو جاتے ہیں۔ ذہبی نے میزان الاعتدال (جلد ۳، صفحہ ۲۲) پر لکھا ہے: "ابو داؤد کا بیان ہے کہ یحییٰ بن قطان نے مجھ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں ابن اسحاق جھوٹا ہے۔ میں نے پوچھا کس بناء پر؟ تو کہا کہ وُہیب نے مجھ سے ایسا ہی بیان کیا۔ اس پر میں وہیب کے پاس گیا اور پوچھا کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ تو کہا (امام) مالکؒ نے مجھ سے ایسا ہی بیان کیا۔ اس پر میں مالک کے پاس گیا اور پوچھا کہ یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ تو کہا کہ ہشام (بن عروۃ بن الزبیر) نے مجھ سے ایسا ہی بیان کیا۔ پھر میں ہشام کے پاس گیا اور پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ تو کہا کہ ابن اسحاق نے ایک حدیث میری بیوی سے روایت کی ہے۔ میں نے جب اس بیوی سے زفاف کیا وہ نو برس کی تھی اور اس کے بعد مرتے دم تک اسے کسی (اور) مرد نے نہیں دیکھا۔ ذہبی کہتے ہیں: "ہم اوپر اس اعتراض کا جواب دے چکے ہیں۔ یہ بات ناقابل قبول ہے کہ کسی شخص کو محض اس بناء پر جھوٹا قرار دیا جائے کہ وہ یہ بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں عورت کو دیکھا۔ مزید برآں محمد بن سوقہ نے بھی (ہشام بن عروہ کی اس بیوی) فاطمہ سے براہ راست روایتیں کی ہیں اور ان احادیث کو فاطمہ نے ام المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنی دادی اسماءؓ (بنت حضرت ابوبکر، زوجہ زبیر بن العوام) سے روایت کیا ہے۔ ہشام کا یہ کہنا کہ میں نے فاطمہ سے زفاف کیا تو وہ نو برس کی تھیں بداہۃً غلط ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ کس نے یہ جزء اس روایت میں بڑھا دیا ہے۔ فاطمہ اپنے شوہر ہشام سے عمر میں تیرہ برس بڑی تھیں ممکن ہے کہ ہشام سے نکاح کے وقت ان کی عمر تیس ایک سال ہو اور ابن اسحاق نے ان سے کوئی واقعہ سنا تو اس وقت ان کی عمر پچاس سال یا اس سے بھی زیادہ ہو۔"

امام مالک اور ابن اسحاق کی بنتی نہ تھی۔ امام مالک کا بیان تھا کہ وہ یمن کے ایک حکمران اصبح کی اولاد میں ہیں۔ امام مالک کے اور ابن اسحاق کے مشترکہ استاد امام زہریؒ کی تحقیق کے مطابق امام مالک کا تعلق اس خاندان اصبح سے نسب سے نہیں بلکہ مولیٰ ہونے کے باعث تھا۔ ابن اسحاق نے جب یہ بات اچھالی تو امام مالک کی خفگی کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے اور جواب اور جواب الجواب میں اعتدال سے تجاوز ہو جاتا ہے۔ دونوں انسان تھے، معصوم اور فرشتہ نہیں۔

ابن اسحاق پر تدلیس کا الزام لگایا جاتا ہے یعنی یہ کہتا ہے "مجھ سے فلاں فلاں لوگوں نے واقعات بیان کیے اور بعض کے بیانات سے دوسرے کے بیانات کی تکمیل کرتے ہوئے میں

Marfat.com

مربوط قصہ یوں بیان کرتا ہوں کہ......'' حدیث کی کتاب میں یہ درست نہیں، تاریخ کی کتاب میں یہ ناگزیر ہے، مگر خود حدیث کی کتابوں میں مثلاً خود امام ابن حنبل نے بھی بار بار اس کو استعمال کیا اور روا رکھا ہے۔ (مثلاً مسند ابن حنبل جلد چہارم صفحہ ۳۲، ۳۲۳، ۳۲۸ وغیرہ) اس لیے یہ الزام امام ابن حنبل کا ہوا ہونا مشتبہ ہے۔

ابن اسحاق پر شیعی ہونے کا بھی الزام ہے۔ ناظرین غالباً امام شافعی کے اس شعر سے واقف ہوں گے کہ'' اگر خاندان نبویؐ سے محبت کے معنی رافضیت کے ہیں تو میں سب سے پہلا رافضی ہوں۔'' ابن اسحاق پر الزام کا قصہ یہ ہے کہ یہ اموی دور کا معاملہ ہے۔ جب اہل بیت سے خفیف ترین محبت و احترام کا اظہار سیاسی نقطہ نظر سے جرم تھا۔ اموی گورنر مدینہ سے یاروں نے موقع دیکھ کر ابن اسحاق کے خلاف یہ الزام بھی جڑ دیا اور ظالم گورنر نے بے تحقیق سزا بھی دی اس پر ابن اسحاق وطن چھوڑ کر مصر چلے گئے پھر عباسی دور آیا تو عراق گئے اور بغداد میں امام ابوحنیفہؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (متعدد سنیوں کی طرح ابن اسحاق نے شیخین کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل قرار دیا ہے۔ یہ اتنا نازک مسئلہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے فقہ اکبر میں اس بارے میں لکھا کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کون افضل تھا مگر اموی خلافت میں یہ علمی نہیں سیاسی مسئلہ تھا۔)

ابن اسحاق کی کسی ایک روایت کو غلط قرار دینے کے لیے خود ابن اسحاق کو جھوٹا اور غلط نویس قرار دینا اس پر منتج ہوتا ہے کہ سیرت نبوی کا جو مواد مسلمانوں میں ہے اس کا تقریباً تین چوتھائی مسترد کر دیا جائے۔ یہی نہیں ابن اسحاق کو جھوٹا قرار دے لیں تو ضمناً صحاح ستہ کی صحت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے کہ بخاری و مسلم نے بھی ابن اسحاق کی روایتیں درج کی ہیں۔ کسی ناپسند بات کو رد کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں اور انتخاب اس کا کرنا چاہیے جس میں'' یکے بر سر شاخ بن می برید'' صادق نہ آئے۔[1]

وفقنا اللہ لما یحب و یرضاہ

---

[1] مثلاً حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاگیر کا قصہ میری الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ کے تازہ ایڈیشن میں پروانہ جاگیر کے متعلق ذیل کے ماخذوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ کتاب الخراج لابی یوسف (ص ۳۵) معجم البلدان لیاقوت (مادۂ قبلیہ) بحوالہ طبرانی مستدرک للحاکم (ج ۳، ص ۵۱۷) کنز العمال لعلی المتقی (ج ۲، حدیث نمبر ۳۷۸۲، ۴۰۲۶، ۴۰۲۷، ۴۰۲۳) مسند ابن حنبل (حدیث نمبر

۲۷۸٦) کتاب الاموال لابن زنجویہ (مخطوطہ، ترکی، ورق.....۱۴۴رب) کتاب الاموال لابی عبید (پیراگراف نمبر۸٦۳، ۸٦٦)، موطا امام مالک (کتاب ۱۷، باب ۳) الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۳۴۲ طبع یورپ امتاع الاسماع للمقریزی مخطوطہ ترکی ص: ۱۰۴۱) سنن ابی داؤد کتاب ۱۹ باب ۳٦ طبقات ابن سعد ج ۱، قسم ۲، صفحہ ۲۵)

پروانۂ نبویؐ کے متن میں ان روایتوں کے مطابق جو لفظی اختلاف ہے اس کی تفصیل میں گئے بغیر صرف ایک نکتے پر اکتفا کرتا ہوں۔ امام ابو یوسف کی روایت میں " حيث يصلح الزرع" (جہاں زراعت ہو سکتی ہو) اور ابن سعد کی روایت میں " ما أصلح به الزرع" (جسے وہ کاشت کے قابل بنائے) کے الفاظ ہیں۔ کیا اس کے معنی یہ نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگیر دیتے وقت خود شرط فرماتے ہیں کہ زمین کو زیر کاشت لایا جائے؟ اذا فات الشرط فات المشروط. یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر اسے کسی بعد کے زمانے میں کسی نہ کسی وجہ سے جزءاً منسوخ کیا گیا تو وہ جاگیر اور عطیہ سرکاری کے متعلق ہے، کسی شخص کی خانگی، نجی جائیداد اور مملوکہ اراضی کے ضبط کرنے کا ذکر تو اس حدیث میں نہیں ملتا۔

اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ سارا موجود مواد جمع کریں اور اس کے ہر ہر لفظ پر غور کریں۔ مقصد تلاش حق اور خالصۃ لوجہ اللہ ہو کہ الحق يعلو ولا يعلىٰ عليه.

☆ (''البلاغ'' کراچی۔ فروری ۱۹۷۱ء)

Marfat.com

بہادر یار جنگ کی یاد میں

دکن کے نامور قومی کارکن جن کی جواں مرگی ان کو شہاب ثاقب کا نام دلاتی ہے محمد بہادر خاں فرزند نواب نصیب یاور جنگ دور حاضر کے دلچسپ خطابات سرکاری میں ہے ''نواب بہادر یار جنگ'' سے سرفراز ہوئے تھے۔ برطانوی ہند میں نواب بہادر ایک خطاب تھا نتیجہ یہ ہوا کہ مرحوم کو بکثرت خطوط ''نواب بہادر یار جنگ'' سے مخاطب کر کے آئے اور انگریزی ڈاکخانے کی مہربانی سے کبھی کبھی وصول بھی ہو جاتے رہے۔ آدمی اور شہرت کی مثال شاعر ملت امجد نے خوب سبق آموز دی ہے کہ شہرت سایہ ہے اس کی طلب میں دوڑ و تو بھاگتا ہے اور کبھی ہاتھ نہیں آتا اور اس سے پیٹھ موڑ کر چلو تو غلام اور وفادار کتے کی طرح پیچھے پیچھے آتا ہے بلکہ نصف النہار کے بعد تو شہرت آدمی سے بھی آگے پہنچ جاتی ہے۔ نواب مرحوم جادو بیاں مقرر تھے۔ کم عمری ہی سے اس کی عادت ڈالی تھی۔ آصف سابع نے میلاد پاک کی محفلوں کی جو سرپرستی فرمائی اور اس کو مفید عام بنایا اسی کے تحت مرحوم کو بھی اکثر سیرت نبویہ کے مختلف پہلوؤں پر داد دینے کا موقع ملا اور ایسے ہی ایک موقع نے جس میں ذات شاہانہ نے بھی شرکت فرمائی تھی وہ اثر دکھایا کہ بلا طلب کوشش کسی بادشاہت کا سب سے بڑا دنیوی امتیاز یعنی ''بہادر یار جنگ'' کا خطاب ملا۔ ظاہر ہے کہ وہ ابتدا اس پر بہت خوش رہے لیکن جیسے جیسے ذہن پختہ اور خیالات بلند ہوتے گئے اور دنیائے فانی کی حقیقت فکر وعمل پر موثر ہوتی گئی تو انہیں رفتہ رفتہ اعلیٰ ترین دنیوی اعزازات بھی ہیچ معلوم ہونے لگے بالآخر انہوں نے ادب کے ساتھ یہ خطاب واپس کر دیا لیکن یہ وقت شہرت کے نصف النہار کے بعد تھا جب کہ سایہ آگے آگے چلتا اور ہر لمحہ طویل تر ہی ہوتا جاتا ہے۔ خطاب کی طرح نواب مرحوم نے اپنی آبائی جاگیر بھی واپس کر دی جو عظیم ترایثار کی طالب تھی۔ اپنی سیاسی زندگی کے تقریباً آغاز

Marfat.com

ہی میں انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ وطن کی آزادی کی منزل مقصود میں انگریزوں سے بھی ٹکر ہوگی اور ملک کے مندرجہ ذیل پانچ سرکاری طبقوں میں سے آخرالذکر تین سے بھی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ (۱) حقیقی وفادار و بہی خواہ (۲) مرنجاں مرنج و بے ضرر (۳) غدار (۴) بزدل (۵) احمق۔ اس لیے انہوں نے دوگونہ پالیسی بنائی ایک تو خانگی زندگی میں کفایت شعاری اور مصارف میں تخفیف۔ چنانچہ ٹویڈ کی جگہ وہ دیسی گرینوں کے کپڑے کی شیروانی پہننے لگے۔ دوسری طرف اس کفایت سے جو رقم پس انداز ہو جائیداد غیر منقولہ وغیرہ میں لگانا چنانچہ دس پندرہ سال کی کوشش کے بعد وہ اس قابل ہو گئے کہ ان کے امیر گھر کے جو فقیرانہ مصارف تھے اور جو یقیناً ہزار ڈیڑھ ہزار ماہانہ سے کم نہ ہوں گے خالص خانگی آمدنی سے پورے کر لیں۔ جاگیر کی آمدنی سے ایک پیسہ بھی لینے کی ضرورت نہ رہے۔ اس نقطے پر پہنچنے کے بعد ان کی بہادری بے پایاں ہوگئی اور خود کنگ کوٹھی سے یا تو ان کی بہادری کے امتحان کے لیے یا گورے دباؤ کی مجبوراً پیش بندی کے لیے جو سخت خطوط بھی آئے تو یہاں سے جواب سخت تر قسم ہی کے جاتے خطاب جاگیر کی واپسی اسی کا منتہا ہے۔ اگر بہادر خاں سب کچھ ہوتے لیکن مسلمان نہ ہوتے تو مسلمانوں کے لیے ہیچ تھے۔ سیاسیات سے زیادہ کسی اور شعبۂ حیات میں فوری فیصلوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ذاتی رائے نہ رکھنا اور جو شخص آ کر جیسا سمجھائے موم کی ناک کی طرح اس کا حامی بن جانا الگ چیز ہے اور (بہادر یار جنگ میں یہ بات نہ تھی، وہ اپنی مستقل ذاتی رائے رکھتے تھے) اور انسانی رائے کو ہمیشہ قابل اصلاح سمجھ کر حق پسندی اور لچک رکھنا دوسری بات ہے۔ یہ بات مرحوم میں کافی تھی، ان میں انکسار بھی تھا۔ اپنے قصور کا بے جھجک اعتراف بھی کر لیتے تھے اور بہادری کا یہ عالم تھا کہ بڑی سے بڑی ذمہ داری سر لینے سے نہیں گھبراتے تھے۔ ایک چھوٹے سے مگر دلچسپ واقعے کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ دستوری تبدیلیوں کے لیے آئین نگار کمیٹی بیٹھی ہوئی ہے اور اداروں کی طرح اتحاد المسلمین نے بھی اپنی یادداشت بھیجنی چاہی۔ یہ بیس پچیس صفحوں کی کافی طویل تحریر جس کے دو حصے تھے، پہلے میں اصلاحات کے بنیادی اصول اور ضروریات بیان کیے گئے تھے اور دوسری معین تقسیم نشستوں اور حلقہ ہائے انتخاب وغیرہ کے متعلق تھی۔ ظاہر ہے کہ دنوں اور ہفتوں کی مشاورت کے بعد یہ یادداشت مرتب کرنے اور مجلس عاملہ کی منظوری کے بعد بھیجی جا رہی تھی۔ معتمد مجلس اتحاد المسلمین اس کو خود لیکر معتمد کمیٹی اصلاحات کے دولت کدے کو گئے تھے اور غالباً صاحب کے ناشتے سے فراغت وغیرہ کا انتظار کر رہے تھے (ایسے زمانے بھی تھے) ادھر دو افراد نے جو اتحاد المسلمین

Marfat.com

میں نہ تھے، اطلاع پر سویرے نواب مرحوم سے ملاقات کی۔ مشکل سے دو تین منٹ گفتگو رہی پھر دونوں تیزی سے معتمد کمیٹی اصلاحات کے مکان پر پہنچے۔ ابھی وہ برآمد نہیں ہوئے تھے معتمد اتحاد المسلمین کو نواب مرحوم کی طرف سے ایک زبانی پیام پہنچایا۔ اتحاد المسلمین کی یادداشت کے نصف ثانی کو الگ کرلیا اور نصف اول کے آخر میں معتمد سے کہا کہ اپنے دستخط کر کے داخل کر دیں اور موصوف کو حیران و پریشان چھوڑ کر یادداشت کا نصف ثانی اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ بہادر یار جنگ سے صرف یہ کہا گیا تھا کہ حکومت کچھ تبدیلیاں کرنے پر تلی ہوئی ہے اپنی آزادی کو کیوں محدود کریں، حکومت کی تجاویز پر حسب موقع رائے قائم کر سکتے ہیں اسی لیے یادداشت کا اصل حصہ دوم آخر واپس لے لیا گیا اور مجلس عاملہ کی غالباً بعد میں توثیق کرالی گئی۔ تلمیذ فطرت نواب مرحوم بہت ذہین، ذکی اور عمدہ حافظے کے مالک تھے۔ معلوم نہیں ریاضی تھی یا کونسا مضمون جس کے باعث وہ فوقانیہ دارالعلوم سے نکل نہ سکے، پھر والد کی وفات اور خانگی مشاغل نے بھی امتحانی نظام کا موقع نہ دیا لیکن مطالعے کا بڑا شوق تھا اور اسی مطالعے نے رسمی تعلیم کی کمی کی تلافی کر دی تھی۔ پھر حریفوں سے گفت وشنید کے موقع آنے لگے تو آدمی چونکہ ہوشیار تھے اپنی ناواقفیت کا نہ صرف یہ کہ اظہار نہ ہونے دیتے بلکہ حریفوں سے پورا ماعلیہ معلوم کر کے مالہ، اپنے ذہن سے تیار کر لیتے تھے چنانچہ دستوریات وغیرہ کے ادق مسائل پر ابتداءً وہ حقیقت میں بالکل کورے تھے لیکن فرقہ واری سیاسی سمجھوتوں کی محفلوں نے چند ہی دنوں میں ان میں اور کہنہ نظریات دانوں میں معلومات کی حد تک کوئی فرق نہ رکھا۔ انگریزی دور میں کشمیر کی جو دستوری حیثیت مسلمہ تھی اس کے خلاف انہوں نے ایک ذہانت آمیز نکتہ پیدا کیا اور ایک مرتبہ سر شاہ محمد سلیمان جیسی شخصیت سے (جو فیڈرل کورٹ کے نامور جج تھے) اس پر بحث ہی نہیں حجت کی۔ شاہ سلیمان مرحوم کو آخر میں یہ کہنا پڑا کہ "نواب آپ کا استدلال اچھوتا اور دلچسپ ہے۔ فی الوقت میں آپ (قائل) ہو گیا ہوں لیکن مزید غور کر کے آپ کو اطلاع دوں گا۔" مگر اب آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔ اسی ذہانت سے دو مختلف زبانیں بھی خوب سیکھ گئے تھے۔ اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور غالباً پشتو بھی کافی بول لیتے تھے اور عالم اسلام کے ایک طویل سفر نے بھی ان میں کافی وسعت نظر پیدا کر دی تھی۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 25 رجون 1998ء)

Marfat.com

محبوب علی خاں نظامِ کن کی معزولی کی سازش کا قضیہ

اکتوبر ۱۹۷۱ء کا فاران آج ۲۳ر دسمبر کو پاریس پہنچا۔ مستفید ہوا۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم و مغفور کے حالات میں صفحہ ۳۴ پر لکھا گیا ہے کہ:

''حبیب اللہ رشدی مرحوم کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ ظفر علی خان کا جرم باغیانہ شاعری نہ تھا بلکہ ایک ایسی مہم چلانا تھا جس کے تحت ظفر علی خاں اور ان کے ساتھی نواب میر محبوب علی خاں کو تخت سے اُتار کر میر عثمان علی خاں کو نظام بنانا چاہتے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں عزیز مرزا، مولوی صفی الدین اور عبدالحلیم شرر اس مہم میں شریک تھے۔ ان حضرات کی سرگرمیوں کا پتا کسی طرح ریاست کے وزیراعظم مہاراجہ کشن پرشاد کو ہوگیا۔..... وزیراعظم نے ان لوگوں کو پنشن دے کر ریاست سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ حبیب اللہ رشدی کے اس بیان کی تصدیق اس اداریئے سے بھی ہوتی ہے جو میر عثمان علی خاں کی تخت نشینی کے موقع پر زمیندار کے ایک خاص نمبر (نظام نمبر) میں لکھا.........''

بے شک الزام وہی تھا جو رشدی مرحوم نے لکھا ہے لیکن حقیقت ذرا مختلف تھی۔

مولوی صفی الدین مرحوم میرے قریبی رشتہ دار تھے۔ زمانہ جلاوطنی انہوں نے مکہ معظمہ میں گزارا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد وطن واپس آئے۔ ان کی جلاوطنی اگرچہ میری پیدائش سے قبل کا واقعہ ہے لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ صفی الدین جیسے خدارسیدہ اہل دل اور راسخ العقیدہ شخص سے یہ توقع نہیں کہ وہ ایک محبوب حکمراں کو معزول کرنے کی سازش کریں۔ عزیز مرزا مرحوم اور شرر مرحوم

Marfat.com

کا بھی یہی حال کہا جا سکتا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کے محولہ اداریئے اور اشعار کا مفہوم ذیل کے پس منظر میں شاید بہتر سمجھ میں آ سکے گا۔

برطانوی ہند کی سطوت کے باوجود حیدر آباد ایک خودمختار ریاست تھی۔ دوسری ہندی ریاستوں نے انگریز سے معاہدے میں اگر ماتحتانہ تعاون (Subordinte cooperation) کو قبول کیا تھا تو حیدر آباد کا معاہدہ "مدامی عمومی حلیفی (Perpetual and General Defensive Aliance) کے لیے ہوا تھا۔ حیدر آباد کا سکہ، ڈاک کے ٹکٹ وغیرہ الگ تھے حتیٰ کہ سفارتی تعلقات بھی تھے۔ حیدر آباد کی وفادارانہ دوستی کے باوجود انگریز تھا کہ برابر اس دوست کی تباہی میں روز افزوں مشغول رہا (مگر اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں)

صفی الدین مرحوم ولی عہد عثمان علی خاں کے اتالیق تھے اور نظم ونسق سکھانے پر مامور تھے۔ انگریزی دخل یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ نظم ونسق کی یہ تعلیم بھی انگریزی سکھانے والے انگریز اتالیق کی موجودگی ہی میں دی جا سکتی تھی۔ اس کے باوجود وطن دوست صفی الدین انگریز کی غلامی کی جگہ حیدر آباد کی خودمختاری کا ولی عہد کے ذہن میں احساس پیدا کراتے رہتے تھے۔ ایک مثال جو خاندان میں مشہور تھی یہ ہے کہ نظم ونسق کے سلسلے میں صفی الدین صاحب نے ایک دن دو مثلیں (فائل) پیش کیں۔ ایک میں ایک گرجا کی تعمیر اور سرکاری امداد کا مسئلہ تھا اور ریذیڈنٹ کی سفارش ہوئی تھی۔ دوسری میں ایک مسجد کی تعمیر میں امداد کا سوال تھا۔ گرجا کی کارروائی منٹوں میں ختم ہو کر امداد دلائی گئی۔ مسجد کے لیے ہزاروں کوششوں کے باوجود مخفی انگریزی قوتیں روڑے اٹکاتی رہیں۔ کارروائی کئی سال چلنے کے بعد امداد نامنظور ہو گئی۔ ولی عہد پر اس کا خاص اثر ہوا (عثمان علی خاں کے دور حکومت میں اسلامی اداروں اور غریبوں کو جو کثیر امداد دی جاتی رہی وہ اسی کا اثر تھا۔)

چونکہ عزیز مرزا، صفی الدین وغیرہ پر رشوت ستانی یا کسی اور اخلاقی بدعنوانی کا الزام لگ نہیں سکتا تھا۔ اس لیے ریذیڈنسی نے یہ خفیہ اطلاع دی کہ یہ لوگ نظام کو معزول کر کے ولی عہد کو بادشاہ بنانا چاہتے ہیں اور اپنے کارندوں کی مدد سے شہادت بھی فراہم کر دی۔ اس پر ان کی جلاوطنی کا حکم ہوا۔

Marfat.com

یہ مخلص مسلمان شاہ گردی نہیں، اسلامی مملکت کی آزادی کو برقرار رکھنا اور انگریزی سازشوں کو حتی الامکان روکنا چاہتے تھے۔ ظفر علی خاں مرحوم نے برطانوی ہند کے شہر لاہور سے یہ منطقی بات ''اپنے'' حکمران سے کہی کہ تم شہنشاہ کہلانا چاہتے ہو تو ضرورت ہے کہ تمہارے تحت کچھ بادشاہ بھی ہوں۔ نظام حیدر آباد سے زیادہ کون ہز مجسٹی اور بادشاہ کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟

جیسا کہ میں نے وزیر پیشی شاہی نواب امین جنگ مرحوم کی شہادت پر عرصہ ہوا ایک مضمون میں لکھا کہ جارج پنجم کے دربار تخت نشینی کے وقت ایسا کرنا انگریز طے بھی کر چکے تھے پھر نامعلوم اسباب سے وہ ملتوی ہو گیا۔ میرے مضمون کی اشاعت پر محکمہ سیاسیات (وزارت خارجہ) حیدر آباد میں تحقیقات ہوئی اور وہ مثل جس میں ریذیڈنسی سے آئی ہوئی اطلاع درج تھی نکلوا کر وزیر یا معتمد نے اپنے پاس منگوالی پھر وہ لاپتہ ہو گئی جیسا کہ محکمہ مذکور میں ملازم میرے ایک رشتہ دار نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مثل انہوں نے اپنے ہاتھ سے افسر بالا کو پہنچائی تھی۔ البقاءللہ

(''فاران'' کراچی۔ اپریل ۱۹۷۲ء)

ء

Marfat.com

لیڈی ڈفرن اور سیر لاہور

ہر ہائی نس ڈفرن اینڈ آوا نے تقریباً آدھی صدی اول اپنے وائسرائے شوہر کے ساتھ کئی سال ہند میں گزارے اور وقت بوقت یہاں کے حالات سے اپنی ماں کو مطلع کرتی رہیں۔ انگلستان واپسی پر ان خطوط کا بعد نظر ثانی دو جلدوں میں "ہماری وائسرائی زندگی ہند میں" کے نام سے انتخاب شائع ہوا اس کا اردو ترجمہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ اس وقت ہم صرف لاہور کے متعلق خطوط کا ترجمہ کرتے ہیں۔ (مترجم: جناب حمید اللہ)

منگل ۱۴ را پریل ۱۸۸۵ء

ہم ایک تانگے میں اسٹیشن روانہ ہوئے اور وہیں چائے پی' اتنے میں اسپیشل ٹرین [1] آ پہنچی۔ ڈنر کے بعد رات بھر سفر ہوتا رہا اور دوسرے دن ۲ بجے لاہور پہنچے۔

بدھ ۱۵ را پریل ۱۸۸۵ء

اسٹیشن پر ایک استقبال نامہ پیش ہوا۔ اس کے بعد ہم لیفٹیننٹ گورنر کے مسکن پر پہنچے جہاں ہم ٹھیرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک عجیب گھر ہے کیونکہ حقیقت میں یہ ایک قدیم اسلامی گنبد تھا۔ حجرۂ طعام ایک مربع مراکشی کمرہ ہے جس پر ایک خاصہ بلند گنبد ہے۔ اس میں چھت کے قریب بہت سے روشندان ہیں' جن پر پورا کام نیلے اور سرخ نقوش کا ہے۔ یہ بالکل قدیم مسجدوں کے مانند معلوم ہوتا ہے۔ باقی کمرے اس کے اطراف ایک مثمن (آٹھ پہلو دار شکل) بناتے ہیں،

---

[1] اس کا ترجمہ مصر میں "خصوصی قطار" ہوا ہے۔

Marfat.com

اسی وجہ سے ہر طرف ایک اچھا کمرہ اور دو عجیب شکل کے طویل کمرے بن گئے ہیں' ہر شخص گرمی کی شدت کا شاکی نظر آتا تھا اور پنکھا کرتا جاتا تھا یا نیز مکان بند کرتا تھا تاکہ خنکی پیدا ہو لیکن میرے کمرے میں جہاں میں نے دھوپ کے روکنے کی مطلق کوشش نہیں کی "تپش نما" ۸۵° درجے سے نہیں بڑھا۔ پانچ بجے کے قریب باہر نکلنا مناسب سمجھا گیا اور ہم دو بڑی گاڑیوں میں شاہدرہ جہانگیر کے مقبرے کو روانہ ہوئے جو تقریباً پانچ میل پر واقع ہے۔

لاہور کے متعلق پہلی نظر میں میری یہ رائے قرار پائی کہ وہ درختوں' پھولوں اور کھیتوں کا مخزن ہے۔ یہ ہرگز نہیں محسوس ہوتا کہ ہم کسی شہر میں بلکہ ہم باغوں میں سے گزرتے تھے اور ایسی ہی سڑکیں عبور کرتے تھے جس کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں تھیں۔ کھجور کے درخت گلاب کے تختے اور بارآور کھیت بھی نظر آتے تھے۔ آخر ہم اس باغ میں پہنچے جہاں جہانگیر نے اپنا مقبرہ بسایا ہے۔ پہلے ہمیں ایک سرائے نظر آئی جو انسانوں اور چارپایوں کی میزبانی کے لیے ایک بہت بڑا گھر ہے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ الف لیلہ کے سیاح اس میں اترتے ہوں گے اس قسم کی عمارتیں بڑی سڑکوں پر ہر پندرہ میل پر ملتی ہیں اور سب ایک ہی نمونے پر بنائی گئی ہیں۔ ان کے تین دروازے ہوتے ہیں۔ جن میں سے بڑے سرخ ریتی پتھر اور مرمر آمیز نقوش سے بنایا جاتا ہے اور باقی عمارت ایک بڑا مربع نظر آتی ہے۔ اسباب اور بھڑ کیلے مشرقی لباس پہنے ہوئے مسافروں سے معمور ہونے کی صورت میں یقیناً وہاں ایک بڑا دلچسپ نظارہ ہوتا ہوگا۔ یہ عمارتیں اب بڑی تباہ حالت میں ہیں۔

مقبرہ بھی ایک بڑی مربع عمارت ہے جس کے کونوں پر چار بلند مینارے ہیں اس کے مسقف برآمدے نقش و نگار سے خوب آراستہ ہیں اور مقبرے میں داخل ہونے کے تمام راستوں میں تراشے ہوئے اور جالی دار مرمری دروازے ہیں۔ قبر سفید ہے اور اس میں اطالوی وضع پر رنگین مرمر کے ٹکڑوں کا بھی کام کیا گیا ہے جس کے چاروں طرف خدا کے (۹۹) نام نہایت عمدہ خط میں لکھے گئے ہیں اس عمارت کی چھت بھی مرمریں ہے پھر ہم اس سے اور بھی اوپر ایک مینارے کی آخری حد تک پہنچے تاکہ شہر کا ایک نظارہ کریں۔ اس بلند مقام سے بھی لاہور درختوں میں اتنا چھپا ہوا تھا کہ شہر بخوبی نظر نہیں آتا تھا' ہمیں دور سے دھندلے طور سے صرف ایک دو مسجدیں نظر پڑیں اور بس۔ یہ ہمارے لیے ایک ناشائستہ امر تھا کہ جہانگیر کی قبر کے اوپر چائے نوشی کریں۔ مگر ہم نے ایسا کیا اور لطف اندوز بھی ہوئے۔

شام کو ایک بڑا ڈنر اور دربار تھا مگر اوہ! ہم اتنے تھکے ہوئے تھے کہ خاموش اور ساکن بستر بڑا دل خوش کن نظر آیا۔ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ لاہوری گلاب ایک ایسی چیز ہے کہ اس کی تعریف کے گیت گائے جائیں میں نے ایسی افراط کبھی نہیں دیکھی۔ اگر کوئی ان کے تختوں پر سے گزرے تو ان کے بڑے بڑے جھنڈیا کمانیں یا منفرد درخت نظر آتے ہیں مجھے تو یہ ایک حقیقی مدینۃ البساتین معلوم ہوتا ہے۔ یہاں بہت سے باغ عام ہیں جن میں گزرنے والا مسلسل نعرہ ہائے تحیر بلند کرتا اور گرویدگی کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ ان سب سے الگ ایک اور باغ ہے جو پانچ میل طویل اور شہر کی فصیلوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ غرض جب کبھی کوئی لاہوری اپنے بند مسکن اور تنگ گلی سے باہر نکلنا چاہتا ہے تو وہ اپنے آپ کو پودوں یا گلاب' تاڑ' آم اور پیپل کے درختوں اور خوشنما پھول دار انار کے بنوں میں پاتا ہے۔

جمعرات ۱۶/اپریل

باتیں بہت سی ہیں مگر اظہار کے لیے الفاظ نہیں۔ کاش میں ملک کے ہزاروں مستعد مضمون نگاروں کے قلموں کی امداد سے ہی اس بات کا ایک ہلکا سا خاکہ آپ کے سامنے پیش کرسکتی ' جن کو ہم دیکھتے ہیں یا عمل میں لاتے ہیں یا پسند کرتے ہیں یا بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ سہ پہر میں وائسرائے نے مہاراجہ کشمیر سے دوبار ملاقات کی۔ یہ ایک اچھا بڈھا اور خوبصورت وجیہ شخص ہے جس کی شباہت اور جس کے درباری عادات واطوار ممتاز ہیں۔ یہ بہت بیمار معلوم ہوتا تھا۔ اس کا بڑا لڑکا بھی ساتھ تھا مگر وہ کوئی قابل جانشین معلوم نہیں ہوتا۔ وہ اور اس کی پوری رعایا ململ کی صدری پہنتے ہیں۔ اور جب ان پر ایک ڈھیلا کوٹ پہن لیا جاتا ہے تو بہت خوبصورت نظر آتے ہیں لیکن اگر کوٹ نہ پہنیں تو یہ ایک دیدہ زیب لباس معلوم نہ ہو۔

جب ملاقات ختم ہوگئی تو ہم مختلف مناظر کی سیر کو نکلے۔ اور قید خانہ دیکھا جہاں قیدی عمدہ شطرنجیاں بن رہے تھے' جو غیر فانی سمجھی جاتی ہیں اور یہ حساب فی گز دو پونڈ دس شلنگ (تقریباً چالیس روپے) میں فروخت ہوتی ہیں۔ اس عظیم عمارت میں تقریباً دو ہزار قیدی سما سکتے ہیں۔ ہمارا معائنہ نامکمل تھا مگر چمکدار سورج میں وہ مقام صاف ستھرا اور مسرور نظر آیا۔

اس کے بعد ہم نے عجائب گاہ اور مدرسۃ الفنون دیکھے مگر ان چیزوں کے متعلق کچھ لکھنا بیکار ہے کیونکہ یہ سب جگہ یکساں نوعیت رکھتے ہیں۔ آخرالذکر میں غیر معمولی نظارہ صرف یہ تھا کہ

اسی برس کے بوڑھوں کی ایک ہشاش بشاش جماعت نجاری سیکھ رہی تھی۔ یہ ابتداء چھیلنا سیکھتے ہیں اور فرش پر اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے صرف ایک مشرقی کو آتا ہے اور ایک (Chisel) یعنی اُلی (تلفظ اڑلی یا ڑل = ل) اور گھن سے لکڑی کی ایک مشقی کاپی نما تختی پر کام کرتے ہوئے اپنے پاؤں سے بھی اتنا ہی کام لیتے ہیں جتنا ہاتھ سے' اس کے بعد میں نے گھر کا راستہ لیا لیکن ڈفرن نے کلیہ شرقیہ (اورینٹل کالج) کا معائنہ کیا جس سے اسے بڑی دلچسپی تھی۔

اب میں کیونکر اس ضیافت کا منظر دکھاؤں جو شام کے وقت شالامار باغ میں ہمارے اعزاز میں دی گئی ہم ڈنر کے لیے وقت پر روانہ ہوئے اور مطلق توقع نہ تھی کہ کوئی خاص بات پیش آئے گی۔ سوائے اس کے کہ ایک باغ میں ڈنر ہوگا۔ جس کے بعد دو اڈریس پیش ہوں گے اور ایک پارٹی دی جائے گی' ہم نے پانچ میل کی مسافت طے کی اور یہ پوری سڑک مشعلوں سے منور تھی' جب منزل مقصود کے قریب پہنچے تو باغ کی دیوار جو (۷۰) ایکڑ پر محیط ہے۔ ایک مسلسل روشنی کے باعث ممتاز ہوتی نظر آئی جب ہم گاڑی میں سے ایک کمان کے پاس اترے تو ہمیں ایک حقیقی مدینۃ النور نظر آیا۔ ہمارے سامنے ایک پانی کا راستہ دکھائی دیا جس کے وسط میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے فوارے اٹھکیلیاں کرتے اور نظارے کو ترشحانہ رازداری بخش رہے تھے۔ اس پرستان نہر کے دونوں طرف چوڑے آتشی تختے اور روشیں اور بلند درختوں کے عظیم جھنڈ تھے' جس میں مختلف قسم کے چینی کے چراغ اور رنگ برنگ کی روشنیاں متداخل و متقاطع نظر آتی تھیں۔ آگ اور پانی کی یہ قطاریں باغ کو ہر سمت میں قطع کرتی گزرتی تھیں اور پہلے چبوترے کے اختتام پر ایک قسم کا درختوں کا حصار نظر آیا جہاں ڈنر کی میزیں پھیلی پڑی تھیں اس کے دوسری جانب ہمیں ایک اور پانی کا منور باغ نظر آیا۔ یہ حد سے زیادہ دلفریب تھا' پانی پہلے باغ میں سے عین اس مقام سے گزرتا تھا جس کے اوپر ہم بیٹھے ہوئے تھے اور یہ نہر ایک آبشار کی صورت میں دوسری جانب نیچے کے چبوترے کے پاس گرتی تھی۔ اگر کوئی شخص اس منور کوشک میں گھومتا اور ٹھیر کر دیکھتا تو اسے حاضرین اس سلسلہ میں حسن کی آخری لڑی بنتے اور اس منظر کو مکمل کرتے نظر آتے۔

اپنے ماحول کی شاعرانہ حیثیت کے باوجود ہم نے صرف ایک معمولی قسم کا ڈنر کھایا۔ اس کے بعد ملکی مہمانوں کی آمد شروع ہوئی یعنی راجہ جیند' فرید کوٹ' مہاراجہ کشمیر وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خوش لباس حضرات ہمیشہ منظر کے حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں، جب یہ لوگ جمع ہو رہے تھے تو میں باغوں میں گھومنے لگی اور یہ معلوم کیا کہ روشنی کا انتظام کس طرح کیا گیا ہے، وہاں پانی کے قریب ہزاروں لاکھوں چھوٹی چھوٹی مٹی کی کٹوریاں تھیں، جن میں تیل ڈال کر فتیلہ روشن کیا گیا تھا۔ تمام عمارتوں کے گرد اسی قسم کی روشنی کی قطاریں تھیں۔ اس کے بعد اڈریسوں کے سننے کے لیے لوٹی۔ ان میں سے پہلا جس وفد نے پیش کیا اس میں بوڑھے وجیہ سکھ تھے جن کی سفید ڈاڑھیاں کانوں کی طرف پھر آئی ہوئی اور پگڑی کے اندر باندھی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ اپنے فنکار مشرقی لباس میں ملبوس تھے اس کے بعد نئی روشنی والوں کا وفد آیا۔ اس عہد کا نوجوان ہندوستانی بڑے آئینے میں اپنی صورت نہیں دیکھتا ہوگا، ورنہ وہ اپنے آپ کو ان پرشکوہ بوڑھوں کے ساتھ سیاہ الپاک کے کوٹ اور پاجاموں میں پیش نہ کرتا۔ ایک لباس بھدا اور غیر ممتاز ہے اور دوسرا مجسم حسن و آرام و نفاست، ڈفرن نے ہر ایک کے جواب میں تقریر کی اور جب میں نے دونوں جماعتوں کو تقریر سنتے دیکھا تو معمر جماعت کی برتر عظمت سے بہت متاثر ہوئی۔ ان کے اطوار بہت عمدہ اور ان کا مظہر بہت سنجیدہ اور متین تھا۔

اس دلفریب منظر سے جدا ہوتے وقت واقعتہً ہم نے کلفت محسوس کی۔ ایک عمدہ سواری کے بعد گھر پہنچے اور ایک خوشگوار گرم رات بسر کی۔

جمعہ ۱۷ اپریل

یہ دن نظارۂ مناظر کے لحاظ سے اتنا اہم ہے کہ قلم مایوسی کے عالم میں ہاتھ میں لیتی ہوں، ہم نے جو چیز دیکھی وہ اتنی دلچسپ اور ناممکن الاظہار تھی کہ ہمیں جو لطف حاصل ہوا، اس کا دسواں حصہ بھی آپ تک پہنچانا یا مکمل طور سے ان تمام حسین اور متعجب کن چیزوں کو پیش کرنا جنھوں نے ہمیں مسرور اور متحیر کر دیا محال ہی محال ہے۔

آفتاب کسی قدر حجاب میں تھا جس کے باعث ہم آج تک غیر متوقع جسارت سے نو بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک گھر سے باہر رہے، مختلف باغوں اور سڑکوں سے گزرتے ہم دہلی دروازہ پہنچے جس کو پار کرتے ہی ہم ایک نئی دنیا میں پہنچ گئے، ہمیں راستے میں تنگ گلیاں ملیں جہاں عجیب کہنہ مکانات اور غریب کھڑکیاں نظر آتی تھیں۔ جو لوگوں کے مجمعوں سے بھری ہوئی تھیں۔ سلاموں کے جواب میں ہم صرف خفیف سا سامنے جھک جاتے تھے۔ آخر ایک اور کمان سے

Marfat.com

گزرنے کے بعد ایک مسجد کا بیرونی احاطہ نظر پڑا، جس کے سامنے کا حصہ جڑاؤ کاری سے سنوارا اور خوش رنگی سے نظر فریب بنایا گیا تھا۔ اندرونی احاطہ یعنی مسجد اور منارے بھی کسی زمانے میں اسی طرح آراستہ تھے، اور اب اگرچہ بہت کچھ تباہ ہوگیا ہے لیکن ابھی بھی اتنا باقی ہے کہ دیکھنے والا اس خوشنمائی کا تصور کرنے لگتا ہے جو اس میں سالم و کامل حالت میں ہوگی۔

وزیر خان کی اس مسجد کے بعد ہم نے ایک اور چھوٹی مسجد دیکھی جس کے گنبد اور گنبدیاں سنہری تھیں۔ ہم جب اپنی گاڑی میں سے اترے تو گلاب کی پتیاں ہمارے سروں پر نچھاور کی گئیں۔ اس کے بعد ایک جدید آب کار نظر آیا پھر ایک اور مسجد ملی، جس کے وسیع اور خاموش احاطے میں لڑکوں کا ایک مدرسہ تعلیم قرآن میں مصروف نظر آیا۔ اس مسجد کی آراستگی میں ایک سفید مرمر نما مادہ استعمال ہوا ہے جس میں ایک ابھار کا نقش نظر آتا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک چھینٹ (Chinte) کا اثر رکھتا ہے۔

اس کے بعد ہم نے رنجیت سنگھ کا مقبرہ دیکھا، یہ بھی واقعی بہت خوشنما ہے۔ لحد مرمر کی ہے جس کے اوپر ایک بڑا گول برتن ہے جس میں اس کی راکھ ہے، اس کے اطراف گیارہ مرمری ڈھیر ہیں جن میں سے بعض سادہ اور بعض آراستہ ہی آراستہ اس کی رانیوں کی راکھ سے پُر تھے، اور سادوں میں لونڈیوں کی راکھ تھی۔ یہ سب اس کی بیواؤں کی حیثیت سے ستی ہوگئی تھیں۔ کونوں میں دو اور گول قبروں کے پتھر تھے، جن کے نیچے دو کبوتروں کی راکھ تھی جو چتا میں گر کر جل گئے تھے۔ مقبرے کی چھت سنہری اور اس پر ہلکا رنگ کیا گیا ہے لیکن باہر کا کوشک عجیب طرح سے آراستہ کیا گیا ہے جو اس سے پہلے ہماری نظر سے نہیں گزرا تھا، اس میں خوبصورت اور ہلکے بھورے رنگ کا امتزاج تھا اور اس میں نہایت نازک سفید پلاسٹر کے پھول اور پتوں کے اندر محدب آئینے بٹھائے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ ان دونوں قسم کی آراستگیوں کا دلدادہ تھا کیونکہ جب ہم اس کے محل کو گئے جو قلعے میں ہے تو وہاں بہت سے ایسے کمرے ملے جن میں سنہری یا آئینوں کا کام کیا گیا تھا۔

ان دلفریب چیزوں کے ایک ہی نظارے سے دیکھنے والے پر ایک عام اثر اور ساتھ ہی عظیم مسرت محسوس ہوتی ہے۔ جس کے حقیقی نظارے کا قصد کرنا بہت مشکل ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں جالی دار مرمری دروازوں اور جڑاؤ کار مرمری فرش اور تراشیدہ مرمری مناروں اور سنہری گنبدوں اور دیوتائی قصروں سے اتاری ہوئی کمانوں اور بہترین رنگین اینٹوں کا صرف تذکرہ

Marfat.com

کردوں اور یہ بیان نہ کروں کہ یہ دن اس طرح گزرا کہ ایک اچھی چیز دیکھی جو خوشنما اور دلچسپ تھی ، پھر ایک اور دیکھی جو اس سے بڑھ چڑھ کر یہ باتیں رکھتی تھی تو بھی میں آپ کو عام نظاروں کے متعلق اپنی رائے سے متاثر نہیں کرسکتی جب تک آپ ان حقیقی چیزوں پر جن کے پیش نظر لانے کی میں کوشش کر رہی ہوں ہجوم اور مجمع کا اضافہ نہ کریں جو ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ آپ اپنے طور سے تصور کیجیے کہ عجیب ترین عمارتیں اور خاص وضع کی گلیاں ہیں جو ہر جگہ اور ہر کونے میں اور ہر چھت پر مردوں، عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک تماشا ہے، ہم ان پر سے ہوتے ہوئے مسجدوں میں جاتے تھے اور مسجدوں میں سے باہر دیکھتے تھے اور جب ہم ایک خوشنما عمارت سے دوسری میں جاتے تھے تو ہمیشہ آدمیوں کا ایک نیا سمندر ہوتا تھا جو نظارے کی تصویریت میں اضافہ کرتا تھا۔

قلعہ اور رنجیت سنگھ کا مقبرہ جس کا میں نے اوپر تذکرہ کیا ہے اس کے بعد دیکھنے میں آئے، اس کے بعد ہم نے ایک مدرسۂ نسواں ملکی کا معائنہ کیا جس کے متعلق وائسرائے کی خاص درخواست پر دیکھنے کی اجازت دی گئی۔ یہ اس قدر تنگ گلی میں تھا کہ ہماری گاڑی وہاں تک نہیں جاسکتی تھی اسی وجہ سے میں ایک پالکی میں سوار ہوگئی۔ ڈفرن گھوڑے پر ساتھ تھا، ہم دونوں جانب دیواروں کو چھو سکتے تھے اور حسب معمول مکینوں کے متعلق بہت دلچسپی لیتے تھے، مجھے مدرسے کی حالت بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ گزشتہ خطوط سے واضح ہو چکا ہوگا کہ ان ادارات میں بچے کیسے نظر آتے ہیں۔

واپسی میں ہم نے ایک جدید عمارت دیکھی یہ ایک اسمبلی روم تھا جو سر جان لارنس کی یادگار میں بنایا گیا تھا لیکن یہ اوَن ہوکی سی بے نظیر ناول دیکھنے کے بعد آرورا آف لائڈ کا قصہ دیکھنا تھا جسے میں بالکل پسند نہیں کرتی۔ یہ صبح کا نظارۂ مناظر تھا، جس کے بعد ناظر ایک فخر اور برتری محسوس کرتا ہے۔ ہم مکان واپس آئے، جس کے بعد وائسرائے فوراً ہی مہاراجہ کشمیر کی ملاقات بازید کے لیے روانہ ہوگیا اور نیا گرجا بھی دیکھ آیا۔ اس کے بعد لنچ ہوا اور فراغت ہوگئی۔ دروازے پر راجہ کے چند اہلکار میرے لیے خوبصورت شالوں کا ایک بستہ لائے اور میں نے مہربانی سے قبول کر کے معتمد خارجہ کے حوالے کر دیا تا کہ فروخت کر کے ملک و حکومت کی بہبود کے کام میں لگا دیئے جائیں۔ سر چارلس اور لیڈی اٹکی سن یعنی ہمارے میزبان و میزبانہ ہم پر حد سے زیادہ مہربان تھے اور سیر کے دلچسپ بنانے میں بڑی مدد دیتے تھے۔ فقط

("مخزن" لاہور۔ جولائی ۱۹۲۹ء)

Marfat.com

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندوں کی نفسیاتی تحلیل

نفسیاتی تحلیل ایک نیا علم ہے۔ اس میں اس کا تو ذکر نہیں ہوتا کہ بیج سے کس طرح درخت نکل کر پھلتا پھولتا ہے بلکہ اس کے برعکس کسی تناور اور بارآور درخت کو دیکھ کر یہ پتا چلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی کسی روش، کسی خلاف توقع طرزِ عمل کے اسباب معلوم کرنے کی سعی ہوتی ہے۔ خاص کر وہ اسباب جن کو شاید متعلقہ شخص خود بھی بھول چکا ہے۔ کم از کم اسے اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس کے اعمال کا باعث وہ واقعہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس تحقیق میں جو معلوم سے نامعلوم کی طرف جانے پر مشتمل ہوتی ہے، بہت کچھ مفروضات سے کام لینا پڑتا ہے اور نتیجے میں ریاضیاتی صحت ہو نہیں سکتی لیکن اس کی اہمیت اور اس پر اعتماد اب اتنا بڑھ گیا ہے کہ شاید ہی کوئی بڑا طبیب ہوگا جو اب تشخیص میں اس سے مدد نہ لیتا ہو۔

مجھے اس علم سے کوئی خصوصی واقفیت نہیں۔ حال میں قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ، نیز سیرۃ النبیؐ پر فرانسیسی میں دو جلدوں میں ایک تالیف مرتب اور شائع کرنے کا موقع ملا تو اس ''قصے'' کے بعض کردار بے اختیار اپنی طرف توجہ منعطف کراتے رہے اور سوچنا پڑا کہ یہ کیا بوالعجبی ہے؟ کچھ چیزیں معلوم ہوئیں۔ شاید وہی ان ''خاردار درختوں'' کے بیج ہوں۔ یہاں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ ماہرین نفسیات ان سے فائدہ اُٹھا سکتے اور فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

بادشاہت تلاش کرنے والے کسی شخص کے لیے قدم قدم پر دشمنوں سے سابقہ پڑنا ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے وہ کیوں بادشاہ بنے، میں کیوں نہیں؟ حسد فطری چیز ہے اور انسان جتنا زیادہ فطری یعنی حیوانی اساس سے قریب ہوگا اتنا ہی وہ اس برائی پر قابو کم پا سکے گا لیکن کسی نبی، کسی مصلح سے دشمنی کا سبب اتنا آسان نہیں کیوں کہ وہ نہ کوئی مالی معاوضہ چاہتا ہے اور نہ اپنی بڑائی اور

Marfat.com

سرداری جتاتا ہے وہ تو بے غرضانہ دوسروں کی بھلائی کے لیے اپنے کو وقف کر رکھتا ہے۔ انبیاء سلف پر بھی وہی گزرا ہوگا جو نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ فی الحال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ہم عصروں کا مطالعہ کرنا مقصود ہے۔

(۱) ابولہب

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا ہے۔ عرب میں ہم قبیلہ شخص کا ساتھ دینے میں ظالم و مظلوم کا بھی امتیاز نہ کیا جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام اپنی مرنجان و مرنج طبیعت' بزرگوں کے ادب' چھوٹوں پر رحم محتاجوں سے حسن سلوک کے لیے بچپن سے امتیاز رکھتے تھے۔ پھر ان میں کیوں نہ بھی؟ عمومی تبلیغ سے بھی قبل جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع فرمایا اور "وانذر عشیرتک الاقربین" نے اپنی ربانی مہم کا آغاز کیا تو واحد شخص جس نے مخالفت کی اور کھنڈت ڈالی وہ یہی ابولہب تھا۔ اس کی دشمنی مرتے دم تک باقی رہی بلکہ روز افزوں ہی ہوتی چلی گئی۔ کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ ویسے کہا جاتا ہے کہ ابولہب ایک بامہر شخص تھا۔ مہمان نوازی اور غرباء پروری اس میں کافی تھی۔

شاید ذیل کا واقعہ (جو انساب الاشراف للبلاذری مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۹ء جلد اول' ۱۳۰ تا ۱۳۱ میں درج ہے) اس پر کچھ روشنی ڈالے: "ایک دن ابولہب اور ابو طالب میں کسی سلسلے میں بات بڑھ گئی۔ ابو طالب کو پچھاڑ کر ابولہب سینے پر چڑھ بیٹھا اور طمانچے مارنے لگا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو رُک نہ سکے اور ابولہب کو پہلوؤں سے پکڑ کر زمین پر گرادیا۔ اب ابوطالب نے اس کے سینے پر بیٹھ کر طمانچے لگانے شروع کیے۔ اس پر ابولہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: وہ تیرا چچا ہے تو میں بھی تیرا چچا ہوں۔ تو نے میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ اللہ کی قسم! میرا دل تجھ سے پھر کبھی محبت نہ کرے گا۔"

Marfat.com

(۲) ابوجہل

اس کا اصلی نام ابوالحکم عمرو تھا۔ یہ مکے کے ایک ممتاز گھرانے کا فرد تھا وہاں بلدیہ (دارالندوہ) میں ہر شہری چالیس سال کی عمر میں رُکن بن سکتا تھا لیکن "لِجُود رایہ" (اپنے عمدہ رائے اور معاملہ فہمی کے باعث) اسے تیس ہی سال کی عمر میں رُکن بنالیا گیا تھا۔ (دیکھو الاشتقاق ابن دُرید' صفحہ ۹۷) اس کی بھی فیاضی اور غربا پروری کے افسانے پائے جاتے ہیں۔ ذیل کے دو واقعے جو آغاز اسلام کے وقت کے بیان کیے جاتے ہیں' قابل ذکر معلوم ہوتے ہیں:

بلاذری (انساب الاشراف' جلد اوّل' صفحہ ۱۳۰) نے لکھا ہے: ''یمن کے قبیلہ زبید کا ایک شخص مسجد کعبہ میں آیا اور فریاد کرنی شروع کی: اے قریشیو! تمہارے پاس غذائی اور دیگر رسد کیسے آیا کرے گی جبکہ تم لانے والوں پر ظلم بھی کرتے ہو؟ لوگوں نے توجہ نہ کی تو وہ حلقہ بہ حلقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تجھ پر کس نے ظلم کیا؟ کہا ابوالحکم (ابوجہل) نے' مجھ سے اس نے تین سب سے اچھے اونٹ مانگے اور چاہتا ہے کہ گھاٹے سے بیچوں؟ اور اس کی خاطر کوئی اور بھی مجھ سے نہیں خریدتا۔ اس نے میرا سودا خراب کر کے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ مانگے مول پر اس کے تینوں اونٹ خرید لیے...... ابوجہل وہیں بازار میں کھڑا دیکھتا رہا اور کچھ نہ بولا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پاس جا کر کہا: اے عمرو! ایسا پھر نہ کرنا ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ ابوجہل نے جواب دیا: ہاں میں پھر کبھی ایسا نہ کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانے کے بعد اُمیہ بن خلف اور دیگر مشرکوں نے طعنہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے ذلیل کر دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی اس کی اتباع کرنی چاہتا ہے؟ ابوجہل نے کہا: ''ہرگز نہیں' میں تو صرف اس لیے دبا کہ اس کے جادو سے اس کے ساتھ دائیں بائیں نیزہ برداروں کی ایک جماعت نظر آئی جو نیزے میری طرف جھکا رہی تھی۔ اگر میں مخالفت کرتا تو وار پار کر دیتے۔''

اس کا کم وبیش ہم عصر واقعہ ابن ہشام (سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صفحہ ۲۵۷) اور بلاذری (انساب الاشراف' جلد اوّل' صفحہ ۱۲۸ تا ۱۲۹) نے بیان کیا ہے: ''یمن کے قبیلہ اراش (یا اراشیہ) کا ایک فرد کچھ اونٹ لایا کہ مکے میں بیچے۔ ابوجہل نے خرید اگر قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کی۔ اس پر تاجر نے قریش کی ایک مجلس میں پہنچ کر کہا کہ میں ایک مسافر ہوں۔ ابوالحکم

Marfat.com

(ابوجہل) نے مجھ سے اونٹ تو مول لیے مگر رقم ادا نہیں کرتا جس سے میں اٹکا ہوا ہوں۔ یہ مجھ پر بار گزر رہا ہے۔ کیا کوئی اس سے میرا حق دلائے گا؟ قریش نے ٹھٹھول سے کہا: دیکھو وہ شخص جو کونے میں بیٹھا ہے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے پاس جاؤ' وہ تمہارا حق دلائے گا' جب اس نے دکھڑا سنایا تو آنحضرت فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوجہل کے گھر جا کر دروازے پر دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا: کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام بتایا اور کہا: باہر آؤ۔ آنے پر اس سے فرمایا: ''اس کا حق فوراً ادا کرو' ادائی تک میں ٹلوں گا نہیں۔'' اس نے فوراً رقم ادا کر دی۔ اراشی تاجر نے قریش کی مجلس میں آ کر کہا: خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جزائے خیر دے۔ کس آسانی سے اس نے میرا حق دلا دیا' پھر وہ چلا گیا۔ بعد ازاں جب ابوجہل وہاں آیا تو لوگوں نے حیرت سے کہا: ہم نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھٹھول کرنا چاہا تھا۔ ابوجہل نے کہا: چھوڑو بھی' جیسے ہی اس نے دستک دی' میرا دل دہل گیا' باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خوفناک ڈیل ڈول کا ایک سانڈ اونٹ منہ پھاڑے کھڑا ہے۔ اگر میں ذرا بھی انکار کرتا تو وہ مجھے نوالہ کر لیتا۔ اسی لیے میں نے رقم ادا کر دی۔

(۳) ابو عامر راہب

مدینہ کے قبیلہ اوس کا فرد تھا۔ اس کے فرزند حضرت حنظلہ غسیل الملائکہؓ مسلمان ہو گئے تھے اور نوجوانی میں شب زفاف میں بیوی کو چھوڑ کر فوج میں آ شامل ہوئے اور صبح کو غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ باپ مشرکین کی صف میں تھا۔ جنگ تھمی تو بیٹے کی لاش پر کھڑے ہو کر کہا ''اسی لیے تو میں تجھے اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے روکا کرتا اور اس طرح مارے پڑنے سے ڈرایا کرتا تھا۔ خدا کی قسم! تو شریف اخلاق کا مالک اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کیا کرتا تھا۔'' (بلاذری' انساب الاشراف' جلد اوّل صفحہ ۳۲۹) اگر بچوں کا اچھا کردار والدین کی اچھی تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے اور اگر اچھی تربیت وہی دے سکتے' خاص کر آزادی رائے وہی پیدا کر سکتے ہیں جو خود بھی عمدہ کردار کے مالک ہوں تو گمان کرنا پڑتا ہے کہ خود ابو عامر بھی بھلا مانس ہی رہا ہو گا۔ یہ جویائے حق بھی تھا' مشرک گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود (بلاذری' ایضاً' صفحہ ۲۸۱ کے مطابق) اہل کتاب سے مناظرے کرتا اور عیسائی راہبوں کی طرف بہت مائل تھا اور اکثر شام و فلسطین جا کر ان سے ملتا' پھر کیوں نہ بھی؟ اور راہب ہونے کے باوجود کیوں آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم کے خلاف تلوار کھینچ کر جنگ میں عملی حصہ لیتا رہا؟ اور کیوں مرتے دم تک یہ مخالفت جاری رہی؟

مورخ الہیثم بن عدی نے (جسے بلاذری' انساب الاشراف' صفحہ ۲۸۲ نے نقل کیا ہے) لکھا ہے: ''ابو عامر چاہتا تھا کہ خود نبوت کا دعویٰ کرے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت شروع ہوئی اور ترقی کر گئی تو ابو عامر کو حسد ہو گیا۔'' ابن ہشام (سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صفحہ ۴۱۱ تا ۴۱۲) نے اس کی مزید تفصیل دی ہے: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ابو عامر مکہ بھاگنے سے قبل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں میں یوں بات چیت ہوئی۔ وہ: ''تو یہ کیا دین لایا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم: ''حنیفیت' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین''۔ وہ: ''یہی تو میرا دین ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم: ''نہیں یہ تیرا دین کہاں؟'' وہ: ''ہے تو' محمد' اصل میں تو نے ہی اس میں وہ چیزیں داخل کی ہیں جو اس میں نہ تھیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم: ''ہرگز نہیں' بلکہ میں تو اسے میل کچیل سے صاف کر کے نکھار لایا ہوں۔'' وہ: ''خدا جھوٹے کو وطن سے دور تنہائی کی موت مارے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم: ''ضرور' خدا جھوٹے کے ساتھ ایسا ہی کرے۔''

کازانووا (کی فرانسیسی تالیف ''محمد اور اختتام کائنات'' صفحہ ۲۸) کے مطابق عیسائیوں کے ہاں یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پانچ سو برس ختم ہوں تو مسیحا آئے گا (جس کا ذکر انجیل یوحنا' باب اوّل جملہ ۱۹ تا ۲۸ میں بھی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ۶۱۰ء میں ہوئی۔ ان حالات میں الہیثم بن عدی کے بیان پر شبہہ کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

(۴) عبداللہ بن ابی بن سلول

مدینے کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں کئی نسل سے اوس وخزرج کے رشتہ دار قبیلوں میں خانہ جنگیاں چلی آ رہی تھیں۔ ابن ہشام (سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' صفحہ ۴۱۱) نے لکھا ہے کہ ''اوس وخزرج نے عبداللہ بن ابی سے نہ پہلے اور نہ بعد کبھی کسی مشترکہ فرد کی اطاعت پر اتفاق نہ کیا' بجز عبداللہ بن ابی کے۔'' یہ غیر معمولی ہردلعزیزی' اعلیٰ کردار اور منصف مزاجی وغیرہ کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی مگر تاریخ اسلام میں اسے ''رأس المنافقین'' کا لقب دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت و بہتان کا آغاز بھی اسی سے ہوا تھا۔ ساری زندگی اس نے مسلمانوں میں اندرونی فتنہ برپا کرنے میں صرف کی۔ وجہ؟

Marfat.com

صحیح بخاری (کتاب ۹۷، باب ۲۰) تفسیر طبری (بر سورہ ۶۳، آیت ۸) تاریخ طبری (سلسلہ اوّل صفحہ ۱۵۱۱) سیرۃ ابن ہشام (صفحہ ۴۱۳، ۷۲۷) روض الانف للسہیلی (جلد دوم صفحہ ۵۱) سبھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما کر مدینہ آنے سے عین قبل یہ طے کیا گیا تھا کہ عبداللہ بن ابی کو اوس وخزرج کا مشترکہ بادشاہ بنایا جائے اور تخت نشینی کے لیے تاج بنانے کا کام ساروں اور جوہریوں کے سپرد بھی کر دیا گیا تھا۔ پھر جب مدینے والے مسلمان ہو گئے تو پرانی تجویز منسوخ ہو گئی۔

(۵) کعب بن الاشرف

مدینہ کے یہودی قبیلہ بنی النضیر کا سردار تھا۔ ابن ہشام (سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۵۵۲) نے لکھا ہے کہ جس دن اسے قتل کیا گیا وہ تازہ بیاہا ہوا تھا۔ ''دوستوں'' نے رات کو گھر پر پہنچ کر آواز دی تو جلدی میں کپڑے پہننے کی جگہ لحاف ہی میں اپنے کو لپیٹ کر نیچے اُترا۔ بیوی نے کہا: مجھے اس آواز میں شر بھرا ہوا نظر آتا ہے، جواب دیا: ''**لو یُدعیٰ الفتی لطعنۃ لاجاب**'' (جواں مرد کو نیزہ بھونکنے کے لیے بھی بلائیں تو وہ انکار نہیں کرتا) ابن ہشام (سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۳۵۱) ہی کے مطابق اس کا باپ شمالی عرب کے قبیلہ طی کی شاخ نبہان کا فرد تھا، اور ماں بنی النضیر کی۔ اس طرح نیم غیر ملکی ہونے کے باوجود قوم کا سردار خاص کر جج اور حاکم عدالت بنا اعلیٰ ذہنی قابلیتوں کے بغیر ممکن نہیں۔ بگاڑ کی وجہ؟

مقاتل (فوت: ۱۵۰) مشہور مفسر گزرے ہیں۔ ان کی تفسیر (مخطوطہ کتب خانہ حمیدیہ، استانبول، ورق ۹۶/الف، سورہ ۵، آیت ۴۴) میں لکھا ہے کہ مدینے میں بنی النضیر بڑی ذات کے اور بنی قینقاع نیچ ذات کے یہودی سمجھے جاتے تھے اور اگر کوئی نضیری کسی قینقاعی کو قتل کرتا تو اس کے لیے آدھا خون بہا دیا کرتا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینے آئے اور ایک قتل کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ نضیری قاتل قینقاعی مقتول کا سالم خون بہا ادا کرے اس پر نضیرہ سردار کعب بن الاشرف چیخنے لگا: ''ہم تیرا فیصلہ نہیں مانتے اور نہ تیرا حکم تسلیم کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے پرانے رسم ورواج ہی پر عمل کریں گے۔''

(ماہنامہ ''تہذیب الاخلاق'' لاہور۔ نومبر ۱۹۶۱ء)

Marfat.com

دُشمنانِ رسولِ خدا کی نفسیات

(فرانسیسی سے ترجمہ: محمد حسن عسکری)

میں جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ لکھنے اور قرآن شریف کا ترجمہ کرنے میں مصروف تھا (یہ دونوں چیزیں ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئیں) تو مجھے بار بار اپنے آپ سے یہ سوال پوچھنا پڑتا تھا۔ فلاں شخص کا عمل ایسا کیوں رہا؟ بعض دفعہ چند ایسے واقعات بھی میرے سامنے آتے رہے جن سے ان مشکل سوالوں پر روشنی پڑتی تھی۔ میں ایسی چیزوں کو یہاں یکجا کر رہا ہوں جہاں تک مجھے علم ہے اس قسم کا کام ابھی تک کسی نے نہیں کیا لہٰذا اس مضمون میں کچھ نقائص ضرور رہ گئے ہوں گے، بہر حال جو تھوڑی بہت معلومات مجھے حاصل ہوئی ہیں انہیں کسی لمبے چوڑے دعوے کے بغیر پیش کرتا ہوں، قارئین کرام اپنی معلومات کی بناء پر اس میں بیش قیمت اضافے خود ہی کر لیں گے۔

اس سلسلے میں یوں تو اچھا خاصا مواد بھی جمع ہو گیا ہے لیکن میں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں کی نفسیات پر مضمون لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ یہ بات تو آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اگر کوئی بادشاہت کا دعوے دار ہو تو اس کے ہم عصروں میں طرح طرح کے حسد اور رقابت کے جذبے پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ مگر روحانی مصلح اور پیغمبر اصولاً نہ تو کسی کی کوئی چیز چھیننا چاہتا ہے نہ زبردستی لوگوں کو زیر کرنا چاہتا ہے۔ اس کے برخلاف اس کا واحد مقصد تو سارے انسانوں کی فلاح و بہبود ہوتا ہے اور وہ کوئی مادی یا غیر مادی انعام بھی طلب نہیں کرتا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وآلہ وسلم کو عربوں کی طرف سے جس ردعمل کا سامنا کرنا پڑا وہی کچھ پہلے پیغمبروں کو بھی اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیش آیا۔

قصہ مختصر: اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں بعض دشمن تو کھلم کھلا سامنے آئے اور بعض دوستوں کی شکل بنا کر آئے اسی لیے ہم غیر مسلموں کا بھی ذکر کریں گے اور ان لوگوں کا بھی جنہیں بجا طور پر منافق کہا جاتا ہے، پہلے گروہ میں قریبی رشتے دار بھی شامل ہیں اور اجنبی بھی، عرب بت پرست بھی اور یہودی اور عیسائی بھی، ہم مکمل فہرست پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ ہر گروہ کے چند نمائندوں کا حال مثال کے طور پر بیان کریں گے۔

ابولہب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے ایک ابولہب تھا جو ساتھ ہی ددھیالی رشتے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا بھی تھا، عرب کے معاشرتی دستور کا تقاضا یہ تھا کہ آدمی کو اپنے قبیلے والوں کی موافقت ہر معاملے میں کرنی چاہیے۔ اچھائی میں بھی اور برائی میں بھی اور اپنے کسی رشتے دار نے چاہے بے انصافی یا ظلم ہی کیا ہو، مگر اس کا ساتھ دینا چاہیے، علاوہ ازیں تبلیغ شروع کرنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اخلاق کی وجہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہو چکا تھا، مثلاً سب کے ساتھ مہربانی کا سلوک، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت محتاجوں پر عنایت۔

مگر اس کے باوجود جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام لوگوں کو تبلیغ شروع کرنے سے پہلے اپنے کام کی ابتداء اس حکم خداوندی کی تعمیل سے کی:

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ. (سورت ۲۶۔ آیت ۲۱۴)

اپنے قبیلے اور نزدیک والوں کو ڈراؤ، اور اس مقصد کے لیے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا تو صرف ایک شخص تھا جو مخالفت کے لیے اٹھا۔ اور ایک لمحہ کے توقف کے بغیر اچھل کے کھڑا ہو گیا، اور یہ ابولہب تھا۔

(بلاذری "انساب" جلد اول ص ۱۱۸۔۱۱۹)

اس کی مخالفت میں ذرا کمی نہیں آئی بلکہ اس کے مرنے تک روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ ایسا کیوں ہوا۔ حالانکہ ہمیں ایسی حکایتیں بھی ملتی ہیں جن سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ابولہب فیاض، فراخ دل اور ملنسار آدمی تھا۔

(ابن حبیب، محبر ص ۱۳۷، دیوان حسان ابن ثابت نظم ۳۹ پر ذیلی حاشیہ ص ۵۱ تا ۵۷)

ہمارے سوال کے لیے مندرجہ ذیل قصہ خاص اہمیت رکھتا ہے:

(بلاذری ''انساب'' جلد اول ص ۱۳۰۔۱۳۱) میں بلاذری نے لکھا ہے کہ:

''ایک دن ابولہب اور ابو طالب میں جھگڑا ہو گیا، ابولہب نے ابو طالب کو زمین پر گرا یا، اور سینہ پر چڑھ کر طمانچے مارنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ماجرا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابولہب کا بازو اوپر سے پکڑ کے اسے زمین پر گرا دیا۔ اب یہ ہوا کہ ابو طالب نے اس کے سینے پر چڑھ کر طمانچے لگانے شروع کیے، اس پر ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا:

''یہ بھی تیرا چچا ہے اور میں بھی تیرا چچا ہوں، پھر تو نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا ؟ خدا کی قسم میرے دل میں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں رہی۔''

ماخذ سے ہمیں نہ تو اس واقعے کی تاریخ معلوم ہوئی ہے نہ دوسری تفصیلات۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسے زمانے کا واقعہ ہے کہ جب یہ دونوں بھائی جوان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی کم عمر تھے۔

ابوجہل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ''ہمارے زمانے کا فرعون کہا کرتے تھے۔''

(بلاذری ''انساب'' ج اول ص ۲۹۹)

اس کا لقب تو ابوالحکم یعنی ''حکمت کا باپ'' تھا جو بعد میں ابوجہل یعنی ''جہالت کا باپ'' ہو گیا۔ شہر مکہ کی انتظامی مجلس کی کارروائی میں صرف انہیں لوگوں کو حصہ لینے کا حق ملتا تھا جن کی عمر چالیس سال یا اس سے زیادہ ہو، مگر ابوجہل کو ''رائے کی پختگی اور عقلمندی'' کی وجہ سے تیس سال کی عمر میں ہی رکنیت مل گئی۔ (ابن دُرَید ''اشتقاق، ص ۹) ابن حبیب نے اپنی کتاب ''منمق'' میں (مخطوطہ لکھنؤ ص ۲۹۶) اس کا ذکر مکہ کے ان لوگوں کے ضمن میں کیا ہے جو سخاوت کے لیے مشہور تھے۔ اور مثال کے طور پر یہ قصہ بھی سنایا ہے (ص ۲۷۱۔۲۷۲) کہ ایک سال اناج کی کمی پڑی لیکن زائرین قبیلے یا طبقے کی کسی تفریق کے بغیر ''ایک بہت بڑی اور ٹھاٹ دار حویلی میں داخل ہوتے جس کے دو مختلف دروازے تھے، تو وہاں انہیں ایک شخص مسند پر بیٹھا ہوا ملتا، گندمی رنگ، چہرے پر ہلکے سے بال، چمکتا ہوا چہرہ سیاہ جُبہ میں ملبوس، ہاتھ میں عصا، وہاں بھورے رنگ کی بڑی بڑی

Marfat.com

قابیں رکھی ہوتیں جن میں اونٹ کے کلیجی گردے اور کوہان کا گوشت ہوتا"۔ راوی جس کا تعلق سکیم کے قبیلے سے ہے آگے قصہ سناتا ہے کہ "ہم سب سے پہلے وہاں داخل ہوئے اور سب سے آخر میں باہر نکلے۔ میں اپنے بھائی سے پہلے سیر ہو گیا تو میں نے اس سے کہا..... اب تو اٹھ، خدا کرے تیرا پیٹ کبھی نہ بھرے! مسند پر جو شخص بیٹھا تھا اس نے یہ سن کر اپنا سر اٹھایا اور کہا نہیں، جب تک سیری نہ ہو کوئی نہ اٹھے، آخر یہ کھانا اسی لیے تو رکھا گیا ہے کہ لوگ کھائیں، اب میں نے دیکھا کہ یہ شخص بھینگا ہے، ہم دوسرے دروازے سے باہر چلے گئے، اور وہاں ہم نے دیکھا کہ اور اونٹ ذبح ہو رہے ہیں، ہم نے لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اونٹ بھی اسی عام دعوت کے لیے کاٹے جا رہے ہیں، اور مکان کے مالک کا نام عمرو ابن ہشام ابوالحکم ہے۔"

اس شخص یعنی ابوجہل کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصالحت نہ ہو سکی۔

اس تضاد کو سمجھنے میں شاید مندرجہ ذیل دو حکایتوں سے کافی مدد ملے گی۔

(۱) ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کے صحن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت سعد ابن وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ زبید کا ایک یمنی کعبہ شریف کے سامنے پہنچا اور بلند آواز سے فریاد کرنے لگا "قریش کے لوگو تم کیسے توقع رکھتے ہو کہ کھانے پینے کا سامان اور تجارت کا مال تمہارے یہاں آئے گا؟ تم لوگ تو سامان لانے والوں پر ظلم کرتے ہو۔" کسی نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی۔ مختلف گروہوں کے پاس سے ہوتا ہوا آخر وہ اس جگہ پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا۔ "تیرے اوپر کس نے ظلم کیا ہے؟"

یمنی نے جواب دیا..... "ابوالحکم نے۔ وہ تین اونٹ خریدنا چاہتا تھا اور میرے پاس جتنے اونٹ ہیں ان میں یہ بہترین ہیں۔ میں انہیں خسارے کے ساتھ بیچنے پر راضی نہیں ہوا۔ اب اس کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی انہیں خریدتا ہی نہیں۔ اس نے میرا کاروبار ایسا خراب کیا ہے کہ سنبھلتا ہی نہیں۔ اس طرح اس نے مجھے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ اونٹ کہاں ہیں؟"

Marfat.com

یمنی نے جواب دیا کہ..... "الحزورہ کے پاس ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اونٹ خرید لیے اور دو اونٹوں کو اتنے داموں میں بیچ دیا جتنے یمنی نے تینوں کے مانگے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسرا اونٹ بھی بیچ دیا اور اس کی پوری قیمت عبدالمطلب کے خاندان کی بیواؤں کے لیے عطا فرمادی۔ ابوجہل بھی بازار کے ایک کونے میں کھڑا تھا، مگر وہ بالکل خاموش رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف بڑھے اور فرمایا..... "عمرو خبردار جو آئندہ کسی کے ساتھ ایسی حرکت کی جیسی اس بدو کے ساتھ کی ہے ورنہ مجھے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرنا پڑے گا جو تمہیں پسند نہیں آئے گا" ابوجہل جواب میں یہ فقرہ بار بار دہراتا رہا..... "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ایسی حرکت پھر کبھی نہیں کروں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے تو امیہ ابن خلف اور دوسرے مشرکین جو وہاں موجود تھے ابوجہل کے پاس آئے اور کہنے لگے" تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ایسی عاجزی دکھائی کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی انہی کا دین اختیار کرنے والے ہو۔" اس نے جواب دیا..... "میں تو اس کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا لیکن اس وقت تو میں اس کا جادو دیکھ کر دب گیا۔ اس کے دائیں بائیں چند لوگ تھے جن کے ہاتھ میں نیزے تھے اور وہ اپنے نیزے ہلا ہلا کر مجھے دھمکا رہے تھے، اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو بس میرا کام تمام تھا۔"

(بلاذری "انساب جلد اول ص ۱۳۰)

(۲) روایت ہے کہ عراشہ قبیلے کا ایک آدمی اپنے اونٹ لے کر مکہ آیا، ابوجہل نے اونٹ خرید لیے مگر پیسے دینے میں دیر کی، یہ شخص قریش کی چوپال (نادی) میں پہنچا اور کہنے لگا:
"قریش کے لوگو، میں غریب الوطن اور مسافر ہوں ابوالحکم نے مجھ سے اونٹ خریدے ہیں لیکن پیسے دینے میں دیر لگا رہا ہے اور خوامخواہ میرا راستہ کھوٹا کر رہا ہے، اس سے مجھے بڑا نقصان پہنچ رہا ہے، تم لوگوں میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو میرے ساتھ اس کے پاس چلے اور میرے جو دام اس پر واجب ہیں وہ اس سے دلوا دے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کے صحن کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے بطور تمسخر اس تاجر سے کہا..... "وہاں جو آدمی بیٹھا ہے اسے دیکھتے ہو؟ اس کے پاس جاؤ تمہارے جو دام واجب ہیں انہیں بس یہی شخص وصول کرا کے دے سکتا ہے۔"

Marfat.com

تاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ..... ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں غریب الوطن مسافر ہوں'' اور پھر اپنا پورا قصہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر اس کے ساتھ ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اس نے اندر سے پوچھا..... ''کون ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں ہوں محمدؐ ابن عبداللہ ذرا باہر آؤ'' وہ دروازہ کھول کر باہر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا ''اس شخص کے تم پر جو دام واجب ہیں وہ ادا کر دو، اس نے کہا..... ''اچھا'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک تم اسے دام نہیں دو گے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔'' ابوجہل گھر میں گیا اور جتنے پیسے واجب تھے وہ لا کر اس شخص کو دے دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے گئے، تاجر پھر قریش کی چوپال میں آیا اور بولا ..... ''اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے بڑی آسانی سے میرا حق مجھے دلوادیا۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اس کے بعد جب ابوجہل چوپال میں پہنچا تو لوگوں نے اس سے کہا..... ''یہ تم نے کیا کیا؟ خدا کی قسم ہم نے تو اس آدمی کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس صرف اس لیے بھیجا تھا کہ ہم اس سے مذاق کرنا چاہتے تھے۔'' ابوجہل نے جواب دیا ''بس رہنے دو، خدا کی قسم جیسے ہی اس نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا میرے تو حواس باختہ ہو گئے، میں اس سے ملنے کے لیے باہر نکلا تو اس کے ساتھ ایک ایسا اونٹ تھا کہ ایسا میں نے آج تک نہیں دیکھا، کتے کا سا سر اور دانت کھلا ہوا، منہ جیسے لپکنے والا ہو، خدا کی قسم اگر میں بات ماننے سے انکار کرتا تو وہ مجھے چبا ڈالتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس آدمی کے دام فوراً ادا کر دیئے، لوگوں نے کہا ''یہ بھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جادو ہے۔''

(ابن ہشام ''سیرت'' صفحہ ۲۵۷، بلاذری انساب'' جلد اول ص ۱۲۸۔۱۲۹)

ابوجہل سے کسی دوست نے انکار اسلام کا سبب پوچھا تو کہا ''پرانے زمانے میں جب بھی قبیلہ بنی ہاشم نے کوئی قابل فخر کام کیا تو میرے قبیلے نے بھی ویسا ہی یا اس سے بڑھ کر کارنامہ دکھایا، فیاضی دکھائی، غربا پروری کی وغیرہ وغیرہ اب وہ فخر کرتے ہیں ان میں خدا نے ایک رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث کیا ہے۔ اس کا بھلا اب میرا قبیلہ کہاں مقابلہ کر سکتا ہے اور

Marfat.com

جوابی پیغمبر پیدا کرسکتا ہے؟ نہیں، میں اس سے کبھی نہیں مانوں گا کہ بنی ہاشم کو یہ فخر حاصل ہوا ہے۔'' اس قصے سے معلوم ہوگا کہ کم ظرفانہ غرور اس کی عداوت کا باعث تھا۔

ابن اُبَی

مدینے میں دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج، جن کے درمیان قرابت تو تھی لیکن رقابت بھی شدید تھی، پچھلی کئی نسلوں سے ان کے درمیان خونریز جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ابن اُبَی خزرج قبیلے کا تھا، ابن ہشام (مذکورہ بالا کتاب ص ۴۱۱) لکھتے ہیں:

''اسلامی دور شروع ہونے تک نہ تو ابن اُبَی سے پہلے اور نہ اس کے بعد اوس اور خزرج میں اتنی موافقت کبھی نہ ہوسکی کہ دونوں ایک ہی شخص کی اطاعت کریں۔ اس معاملہ میں اگر کوئی استثناء ہے تو خود ابن اُبَی، اتنی مقبولیت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کسی آدمی میں کردار کی بلندی، غیر جانب دارانہ انصاف پسندی وغیرہ خوبیاں نہ ہوں۔ اس کے باوجود اسلامی تاریخ میں ابن اُبَی کو 'منافقوں کی جماعت کا سردار' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مدینے کے کسی اور شخص کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی جتنی اس کی طرف سے۔ ابن ہشام (ص ۷۳۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ معاملہ افک میں بہتان طرازی کی سب سے زیادہ ذمہ داری ابن ابی پر تھی۔ عمر بھر اس کی یہی کوشش رہی کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو، کیوں؟ شاید مندرجہ ذیل واقعہ اس کا سبب ہو۔

بہت سے مآخذ کے بقول جن میں بخاری (صحیح ۷۹، ۲۰) طبری (تفسیر سورت ۲۳ آیت ۸، '' تاریخ'' جلد اول ص ۱۵۱۱) ابن ہشام ('' سیرت'' ص ۴۱۳، ۷۲۷) اور سہیلی ('' روض الانف'' جلد دوم ص ۵۱) بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لانے سے ذرا ہی پہلے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ابن اُبَی کو مدینے کا بادشاہ بنا دیا جائے بلکہ سناروں سے اس کے لیے ایک تاج بنانے کے لیے بھی کہہ دیا گیا تھا۔ جب مدینے والوں نے اسلام قبول کرلیا تو یہ تجویز ہی رہ گئی۔

Marfat.com

الجدؔ ابن قیس

ابن حبیب (''مُحبَّر'' ص ۴۶۹) اور ابن ہشام (سیرت ص ۳۶۰ اور ۸۹۴) قبیلۂ خزرج کے الجدؔ ابن قیس کا شمار منافقوں میں کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں (سورت ۹ آیت ۴۹) یہ اسی کا قول نقل ہوا ہے۔ ائذن لی ولا تفتنی (مجھے اجازت دیجیے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالیے)

اس نے جو حرکتیں کیں ان کی وجہ سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ نظر میں رکھیے ابن ہشام (''سیرت'' ص ۳۰۹) اور بلاذری (''انساب'' جلد اول ص ۲۴۶) یہ قصہ سناتے ہیں۔ ہجرت سے ذرا پہلے العقبہ کی مشہور و معروف مجلس میں بہتر آدمیوں نے حلف اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ مدینے والوں کی بارہ جماعتیں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کے لیے سردار مقرر فرمایا۔ قبیلہ بنوسلمہ کے بارے میں ہمارے مآخذ (ابن سعد) بتاتے ہیں کہ اس قبیلے کا نقیب یعنی سردار بشر ابن البراء ابن معرور ہوا تھا۔ اس کی نامزدگی کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا: ''آج کل تمہارا سردار کون ہے؟'' انہوں نے کہا'' الجدؔ ابن قیس، حالانکہ یہ شخص لالچی بہت ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لالچ سے بڑا عیب اور کونسا ہو سکتا ہے؟ تمہارا سردار یہ گندمی رنگ کا گھنگھریالے بالوں والا آدمی بشر ابن البراء ہوگا۔''

عیسائی راہب ابوعمیر

ابوعمیر کا تعلق مدینے کے دوسرے قبیلے یعنی اوس سے تھا[1]۔ اس کا بیٹا حنظلہ بڑی جلدی اسلام لے آیا تھا۔ وہ بالکل نوجوان تھا۔ اور اس نے اپنی دلہن کے ساتھ صرف ایک ہی رات گزاری تھی، اسے غسل کرنے کا وقت بھی نہیں ملا اور وہ سیدھا جاکے جنگ اُحد میں شریک ہوا اور صبح سویرے ہی شہید ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ''غسیل الملائکہ'' کا خطاب عطا فرمایا (یعنی جس شخص کو فرشتوں نے غسل دیا ہو)۔ اکا باپ ابوعمیر بھی دوسری جانب سے جنگ میں شریک تھا، اور اہم خدمات اس کے سپرد تھیں، جنگ کے بعد وہ اپنے بیٹے کی لاش کے پاس گیا اور (بقول بلاذری ''انساب'' جلد اول ص ۳۲۹)

(۱) دیکھیے میرا مضمون ''پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل'' جلد نمبر ۷ شمارہ نمبر ۴ ۱۹۵۹ء۔ ص ۲۳۱ تا ۲۴۰۔

Marfat.com

کہا..... ''اسی لیے تو میں تجھے اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دور رکھتا تھا اور ایسی ہی موت سے تجھے ڈراتا تھا، خدا کی قسم تیرے طور طریقے کیسے شریفانہ تھے'' اور تو اپنے ماں باپ کیساتھ کیسی اچھی طرح پیش آتا تھا۔'' اگر اچھے عادات واطوار اچھی تربیت کا نتیجہ ہیں اور اگر اچھی تربیت وہی والدین دے سکتے ہیں جو خود بھی اچھے اخلاق رکھتے ہوں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابو عمیر بھی بلند کردار کا مالک اور قابل عزت آدمی ہوگا، بہر حال اس میں ذہنی تجسس تو تھا ہی، حالانکہ وہ بت پرستوں کے خاندان میں پیدا ہوا تھا، لیکن (بقول بلاذری'' انساب جلد اول ۲۸۰) وہ اہل کتاب سے مل کر ان سے مباحثے کیا کرتا تھا اور عیسائی راہبوں کی طرف وہ خاص طور سے مائل تھا۔ اسی لیے اس نے راہبوں سے ملنے کی خاطر کئی دفعہ شام اور فلسطین کا سفر کیا تھا۔ مذہب سے اتنے شغف کے باوجود پھر یہ کیسے ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موافقت نہ کر سکا۔ اور عیسائی راہب ہونے کے باوجود اس نے تلوار اٹھائی، باقاعدہ لڑائیوں میں حصہ لیا اور مرتے دم تک مخالفت پر اڑا رہا؟

ہیثم ابن عدی نے جو تاریخ لکھی تھی وہ تو اب ضائع ہو چکی ہے لیکن اس کا ایک معنی خیز اقتباس ہمیں بلاذری کے یہاں ملتا ہے۔ (انساب، جلد اول ۲۸۲)

وہ لکھتے ہیں: ''ابو عمیر خود بھی نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ شروع فرمائی اور آپ کو کامیابی حاصل ہونے لگی تو ابو عمیر کے دل میں بڑا حسد پیدا ہوا۔'' ابن ہشام (''سیرت ص ۴۱۱-۴۱۲) کے یہاں بھی چند دوسری تفصیلات ملتی ہیں جن کا تعلق اسی بات سے معلوم ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ابو عمیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس موقع پر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔:

ابو عمیر: یہ کونسا دین ہے جو تم لے کر آئے ہو؟

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): دین حنیف، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین۔

ابو عمیر: لیکن یہ تو میرا دین ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): نہیں ہرگز نہیں۔

ابو عمیر: ضرور ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ تمہیں نے اس دین میں ایسی چیزیں شامل کی ہیں جو اس میں نہ تھیں۔

Marfat.com

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ہرگز نہیں، بلکہ میں تو اس دین کو بغیر کسی آمیزش کے خالص ترین شکل میں لے کر آیا ہوں۔

ابوعمیر: اچھا تو جو بھی جھوٹا ہو اسے اللہ پردیس میں عزیزو اقارب سے دور موت نصیب کرے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): بالکل ٹھیک ہے، جو بھی جھوٹ بول رہا ہو اسے اللہ تعالیٰ ایسی ہی موت نصیب کرے۔

اور ایسی موت ابوعمیر کو نصیب ہوئی۔

اپنی فرانسیسی تصنیف ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور دنیا کا خاتمہ'' میں کاسانووا (Casanova) لکھتا ہے (۲۸):

''بہرحال ہمارے اس خیال کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں یحییٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرح (جلد اول ۱۹۔۲۸) عیسائیوں کو پیغمبر کے آنے کا پورا یقین تھا، عرب روایت تو شاید جانب داری کی وجہ سے اس معاملہ میں خاموش ہے لیکن پیغمبر کے آنے کا مسیح کی واپسی اور یوم حساب سے لازمی اور گہرا تعلق تھا۔'' ہیثم ابن عدی کی حکایت پر شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ بہت سی حکایتیں موجود ہیں (ابن حبیب ''محبّر ص ۱۳۰، بلاذری ''انساب جلد اول ۵۳۸) جو اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ تمیم کے علاقے میں کنانہ اور سلیم کے یہاں، یمن اور مدینہ وغیرہ میں آخری پیغمبر کے آنے کا انتظار ہو رہا تھا۔

یہودی کعب ابن الاشرف

وہ مدینے کے قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا۔ ابن ہشام (سیرت ص ۵۵۲) کے بقول، ایک رات کسی نے اسے آواز دی، وہ سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ نیچے مت جاؤ، مجھے اس آواز میں کچھ شرارت محسوس ہوتی ہے مگر اس نے کپڑے بھی نہ پہنے، بس ایک چادر اوڑھ لی اور بولا ''اگر کسی بہادر آدمی کو باہر بلایا جائے تو چاہے نیزے کا وار ہی کیوں نہ کھانا پڑے لیکن وہ انکار نہیں کر سکتا۔'' یہی مصنف کہتا ہے (صفحہ ۳۵۱) کہ اس شخص کا باپ قبیلہ نبہان سے تھا جو قبیلۂ طے کی ایک شاخ ہے لیکن اس کی ماں مدینے کے نضیری قبیلے کی تھی نبہان قبیلے میں یہودی بھی شامل تھے یا نہیں؟ بہرحال غیر قبیلے کا ہونے کے باوجود بنونضیر کا سرداران کی عدالت کا سربراہ بن گیا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی ذہنی صلاحیتوں کا مالک تھا۔

Marfat.com

مگر وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موافقت نہ کر سکا۔ بلکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے وہ اتنا دل فگار ہوا کہ اس نے اسلام کے دشمنوں کی بہادری اور ان کی خوبیوں کی مدح میں اشعار کہے۔ پھر وہ خاص طور سے مکہ گیا اور وہاں کے لوگوں کو انتقامی جنگ کے لیے اُبھارا۔ آخر اتنی نفرت اس کے دل میں کیوں پیدا ہوئی؟ مندرجہ ذیل واقعہ دیکھیے جو خاصا معنی خیز ہے:

ابن ہشام (''سیرت'' ص ۳۹۲) ابن کثیر و تفسیر جلد دوم ۶۰) اور دوسرے مصنفوں کے بقول مدینے کے یہودیوں میں مختلف قبیلوں کے درمیان مساوات نہیں تھی مگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے آدمی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تو قاتل کو خونبہا کی مقررہ مقدار کی صرف آدھی رقم دینی پڑتی لیکن اگر معاملہ الٹا ہوتا تو قریظہ کے آدمی کو دُگنی رقم مقتول نضیری کے رشتہ داروں کو دینی پڑتی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں اسلامی حکومت قائم کی اور یہودیوں کی مختلف جماعتیں بھی وفاقی وحدتوں کے طور پر اس میں شامل ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقوق اور فرائض کے معاملے میں یہودیوں کے درمیان بھی مساوات کا اصول جاری فرمادیا۔ مقاتل نے اپنی تفسیر میں (مخطوطہ استانبول) سورہ نمبر ۵، کی آیت نمبر ۴۴ کے ضمن میں یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے:

> ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں قتل کا ایک مقدمہ پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مجرم نضیری خونبہا کی مقررہ رقم پوری ادا کرے۔ اس پر نضیریوں کا سردار کعب بن الاشرف جو اپنے قبیلے کی عدالت کا سربراہ بھی تھا اور اس حیثیت سے کچھ وظیفہ بھی پاتا تھا، بگڑ بیٹھا اور چیخ کر بولا...... نہیں، ہم تمہارا فیصلہ قبول نہیں کرتے اور نہ آئندہ قبول کریں گے۔ ہم تو اپنے پرانے رسم و رواج پر ہی چلیں گے۔"

(''البلاغ'' کراچی۔ دسمبر ۱۹۶۸ء)

نمرود اور فرعون کے شخصی نام

غالباً الحق کے ناظرین کے لیے اتنی معلومات کافی ہوں گی، اگرچہ ان نتائج تک پہنچنے کی دلیلوں کا مزید تفصیل سے بھی ذکر ہو سکتا ہے۔ الحق بابت محرم ۱۴۰۱ھ میں اس ناچیز نے عرض کیا تھا کہ "ڈوب مرے فرعون" کے نام کے متعلق میں نے ایک چھوٹا سا مقالہ کراچی کے رسالہ فاران بابت مئی ۱۹۷۷ء میں شائع کیا ہے۔ اب مزید تفصیل کے ساتھ اور بمبئی کے فاضل پروفیسر عبدالرحمن مومن صاحب نے اپنے مفید حواشی کے ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ دہلی کے سہ ماہی رسالے "اسلام اینڈ ماڈرن ایج" بابت اگست ۱۹۸۱ء میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ جامعہ ملیہ دہلی میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کے یادگار ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے کوئی بارہ سال سے شائع ہو رہا ہے۔

ناظرین کرام کو اندازہ ہوگا کہ قرآن مجید کی تفسیر کے لیے بعض وقت بڑی دور کی کوڑیاں بھی لانی پڑتی ہیں مجھے مطلق ادعا نہیں کہ میری تحقیق ہر کسی کو پسند اور قبول بھی ہو۔ تنقید اور جوابی تحقیق سے علم کی ترقی ہوتی ہے اور یہی قرآنی تعلیم ہے کہ "قل رب زدنی علما"

(محمد حمید اللہ، پیرس)

قرآن مجید میں جہاں اچھے بادشاہوں کا ذکر ہے مثلاً حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور طالوت، وہیں برے بادشاہوں کا بھی ذکر ہے جن میں سے ایک حضرت ابراہیم کا معاصر ہے اور اسے ہم عام طور پر نمرود کے نام سے یاد کرتے ہیں اور دوسرا حضرت موسیٰ کا ہمعصر یعنی فرعون۔ قرآن مجید میں ان کے نام نہیں ہیں آج انہیں کا کچھ ذکر مطلوب ہے۔ واللہ المستعان

Marfat.com

نمرود

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ سورہ بقرہ (۲۵۸/۲) میں ایک خدائی کے دعویدار بادشاہ سے ان کی حجت کرنے کا ذکر ہے جو بحث میں لاجواب ہو کر مبہوت ہو جاتا ہے (مگر ایمان نہیں لاتا)۔

سورۂ صافات (۳۷/۹۰ وما بعد) اور سورۂ انبیاء (۲۱/۲۲) میں بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم کو بت شکنی کے ''جرم'' میں زندہ آگ میں جھونک دیا گیا اور وہ معجزانہ بچ نکلے لیکن وہاں بادشاہ کا ذکر نہیں ہے۔ لوگوں یا قوم کا ہے، لیکن قیاس ہوسکتا ہے کہ یہ ''سزا'' بادشاہ ہی کے حکم سے دی گئی ہوگی، عوام الناس کی طرف سے نہیں، یہ کون بادشاہ تھا؟

اسلامی ادبیات میں (اردو میں) اس بادشاہ کو نمرود کا نام دیا جاتا ہے۔ محمد بن حبیب البغدادی (فوت ۲۴۵ھ جو ابن قتیبہ کا استاد رہا ہے) اپنی کتاب المحبّر (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) صفحہ ۴۶۵۔۴۶۶ پر اسے نقطہ دار ذال سے لکھتا ہے اور نمارذۃ کا لفظ بصیغۂ جمع استعمال کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ چھ نمرود گزرے ہیں جن میں سے نمرود بن کنعان بن حام بن نوح حضرۃ ابراہیم والا ہے، دوسرے الفاظ میں نمرود لقب ہے نام نہیں۔ (جس طرح فراعنہ، فرعون کی جمع ہے)

جدید مغرب نے بھی علم کی خدمت کی ہے اور ہمارے موضوع کے سلسلے میں خاص کر اس بات میں کامیابی حاصل کی ہے کہ پرانے غیر معروف خطوں میں لکھی ہوئی عبارتوں کو بھی پڑھیں۔ (میں آج اس تفصیل میں نہیں پڑوں گا کہ اس میں انہیں کس طرح کامیابی ہوئی اور ان کے ادعاء کامیابی کو کس حد تک قبول کیا جاسکتا ہے؟)

بہر حال بابل (عراق) میں پرانے زمانے میں کیونئی فارم میں یعنی خط میخی رائج تھا اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سارے حروف میخ کی شکل کی آڑی ترچھی علامتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ (مثلاً ⇐ ≡) اس زمانے میں کاغذ نہیں پایا جاتا تھا، اس لیے کتابیں اینٹوں کی صورت میں ہوتی تھیں اور اینٹ ابھی گیلی ہوتی تھی تو اس پر حروف کندہ کردیے جاتے تھے جو اینٹ کے سوکھنے پر مٹ نہ جاتے اور سیاہی کے مقابلے میں یہ عبارت زیادہ دیرپا ہوتی، کھدائیوں میں ایسا ایک کتب خانے کا کتب خانہ ہی برآمد ہوا ہے جس سے ان کی علمی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، قبل اس کے کہ نمرود

Marfat.com

کے نام کے کتبوں کا ذکر کروں، ایک دلچسپ چیز عہد نبوی کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دومۃ الجندل کو فوج بھیجی اور وہاں کا شرارت پسند حکمران اکیدر گرفتار ہو کر حاضر ہوا تو اس سے ایک معاہدہ ہوا اور راوی کے الفاظ ہیں کہ "ختمه صلى الله عليه وسلم بظفره" (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معاہدے پر اپنے ناخن سے مہر ثبت فرمائی) اکیدر کا خاندان عراقی تھا اور واقعۃً ان میخی کتبوں میں ہلال یعنی ناخن کی شکل کی ایک لکیر ہوتی ہے جو ہمارے آج کل کے دستخط کا کام دیتی تھی۔

بہرحال ان بابلی کتابت میں جو میخی خط میں ہیں ایک بہت بڑے بادشاہ حموزابی کا نام ملتا ہے۔ اس کا زمانہ تقریباً انیس بیس سو برس قبل مسیح متعین ہوا ہے اور یہی زمانہ اسی ملک بابل میں حضرت ابراہیم کا بھی قرار دیا جاتا ہے اس لیے مغربی اہل علم کا قیاس یا گمان ہے کہ حضرت ابراہیم کے زمانے کے نمرود سے مراد حمورابی بادشاہ ہوگا۔

اس بادشاہ نے ہندوستان کے راجہ اشوک کی طرح اپنے قوانین و احکام پتھر کے ستونوں پر کندہ کرا کے شائع کیے تھے ایسا ایک کتبہ موجودہ بیسوی صدی عیسوی کے اوائل میں ایران کے سوس نامی شہر میں ملا اور اب وہ پاریس کے عجائب خانہ لوور کو زینت بخش ہے۔ اس پر کی میخی خط کی عبارت جو ایک کتاب کی کتاب ہے، پڑھ بھی لی گئی ہے اور فرنگی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس کے دو نکتوں پر بطور جملہ معترضہ ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

پہلے یہ کہ بابلی زبان ایک سامی زبان ہے اور عربی سے کافی قریب، چنانچہ کتبے پر کے قانون نامے میں ایک لفظ "مشکینو" آیا ہے جو عربی میں "مسکین" بن گیا ہے اس سے مراد بابلی زبان میں اجنبی کے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ اجنبی جو ہمارے ملک میں سکونت پذیر ہو گئے ہوں (اسی بنا پر میرا ناچیز گمان ہے کہ آیت "انما الصدقات للفقراء والمساكين" میں لفظ مساکین کے جو معنے حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس نے لیے ہیں وہی مرجح ہیں، یعنی فقراء سے مراد مسلمانوں میں کے غریب اور مساکین سے مراد غیر مسلم اہل الذمہ میں کے غریب۔ حضرت عمر نے ایک یہودی کے متعلق یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے کہ هذا من مساكين اهل الكتاب (دیکھو کتاب الخراج ابی یوسف اور تفسیر الطبری، برآیت صدقات)

دوسرا نکتہ اس حمورابی والے قانون میں قصاص سے متعلق احکام ہیں لکھا ہے کہ مقتول کی بناء پر قاتل کو بھی قتل کیا جائے، جو ٹھیک ہے اور یہ کہ کسی نے کسی اور شخص کے بیٹے کو مار ڈالا

Marfat.com

ہے تو قاتل کو مخصا نہیں بلکہ اس کے بیل کو سزائے موت دی جائے گی۔ جو ایک حد تک گوارا کی جاسکتی ہے، لیکن اگر کسی نے کسی اور کی بیٹی کو جان سے مارا تو قاتل کی بیٹی کو جان سے مارا جائے گا (یہ ہے پرانی منطق جو حمورابی کے زمانے کے "فقہا" کے ذہن نشین تھی۔ الحمدللہ اسلام نے اسے بدل دیا۔)

فرعون

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ اور مصر کے حکمران فرعون کا بھی بارہا ذکر آیا ہے اور تورات میں بھی مماثل قصے ہیں (چونکہ خود قرآن نے فرمایا ہے کہ **قل ھاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین**، تورات کے اقتباسات میں بہ ظاہر کوئی حرج نہیں) نمرود کی طرح فرعون بھی خدائی کا دعویدار تھا (**أنا ربکم الاعلی**) اس نے حضرت یعقوب کی اولاد کو جو مصر میں سکونت پذیر تھی نیست و نابود کرنے کی یہ تدبیر سوچی تھی ان کی نوزاد اولاد نرینہ کو تو دایاؤں کی مدد سے فوراً قتل کرا دیا جائے۔ صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے جو کسی یہودی کی جگہ مجبوراً کسی فرعونی مذہب والے مصری سے نکاح کرے گی اور اس طرح مصریوں میں ضم ہو کر بنی اسرائیل کی انفرادیت ختم ہو جائے گی۔ ان ظالمانہ احکام کے نفاذ کے زمانے ہی میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے، ماں کو کچھ اور نہ سوجھا تو بچے کو ایک صندوق کی طرح کے گہوارے (تابوت) میں لٹا کر اسے دریائے نیل میں بہا دیا۔ خدا کی حکمت اور قدرت کے کیا کہنے (**اللہ یستھزی بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون، ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین**)۔ وہ گہوارا جا کر اٹکا فرعون ہی کے محل کے سامنے، گنے جیسی لمبی گھاس کے جھنڈ میں (اور قرآن مجید کے مطابق فرعون کی بیوی نے اور تورات موجودہ کے مطابق فرعون کی لڑکی نے جو دریا میں تیرنے یا نہانے کے لیے آئی ہوئی تھی، استعجاب سے اسے نکالا اور پھر زنانہ شفقت سے اسے محل میں لے گئی، غالباً نام بھی اسی نے دیا کہ موسیٰ کے لفظی معنے ہیں پانی سے نکالا، بچایا ہوا، مو...... ماء...... پانی اور سی...... اُسی مدد و مواسات کرنا) بچے کی فرعون کے محل میں پرورش ہوئی۔ فرعون بھی شفقت کرنے لگا۔ اور جب آپ جوان ہوئے اور فرعون نے حبشہ پر فوج کشی طے کی تو حضرت موسیٰ، پروردۂ شاہی کو سپہ سالار بنایا گیا اور انہوں نے وہاں ایک حبشن سے نکاح بھی فرمایا جس پر ان کے بھائی حضرت ہارون نے ناپسندیدگی بھی ظاہر کی، جیسا کہ تورات کی روایت ہے۔

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ مصری نہیں، اسرائیلی ہیں، اس لیے جب ایک دن ایک مصری کو دیکھا کہ ایک اسرائیلی کو بے وجہ ایذا پہنچا رہا ہے تو انہوں نے غصے سے اسے ایک جان لیوا گھونسا مارا (جیسا کہ قرآن اور تورات دونوں میں مذکور ہے) اس پر حضرت موسیٰ کے خلاف ''وارنٹ گرفتاری'' جاری ہوا اور وہ مصر سے چپکے سے روانہ ہو گئے اور مدین میں جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں مغربی ساحل پر ہے جا پناہ گزین ہوئے۔ وہاں قرآن مجید کے مطابق وہ آٹھ یا دس سال مقیم رہے۔ تورات کے مطابق چالیس پچاس سال، اور یہ کہ اس اثناء میں پرانا فرعون مر گیا، اور ایک نیا شخص جانشین ہوا، اس پر حضرت موسیٰ مصر واپس ہوئے، جب کہ تورات کے مطابق ان کی عمر اسی سال کی تھی، آپ نے فرعون کو نصیحت کی جو نہ چلی، اس پر آپ نے سارے بنی اسرائیل کے ساتھ جن کی تعداد تورات کے مطابق چھ لاکھ سے زائد تھی ملک چھوڑ کر چلے جانے کی ٹھان لی۔ فرعون کے دو پایہ تخت تھے، ایک شمال میں دریائے نیل کے دہانے اور ڈلٹا میں (یعنی جہاں دریا کئی شاخوں میں بٹ گیا ہے) اور شاید ایک کی جگہ پندرہ بیس دریابائے نیل بن گئے ہیں، بنی اسرائیل اسی زرخیز علاقہ ڈلٹا میں شمالی پایۂ تخت شہر رعمسیس میں رہتے تھے، دوسرا پایۂ تخت موجودہ شہر قاہرہ کے قرب و جوار میں شہر ممفیس میں تھا۔ اگر بادشاہ شمالی پایۂ تخت میں ہوتا تو غالباً یہودی وہاں سے روانگی کی جرأت نہ کرتے۔ معلوم ہوتا ہے بادشاہ کے جنوب میں ہونے کے زمانے سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر رعمسیس سے نکل کر یکے بعد دیگرے دریائے نیل کی شاخوں کو عبور کرتے ہوئے وہ جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے۔ فرعون کو جیسے ہی اطلاع ملی وہ تعاقب میں نکلا اور قرآن کے مطابق ''یم'' کو اور تورات کے مطابق قصب یعنی گنے جیسی لمبی گھاس والے دریا کو عبور کرتے وقت فرعون نے ان کو جالیا۔ اسرائیلی تو عبور کر گئے لیکن فرعون اور اس کے کچھ ساتھی، شاید مد و جزر کے باعث ڈوب گئے۔ (عبرانی تورات میں اس مقام کا نام بحر القصب ہے) وہی لفظ جو حضرت موسیٰ کے فرعون کے محل کے سامنے، میٹھے پانی والے دریائے نیل کی گھاس کے جھنڈ کے لیے بھی ہے۔ اس کا کلیسا نے سرکاری طور پر لاطینی ترجمہ کرایا تو وہاں تحریف کر کے بحر قلزم (بحر احمر کر دیا اور متعدد فرنگی زبان کے ترجموں میں بحر احمر ہی ملتا ہے، وہاں کھاری پانی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کھاری پانی کے ساحل پر قصب نامی گھاس اُگتی ہو)

بادشاہ ڈوبا تو یقیناً حوالی موالی دوڑے اور غوطہ خوروں کی مدد سے لاش کو نکال لیا اور حسب عادت مومیا کرا سے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ لاش کے بچنے کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (تورات میں نہیں) اور اب قاہرہ کے عجائب گھر میں قرآن کی زندہ تصدیق بنی ہوئی ہے اس بادشاہ کا کیا نام تھا؟ کتاب المحبر .... (ص ۴۶۶۔۴۶۸) میں اس کا نام الولید بن مصعب بیان کیا گیا ہے اور کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسلام سے کوئی تین ہزار پہلے کے ایک مصری شخص کا نام خالص عربی میں ہونا دل کو نہیں لگتا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ پرانے قبطی (مصری) ناموں کا ترجمہ ہو، مگر ہمارے پاس اب دوسرے ماخذ بھی ہو گئے ہیں۔

بابل میں میخی خط تھا، تو پرانے مصر میں ہیروغلیفی خط (جس کے معنے ہیں ''مقدس تحریر'') یہ خط تصویری ہے یعنی ہر حرف کسی جانور یا کسی اور چیز کی شکل کی طرح ہوتا ہے مثلاً O) (A J فرنگیوں نے اسے بھی پڑھنا سیکھ لیا ہے اور حضرت موسیٰ کے معاصر زمانے کے بادشاہوں کے دو نام پائے ہیں پہلے رعمسیس، پھر اس کا بیٹا، اور جانشین منپ تاح، گزشتہ صدی کے اواخر (سنہ ۱۸۸۱ء) میں ان دونوں کی مومیائی ہوئی لاشیں مصر میں مل گئیں اور اب قاہرہ کے عجائب خانے میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ایک پرانے بَردی (پاپیرس) کاغذ پر جو کھدائیوں میں ملا ہے لکھا ہے کہ رعمسیس نے ۶۳ سال حکمرانی کی آخری عمر میں بیٹا اور ولی عہد منپ تاح نائب السلطنت تھا۔

اگر تورات کا بیان صحیح مانیں کہ حضرت موسیٰ کی مَدین میں پناہ گزینی کے زمانے میں ایک فرعون مر گیا تو منپ تاح کو بعد میں ڈوب مرنا چاہیے، لیکن خود فرنگی فضلاء اور تورات سے اختصاص رکھنے والے پادریوں مثلاً پادری دوو (De Vaux) کا خیال ہے کہ تورات کا یہ حصہ مشتبہ ہے اور ناقابل قبول۔ ان حالات میں قرآنی بیان کہ حضرت شعیب کی مہمان نوازی اور گھر دامادی کا زمانہ حضرت موسیٰ کے لیے زیادہ سے زیادہ دس سال کا ہوا، غیر مسلم کے لیے بھی زیادہ معقول اور قرین قیاس معلوم ہوگا اور ڈوب مرنے والا ہی رعمسیس ہو سکے گا۔ اس کی تائید ایک اور دستاویز سے ہوتی نظر آتی ہے۔

Marfat.com

مصری میں ہیروغلفی خط میں رعمسیس کے جانشین منپ تاح بادشاہ کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ لن ترانیاں کرتا ہے کہ اس نے مصر کے مشرق میں لیپیا والوں کو، مغرب میں حطیوں کو (فلسطین میں) فاش شکستیں دیں اور اسرائیل کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

یہ کتبہ ایک دوسرے پرانے کتبے کی پشت پر کندہ کیا گیا ہے۔ (کیا ایسے بڑے فاتح بادشاہ کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی کہ ان شاندار فتوح کے ذکر کے لیے ایک نیا پتھر خرید سکے؟) جو بھی ہو، اگر اس نے بنی اسرائیل کو واقعی مصر سے نیست ونابود کر دیا تھا تو پھر حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلنے والے چھ لاکھ سے زائد اسرائیلی (جن کا تورات میں ذکر ہے) کہاں سے آ گئے؟ اگر یہ قتل عام خروج مصر کے بعد ہوا اور منپ تاح نے مثلاً اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لیے یہودیوں پر حملہ کیا تو تورات اس سے کیوں ساکت ہے اور یہودیوں کی بے شمار بپتاؤں کے ساتھ ایک مزید کا کیوں ذکر نہیں کرتی؟ اس کتبے میں غلط بیانی ہونے کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے شاید مل سکتا ہے۔

منپ تاح کے باپ رعمیس کا بھی ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ لبنان کے حطی لوگوں نے مصر پر چڑھائی کی تو اس نے ان کو شکست فاش دے کر پسپا کر دیا۔ اتفاق سے حطیوں کی اس جنگ اور معاہدہ صلح کی اصل دستاویز محفوظ ہے اور اس میں لکھا ہے کہ جنگ کے بعد اس شرط پر صلح ہوئی کہ حطی اپنے سارے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ برقرار رکھیں گے۔ خاص کر جزیرہ نمائے سینا کے بڑے شہر قادیش پر۔

مصری حکمرانوں کی لن ترانیاں گویا عادتی چیز ہیں اور اگر پدر نتواند پسر تمام کند کا مصداق ہیں۔ دوسرے الفاظ میں منپ تاح کا کتبہ کہ اس نے بنی اسرائیل کا نام ونشان تک مٹا دیا، وہ اس بات سے عبارت نہیں کہ ان کو شکست دے کر قتل کیا گیا بلکہ صرف یہ کہ سارے بنی اسرائیل مصر سے جا چکے ہیں۔ اس اثناء میں میرا باپ بھی ڈوب کر مر گیا اور اب میری مملکت میں بنی اسرائیل کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔

رعمیس کی جولاش ملی ہے اس کے منہ میں اس کے تقریباً سارے ہی دانت موجود ہیں۔ (اگر چہ کسی قدر مریض اور اس کی لاش کے معائنہ کر کے حال میں پاریس کے ایک طبیب دندان نے رائے ظاہر کی ہے کہ شاید فرعون دانتوں کے مرض سے فوت ہوا ہے) اور صورت شکل سے پچاس ساٹھ سالہ شخص کی معلوم ہوتی ہے۔ اور تریسٹھ سالہ حکومت ایک افسانہ ہو جاتا ہے۔ اس کی کھوپڑی پھوٹی ہوئی ملی ہے لیکن یہ بات دفن کے بعد بھی کسی زمانے میں پیش آسکتی ہے، جیسا کہ فرنگی محقق ہی بیان کرتے ہیں اور ہمیں بھی قبول کرنے میں عذر نہیں کہ ایسا ہی ہو، بہر حال فرنگی مؤلف اور ڈاکٹر بیان کرتے ہیں کہ اب لاش سے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ رعمیس یا منپ تاح ڈوب کر مرے، یا قدرتی موت سے۔ ان حالات میں تورات کی تفصیل کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک فرعون مر گیا جس نے بنی اسرائیل کو تکلیف دی تھی اور اس کا بیٹا بعد میں ڈوب مرا، صحیح نہیں معلوم ہوتا، اور صحیح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رعمیس نامی حکمران ہی وہ فرعون ہے جو دریائے نیل کی ایک شاخ کو عبور کرتے وقت غرق ہو کر مر گیا۔

("ماہنامہ الحق" اکوڑہ خٹک۔ مئی ۱۹۸۲)

Marfat.com

متفرقات

Marfat.com

حضرت ابو بکرؓ کی سفارت بنام ہرقل

(فرانسیسی سے ترجمہ: محمد حسن عسکری)

اسلامی دنیا اور شہنشاہ ہرقل کے درمیان جو دینی اور سیاسی نوعیت کا نامہ و پیام ہوا ہے[1] اس کے ضمن میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق تفصیلات تو کثرت سے موجود ہیں لیکن جہاں تک مجھے علم ہے تحقیقی کام کرنے والوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ بات اس لیے اور بھی حیرت انگیز ہو جاتی ہے کہ یہ حکایت ہیئت کے چند اختلافات کے ساتھ عربی مآخذ میں بھی ملتی ہے اور بازنطینی مآخذ میں بھی دونوں جگہ یہ قصہ اپنے اپنے انداز سے بیان کیا گیا ہے، بہرحال تحقیق و تدقیق کی کوشش سے پہلے دونوں طرف کے بیانات سن لیجیے۔

بازنطینی بیانات

لوئی برے ای اے (Lovis Brehier) نے اپنی فرانسیسی تصنیف "بازنطینی تہذیب" (پیرس ۱۹۵۰ء ص ۲۔۲۹۱) میں مندرجہ ذیل حقائق نمایاں طور سے پیش کیے ہیں۔

"پیشین گوئیوں کی کتاب ... شاہی کتب خانہ میں ایک کتاب تھی جس میں بازنطینی سلطنت کے مستقبل کا پورا حال بیان کیا گیا تھا اور ساتھ ہی شہنشاہوں کی تصویریں بھی تھیں، اس قسم کی تحریروں کی موجودگی کی تصدیق بعض غیر ملکیوں نے بھی کی ہے جنہیں یہ چیز دکھائی گئی تھی۔

(دیکھیے شہنشاہ لےاوں ششم کی "تقاریر و تصانیف") نووگوروڈ (Novgorod) کے اسقف اعظم آں توان (Antoine) کے بیان کے مطابق لےاوں (Leou) الملقب بہ عالم نے اسی قسم کی ایک کتاب نقل کی تھی جو اسے حضرت دانیال کے مقبرے میں ایک بیلن پر لپٹی ہوئی ملی تھی۔ (دیکھیے آں توان کی تصنیف "زائر نامہ")

Marfat.com

اب مناسب ہوگا کہ برے آئی اے نے جن لاطینی عبارتوں کا حوالہ دیا ہے ان کا لفظ بلفظ ترجمہ پیش کر دیا جائے۔

(۱) مین کی شائع کردہ کتاب "پاتر ولوگیا گریکا" (یونانی پادریوں کی تالیفات) جلد ۱۰۷، عمود ۱۱۲۱ تا ۱۱۲۴، رسالہ شہنشاہ لیوں (عربی میں الیون) الملقب بہ عالم کی پیشین گوئیاں" باتصویر نیز اس کی یونانی زبان میں شرح۔

قاری پطرس لا بے قیوس سے خطاب...... رومی (بیزنطینی) تاریخ کی جامع تالیف سے کوئی چیز چھوٹ نہ جانے کے خیال سے...... مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس میں ان پیشین گوئیوں کو بھی شامل کروں جو شہنشاہ لیون الملقب بہ عالم کی طرف منسوب ہیں۔ نیز ان پیشین گو تصویروں کو جن کے متعلق عام خیال پایا جاتا ہے کہ وہ سلطنت قسطنطنیہ کی آئندہ پیش آنے والی مصیبتوں کی پیشین گوئی کرتی ہیں...... اس مجلّہ میں مجھے ایک گمنام مؤلف کا رسالہ ملا ہے جو یونانی زبان میں شہنشاہ لیون کی پیشین گوئیوں کی شرح پر مشتمل ہے موضوع کی مماثلت کے باعث مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کو یک جا شائع کروں بلکہ مزید آگے بڑھ کر میں یہ پوچھوں گا کہ آیا لیون کی یہ پیشین گوئیاں وہی تو نہیں ہیں جو بیدقل کی طرف منسوب ہیں، اور جن کا مخطوطہ کہتے ہیں کہ کتب خانہ واتیکانا (یورپ کے قصر) میں محفوظ ہے؟

پرانے مؤلفوں کی شہادتیں

مؤرخ زوناراس کا بیان ہے کہ...... جہاں تک شہنشاہ لیون الملقب بہ ارمنی کی موت کا تعلق ہے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شاہی کتب خانے میں ایک کتاب تھی جس میں (بیزنطینی) شہنشاہوں کے متعلق پیشین گوئیاں پائی جاتی تھیں اور اس میں آدمیوں اور جانوروں کی تصویریں بھی بنائی گئی تھیں۔ چنانچہ ایسی ہی ایک تصویر میں ایک شیر کی شکل تھی جس کی پشت پر علامت (X) بنائی گئی تھی، شیر کے پیچھے ایک شخص کھڑا تھا جو شیر کو عین وسط میں وار پار (نیزے سے؟) چھبو رہا تھا۔ اس کتاب میں جو پیشین گوئیاں تھیں ان کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ وہ سبیلی (قدیم یونانی کاہنہ) کی کی ہوئی تھیں کہتے ہیں کہ اس زمانے کے ایک مالی مقدمات کو سننے والے افسر عدالت نے اس معمے کی کلید مہیا کی تھی اور کہا تھا کہ مراد یہ ہے کہ شہنشاہ لیون حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح کی عید ولادت کے دن قتل کر دیا جائے گا (بادشاہ لیون کے نام کے لفظی معنی ہیں شیر کے اور لفظ مسیح کو

Marfat.com

یونانی حروف میں لکھیں تو پہلا حرف ''x'' ہوتا ہے) شیر کے بیچ میں علامت ''x'' کے پاس وار پار چھونے کے معنی ہیں لیون عید میلاد مسیح کے دن قتل کردیا جائے گا۔

مؤلف قیدرانوس کی کتاب صفحہ ۴۹۳، اشاعت شاہی میں لکھا ہے...... سیبلی کی یہ پیشین گوئی شہنشاہ کے کتب خانہ کی ایک کتاب میں درج تھی، اس کتاب میں پیشین گوئیوں کے علاوہ شہنشاہوں کی تصویریں بھی تھیں اس کتاب میں ایک شیر کی تصویر بنائی گئی تھی وغیرہ

تفقورس گریگوراس کی کتاب شائع کردہ (Colon Allolory.O) صفحہ ۱۰۲ میں لکھا ہے...... شہنشاہ کو اصل میں ایک پرانی کتاب ملی تھی اس میں عبارتیں بھی تھیں اور چیستاں تصویریں بھی اور اس میں پیشین گوئی کے طور پر یہ بتادیا گیا تھا کہ شہنشاہوں کی جانشینی کس طور پر عمل میں آئے گی۔

مؤرخ پادری لیوت پراند کا بیان (فابریقس) کے سلسلے میں عہد عتیق یعنی توریت کی جعلی کتاب......... ۱۱۳۶/۱ شہنشاہ نقفور فوقاس نے اشوریا یعنی عراق والوں پر کس لیے حملہ کیا تھا اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ یونانیوں اور عربوں دونوں کے پاس ایسی کتابیں پائی جاتی ہیں جو حضرت دانیال علیہ السلام کے رُ ؤیا پر مشتمل ہیں اور میرے پاس سیبلی (کاہنہ) کی کتابیں ہیں ان میں صراحت سے بیان ہوا ہے کہ کون شہنشاہ کتنی مدت حکمراں رہے گا۔ اور اس کے زمانے میں کیا حوادث وقوع میں آئیں گے مثلاً امن یا فتنہ، عربوں کو پیش آنے خوش بختانہ واقعات یا بد بختانہ چنانچہ اس میں لکھا تھا کہ اس شہنشاہ نقفور فوقاس کے زمانے میں (یعنی ۹۶۳ء تا ۹۶۹ء یونانیوں کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ اشوریوں کو شکست دے سکیں اور یہ کہ یہ شہنشاہ سات برس حکمراں رہے گا۔

(۲) دوسرا حوالہ یعنی اسقف اعظم آں توآن کی بیان کردہ حکایت مندرجہ ذیل ہے۔ اسقف اعظم کی کتاب قدیم روسی زبان میں ہے اور ۱۸۷۲ء میں Savvaitov نے مرتب کرکے شائع کی ہے۔ اس عبارت کے ترجمے میں دوست جناب ارسلاں بوہدانووکر نے میری مدد فرمائی ہے۔

''...... مقدس صوفیا کے کلیسا کے دروازے کی طرف جو دیوار ہے یعنی ایک اندرونی دروازے کی طرف اس پر شہنشاہ لیون الملقب بہ عالم کی تصویر بنی ہوئی ہے اس کے چہرہ پر ایک قیمتی پتھر لگا ہوا ہے جو مقدس صوفیا (کے کلیسا) کی تاریکی کو منور کردیتا ہے۔''

Marfat.com

اس شہنشاہ لیون کو مقدس نبی حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار میں ایک نقشہ دستیاب ہوا تھا اس نے آئندہ کا حال بتانے والی اس عبارت کو نقل کرلیا تھا جس میں واضح طور سے بیان کیا گیا ہے کہ جب تک یہ شہر قائم رہے گا قسطنطنیہ میں کون کون حکمرانی کرے گا۔'' (ص ۶۸_۶۹)

جناب بوہدانووکر نے ازراہِ عنایت مندرجہ ذیل ترجمہ بھی فراہم کیا ہے ...... ''بہشتی دروازے کے ایک جانب ایک بہت بڑی تصویر ہے جس میں شہنشاہ لیون الملقب بہ عالم کی شبیہ پیش کی گئی ہے۔ اس کے چہرہ میں ایک قیمتی پتھر لگا ہوا ہے جو مقدس صوفیا (کے کلیسا) میں ادھر سے اُدھر تک رات کی تاریکی کو آگ کی طرح، چاند کی طرح، منور کردیتا ہے، ہم نے دریافت کیا کہ یہ بادشاہ ولی تو ہے نہیں، پھر اس کی تصویر یہاں کیوں ہے اور اس کی تعظیم کیوں کی جاتی ہے؟ کلیسا کے لوگوں نے جواب دیا کہ شہنشاہ لیون کو بابل میں مقدس نبی حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار میں ایک نقشہ دستیاب ہوا تھا جسے نقل کر کے اسے اپنے پاس محفوظ کرلیا تھا۔ اس کے انتقال کے کئی سال بعد کوئی اس تحریر کو قسطنطنیہ لے آیا، اور اس پیشین گوئی کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا۔ اس میں یونانی شہنشاہوں کے نام لکھے ہوئے تھے اور یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ جب تک یہ شہر باقی ہے قسطنطنیہ میں کون کون حکمرانی کرے گا۔''[۳]

اس حکایت کو قبول کرنے میں ذرا سا تامل اس لیے ہوتا ہے کہ اگر یہ پیشین گوئیاں حضرت دانیال علیہ السلام کی ہیں تو ان میں صرف و محض بازنطینی شہنشاہوں کا ہی ذکر کیوں ہے؟ مگر یہ ممکن بھی ہے ہوسکتا ہے کہ اصل تحریر اس سے کہیں زیادہ جامع ہو، اور بازنطینی سلطنت سے متعلق جو چیزیں تھیں انہیں نقل کر کے ایک خاص کتاب اس سلطنت کے حکمرانوں اور خصوصاً شہنشاہ لیون کے استعمال کے لیے مرتب کرلی گئی ہو۔

عربوں کے بیانات

زوناراس، آس تو آن اور جن مغربی مآخذ کے حوالے اوپر پیش کیے گئے ان کے زمانے سے بہت پہلے عرب مصنفوں نے بازنطینی دربار کی اس متذکرہ بالا کتاب کا حال بیان کیا ہے بلکہ خود ہرقل کے دور ہی میں اس کا ذکر رہا ہے۔ ان کی حکایتوں کو سرسری طور سے پڑھا جائے تو فوراً ہی دل چاہتا ہے کہ انہیں موضوعہ نہ سہی تو محض قصہ کہانی سمجھ کر رد کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ خود میں نے ہی ۱۹۳۵ء میں تفصیلات پر بحث کیے بغیر یہ لکھ دیا تھا...... ''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے تو صوبوں کی بغاوت دبانے میں مشغول رہے۔

Marfat.com

الذہبی (تاریخ الاسلام" مخطوطہ، قومی کتب خانہ پیرس) کے قول کے مطابق اس کام سے فارغ ہوتے ہی انہوں نے شہنشاہ ہرقل کے پاس ایک سفارت بھیجی، اور اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس ضمن میں ذہبی کا طویل بیان قصہ کہانیوں سے بھرا ہوا ہے۔" (میری فرانسیسی کتاب" اسلامی سیاسی دستاویزات" جلد اول صفحہ ۵۱)

اس وقت میرا واحد ماخذ الذہبیؒ (متوفی ۱۳۴۸ء) کی کتاب تھی جواب قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے اس کتاب کے علاوہ یہ حکایت مندرجہ ذیل تصنیفات میں بھی ملتی ہے:

(۱) الاخبار الطوال از دینوریؒ (متوفی ۸۹۵ء) صفحہ ۲۱۔۲۲۔

(۲) دلائل النبوۃ از ابونعیمؒ (متوفی ۱۰۳۸ء) صفحہ ۹۔۱۱، اور یہاں سے ابن العربیؒ (متوفی ۱۲۴۰ء) کی "محاضرات الابرار" جلد اول صفحہ ۵۵ تا ۵۸ میں نقل ہوئی ہے۔

(۳) دلائل النبوۃ از بیہقی (متوفی ۱۰۶۵ء) جلد اول مخطوطہ، استانبول اور یہاں سے ابن کثیرؒ کی تفسیر جلد دوم صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۳ میں سورت نمبر ۷ آیت نمبر ۱۵۷ کے ضمن میں نقل ہوئی ہے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ جہاں تک راویوں کے سلسلے کا تعلق ہے، اس روایت میں کوئی سقم نہیں۔

جہاں تک ذہبی کا تعلق ہے انہوں نے یہ روایت ابن ہندہ، الحاکم، علی ابن حرب اور الزبیر ابن بکار کی سند کے ساتھ پیش کی ہے، یہ سب روایتیں آپس میں متفق ہیں بعض تو حضرت عبادہ ابن الصامتؓ تک (یہ دونوں حضرات سفارت کے تین ارکان میں سے تھے۔ اور تیسرے نعیم ابن عبداللہؓ تھے۔) ؎

سفارت بھیجنے کی وجوہات

ایک مسلمان ایلچی کے شہید کر دیئے جانے کی وجہ سے اسلام اور بازنطینی سلطنت کی جنگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی شروع ہو گئی تھی (یعنی موتہ اور تبوک کی مہمات) اپنے وصال سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ فوج کا ایک دستہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت بھیجا جائے (۶۳۲ء) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کو ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۳۲ء یا ۶۳۳ء) نے یہ دستہ فلسطین کی طرف روانہ کر دیا۔

Marfat.com

۶۳۳ء میں بھرپور جنگ شروع ہوگئی جو خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی جاری رہی، ہماری حکایت کے مآخذ میں سے دینوری نے اس واقعے کی باقاعدہ تاریخ دی ہے...... ''عبداللہ یہاں ''عبادہ'' پڑھیے) ابن الصامت کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ''جس سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ خلیفہ ہوئے اسی سال انہوں نے مجھے بازنطینیوں کے شہنشاہ کے پاس بھیجا'' اس حکایت میں جو واقعات بیان کیے گئے ان کی بناء پر ہم یہ بھی یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسے زمانہ کا واقعہ ہے جب مسلمان بازنطینیوں کو چند بار شکست دے چکے تھے اور ان کی زیرِ سرپرستی رہنے والے غسانیوں کے چند علاقوں پر قبضہ کر چکے تھے یعنی یہ واقعہ غالباً ۶۳۳ء کے آخر کا ہے۔[5]

سفارت کا حال

فی الحال جو مآخذ موجود ہیں ان میں ہمارا سب سے پرانا ماخذ دینوری کی کتاب ہے، مگر انہوں نے اپنے مآخذ اور راویوں کے سلسلے کا ذکر نہیں کیا۔ ویسے بھی انہوں نے صرف ایک خلاصہ پیش کر دیا ہے، ابونعیم کی کتاب دو بار چھپ چکی ہے۔ اس لیے میں بیہقی کے بیان کو ترجیح دیتا ہوں اور استانبول کے مخطوطے کے مطابق ان کی عبارت کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

''ہم الحکیم سے روایت کرتے ہیں، وہ محمد بن عبداللہ ابن اسحاق البغوی سے، وہ ابراہیم بن الہیثم البلدی سے، وہ عبدالعزیز بن مسلم بن ادریس سے، وہ عبداللہ ابن ادریس سے، وہ شرحبیل بن مسلم سے، وہ ابوامامہ الباہلی سے، وہ ہشامؓ ابن العاص الاُموی سے جو کہتے ہیں کہ مجھے ایک اور شخص کے ساتھ بازنطینیوں کے آقا ہرقل کے پاس بھیجا گیا تھا اسے اسلام لانے کی دعوت دوں (ابونعیم کے بیان کے مطابق ''ہشامؓ ابن العاص، نعیم ابن عبداللہ اور ایک تیسرے شخص کو بھیجا گیا تھا۔'') ذہبی کی کتاب میں زبیر ابن بکار اور علی ابن حرب کہتے ہیں .... ''عبادہؓ ابن الصامت بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند صحابیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس بھیجا۔'') ہم روانہ ہوئے اور الغوطہ یعنی دمشق کے غوطہ میں جبلہ ابن الایہم الغسانی کے دربار میں پہنچے، ہم اس کے پاس اس وقت گئے جب وہ تخت پر بیٹھ چکا تھا، اس نے ہمارے پاس ایک آدمی بھیجا تاکہ ہم اسی سے بات چیت کر لیں، ہم نے کہا ''خدا کی قسم، ہم کسی درمیانی آدمی سے گفتگو نہیں کریں گے ہمیں تو بادشاہ کے پاس بھیجا گیا ہے اگر بادشاہ ہمیں

Marfat.com

اجازت دے تو ہم بس اسی سے بات کریں گے۔ ورنہ کسی درمیانی آدمی سے تو ہم مطلق بات نہیں کرگے۔'' ایلچی نے واپس جا کر یہ بات دہرادی۔ اس پر جبلہ نے ہمیں اجازت دے دی اور کہا ....'' اچھا بولو کیا کہتے ہو۔'' ہشامؓ ابن العاص نے بولنا شروع کیا اور اسے اسلام لانے کی دعوت دی (ابو نعیم کہتے ہیں.....'' لیکن اس نے کوئی اچھا جواب نہیں دیا۔'') وہ سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ ہشام نے اس سے پوچھا.........'' ان سیاہ کپڑوں کا کیا مطلب ہے؟'' (ابو نعیم..... '' ٹاٹ کے کپڑے'') اس نے جواب دیا.....'' میں نے یہ کپڑے پہنتے ہوئے قسم کھائی ہے کہ جب تک تم لوگوں کو شام سے باہر نہ نکال دوں یہ کپڑے نہیں اتاروں گا۔'' ہم نے کہا.....'' خدا کی قسم جو علاقہ تیرے قبضہ میں ہے ہم تو اسے بھی چھین لیں گے، بلکہ (بازنطینی) شہنشاہ کی سلطنت کو بھی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پہلے اس بات کی خبر دے دی ہے۔'' اس نے کہا.....'' یہ کام تمہارے بس کا نہیں، یہ کام تو وہی لوگ کر سکیں گے جو دن بھر روزہ رکھیں اور رات بھر نماز میں کھڑے رہیں۔'' (ابو نعیم.....'' ہم نے کہا، خدا کی قسم ایسے لوگ تو ہم ہی ہیں، ہم دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نماز میں کھڑے کھڑے گزارتے ہیں۔'') پھر اس نے پوچھا کہ تمہارا روزہ (اور تمہاری نماز) کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے اسے روزہ کا حال سنایا، یہ سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا، پھر اس نے ہم سے کہا.....'' اچھا جاؤ''۔ اور اس نے ہمارے ساتھ ایک ایلچی بھیج دیا کہ ہمیں شہنشاہ کے پاس لے جائے، ہم روانہ ہو گئے اور جب ہم شہر (ابو نعیم.....'' قسطنطنیہ) کے قریب پہنچے تو ہمارے ساتھ جو ایلچی تھا وہ کہنے لگا.....'' تمہارے ان جانوروں (اونٹوں) کو سلطانی شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، اگر تم چاہو تو ہم تمہیں گھوڑے اور خچر فراہم کر دیں۔'' ہم نے جواب دیا ......'' خدا کی قسم ہم تو انہیں جانوروں پر سوار ہو کے داخل ہوں گے۔'' ہمارے اس انکار کا معاملہ شہنشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے کہا '' ان کی خاص سواری یہی ہے تو انہیں اس پر اندر آنے دو۔'' ہم اپنے پٹکوں میں تلواریں لٹکائے شہر میں داخل ہوئے۔ (ابو نعیم '' قسطنطنیہ کے باشندے اپنی کھڑکیوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے، اور حیران ہو رہے تھے۔'') ہم آگے بڑھتے ہوئے اس بالا خانہ تک جا پہنچے جہاں سے وہ ہمیں دیکھ رہا تھا، ہم نے اپنے اونٹ بٹھائے اور کلمہ پڑھا۔ لا الٰہ الا اللہ اللہ اکبر خدا شاہد ہے کہ بالا خانہ اس طرح ہلنے لگا جیسے تیز ہوا کے جھونکے سے کھجوروں کا گچھا ہلتا ہے۔ راوی آگے بیان کرتا ہے کہ بادشاہ کی طرف سے ایک ایلچی دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا اور کہا.....'' تمہیں ہمارے سامنے اپنے دین کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔'' اس نے

ہمیں اپنے پاس اندر آنے کی اجازت دے دی، ہم داخل ہوئے، ہم اس کے قریب گئے تو دیکھا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہے اور اس کے چاروں طرف بازنطینی امراء ہیں۔ کمرے کی ساری چیزیں سرخ (اودے) رنگ کی تھیں۔ اس کے گرد کی چیزیں بھی اور خود اس کا لباس بھی اُودا تھا، (ابونعیم...... ''ہم داخل ہوئے، مگر ہم نے سلام نہیں کیا'') اس نے تبسم کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور کہا......''جس وقت تم میرے پاس آئے تو اپنے دستور کے مطابق مجھے سلام کرنے سے تمہیں کس چیز نے روکا) شہنشاہ کے قریب ایک ترجمان کھڑا ہوا تھا جو عربی زبان بولتا تھا اور باتیں بھی بہت کرتا تھا۔

ہم: بات یہ ہے کہ ہمارا اسلام کا طریقہ تیرے لیے جائز نہیں، اور تیرے یہاں جو سلام کا دستور ہے وہ ہمارے لیے جائز نہیں۔

وہ: تم لوگ آپس میں کس طرح سلام کرتے ہو؟

ہم: السلام علیک۔

وہ: اور اپنے بادشاہ کو تم کس طرح سلام کیا کرتے ہو؟

ہم: بالکل اسی طرح۔

وہ: اور وہ تمہیں کس طرح جواب دیتا ہے؟

ہم: بالکل اسی طرح

وہ: (ابونعیم کے بیان کے مطابق......تمہارے یہاں مرنے والے کا وارث کون ہوتا ہے؟ ......''سب سے قریب کے رشتے دار''......کیا تمہارے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہاری میراثوں میں سے کچھ لیا کرتے تھے؟......''اگر کوئی شخص اپنے پیچھے وارث اور قریبی رشتہ دار چھوڑ کر مرتا تھا تو میراث انہیں کو ملتی تھی، ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری میراث میں سے کچھ نہیں لیتے تھے۔......''کیا تمہارے بادشاہوں کا بھی یہی حال ہے؟......''ہاں''......) تم لوگوں کا سب سے اہم کلمہ کیا ہے؟

ہم: لا الٰہ الا اللہ اللہ اکبر، جب ہم نے کلمہ پڑھا تو خدا گواہ ہے کہ پوری منزل (ابونعیم...... ''چھت بھی'' ہلنے لگی یہاں تک کہ شہنشاہ سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگا۔

وہ: تم نے یہ جو کلمہ پڑھا جس سے پوری منزل ہلنے لگی، جب تم اپنے یہاں بھی یہ کلمہ پڑھتے ہو تو کیا ہمیشہ یہی اثر ہوتا ہے؟

ہم: نہیں، ہم نے یہ بات پہلے کبھی نہیں دیکھی، بس یہی تیرے پاس دیکھی ہے۔

Marfat.com

وہ: میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ جب بھی تم یہ کلمہ زبان سے نکالو اوپر جتنی چیزیں ہوں سب تمہارے سر پر آ پڑیں۔ اس کے لیے تو میں اپنی آدھی سلطنت خوشی سے دینے کو تیار ہوں۔

ہم: یہ کیوں؟

وہ: کیونکہ پھر معاملہ آسان ہو جائے گا اور یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ یہ نبوت کا حصہ نہیں بلکہ انسانوں کی چالبازی ہے۔

اس کے بعد اس نے ہم سے چند سوال پوچھے جن کا ہم نے جواب دے دیا۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے نماز اور روزے کا حال سناؤ ہم نے یہ بھی سنا دیا، اچھا جاؤ۔

اس کے حکم سے ہماری بڑی خاطر مدارات ہوئی اور نہایت عمدہ مکان میں ٹھیرایا گیا۔ ہم نے تین راتیں گزاریں اس کے بعد اس نے رات کے وقت ہمیں بلایا، ہم اس کے پاس پہنچے۔ (ابونعیم ...... "وہ اکیلا بیٹھا تھا اور اس کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔") اس نے ہم سے کہا کہ جو باتیں تم بیان کر چکے ہو انہیں پھر دہراؤ، ہم نے یہی کیا۔ اس کے بعد اس نے بڑے صندوق کی طرح کی ایک چیز منگوائی جس پر سونے کا ملمع تھا، اور جس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے گھر مع دروازوں کے بنے ہوئے تھے (یعنی درازیں) اس نے ایک دروازے کا تالا کھولا اور سیاہ ریشم کا ایک ٹکڑا نکال کر اسے پھیلایا۔ اس پر کسی آدمی کی سرخ تصویر تھی جس کی آنکھیں بڑی بڑی، پشت قوی اور گردن اتنی لمبی تھی کہ میں نے ایسی کبھی نہیں دیکھی۔ اس آدمی کے داڑھی نہیں تھی، لیکن بال دولٹوں کی شکل میں گندھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے انسان پیدا کیے ہیں ان میں یہ جمیل ترین تھا، پھر اس نے ہم سے پوچھا ...تم انہیں پہچانتے ہو؟" ہم نے کہا "نہیں"۔ وہ بولا "یہ آدم ہیں" علیہ السلام۔ ان کے بال بہت گھنے تھے۔

پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا، اور اس میں سے سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر سفید رنگ کی تصویر تھی اس میں بال گھنگھریالے تھے، آنکھیں سرخ، سر بڑا اور داڑھی بہت خوبصورت، پھر اس نے ہم سے پوچھا "انہیں پہچانتے ہو؟" ہم نے کہا "نہیں" اس نے بتایا "یہ نوح ہیں" علیہ السلام۔

پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا اور اس میں سے سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا، اس پر بھی کسی شخص کی تصویر تھی، بہت ہی سفید رنگ، خوبصورت آنکھیں، کشادہ پیشانی، کتابی چہرہ، سفید داڑھی،

Marfat.com

معلوم ہوتا تھا گویا وہ آدمی مسکرا رہا ہے، پھر اس نے پوچھا...... ''انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا...... ''نہیں''۔اس نے جواب دیا...... ''یہ ابراہیم ہیں۔'' علیہ السلام۔

پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا اور ایک سفید تصویر نکالی، خدا کی قسم یہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)...... تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تبسم فرمارہے ہیں۔ (ابونعیم...... گویا ہم حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو زندہ دیکھ رہے تھے۔'') پھر اس نے ہم سے پوچھا... ''انہیں پہچانتے ہو؟'' ہم نے کہا...... ''ہاں'' یہ تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔'' اور ہم رونے لگے، خدا شاہد ہے کہ وہ کچھ دیر تو کھڑا کا کھڑا رہ گیا، پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور بولا...... میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ وہی ہیں؟'' ہم نے جواب دیا...... ''ہاں، ہاں وہی ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے تیری آنکھوں کے سامنے ہوں۔'' تھوڑی دیر تو وہ خاموش رہا پھر کہنے لگا...... '' دراصل یہ تو سب سے آخری خانہ ہے لیکن تمہارا امتحان لینے کے لیے میں نے اسے پہلے کھول لیا۔''

اس کے بعد اس نے ایک اور خانہ کھولا اور سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر سیاہی مائل بھورے رنگ کی تصویر بنی ہوئی تھی، اس شخص کے بال گھنگریالے اور گنجان تھے، آنکھیں گہری، نظر میں تیزی، پیشانی پر بل، دانت بھینچے ہوئے اور ہونٹ بند گویا غصہ آرہا ہو، پھر اس نے پوچھا'' انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا...... ''نہیں'' اس نے کہا...... ''یہ موسیٰ ہیں'' علیہ السلام۔ موسیٰ علیہ السلام کے برابر ایک دوسری شبیہ تھی جوان کی شکل سے ملتی جلتی تھی، لیکن سر پر تیل لگا ہوا، پیشانی چوڑی اور نمایاں، اور آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی پھیل کر تقریباً ناک تک پہنچی ہوئی، پھر اس نے پوچھا...... ''انہیں پہچانتے ہو؟ جب ہم نے کہا...... ''نہیں'' تو اس نے جواب دیا...... ''یہ ہارون بن عمران ہیں۔'' علیہ السلام

پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا اور سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر کسی شخص کی تصویر تھی، گندمی رنگ، سیدھے بال، درمیانہ قد، معلوم ہوتا تھا گویا غصہ آرہا ہے، پھر اس نے پوچھا۔ ''انہیں پہچانتے ہو؟'' ہم نے جواب دیا نہیں''۔ اس نے بتایا'' یہ لوط ہیں۔'' علیہ السلام

پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا اور سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر کسی شخص کی تصویر تھی۔ سرخی مائل سفید رنگ بلند ناک، پتلے پتلے رخسار، چہرہ حسین، اس نے پوچھا'' انہیں پہچانتے ہو؟ ...... ہم نے کہا'' نہیں'' اس نے بتایا'' یہ اسحاق ہیں'' علیہ السلام۔

Marfat.com

پھراس نے ایک اور خانہ کھولا اوراس میں سے سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر اسحاق علیہ السلام کی شکل سے مشابہ ایک تصویر بنی ہوئی تھی لیکن نچلے ہونٹ پر ایک خال تھا۔اس نے پوچھا: ''انہیں پہچانتے ہو؟'' ہم نے جواب دیا ''نہیں'' اس نے بتایا...... ''یہ یعقوب ہیں'' علیہ السلام۔

پھراس نے ایک اور خانہ کھولا اور سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر کسی شخص کی سفید تصویر بنی ہوئی تھی، حسین چہرہ بلند ناک، خوبصورت قد، چہرہ پر نور برستا ہوا۔ سرخی مائل رنگ، بشرے سے پرہیز گاری اور خدا طلبی نمایاں، پھراس نے پوچھا...... ''تم انہیں پہچانتے ہو؟''......ہم نے جواب دیا نہیں'' اس نے بتایا'' یہ اسماعیل ہیں۔علیہ السلام۔تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا۔

پھراس نے ایک اور خانہ کھولا اور سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا، جس پر ایسی شبیہ تھی جیسی حضرت آدم علیہ السلام کی تھی۔اس شخص کا چہرہ سورج کی طرح تھا، پھراس نے پوچھا ''انہیں پہچانتے ہو؟'' ہم نے جواب دیا...... ''نہیں''۔اس نے بتایا...... ''یہ یوسف ہیں'' علیہ السلام۔

اس کے بعد اس نے ایک اور خانہ کھولا اور سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر کسی سرخ رنگ کے آدمی کی تصویر تھی، پتلی پتلی ٹانگیں، آنکھیں روشنی سے چمکتی ہوئی، پیٹ بڑھا ہوا، درمیانہ قد، پٹکے میں تلوار لٹکی ہوئی، اس نے پوچھا...... ''انہیں پہچانتے ہو؟''...... ہم نے کہا ''نہیں''۔اس نے بتایا...... ''یہ داؤد ہیں۔'' علیہ السلام

(ابونعیم کا بیان...... سیاہ ریشم، چہرہ سرخ یا سفید درمیانہ قد، مگر حلیہ مرد کے بجائے کسی نازک اندام عورت سے مشابہ)

پھراس نے ایک اور خانہ کھولا اور سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر کسی آدمی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ پشت نمایاں اور قوی، ٹانگیں لمبی، گھوڑے پر سوار۔اس نے پوچھا...... انہیں پہچانتے ہو؟''......ہم نے کہا ''نہیں''۔اس نے بتایا...... ''یہ سلیمان ہیں'' علیہ السلام۔(ابونعیم ...... '' گھوڑے کی ٹانگیں لمبی لیکن کمر چھوٹی، دونوں طرف ایک ایک پر جو ہوا سے ہل رہا تھا۔'' دینوری...... دو پروں والے گھوڑے پر سوار...... اس نے کہا...... یہ سلیمان علیہ السلام ہیں جنہیں ہوا اوپر اٹھائے ہوئے ہے۔'')

آخر میں اس نے ایک اور خانہ کھولا اور سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس پر ایک نوجوان کی سفید تصویر تھی، گہری سیاہ داڑھی، گھنے بال، خوبصورت آنکھیں اور حسین چہرہ، اس نے پوچھا: ''انہیں پہچانتے ہو؟''......ہم نے کہا ''نہیں'' اس نے بتایا'' یہ عیسیٰ ابن مریم'' ہیں۔علیہ السلام

Marfat.com

ابونعیم: "پھر اس نے خانہ صندوق میں رکھ دیا اور اسے واپس بھجوا دیا۔"

اب ہم نے دریافت کیا: "تجھے یہ تصویریں کہاں سے ملیں؟ ہمارا خیال ہے کہ پیغمبروں کی یہ تصویریں سچی ہیں کیونکہ ہم نے جو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر دیکھی ہے وہ واقعی انہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہے۔" اس نے جواب دیا: آدم علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ ان کی اولاد میں جو پیغمبر ہوں گے وہ انہیں دکھائے جائیں۔ خدائے تعالیٰ نے پیغمبروں کی تصویریں انہیں بھجوا دیں، جو سورج کے غروب ہونے کے مقام کے نزدیک آدم علیہ السلام کے خزانے میں محفوظ رہیں۔ ذوالقرنین (دینوری "سکندر") نے انہیں سورج کے غروب ہونے کے مقام سے حاصل کیا اور دانیال علیہ السلام کو دے دیا۔" (ذہبی: "اور دانیال نے انہیں ریشم کے ٹکڑوں پر نقل کر لیا اور دانیال علیہ السلام نے جو نقل تیار کی تھی اس کی اصل یہ تصویریں تھیں"، لیکن ابونعیم کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے تصویروں کو بہشتی ریشم کے ٹکڑوں پر اتارا") اور وہ کہنے لگا: "خدا کی قسم، میرا تو جی چاہتا ہے کہ میرا نفس مجھے سلطنت چھوڑنے کی اجازت دے دے اور تم میں دل کے لحاظ سے جو کمترین درجے کا آدمی ہو میں اس کا غلام بن کے باقی زندگی گزار دوں۔"

اس کے بعد اس نے بڑی دریا دلی سے ہمیں تحائف دیئے اور ہمیں رخصت کر دیا۔

جب ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور جو کچھ دیکھا تھا، شہنشاہ نے جو کچھ ہم سے کہا تھا اور جو تحائف دیئے تھے ان سب کا حال انہیں سنایا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور فرمایا: "ہائے بیچارا!! اگر اللہ تعالیٰ کو اس کی فلاح منظور ہے تو وہ ایسا ہی کرے گا۔" پھر فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خبر دے چکے تھے کہ ان لوگوں (عیسائیوں) اور یہودیوں کے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پورا بیان موجود ہے۔"

چند گزارشات

ان حکایتوں میں بعض باتیں ناقابل یقین سی معلوم ہوتی ہیں۔ بہرحال چند چیزیں وثوق کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سفارت ضرور بھیجی تھی گو اس واقعے کا ذکر بازنطینی مورخوں کے یہاں نہیں ملتا۔

Marfat.com

(۲) بازنطینی قصے اور عربوں کے بیان کردہ قصے میں اختلافات تو ضرور ہیں لیکن چند باتیں نمایاں طور پر مماثل بھی ہیں مثلاً دونوں طرف تصویروں کا بھی ذکر ہے اور پیشینگوئیوں کا بھی، پھر دونوں قصوں کی بنیاد حضرت دانیال علیہ السلام پر ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں میں تضاد بھی نہیں ہے۔ شاہی خزانے میں تصویروں کے کئی مجموعے ہوں گے۔ ان میں سے ایک تو ہرقل نے مسلمان سفیروں کو دکھایا اور دوسرا لیونؔ الملقب بہ عالم کے استعمال میں رہتا تھا۔

(۳) قرآن شریف میں کئی ایسے پیغمبروں کا ذکر ہے جن کا نام بائبل میں نہیں آیا۔ مثلاً ہودؑ، صالحؑ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ ہماری حکایت میں صرف ان پیغمبروں کا ذکر ہے جن کے نام بائبل میں آتے ہیں اور جنہیں بازنطینی عیسائی بھی مانتے تھے۔

(۴) دانیال علیہ السلام اور سکندر اعظم کو ہم عصر کہنے میں تاریخی غلطی ضرور ہوئی ہے، مگر ذوالقرنین کو سکندر اعظم سمجھنا لازمی نہیں۔ ہم روایت میں تھوڑی سی اصلاح بھی کر سکتے ہیں، حضرت دانیال علیہ السلام نے جو تصویریں نقل کی تھیں وہ کسی طرح سکندر کو مل گئی ہوں گی اور یہ بات درست نہ ہوگی کہ دانیال علیہ السلام نے خود وہ تصویریں مقدونی فاتح کو دیں۔

(۵) ہمیں معلوم ہے کہ بائبل میں حضرت دانیال علیہ السلام کے بارے میں عجیب وغریب باتیں بیان کی گئی ہیں۔ پھر مسلمانوں کے یہاں بھی اور یہودیوں کے یہاں بھی خوابوں اور پیشین گوئیوں سے متعلق ایسی تصنیفات کثرت سے موجود ہیں جن کی بنیاد حضرت دانیال علیہ السلام کی روایتوں پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار میں خزانے موجود تھے۔ ؎

کتابوں میں ذکر آیا ہے کہ وہاں ایک صندوق ملا تھا جس میں ایک کتاب رکھی تھی۔ سونا چاندی اور بہت سی چیزیں بھی دستیاب ہوئی تھیں جن سے ہمیں یہاں مطلب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کے بارے میں جو دوسرے بیانات کتابوں میں ملتے ہیں ان سے ہماری روایت بالکل مطابقت رکھتی ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ دوسری جگہوں پر بھی اس قسم کا تذکرہ ملتا ہے۔۔۔۔ مثلاً ''فلسطین کی ایک خانقاہ میں، چین کے شہنشاہ کے یہاں، اور روزی گوتھ دور کے اندلس میں۔

Marfat.com

فلسطین میں

عظیم محدث بخاری روایت کرتے ہیں کہ[8]

''شروع میں جبیر ابن مطعم ؓ اسلام نہیں لائے لیکن جب وہ بصرے گئے تو ایک عیسائی نے ان سے دریافت کیا کہ جس عرب ؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیا تم اسے ذاتی طور سے جانتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ لوگ انہیں ایک خانقاہ میں لے گئے جہاں بہت سی تصویریں تھیں، پہلے کمرے میں تو انہیں ''ان پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصویر نہیں ملی مگر دوسرے کمرے میں انہوں نے تصویر فوراً پہچان لی، تصویر میں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدم مبارک پکڑ رکھے تھے۔ ان کے رہنما نے ان سے کہا...... ''سارے انبیاء کے بعد میں دوسرے نبی آئے ہیں، مگر ان کے بعد کوئی نبی نہیں، جس شخص نے ان کے قدم پکڑ رکھے ہیں یہ ان آخری نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جانشین ہے۔''

چین میں

پیرس کے قومی کتب خانے میں ایک مشہور عربی مخطوطہ[11] ہے۔ مصنف کا نام تو اس میں موجود نہیں، لیکن اس مخطوطے کو یا کم سے کم اس کے ایک حصے یعنی ضمیمے کو دسویں صدی کے کسی شخص ابوزید السیرافی نے نقل کیا ہے، یہی ضمیمہ یہاں ہمارے کام کا ہے، اس میں ابن وہب الحباری نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے چین کے شہنشاہ کے دربار میں انبیاء کی تصویریں دیکھی تھیں۔ اس کے کچھ عرصے بعد مسعودی[12] نے بھی یہی حکایت دہرائی ہے، غالباً دونوں کا ماخذ ایک ہی ہے چونکہ یہ دونوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں بلکہ فرانسیسی میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے، اس لیے ان کی حکایت کا خلاصہ بیان کرنا کافی ہوگا۔

۸۷۰ء میں ابن وہب نے چین کا سفر کیا اور شہنشاہ سے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی اور یہ بھی بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں ہوں تصدیق کرنے کے بعد شہنشاہ نے حاضری کی اجازت دے دی اور انہیں تصویروں کا ایک مجموعہ دکھایا جس میں بہت سے انبیاء کی تصویریں کاغذ کے بیلن پر بنی ہوئی تھیں۔ کشتی میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کی

Marfat.com

تصویر دیکھ کرانہوں نے کہا یہ تو نوح علیہ السلام ہیں۔ اسی طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا مشہور عصا لیے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گدھے پر سوار دیکھ کر، آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہی عربی طرز کے چپل پہنے ہوئے تھے اور پیٹی میں مسواک لگی ہوئی تھی۔ دوسری تصویروں کو وہ نہیں پہچان سکے۔ شہنشاہ نے بتایا کہ یہ ہندوستان اور چین کے پیغمبر ہیں۔ ہر تصویر پر غالباً چینی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ہمارے سیاح سے شہنشاہ نے ایک ترجمان کے ذریعے گفتگو کی۔

چین کا ایک عجیب وغریب قصہ سنانے سے پہلے ایک بات اور عرض کردوں، ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ پرانے زمانے میں بادشاہوں کے درمیان تحائف کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اگر حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار کے عجائبات ایران سے بازنطین جا پہنچے تو یہ بھی قرین قیاس ہے کہ اسی مقام سے تصویروں کی ایک نقل چین بھی گئی ہو۔ ہر دربار کے مصوروں نے اپنے اپنے بادشاہ کے لیے اپنی فنی روایتوں کے بموجب اعلیٰ معیار کی نقل تیار کی ہوگی۔

چین کا دوسرا قصہ جسے پہلے قصے کی ترقی یافتہ، بلکہ تنزل یافتہ شکل کہا جا سکتا ہے، چینی مآخذ سے ہی ملا ہے۔ میں جناب میثل والساں صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ازراہ نوازش یہ حوالہ عنایت فرمایا۔

۱۸۷۸ء میں داربی دتیئر ساں (Darby de thier Sant) نے فرانسیسی میں ایک کتاب ''چین اور مشرقی پاکستان میں اسلام'' دو جلدوں میں شائع کی تھی۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک اقتباس چینی کتاب '' تاؤکواؤن تسی (Tao-kon-own-tsy) سے دیا ہے یہ چینی کتاب قدیم روایت سے متعلق ادبی نوادرات ...... کا مجموعہ ہے جسے ہانگ چی تسوئن (Hang Chi Tsuen) نے مرتب کیا ہے۔ اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

''ایک چینی مسلمان مصنف جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھی ہے اپنی کتاب میں یہ قصہ سناتا ہے کہ ۵۷۸ء میں چین کے شہنشاہ نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسلام کو اپنی سلطنت میں تشریف لانے کی دعوت دینے کے لیے ایک سفارت عرب روانہ کی، مصنف کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذر فرمادیا اور اپنے بجائے اپنی تصویر بھیج دی۔ یہ تصویر کپڑے پر اس طرح بنائی گئی تھی کہ مقررہ وقت گزر جانے پر کپڑے سے خود بخود از

Marfat.com

جائے۔ یہ احتیاطی تدبیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال سے اختیار فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ کو کہیں کوئی تبدیل یا خراب نہ کر ڈالے۔'' (جلد اول صفحہ ۲۷)

دار بی وتیئر ساں اس واقعہ کا دوبارہ ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تیئن فانگ تیئن لی Tun-Fang-Tun-Lee کی تصنیف کے مطابق:

''تانگ خاندان کے عہد سلطنت میں شہنشاہ ہیون تسونگ (Hiven tsong) نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لانے کی دعوت دینے کی غرض سے ایک ایلچی بھیجا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا، ایلچی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر لے کر واپس آیا، شہنشاہ نے تصویر اپنے محل میں لٹکا دی، اور اس کی پرستش کرنے لگا، فوراً ہی تصویر غائب ہوگئی۔'' (جلد دوم صفحہ ۲۳)

وزی گوتھ دور کے اندلس میں

اس کا ذکر یوں تو دوسرے مصنفوں کے یہاں بھی ملتا ہے لیکن جب سے مقری کی ''نفح الطیب [۱۱]'' کا ترجمہ ہوا ہے یہ قصہ کافی مشہور ہو چکا ہے کہ ٹولیڈو کے مقام پر ایک طلسمات کا محل تھا جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کھانے کی میز رکھی تھی، اور ایک گنبد میں ایک موم جامے کا ٹکڑا بند تھا، گنبد کے اوپر شہسواروں (یعنی عرب شہسواروں) کی تصویریں بنی تھیں، اور موم جامے کے ٹکڑے پر لکھا تھا:

''اس محل اور اس گنبد کو حکمت نے بند کیا ہے، جب یہ کھل جائیں گے تو اندلس کے جزیرہ نما میں وہ قوم داخل ہوگی جس کی تصویریں گنبد پر بنی ہوئی ہیں، جو لوگ اس قوم کا مقابلہ کریں گے ان کی سلطنت غائب ہو جائے گی اور ان کی حکمت بھی اڑ جائے گی۔ دراصل اس سے مراد وزی گوتھ خاندان کا خاتمہ اور شاہ روڈرک کی موت۔

نتیجہ

ان سب حکایتوں پر داستان سرائی کے متعدد اور گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں لیکن دو چیزیں خاص طور پر غور کے قابل ہیں۔ ایک تو مآخذ کا تنوع، دوسرے موضوع کی وحدت یعنی ان سب حکایتوں میں تصویری روایت موجود ہے۔ آئندہ زمانے میں آنے والی کسی شخصیت یا

Marfat.com

واقعے کا انتظار ایک ایسی چیز ہے جو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے، یہودیوں کے یہاں، برہمنوں کے یہاں، بدھوں کے یہاں، زرتشتیوں کے اور عیسائیوں کے یہاں اور یہ روایت کم سے کم حنوک کے دور سے ملتی ہے۔ (یہوداہ کا عام خط آیت ۱۵_۱۶)

اس کے باطنی پہلو سے تو یہاں ہمیں مطلب نہیں۔ اس چھوٹے سے مضمون کا اصل مقصد یہ تھا کہ بکھرے ہوئے شواہد کو جمع کرلیا جائے اور وہ رشتے ڈھونڈنے کی کوشش کی جائے جن سے یہ سب حکایات آپس میں منسلک ہوجاتی ہیں، ان حکایات کو محض داستان سرائی کہہ کر رد کردینا تو آسان کام ہے مگر غالباً میرے تمام قاری اتنی شدید تشکیک پسندی نہیں برتیں گے۔ نتائج ہر شخص اپنی جگہ مرتب کرلے گا۔

نوٹ: (یہ مضمون ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بزبان فرانسیسی لکھا اور پولینڈ کے ایک رسالے میں ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ اردو میں ترجمہ محمد حسن عسکری نے کیا۔ لاطینی عبارتوں کا اردو ترجمہ جناب مصنف نے کیا ہے۔)

Marfat.com

حواشی

۱۔ اس سلسلے میں میرے یہ مضامین بھی دیکھیے: "عیسائیت سے اسلام کے دوستانہ تعلقات اوران کے خراب ہونے کے اسباب" (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل، جنوری ۱۹۵۳ء ص ۴۱۔۴۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط ہرقل کے نام" رسالہ ارابیکا" ۱۹۵۵ء، ص ۹۷۔۱۱۰)، میری فرانسیسی کتاب "پیغمبرِ اسلام" ۱۹۵۹ء کا باب "بازنطینی"۔

۲۔ سعدالدین کی "تاج التواریخ" میں ترکوں کی فتح استانبول کے وقت ایاصوفیہ کی حالت کا طویل اور دلچسپ بیان موجود ہے۔ گارسین دتاسی نے اپنی فرانسیسی کتاب "حکایتیں، قصے اور عوامی گیت" (۱۸۷۶ء) میں جو اقتباسات دیئے ہیں وہ ناکافی ہیں۔

۳۔ روسی زبان میں مضامین کے ایک مجموعے سے اقتباس جو ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔ PALESTINSKI SBORNIC PRAVOSLAVNYI شمارہ ۵۱ صفحہ ۵۳۔۵۴۔

۴۔ حضرت زبیر ابن بکّار کے سلسلے میں ایک بات عرض کرنی ہے ان کی کتاب "نسب قریش" اب بھی موجود ہے، مگر پوری نہیں، صرف ایک حصہ میں نے آکسفورڈ والا جزو بھی دیکھا ہے اور استانبول والا جزو بھی مگر یہ وہ اجزا نہیں جن میں ہماری حکایت مل سکے)

۵۔ غسانی علاقے میں ابتدائی جنگوں کے سلسلے میں دیکھئے ہِٹی کی "تاریخ عرب" ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۴۷ تا ۱۴۸

۶۔ قسطنطنیہ کے شاہی محل اور دربار کے کمرے کا بیان برے ای اے کی فرانسیسی کتاب "بازنطینی سلطنت کے ادارے" میں صفحہ ۳۱۲ پر دیکھیے۔

Marfat.com

ے دوسرے مآخذ کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل کتابیں دیکھیے ...... بلاذری '' فتوح البلدان'' یاقوت ''معجم البلدان'' طبری '' تاریخ، جلد اول صفحہ ۷ ـ ۲۵۶۶، ابوعبید '' اموال'' خطیب البغدادی '' تقیید العلم'' صفحہ ۵۱ ـ ۵۲ ـ ابن عبدالبر '' جامع بیان العلم'' جلد دوم صفحہ ۴۳، ابن الاثیر '' أسد الغابہ'' جلد اول صفحہ ۲۳۵ اور جلد سوم صفحہ ۱۲۶، بیہقی '' دلائل النبوۃ''

۸ بخاری '' تاریخ کبیر'' ذکر محمد بن عمر بن ابراہیم جو جبیر بن مطعم کی اولاد ہیں، ابونعیم '' دلائل النبوۃ'' صفحہ ۹ بیہقی '' دلائل النبوۃ'' (مخطوطہ استانبول) ذہبی '' تاریخ'' جلد اول صفحہ ۸ ـ ۲۹۷، ابن کثیر '' تفسیر'' جلد دوم صفحہ ۲۵۳ سورت ۷ آیت ۱۵۷ کے سلسلے میں۔

۹ ابن عبدالبر کی کتاب '' استیعاب'' کے مطابق وہ ۷ھ یا ۸ھ میں اسلام لائے، بہر حال وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گہرے دوست بلکہ شاگرد سمجھے جاتے ہیں، اس کی وجہ اس اہمیت سے ظاہر ہو جاتی ہے جو جبیرؓ کی حکایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے۔

۱۰ عربی متن ۱۸۱۱ء میں لانگ لے نے '' سلسلۃ التواریخ'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ ۱۸۴۵ء میں رینو نے '' سفر کا قصہ'' کے نام سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔ دوسرا ترجمہ ۱۹۲۲ء میں فیراں نے '' تاجر سلیمان کا سفر ہندوستان اور چین میں'' کے نام سے کیا۔ ۱۹۴۸ء میں '' اخبار الصین والہند'' کے نام سے سوواژے نے عربی متن شائع کیا، مگر افسوس ہے کہ یہ حصہ چھوڑ دیا ہے (لانگ لے کی کتاب صفحہ ۷۷ تا ۸۵ ـ رینو کے ترجمے میں صفحہ ۹۷ تا ۸۹، فیراں کے ترجمے میں صفحہ ۷۷ تا ۸۳)

۱۱ '' مروج الذہب'' جلد اول صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۹

۱۲ دیکھیے باب اول حصہ دوم، یہ قصہ فاطمی دربار کے قاضی رشید ابن الزبیر کی کتاب '' الذخائر والتحف'' (تقریباً ۴۶۳ھ یا ۱۰۷۰ء) میں بھی ملتا ہے، جسے میں نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔

('' البلاغ'' کراچی ـ اکتوبر ۱۹۶۸ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعاونوا علی البرّ و التقویٰ

یادگار نمبر...... بتقریب جشن صد سالہ مدرسۂ محمدی

مدرسہ محمدی۔ باغ دیوان صاحب۔ مدراس ۱۴

۲۶ رجب ۱۴۰۹ھ

مدرسہ محمدی مدراس اور اس کا پس منظر...... از محمد حمید اللہ

بن ابو محمد خلیل اللہ بن محمد صبغۃ اللہ بدر الدولہ قاضی الملک

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

مسلمانوں کے لیے قابل فخر معراج مبارک نبویؐ کی ایک سال گرہ کے دن قائم شدہ ''مدرسۂ محمدی' مدراس'' کا آج صد سالہ جشن تاسیس منایا جارہا ہے۔ اس مسرت آگین موقع پر شخصی نہیں بلکہ محض تحریری طور پر شرکت کررہا ہوں اور میں مدراس سے بہت دور فرانس میں ہوں۔ جیسا کہ آگے عرض ہوگا، ہندوستان اور فرنگستان کے یہ روابط نہ نئے ہیں اور نہ محض اتفاقی' میں بھی انہیں بزرگانِ ملت کی اولاد و اقرباء میں ہونے کا شرف رکھتا ہوں جنہوں نے اب سے پوری ایک صدی پہلے مدرسہ محمدی کو قائم فرمایا اور ان میں بعض مثلاً مفتی محمود صاحب اور قاضی عبید اللہ صاحب کو' جو دونوں میرے حقیقی چچا تھے' میں دیکھ بھی چکا اور ان سے علمی اور روحانی فیض بھی حاصل کرچکا ہوں۔

مدرسۂ محمدی ایک اسلامی تعلیمی ادارہ ہے اور فرنگی مشنریوں کی تبلیغی جدوجہد سے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی غرض سے قائم ہوا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ فرنگی عیسائیوں کی تبلیغی کارکردگی میں مسلمانوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔ اس لیے اس کی تفصیل کو اپنی تمہید بناتا ہوں۔

Marfat.com

عیسائیت کا آغاز اور اس کی تبلیغ

یہ دین پیغمبر خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ جو کہتے ہیں ۵ء قبل مسیح میں فلسطین میں پیدا ہوئے۔ اڑھائی تین ہی سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد کافر دشمنوں نے ان کو سزائے موت دی جس سے خدا نے ان کو بچایا اور آسمان پر اٹھالیا۔ یہ ۳۰ء کا واقعہ سمجھا جاتا ہے۔

نبوت سے قبل کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ بن حضرت زکریا علیہما السلام سے روحانی تربیت حاصل کی اور صحراء میں اعتکاف کیا پھر نبی بنے تو یہودیوں کو اللہ کی حکومت زمین پر آنے کی ''انجیل'' یعنی خوشخبری دیتے اور ظلم و بدکاری سے روکتے اور صراحت سے کہتے کہ ''میں توریت کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی تعمیل کرنے کے لیے آیا ہوں۔''
(انجیل متی ۱۷/۵)

یہودیوں کی مخالفت کے باعث تبلیغ خفیہ طور پر فرماتے اور ایک گاؤں کے بعد فوراً کسی اور جگہ چلے جاتے۔ اللہ نے ان پر وقتاً فوقتاً انجیل کے اجزاء نازل فرمائے لیکن آپ نے اس کے لکھوانے کا کوئی انتظام نہ کیا بلکہ زبانی تبلیغ کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب دو اڑھائی ہی سال کے بعد دنیا سے چلے گئے تو انجیل کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔ بلکہ بعض سامعین کے حافظے میں اس کی کچھ یاد باقی رہی۔ جب کچھ لوگ آپ پر ایمان لائے تو ان میں سے بعض کو ملک کے دیگر حصوں میں بھی اسی پیام کی تبلیغ کے لیے بھیجا۔ اس سلسلہ میں ان کی طرف منسوب بعض اقوال قابل ذکر ہیں۔ جو مبلغ بھیجے ان کو (انجیل متی ۶/۱۰ تا، کے مطابق) کہا کہ ''نہ غیر یہودیوں کے ہاں جاؤ' نہ سامری قوم کے لوگوں کے پاس' بلکہ صرف بنی اسرائیل (یہودیوں) کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں تبلیغ دین کرو۔'' ایک اور موقع پر (انجیل متی ۲۴/۱۵ تا ۲۶ کے مطابق) یہاں تک کہا کہ ''میں (بطور نبی) نہیں بھیجا گیا ہوں بجز بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے۔'' ساری دنیوی زندگی میں ان کا یہی قول و فعل رہا۔ پھر جھوٹی شکایت پر جب ملک کے رومی گورنر نے ان کو سزائے موت دی تو وہ عیسائی عقائد کے مطابق۔ ''وہ سولی پر فوت ہو گئے پھر تین دن تک (نعوذ باللہ) جہنم میں رہے جس کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے اور خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے۔'' لاش کے غائب ہونے کے بعد (انجیل متی ۱۹/۲۸ تا ۲۰ کے مطابق) وہ سولی دیے جانے کے مقام سے

Marfat.com

دور گیارہ حواریوں کو دوبارہ نظر آئے اور ان کو حکم دیا کہ ''ساری قوموں میں تبلیغ کر کے باپ' بیٹے اور روح القدس کے نام پر شاگرد بناؤ۔ اور اُن کو وہ سکھاؤ جو میں نے تم پر واجب کیا ہے۔''

دنیا میں رہنے اور آسمان پر جانے کے بعد کے قولوں میں جو تضاد نظر آتا ہے اس سے یہاں بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ ساول نامی ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سخت دشمن تھا۔ اُن کے آسمان پر جانے کے بعد ایک دِن اس نے کہا کہ مجھے مکاشفہ ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین سچا ہے۔ اور اس کی تبلیغ زور و شور سے شروع کی۔ اس سلسلہ میں سفر بھی کیے اور خطوط بھی لکھے' جن میں اس کے ذاتی خیالات ہیں اور اب عملاً اسی کے خیالات کو عیسائی دین سمجھا جاتا ہے اور تقدس کے لیے اس کو سینٹ پال کہا جاتا ہے۔

ملک میں اس وقت مشکل سے چالیس پچاس عیسائی تھے۔ ان میں سے بعض تبلیغ بھی کرتے رہے۔ ان میں باہم اختلاف بھی تھا پھر ان میں سے چند' ایک مرتبہ' یروشلم میں مشورے کے لیے جمع ہوئے اور ایک اعلان تیار کیا۔

''روح القدس کو اور ہم کو مناسب معلوم ہوا ہے کہ تم پر ذیل کی ضروری چیزوں کے سوا کوئی اور امر واجب نہ رہے یعنی ان جانوروں کا گوشت کھانے سے باز رہو جو بتوں پر قربان کیے گئے ہوں۔ خون اور ان جانوروں کا گوشت جو گلا گھونٹ کر مارے گئے ہوں اور فحش کاری' مناسب ہوگا کہ تم ان چیزوں سے احتراز کرو۔ (انجیل کا باب ''حواریوں کے احکام'' ۱۵/۲۸ تا ۲۹)

اس طرح توریت کی ساری حرام کردہ چیزیں (سور کا گوشت وغیرہ) حلال ہوگئیں۔ غیر یہودیوں میں عیسائیت کی تبلیغ بھی جائز ہوگئی اور چرچ اس کا مختار اور مجاز ہوگیا کہ احکام دے کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام۔ اور اس غرض کے لیے وقتاً فوقتاً پادری جمع ہو کر مشورے کرنے لگے۔

انجیلیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے سالہا سال بعد ان کے ایک خاص صحابی (حواری) متی کے ذہن میں یہ بات آئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملے ہوئے لوگ رفتہ رفتہ مرتے جا رہے ہیں اور جلدی ہی ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہے گا' اس لیے مناسب ہوگا کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے معلومات کو مدون کروں۔ چنانچہ اس نے آرامی زبان

Marfat.com

میں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادری زبان تھی، ایسی ایک کتاب لکھی جو سیرت النبی کے نہج کی تھی۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بھی تھے، اقوال بھی، ممکن ہے کہ اس میں انجیل کے اقتباس بھی رہے ہوں۔ یہ کتاب اب مفقود ہوگئی ہے۔ معلوم نہیں اسے ''انجیل بروایت متی'' کا نام مؤلف ہی نے دیا، یا بعد میں یہ اس کا نام ہوگیا۔ اب جو قدیم ترین ''انجیل بروایت متی'' ملتی ہے وہ یونانی زبان میں ہے۔ معلوم نہیں وہ متی ہی کی تالیف ہے، یا کسی اور نے بعد میں آرامی زبان سے ترجمہ کیا۔ اسی یونانی متن سے دنیا کی ساری زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔

یہ کتاب عیسائیوں میں مقبول ہوئی تو کچھ اور لوگوں کو شوق ہوا کہ وہ بھی اپنے معلومات مدون کریں اور اس کا سلسلہ کئی نسلوں تک جاری رہا اور ہر ایسی سیرت کی کتاب کو ''انجیل بروایت فلاں'' کا نام دیا گیا۔ ایسی کوئی ستر سے زائد انجیلیں تالیف ہوئیں۔ ان میں سے صرف چار کو قبول کیا جاتا ہے۔ جو (متی، مارک، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں) اور باقی کو مشتبہ یا غیر صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ ان چار صحیح انجیلوں کو کب اور کس نے انتخاب کیا۔ چونکہ ان تالیفوں کے اصل مخطوطے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ وہ کس حد تک نقل مطابق اصل ہیں۔ بہرحال ابھی کچھ عرصہ ہوا جرمنی میں دنیا میں پائی جانے والی ساری یونانی انجیلوں کے فوٹو لے کر جمع کیا گیا۔ چاہے وہ کامل کتاب ہو یا محض اس کا ٹکڑا اور ان کے لفظ لفظ کا مقابلہ کر کے اختلافات کو نوٹ کیا گیا اس کی رپورٹ کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

''عہد جدید (نیو ٹیسٹ منٹ) کے متن کی تنقید و تحقیق میں جو مشکل پیش آتی ہے وہ اس کے مخطوطوں کی کثرت کے باعث ہے۔ ناقدوں کا پہلا فریضہ یہ تھا کہ ان مخطوطوں کی مفصل اور مکمل فہرست مرتب کریں اور ہم اوپر دیکھ چکے ہیں یہ وسیع تحقیق اب کس نتیجے پر پہنچی ہے۔ دوسرا فریضہ اس پر مشتمل تھا کہ مخطوطوں کو یکجا کر کے ان کی عبارتوں کا لفظ بہ لفظ مقابلہ کریں۔ اس کے لیے جو تحریری مواد پایا جاتا ہے ان میں خط جلی کے مخطوطے بھی ہیں۔ (جن میں لفظ کے پہلا حرف کی صرف بڑی شکل استعمال ہوتی ہے) اور خط نفی کے مخطوطے بھی (جن سے لفظ کا پہلا حرف بڑی شکل کا اور باقی چھوٹی شکل کے ہوں) عبادت کے وقت پڑھے جانے وعظ و نصیحت کے خطبوں کے مجموعے، بردی (پاپیروس کاغذ) پر لکھے ہوئے مخطوطے مختصر اقتباسات جو برتنوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں پر درج ہوں طلسمات (یعنی تعویذ کے طور پر لکھی ہوئی عبارتیں اور بلآخر (انجیلوں کی عبارت کے) وہ مختلف اقتباسات جو پرانے مؤلفوں کی کتابوں میں نقل ہوئے ہیں اور جن (اقتباسات) کی

Marfat.com

صحت کی تحقیق بھی کرنی ہوتی ہے۔ یہ عظیم الشان انبار اتنا ہے کہ کسی بھی قدیم کتاب کے متعلق (کبھی) جمع نہیں ہوا۔ ان میں مندرج عبارتوں کے توازن و تقابل سے کوئی دو لاکھ اختلافات روایت ملے ہیں۔ ان اختلافوں کی اکثریت غیر اہم ہے۔ مثلاً املا کا فرق، یا سہوِ قلم ویسٹ کاٹ West Cott اور ہورٹ Hort، نے جو یہ تعداد بیان کرتے ہیں دیکھا تھا کہ (انجیلوں کے) متن کا ۸/۷ حصہ صحیح ہے اور اہم اختلافات صرف ایک بہت چھوٹے حصے کے متعلق ہیں، مگر ہیں ضرور مثلاً ......" (روبیر Robert اور فوئیے Feuillet کی مشترکہ نگرانی میں تالیف شدہ فرانسیسی کتاب "بائبل کی تمہید Introduction Ala Bible طبع دوم ۱۹۵۹ء جلد اول صفحہ ۱۱۱ کے ناشر دیکھیے Desclee کمپنی)

ہم نے من و عن ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ لکھا ہے کہ انجیل کے متن میں جو دو لاکھ اختلافات روایت ملے ہیں ان کا صرف بہت چھوٹا حصہ یعنی ۱/۸ اہمیت رکھتا ہے۔ اس ۱/۸ کے معنے ہیں کہ دو لاکھ میں سے پچیس ہزار اختلافات اہمیت کے حامل ہیں۔

اس زمانے میں فلسطین رومی سلطنت کا جزء تھا۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض حواری تبلیغ کے لیے روما گئے اور وہاں رہ گئے۔ مقصد میں کامیابی کی رفتار بے حد سست رہی۔ آخر تین سو سال بعد وہاں کا ایک بادشاہ قسطنطین اس مذہب کو قبول کرتا ہے اور پایہ تخت کو بدل کر بیزنطہ چلا جاتا ہے جسے وہ قسطنطنیہ نام دیتا ہے۔ اس سے تبلیغ میں سہولت تو ہوئی لیکن جس خون خرابے کے ساتھ سارے یورپ کو عیسائی بنایا گیا وہ تاریخ مذاہب کی سب سے بڑی ہولناک داستان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی ڈیڑھ ہزار سال بعد جب یہ فرنگی امیر کا پہنچے تو وہاں کے لاکھوں بلکہ کروڑوں سرخ فام اصلی باشندوں کو نصرانی بننے سے انکار پر اس بے رحمی سے قتل کیا کہ اس کی تاریخ عالم میں نظیر نہیں ملتی۔ ان پرتگالی، انگریزی اور فرانسیسی لوگوں کی اسی زمانہ میں ہندوستان آمد بھی شروع ہوئی۔ یہاں طاقتور مغلیہ سلطنت موجود تھی۔ اس لیے امیرکا کے برخلاف ان کو یہاں حکومت بڑی دیر سے ملی۔ جو بات یاد دلانی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت عیسائیوں کے ہاتھ میں ہو یا نہ ہو، عیسائی مشنری اپنے ہم مذہب لوگوں کی مالی مدد سے ساری دنیا میں پھیل جاتے ہیں، نہ قطب شمالی کا برفانی علاقہ ان کو پست ہمت کرتا ہے اور نہ خط استواء کی جھلسانے والی گرمی سے وہ ڈرتے ہیں۔ تبلیغ کے لیے انسانی ذہن میں آنے والی کوئی تدبیر ایسی نہیں جو وہ استعمال نہ کرتے ہوں۔ اسلام کو تو اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈر ہوتا ہے تو صرف اس سے کہ مسلمان اپنے

دین سے ناواقف ہو یا مفلس ہو (کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرما چکے ہیں کہ "کادالفقر أن یکون کفرا" اور مفلسوں میں ارتداد ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔"

دیگر مذاہب

غیر مسیحی دینوں میں سے یہودیت اور ہندومت میں تبلیغ نہیں ہے۔ اُدھر سے کوئی خدشہ نہیں (مگر ان میں اسلام کی تبلیغ بہرحال ایک فریضہ رہتا ہے۔) تبلیغی دینوں میں سے بدھ مت اور کمیونزم (اشتراکیت) زمانۂ حال میں اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔ خاص کر آخرالذکر۔ مدرسۂ محمدی کو بدھ مت سے غفلت نہیں کرنی چاہیے کہ وہ ہمسایہ ملک سری لنکا میں حکمران ہے اور اس کے مبلغ قبل مسیح بھی یونان جاتے رہے ہیں۔

اس بات پر اس ذکر کو ختم کرتا ہوں کہ اگر فرنگی مشنری اسلامی بستیوں میں پھیل گئے ہیں تو ہمارے زمانہ میں مسلمان مبلغ بھی فرنگی ممالک میں روز افزوں نظر آنے لگے ہیں، یورپ ہو کہ امیرکا یا آسٹریلیا اور دیکھتے کے دیکھتے لاکھوں لوگ وہاں مسلمان ہو گئے ہیں اور ان ملکوں کی زبانوں میں اسلام پر کتابیں خود مسلمان لکھنے لگے ہیں، جن کا معیار روز افزوں بلند ہونے لگا ہے۔ نومسلموں میں اہل علم کی کمی نہیں ہے اس لیے جلد ہی یہ نومسلم بھی کتابیں اور مقالے لکھنے لگتے ہیں۔

عرب اور ہند کے تعلقات

اسلام کا آغاز عرب سے ہوا، اور مدرسۂ محمدی ہندوستان میں ہے مگر دونوں ہیں ہمسایہ ملک۔ ان کے تعلقات کی تاریخ بہت دلچسپ ہے۔

رقبہ میں دونوں ہیں تقریباً مساوی، لیکن مصلحت الٰہی نے ہندوستان کو سرسبز و شاداب بنایا تو عرب کو صحراؤں سے پٹا ہوا ریگستان۔ عربوں کی صلاحیتوں سے مؤرخ کو حیرت ہوتی ہے۔ ان کے ہاں اسلام سے قبل چوطرف بہ کثرت سالانہ تجارتی میلے لگا کرتے تھے۔ جن میں بیرونی ممالک کے تاجر بھی آیا کرتے تھے۔ عربوں نے اپنی فراست سے یہ کیا تھا کہ ہر علاقہ کا میلہ ایک الگ زمانے میں ہو اور یکے بعد دیگرے ہوں تاکہ تاجروں کو سال بھر کاروبار کا موقع رہے۔ اس موضوع پر مشہور عرب مؤرخ ابن الکلبی نے "اسواق العرب" کے نام سے ایک اہم اور مفید کتاب بھی لکھی تھی۔ اس کے جو اجزا ہم تک پہنچے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی عرب

Marfat.com

کے خیبر اور دومۃ الجندل کے میلوں کے بعد تاجر مشرقی عرب کے شہر المشقر (یعنی جدید الھفوف) کو آتے جہاں جمادی الآخرہ میں پورا ایک مہینہ میلہ لگتا اور وہاں سمندر پار کے ایرانی بھی آتے۔ جب وہ ختم ہوتا تو لوگ، مزید جنوب میں بیس دن کا سفر کر کے عمان کے شہر صحار کو آتے اور وہاں پانچ دن میلہ لگتا۔ اس کے بعد اس کی ہمسایہ بستی دَبا میں میلہ لگتا۔ یہ عرب کی دو سب سے بڑی بندرگاہوں میں سے ایک ہے۔ اس میں سندھ اور ہند ہی نہیں چین کے بھی تاجر آتے اور اہل مشرق بھی اہل مغرب بھی۔ اس کے بعد عرب کے جنوب، پھر مغرب اور آخر میں شمال میں میلے لگتے۔ جنوب میں عدن کے میلے میں لوگ خاص کر عطر خریدنے کے لیے آتے تھے۔ (دیکھو ابن حبیب کی المحبر اور المرزوقی کی الازمنہ والامکنہ)

ہم نے دیکھا کہ دَبا کے میلے میں سندھ اور ہندوستان کے تاجروں کی شرکت کا صراحت سے ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ عرب تاجر خود بھی سندھ کو اپنا سامان بیچنے اور وہاں کا سامان خریدنے کے لیے جایا کرتے ہوں۔ اسی قصے میں چینیوں کا ذکر ہے۔ وہ غالباً ریشم اور چینی کے برتن وغیرہ لاتے ہوں۔ یہ مشہور حدیث کہ "اطلبوا العلم ولو بالصین" (طلب علم کرو چاہے وہ چین جیسے دور دراز ملک ہی میں کیوں نہ ہو) شاید اسی کے باعث فرمائی گئی ہو۔ مسند احمد بن حنبل (۴/۲۰۶ تا ۲۰۷) سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مشرقی عرب کے ان میلوں میں بغرض وقت شریک ہوا کرتے تھے۔ جو ممکن ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں ہو۔ اور جس طرح بی بی کا سامان لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلسطین اور یمن کو گئے تھے، اسی طرح مُشقر صُحار اور دَبا بھی گئے ہوں۔ مسند ابن حنبل میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی کے مطابق قبیلہ عبدالقیس کا وفد غالباً (۷ھ میں) اپنے اسلام کے اعلان کے لیے مدینہ آیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اس کے ملک کے متعلق متعدد سوال کیے تو اسے حیرت ہوئی۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے ملک اور وہاں کے سامان سے خوب واقف ہوں۔ اور میں اس کے شہر مُشقر کو جا کر اس کے دروازے کی چابی بھی لے چکا ہوں۔ دوسری روایت میں ابن حنبل لکھتے ہیں کہ قبیلہ عبدالقیس کے وفد کے سردار الاشج کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ پر بہت اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور اس کے ملک کے مقامات الصفا، المشقر اور دیگر دیہات کے حالات پوچھے تو الاشج ؓ نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، ہمارے ہاں کے

Marfat.com

دیہات سے آپ خود ہم سے زیادہ واقف نظر آتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے ملک کو روندا ہے۔ اور وہاں بہت دن رہا ہوں اور یہ کہ میں وہاں کے زارہ نامی چشمے کے سامنے بھی ٹھیرا ہوں۔ (راقم الحروف گنہ گار کو بھی اس چشمے کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی ہے) پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وفد کو ڈانبر سے لپٹے ہوئے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ (ڈانبر کے ذکر سے حیرت نہ ہو کہ اس علاقہ سے آج کل پیٹرول نکالا جاتا ہے۔ اور یہ قبل اسلام سے وہاں معروف ہے۔ توریت کی تفسیروں میں لکھا ہے کہ مصر جانے والے جن عرب تاجروں کے ہاتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بچوں نے اپنے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ ڈالا تھا وہ عام طور پر ڈانبر لے جایا کرتے تھے۔ لیکن اس دفعہ اللہ نے یہ کیا کہ وہ عطر لے جائیں تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تکلیف نہ ہو۔ اور پرمیلوں میں ان دونوں چیزوں کا ذکر آتا ہے۔)

اسلام کے آغاز پر بھی سیرت نبویہ میں ہندوستان کا ذکر آتا ہے۔ جب ہجرت سے بھی قبل شق القمر کا معجزہ وقوع میں آیا تو حیرت نہ ہو کہ وہ آس پاس کے ملکوں میں بھی نظر آیا ہو۔ غالباً یہ چودھویں رات کا چاند تھا۔ اگر مکہ میں رات کے دس بجے ہوں تو ملیبار میں رات کے بارہ بجے ہوں گے۔ کہتے ہیں ملیبار کے راجہ چکروتی فرماس نے اس وقت کسی ضرورت سے آسمان پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ وزیر نے بتایا کہ شاہی خزانے میں پرانے راجاؤں کی چھوڑی ہوئی کچھ راز کی چیزیں ہیں۔ شاید ان میں اس کا ذکر ہو۔ اور واقعی ایسا ہی تھا۔ ان کو پڑھ کر راجہ اپنے ولی عہد بیٹے کو نائب السلطنت بنا کر خود مکہ آتا ہے اور مسلمان ہو جاتا ہے۔ رسولؐ اللہ نے اسے حکم دیا کہ واپس جا کر اپنے وطن میں اسلام کی تبلیغ کرو۔ واپسی کے سفر میں جب وہ یمن پہنچا تو بیمار ہو کر فوت ہو گیا اور اس کی قبر وہاں صدیوں تک زیارت گاہ رہی اور ہندوستان کے بادشاہ کی قبر کے نام سے مشہور تھی۔

ایک اور واقعہ شاید ۹ھ کا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن الولید کو تبلیغ کے لیے یمن بھیجا۔ انہیں اس میں کافی کامیابی ہوئی۔ اس کی اطلاع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم بھیجا کہ واپس آؤ اور اپنے ساتھ کچھ مقامی نومسلموں کو بھی لاؤ۔ جب قافلہ مدینہ پہنچا تو دور سے ان کو دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانیوں جیسے نظر آتے ہیں۔" (سیرۃ ابن ہشام ص ۹۶۰)

Marfat.com

شاید اسی کے لگ بھگ زمانہ کا واقعہ ہے جس کا ذکر بعد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسولؐ اللہ نے ہم سے کہہ رکھا ہے کہ مسلمانوں کی اہل ہند سے جنگ ہوگی۔ اس میں حصہ لینے والوں کی بڑی فضیلت ہے۔ اگر میں اس میں قتل ہو جاؤں تو خیر الشہداء سے ہوں گا۔'' (ابن حنبل ج ۲/۲۳۹' نمبر ۷۱۲۸)

غلام علی آزاد بلگرامی مشہور عالم گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک پوری کتاب ہی تالیف کر دی ہے: ''شمامۃ العنبر فی ماوَرَدَ عن الھند عن سید البشر' اس میں ایک پیاری حدیث بھی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ہندوستان سے خوش گوار ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں۔ (عزیزو اس کا مصداق بننے کی کوشش کرتے رہو)

عہد رسالت کے بعد جلدی ہی حضرت عمرؓ کی خلافت میں سندھ کے بحری ڈاکو مسلمانوں کو ستانے لگے۔ اس پر انہوںؓ نے عُمان سے ایک بحری فوج بھیجی جس نے سزا دیتے ہوئے کچھ ساحلی علاقے پر بھی قبضہ کر لیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مکرر جنگوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں واحد توسیع مملکت ہندوستان میں ہوئی بیان کی جاتی ہے۔ (فتوح البلدان از قدامہ بن جعفر وغیرہ)

عہدِ صحابہ میں مغربی ساحل پر مسلمان آئے ہوں گے لیکن اب اس کے کوئی آثار باقی نہیں ہیں۔ البتہ مشرقی ساحل (کارومنڈل) پر مدراس کے قریب کولم میں حضرت تمیم انصاریؓ کا اور محمود بندر میں حضرت عکاشہؓ کا مزار آج تک پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے کوئی مزید حالات نہیں ملتے۔ کہ آیا وہ یہاں فوت بھی ہوئے یا محض یہاں آئے اور اس کے یادگار کا مقام صرف مزار ہی نہیں مرقد بھی بن گیا۔ مغربی ساحل (ملیبار) میں حضرت مالک بن دینارؒ کی، جو تابعی کہے جاتے ہیں، کئی مسجدیں اب تک موجود ہیں۔

جلد ہی محمد بن قاسم کی علم پرور گورنری آئی۔ اس کے متعلق مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس کے حُسن انتظام سے مقامی لوگ اتنے گرویدہ ہو گئے کہ جب اس کی وفات ہوئی تو اس کا ایک بت بنا کر ہندو اس کی پوجا کرنے لگے۔ یقیناً اس زمانے میں اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اسلام بھی خوب پھیلا ہوگا اور اسلامی تعلیم پر بھی توجہ ہوئی ہوگی۔

علمی سرگرمی کا ثبوت تیسری صدی ہجری سے ملنے لگتا ہے۔ چنانچہ ابو جعفر الدیبلی نے (جو معلوم ہوتا ہے کہ سندھ ہی میں پیدا ہوئے تھے) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ گورنر یمن کی

Marfat.com

ایک تالیف کی، جو مکتوبات نبویؐ کے ایک مجموعہ کے متعلق ہے، روایت کیا کرتے تھے اور یہ تا حال محفوظ ہے (اور ابن طولون کی کتاب اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین میں بطور ضمیمہ موجود و مطبوع ہے)

چوتھی صدی ہجری میں سندھ ہی میں ایک بڑے محدث ملتے ہیں جن کے حالات اب تک نہ مل سکے۔ صحابہ کرامؓ سے نہ صرف حدیثوں کی روایت فرماتے تھے بلکہ ان میں سے بہتوں نے اپنی معلومات حدیث کے کم یا زیادہ حصے کو تحریری صورت بھی دے دی تھی۔ ہمارے ہمعصر فاضل محمد مصطفیٰ الاعظمی کو ایسی کوئی پچاس مثالیں ملی ہیں۔ بعض صحابہ کسی شاگرد کو ایک پورے کا پورا رسالہ لکھ دیتے یا لکھوا دیتے تھے اور یہ شاگرد رشید اس کی ایک مستقبل کتاب کے طور پر ''اشاعت'' کرتے اور وہ کتاب نسلاً بعد نسل نقل ہوتی رہتی۔ ایسی ایک کتاب ''صحیفۂ ہمام بن منبہ'' جو حضرت ابو ہریرہؓ کی تالیف ہے، میں شائع بھی کر چکا ہوں۔ ایک متاخر مؤلف ابوالخیر احمد بن اسماعیل القزوینی نے ایسے مجموعوں کو یکجا کر کے " السرد والفرد عن صحائف الاخبار و نسخها المنقوله من سيد المرسلين " کے نام سے شائع کیا۔ اس میں بشمولہ صحیفۂ ہمام بن منبہ گیارہ رسالے ہیں۔ اس کا واحد مخطوطہ ترکی میں ملا ہے۔

ان چار کے تحفظ کا سہرا ایک ابو محمد عبداللہ بن محمد بن زیاد الہندی کے سر ہے۔ انہوں نے صحیفۂ ہمام بن منبہ کا درس ماہ رجب ۳۶۶ھ میں دیا تھا۔ اسناد سے نظر آتا ہے کہ ان کے استاد ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بن شیرویہ المدینی تھے تو ان کے شاگرد اور کتاب کو زندہ رکھنے والے ابوسعد عبدالرحمن بن حمدان النصروی تھے جو ۴۲۵ھ میں بھی زندہ اور تدریسی کام میں مشغول تھے۔ دوسرا رسالہ صحیفۂ کلثوم عن عطاء عن ابی ہریرہؓ ہے۔ تیسرا رسالہ جو انہوں نے محفوظ رکھا وہ صحیفۂ عبدالرزاق ہے کہ وہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی تالیف ہے۔ چوتھا رسالہ جو زیر بحث مجموعے میں ہے وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تالیف ہے اور صحیفۂ عبدالرزاق عن معمر عن الزہری عن سالم بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ سے موسوم ہے۔

نمونے کے لیے یہ مثالیں کافی ہیں، ورنہ انساب سمعانی، نیز مسعودی، ذہبی، ابن حجر، سیوطی وغیرہ کی کتابوں سے ہمالیہ تلے کے برِاعظم کے پرانے مسلمانوں کی علمی سرگرمی کے متعلق مزید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

Marfat.com

اسلامی مدرسے

معلموں اور مدرسوں کو فخر ہونا چاہیے کہ خاتم الانبیاء علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "بعثت معلما" (میری بعثت ہوئی ہے تعلیم دینے کے لیے) شاید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور احکام کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں شروع سے مرد ہو کہ عورت' سب میں علم کے سیکھنے اور سکھانے کا چرچا رہا ہے۔ ہجرت سے بھی قبل' آغازِ اسلام کے زمانے کا واقعہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے: ''جب کبھی قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اولاً مرد صحابہؓ کے اجتماع میں سناتے پھر اسی کو عورت صحابہؓ کے سامنے دہراتے۔ اور اس کے بعد اپنے کسی کاتب کو بلا کر املا کراتے۔ اس کے اختتام پر کاتب سے کہتے کہ پڑھ کر سناؤ کہ کیا لکھا ہے؟ تا کہ کتابت کی کوئی غلطی ہوئی ہو تو فوراً اس کی اصلاح کریں۔ بعدازاں اس کی نقلیں کراتے کہ ہر مسلمان کے گھر میں قرآن رہے۔

ان تفصیلوں میں صراحت ہے کہ مرد کی طرح عورت کی تعلیم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شروع سے عزیز رہی ہے۔

ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد نبوی کی تعمیر کی اور اس کا ایک حصہ رہائشی مدرسہ بنایا گیا جسے صُفّہ کا نام دیا گیا۔ پھر ہر محلے میں مدرسے بنے جو وہاں کی مسجد میں ہوتے تھے۔ ان میں مبتدیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے سے لے کر اعلیٰ تعلیم دی جاتی۔ جس میں گویا تفسیر' حدیث اور فقہ کے درس دیئے جاتے اور قرآن حفظ کرایا جاتا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرصت کے وقت اوروں کے ساتھ اس کام میں حصہ لیتے۔ اس کا سلسلہ ہر زمانے میں جاری رہا ہے۔

ایک حدیث میں کیا اچھی تعلیم دی گئی ہے الکلمة الحکمة ضالة المؤمن أینما وجدھا اخذھا (ترمذی وغیرہ) یعنی حکمت انگیز بات مسلمان کی کھوئی ہوئی جائیداد ہے۔ اسے جہاں بھی پاتا ہے' لے لیتا ہے۔ اس میں اس کا بالکل امتیاز نہیں کہ وہ مسلمان کے پاس ہے یا غیر مسلم کے پاس۔ اس حدیث سے بھی سب واقف ہوں گے کہ اطلبوا العلم ولو بالصین علم سیکھو چاہے چین ہی میں ہو۔ ایک ذہین محدث نے "جواز المعلّم المشرک" کے عنوان سے سیرت النبیؐ کا یہ مشہور واقعہ درج کیا ہے کہ غزوہ بدر میں گرفتار شدہ قیدیوں میں سے جو پڑھے لکھے تھے ان کو رہا کرنے کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ ان میں سے ہر ایک دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا

Marfat.com

پڑھنا سکھائے۔ قرآن مجید میں اللہ فرماتا ہے کہ ''تلک الایام نداولھا بین الناس'' (یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں میں گردش دیتے رہتے ہیں) ان پڑھ اُمّی عربوں میں ابتداءً کوئی علم نہیں پایا جاتا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد مثلاً انہوں نے یونانیوں سے علم طب اور ہندوؤں سے علم ہیئت کو سیکھا پھر اس میں اتنی ترقی دی کہ مسلمان ابی سینا کی طبی کتابیں صدیوں یوروپ کی درس گاہوں کے نصاب میں شامل رہیں اور آج بیسویں صدی میں بھی بیسیوں ستاروں کے نام فرنگی زبانوں میں عربی ہی میں برقرار ہیں۔

امریکی فیلسوف ایمرسن نے کیا خوب کہا ہے کہ کسی قوم کی زندگی کا معیار یہ ہے کہ اس کے کام اور اس کے ادارے نسلاً بعد نسل جاری رہیں۔ آج ہم مدرسہ محمدی کے افتتاح کا صد سالہ جشن منا رہے ہیں' جو شاید اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم میں زندگی کے اب بھی کچھ نہ کچھ آثار باقی ہیں۔ الحمد للہ! ایک اور معیار شاید یہ بھی ہے کہ کسی گروہ کے افراد میں تعاون ہو اور توجہ مقصد پر ہو' نہ کہ افراد پر' ''ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت'' سے گریز کیا جائے ورنہ تشتت سے استواری اور ترقی فوت ہو جاتی ہے۔

عہد نبویؐ سے لے کر آج تک ہر اسلامی بستی میں چھوٹے بڑے مدرسے نظر آتے ہیں۔ جنگوں کی تباہ کاریوں کا ان پر بھی اثر پڑتا رہا ہے۔ ہندوستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہاں عظیم الشان مغلیہ سلطنت صدیوں کارفرما رہی۔ پھر انگریز' فرانسیسی اور پرتگالی نمودار ہوئے۔ اقتدار کی چاہت میں ان میں آپس میں جنگیں بھی رہیں لیکن ایک چیز ان سب فرنگیوں میں مشترک تھی اور وہ یہ کہ عیسائی مذہب کی اشاعت ہو۔ اور اس سے دلچسپی ان کی حکومتیں بھی لیتی رہیں۔ عوام اور خاص کر تجارتی کمپنیاں بھی۔ فرنگیوں کی آپس کی جنگ میں ہمارے ملک میں ۱۲۷۳ھ۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کا بول بالا ہوا ایک طرف مغلیہ بادشاہت برخاست ہوگئی اور مغل بادشاہ انگریزی قیدی کی حیثیت سے جلاوطنی میں فوت ہوا۔ دوسری طرف پرتگالیوں کو گوا پر' اور فرانسیسیوں کو پانڈیچیری اور چند دیگر چھوٹی بستیوں پر قناعت کرنی پڑی اور ایک طرح امن و امان قائم ہو گیا۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ یہ امن سیاسی تھا' مذہبی نہیں' نئے حاکموں نے مسلمانوں کے اوقاف کو جن سے اسلامی مدرسے چلتے تھے بہ کثرت ضبط کیا اور مسلمانوں کے علماء میں سے بہتوں کو قتل کیا اور سمندر پار جلاوطن کر کے ان کو ان کے طلبہ سے منقطع کر دیا۔

Marfat.com

ایک طرف مسلمانوں کے آزاد مدرسے جن میں اسلامی دین اور ثقافت کی تعلیم دی جاتی تھی بند ہو گئے۔ دوسری طرف حکومت نے عوام کی تعلیم کے لیے سرکاری مدرسے کھولے جن میں دنیوی علوم تو سکھائے جاتے تھے لیکن اہل ملک کے دین کو اس میں کوئی جگہ نہ تھی اور یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ مذہبی معاملات میں بالکل کورے ہوتے تھے۔ خوش قسمتی کہیے کہ انگریزوں نے اپنے تجربوں کے باعث ہی سہی دین کو نصاب تعلیم سے خارج رکھا۔ یہ نہیں کیا کہ اپنے دین یعنی نصرانیت کی تعلیم کو نصاب کا جزء بنائیں۔ اس طرح بچے گھروں میں آباواجداد کی روایتوں کو کچھ نہ کچھ سیکھتے رہے۔ پیری مریدی بھی ایک اچھی چیز تھی اور اس نے بھی مسلمانوں میں احکامِ دین' نماز' روزے وغیرہ پر عمل کو مستحکم رکھا۔

لیکن فرنگی سیاست سے ایک نئی مصیبت پیش آئی اور وہ ملک کی زبان کا بدلنا تھا۔ انگریزی زبان ذریعۂ تعلیم بنائی گئی اور نظم ونسق' عدالت ہر جگہ اسی زبان میں کام کرنا پڑا۔ اس عملدرآمد کے معنے یہ تھے کہ ہزار سال سے نسلاً بعد نسلٍ علماء نے ملک کی زبان میں جو کچھ لکھا تھا وہ آناً فاناً نئی نسل کی دسترس سے باہر ہو گیا اور قلمی کتابیں کسمپرسی میں آکر رفتہ رفتہ برباد ہو گئیں اور ملک کی نئی سرکاری وعلمی زبان یعنی انگریزی میں اہل ملک خاص کر مسلمانوں کے دین پر کچھ بھی مواد نہ تھا اور اگر تھا بھی تو وہ اسلام دشمن مؤلفوں کی خودساختہ باتوں اور کذب وافتراء سے مملو مواد تھا۔

انگریزی حکومت نے سرکاری مدرسوں سے دینی تعلیم کو تو خارج رکھا لیکن براہ راست نہ سہی بالواسطہ عیسائی مذہب کی تعلیم کی بڑی سرپرستی کی۔ وہ یہ کہ متوازی تعلیم گاہیں قائم کیں۔ جیسے مشنری اسکول' کرسچین کالج وغیرہ ان میں سرکاری مدارس کے نصاب کی بھی تعلیم ہوتی تھی اور عیسائی مذہب کی تعلیم بھی سارے طلبہ کے لیے لازمی ہوتی تھی چاہے ان کا اپنا مذہب کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔

سارے براعظم یوروپ کے عیسائی مل کر بھی فلسطین کے مٹھی بھر مسلمانوں سے حروب صلیبیہ میں مقابلہ نہ کر سکے' کئی سو سال کی کوشش کے بعد رفتہ رفتہ' انہوں نے اسپین سے مسلمانوں کو نکالا' لیکن ان کو عیسائی نہ بنا سکے۔ ان فرنگیوں میں نشاۃِ ثانیہ کا زمانہ آیا تو علوم وفنون میں بھی ترقی کرنے لگے۔ امیرکا پر قبضہ کے باعث ہمتیں بڑھ گئی تھیں۔ جاوا (انڈونیشیا) کے بعد ایک دوسرا بڑا اسلامی ملک ہندوستان رفتہ رفتہ قبضہ میں آیا تو ان کی خوشی کے کیا کہنے۔ سارے یوروپ سے

Marfat.com

فاضل ترین عیسائی لوگوں کو انگریزوں نے بلایا۔ کہ ہندوستان آ کر مسلمانوں میں تبلیغ نصرانیت کی کوشش کرو (اشپرنگر وغیرہ اسی سلسلہ میں آئے تھے) ولیم میور وغیرہ انگریزی گورنر بھی بڑے عالم اور تبلیغ کے دھنی تھے۔ نئی نئی تدبیروں کو آزمایا جانے لگا۔

اللہ نے رحم کیا اور اس خطرناک صورت حال میں جب دشمن کے پاس حکومت بھی آ گئی اور اس کے ہاں پیسے بھی تھے' کچھ رخنے بھی پیدا کیے۔ وہ یہ کہ فرنگیوں کا قبضہ سارے براعظم ہند پر نہیں ہوا بلکہ کوئی ایک چوتھائی ملک میں دیسی ریاستیں برقرار رہیں۔ جن میں بہت سی مسلمان بھی تھیں مثلاً حیدرآباد' بھوپال' رامپور' بہاولپور' جوناگڑھ' آرکاٹ وغیرہ۔ ان میں مسلمانوں پر دینی ضغط کم رہا اور اسلامی ریاستوں میں تو اسلامی تعلیم جاری بھی رہی۔ ترقی پذیر بھی۔ ہندو مذہب میں چوں کہ تبلیغ نہیں ہے۔ اس لیے اس طرف سے امن سا تھا۔

آرکاٹ کی ریاست کو انگریزوں نے برخاست تو کر دیا لیکن حکمران خانوادے کو برقرار رکھا۔ جس کو ملک میں کچھ نہ کچھ اخلاقی اثر و رسوخ حاصل رہا۔ ان نوابوں نے آرکاٹ شہر کو چھوڑ کر مدراس میں سکونت اختیار کی جہاں مدرسۂ اعظم وغیرہ ان کی علم پروری کی یادگار ہیں۔ ریاست کے برخاست ہونے سے قبل آئندہ قائم ہونے والے مدرسہ محمدی کے بانیوں کے آباء و اجداد اس ریاست میں عظیم بلکہ موروثی نفوذ رکھتے تھے۔ ریاست کے دیوان (وزیراعظم) اور ریاست کے قاضی وغیرہ اسی خاندان سے ہوا کرتے تھے۔ مدراس کے محلہ رائی پیٹھ میں ''دیوان صاحب کا باغ'' اسی کی یادگار ہے۔ اور اب تک باقی ہے۔ اس خاندان کے علم و فضل کی شہرت ارکاٹ اور مدراس سے گزر کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بین الاقوامی ہو گئی تھی۔

کیوں کہ قاضی بدرالدولہ کے ایک فرزند مفتی محمد سعید کو (جن کو ''خان'' کا خطاب بھی ملا تھا) سلطنت آصفیہ کی دعوت آئی اور وہ حیدرآباد چلے گئے۔

یوروپ سے تماس

ایک زمانے میں علم کے شوق میں فرنگی لوگ اسلامی اندلس وغیرہ جایا کرتے تھے۔ اس کے باعث یوروپ میں نشاۃ ثانیہ ہوئی تو مشرق' خاص کر مغلیہ ہندوستان کی دولت و ثروت کے افسانے سن کر سفارتیں اور تبلیغی مشنری آنے لگے۔ اس طرح ہندوستان کے بحری راستے کی تلاش میں اولاً امیر کا ہاتھ آیا۔ پھر ہندوستان پہنچے تو یہاں کی افراتفری اور خانہ جنگیوں سے بھی واقفیت

ہوئی۔ تجارتی کمپنیاں اور گروہ بھی ادھر متوجہ ہوئے اور من چلے یکے دکے افراد بھی۔ ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ اگر مثلاً دو فرانسیسی دو مختلف ریاستوں میں ملازم ہوں اور ان ریاستوں میں جنگ ہوئی تو ضمناً یہ فرانسیسی بھی آپس میں لڑ مریں۔ اسی طرح آج ہی نہیں اب سے سو دو سو سال پہلے بھی فرنگی آنے والے دیسی عورتوں سے' اور دیسی مرد فرنگی آئی ہوئی عورتوں سے شادیاں کریں۔ اس کی مثالیں حیدر آباد میں بھی ہیں۔ غالباً مدراس میں بھی۔

مغلیہ صوبۂ دکن ٹوٹا پھوٹا تو حیدر آباد اور میسور دو بڑی ریاستیں وجود میں آئیں۔ (مرہٹے ان کے علاوہ رہے) ان میں رقابت اور جنگ بھی ہوئی یہ دونوں اسلامی ریاستیں تھیں اور ان دونوں میں بہ کثرت فرانسیسی فوج میں بھرتی ہوئے۔ جب میسور کے حکمران ٹیپو سلطان کو ۱۷۹۹ء میں ایک جنگ میں شہادت نصیب ہوئی تو انگریزی اثر سے وہاں ایک ہندو ریاست جانشین ہوئی۔ اس سے ہم یہاں بحث نہیں کریں گے اور نہ آرکاٹ سے۔ حیدر آباد ایک بڑی ریاست تھی اس کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

اس سرزمین میں تلنگی' مرہٹی' کنٹری بولنے والے بستے تھے لیکن ابھی لسانی اساس کی قومیت وہاں وجود میں نہ آئی تھی۔ حکمران کے عدل و انصاف اور مذہبی رواداری سے سب خوش تھے۔ بارہا ہندو دیوان بنتے رہے' دیگر ملازمتوں میں بھی قابلیت کا لحاظ ہوتا۔ مذہب کا نہیں۔ بہرحال اس بڑی ریاست میں انگریز بھی آئے اور فرانسیسی بھی اور دونوں نے فوجی ملازمتیں کیں اور اس زمانے کے رواج کے مطابق فوج کی تنخواہ کا اطمینان دلانے کے لیے جاگیریں دی جاتی رہیں مثلاً فرانسیسیوں کو پانڈیچیری کا علاقہ دیا گیا تو انگریزوں کو اسحاق پٹم' بزاڑ وغیرہ۔ مرہٹوں سے ایک بار جنگ ہوئی تو انگریزوں نے دغا دی۔ اور ان کی پلٹنوں نے لڑنے سے انکار کیا۔ اس پر ۱۷۸۵ء میں ایک فرانسیسی افسر موسیو (یعنی مسٹر) ژواشین ماری رایموں Joachim Marie Raymond کی (جو ۱۷۵۵ء میں فرانس کے علاقہ ژرس میں پیدا ہوا تھا) سرکردگی میں پندرہ ہزار فرانسیسیوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا اور انگریز نکالے گئے۔ رایموں کا حیدر آباد ہی میں ۱۷۹۸ء میں انتقال ہوا اور سرور نگر میں اس کا شان دار مقبرہ اب تک باقی ہے۔ اس کے حالات ایک مستقل رسالے کے محتاج ہیں۔ اس کا برتاؤ اپنے ماتحتوں اور ہمسایہ اہل ملک سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت اچھا رہا۔ مسلمان اسے موسیٰ رحمو (یا موسیٰ رحیم) پکارتے تھے اور ہندوؤں میں وہ موسا

Marfat.com

رام کہلاتا تھا۔اب تک اسکا احترام دونوں میں ہے اور کہتے ہیں کہ سالانہ اس کا عرس بھی ہوتا ہے۔ دارالسلطنت حیدر آباد میں ان کے لیے ترُپ بازار کا محلہ مختص ہوا۔وہاں کے ترپ باغ اور جام باغ میں جہاں فرانسیسی فن تعمیر کا شاندار دو منزلہ مکان تا حال باقی ہے وہ کسی بڑے فرانسیسی فوجی افسر (اور ممکن ہے خود رایموں) کا مسکن رہا ہو۔

انگریزوں کے حیدر آباد سے نکلنے اور فرانسیسیوں کو رُسوخ حاصل ہونے کے بعد دوبارہ انگریزوں کا وہاں آنا اور فرانسیسیوں کا نکالا جانا بہ ظاہر یوروپ کے فرانس اور انگلستان کے باعث ہوا۔ان دونوں ملکوں میں جنگیں ہوئیں اور جب واٹرلو میں نپولین کو شکست ہوئی تو فرانس کو بہت سے علاقوں سے دستبردار ہونا پڑا اور اسی لیے ہندوستان میں جو علاقے فرانسیسیوں کے زیر اثر اور زیر نگرانی سمجھے جاتے تھے ان کا بڑا حصہ انگریزوں کے سپرد کرنا پڑا اور اس طرح انگریز مکرر حیدر آباد آسکے۔ چنانچہ ان کے لیے رزیڈنسی کا محلّہ مقرر ہوا اور سکندر آباد' بلا رام' الوال وغیرہ میں انگریزی پلٹنیں ''حیدر آباد کی حفاظت کے لیے'' رہنے لگیں۔پانڈیچیری پر انگریزوں نے قبضہ کرنا چاہا لیکن وہاں کے فرانسیسیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور وہ انہیں کے ہاتھ میں رہا۔مگر اس سے یہاں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔

البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب تک فرانسیسی شہر حیدر آباد میں رہے عزت وحرمت سے رہے۔فوجی نقطہ نظر سے ان کو توپیں بنانے کا کام سپرد ہوا اور شہر کے محلّہ ''توپ کا سانچہ'' اسی کی یادگار ہے اور اب تک اس کے کچھ آثار اور کھنڈر باقی ہیں۔

ترپ باغ اور جام باغ کے فرانسیسی مکان فرانسیسیوں کے شہر سے جانے کے بعد کن کے ہاتھ میں آئے معلوم نہیں۔لیکن بالآخر وہ ہمارے خاندان کے قبضے آئے اور کہتے ہیں کہ وہ ایک مارواڑی کے پاس گرو تھے۔اور اسی سے ان کو خریدا گیا۔

جب مفتی محمد سعید حیدر آباد آئے اور حیدر آباد کی عدالت عالیہ میں مفتی بنے تو انہوں نے دارالشفاء کے محلے میں ایک مکان خریدا اور وہیں رہنے لگے۔پھر ان کے بھائی حسین عطاء اللہ صاحب آئے تو وہ ترپ بازار میں رہے اور ترپ باغ اور جام باغ ان کے مسکن بنے۔پھر سب سے چھوٹے بھائی ابو محمد خلیل اللہ بھی حیدر آباد آئے تو وہ ترپ بازار کے قریب لعل منڈی میں مکان لے کر رہنے لگے جو حضرت حبیب علی شاہ کی درگاہ کے سامنے تا حال موجود ہے میں راقم

Marfat.com

الحروف وہیں پیدا ہوا۔ شاید میرے سارے بھائی بہن بھی وہیں پیدا ہوئے۔ والد صاحب مرحوم کو فنِ تعلیم سے بہت دلچسپی تھی اور بچوں کے لیے بہت سی کتابیں لکھیں جواب بھی کارآمد ہیں۔ میری بڑی بہن امۃ العزیز مرحومہ عربی کی ماہر بلکہ مجھ سے زیادہ عربی جانتی تھیں۔

سیاسی انقلاب سے ہمارا خاندان تتر بتر ہو گیا اور بہت سے لوگ حیدرآباد چلے آئے لیکن مدراس اور حیدرآباد کے اہل خاندان میں روابط بہت قریبی رہے برطانوی ہند سے الگ مستقل ریاست ہونے کے باوجود انگریزوں نے ویزا وغیرہ کی دشواریاں نہیں پیدا کیں۔ اگر میری دوسری بہن حبیبۃ الرحمن شادی کے بعد مدراس چلی گئیں اور وہیں بس گئیں۔ تو مدراس سے شرف الدولہ کے فرزند عبدالقادر صاحب ۱۲۹۹ھ میں حیدرآباد آئے اور حسین عطاء اللہ صاحب کی لڑکی امۃ القادر بدرالنساء بیگم سے نکاح کر کے حیدرآباد میں ہی بس گئے۔ مختصر مدت کے سفر دونوں سمتوں میں لاتعداد رہے اور الحمدللہ دونوں مقاموں پر عزت و آبرو سے رہے۔ اور پھلتے پھولتے رہے ایک زمانے میں مجھے سوجھی کہ خاندان کی مردم شماری کی جائے۔ جہاں تک یاد ہے تقریباً ایک ہزار مرد اور عورتیں درج ہوئی تھیں۔ یہ کاغذات غالباً بزم ادب میں محفوظ ہوں گے۔

قبل اس کے کہ مدرسہ محمدی مدراس کا ذکر کروں، یہ عرض کرتا چلوں کہ میں ۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء چہارشنبہ کی رات کو حیدرآباد میں پیدا ہوا۔

چار سال، چار مہینے اور چار دن کا ہوا تو ''بسم اللہ'' کی تقریب ہوئی جو تعلیم کا آغاز ہے۔ اس کے لیے سورۃ اقراء (القلم) کی ابتدائی پانچ آیتیں کوئی بزرگ آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں اور بچہ اُن کو لفظ بلفظ دہراتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ یہ والد صاحب مرحوم نے کیا تھا۔ لیکن یہ آیتیں مجھے پہلے سے زبانی یاد تھیں جیسے ہی والد صاحب مرحوم نے ان کو شروع کیا تو میں نے فرفر سب پڑھ ڈالیں اور انتظار نہ کیا کہ والد صاحب پڑھیں۔ اس پر بڑے بھائی اور دیگر رشتہ دار حاضرین نے مجھے ڈانٹا بھی تھا، کچھ عرصہ بعد مجھے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ گھر سے دور مشہور مدرسۂ دارالعلوم میں (جو چار مینار کے قریب تھا) شریک کرایا گیا۔ اردو مڈل (جماعت ششم) تک وہیں تعلیم ہوئی۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم بھی وہیں آتے تھے۔ پھر میں مدرسۂ نظامیہ بھیج دیا گیا تا کہ عربی پڑھوں۔ وہاں چند سال رہا پھر والد صاحب کی اطلاع کے بغیر مخفی طور پر صرف انگریزی کا امتحان دے کر میٹرک کامیاب کیا اور جامعہ عثمانیہ میں شعبہ دینیات میں شریک ہوا۔ وہیں سے بی اے کیا پھر بیک

Marfat.com

وقت ایم اے' اور ایل ایل بی بھی اس کے بعد امتحان میں اول آنے پر وظیفہ تحقیقات علمی ملا اور "اسلامی قانون بین الممالک" پر وہیں کام شروع کیا۔ پھر سفر حج کے بعد جب مجھے جامعہ بون (جرمنی) میں داخلہ مل گیا تو جامعہ عثمانیہ نے از راہِ نوازش اپنا وظیفہ تحقیقاتِ علمی جرمنی کے لیے منتقل کر دیا۔ وہاں نو ماہ میں ڈاکٹری کی ڈگری مل گئی۔ پھر انگلستان گیا لیکن وہاں تین سال کے قیام کا مطالبہ ہوا اور جرمنی کی ڈگری بے سود سمجھی گئی۔ تو فرانس گیا اور وہاں سال بھر کے بعد ایک اور ڈاکٹری کی ڈگری مل گئی۔ اس کے بعد ارادہ ہوا کہ روس جاؤں لیکن وظیفہ تحقیقات علمی ختم اور بند ہو جانے سے ایسا نہ کر سکا اور حیدرآباد واپس آ گیا۔ لینے کے لیے والد صاحب مرحوم بھی محبت سے ریل کے اسٹیشن پر آئے۔ ان کا گلے لگانا میں اب تک بھول نہ سکا۔ جلد ہی جامعہ عثمانیہ میں ملازمت مل گئی اور دینیات پھر شعبۂ قانون میں کام کرتا رہا' پھر آب و دانہ نے پارس پہنچایا اور اب چالیس سال سے وہیں ہوں۔

مدراس سے روابط کے سلسلے میں اتفاق کی بات ہے کہ میرا اولین مطبوعہ مضمون تھا "مدراس کی سیر" جو لاہور کے ہفتہ وار اخبار "نونہال" (جلد ۱/۵۔ ۱۹۲۳ء نمبر ۷۔ ۸) میں شائع ہوا تھا۔ پہلا انگریزی مضمون مدراس ہی کے انگریزی اخبار "ڈیلی ایکسپرس (فروری ۱۹۲۹ء) میں نکلا تھا اور عنوان تھا His Most Exalted Highness جو حکمران حیدرآباد کے متعلق تھا۔ عربی' فرانسیسی اور جرمن' ترکی وغیرہ میں میرا علمی کام یہاں بے محل ہے۔

جب تک حیدرآباد میں رہا بار بار ریل کے سفر سے مدراس جاتا رہا۔ وہاں مدرسہ محمدی' وجود میں آ چکا تھا۔ میں وہاں تعلیم کے لیے تو نہیں رہا لیکن وہاں کے بزرگ رشتہ داروں (مفتی محمود صاحب' قاضی عبید اللہ صاحب' منتظم مدرسہ عبدالرحمٰن صاحب اور دیگر شیوخ و اساتذہ سے ملتا اور فیض حاصل کرتا رہا۔ بعد کے سالوں میں وہاں کی علمی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتا رہا مثلاً وہاں ایک نمائش ثقافت اسلامی کی جس میں خاندان کے مقبوضہ نوادر نیز نادر قلمی کتابوں کو منظر عام پر لایا گیا اور عوام کو اس کا پہلی دفعہ علم ہو سکا۔ اب بھی یاد ہے کہ نادر سامان کو نمائش میں رکھنے کی بعض اہل خاندان نے سخت مخالفت بھی کی تھی۔

ملک کے دیگر فضلاء ڈاکٹر عبدالحق صاحب وغیرہ سے بھی اچھے روابط قائم ہو گئے۔

Marfat.com

مدرسہ محمدی

اللہ کا کتنا بھی شکر کریں کم ہے کہ اس نے ہمارے خاندان کے افراد پر گونا گوں عنایتیں فرمائیں نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی علم دوست رہیں اور خاص کر عورتیں بڑا ایثار کرتی رہیں جیسا کہ آگے عرض ہوگا۔

مدراس کے اہل خاندان کی بے لوث دینی اور علمی خدمتوں سے ملک کے مسلمانوں میں ان کا احترام رہا تو حیرت نہیں۔ لیکن غیر مسلم خاص کر ہندوؤں میں بھی ان کے متعلق اچھے تاثرات نظر آتے ہیں کیوں کہ مدرسہ محمدی جیسے خالص اسلامی ادارے کے چندہ دہندوں میں متعدد ہندو بھی نظر آتے ہیں۔ ایک متأخر زمانے میں مَیں نے دیکھا ہے کہ ہر نماز کے بعد جب لوگ مسجد سے باہر نکلتے تو بہت سی ہندو عورتیں اپنے (شاید بیمار) بچوں کو گود میں لاتیں تاکہ یہ نمازی ان پر پھونکیں (جس سے شفا کی توقع ہوتی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کے اہل خاندان اور وابستگان مدرسہ کا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ ایسا تھا کہ وہ ان کے کردار کے گرویدہ تھے۔

افتتاح

بہر حال عیسائی فرنگیوں کی تجارت سے گزر کر حکومت پر آ جانے، عیسائی مشنریوں کے سیلاب کے آنے اور خانہ جنگیوں اور انگریزی نفوذ کے باعث اہل خاندان کو مستقبل تاریک نظر آیا تو ایک طرف تو ہجرت کر کے ہمسایہ اسلامی ریاست حیدر آباد جانے کا خیال روز افزوں ہونے لگا۔ لیکن دوسری طرف مدراس میں رہنے والوں میں دوسروں پر بھروسا کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے کی جگہ اپنی آپ ممکنہ خدمت کرنے کا اسلامی جذبہ ترقی کرنے لگا۔ اہل خاندان میں دیوان (وزیر) نہ رہنے کے باوجود ہم مذہبوں کی خدمت کی تڑپ ایسی تھی کہ چند ماہ کی ابتدائی تیاریوں کے بعد ۲۶ رجب ۱۳۰۹ھ کو معراجِ نبویؐ کے مبارک دن ''محمود'' قاضی عبیداللہ، شرف الدولہ، حاجی ابو محمد اور احمد علی'' کے نام سے ایک عام دعوت نامہ تقسیم کیا گیا کہ مدرسۂ محمدی کے افتتاح میں شرکت کریں۔

کسی تعلیم گاہ کے لیے مدرس اور مکان دو محور اور اساسی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ تعلیم دینے کے لیے مفتی محمود اور قاضی عبیداللہ جو چوٹی کے اہل علم تھے، خاندان ہی میں مل گئے اور وہ رضا کارانہ

Marfat.com

خدمت کے لیے آمادہ ہو گئے۔ مکان کے لیے بھی اہل خاندان نے ایثار کیا اور نمونہ عمل پیش کیا۔ چنانچہ شرف الدولہ کی اہلیہ محترمہ نے اپنا مکان اور اطراف کی بہت سی زمین وقف کی اسی پر ضروری تعمیر ۱۲ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ سے شروع کرادی گئی۔ چار ماہ میں تکمیل کے بعد ۲۶ رجب ۱۳۰۹ھ کو افتتاح کی تقریب رکھی گئی۔ اس میں ملک کے بہت سے لوگ ذوق وشوق سے شریک ہوئے مثلاً اہل دین میں سے حضرت شاہ برہان الدین' اہل رسوخ میں سے نواب طرازش خان بلکہ خود نواب صاحب ارکاٹ مع صاحبزادگان تشریف لائے۔ افتتاح کے روز تیس طالب علم تھے۔ ختم سال تک اسی طلبہ ہو گئے۔

نصاب میں قرآن' حدیث' منطق' کلام' صرف ونحو' معانی کے علاوہ فقہ حنفی وفقہ شافعی ہردو' نیز اصول فقہ' فرائض' فارسی' حساب اور سیرت النبی کی تعلیم دی جانے لگی۔ یہ گویا مشہور درسِ نظامی ہی تھا۔ لکھنؤ سے مولانا بحرالعلوم مدراس آئے تھے اس لیے اس پر تعجب نہ ہو۔

ہفتہ وار بچوں کا امتحان لیا جاتا۔ ذہین اور محنتی بچوں کو انعام دیئے جاتے جن میں کاغذ' قلم بھی ہوتے اور کتابیں بھی۔ قرآن مجید کے حفظ پر شروع سے خاص توجہ رہی۔ ہر سال کئی حافظ نکلنے لگے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوتی پنجوقتہ نماز میں سب شریک رہتے۔ رمضان میں افطار اور تراویح کا بھی انتظام رہتا۔ ماہ ربیع الانور کے پہلے بارہ دن روزانہ جلسہ میلاد ہوتا۔ دیگر تقریبوں میں ربیع الثانی کی گیارہویں کو حضرت محبوب سبحانیؒ کا' محرم میں عاشورے کا' رجب میں معراج کا اور شعبان میں شب برأت کا جلسہ ہوتا اور بچوں کو اپنی تہذیب وتاریخ سے واقف کرایا جاتا۔ ہر ماہ دو مرتبہ وعظ بھی ہوتا۔

علمی تحقیق اور اعلیٰ درجے کے کام کے لیے کتب خانہ لابد ہے۔ مدرسے کے افتتاح کے ایک ہی سال بعد ایک کتب خانہ بھی مدرسہ کا جزو بن گیا۔ آغاز کہتے ہیں کہ (۴۷) کتابوں سے ہوا۔ نئی کتابیں بھی خریدی جاتیں۔ اہل علم تحفے بھی دیتے جن میں مطبوعہ ہی نہیں قلمی کتابیں بھی ہوتیں۔ اہل خاندان میں وزارت بھی رہی ہے۔ اس لیے تعجب نہ ہو کہ بہت سی قیمتی سیاسی دستاویزیں بھی گویا وراثت اور ترکے میں ملیں ان کی تدوین کا کام بعد میں ہوا۔ ان میں کچھ فرانسیسی چیزیں بھی ہیں۔

مالی پہلو سے دیکھیں تو لوگ رقمی چندے بھی دیتے' مکان یا زمین وقف بھی کرتے اور دیگر سامان' جانمازیں' گھڑیال وغیرہ بھی تحفہ دیتے۔ یہ امر نمایاں کیے جانے کے قابل ہے کہ پہلے سال کے (۱۰۶) معطیوں میں کوئی دو درجن عورتیں بھی ہیں۔ بعض مدراس کی اور بعض حیدرآباد کی۔ ایک راجہ ایشرداس کا نام بھی معطیوں کی فہرست میں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ صاحب اینٹ بنانے کا کارخانہ رکھتے تھے اور اہل خاندان سے نیک جذبات رکھتے تھے۔

مدرسہ محمدی نے جلدی ہی ملک میں وقعت حاصل کر لی اور نہ صرف انگریزی صوبہ مدراس میں' بلکہ دیگر صوبوں اور ریاست حیدرآباد وغیرہ میں بھی اس کی شہرت ہوگئی۔ چنانچہ مدرسے کے معاونین میں سے نہ صرف نواب صاحب آرکاٹ کے بلکہ سلطنت آصفیہ حیدرآباد کے عطیے بھی ہیں۔ جب ۱۹۴۸ء میں سلطنت آصفیہ پر حکومت ہند نے فوجی قبضہ کیا تو سلطنت آصفیہ کی جو امداد مدرسہ محمدی کو ملتی تھی وہ بند کر دی گئی۔

یہ مدرسہ شروع سے یہ کوشش کرتا رہا کہ خود اکتفا رہے۔ چنانچہ عطیوں کی مدد سے نفع آور وقف قائم کیے جاتے رہے۔ دینی کتابوں کی فروخت بھی شروع ہوئی۔ اہل خاندان مدرسے کا کام مفت اور رضا کارانہ کرتے۔ بیرونی اساتذہ کو تنخواہ پر مامور کیا جاتا۔

مدرسہ کا شعبہ افتاء شروع سے اہم رہا۔ انگریزی دور میں بھی اسے سرکاری طور پر اہل خاندان میں رکھا گیا۔ اور اب بھی صوبہ مدراس کا صدر قاضی انہیں میں سے ہے اور وہ گویا مدرسہ محمدی کا جزءِ لاینفک ہے۔

مدرسۂ محمدی سے وظائف ترغیبی بھی دیئے جاتے ہیں۔ مدرسہ کی شاخیں بھی کھولی جاتی رہی ہیں تاکہ ایک ہی جگہ بڑا ہجوم نہ ہو۔ اس کے باوجود ایک ہی سال میں ابتدائی مکان ناکافی ہوگئے اور توسیع کی ضرورت پیش آگئی۔ تعلیم و تربیت کی عمدگی کا نتیجہ تھا کہ کچھ ہی عرصہ بعد نواب عظیم جاہ کے بچے بھی تعلیم کے لیے اسی مدرسے میں آنے لگے۔

مدرسے سے متعلق ایک مطبع بھی کھولا گیا لیکن اس پر ارتکاز نہ ہونے سے اس نے ترقی نہ کی کہ ایک دینی دارالاشاعت فروغ پا سکتا۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کتب خانے کے نوادر سے حیدرآباد کے دائرۃ المعارف نے بارہا استفادہ کیا اور شاید اسی تقریب سے حکومت آصفیہ کی کچھ امداد بھی اس کے لیے مقرر ہوئی۔

مجھے خیال پڑتا ہے کہ حیدرآباد کے دیگر ادارے بھی اس کتب خانے سے استفادہ کرتے رہے۔
مثلاً ''نثر المرجان فی رسم الخط القرآن'' جو بزرگانِ خاندان ہی کی تالیف ہے۔ غالباً مدرسۂ نظامیہ حیدرآباد میں چھپی۔

اہل مدرسہ بے لوث خدمت کرتے رہے اور کبھی شہرت طلبی نہ کی اولین تقریب جس کا مجھے علم ہوا' وہ مدرسہ کے قیام کا پچاس سالہ جشن ہے جو ۱۳۵۸ھ میں منایا گیا۔ جب مفتی محمود صاحب کے فرزند بہاء الدین صاحب مدرسے کے معتمد اور خازن تھے۔ اور ایک چھوٹا سا رسالہ چھاپا گیا۔ پھر مزید پچیس سال تک خاموشی سے کام ہوتا رہا۔ پھر پچہتر ۷۵ سالہ جشن منایا گیا اور ایک مختصر رپورٹ بھی چھپی۔ یہ ۱۳۸۴ھ کی بات ہے۔

اس اثناء میں کچھ اور جشن بھی حسب امکان منائے گئے۔ ایک ۱۳۸۰ھ میں بزرگ خاندان حضرت قاضی بدرالدولہ قاضی الملک محمد صبغۃ اللہؒ کی وفات کا صد سالہ جلسۂ یادگار ہے۔ دوسری تقریب ۱۳۸۳ھ میں شمس الائمہ سرخسی کی وفات کی نو سو سالہ تقریب ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اہل خاندان سب شافعی مذہب کے ہیں لیکن وسیع القلب۔ چنانچہ حنفی مذہب کے امام کی تقریب میں بھی وہ ذوق وشوق سے حصہ لیتے ہیں۔ ۱۴۰۷ھ میں یوم شہداء بدر بھی منایا گیا۔

جس کتاب کا یہ حقیر مضمون جزء ہے۔ اس میں مدرسے کے متعلق دیگر حالات ملیں گے اور ہر مضمون دوسروں کی تکمیل کریگا۔

میں اس کو ختم اس پر کرتا ہوں کہ مدرسہ اور کیا کام کرسکتا ہے۔ مدراس کی عام مروج زبان ٹامل ہے۔ مدرسہ اب تک اردو میں تعلیم دیتا رہا۔ وسائل میسر ہوں تو اس کی ایک شاخ ٹامل میں قائم ہوسکتی ہے۔ جہاں عربی رسم الخط والی ''عرب ٹامل'' کا تحفظ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح مدرسے کا زبان حال' ایک ماہوار یا سہ ماہی رسالہ بھی ہو تو عرصے کی آرزو پوری ہو۔ اہل خاندان کے گھروں میں نجی کتب خانے بھی ہیں اور اندازہ ہے ان میں کچھ نہیں تو پچاس ہزار قلمی کتابیں ہوں گی۔ جہاں تک مجھے علم ہے ان کی مجموعی فہرست اب تک تیار نہیں ہوئی۔ اوپر ذکر ہوا کہ مدرسے کا دارالافتاء سب سے کارکردشعبہ رہا ہے۔ ممکن ہو تو مفتی محمود' قاضی عبید اللہ اور قاضی حبیب اللہ کے فتووں کے مجموعے بھی باب وار مرتب کر کے شائع کیے جاسکتے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ مدرسہ کا اہتمام اب جن نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے ان میں کام کا شوق بھی ہے اور الحمد للہ صلاحیت بھی۔ مدرسے کے نوادر مخطوطات کی اشاعت کی تیاری بھی شروع ہوگئی ہے۔

Marfat.com

زین الدین المعبر کی کتاب پرتگالی ہند پر تو چھپ چکی ہے لیکن جدید مخطوطوں کی اساس پر اس کی اشاعت ثانی کا کام ہو رہا ہے۔ پرانے سپہ سالاروں اور مشائخوں کے جھنڈوں پر جو مخطوطہ مدرسہ میں ہے وہ یگانہ ہے۔ مدرسہ کے فاضل قاضی صلاح الدین ایوب صاحب اس کو ایڈیٹ کرنے کے لیے اپنی عظیم مصروفیت میں سے وقت نکال رہے ہیں۔ **وفقهم الله جميعا وبارک فی مساعیهم**۔

یہ معلومات بعض عزیزوں اور خاص کر مدراس کے عبیداللہ زبیر صاحب اور حیدر آباد کے ڈاکٹر یوسف الدین صاحب اور محمد عبدالحی صاحب کی مدد سے فراہم ہوئے۔ **جزاهم الله خیرا**۔ فقط

Marfat.com

مدراس کی عظیم الشان نمائش تاریخ وتمدن اسلامی

۲۳ رشعبان ۶۲ھ (۲۵راگست ۴۲ء) کو گورنر مدراس نے گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس میں ''نمائش تاریخ وتمدن اسلامی'' کا افتتاح کیا۔ مدرسہ اعظم کو کالج بنانے پر پچیس سال گزر چکے ہیں، اس کی تقریب میں جوجشن سیمین (سلور جوبلی) منایا گیا، اس کا ایک جز اور ممتاز جزیہ نمائش بھی تھی۔

جنگ کے باعث ملک میں حمل ونقل کی دشواریاں، مدراس کا محاذ جنگ پر ہونا اور دیگر موانع ہمتوں کو پست کرنے والے تھے، لیکن کالج کے جواں ہمت پیر دانا کی نیت اور تدبیر نے سنگلاخ مدراس میں ایک علمی گلزار جمادیا، نمائش کا جو سامان آیا تھا، وہ کچھ اس حسن ترتیب سے پیش کیا گیا تھا کہ خالص اسلامی آثار پر مشتمل ہونے کے باوجود ناظرین کی بہت بڑی تعداد ہندوؤں، عیسائیوں، پارسیوں، سکھوں، سولجروں حتیٰ کہ غیر مسلم عورتوں تک پر مشتمل تھی، گورنر مدراس جیسی معروف شخصیت نے افتتاح کے دن آدھے گھنٹے کے معاینے کے بعد کہا کہ ان کا جی سیر نہ ہوا، وہ مکرر تفصیلی معائنے کے لیے آئے اور دو گھنٹے رہے۔ مقامی غیر مسلم انگریزی روزناموں (مثلاً ہندو، میل، اکسپرس وغیرہ) نے متفقہ طور سے اپنے ناظرین سے کہا کہ اس خداداد موقع کو نہ کھوئیں، جمیع الہند نشرگاہ (آل انڈیا ریڈیو) نے بھی افتتاح کی رات کو تقریباً آدھ گھنٹہ اس کے معائنے کے تاثرات ایک قانونی پروفیسر کی زبانی سنائے۔ اس میں علی گڑھ سے بھی لوگ آئے، آگرے سے بھی، پونا سے بھی، حیدرآباد سے بھی اور دیگر انگنت مقاموں سے بھی، یہ ایک ہفتہ کے لیے تھی مگر دو دن کی توسیع کرنی پڑی، راتوں کی فانوسی تقریریں بھی ہوئیں، ضیافتیں بھی، اب اس کی پَنہ چشم دید کیفیت عرض کی جاتی ہے۔

Marfat.com

(ا)

اسلام کا آغاز چونکہ عہد نبوی سے ہوتا ہے، اس لیے ناظر نمائش میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے کمرۂ سیرت میں پہنچتا تھا۔ (یہ پورے کا پورا کتب خانہ، آصفیہ حیدرآباد کے سامان پر مشتمل تھا) درمیان میں ایک بڑے میز پر کئی گز لمبا اور اتنا ہی چوڑا لکڑی کا ماڈل مسجد نبوی کا بنایا گیا تھا، گنبد خضراء کا یہ اثر انداز منظر بڑا دل لبھانے والا تھا، اطراف دیواروں پر بھی فوٹوؤں اور نقشوں سے سیرت نبویہ سمجھائی گئی تھی مثلاً ولادت باسعادت چونکہ عام الفیل میں ہوئی تھی، اس لیے سب سے پہلے اس مقام کا فوٹو تھا، جہاں حجازی روایات کے تحت اصحاب الفیل طیراً ابابیل کا شکار ہوئے تھے، پھر اس مقام کا فوٹو تھا، جہاں سعودی دور سے پہلے مولد النبی کا مکان تھا، آگے جبل نور اور غار حرا کے فوٹو تھے۔ غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی، یہ اتنا بڑا ہے کہ ایک آدمی اس میں کھڑا رہ کر نماز پڑھ سکے، یا پاؤں پھیلا کر سو سکے، طولاً اس کا قدرتی رُخ کعبے کی سمت ہی ہے، ہجرت حبشہ کے لیے بندرگاہ جدہ (شعیبہ) کا فوٹو، بیت الارقم جہاں ابتدائی تبلیغی کام انجام پاتا تھا، اور جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے تھے، بیت عقبہ کے مقام کی یادگار مسجد، غارِ ثور جس میں ہجرت کے وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند دن قیام فرمایا تھا، ثنیۃ الوداع جہاں مدینہ تشریف آوری پر۔

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا	مادعا للّٰہ داع
ایھا المبعوث فینا	جئت بالا مر المطاع

گاتے ہوئے لڑکیوں، بچوں اور عورتوں، مردوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا تھا، مسجد قبا جو دستِ مبارک نبوی سے تعمیر ہونے والی پہلی مسجد ہے، اور مسجد نبوی پھر بدر کا نقشہ اور اس غزوہ کے متعلق متعدد فوٹو تھے، اسی طرح احد، خندق، حدیبیہ اور فتح مکہ کے متعلق نقشے اور فوٹو نمایاں کیے گئے تھے، یہاں مکتوبات نبوی کے تین اصول کے فوٹو بھی تھے، جو صلح حدیبیہ کے بعد بغرض تبلیغ بیرونی حکمرانوں کو بھیجے گئے تھے اور آخر میں حرم کعبہ میں نماز کا ایک اثر انداز فوٹو یہ یاد دلا رہا تھا کہ خدا کی عبادت کے لیے بنا ہوا سب سے پہلا گھر عارضی طور پر بت پرستی کا اگرچہ مرکز بن گیا تھا لیکن اب وہ جاء الحق وزھق الباطل کے مصداق مکرر معبود حقیقی کی عبادت کے

لیے پوری دنیا کا قبلہ بن گیا ہے، سب سے آخر میں مسجد نبوی اور گنبد خضراء کا ایک فوٹو یہ بتا رہا تھا کہ رحمۃ للعالمین کا دنیوی کام ختم ہو گیا اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

(۲)

دوسرا کمرہ زیادہ تر غیر مسلموں کی واقفیت کے لیے تھا کہ اسلامی عبادات میں کوئی چیز راز اور مخفی نہیں ہے۔ یہاں ایک نمونے کی مسجد کا بڑا لکڑی کا ماڈل تھا، جس میں نہ صرف منبر و محراب اور امام کا عصا تھا، بلکہ وضو کرنے کا دہ در دہ (10x10) حوض، نماز کا وقت معلوم کرنے کے لیے دھوپ گھڑی اور عام اوقات میں تلاوت کے لیے قرآن مجید کا ایک نسخہ مہیا کیا گیا تھا، دیواروں کے نقشے البتہ سب کی دلچسپی کے تھے۔ اولاً تو حنفی نماز کی جملہ حرکتیں تصویروں میں بتائی گئی تھیں، دوسرے دنیا کے مختلف ممالک کی مسجدوں کے فوٹو فراہم کیے گئے تھے۔ جاپان، ملایا، لندن، پیرس، ترکی، مشرقی و مغربی افریقہ اور ہند وغیرہ کئی منزلہ شاندار مسجدیں بھی، یہاں تھیں، جھونپڑوں کے مماثل غرباء کی عبادتگاہیں بھی ہند کے لیے جنوبی ہند، مشرقی ہند، مغربی ہند، شمالی ہند، حیدرآباد وغیرہ مختلف شعبے کر دیئے گئے تھے اور تقریباً ڈیڑھ دو سو نمونوں کی مسجدیں کسی محقق کی جولانی طبع و روانی قلم کی دعوت دے رہی تھیں، ہند کی قدیم ترین مسجدیں دکن ہی میں ہیں، یہ کمرہ زیادہ تر مدراس ہی کے وسائل سے آراستہ ہو گیا تھا۔ اس میں دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم بھی جمع کیے گئے تھے۔

(۳)

تیسرا کمرہ حج کے لیے تھا اور بڑی حد تک کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد سے آئے ہوئے سامان پر مشتمل تھا، درمیان میں کعبہ اور مسجد حرم کا ایک بہت بڑا لکڑی کا ماڈل تھا، جس میں صفا و مروہ کا درمیانی مسعیٰ بھی تھا، حنفی، شافعی وغیرہ مصلے بھی، زمزم کا کنواں بھی، مقام ابراہیم بھی، کعبہ اور کعبہ پر سیاہ کپڑے کا غلاف اور غلاف میں سے حجر اسود بھی نمایاں تھے، رضا کار ایک ہی دن میں اتنے ماہر ہو گئے تھے، کہ یہ اگر کبھی حج کو جائیں تو مطوف اور معلم کی غلطیاں بھی پکڑ سکیں۔ دیواروں پر ایک نقشہ تھا کہ کس طرح مکہ ناف زمین میں ہے اور کس طرح حج کے لیے احرام باندھنے کے اور میقات کے مقاموں کے دائرے ہیں، کیوں یلملم کے محاذی ہونے پر ہندی حجاج

Marfat.com

احرام باندھتے ہیں، پھر احرام باندھے ہوئے لوگوں کے فوٹو ،طواف اور سعی کے فوٹو ،منیٰ وعرفات و مزدلفہ میں قیام کے فوٹو ، رمی جمرات کے فوٹو وغیرہ کے علاوہ غلاف کعبہ کے سادہ اور زریں مختلف ٹکڑے بھی نمایاں تھے اور غیر مسلم ہی نہیں مسلمان بھی بڑی دلچسپی محسوس کرر ہے تھے ،راقم الحروف نے ایک رات اپنی ایک درجن رشتہ دار خواتین کو خصوصی اجازت لے کر سب کی برخاست کے بعد معائنہ کرایا،ان کی کیفیت اور تاثرات کے اظہار سے قلم عاجز ہے۔

(۴)

اس سے آگے کا کمرہ تاریخ کا تھا،اس کا نصف سامان حیدرآباد سے آیا تھا۔آغاز خلافت راشدہ کی تعمیراتی یادگاروں مثلاً سقیفہ بنی ساعدہ،قصر سعید بن العاص وغیرہ کے فوٹوؤں سے ہوا تھا، پھر اولاً دیواروں پر متعدد رنگین نقشے تھے، کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں ہر ہر خلیفہ کے زمانہ میں کتنا کتنا علاقہ حکومت الٰہیہ میں داخل ہوتا رہا اور عام رائج جرمن نقشوں میں خصوصی تحقیق کے ذریعہ سے بہت کچھ اصلاح کی گئی تھی ،اس میں ایک تو ہر عہد کے فتوح کا رقبہ اور فتوحات نبوی کے متعلق ،علاوہ رقبے کے ،انسانی جانوں کا نقصان وغیرہ بھی بتایا گیا تھا، کہ دس سال میں دس لاکھ مربع میل (یا اوسطاً روزانہ دو سو چوہتر مربع میل) کی فتح میں دشمن کے مشکل سے ہزار بھر آدمی مارے گئے اور پھر بھی...... پھیلا اسلام بزورتیغ۔

دوسرے نقشے میں گزشتہ ساڑھے تیرہ سو سال کے جملہ اسلامی فتوح کوئی دس رنگوں میں واضح کیے گئے تھے ،اس میں عربی ماخذوں کے علاوہ فرانسیسی مولف رینو کے حوالے سے انتہائی شمال کے علاوہ باقی فرانس، پورے سوئٹزرلینڈ اور شمالی اٹلی کے بعض حصص پر اسلامی رنگ بھرا گیا تھا ،اسی طرح اطالوی مؤلف پر یودے کے حوالے سے صقلیہ ہی نہیں بلکہ روما کے جنوب میں پورا جزیرہ نماے ،اٹلی بھی اسلامی فتوحات میں شامل کیا گیا تھا ،روسی مؤلفہ اولگا لے بن ذیف کے حوالے سے علاقہ قازان (بلغار) کا جو دریاے والگا پر آباد ہے، اسلامی نقشہ تیار ہوا تھا، یاقوت نے اس کا عہد عباسی میں اسلام سے ملحق ہونا تفصیل سے لکھا ہے اور ابن فضلان کا (جو بغداد سے سفیر بن کر گیا تھا) مکمل سفر نامہ بھی اب مشہد کے کتب خانہ میں مل گیا ہے ۔جس کے فوٹو پر برلن لائبریری میں بعض مستشرق جنگ سے پہلے کام کر رہے تھے ،ایک اور رنگین نقشے میں پوری دنیا کی اسلامی آبادی واضح کی گئی تھی ، کہ کہاں اکثریت ہے کہاں اقلیت اور کہاں بالکلیہ فقدان ، ہر ملک کی

Marfat.com

جملہ آبادی، اس میں مسلمانوں کی تعداد اور فی صدی تناسب بھی بڑی محنت سے مرتب کیا گیا تھا، ایک اور نقشے میں جو ٹریننگ کالج حیدرآباد کا بھیجا ہوا تھا سنہ وار تاریخ اسلام تصویروں کے ذریعہ سے گھومنے اور لپٹنے والے کاغذ پر تیار کی گئی تھی، مثلاً ۲ھ میں میدان غزوہ بدر ۱۰ھ میں جبل الرحمہ پر سے حجۃ الوداع کا خطبہ ۶۱ھ میں کربلا کی خانہ جنگی کسی اور سنہ میں مکہ کا محاصرہ، اسلامی سکوں کا اجراء بغداد وغیرہ کی تعمیر، غرض معلومات کا نچوڑ چند منٹ میں سینما کے پردے کی طرح نظروں کے سامنے آجاتا تھا، یہیں جنگ یرموک اور جنگ ملازکرد کی عہد آفرین جنگوں کے رنگین نقشے تھے کہ وہلہ اول میں اسلامی اور صلیبی فوجیں کس طرح آراستہ تھیں، دوران آویزش میں کیا نوعیت ہوئی اور انجام کیا ہوا، یہ سب نقشے جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کے تیار کردہ تھے۔ خود محمڈن کالج (مدراس) کے مرتب کردہ نقشوں میں ایک خلافت بنی امیہ کا اور ایک خلافتِ عباسیہ کا مختصر مگر دلچسپ تھے، چنانچہ خلفاء کے نام اور سنہ دے کر یہ بتایا گیا تھا کہ کب پہلے پہل مسلمانوں میں سکہ رائج ہوا، کب بحریہ قائم ہوا، کب ڈاک کا انتظام شروع ہوا، کب اضلاع میں ڈاک کے مرکز قائم ہوئے، کب معذوروں، جذامیوں وغیرہ کے لیے پناہ گاہیں بنائی گئیں، کب ٹینس کا کھیل شروع ہوا، کب رصدگاہ بنائی گئی، کب پن گھڑی بنائی گئی، کب دریائے نیل کے لیے آب پیما بنایا گیا، کب سفری دواخانے، طبیبوں کے لیے امتحان کا لزوم، اور دیگر اہم واقعات پیش آئے، ان تمام چیزوں کو بجائے الفاظ کے تصویروں کے ذریعہ سے بتایا گیا تھا، ایک اور نقشے میں اسلامی تجارت کی وسعت اقصائے چین و یورپ تک دکھائی گئی تھی، یہیں بارہ اماموں کے ناموں، زمانوں اور مقبروں کی تصویروں سے شیعہ تاریخ واضح کی گئی تھی، ترکی (عثمانی) سلاطین کے متعلق بھی مماثل تختے تھے، ایک سبق آموز مجموعہ ٹیپو سلطان کی متعلقہ تصویروں کا تھا، انہی میں ایک فوٹو اس کتبے کا بھی تھا جو حالیہ تعمیر شدہ عظیم الشان کرشنا راجہ ساگر کی تیاریوں کے سلسلے میں دستیاب ہوا تھا، اور جس پر ٹیپو سلطان نے اپنے مجوزہ تالاب کے متعلق تفصیلات اور احکام دے کر لکھا تھا کہ یہ تالاب قیامت تک کام دے سکتا ہے، کرشنا راجہ ساگر کی تعمیر انہی تفصیلات کے مطابق ہوئی اور سر مرزا اسماعیل دیوان میسور نے اب یہ کتبہ تالاب مذکور کے بند کے داخلے کی کمان میں نصب کرا دیا ہے، اس کمرے میں فرامین کا بھی کثیر ذخیرہ فراہم کیا گیا تھا، سلاطین ترکی کے فرمانروایان کعور (ملیبار) کے سلاطین آصفی (حیدرآباد) کے ہمایوں، اکبر، جہانگیر و شاہجہان کے، نیز بعض قدیم قلعوں کے پیمائشی نقشے وغیرہ، یہیں عربوں کی سب سے قدیم اور سب سے اہم تا حال موجود تعمیراتی یادگار یعنی

Marfat.com

بیت المقدس کے قبۃ الصخرہ کا ماڈل تیار کرا کر رکھا گیا تھا۔ یہ خلافت بنی امیہ کا کارنامہ تھا اور اتنا نفیس کہ مامون خلیفہ ہوا تو اس کا جی تڑپنے لگا کہ کاش وہ اس کی طرف منسوب ہو جائے، آخر رہا نہ گیا اور بانی کا نام کتبے میں سے نکلوا کر وہاں اپنا نام لکھوا دیا، البتہ سنہ تعمیر کی تبدیلی یاد نہ رہی اور اس طرح اب چوری پکڑی گئی، اسی کمرے میں ایک دُرّہ بھی رکھا گیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کی جنگ یرموک کے حربیاتی نقشے کے سامنے وہ یہ بتا رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ آرائی سے ان کے چمڑے کے دُرّے کی امن نوازی کچھ کم کامیاب نہ تھی، اسی کمرہ میں عجائب خانہ حیدر آباد کے روانہ کردہ قیمتی سکے تھے، ان میں سے ایک شاہجہانی اشرفی تھی، جو دو ہتھیلیوں کے برابر تھی، کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بادشاہ کی نذر میں جو اشرفی پیش کی جاتی تھی اس کی جسامت اور اس کا وزن پیش کنندہ کے مرتبے اور امارت کی مناسبت سے ہوتے تھے۔

(۵)

کمرہ کرناٹک میں نوابان ارکاٹ کا قیمتی سامان، جواہرات ٹنکے ہوئے لباس وغیرہ تھے اور کئی لاکھ روپے کی مالیت کا اسباب آیا تھا۔ یہیں بعض قدیم فوٹو ان کے درباروں کے تھے، جن سے اس زمانے کا لباس، نشست کے مراسم و آداب اور دیگر تفصیلیں معلوم ہوتی تھیں۔

(۶)

کمرۂ تعمیرات اسلامی میں بکثرت اہم عمارتوں کے مرمریں یا پلاسٹر کے ماڈل تھے، اور ننھے ننھے رنگ برنگی برقی قمقموں سے جگمگاتے رہتے تھے مثلاً تاج محل، موتی مسجد، مقبرہ عمادالدولہ، قطب لاٹ، خاص محل وغیرہ قدیم کتبوں کے چربے (مثلاً تغلق دور کے) اسلامی عمارتوں کے قدیم پیمائشی نقشے (مثلاً قلعہ بیجاپور آگرہ وغیرہ) کے علاوہ ایک دلچسپ چیز محمڈن کالج کی طرف سے یہ آئی تھی کہ اسلامی دنیا کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کے اہم مقاموں کی اہم عمارتوں کے رنگین نقشے بنا دیئے گئے تھے، مثلاً جنوبی ہند کے نقشہ میں شہر مدراس کی جگہ مسجد والا جاہی، حیدر آباد کی جگہ چار مینار، اورنگ آباد کی جگہ بی بی کا روضہ وغیرہ، شمالی ہند کا الگ، اسپین کا الگ، مصر و شمالی افریقہ کا الگ، شام و فلسطین کا الگ، عراق و ایران کا الگ، وغیرہ اور بکثرت ایسے مقاموں پر اسلامی یادگاریں بتائی گئی تھیں، جہاں شان و گمان بھی نہ ہو۔ ٹریننگ کالج جامعہ عثمانیہ سے ایک دلچسپ نقشہ آیا تھا، کہ تاج محل کی تعمیر میں اشخاص و سامان دنیا کے کس کس حصہ سے آیا تھا۔

Marfat.com

(۷)

کمرۂ آرکاٹ میں نوابان آرکاٹ کا لباس قد آدم مجسموں کو پہنا کر رکھا گیا تھا۔ ڈھاکے کے ململ کا ذکر سب پڑھتے اور سنتے آئے ہیں، کم از کم راقم الحروف نے اسے اپنی آنکھوں سے عمر بھر میں پہلی دفعہ یہیں دیکھا کہ ایک انگرکھا ہے، اس کا گز ڈیڑھ گز حصہ بھی وزن میں مشکل سے تولہ سوا تولہ ہوگا، مردانہ اور زنانہ دونوں قسم کے لباس تھے۔

(۸)

کمرۂ علمی کی تفصیل طویل ہوگئی۔ یہاں ایک میز پر عجائب خانہ حیدرآباد کے اور دیگر حیدرآبادی سامان سے عربی خط کا ارتقاء دکھایا گیا تھا، اولاً قبل اسلام کے دو عربی کتبے، پھر عہد نبوی (۵ھ) کے چند کتبے، پھر مکتوبات نبوی (۶ھ) پھر ۳۱ھ کا کتبہ مصر، دوسری صدی و مابعد کے قرآن مجید وغیرہ ایک اور میز پر حیدرآباد سے آئے ہوئے تاریخی قرآن تھے، ایک اورنگزیب کے ہاتھ کا اور ایک اس کے بدنام بھائی داراشکوہ کے ہاتھ کا، بعض اور میزوں پر وہیں کے منقش وزرکار قرآن مجید تھے بعض میزوں پر خوشخط باتصویر کتابیں بعض میزوں پر نہایت قدیم عربی کتابیں (جو پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوئی تھیں) نفیس مرقعے، قطعے وغیرہ بھی تھے، ایک قلمی فارسی انجیل بھی تھی جو اب سے کئی سو سال پہلے جنوبی ہند کے ایک باخدا مسلمان نے ترجمہ کی تھی اور کتب خانہ سعیدیہ (حیدرآباد) نے علاوہ دیگر کتب وغیرہ کے یہ بھی بھیجی تھی، کتب خانہ سعیدیہ نے ایک اثرانداز ذخیرہ اباعن جد مولفوں کی تالیفوں کا جمع کیا تھا کہ کس طرح ایک علمی خاندان میں کم از کم پندرہ پشت سے مسلسل علمی خدمت انجام پا رہی ہے، ابتداء میں صرف عربی ہے، بعد میں فارسی بھی آئی اور سب سے آخر پانچ زبانوں میں تالیفیں کرنے والے خدام دین آئے۔

اسی کمرے میں ایک دلچسپ مجموعہ (۴۲) اسلامی ممالک کے ڈاک کے ٹکٹوں کا تھا ایک اور تقریباً اتنے ہی ممالک کے سکوں کا حیدرآباد سے آیا تھا، اسی طرح مرکز میں محافظ خانہ سرکاری (ریکارڈ آفس حیدرآباد) کے پاس سے آئی ہوئی نادر قلمی کتابیں اور دستاویزیں بھی نمایاں کی گئی تھیں یہاں کے سامان کا بڑا حصہ بھی حیدرآباد سے آیا تھا۔

Marfat.com

(۹)

مغلئ نشست گاہ کو نظام کالج حیدرآباد کے ایک خاموش پروفیسر نے آراستہ کر کے بتایا تھا کہ مغلیہ تمدن میں شرفاء کا گھر کیسا ہوا کرتا تھا، مسند، لباس، مسہری، حقہ، پاندان وغیرہ سب پرانے تھے۔

(۱۰)

نگار خانہ بھی انہی پروفیسر صاحب کا تھا، سیکڑوں تصویریں مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے رکھی گئی تھیں مثلاً مسلمان حکمرانوں کے ہندو وزراء و امراء اور ہندو حکمرانوں کے مسلمان امراء شکار، جانور، چرند، پرند، لباس، عورتیں اولیاء، وصوفی وغیرہ وغیرہ یہیں کتابوں کی جلدوں کے نمونے بھی دلچسپ چیز تھے۔

(۱۱)

سائنس کا ایوان مختصر مگر مؤثر تھا، علمی ہیئت کے بکثرت آلات، دھوپ گھڑی جس سے وقت ہی نہیں مہینہ بھی معلوم ہوتا تھا، قدیم ہتھیار اور زرہ بکتر، اورنگزیب و جہانگیر کی تلواریں، طبعیات کا سامان۔ مثلاً دائرۃ المعارف حیدرآباد کی شائع کردہ کتاب میزان الحکمۃ سے لیا ہوا میزان جامع جس میں پانچ خود بخود انتقال پذیر پلڑے ہوتے ہیں اور جو وزن ثقل کے اصول سے خود بخود دہٹ کر بتا دیتے ہیں کہ کس پلڑے میں سونا ہے کس میں چاندی، کس میں ہیرا، کس میں غلہ وغیرہ اور چیز کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ مصنوعی چیزوں کو بھی یہ ترازو پرکھ لیتا ہے اور اس کے ڈنڈے پر کے نشانوں اور لفظوں کی مدد سے تولنے والا ''بیک کرشمہ پنج کار'' کا کام لے سکتا ہے، پرانے قفل اور چابیاں وغیرہ۔

Marfat.com

(۱۲)

عربی کمرہ میں زمانہ حال کی مدنی نشست گاہ حیدر آباد سے سامان لا کر حیدر آباد ہی کے ایک کثیر العلم اور واقف و ماہر بزرگ نے سجائی تھی اور خوبصورت مجسموں کو لباس پہنا کر اس عمدگی سے سجایا اور سنوارا گیا تھا کہ شاید سب سے دلکش کمرہ یہی تھا۔

(۱۳)

زیریں منزل کا پہلا کمرہ اقبالیات کے لیے تھا، اقبال کی اور اقبال پر تالیفیں اور مرقع چغتائی (برائے غالب) کے جواب میں مرقع ارشد (برائے اقبال) اتنا دلچسپ تھا کہ نمائش کی طرف سے اس کے لیے خصوصی انعام وتمغہ و تعلیٰ دیا گیا۔

(۱۴)

دوسرا کمرہ شرقیات کے لیے تھا، یعنی مغربی زبانوں میں اسلام کے متعلق جو کام ہوا ہے اس کے اہم نمونے جمع کیے گئے تھے، مثلاً کائتانی کی اطالوی تاریخ اسلام جو ۱ھ تا ۴۰ھ ہی کے لیے گیارہ ضخیم وجسیم جلدوں میں ہے، یہ بھی جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے سے مستعار آئی تھی اور ادریسی کا نقشہ عالم بھی جو جرمنی میں چھپا ہے اور اب سے ہزار سال پہلے کا ہونے کے باوجود جدید ترین نقشوں سے بہت قریب ہے، یہیں مختلف مستشرق عربی لباس پہنے فوٹو لے کر دکھائے گئے تھے، مثلاً نکلسن، آرنلڈ وغیرہ

(۱۵)

تیسرا اور آخری کمرہ اردو کے لیے تھا، بکثرت اردو شعراء کی تصویریں جامعہ عثمانیہ کی عمارتوں کے نقشے اور فوٹو وغیرہ۔

اس پر اصل نمائش تو ختم ہو جاتی تھی، البتہ باہر نکلنے پر ایک کتب فروش کی دکان تھی، جہاں اسلامیات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور ننانوے فیصدی حیدر آباد سے آیا تھا، سب سے بڑا حصہ دائرۃ المعارف کا تھا، جس کی سیکڑوں تالیفیں بتا رہی تھیں کہ خاموشی کے ساتھ کس قدر اہم کام انجام

Marfat.com

دیا جاچکا ہے، احیاء المعارف النعمانیہ (حیدر آباد) نے حنفی فقہ کے متقدمین کی تالیفوں کو محفوظ اور شائع کرنے کے سلسلے میں جو اہم کام کیا ہے کہ امام ابو یوسف، امام محمد شیبانی، خصاف وغیرہ کی نادر کتابیں چھاپ دی ہیں اور بکثرت دنیا کے ہر حصے سے فوٹو لے کر اپنے ہاں جمع کر لی ہیں، اسی طرح ''عالمگیر تحریک قرآن'' نے اپنے سیکڑوں نشریات کا اہم انتخاب یہاں بھیجا تھا، اس ادارے نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی تیرہ زبانوں میں مرتب کرالیا ہے۔

شیخ محمد اشرف (لاہور) کے نشریات کا پارسل نمائش کے چوتھے دن بھی نہ آیا تھا، اس کے بعد میں واپس ہوگیا۔

غرض یہ نمائش نہایت کامیاب رہی اور اس بات کا ثبوت تھی کہ اخلاص اور تعاون سے ہندی مسلمان بھی بہت کچھ کام کر سکتے ہیں۔

(''ماہ نامہ معارف'' علی گڑھ۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

اُردو کا رواج ٹیپو سلطان کی فوج میں

کتب خانہ دفتر ہند (India Office Library) میں نمبر ۲۷۳۸ تا ۱۲۷۵۹ ایک کتاب کے اکیس (۲۱) [درست بائیس] نسخے مکمل اور نامکمل دونوں قسم کے ہیں۔ جس کا نام "فتح المجاہدین" ہے۔ اس کے بعض نسخے ان کتب خانوں میں بھی محفوظ ہیں جیسا کہ ان کی فہرستوں سے ظاہر ہے۔

Bodleian No.1903; Ru Supplement P 260;

W.Pertsch Berlin Cat. pp. 134-35

اتفاق سے اس کا ایک نسخہ حیدرآباد[1] میں بھی دستیاب ہوا، جس کے تفصیلی معائنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب فوجی اصول و قواعد پر مشتمل ہے۔ فوجی احکام فارسی میں اور جنگی اشعار "اردو" میں مندرج ہیں۔

مؤلف کتاب کا نام زین العابدین ہے دفتر ہند کے نسخے میں "موسوی" کا لفظ بھی زاید ہے[2] اور بہت عرصے تک مدراس اور بالا گھاٹ میں قیام کرنے کے بعد[3] آخر کار ٹیپو سلطان کا مصاحب اس کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے کہ ۱۱۷۰ء میں تیموری سلطنت بعض نوکروں کی "نمک حرامی" کے باعث اس قدر ضعیف ہو گئی تھی کہ اہل مغرب نے جو سواحل ہند کے کوٹھی دار اور تجارت کے بہانے سے ہمیشہ کمین میں رہتے تھے بعض غداروں کو وسیلہ بنا کر "ملک گیری" اور "ملک ستانی" شروع کی اور تمام مملکت بنگالہ اور کرناٹک کا کچھ حصہ اور بندرگاہ سورت اپنے قبضہ میں کر لیا اور حالت یہاں تک ناگفتہ بہ ہو گئی کہ رعایا لوٹی جانے لگی اور مسلمان قیدی چین و افریقہ میں غلام بنا کر فروخت کیے جانے لگے۔

Marfat.com

اس کے بعد وہ ٹیپو سلطان کی تخت نشینی کو اس ظلم وستم اور خرابی کا علاج بتا کر بیان کرتا ہے کہ یورو پیوں کی جنگ میں برتری اور غلبے کا اصلی رازان کے توپ وتفنگ میں ہے اس لیے بادشاہ نے توپ خانہ اور طریقہ حملہ اور ''سپہ آرائی'' میں نظام قائم کیا جن کی وجہ سے انہیں فتح یابی حاصل ہوتی رہی، پہلے یورپی فوج کی تعریف اور پھر اپنے بادشاہ کے انتظام کی تعریف سے پتا چلتا ہے کہ یورپی قواعد ہی کو مناسب ترمیم کے بعد رائج کرلیا گیا تھا۔

دیباچے کے آخر میں لکھتا ہے کہ ۱۱۹۷ء میں راست شاہی حکم پہنچا کہ وہ سلطنت کے فوجی قواعد کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کرے تا کہ یہ ''علم شریف و ہنر لطیف'' جو ہندوستان میں نایاب ومفقود ہے رواج پا کر اسلامی فوجوں کی فتح کا باعث ہو۔ اس کا آخری جملہ اس سلسلہ میں شروع ہوتا ہے ''اولاً پارہ از مسائل آں و برخے از ضروریات دین در مقدمہ کتاب ذکر کردہ بہ تحریر قواعد دیگر پردازد''

اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے مگر انڈیا آفس کے مکمل نسخے نمبر ۲۷۴۸ کے متعلق فہرست کی تشریح سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہماری کتاب مختصر اور خلاصہ ہے چنانچہ لندن کے نسخے میں پہلا باب ''در بیانِ مثائل (مسائل Read) عقائد ونماز وغیرہ ومثائل (مسائل) منع تمباکو ونمک حرامی وترکہ وجہاد وغیرہ'' ہے[1] مگر پیش نظر نسخے میں تمباکو کی ممانعت کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ اس کے سوا انڈیا آفس کا نسخہ نمبر ۲۷۵۹ جو صرف اقتباس ہے اس میں پہلے دو صفحے ایک حساب میں ہیں جسے گرشری کہتے ہیں۔ اس کی عبارت یوں شروع ہوتی ہے ''چو تعدادِ حروفِ کلماتِ شہادتین بیست و چہار می شود لہٰذا مقدارِ بیست و چہار عرض الخ۔'' و آخری بارہ ورق حسابی جدولوں پر مشتمل ہیں۔ اس باب میں اولاً اسلام وایمان کی تعریف احادیث کے ذریعے کی گئی ہے اس کے بعد اسلامی معتقدات یعنی خدا رسول فرشتے قیامت پیغمبراں قضا وقدر وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ پھر مسائل وضو اور مسائل نماز دو عنوانوں کے تحت ان اُمور کے متعلق ایک مجمل بیان تحریر کرتا ہے۔ مسائل جہاد اس باب کا آخری عنوان ہے۔ اس میں قرآنی آیتیں، احادیث نبویؐ اور (غالباً) ذاتی خیالات مقدس جنگ یعنی جہاد کے متعلق نقل کرتا ہے ان کے مطالعے سے اس زمانے کی اسلامی ذہنیت کا پتا چلتا ہے جب کہ ان کے پاس حکومت تھی اور ان پر ایسا بادشاہ حکمرانی کرتا تھا جو توسیع مملکت کا شائق اور جنگ کا دھنی تھا۔ قرآن وحدیث شریف کو جیسا کہ ہر بلیغ عبارت میں ہوتا ہے، مؤلف کتاب بھی تاویل وتوضیح کے ذریعے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔

اس کے بعد چند سیاسی جرائم کا تذکرہ کرتا ہے کہ سازش اور خیانت وغیرہ وغیرہ کی کیا سزا ہے۔ پھر شرعی جرائم اور گناہوں کا اور آخر میں کسی بادشاہ کی نااہلیت اور وفاداری سلطنت کے مسائل پر اس باب کو ختم کرتا ہے (یہ ۵۴ صفحوں میں آیا ہے ہر صفحے میں دس سطریں ہیں، خط بہت جلی ہے، تقطیع چھوٹی ہے)

انڈیا آفس کے نسخے میں دوسرا باب ''دربیانِ فالنامۂ اذن علی واسماے نومقرری برائے تقسیم حساب ولفظ وزن وتعداد مقرری الخ'' ہے مگر پیش نظر نسخے میں یہ باب سرے سے غائب ہے۔

باب سوم تدابیر حرب کے بیان میں ہے اور باب اول کے بمقابل بہت مختصر ہے چنانچہ صرف ۱۴ صفحوں میں آیا ہے مگر اس سے زیادہ اہم اور دلچسپ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان کے اصول جنگ کیا تھے فوج کو کس طرح آراستہ کرنا چاہیے، جنگل یا میدان یا پہاڑ یا چشمہ مقامِ جنگ ہوں تو آراستگی میں کیا تفاوت ہوتا ہے، توپ و بندوق سے کس طرح مناسب کام لیا جاسکتا ہے۔ ''جنگ صعب'' اور'' جنگ قزاقی'' کب اور کس طرح کرنی چاہیے۔ شب خون دشمن کی فوج کے میدان میں خیمہ زن ہونے کے وقت کرنا کیوں مفید ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے، دشمن کی فوج زیادہ ہو تو کس طرح مقابلہ ومقام کرنا چاہیے اور کم ہو تو کن باتوں سے خبردار رہنا ضروری ہے، سوارہ فوج کہاں رہے اور فوج کی کس طرح تقسیم ہو، کوچ کا طریقہ اور اس کی ضروریات اور قابل لحاظ باتیں، افسر اعلیٰ موقع ومحل کا خود معائنہ کرکے اس علم سے جنگ میں کس طرح فوج کی رہنمائی کرے، ہوا کے رخ کا جنگ کے وقت لحاظ، افسر اعلیٰ کے قتل پر اس کی فوری جانشینی اور بلا تاثر جنگ کا جاری رکھنا، قلعہ بند ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے، پسپائی اور واپسی، سپاہ کی تعداد میں کمی وزیادتی اور دشمن کی تعداد کے لحاظ سے جنگ شروع کرنے کا وقت، جاسوسی یا جنگ کی ابتداء خود نہ کرنی چاہیے، قلعہ شکنی میں اولاً کن حصوں پر گولہ باری ہو وغیرہ۔

باب چہارم ''حکم نامہ بنام سربخشی ومتصدیان تعلقہ کچہری حضور'' میں ہے۔ انڈیا آفس کے پہلے نسخے میں ''وغیرھا'' زاید ہے اور نمبر ۲۷۴۶ میں ''بنام سپہ دار وغیرھا'' ہے۔ اس باب میں اولاً نمک حرامی کے اقسام بتا کر ممانعت کی گئی ہے کہ حکام ان سے باز رہیں اور اپنے ماتحتوں پر بھی نگرانی رکھیں۔ چنانچہ سپاہیوں کا ''چہرا'' یعنی حلیہ لکھنے اور ماہ بماہ تنخواہ تقسیم کرنے، پریڈ اور قواعد کے ذریعے سپاہ کو مستعد رکھنے اور سامان حرب وضرب کی نگہداشت اور اس کے معیار رکھنے پر زور دیا گیا

Marfat.com

ہے۔سامان حرب وضرب توپ اور گولہ بارود کے علاوہ بندوق اور ''قطار وطرنک وغیرہ'' کی نگرانی ہو اور ٹوٹی پھوٹی چیزوں کی مرمت سرکاری کارخانے میں فوراً کرائیں۔

فوجی اصطلاحات میں فارسی الفاظ کے رواج کا حکم، اور ''امر ونہی ایزدی و احکام حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا جو ترجمہ عربی سے کرایا گیا ہے اس پر عمل ورواج کا خیال رکھیں اور خلاف ورزی پر فوراً سزا دیں۔

اس کے بعد سام (پریڈ یا قواعد) کا ذکر ہے جس کے ابتدائی حصے کی نقل غیر دلچسپ نہ ہوگی۔

ہوشدار

اِستادِ دمک

صفین یک یک راست پشت گرد

چپ پشت گرد

دہ دو پنج گام رد

وغیرہ وغیرہ۔ بدستور، بزن، راست گرد، چپ گرد، صفین ملحق، رو، (یعنی متفرق ہو جاؤ) جلد قدم، آہستہ قدم، قدم بزن، باش، برابر راست بین، اور اسی قسم کی چند اصطلاحات ہیں جو غالباً فرانسیسی یا انگریزی کا ترجمہ ہیں۔ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ بعض ترکی الفاظ بھی مروج ہیں مثلاً قاشلق، جوق، بعض الفاظ مثلاً دمک، قشون، تیپ، پجمان، کا مفہوم پوری قواعد کا گہرا مطالعہ کرنے پر کوئی فوجی قواعد داں سمجھ سکتا ہے۔

ہر قسم کی فوج کے لیے علیحدہ علیحدہ قواعد تھے قواعد چلیپا رنگروٹوں کے لیے ہے قواعد غیر اوقات مقرری گردش، گشت، جنگ دو بازو (جن کی تین قسمیں ہیں) جنگ دوطرف، قواعد توپ (جس میں پرکن اور سرکن اچھے الفاظ ہیں) قواعد چہار توپ، قواعد نیزہ، قواعد شمشیر اور باب قدم میں پورے احکام پریڈ موجود ہیں مگر ان سے اس وقت زیادہ بحث غیر ضروری ہے۔

اس کے آگے یزک دار، دفعدار، جمعدار، سرخیل، جوقدار، رسالہ دار، سپہ دار، بخشی و متصدی لکھے گئے ہیں۔جن میں ان کے فرائض کی تشریح کر کے قصور اور سزا کی مقدار کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔سب سے چھوٹا عہدہ یزک دار اور سب سے بڑا سپہ دار ہے اور درجہ بدرجہ ترقی مل سکتی ہے اور قاعدہ تبدیل یزک (پہرہ) اور قاعدۂ کیوانِ اول اور قاعدۂ تبدیل منقلا (گارڈ) اور قاعدۂ

Marfat.com

چاشت وشان (یعنی صبح وشام) کی پوری تفصیل ہے پھر ایک دلچسپ عنوان ہے جو پورا پورا نقل کیا جاتا ہے، یہ محافظ ور ہگزروں کے متعلق ہے۔

''قاعدۂ سوال وجواب یزک دار ومردم رہگذر''

سوال: کیست؟

جواب: سرکار!

سوال: کے سرکار؟

جواب: حیدری سرکار!

سوال: کے جوق

جواب: فلاں جوق (فلاں کی جگہ نام لینا چاہیے)

تعطیل اور جنگ کے وقت حفاظت ونگرانی اور رخصت کے احکام اور سزا کے بعد یہ باب ختم ہوتا ہے۔

۵واں باب تفویض خدمات میں ہے یعنی ترقی وتقرر۔ اس سلسلے میں بیان ہوا ہے کہ ہمیشہ ترقی ایک دم نہ دینی چاہیے بلکہ یزک دار کو دفعدار، پھر جماعدار، پھر سرخیل، پھر جوقدار، پھر رسالہ دار، پھر سپہ دار، پھر سپہ سالار یعنی دو تین سپہ داروں کا حاکم بنانا چاہیے۔ لائق سرخیلوں کو یساقچی اور یساقچی گری کے بعد جوقدار بنانا مناسب ہے اور کوئی شخص خواہ کتنا ہی عمدہ مدبر شجاع کیوں نہ ہو اس کو یکدم بڑے عہدے پر ترقی نہ دینی چاہیے بلکہ درجہ بدرجہ لیکن جلد جلد ترقی دی جاسکتی ہے۔

رخوت (یونانی فارم) سلام، رخصت (اختتام پریڈ) کے بعد ''سرکردن توپ بائے خوشی'' کا بیان ہے کہ عید رمضان، ذی حجہ، اور اپنی جماعت کی فتح پر گیارہ توپ، شاہی فتح پر ایک سو ایک دفعہ غروب آفتاب کی۔ دروازے بند ہونے کے وقت کی اور طلوع آفتاب اور دروازے کھولنے کی اطلاع میں ایک ایک توپ چلائی جاتی تھی۔ ایک قاعدہ یہ بھی تھا کہ اپنے سے صرف ایک درجہ کم یا زائد کے عہدہ دار کے ساتھ مل کر کھانا کھا سکتا تھا۔ اس سے زیادہ پر تنبیہ کی جاتی تھی۔

اس کے بعد ایک انڈکس ہے جس میں انگریزی یا فرانسیسی فوج کے مروجہ اصطلاحات کا ترجمہ جو سلطانی فوج میں بطور مرادف استعمال کیا جاتا تھا، مندرج ہے جس سے بہت مفید معلومات ہوتی ہیں۔ نستعلیق حروف جو ذیل میں ہیں اصل میں سیاہ ہیں اور نسخ یعنی عربی سرخی سے تحریر ہیں:

Marfat.com

اسمائے صاحب خدمات وغیرہ

قشون	نکری
سپہ دار	سردار نکری
رسالہ دار	مکندان
جوقدار	صوبدار
سرخیل	جماعدار
جماعدار	حوالدار
دفعدار	نایک
یزک دار	سپاہی
یساقچی	اجیٹن (مراد اجٹنٹ)
سریساقچی	جنرل اجیٹن
سام گاہ	پریٹ (مراد پریڈ)
منشور	وردی
منقلا	کاٹ (مراد گارڈ)
رسالہ	بٹالم (مراد بٹالین)
جوق	کمپنی
یزک	پہرہ
نشان	پرول (یعنی واچ ورڈ)
منقلای پیش	میکاڈ (وین گارڈ)
منقلای عقب	ریگارڈ
کیوان	رونڈ
کیوان اوّل	گرانڈ رونڈ
کیوان دوم	رجیٹ رونڈ
کیوان سیوم	پٹ رونڈ

Marfat.com

سام	کمان (کمانڈ) یعنی قواعد یا پریڈ
ثریا	فیل (غالباً فائل)
کہکشاں	لام (غالباً لائین)
نجم	کوت (کوائر گارڈ)
نوآموز	الیٹ بٹن؟
چاشت	(۵ گھڑی دن نکلنا) شان (۲ گھڑی رہے شام)
معلم دفعدار	دلیل نایک
معلم جماعدار	دلیل حوالدار
طنبور	-
نے	-
سنج	جھانج
طنبورچی	-
نےنواز	-
سنجی	غالباً سنج چی

دارالشفا برائے مجروح و بیمار

نان پرورشی (وظیفہ معذورانِ جنگ)

انڈیا آفس کے نسخے میں ۶، ۷، ۸ ویں بابوں میں توپ خانہ، سوارہ فوج، اور پیادہ فوج کے احکام درج ہیں۔ مگر ہمارے پیش نظر نسخے میں ان کے لیے مستقل باب تو نہیں البتہ ۵ ویں باب میں ضمناً ان کا تذکرہ ادھر اُدھر آ گیا ہے۔ ان کے سوا اس میں آخری دو صفحے (جو ۱۴۸ ویں ورق پر ختم ہوتے ہیں) سانپ کے زہر کا علاج لکھنے میں صرف ہوئے ہیں۔ یہاں پر بڑا نسخہ ختم ہو جاتا ہے جو حقیقت میں اصلی نہیں بلکہ ایک نقل ہے جیسا کہ املا کی غلطیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اور بھی نسخے ہیں ان میں سے نمبر ۲۷۵۵ اور نمبر ۲۷۵۹ کے آخر میں ''ریختہ غزلیں'' ہیں۔ ان کے متعلق فہرست میں جو انگریزی نوٹ ہے اس کا اقتباس درج اور ترجمہ کیا جاتا ہے۔

نسخہ نمبر ۲۷۵۵ ناکمل

.........اس کے سوا یہ نسخہ محض ایک معمہ ہے، ورق ۷۳ب سے ۷۷ب تک چند اُردو غزلیں نظر آتی ہیں جو دن کے مختلف اوقات سے متعلق ہیں اور ان میں سپاہیوں کے فرائض کا بھی تذکرہ ہے۔ اوراق ۷۸ سے ۹۰ تک ہیں۔ انہیں کے متعلق مختلف امور بالکل غیر واضح شکستہ خط میں ہیں جو ایک نئے ہاتھ کی تحریر ہے۔

No.2755 incomplete.

.... Beyond this the copy is a mere labyrinth; on fol. 73b-77b there appears Rekhta Ghazals for the various times of the day, with reference to soldiers`duties; on for. 78-90 miscellaneous matters` referring to the same, written by other hands in almost illegible Shikista.

نمبر۲۷۵۶ نامکمل

ورق ۵۹ب مربع میں چند اُردو اشعار ہیں۔ اور ورق ۳۴ب پر بظاہر ایک بڑی جگہ سادہ ہے جس کے بعد سے یک بیک ایک نیا خط شروع ہوتا ہے۔

No.2756 incomplete.

.... On fol.59b sq- some Rekhta verses. There is obviously a large lacuna on fol.34b where suddenly quite a new handwriting commences.

یہ اشعار ہمارے نسخے میں انڈکس کے بعد ورق ۴۷ب سے شروع ہوتے ہیں۔ ان کی نقل سے پہلے ایک بات بیان کرنی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ یہ اشعار اصلی ہیں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ بعد میں اضافے کیے گئے، اس کے کئی وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ انڈیا آفس کا مکمل نسخہ اصلی نسخہ نہیں ہے بلکہ ایک نقل ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ اصل سے نقل ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں اردو اشعار کے نہ ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ اصلی نسخے میں بھی نہ تھے۔ جن دو نسخوں میں اردو اشعار ہیں ان کے دیکھنے کا اگرچہ موقع نہیں ملا لیکن انڈیا آفس کی فہرست میں ایڈیٹر نے جو عبارت لکھی ہے اور جو اوپر نقل کی گئی ہے اس پر غور کرنا چاہیے۔ نمبر ۲۷۵۵ میں یہ نہیں بیان ہوا کہ اردو اشعار الگ خط کے ہیں بلکہ ان کے بعد کچھ اور باتیں جو اسی قسم کی ہیں دوسرے ہاتھ کی

Marfat.com

لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ دوسرے نسخے میں اگرچہ یہ بیان ہوا ہے کہ ۳۴ویں ورق سے خط بدل گیا اور اس طرح ضمناً اردو اشعار کے خط کا بھی ابتدائی حصے سے مختلف ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ اردو اشعار ۵۹ ویں ورق پر ہیں اور نیا خط ۳۴ ویں ورق سے شروع ہوتا ہے۔ اگر اردو اشعار بعد کے سمجھے جائیں تو اس تمام حصہ کو بھرتی کا سمجھنا چاہیے جو نئے خط کی ابتداء سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کے کاتب کو اصل کتاب کا کوئی مکمل نسخہ نہیں ملا۔ پہلے جتنا حصہ ملا نقل کرلیا۔ اس کے بعد اس کے جانشین کو جب اس کتاب کا کچھ اور حصہ ملا جو اس کے پاس کی کتاب میں نہ تھا تو اس نے احتیاطاً تھوڑی جگہ سادہ چھوڑ کر باقی حصہ نقل کرلیا۔

اس کے برخلاف ہمارا نسخہ اصل شاہی نسخے کی نقل معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے صفحہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اوپر ایک مہر کی نقل ہے جو اس طرح ہے۔

(۵۱۲۱)

ٹیپو سلطان

اس مہر کے برابر نمبر ۱۲۱۵ لکھا ہوا ہے کہ جن کا منشاء معمہ ۵ ہے۔ اس کے سوا اصل کتاب کی تصنیف ۱۱۹۷ء کی ہے اور ہمارا نسخہ ۱۲۰۱ء میں نقل کرایا گیا ہے (جو اصل نسخے کی تصنیف شروع ہونے کے صرف چار برس بعد کا ہے) چنانچہ ابتدائی صفحہ پر کتاب کے نام کے نیچے یہ عبارت ہے:

''درمیلا پور معرفت دلیر جنگ بہادر بتاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۰۱ ہجری نویسانیدہ شد''۔[٦]

اس صفحہ پر تین مہریں ہیں جو مٹی ہوئی ہیں مگر خوردبین سے واضح ہوتا ہے کہ ایک پر (۱۲۶۰ کتاب عماد الدولہ بہادر) ہے جو ویسے بھی ذرا سے غور سے پڑھا جاتا ہے اور دوسری پر (عبدالوہاب خان) نظر آیا ہے سنہ میں کچھ (٦٦) سا پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے سوا تیسری سب سے مدہم مہر مجھ سے پڑھی نہ جا سکی۔ اندر بھی ٹیپو سلطان والی مہر کے بازو ایک اور اسی قسم کی مہر ہے جس کے پڑھنے کے لیے ایک اچھی خوردبین کی ضرورت ہے مگر یہ بیرونی باتیں ہیں۔

اندرونی ثبوت میں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔

Marfat.com

اولاً اردو اشعار کی زبان سے پتا چلتا ہے کہ یہ ٹیپو سلطانی عہد سے زیادہ بعد کی نہیں جیسا کہ ناظرین پر بھی جب اس عہد کے اُردو اشعار کا مطالعہ کریں گے تو واضح ہو جائے گا۔ (ملاحظہ ہو اُردوئے قدیم از حکیم سید شمس اللہ قادری)

دوسرے یہ غزلیں اسی خط میں ہیں جس میں باقی کتاب تحریر ہوئی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اردو غزلوں کے آخر میں ''نام ہای دوازدہ ماہے'' کی سرخی سے یہ بارہ مہینے ہیں ''احمدی، بہاری، جعفری، دارائی، ہاشمی، واصلی، زبرجدی، حیدری، طلوعی، یوسفی، ایزدی، بیاضی''، اسی عہد کی بعض کتابوں کے آخر میں جن کا تذکرہ فہرست کتبخانہ انڈیا آفس میں نظر سے گزرا، ٹیپو سلطان کا نام اور اس کے بعد حکم کی تاریخ میں یہی مہینے لکھے ہوئے ہیں۔ اقتصادی ضروریات سے شمسی مہینوں کے رواج کی ضرورت تھی اور مسیحی مہینوں کی بجائے یہ مہینے منظور کیے گئے (اسی سلسلے میں حیدرآباد کے فصلی مہینوں کے متعلق اشارہ کرنا ناموزوں نہ ہوگا کہ حیدرآباد میں بھی ایسا ہی کیا گیا)

چونکہ یہ آخری باب ۵ انہیں اشعار کے بعد ہے اور اسی ورق پر ہے جس پر کئی ایک غزلیں ہیں اس لیے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جب یہ مہینے سلطانی سلطنت میں مروج تھے تو ان فوجی غزلوں کے رواج کو بعید از قیاس نہیں سمجھا جا سکتا خصوصاً ہمارا نسخہ ٹیپو سلطان کی وفات سے کوئی چودہ سال قبل نقل ہوا ہے۔ فارسی کی بجائے اردو اشعار کی غالباً یہ وجہ ہے کہ اس زمانہ میں سرکاری زبان فارسی تھی لیکن ملک میں اُردو خوب مروج تھی اور سپاہیوں میں سے اکثر کی مادری زبان تھی۔

فوجی گانوں میں جو بیتیں سب سے زیادہ مستعمل تھیں وہ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

غزل۔ وقت آہستہ قدم، پشتو

ملکِ ہندوستان میں دیں کا وہی سلطان ہے — غرق جس کے آبِ خنجر میں فرنگستان ہے
کیا ہے نسبت جاہ و حشمت میں سکندر سیں تجھے — بارگاہِ قدر کا دارا تیرا دربان ہے
ہے وہی انسان کامل جس میں ہو معنی کی بُو — نقشِ دیبائی و گرنہ صورتِ انسان ہے

مذکورہ بالا غزل غالباً آہستہ روی کے وقت بجائی جاتی تھی اور مندرجہ ذیل تیز روی کے وقت:

غزل۔ وقتِ جَلد قدم۔ ہندول

بجا ہے کہیے اسی کو شہ خواص و عام — کہ جس کے رعب سیں لرزاں ہے آفتاب مدام
لقب ہوا اُسے سلطانِ دیں اسی خاطر — کہ ہے مروجِ شرع اور حامیٔ اسلام
جہاد یہاں تیئں (تک) رائج کہ عہد میں جس کے — نہ یکھی تیغ کبھو خواب میں بھی روئے نیام

غالباً نیزوں سے لڑائی کے وقت بجائی جاتی تھی:

غزل۔ وقتِ ضربِ سنان۔ جنگلہ

یاالٰہی رہے تا حشر وہ سلطان جہاں — جس کے ہے عدل سیں سرسبز گلستانِ جہاں
سرنوشت آیۂ فتح است علم کے جس کے — کیوں نہ دیں باج اُسے جملۂ شاہانِ جہاں
حیدری رسم کو احیا (زندہ) کرے عالم جو کوئی — ہے بجا کہیے اگر اُس کے تیئں جانِ جہان

صبح سویرے یہ غزل بجتی تھی:

فرنگ و زنگ تری تیغ سے کیوں نہ لرزاں ہو — کہ جس کے خوف سے دم سیں برق ہر دم پا بہ دلماں ہو
دعا کرتا ہے ہر یک مور جس وادی سیں تو گزرے — کہ یا رب یہ جہاں داور زمانہ کا سُلیماں ہو
لب ہر ذرہ سیں یہ لفظ نکلے ہے بصد آمیں — فلک پر مہر ہے جب تک زمیں پر ٹیپو سلطاں ہو

مذکورہ ذیل کی غزل فوج کے بدلنے کے موقع پر بجائی جاتی تھی:

غزل وقتِ تبدیل منقلا پنج گھڑی روز بماندہ۔ توری

بُلبل ثنا کرے ہے جب گُل کی گلستاں میں — میں خُلق کا تیرے وصف کہتا پھروں جہاں میں
گر یادِ خُلق تیرا گزرے چمن کے دل پر — ہر خار بار لاوے صد دستہ گُل خزاں میں
طاقِ بلند نسیاں ہے جای نامِ کسریٰ — شہرا ہوا تیرا عدل از بسکہ اب جہاں میں

یہ رُباعی صبح میں بجائی جاتی تھی۔

رُباعی وقت نشان سہ پاس روز گزشتہ۔ سارنگ

روشن ہے تیرے سیں اب چہ ماچیں وچہ زنگ ای مہر جمال
انگشت نما ہے تیغ تیری در شہر فرنگ مانند ہلال
اودے ہے تیرے عدل سیں یہ صورت جگے (بک) میں بے رنگ گذاف
پالے ہے بغل میں اپنے آئینہ کو سنگِ فرزند مثال

غزل وقت شاں یعنی دو گھڑی روز باقی ماندہ، کوری

خلق تیرا کرے جو عطاری آوے یوسف پئے خریداری
ہجر کی رات دیدۂ عاشق بخت سیں تیرے سب کی بیداری
اوٹ (ہند) گیا اب جہاں سیں نام خراب ہے تیرے عدل کی یہ معماری

غزل وقتِ توپ شب کہ یک پاس گذشتہ می زند۔ کلیان

ازل سے ہو جو مُسخّر بظلِ الٰہی اُسی سے سیکے فریدوں رسمِ جمجاہی
رہے نہ یوں برخورشید میں قبای فلک جو چست ہے تیرے جامہ پو خلعتِ شاہی
الاہی جب تیَں قائم ہے آسمان و زمین مطیع حکم ہو اس کا زماہ تاماہی

خوشی اور مسرت کے وقت یہ اشعار بجائے جاتے تھے:

غزل۔ دَر وقتِ سرُور و فرحت، پُوربی

ندیکھے خواب میں روئے زوال ای ظلِ سبحانی اگر خورشید سیکے تجسے (سیکھے تجھ سے) آئینِ جہاں بانی
مجسم ہو تیرا اگر حُسن خلق اے آیۂ رحمت نکالے یک گریباں سے سرباہ ماہِ کنعانی
الٰہی یہ شہ انجم حشم گردش سیں گردوں کے نہ ہو خورشید کے مانند گاہے چیں بہ پیشانی

کسی کو بطور سزا تشہیر کرایا جاتا تو اس کے ساتھ یہ ڈھنڈورا پٹتا۔

Marfat.com

غزل۔ دَر وقتِ تشہیر مردِ گنہگار۔ یمن

ذات سیں تیرے قائم عدل ای جہاہ و بس — حکم سیں تیرے ہے نکلا عدل کے دل کا ہوس
عدل کے شحنہ سے تیرے اے شہ بیدار بخت — خواب شیریں خوش کیا ہے خانۂ چشم عسس
کہ عدو پاوے اماں تجھ (تیری) تیغ سیں کاٹے ہے جب — زندگی اپنی کے رہ نالہ ہی میں مثل جرس

غزل۔ وقتِ تشہیر زن گنہگار۔ دھناسری

بہرام ہراساں ہے تیرے خنجر سیں بر چرخ دورنگ
چمکے ہے درخش تیرے گردوفر سیں اے صفدر جنگ
تجھ تیغ کا اب گرچہ درکشور ہند ہے موج میں لنگ
نونیزہ گذر گیا پانی سر سیں در ملک فرنگ

کوچ کے لیے سپاہیوں کو جمع کرنے کی آواز میں یہ بجتا تھا:

غزل۔ دَر وقتِ طنبور اوّل کوچ۔ شام کلیان

ہے تیرا بندۂ فرمان نہ تنہا بہرام — حلقہ درگوش پہ ہے چرخ مہ نو سے مدام
مشتری دام کرے اُس سے سعادت دایم — کوکب بخت کا تیرے جو ہو کیوان غلام
ابلق چرخ تیرے حکم پہ کیونکر نہ پھرے — کہ ازل سے تیرے کف میں ہے زمانہ کا زمام

غزل۔ دروقت طنبور دویم کوچ۔ للت

تاباں ہے برج اوج میں وہ آفتاب آج — خورشید جس کی شرم سیں ہے آب آب آج
ہو نشہ بآبِ آتش فردا اگر عدو — شمشیر سیں تیرے پے یک قطرۂ آب آج
رائج ہے طبع سیں تیری از بسکہ راستی — زُلفِ پری رُخاں سیں اٹھا پیچ و تاب آج

تیسری آواز پر دو مخمس بجتے تھے:

ہے علم داروں میں تیرے چرخ اطلس فام ایک — نیز داران کی تیرے سیں ہے بہرام ایک
بزم ہمت کا تیرے ہے مہر زریں جام ایک — ہفت مدبحر ہے تیرا مدانعام ایک
الغرض عالم میں ہے تو داور ایام ایک

پنجۂ ہمت تیرا جب سیں سخا آئیں ہوا　　کوہ کے دامن سیں دامن آز کا سنگیں ہوا
عدل کا شہرہ تیرا از چین تا ماچین ہوا　　جلوہ آرا ہند کا ایسا جو ماہِ دین ہوا

کیا عجب گر بعد ازاں ہوے جو صبح وشام ایک

منتشر سپاہیوں کو جمع کرنے پر:

غزل: جہت اجتماع مَردِم متفرق۔ کھماج

اے آفتاب! جلوہ دہِ آسمانِ عدل　　شاداب ہے تیرے سے اب گلستانِ عدل
پےَ لکنت دروغ کہے یہ حرف راست　　بہتر تیرے سیں کون ہو شاہِ جہانِ عدل
جُز وصف تیری ذات کا ہرگز سنے نہ کوئی　　گویا بیانِ قال سیں گر ہو زبانِ عدل

واضح رہے کہ بعض مصرع موزوں نہیں معلوم ہوتے۔ اصل کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے لیکن کسی اور نسخے کی غیر موجودگی کے باعث مقابلہ نہیں کیا جا سکا۔

(مشکل قدیم الفاظ بہت کم ہیں ''سیں'' ''سے'' کی جگہ ہر مقام پر مستعمل ہوا ہے۔ مصرع دوم آخری غزل کے سوا جہاں ''ہے'' ہی اصل میں بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے سوا ''تجھ'' ''تیرے'' کے معنی میں اور ''تیئں'' ''تک'' کے لیے رائج ہے۔ ''گ'' پر مرکز اصل میں نہیں ہے لیکن سہولت کے لیے اس مضمون میں لگا دیا گیا ہے۔ اور چار اعراب بھی بڑھا دیے گئے ہیں۔ آسانی کے لیے بعض الفاظ کے نیچے معنے کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہر غزل ایک خاص طرز میں بجائی جاتی تھی جس کے نام بھی اصل میں لکھے ہوئے ملے ان کی تشریح اس لیے ضروری نہیں کہ اس کا وقت فارسی میں بازو ہی موجود ہے۔)

یہ مختصر کیفیت ہے جو فتح المجاہدین کے مطالعے کے بعد مرتب کی گئی۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ دارالکتب خلیلیہ ۱۷۵۲ اکلل منڈی حیدرآباد دکن۔

۲۔ فہرست مخطوطات فارسی دفتر ہند نمبر ۲۷۳۸۔

۳۔ اس کی ایک اور تصنیف مویدالمجاہدین بھی کتبخانہ دفتر ہند میں موجود ہے، جس کے دو نسخے ہیں نمبر ۲۶۱۹، نمبر ۲۶۲۰۔

۴۔ بین الواوین عبارت فہرست انڈیا آفس سے منقول ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسخہ بھی اصلی نہیں بلکہ نقل اور غلط نقل ہے ملاحظہ ہو" مثائل"

۵۔ ٹیپو سلطان نے سنین کے متعلق طرح طرح کی جدتیں دکھائی تھیں، ان پر مولانا حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب نے اپنے مضمون" سکہ جات ٹیپو سلطان" میں (جو اسی اشاعت میں درج ہے) کافی روشنی ڈالی ہے" مجلہ"۔

۶۔ میلاپور مدراس میں ایک محلے کا نام ہے اور یہ کتاب مدراس ہی سے حیدرآباد آئی ہے۔

(مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، دسمبر ۱۹۲۸ء)

Marfat.com

پاکستانی زبانوں کا رسم الخطی وفاق

عالمگیر موتمر خط عربی کی ضرورت روز افزوں ہے اور اپنی جگہ قائم ہے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم پاکستان کی حد تک یہی ہو سکتا تھا کہ مقامی زبانوں کے خطوں کے نزاع کو دور کرے۔ اور ان سب زبانوں میں مشترک آواز کے لیے مشترک حرف رائج کیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک سرکاری کمیٹی ...... غالباً سرکاری انداز میں ...... کام کر رہی ہے۔ فنی دلچسپی رکھنے والی پبلک ہاتھ بٹانے میں اپنا حصہ لے سکتی ہے اور عوامی مباحث سے مسائل کے مالہٗ و ماعلیہ پر روشنی ڈال سکتی ہے۔

اس بارے میں اولاً ایک سیر حاصل مواد کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ضلع وار لہجوں، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ تلفظوں کے فرق وغیرہ سے کافی دشواری ہے پھر بھی اہل علم کے تعاون سے نقش اول تو تیار ہو سکتا ہے۔

پاکستان میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں سے بڑی بہ لحاظ حروف تہجی یہ ہیں۔ اُردو، بلوچی (مکرانی و بروہی) بنگالی، پشتو، پنجابی (شمالی وملتانی) سندھی، کشمیری، گجراتی (مع میمنی)

ان میں بنگالی اور گجراتی کے سوا باقی سب میں عربی خط رائج ہے۔ بنگالی اور گجراتی میں بھی عربی خط مختلف طبقات میں ایک حد تک پھیلا ہوا خاص کر مسلمان مذہبی علماء میں اور ایسے قدیم وجدید مخطوطات بھی ملتے ہیں لیکن عوام میں دیوناگری خط کا استعمال زیادہ ہے اور اسے کم کرنا ایک اصولی امر اور پالیسی کا مسئلہ ہے۔ چونکہ پاکستان میں بسنے والے جو بنگالی اور گجراتی بولتے ہیں، زیادہ تر مسلمان ہیں۔ اس لیے ان زبانوں کے خط کے لیے حروف القرآن کا دوبارہ رواج کسی خصوصی مخالفت کا سامان نہیں کر سکتا۔ صرف آغاز اور ایک نئی نسل کے تیار ہونے تک عبوری دور کی دورنگی پر صبر کرنا ہوگا۔

Marfat.com

رسم الخط کی تبدیلی سے غیر محسوس طور پر چند نسلوں میں قوم کے تلفظ پر بھی کافی اثر پڑتا ہے خاص کر جب کہ نئے رسم الخط میں پرانے خط کے جملہ حروف کے بدل مہیا نہ کیے گئے ہوں۔ اسی کے ایک پہلو کی مثال یہ ہے کہ حیدر آباد دکن کا شمالی صوبہ بڑاڑ ہے۔ مقامی باشندے تو اب بھی اسے بڑاڑ ہی کہتے ہیں لیکن دیگر رقبوں کے لوگ اسے اب سادہ برار کہتے ہیں کیونکہ فارسی اور بعدازاں انگریزی نے اسے وہ تلفظ دلا دیا جو ان دونوں زبانوں کے رسم الخط کے لیے ممکن تھا۔ یا یہ کہ آریائی زبانوں میں ایک آواز ہے جو (واو) اور (بے) کے مابین ہے۔ اگرچہ نہ واو ہے اور نہ بے ہے۔ عربی خط اختیار کرتے وقت اس کا ہندی مسلمانوں نے لحاظ نہ رکھا۔ اور اب یہ خصوصی آواز کہیں واو سے اور کہیں بے سے ادا کی جاتی ہے۔ (وید، بید) (وندھیا چل بندھیا چل) (وچار سوچ بچار وغیرہ)

ان میں سے پہلی قسم کی دشواری کا حل تو آسان ہے۔ بڑاڑ والے اپنی تحریروں میں ڑ لکھیں اور جغرافیہ وغیرہ درسی کتابوں میں اس کا التزام کرائیں تو وہ خود ہی برار سے دوبارہ بڑاڑ ہو جائے گا۔ کیونکہ ڑ کی آواز کے لیے ایک حرف موجود ہے۔ دوسری قسم کی دشواری کا حل سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ایک نیا حرف ہمارے حروف تہجی میں بڑھایا جائے۔ اس کی ضرورت دو وجوہ سے شدید ہے۔ ایک تو اس آواز کا وجود اسماء واعلام میں ساری دنیا میں کثرت سے ہے۔ پولینڈ کے شہر Lvov کا تلفظ موجودہ عربی رسم الخط میں کسی بھی کوشش کے باوجود نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرے جن زبانوں کا رسم الخط بدلنا فوری طور پر پیش نظر ہے ان کی ضرورتیں بھی اس کی متقاضی ہیں کہ ایک ایسا حرف ہو، خوش قسمتی ہے مصر، شام عربی خط والی ترکی تینوں جگہ اس کے لیے ڤ رائج ہے۔

ایک اور آواز، ن+ گ + ی کی ہے۔ اُردو میں ابتداءً چاہے اسی کی ضرورت رہی ہو اب بالکل نہیں لیکن سندھی اور بنگالی میں ضرورت باقی ہے۔ ہندی، مرہٹی نیز فرنچ وغیرہ کے کم از کم اسماء واعلام کا صحیح تلفظ عربی خط میں دینے کے لیے بھی اس کی ضرورت ہوگی۔

میں نے اپنے سابقہ مضمون میں ایک امر پر زور دیا تھا کہ اگر کوئی حرف کسی آواز کے لیے پہلے سے مروج ہو تو عربی خط والی زبانیں اس حرف کو کسی دوسری آواز کے لیے استعمال نہ کریں ورنہ عربی خط میں بھی ایسا ہی نراج پھیلے گا۔ آج کل لاطینی خط میں پایا جاتا ہے اور طلبہ السنہ وتقابل لسانیات کی مٹی پلید کرتا ہے۔ مثلاً حرف جے کا تلفظ انگریزی میں ج، فرانسیسی میں ژ، جرمن

Marfat.com

میں تی، اسپینی میں تخ ہے۔اس کی دو مثالیں میں نے پہلے مضمون میں بھی دی تھیں کہ مصری آج کل چ لکھ کر اس کا تلفظ ژ کرتے ہیں اور مشرقی افریقہ میں حوسہ، فلاتہ وغیرہ میں ئی لکھ کرے تلفظ کیا جاتا ہے۔(= موسیٰ کا تلفظ موسا کی جگہ موٗسے) اس کی ایک مزید مثال سندھی میں ہے۔وہ ک کا تلفظ کھ کرتے ہیں۔اس کی اصلاح خود مصری، فلاتی، اور سندھی باشندوں ہی کے مفاد کی خاطر ضروری ہے اور اگر یہ لوگ فارسی وغیرہ سیکھنا چاہیں تو ان کے طلبہ بے وجہ غلطیاں کرتے رہیں گے۔کسی انگریزی داں کو جب وہ روسی شروع کرتا ہے تو (H) کا تفظ (ن) (C) کا (س) اور (P) کا تلفظ (ر) کرنے کا حکم کتنا مشکل التعمیل اور کتنی توانائی کا اسراف کرتا ہے مگر کجا دانند حال ماسبکساران ساحلہا۔

عربی نے ہمیں اُردو کے لیے اپنا پیارا خط دیا۔اُردو اس گرانبار احسان کے معاوضے اگر چند نئے حروف تہجی کے اختیار کرنے میں (جن کی ضرورت صوتیات کی تعلیم کے سلسلے میں خود عربوں کو بھی شدید ہے) پیش قدمی دکھائیں تو ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند کا شاید مصداق ہو گو عربی کا احسان اس سے پوری طرح ادا تو پھر بھی نہیں ہوگا۔

یوں بھی جیسا کہ عرض ہوا اور علوم وفنون کی طرح صوتیات کی تعلیم بھی اردو میں ترقی پذیر ہے۔اس کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے دنیا کی ہر زبان کی آواز کو اُردو میں ادا کرنے کے لیے حروف تہجی کی ضرورت ہوگی (چاہے وہ عام طور پر اُردو زبان کے لیے محض بیکار ہی کیوں نہ ہوں) آج لاطینی یعنی انگریزی خط میں عربی، فارسی، اُردو، سنسکرت ہی نہیں چینی زبان بھی تلفظ بتانے کے لیے لکھی جاتی ہے۔بعض حیثیتوں سے عربی خط میں لاطینی سے زیادہ سہولتیں ہیں۔صرف کام لینے کی ضرورت ہے۔

ذیل میں ایک تختہ درج کیا جاتا ہے جو اگرچہ ناکمل اور سرسری ہے لیکن اس سے اندازہ ہوجائے گا کہ عربی خط میں مختلف زبانوں کی ضرورتوں سے کیا اضافہ ہوا ہے۔اور یہ بھی کہ ایک ہی آواز کو مختلف ملکوں میں کس کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔اس تختے میں ممکن ہے خامیاں اور غلطیاں بھی ہوں لیکن منشا صحیح مواد مہیا کرنے سے زیادہ صرف اس کا تصور پیدا کرنا ہے کہ مسئلے میں کتنی الجھنیں ہیں۔

Marfat.com

اس ضرورت پر مکرر زور دیا جاتا ہے کہ ایک بین الممالک موتمر عربی رسم الخط واعراب طلب کی جائے۔ اس کے سامنے یہ مسائل رکھے جائیں اور اس سے مطالبہ کیا جائے کہ باہمی مفاد کی خاطر سوچ کر کوئی یکسوئی کرے اور پھر ان سفارشوں کی سب تعمیل کریں۔ بعض چیزیں پشتو میں بڑی عمدہ ہیں۔ بعض آوازوں کے لیے اُردو کی جگہ سیدھی شکل بھی اختیار کی جاسکتی ہے لیکن بہر حال عجلت کی ضرورت ہے۔ خواندگی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس کے زیادہ عام ہو جانے سے قبل یکسانی کے عائد کر دینے میں فائدہ سب ہی کا ہے نقصان کسی کا نہیں۔

عربی حروف ہجا پر اضافے

اُردو	پشتو	سندھی	عرب	عرب	تامل	ملایائی	وجاوی	کیفیت
			بنگلہ	گجراتی	وملیالم	وانڈونیشی		
پ	پ	پ	پ	پ	ب	ف		(ان کے یہاں عربی ڤ نہیں ہے)
چ	چ	چ	چ	چ	چ			
ژ	ژ	-	-	-	-	-		مصر میں (چ) جیسے چورنال (=ژورنال)
گ	ک	گ	گ	گ	غ	ن		
ٹ	ب	ٹ						
ڈ	د	ڈ			ڋ			
ڑ	ر	ڑ			ڔ			
ں								
ے								مشرقی افریقہ کی زبانوں میں (ی)
د+ز	ځ							
ت+س	څ							

Marfat.com

خ+ش	ښ					
ژ+و	ځ					
آوَب	–	ٻ				
بھ	–	ٻھ				
تھ		ٿ				
ٹھ		ٹ				
پھ		ڦ				
گ+ی		ڄ				
جھ		جھ				
ن+گ+ی		ڃ	یاں			یہ آواز ہندی اور فرنچ میں ہے
پھ		ڇ		ع		
دھ		ڌ				
ڈر		ڊ				
ڈھ		ڍ				
ک		ی				
کھ		ک				
گھ		گھ				
نگ		ڳ			غ	
ڑ+ن		ن		ڻ		دکھنی اُردو، میں یہ دونوں آوازیں ہیں مگر لکھی نہیں جاتیں جیسے انگریزی Love میں
ڑ+ل				ڵ		
ڤ		و	و			

Marfat.com

یہ سب صرف حروف کا ذکر ہے۔ اعراب کی ضرورتیں بھی ویسی ہی شدید ہیں۔ اس پر میں نے کئی بار لکھا اور ایک سے زیادہ ضخیم کتابوں میں کامیابی سے برتا بھی ہے۔ ضرورت ہو تو اس کو مکرر قومی زبان میں بھی لکھا جائے گا۔

اگر انجمن ترقی اُردو تحریک کرے تو یقین ہے کہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب جیسے علم دوست وزیر تعلیم جلد ایسی موتمر کراچی میں طلب کر سکتے ہیں۔ جس میں پاکستانی زبانوں کے نمائندوں کے علاوہ الجامعۃ العربیہ (عرب لیگ) کا شعبہ ثقافتی بھی شوق سے حصہ لے گا۔ اور ایران وافغانستان کے ساتھ تامل ناڈ، ملیبار، انڈونیشیا ملایا اور فلپائن شریک ہوں گے بلکہ شاید خود ترکی بھی ناظر روانہ کرے گا۔ مستشرقین مغرب اور مستغربین مشرق کے لیے بھی ایک نیا فکری جولانگاہ ہاتھ آئے گا۔ اور اس اقدام سے پاکستان کو دنیا میں ایک ثقافتی پیش روی کا فخر بھی حاصل ہو جائے گا۔ لیکن ضرورت ہے کہ جو بھی ہو جلد ہو۔ اب ہماری عمریں حضرت نوح علیہ السلام کے برابر نہیں ہوتی ہیں۔ دھکا طیارے (جٹ پلین) کے زمانے میں اونٹ پر سفر انجمن ترقی اُردو کے لیے تو مناسب نہیں۔

(پندرہ روزہ ''قومی زبان'' کراچی۔ ۱۶ر جون ۱۹۵۰ء)

Marfat.com

خودشناسی

بیج میں مکمل درخت پوشیدہ ہوتا ہے۔ پھل، پھول، تنہ، شاخیں غرض سبھی کچھ اس ذرا سے بیج میں مخفی ہے۔ ایک سرسری نظر سے دیکھنے والے کی سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ اس ننھے سے بیج سے اتنا بڑا اتناور درخت کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ شخص نہایت بدقسمت ہے جس کے پاس ایک اعلیٰ قسم کا بیج ہو۔ زمین موافق اور آب و ہوا موافق ہو۔ نگہداشت اور تربیت کا پورا پورا انتظام کر سکتا ہو۔ پھر محض اپنی نادانی اور بے خبری سے اس بیج سے ایسا مفید درخت حاصل نہ کرے لیکن ایک سمجھ دار اور دوراندیش شخص جو اس بیج کی خوبیوں سے آگاہ ہے اور جو اس کی قدر و قیمت جانتا ہے اسے بوتا ہے، دن رات اس کی رکھوالی کرتا اور انجام کار اپنی محنت کا پھل پاتا ہے۔ وہ نادان شخص جس نے اسے بیکار شے سمجھ کر یوں ہی ضائع کر دیا تھا۔ جب اس قدر عظیم الشان اور مفید خلائق درخت دیکھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے اور دستِ تاسف ملتا ہے کہ ہائے بدبختی! میں نے کیوں اس بیج سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اگر میں نے اسے بویا ہوتا تو میں بھی آج اس شخص کی طرح اس کے پھل سے اس کے پھول سے اور اس کے سایہ اور لکڑی سے متمتع ہوتا۔ میں اکیلا نہیں بلکہ میری آئندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھاتیں۔ لیکن اب جبکہ وقت ہاتھ سے نکل چکا کیا ہو سکتا ہے۔

ہم نے ادھر ایک ایسے بیج کی مثال بیان کی ہے جس کی صحیح تربیت سے انسان غیر معمولی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ درحقیقت دنیا کی باقی تمام چیزوں کا بھی یہی حال ہے۔ اگر ہم کسی شے کا صحیح استعمال جانتے ہیں تو ہم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ دور کیوں جاؤ، خود انسان کو لے لو، انسان کی اپنی مثال بعینہ ایک اعلیٰ بیج کی سی ہے۔ اگر اسے صحیح تربیت دی گئی تو یہ ایسی شان پیدا کرے گا کہ اسے دیکھ کر ایک عالم محوِ حیرت رہ جائے گا۔ مشکل صرف ایک ہے اور

وہ یہی کہ ہم اپنی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا ہیں اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ پست ہمتی اور دون ہمتی ہمیشہ انسان کی سدراہ رہی ہے اور بڑے بڑے ہونہار انہیں کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ اپنے سامنے بلند مقاصد تو رکھ لیتے ہیں لیکن جب مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو سب کچھ چھوڑ کر ایک طرف ہو بیٹھتے ہیں اور گوشۂ گمنامی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ انہیں اپنی طاقت پر بھروسا نہیں ہوتا۔ انہیں اس بات کا یقین ہی نہیں آتا کہ استقلال اور پیہم کوشش مخالفت کی سخت سے سخت چٹان کو چور چور کر سکتی ہے۔ لوہے کو پگھلا سکتی اور پانی کو پھاڑ سکتی ہے۔ ایسے مایوس مریضوں کا بہترین علاج تاریخ ہے۔ ان کوتاہ اندیشوں اور کم ہمتوں کو دکھایا جائے کہ بدبختو! جن نامساعد اور ناموافق حالات کی تم شکایت کرتے ہو جن مخالفین سے تم اپنے آپ کو شب و روز گھرا ہوا پاتے ہو۔ مصائب کے جیسے سر بفلک پہاڑ تمہارے لیے سدراہ ہو رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر تمہاری کمر ہمت ٹوٹ گئی ہے ان حالات سے بڑھ کر برے حالات اور ان تمہارے مخالفین سے بڑھ کر مخالفین نے تمہارے اسلاف کے جوش عزم کے دریا کا بہاؤ روکنا چاہا تھا لیکن ان ثابت قدمی کے مجسموں نے اپنی ثابت قدمی سے ان تمام مخالفتوں کی ایک کاہ کے برابر پروانہ کی اور سب کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔

وہی مخالفین جوان کو ایک وقت میں حقیر سمجھتے تھے ان پر پھبتیاں کستے اور مذاق اڑاتے تھے۔ جب انہوں نے ان غیر معمولی ہستیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے اور اس قدر مخالفتوں کے باوجود کامیاب ہوتے دیکھ لیا تو چار و ناچار ان کے گرویدہ، ان کے مداح اور ان کے غلام ہو گئے۔ دنیا میں ایسی ہستیاں بھی گزری ہیں جنہوں نے تن تنہا زمانے کے بہاؤ کو بدل دیا ہے اور اپنی ذات سے ایک مستقل تاریخ کی بنیاد رکھی ہے۔

سکندر اعظم ہمارے سامنے ہے اس کے بلند ارادے کے سامنے سارے عالم کی وسعت تنگ تھی۔ سارے جہان کو مسخر کر لینا اس کے آگے ایک ادنیٰ کام تھا۔ یہ خالی دعویٰ ہی نہیں بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ اس نے صرف چند سال کے عرصہ میں یہ سب کچھ کر دکھایا۔ اور بمشکل ۳۲ سال کا ہوگا کہ اس دار فانی میں اپنی شہرت اور بقا کی غیر فانی مثال قائم کر کے عالم بقا کو چلتا ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بتاتی ہے کہ ایک مستقل مزاج اکھڑ سے اکھڑ جاہل سے جاہل اور سرکش سے سرکش قوم کو صرف یہی نہیں کہ راہ راست پر لا سکتا ہے بلکہ انہیں ترقی کی اس بلندی پر پہنچا سکتا ہے کہ آئندہ نسلیں اور مہذب قومیں انہیں اپنے لیے مشعل ہدایت بنائیں۔

Marfat.com

نپولین اعظم کو کون نہیں جانتا۔ایک یتیم بچے نے اپنے ذاتی جوہر سے وہ شان پیدا کی کہ یورپ کی مستحکم ترین سلطنتوں کو ان کی جڑ تک ہلا دیا۔اوران کی صدہا سالہ عظمت کو یکسر خاک میں ملا دیا وہ کہا کرتا تھا کہ کوئی شے نہیں کہ انسان کے لیے ناممکن ہو،کسی نے کہا آگے راستہ میں کوہ الپس پڑتا ہے جس کی چوٹیاں برف سے ڈھک رہی ہیں۔اس پر سے عبور کرنے کا کوئی راستہ نہیں اس لیے اس راستہ کو چھوڑ دیں۔کوئی معمولی دل وجگر کا آدمی ہوتا تو یقیناً اپنے ارادے سے واپس آتا اور ایسے مشورہ کو غنیمت سمجھتا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر نپولین بھی اس مشورہ پر عمل کرتا تو پھر وہ نپولین ہی نہ ہوتا۔اس نے اس مشیر کے جواب میں صرف اس قدر کہا ع

ڈھونڈ لیں گے یا بنا لیں گے ہم اپنی آپ راہ

طارق افواج لیکر بحیرۂ روم کو پار کرتا ہے۔ جب ساحل اندلس پر اترتے ہیں تو کشتیوں کو آگ لگا دینے کا حکم دیتا ہے۔فوج حیران ہے کہ یہ کیا نادانی ہے جو بچاؤ اور نجات کا ذریعہ ہے اسی کو اپنے ہاتھ سے تباہ کیا جارہا ہے لیکن وہ جوانمرد ''طارق'' ان باتوں پر مسکرا دیتا ہے اور تلوار سونت کر ملک میں گھس پڑتا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک اسپین میں ''سلطنت مور'' کی بنیاد رکھتا ہے۔

غرض یہ سب ہماری اپنی ذات کی تفسیریں ہیں۔ یہ سب جوہر ہم میں مخفی ہیں۔لیکن ہم ان سے بے خبر ہیں۔ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہمیں یقین دلایا جائے کہ ہم ایک غیر معمولی ہستی ہیں اور دنیا کا نظام ہم سے وابستہ ہے۔ہم اپنے آپ کو حقیر و ذلیل نہ سمجھیں بلکہ جو جوہر اور جو خوبی اللہ تعالیٰ نے ہم میں ودیعت کی ہے اسے ترقی دیں اور پھر دیکھیں کہ مخالفتیں کس طرح دھواں ہو کر اڑتی ہیں اور کس طرح رکاوٹوں کی سخت چٹانیں روئی کے گالے بن بن کر ہوا ہوتی ہیں۔

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

(''مخزن'' لاہور۔دسمبر ۱۹۲۹ء)

Marfat.com

حسن آغا، زنیچا

فاطمہ بیگم حسن آغا کی دُکھ بھری داستان

۱۱۹۸ء کی بات ہے اس وقت ہمارا بھی دنیا کے بڑوں میں شمار ہوتا تھا۔ قسطنطنیہ سے سلطان روم تین براعظموں پر حکومت کر رہا تھا اور یوگوسلاویا اس سلطنت کا ایک چھوٹا سا صوبہ تھا۔ اس وقت مغل بادشاہ بھی دارالسلطنت دہلی سے ہمالیہ تلے کے سارے براعظم ہند کو جنت نشان بنائے ہوئے تھا۔ اس وقت جبکہ اگرچہ ہم گلستان اندلس کے آشیانے سے بستر لپیٹ چکے تھے۔ لیکن پھر بھی مراکش سے ملایا تک ہم ہی خلافۃ اللہ فی الارض کے ذمہ دار تھے۔ اس زمانے میں یوگوسلاویہ کی اسلامی سرزمین میں، علاقہ والماسیہ کے قلعہ ایموتسکی (imotsaki) کے قریب ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا جس میں کوئی ندرت نہ تھی: وہی چیز سیکڑوں گھروں میں اس سے پہلے بھی پیش آئی ہوگی اور اس کے بعد بھی یعنی ساس بہو کے جلاپے میں ایک مسلمان سپہ سالار حسن آغا اپنی حسین اور نیک بیوی فاطمہ کو اس لیے طلاق دے دیتا ہے کہ اس کے زخمی ہونے کی خبر ملنے کے باوجود بیوی اس کی عیادت کو نہ آئی۔ ماں کی مامتا سے پوچھا چاہیے کہ اپنے پانچوں بچوں سے، جن سے ایک ابھی شیرخواہی تھا، جدا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد اولیا اور رشتہ دار اس کا ایک مقامی قاضی سے نکاح کراتے ہیں۔ نئے شوہر کے ہاں جاتے وقت راستہ ایسا تھا کہ پرانے شوہر کے مکان پر سے گزرنا تھا، اس نے برقع پہن لیا کہ نہ وہ اپنے بچوں کو دیکھ سکے اور نہ بچے اسے دیکھ سکیں۔ لیکن جب وہ گھر آیا تو وہ آپے سے باہر ہوگئی۔ بچوں کو محبت سے لپٹایا، پیار کیا، تحفے تحائف بھی دیے۔ بچے بھی محبت سے اس سے لپٹ گئے اس پر باپ نے بچوں کو پکارا

Marfat.com

''یہاں آؤ، اس ظالم سنگدل ماں کی باتوں میں نہ آؤ۔'' یہ جفا کارانہ جملہ سنا تو فاطمہ ایک چیخ مار کر گرتی ہے اور اس کی روح پرواز کر جاتی ہے۔

اس افسوسناک کردارنگاری میں نہ معلوم کیا بات تھی، بیسیوں زبانوں میں پچاسوں اہل قلم نے اسے ترجمہ کر کے منتقل کیا اصل یوگوسلاوی شاعر تو معلوم لیکن ان مترجموں میں جرمنی کے گوئٹے انگلستان کے اسکاٹ اور براؤننگ، فرانس کے میریے اور روس کے پوشکین جیسے معروف نام بھی آتے ہیں۔ اس نظم کے ترجمے اطالوی، جرمن، فرانسیسی، ہنگروری، لاطینی، انگریزی، چکوسلواکی، پولینڈی، روسی، سویڈنی، سلوونی، اسپینی، یوکرینی، ایسپرانتو، رومانوی، عبرانی، ولندیزی، البانی، مقدونی، ڈنمارکی ہی میں نہیں، عربی، فارسی، ترکی اور ملایائی میں بھی ہو چکے ہیں۔ متعدد میں تو کئی کئی ترجمے ہوئے اردو میں نہ ہونا شرم کا باعث تھا۔ دیر آید درست آید تو ٹھیک نہ ہوگا لیکن کبھی نہ آنے سے دیر سے آنا بہر حال بہتر سمجھا جائے گا۔ مجھے نہ شاعری سے لگاؤ، نہ ادبیات سے دلچسپی۔ اصل پر دسترس نہ ہونے سے سات آٹھ زبانوں کے ترجمے سامنے رکھ کر اردو میں منتقل کرتا ہوں کہ فرض کفایہ تھا، اسے کوئی بھائی نظم کا جامہ پہنانے کا وقت پائیں تو ہمارے دور افتادہ یوگوسلاوی بھائیوں کی ہمت افزائی ہوگی جو موجودہ مشکل زمانے میں اپنی ثقافتی شخصیت اور مذہبی انفرادیت کو برقرار رکھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، ایک مرحوم یوگوسلاوی رفیق پروفیسر محمد طیب اوکچ M.T.Okic نے بتایا کہ ترکی ترجمہ لفظی ترجمہ اور اصل سے سب سے زیادہ مطابق ہے۔ میں نے اس پر سب سے زیادہ اعتماد کیا ہے۔

اس زبان زد نظم کا ترجمہ

(۱) سبز پوش پہاڑوں میں یہ سفید سفید کیا چمک رہا ہے؟
برف کے تودے ہیں یا کلنگوں کے جھرمٹ؟

(۲) برف کو تو پگھل چکنا چاہیے
کلنگ کو تو اڑ کر جا چکنا چاہیے

(۳) یہ ہیں نہ برف کے تودے نہ کلنگ
بلکہ ہیں خیمہ ہائے آغا حسن

Marfat.com

(۴) وہ ہے زخموں سے چور چور
ماں اور بہن آئی ہیں عیادت کے لیے از دور

(۵) بیوی سخت درد مند
آنے سے مگر آتی ہے اسے شرم

(۶) جب زخم اس کا کچھ بھر گیا
تو اس نے باوفا بیوی کو یہ کہلوایا

(۷) خبردار اب سفید بنگلے میں میرا انتظار نہ کرنا
نہ میرے بنگلے میں نہ رشتہ داروں کے ہاں

(۸) بیوی سنتی ہے یہ سخت پیام
ششدر رہ جاتی ہے دل ہوتا ہے پاش پاش

(۹) شوہر کے محل کے اطراف گھوڑوں کی ٹاپ سنتی ہے
تراس محل کے ایک برج پر چڑھتی ہے

(۱۰) ایک کھڑکی سے کود کر خود کشی کرنا چاہتی ہے
اس کی وہ ننھی لڑکیاں گھبرا کر اس کے پیچھے دوڑتی ہیں

(۱۱) اماں، اماں بھاگ نہیں
یہ گھوڑے ابا کے نہیں، ملنے آئے ہیں ماموں جان پینٹو وچ (Pintorovic)

(۱۲) یہ سن کر بیگم حسن پلٹ پڑتی ہے
اور آ کے بھائی سے لپٹ جاتی ہے

(۱۳) بھائی جان دیکھو یہ شرمناک بات
پانچ بچوں کی ماں کو ملتی ہے طلاق

(۱۴) بھائی کچھ نہیں بولتا، چپ ہو جاتا ہے
ریشمی استر والے جیب میں سے طلاق نامہ نکالتا ہے

(۱۵) اس میں مہر لے کر ماں کے گھر جانے کا حکم تھا
اس کو پڑھ کر وہ لڑکوں کی پیشانی اور لڑکیوں کے رخسار چومتی ہے

(۱۶) مگر گہوارے میں کے شیر خوار سے جدا ہونا ممکن نہ تھا
سخت گیر بھائی اسے اس سے بھی چھڑاتا ہے

Marfat.com

(۱۷) جبراً گھسیٹ کر اسے ایک گھوڑے پر سوار کرتا ہے
اور آبائی مسکن میں لدلاتا ہے

(۱۸) آبائی گھر میں آئے چند ہی دن گزرے ہوں گے
مشکل سے ایک ہفتہ گزرا ہوگا

(۱۹) حسن بھی ہے، حسب ونسب بھی
کیوں نہ ہر طرف سے اس کی ہو منگنی

(۲۰) سب سے زیادہ اصرار ہے ایموتسکی کے قاضی کو
اس پر وہ پردرد آواز سے کہتی ہے! اپنے بھائی کو

(۲۱) پیارے آ کا بھائی مجھے کسی اور سے بیاہ نہ دو
میرے بچوں کے خیال سے میرا دل پاش پاش نہ کرو

(۲۲) بھائی کچھ نہیں سنتا
ایموتسکی کے قاضی سے کرادیا جاتا ہے نکاح

(۲۳) وہ مکرر بھائی سے التجا کرتی ہے
ایک پرچے پر کچھ لکھتی ہے

(۲۴) اور ایموتسکی کے قاضی کو بھجوانا چاہتی ہے
کہ تمہاری منگیتر ادب سے سلام کرتی ہے

(۲۵) اور دل وجان سے یہ التماس کرتی ہے
کہ سرداروں کے ہمراہ رخصتی کے لیے یہاں آنے کے وقت

(۲۶) ایک برقع لاؤ کہ حسن آغا کے محل کے سامنے سے گزرتے وقت
اپنے بچوں کو نہ دیکھنے پاؤں

(۲۷) اس خط کے ملتے ہی قاضی صاحب سرداروں کو جمع کرتے ہیں
اور اس کو رخصت کرا لینے جاتے وقت اس کے لیے برقع بھی لے جاتے ہیں۔

(۲۸) نوشاہ کے ساتھ دلہن کے ہاں پہنچتے ہیں
اور توزک واحتشام سے اسے دولھا کے گھر لاتے ہیں

(۲۹) حسن آغا کے گھر کے سامنے سے گزرتے وقت
اس کی دونوں لڑکیاں کھڑکی سے ماں کو دیکھ کر پہچان جاتی ہیں

Marfat.com

(۳۰) دو لڑکے بھی باہر آتے ہیں
اور ماں سے تخاطب کرتے ہیں
(۳۱) پیاری اماں ہمارے ہاں آؤ
اور کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ
(۳۲) اس کو دیکھ کر وہ نوشاہ کے ہمراہیوں میں سے
جو سب سے سامنے تھا اس سے کہتی ہے
(۳۳) اے نوشاہ کے ساتھیوں کے سردار
اے برادر دین وملت
(۳۴) گھوڑوں کو اس محل کے سامنے ذرا ٹھہراؤ
اپنے یتیم بچوں کو کچھ تحفے دینا چاہتی ہوں
(۳۵) گھوڑے محل کے سامنے ٹھہر جاتے ہیں
وہ اپنے بچوں کو قیمتی ہدیے دیتی ہے
(۳۶) لڑکوں کو زرکار ٹوپیاں
لڑکیوں کو چوغے
(۳۷) گہوارے میں کے شیر خوار
کو ایک بستے میں بھیجتی ہے کپڑے
(۳۸) سنگدل حسن آغا دور سے یہ سب دیکھتا ہے
باہر نکلے ہوئے بیٹوں کو للکارتا ہے
(۳۹) یہاں آؤ میرے یتیم بچو
تمہاری سنگدل ماں کو نہ آئے رحم تم پر
(۴۰) جوں ہی فاطمہ یہ جملے سنتی ہے
چیخ مار کر زمین پر گر پڑتی ہے
(۴۱) جیسے بچے واپس جاتے ہیں
اس کی بھی روح پرواز کر جاتی ہے

(ماہنامہ شاہکار میگزین شمارہ 13 اکتوبر 2005ء)

ابوزرع کی روایت

کہتے آئے ہیں کہ کسی زبان کے قدیم ترین آثار نظموں میں ملتے ہیں۔ لیکن بروکل مان (Brockel Mann) نے جب اپنی جرمن ''تاریخ ادبیات عربی'' لکھی تو اس میں بتایا کہ نظموں سے بھی زیادہ قدیم آثار نثر کے ہوتے ہیں اور وہ ضرب المثلوں، کہاوتوں، خطبوں (تقریروں) کے اقتباس اور بچوں کی لوریوں وغیرہ میں ملتے ہیں، ایسی چیزوں سے ملک کا ہر شخص واقف ہوتا ہے، لیکن ان آثار کا کوئی مئولف معلوم ہوتا ہے اور نہ زمانہ ولادت۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ناپید کنار سمندر ہے۔ مجھے اس میں بھی ایسی کچھ چیزیں ملیں۔ جسدِ اسلامی کے ایک عضو بوسنہ (یوگوسلادیہ) کے مسلمانوں میں بھی ایک زبان زد کہانی پائی جاتی ہے جس کے بکثرت زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ (حمید اللہ)

عرب میں کم از کم حجاز میں ایک دلچسپ کہانی مشہور تھی۔ گیارہ عورتوں نے اپنے شوہروں کی کردار نگاری کی۔ اس ادبی شاہکار کو اتنی اہمیت حاصل ہوئی کہ حضرت عائشہؓ کی روایت اور رسول کریمؐ کے اس سے دلچسپی لینے کو صحیح بخاری جیسی دینی کتاب میں جگہ ملی۔ قسطلانی نے اپنی ''ارشاد الساری فی شرح صحیح البخاری'' ج ۸ ص ۹۱ (کتاب النکاح، باب حسن المعاشرہ، ۸۲/۲۷) میں صراحت کی ہے کہ

خاص اس حدیث ابوزرع پر کئی عالموں نے مستقل رسالے اور شرحیں لکھی ہیں۔ان میں امام بخاری کے استاد اسماعیل بن ابی اویس بھی ملتے ہیں اور ثابت بن قاسم، الزبیر بن بکار اور ابوعبیدہ القاسم بن سلام نے اپنی ''غریب الحدیث'' میں ''ابومحمد بن قتیبہ بن الانباری، اسحاق الکاذی، ابوالقاسم عبدالحلیم بن حیان المصری جیسے مشاہیر قدما بھی شامل ہیں۔اس کے بعد زمخشری نے اپنی ''الفائق'' میں پھر قاضی عیاض نے جن کی شرح سب سے وسیع اور سارے پیشرووں کی جامع بھی ہے۔قسطلانی نے اپنی شرح میں دیگر ماخذوں میں بیان شدہ اختلافات روایت کو بھی نقل کیا ہے۔صحیح بخاری چھپ کر عام ہے بلکہ اس کا اردو ترجمہ بھی ملتا ہے۔اس لیے اس مضمون میں اصل عربی عبارت کو نقل کرنے کی شاید ضرورت نہیں۔بہرحال بخاری کی روایت درج ذیل ہیں:

امام بخاری فرماتے ہیں: حدیث بیان کی ہمیں سلیمان بن عبدالرحمٰن (المعروف بہ ابن بنت شرجیل ابوایوب الدمشقی) اور علی بن حجر بن ایاس ابوالحسن السعدی المروزی) نے، اور ان دونوں نے کہا: خبر دی ہمیں عیسیٰ بن یونس (بن ابی اسحاق السبیعی نے اور کہا): حدیث بیان کی ہمیں ہشام بن عروہ نے (اپنے بھائی) عبداللہ بن عروہ سے (انہوں نے اپنے باپ) عروہ (بن الزبیر بن العوام سے) انہوں نے اپنی خالہ عائشہؓ سے کہ بی بی نے فرمایا: (ایک بار) گیارہ عورتوں نے بیٹھ کر معاہدہ کیا اور باہم پیمان کیا کہ وہ اپنے شوہروں کے حالات سے کوئی چیز نہ چھپائیں گی۔

پہلی نے کہا: میرا شوہر گویا ایک بہت ہی دبلا اونٹ ہو جو دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا ہو (راہ) سہل نہیں کہ وہاں تک چڑھا جائے۔ اس میں فربہی بھی نہیں کہ اس کو (وہاں سے) منتقل (کرنے کی زحمت کو برداشت) کیا جائے (یعنی بخیل اور بداخلاق ہے، اس سے کچھ مال اور امداد پانے کی امید بے سود ہے۔)

دوسری نے کہا: میں اپنے شوہر کی باتیں پھیلانا نہیں چاہتی۔ڈرتی ہوں کہ اگر ذکر کرنے لگوں تو کوئی چیز چھوڑ نہ سکوں اور اس کے ظاہری اور باطنی عیبوں کو بیان کر ڈالوں (جو مناسب معلوم نہیں ہوتا۔یعنی اس لطیف انداز میں کہہ دیا کہ وہ ہر طرح کی برائیوں سے بھرا ہوا ہے)۔

تیسری نے کہا: میرا شوہر بڑا بدخلق ہے اگر (اسے) بولوں تو طلاق دے دے اگر چپ رہوں تو معلق چھوڑ دے۔

چوتھی نے کہا: میرا شوہر تہامہ کی رات کی طرح ہے (کہ ہوا چلتی ہی نہیں) نہ گرمی نہ سردی (دیگر روایت نہ گرمی نہ صحت شکن آب وہوا) نہ خطرہ نہ اکتاہٹ۔

Marfat.com

پانچویں نے کہا: میرا شوہر گھر میں آتا ہے تو چیتے کی طرح خوابیدہ رہتا ہے؟ (پیار محبت کے بغیر ہم بستر ہو جاتا ہے؟) اور باہر جاتا ہے تو شیر کی طرح (بپھرا ہوا) اور یہ کبھی نہیں پوچھتا کہ گزر کس طرح ہو رہی ہے (اور آج کو کل کے لیے اٹھا نہیں رکھتا)۔

چھٹی نے کہا: میرا شوہر کھانے لگتا ہے تو سب سمیٹ کر، پیتا ہے تو آخری قطرے تک، سوتا ہے تو اپنے ہی کپڑوں میں لپٹ کر (تنہا) اور ہاتھ نہیں بڑھاتا کہ (میرے) درد دل کو معلوم کرے۔

ساتویں نے کہا: میرا شوہر یا تو جہالت دکھاتا ہے یا گونگا سا رہتا ہے۔ چھاتی سے چھاتی تو ملتی ہے لیکن ہر مرض اس کے امراض میں پایا جاتا ہے تجھے زخمی کرے گا، یا سر پھوڑ دے گا، یا دونوں ہی کام کرے گا تو بولے تجھے گالی دے، تو اس کے ساتھ مذاق کرے تو تیرا سر پھوڑ دے۔

آٹھویں نے کہا: میرے شوہر کو چھوؤ تو خرگوش کا سا ہوتا ہے، سونگھوں تو زعفران کی سی بو ہوتی ہے: (میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ دوسرے سارے لوگوں پر غالب رہتا ہے)۔

نویں نے کہا: میرے شوہر کے خیمے میں ستون بلند ہوتا ہے، اس کی تلوار کی حمائل طویل ہوتی ہے (میزبانی سے) راکھ بکثرت نکلتی ہے۔ اس کا مسکن ہر کسی سائل کے لیے قریب ہوتا ہے۔

دسویں نے کہا: میرا شوہر مالک ہے۔ مالک سے کیا مراد ہے؟ تجھے اس کی کیا خبر، اس کے اونٹ اکثر گھر کے سامنے ہی بیٹھے رہتے ہیں، چرنے کم جاتے ہیں اور جب وہ کسی مہمان کے استقبال کا باجا سنتے ہیں انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب ان کی جان کی خیر نہیں۔

گیارہویں (یعنی زرع) نے کہا: میرا شوہر ابو زرع ہے۔ ام ابو زرع نے کیا؟ (روایت + جانوروں اور کھیتوں کا مالک) اس نے میرے کانوں میں زیور لٹکائے اور میرے بازوؤں میں چربی (فربہی) بھری۔ مجھے خوش رکھتا ہے جس سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ مجھے وہاں پایا تھا جہاں بکریاں تھوڑی اور مشقت میں بہت پائی جاتی تھی اور وہاں لایا جہاں گھوڑے ہنہناتے، اونٹ بلبلاتے، فصل کٹ کر غلہ روندا جاتا اور چھلکوں سے دانہ نکالا جاتا ہے میں اس سے کچھ بات کروں تو میری توہین نہیں کرتا۔ سوتی ہوں تو دل بھر کر صبح تک، پیتی ہوں تو جی بھر کر، کھاتی ہوں تو سیر ہو کر۔ ابوزرع کی ماں (میری ساس) وہ کیسی ہے؟ اس کے پاس غلے کے انبار ہیں اور اس کا گھر وسیع ہے۔ ابوزرع کا بیٹا، اس کا کیا حال ہے؟ وہ سوتا ہے تو نرم و نازک حصیر پر۔ کھاتا ہے تو نو عمر بھیڑ کا ایک پورا ہاتھ (روایت + پیتا ہے تو اونٹنی کا ایک بار دوہا ہوا پورا دودھ، چلتا ہے تو مہین و نرم لباس میں اکڑتا ہوا)۔ ابو زرع کی بیٹی، وہ کیسی ہے؟ باپ کی بھی مطیع اور ماں کی بھی

Marfat.com

(روایت+گھر والوں بلکہ ساری عورتوں میں ایک زینت ہے)فربہی سے اپنی اوڑھنی میں بھر جاتی ہے۔(یعنی جامہ زیب)ہے اور ہمسایہ عورتیں جان سے رہتی ہیں(روایت+اعضا متناسب پیٹ دبا ہوا، گردن میں مالا پڑا ہوا۔فربہی سے بدن میں سلوٹیں پڑی ہوئیں، اعضا گٹھے ہوئے، آنکھیں بڑی اور خوب سیاہ و سفید۔کمان دار بھنویں۔لمبی ناک، نازک بدن، دراز گردن)ابوزرع کی ایک لونڈی بھی ہے۔وہ ہے کیسی؟ وہ گھر کی باتیں باہر نہیں نکالتی۔گھر کا غلہ نہیں چراتی، گھر کو کوڑے کچرے سے گھونسلا سا نہیں بناتی(روایت+ابوزرع کا مہمان کیسا ہوتا ہے؟ پیٹ بھر کر کھاتا۔جی بھر کر پیتا اور فراوانی سے رہتا ہے۔ابوزرع کے باورچی، وہ کیسے ہیں؟ نہ کام میں وقفہ نہ بدنظمی ایک ہانڈی خالی ہونے لگتی ہے تو دوسری چڑھادی جاتی ہے پے در پے ایک کے بعد دوسری۔ابو زرع کا مال، وہ کیا ہوتا ہے؟ خون بہا میں خرچ ہوتا ہے یا فقیروں کے لیے محفوظ رہتا ہے۔اس (ام زرع)نے یہ بھی کہا:

ایک دن ابوزرع باہر گیا۔اس کے ہمراہی مشکوں میں دودھ جھٹکے کھا رہا تھا۔ایک عورت کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے کیا تھے گویا دو چیتے (روایت+شیر کے بچے، روایت شکرے)تھے جو اس کی چھاتی پر دو اناروں سے کھیل رہے تھے۔اس پر ابوزرع نے مجھے طلاق دے دی اور(دوسری)شادی کرلی۔اس کے بعد میں نے بھی ایک سردار سے نکاح کرلیا، جو نکلتا ہے تو صبا رفتار گھوڑے پر اور ہاتھ میں(علاقہ)خط کا بنا ہوا نیزہ شام کو وہ بے شمار جانوروں کا ریوڑ میرے پاس لاتا اور ہر خوش گوار چیز ایک نہیں دو دو تھالیوں میں مجھے دیتا اور کہتا ہے: کھا اور کھلا۔

اس نے یہ بھی کہا: ابوزرع کے ہاں کے برتن بھی اتنے بڑے ہیں کہ اگر میں ان ساری، (بے شمار)چیزوں کو جمع کردوں جو اس نے مجھے دی ہیں تو بھی اس کے ہاں کا سب سے چھوٹا برتن نہ بھرے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہؐ نے(سن کر)ارشاد فرمایا: میں تیرے لیے ویسا ہی ہوں جیسا ام ابوزرع کے لیے ابوزرع(روایت+اس کے کہ اس نے طلاق دی اور میں تجھے طلاق نہ دوں گا)بی بی نے کہا: بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوزرع سے بھی بہتر ہیں۔یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم(روایت: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ میرے لیے اس سے بھی بہتر ہیں۔جتنا ابوزرع ام زرع کے لیے تھے)

متفرق معلومات:

ارشاد الساری مؤلفہ قسطلانی میں ذیل کے معلومات بھی ہیں: زبیر بن بکار نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے جبکہ میرے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دیگر بیویاں بھی موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت خاص مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے عائشہؓ میں تیرے لیے ویسا ہی ہوں جیسا ام زرع کے لیے ابوزرع تھا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ابوزرع اور ام زرع کا قصہ کیا ہے؟ فرمایا: یمن میں ایک گاؤں تھا۔ وہاں ایک قبیلہ رہتا تھا۔ اس کی گیارہ عورتیں ایک دن محل میں جمع ہوئیں اور کہا آؤ آئندہ وعدہ کرو کہ ہم اپنے شوہر کیسے ہیں بیان کریں اور (اس میں) جھوٹ نہ بولیں "الہیثم کی روایت میں یہ مکے میں تھیں۔ ابن حزم کے مطابق یہ قبیلہ خثعم کی تھیں۔ سنن نسائی میں عمر بن عبداللہ بن عروہ نے اپنے دادا عروہ بن زبیر سے اور وہ اپنی خالہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ کہ بی بی نے فرمایا: 'ایک دن میں اپنے باپ کی دولت پر فخر کرنے لگی کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے پاس دس لاکھ اوقیہ (چار کروڑ) کی رقم تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چپ بھی رہ، اے عائشہ میں تیرے لیے ایسا ہی ہوں جیسا ام زرعؓ کے لیے ابوزرع تھا"۔ ابوالقاسم عبدالحکیم بن حیان نے اپنی ایک سند کے ساتھ مرسل روایت کی ہے (یعنی صحابی کا نام نہیں ہے اور ایک تابعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے بیان کیا ہے) کہ سعید بن عنبر نے قاسم بن الحسن سے (انہوں نے) عمرو بن الحارث سے (انہوں نے) الاسود بن جبیر المعافری سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس آئے جبکہ بی بی فاطمہؓ بھی وہاں تھیں، اور دونوں میں کچھ سخت کلامی ہوگئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لالو (حمیرا) کیا تو میری بیٹی کو تنگ کرنے سے باز نہ آئے گی؟ میں تیرے لیے ویسا ہی ہوں جیسا ام زرع کے لیے ابوزرع تھا عائشہؓ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہمیں اس کا قصہ سنائیے"۔ فرمایا: ایک گلاؤں تھا، وہاں گیارہ عورتیں رہتی تھیں۔ ایک بار ان کے شوہر باہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا آؤ ہم بیان کریں کہ ہمارے شوہر کیسے ہیں اور اس میں جھوٹ نہ بولیں......"۔

حدیث میں ضرب الامثال بھی ہیں۔ بچوں کی لوریاں بھی، پرانے خطیبوں کے کلام کے اقتباسات بھی مگر ان کا آج موقع نہیں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

(ماہنامہ "شاہکار میگزین" لاہور۔ ۲ر ستمبر ۲۰۰۵ء)

Marfat.com

ڈاک کے ٹکٹ

گزشتہ دو تین سالوں میں ٹکٹی نمایشوں (Philatelic exhibitions) کی امریکہ اور یورپ میں غیر معمولی کثرت رہی۔ ہر نمایش میں اس بات کی کوشش رہی کہ وہ پیشتر کی تمام نمایشوں سے زیادہ دلچسپ اور بہتر بنائی جائے۔ خصوصاً بین الاقوامی ٹکٹی نمایش کو جو ۲ر مئے ۱۹۲۵ء سے ۱۲ر ماہ مذکور تک پیرس میں ہوتی رہی [1]۔ اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ اب یہ تفریحی مشغلہ علم سکہ جات (Numismatics) کی طرح ایک علم بن گیا ہے۔ چنانچہ پیرس کی نمایش کے دو ماہ بعد ہی "میری لینڈ اکاڈیمی آف دی سائنسز" واقع بالٹی مور میں اور علوم وفنون کے ساتھ ایک کرسی اس علم کے لیے بھی قائم کرنے کا تصفیہ کیا گیا [2]۔

یوں تو ٹپہ یا ڈاک قدیم زمانے سے رائج ہے اور ہر متمدن ملک میں اس کی ضرورت رہی ہے لیکن قدیم اور موجودہ زمانہ کا نمایاں فرق یہ ہے کہ ۱۸۴۰ء سے پہلے تک ٹکٹ لگانے کا رواج نہ تھا۔ سب سے پہلے انگلستان نے خطوط پر نقد محصول لینے کی بجائے اسی قیمت کے ٹکٹ چسپاں کرنے کی اجازت یکم مئے ۱۸۴۰ء میں دی [3]۔ جبکہ شرح ڈاک نہ صرف بیحد گراں تھی بلکہ اس میں وزن کے علاوہ فاصلے کے لحاظ سے بھی محصول میں کمی وبیشی ہوتی تھی [4]۔ سب سے پہلا ٹکٹ ایک پنی کا تھا جس کا رنگ گہرا سیاہ تھا۔

اس کی تقلید میکسیکو اور دیگر ممالک میں ہونے لگی۔ اور آج چھ اوپر چھ سو ممالک میں ڈاک کے ٹکٹوں کا رواج ہے۔ ان ممالک کے شائع کردہ ٹکٹ انگلستان کی سربرآوردہ کمپنی اسٹانلی گبنز (Stancly Gibbons) کے اندازہ کے مطابق فروری ۱۹۲۶ء میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار قسم کے تھے [5]۔ جس میں ہر ماہ اوسطاً سو پچاس کا اضافہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس تعداد میں وہ

Marfat.com

ٹکٹ بھی شامل ہیں جو چھپائی کی غلطی، کاغذ کے فرق اور پرفریشن[7] (Perforation) (یا کنگروں کے اختلاف کی وجہ سے عام ٹکٹوں سے الگ قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ آئندہ واضح ہوگا۔ لیکن بظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ چھپائی کی تمام غلطیاں معلوم کرلی جائیں۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دریافت شدہ ٹکٹوں کے علاوہ دنیا میں ایک بڑی تعداد ایسے ٹکٹوں کی بھی ہوگی جن کا علم عام طور پر لوگوں کو نہیں ہوا ہے مثلاً میں کوئی منہمک ٹکٹی نہیں ہوں صرف شوقیہ مختلف نمونے جامع کرتا رہتا ہوں لیکن میرے پاس بعض نمونے ایسے بھی ہیں جو کسی کمپنی کی فہرست میں نہیں ملتے۔ حال ہی میں ہندوستان میں جب ڈاک کی شرح دُگنی کردی گئی تو پاؤ آنہ والے کارڈ پر مزید پاؤ آنہ کا ٹکٹ لگانے کی ضرورت لاحق ہوئی چونکہ پاؤ آنہ کے ٹکٹوں کا ذخیرہ ناکافی تھا اس لیے آدہ آنہ والے ٹکٹ پر پاؤ آنہ کا نشان ڈال کر شائع کیا گیا جس کی شکل (¼) تھی۔ اس کی دو تین غلطیوں کا علم تو ہو گیا یعنی ایک ہندسے کے اوپر کا شوشہ نہیں اٹھا (1) یا ایک کے نیچے کے شوشے نہ چھپے، مگر میرے پاس دو ٹکٹ ایسے ہیں جن میں چار کے نیچے کے شوشے پورے طور پر موجود نہیں ہیں (4) اس کا داخلہ کسی فہرست میں نہیں ملا۔ چھپائی کی ایسی غلطیوں سے ٹکٹیوں کے پاس اس کی قدر بڑھ جاتی ہے۔

ہندوستان میں سب سے پہلا ٹکٹ کمشنر سندھ سر بارٹل فریر کے حکم سے یکم جولائی ۱۸۵۲ء کو سندھ میں شائع ہوا۔[8] جس پر انگریزی میں ''سندھ ڈسٹرکٹ ڈاک'' اور ''½ آنہ'' لکھا ہوا تھا، لیکن دو سال بعد یہ اس لیے بند کر دیا گیا کہ برطانوی ہند کے عام ٹکٹ شائع ہو چکے تھے۔ حیدرآباد میں ۱۸۶۹ء میں پہلے پہل ٹکٹ رائج ہوئے[9]۔ چنانچہ ایک آنہ والا ٹکٹ شائع ہوا۔ جس پر ''سرکار آصفیہ یک آنہ ۱۲۸۳ھ'' لکھا ہوا تھا۔ اس کا رنگ زیتونی سبز تھا اور وہ موجودہ ٹکٹوں سے کسی قدر بڑا اور مستطیل شکل کا تھا۔

لندن کے سب سے پہلے ٹکٹ کی قیمت ایک پنی تھی۔ دنیا میں سب سے زیادہ قیمت کے ٹکٹ اسٹریٹس سٹلمنٹ (Straits settlement) کے ہیں جہاں سو ڈالر کا ٹکٹ بھی مروج ہے[10]۔ سب سے کم قیمت ٹکٹ فرانسیسی نوآبادیوں میں چلتا ہے۔ جو ۱/۲۰ سانتیم[11] یعنی ۳/۲۵ پائی کا ہے۔ جو فرانک کی قیمت کے گھٹ جانے سے اور بھی کم قیمت ہو گیا ہے۔ جب جرمنی میں مارک کی قیمت بیحد گھٹ گئی تھی تو وہاں جو ٹکٹ سب سے زیادہ قیمت کا شائع ہوا وہ (۵۰) ارب مارک کا تھا۔ اس زمانہ میں مارک فی پونڈ ۴۴ کروڑ سے زیادہ ملتے تھے[12]۔

بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ حیدرآباد میں اب تک تقریباً سوا تین سو قسم کے ٹکٹ شائع ہو چکے ہیں [13]۔ جن میں چند ٹکٹ مطبع کی غلطیوں کے بھی ہیں۔ سب سے کم قیمت ٹکٹ پاؤ آنہ یا تین پائی کا ہے اور سب سے بیش قیمت ایک روپیہ کا، جس کی اشاعت ہو چکی ہے یا آج ہی کل میں ہونے والی ہے۔ مروجہ ٹکٹ صرف سات آٹھ ہی قسم کے ہیں اور اتنے ہی سرکاری یا دفتری ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ ٹکٹ امریکہ نے شائع کیے جو (۱۴۰۰) سے زائد قسم کے ہیں [14]۔ ترکی اس کے بعد ہے جس نے تقریباً چودہ سو شائع کیے [15]۔ ۱۸۶۶ء میں یہاں چند ٹکٹ خاص اخبارات و رسائل کے لیے شائع ہوئے تھے۔

ہندوستان کی چھ دیسی ریاستوں میں برطانوی ہند کے ٹکٹ ہی مستعمل تھے ان پر ریاست کا نام چھاپ دیا جاتا تھا، وہ چھ دیسی ریاستیں یہ ہیں: گوالیار، چمبا، فرید کوٹ، جھینڈ، نابھہ اور پٹیالہ۔ [16]

لیکن یہ طریقہ اب صرف چند ریاستوں میں باقی رہ گیا ہے مثلاً گوالیار، پٹیالہ۔ ۲۷ ریاستوں میں خود ریاست کے ٹکٹ شائع ہوتے ہیں جو ریاست کے اندر ہی کارآمد ہوتے ہیں۔ البتہ حیدرآباد دکن کے سرکاری ٹکٹ برطانوی ہند میں بھی جاتے ہیں۔ دفتری ٹکٹوں پر حیدرآباد میں لفظ سرکاری لکھا جاتا ہے۔ برطانوی ہند میں پہلے (On H.M.S) لکھا جاتا تھا اب صرف (Service) لکھا جاتا ہے۔ ایران میں اس کو ''رسمی'' اور مصر میں ''امیری'' کہتے ہیں۔

ایسے ممالک کے ٹکٹ جن پر عام دسترس نہ ہو بڑی قیمت پاتے ہیں۔ حیدرآباد اور دیگر ریاستوں کے قدیم ٹکٹ بھی اور مقامات کی بہ نسبت زیادہ قیمت پر خریدے جاتے ہیں کیونکہ پہلی اشاعتوں کے وقت ان کی مانگ نہ تھی اور نہ وہ ریاستوں کے باہر جاتے تھے۔ اب چونکہ ان کا چلن منسوخ ہو گیا ہے اس لیے نئے شوقینوں کی مانگ پوری کرنے کے لیے ان کا کافی ذخیرہ نہیں ہے۔

مشہور ذخیروں میں شاہ انگلستان کا ذخیرہ سب سے بہتر ہے۔ اس کے بعد لندن میوزیم میں ٹاپ لنگ ممبر پارلیمنٹ کا ذخیرہ ہے جو قومی چندہ سے ایک لاکھ پونڈ میں خریدا گیا [17]۔ جرمنی کا قومی ذخیرہ بھی بہت مشہور ہے۔

مہر زدہ ٹکٹ بھی بے کار نہیں ہوتے۔ معمولی سے معمولی قیمت کے ہزار ٹکٹ آٹھ دس آنوں میں بک جاتے ہیں۔ اگر یہ بیرون ہند بھیجے جائیں تو اور بھی زیادہ قیمت آتی ہے۔ یہی حال ہر قسم کے ٹکٹوں کا ہے۔ ہر ٹکٹ جو پھٹا ہوا نہ ہو اور جس کے کنگرے درست ہوں کارآمد اور قیمتی

Marfat.com

ہے۔ کنگروں کے کٹ جانے اور ٹکٹ کے پھٹ جانے سے اس کی قیمت جاتی رہتی ہے۔ قدیم ٹکٹ عموماً قیمتی ہوتے ہیں۔ اگر وہ کمیاب اور نادر ہوں تو قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

نادر ٹکٹوں سے وہ ٹکٹ مراد ہیں جن میں مطبع کی جانب سے کوئی بین غلطی ہوگئی ہو مثلاً جزیرۂ موریشس کے ایک ٹکٹ پر پوسٹیج (postage) کی بجائے پوسٹ آفس (Post Office) چھپ گیا۔

اس غلطی کے معلوم ہو جانے پر فوراً باقی ٹکٹ تلف کر دیئے گئے۔ جو ٹکٹ شائع ہو چکے ان میں سے ایک کی قیمت ۲ پنس تھی اور دوسرے کی ایک پنی اول الذکر کی موجودہ قیمت چار ہزار پونڈ ہے، دوسرے کی قیمت آخری فروخت میں (۳۲۵۰) پونڈ تھی۔ حیدر آباد کے بعض ٹکٹوں پر لفظ سرکاری الٹا (سرکاری) چھپ گیا تھا جس سے ان کی قیمت بہت بڑھ گئی حال ہی میں ہندوستان میں نو پائی کے ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔ لیکن چند ایک پر مطبع کی غلطی سے نو پائی کی جگہ (نونو) اور بعض پر (پائی پائی) لکھا گیا تھا۔ ایسے ٹکٹ ڈیڑھ سو روپیوں میں بھی بک رہے ہیں، بعض مرتبہ دوہری چھپائی ہو جاتی ہے اس کی بھی بڑی قیمت آتی ہے۔ غرض ندرت اور کمیابی سے قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ٹکٹ کی قیمت میں کنگروں کے سوراخ کی فراخی و تنگی سے بھی فرق پڑ جاتا ہے کیونکہ اگر ایک انچ میں ½12 سوراخ والے ٹکٹ جلد بدل جائیں اور 13 سوراخ کے ٹکٹ زیادہ دن رائج رہیں تو کچھ عرصہ کے بعد لازمی طور پر پہلی قسم کے ٹکٹوں کی قیمت بڑھ جائے گی۔ کاغذ کی طرح ٹکٹوں میں بھی مائی علامت (Water Mark) ہوتی ہے۔ ان علامتوں کے فرق سے بھی قیمت بدل جاتی ہے۔ ٹکٹ کے رنگ کا ہلکا اور گہرا ہونا بھی کبھی کبھی قیمت میں تفاوت پیدا کر دیتا ہے۔

اوپر جتنی قیمتوں کا ذکر ہوا ہے ان سے وہ قیمتیں مراد ہیں جو ٹکٹ کے شوقین دیتے ہیں، ورنہ ٹکٹ صحیح چھپا ہو یا غلط سرکار ایک ہی قیمت پر دیتی ہے۔ مثلاً بھوپال کے ایک ٹکٹ پر (Bagam) میں M کا آخری شوشہ نہیں چھپا اور وہ (Bagan) پڑھا جاتا ہے۔ ان دونوں کی قیمت ٹکٹیوں کے پاس جدا جدا ہے لیکن سرکار نے ایک ہی قیمت پر فروخت کیا۔ ٹکٹوں سے کئی قسم کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اولاً وہ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور آئندہ نسلوں کے لیے تاریخی مواد کا کام دیتے ہیں۔ ان سے ملکوں کے رسم و رواج اور معاشرت کا پتا چلتا ہے۔ ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ یونان میں ہر چیز ایک دیوتا سے منسوب تھی۔ یونان کے اکثر ٹکٹوں پر عریاں دیوتاؤں

Marfat.com

کی تصویریں ہیں۔مملکت یوراگاے(Uragauy) بھی اسی کے قدم بقدم ہے۔چنانچہ وہاں کے بعض ٹکٹوں پر بیل بوٹوں کی جگہ عورتوں کی تصویریں لباس فطرت میں بنائی گئی ہیں۔اطالیہ کے ٹکٹوں میں بھی رومانی صنمیات (Mythology) کا اثر ہے۔چینی اور شہنشاہیت کے تمام ٹکٹوں پر سانپ کی تصویر پائی جاتی ہے۔جس سے پتا چلتا ہے کہ چین میں سانپ متبرک جانور سمجھا جاتا ہے۔ٹکٹوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فلاں ملک میں شخصی حکومت ہے یا جمہوری، وہ ملک آزاد ہے یا غیر آزاد، وہاں کی زبان آریائی نسل کی ہے یا سامی۔شہنشاہ اور صدر جمہوریہ کی تصویروں کے علاوہ ٹکٹوں پر قومی مشاہیر کی تصویریں بھی ہوتی ہیں چنانچہ جرمنی میں فریڈرک اعظم، ہٹلر، گیٹے اور دیگر مشاہیر کی تصویریں چھپ رہی ہیں۔ٹکٹی نمائشوں یا اور اہم موقعوں پر بھی خاص طور پر عارضی ٹکٹ شائع ہوتے ہیں۔پیرس کی بین الاقوامی نمائش میں ایک ٹکٹ شائع کیا گیا تھا جس پر فرانسیسی مذاق کے موافق عریاں آدمی کی تصویر تھی۔ویمبلی کی شہنشاہی نمائش کے موقع پر بھی دو ٹکٹ اس کی یادگار میں جاری کیے گئے تھے۔افغانستان میں قومی آزادی کی ساتویں سالگرہ کی تقریب میں ایک جدید ٹکٹ جاری کیا گیا۔پرتگالی ہند کے بعض ٹکٹوں پر ''ہند کے راستے کی دریافت'' کا واقعہ تصویر میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جاپان کے ایک ٹکٹ پر ایک شاہزادے کی شادی کا مرقع پایا جاتا ہے۔ امریکہ کے ٹکٹوں پر کولمبس کے ساحل پر اترنے اور اعلان آزادی کے سے اہم تاریخی واقعات کے علاوہ واشنگٹن، لنکن اور فرانکلن کی تصویریں بھی ہیں۔کولمبس کی مہم سولہ تصویروں میں دکھائی گئی ہے۔ملکہ ازابیلا کے دربار سے لیکر اس کی واپسی تک کے اہم واقعات ان تصویروں میں بتلائے گئے ہیں۔امریکہ میں معاشرتی اور تجارتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ساتھ حسن اور فن لطیف کے کمال بھی ٹکٹوں پر دکھائے گئے ہیں۔کینڈا میں ملکہ وکٹوریا کی جوبلی، پیرو میں، پیرو اور چلی (Chily) کی جنگ رومانیہ میں سلطنت کی دو صد سالہ سالگرہ، پرتگال میں واسکوڈی گاما یا بندۂ ہند، جوہو (Juhu) میں سلطان ابراہیم کی تصویریں ملتی ہیں۔غرض سیکڑوں اہم اور دلچسپ واقعات کا تاریخی اور معاشرتی مواد ٹکٹوں سے ملتا ہے۔

سوئٹزر لینڈ نے ٹکٹوں ہی کے ذریعہ سے اپنے ملک کے صحت بخش مقامات کا اشتہار دیا۔بعض ٹکٹوں سے حیوانات کے متعلق بھی تھوڑا بہت مواد مل جاتا ہے۔میکسیکو کے عقاب، آسٹریلیا کے کنگرو، نیوفونڈ لینڈ کے کتے اور گیانا کے چیونٹی خوار جانور کا پتا بہ آسانی ٹکٹوں سے ملتا ہے۔

Marfat.com

ٹکٹ ایک تعلیمی امداد بھی بن سکتے ہیں۔ان سے طالب العلم کو تھوڑی مدت میں بہت سے معلومات حاصل ہو سکتے ہیں۔ٹکٹ ایک قسم کا کھلونا ہے جو لڑکوں کے لیے ایک تفریحی مشغلہ بن جاتا ہے۔اپنے ٹکٹوں کے متعلق لڑکے کو دیگر ضروری معلومات حاصل کرنے کا شوق اس کی تلاش کے نتیجے کو نہ صرف خوشگوار بلکہ علمی حیثیت سے بھی مفید بنا دیتا ہے۔جن لڑکوں کو جغرافیہ سے نسبتاً کم دلچسپی ہوتی ہے انہیں ٹکٹوں کے ذریعے سے جغرافیہ کا ایک خاموش استاد مل جاتا ہے۔یہ کہنا صحیح ہے کہ کسی ملک سے نئے ٹکٹوں کی اشاعت،تخت نشینی،سیاسی انقلاب یا ملک کی غیر معمولی ترقی کے موقعوں پر ہوتی ہے۔اس لیے ان کو جمع کرنے سے ان تمام ضروری واقعات کا ایک سرسری علم حاصل ہو جاتا ہے۔اس کے علاوہ ایک ہی ملک کے مختلف زمانوں کے ٹکٹوں کا معائنہ کرنے سے وہاں کی ترقی یا تنزلی کا بھی علم ہو سکتا ہے۔مثلاً ترکی کے ابتدائی ٹکٹوں میں شرقیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ان پر نہ تو غیر زبان کی کوئی عبارت موجود ہے اور نہ کوئی ہندسہ بلکہ سب کے سب ترکی زبان اور عربی طرز تحریر میں ہیں۔لیکن جدید ٹکٹوں میں مغربی اثر کی جھلکیوں کے ساتھ حکمرانوں کی تصویریں بھی نمایاں ہیں۔مثلاً سلطان رشاد مرحوم،سلطان وحید الدین مرحوم،غازی کمال پاشاہ صدر جمہوریہ۔ان تصویروں سے وہاں کے سیاسی رجحان کا پتا چلتا ہے۔مصر میں اہرام اور ابوالہول کے ساتھ اب شاہ فواد بھی نظر پڑتے ہیں۔افسوس ہے کہ حیدرآباد میں ڈاک کے ٹکٹ ملک کی ترقی کو ظاہر نہیں کرتے۔جامعہ عثمانیہ کا قیام،عدالت العالیہ کا منشور اور دوصد سالہ جشن آزادی حیدرآباد کے بہت اہم واقعات ہیں۔ایلورا اور اجنٹہ کے غار،گولکنڈہ اور دولت آباد کے قلعے، چار مینار اور مکہ مسجد یہاں کی قابل دید یادگار ہیں۔ان کی تصویریں اگر ٹکٹوں پر ہوتیں تو نہایت موزوں اور مناسب ہوتا۔

ٹکٹوں کی تاریخی اور تمدنی دلچسپی کے علاوہ فی زماننا کاروباری اہمیت بھی خاصی ہو چلی ہے۔گبنز کی مشہور و معروف کمپنی وقت واحد میں ۴۰ ہزار پونڈ کا ذخیرہ خریدتی ہے اور ان کی ایک ایک نمائش پر بیس بیس ہزار پونڈ خرچ کر دیا جاتا ہے[۱۸]۔

مشہور کمپنیوں کی فہرستیں ہر سال نہ صرف لاکھوں کی تعداد میں چھپتی ہیں بلکہ ہر ماہ ان کے ضمیمے بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔اس فن پر کئی رسالے مختلف ممالک سے نکلتے ہیں اور تقریباً ہر بڑے ملک میں دو ایک رسالے صرف اس غرض سے نکلتے ہیں کہ اجرت لے کر کسی ٹکٹ کے

Marfat.com

خریدار یا بیوپاری کا پتا ضروری معلومات کے ساتھ شائع کریں تا کہ مختلف مقامات کے لوگ بہ آسانی اس کا کاروبار کر سکیں۔

چند روز قبل گبنز کمپنی نے انعامی مقابلہ کرایا تھا کہ ٹکٹ کی کوئی بہترین وضع پیش کی جائے۔ ہزاروں نمونوں میں جو نمونہ پسند کیا گیا اس میں دنیا کا ایک نقشہ دکھایا گیا ہے جس میں دونوں طرف عورتیں کھڑی ہیں جو بعد المشرقین کے باوجود نہایت سہولت سے خطوط کا تبادلہ کر رہی ہیں۔ موجودہ تمدن کی یہ ایک حقیقت ہے جو اس تصویر میں ظاہر کی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں حیدر آباد کے چند مشہور ٹکٹی شوقینوں کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ مسٹر میارٹ (مقیم قریب باغ عامہ) کی اَسّی سال کی عمر اسی شوق میں گزری ہے۔ ان کے ذخیرہ کی قیمت ایک لاکھ روپیہ سے متجاوز ہے۔ اس کے بعد ''نگروالا'' (شراب فروش، توپ کا سانچہ) مسٹر احمد عبداللہ پروفیسر نظام کالج، مسٹر اسپیٹ پروفیسر عثمانیہ کالج اور مسٹر محمد صبغۃ اللہ مددگار مہتمم بندوبست ہیں۔ مسٹر اسپیٹ نے حال ہی میں ایک حیدر آبادی شوقین کا ذخیرہ ساڑھے چار ہزار کلدار میں خریدا۔

آخر میں اپنے مضمون کو دنیا کے سب سے بڑے ٹکٹی ہزمجسٹی کنگ جارج پنجم کے مختصر حالات پر ختم کرتا ہوں۔ آپ کئی سال تک رائل فلاٹلک سوسائٹی لندن (The Royal Philatelic Society of London) کے صدر رہ چکے ہیں اور اب اس کے سرپرست ہیں۔ ہزمجسٹی کو بچپن ہی سے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق رہا ہے[19]۔ اور اس خصوص میں اپنے چچا ڈیوک آف اڈنبرا سے بہت مدد حاصل کی۔

۱۸۹۳ء میں ہزمجسٹی نے (جو اس زمانہ میں ڈیوک آف یارک تھے) لندن کی ٹکٹی انجمن کی رکنیت اختیار کی۔ ۱۸۹۶ء میں صدارت پر آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ ۱۹۰۴ء میں ٹکٹ جمع کرنے والوں کے نام ایک خط شائع کرتے ہوئے ہزمجسٹی نے (جو اس وقت پرنس آف ویلز تھے) لکھا تھا کہ ''وہ میری زندگی کے دلچسپ ترین مشغلوں میں سے ایک مشغلہ ہے۔'' متعدد مرتبہ ہزمجسٹی نے ''فلاٹلک سوسائٹی'' کے جلسوں میں دلچسپ اور قیمتی مضمون پڑھے جو انہیں کے الفاظ میں طلعیات[20] (Philatelics) پر تھے۔ شاہی ذخیرہ کی بہترین چیزیں ذاتی طور پر ہندوستان، آسٹریلیا اور کینیڈا کے سفر میں جمع کی گئی تھیں۔ ان میں سے مشہور ترین جواہر ''پوسٹ آفس'' کا جو غیر مستعملہ ٹکٹ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ ٹکٹ لندن میں ۱۹۰۴ء میں ہراج کیا گیا تھا۔ (۱۴۲۰) پونڈ تک جرمنی نے بولی لگائی تھی تا کہ وہ جرمنی کے قومی ذخیرہ میں رکھا جائے لیکن شاہ جارج نے ۱۴۵۰ پونڈ میں اس کو خرید لیا[21]۔ اب اس کی قیمت ہر سال بڑھ رہی ہے۔[22]

Marfat.com

حواشی

۱ (Stanely Gibbons, Monthly Journal, June 1925, P.200)

۲ ایضاً بابتہ جولائی ۲۵ء صفحہ ۲۲۸

۳ گبنز کیا ٹلاگ صفحہ

۴ گبنز جرنل ڈسمبر ۲۴ء صفحہ ۵۸

۵ گبنز کیا ٹلاگ اسمائے ممالک۔

۶ ضمیمہ گبنز جرنل بابتہ فروری ۲۶ء۔

۷ ٹکٹوں کے جدولی سوراخ جو اس غرض سے کیے جاتے ہیں کہ ٹکٹوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے میں سہولت ہو۔

۸ گبنز کیا ٹلاگ ۱۹۲۰ء جلد اول صفحہ ۱۶۰۔

۹ گبنز کیا ٹلاگ ۱۹۲۰ء جلد اول ص ۱۹۶۔

۱۰ ایضاً ص ۳۷۰۔

۱۱ (Yvert et Telliers Catalogue)

۱۲ گبنز کیا ٹلاگ..................۔

۱۳ گبنز کیا ٹلاگ ص ۱۷۰......۔

۱۴ ایضاً۔

۱۵ ایضاً۔

۱۶ ایضاً۔

۱۷ (Irrington and Martin Price List)

Marfat.com

۱۸ کمپنی کی چہل سالہ جوبلی میں کمپنی کے اخبار کا جو ضمیمہ شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے کہ گبنز کا باپ ایک دوافروش تھا۔ بیٹا بھی اس کا شریک کار تھا۔ گبنز نے اپنے باپ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ چھوٹے سے پیمانہ پر ٹکٹ کا کاروبار بھی شروع کر دے۔ باپ کے انتقال کے بعد گبنز نے اس کاروبار میں جو عظیم الشان کامیابی حاصل کی اس سے آج ساری دنیا واقف ہے۔

۱۹ یہ امر بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ ہز مجسٹی کے فرزند اکبر یعنی پرنس آف ویلز کو بھی اس کا شوق وراثتہً ملا ہے۔ ان کے پاس کا بھی ذخیرہ نایاب اور بیش بہا ہے۔

۲۰ مصری ٹکٹ کو طابع کہتے ہیں اور یہاں طابعیات سے ٹکٹوں کا علم مراد ہے۔

۲۱ (Errington and Martin Co price List 1912. P.100)

۲۲ یہ ٹکٹ اب چار ہزار پونڈ سے زیادہ قیمت پر دستیاب ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ایسے اور دو ایک ٹکٹ بعض کمپنیوں میں موجود ہیں۔

(مجلہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، فروری ۱۹۲۷ء)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ ایک گفتگو

(یہ گفتگو ۱۰ر جون ۱۹۹۴ء کو پیرس میں ریکارڈ کی گئی)

سوال: کل آپ نے ''سیرت کا البم'' نامی ایک کتاب کا ذکر کیا تھا جس کا خاکہ آپ کے ذہن میں ہے۔ اس کتاب میں کیا کیا چیزیں شامل ہوں گی؟

جواب: میرے ذہن میں ہے کہ سیرت النبیؐ کے سلسلہ میں جن بڑے مقاموں کا نام آتا ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے جیسے تبوک وغیرہ ان مقاموں کے فوٹو جمع کروں۔ اس میں مقدمہ ہو ہر تصویر کے متعلق۔ مثلاً یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا مقام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں رہنے کا مقام ہے۔ جنگ احد کا مقام وغیرہ وغیرہ۔ ابھی لکھا نہیں گیا ہے صرف تصویریں جمع کی ہیں۔ سفر میں میرے مختلف تجربے ہوئے جہاں جہاں موقع ملا میں نے فوٹو لیے' حکومت منع بھی کرتی ہے لیکن بعض وقت چھپ کے' چوری چھپے لیا' بعض وقت ان کی اجازت سے بھی لیا۔ کافی تعداد میں فوٹو ہیں۔ مثلاً مکہ سے ہجرت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کہاں سے گزرے' غار ثور وغیرہ سے' اس طرح کی تصویریں جمع کی ہیں ممکن ہے سو دو سو تصویریں شامل ہوں۔

سوال: آثار بتلاتے ہیں کہ ترکی میں نئے سرے سے اسلام کی لہر اُٹھ رہی ہے۔ نوجوان طلبہ بالخصوص اسلامی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں۔ آپ نے ترکی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

Marfat.com

جواب: سوائے اس کے کہ میں اپنی خوشی کا اظہار کروں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اندرونی اسباب بھی ہیں بیرونی اسباب بھی ہیں۔

سوال: یورپ بالخصوص فرانس میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے کیا اسباب ہیں؟ ان حالات میں تبلیغ واشاعت کے کون سے ذرائع کارآمد ہوئے ہیں؟

جواب: یہ خود میں پوچھتا ہوں اپنے آپ سے۔ کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی، حکومت مخالف ہے، چرچ مخالف ہے، ان کے پاس وسائل ہیں، اس کے باوجود بھی لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔ یہ حیرت انگیز چیز ہے۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی مہربانی ہے، اللہ کا فضل ہے، مرد بھی ہیں عورتیں بھی، جوان بھی ہیں بوڑھے بھی، سبھی قسم کے لوگ ہیں۔ اب یہ سوال کہ کتنے منافق ہیں اور جاسوسی کے لیے آئے ہیں اللہ بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ آج کل مجھ سے ایک سوال ہورہا ہے کہ کچھ عرصہ قبل ایک فرانسیسی شخص جو تیس سال اسلامی ممالک میں رہا ہے، شمالی افریقہ میں، مصر میں وغیرہ۔ اس کے بعد ایک کتاب اس نے عربی میں لکھی، عربی کا وہ اتنا ماہر ہوگیا تھا کہ کتاب عربی میں لکھی۔ "ثلاثون عاماً فی الاسلام" لوگ (علماء) مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون شخص تھا، اس کی سوانح عمری وغیرہ، یہ کس زمانہ میں رہا ہوگا؟ میں خود تلاش کررہا ہوں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاسوسی کرنے کے لیے اسلام کا اظہار اس نے کیا تھا۔ خاص کر نومسلموں سے لوگ نفسیاتی نقطہ نظر سے زیادہ محبت سے پیش آتے ہیں تو بڑے لوگوں سے ملاقات، بادشاہوں، وزراء وغیرہ سے سیاسی نقطہ نظر سے مفید چیزیں معلوم کریں۔ اب آپ پوچھتے ہیں کہ لوگ مسلمان ہورہے ہیں کس لیے ہورہے ہیں یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ واقعی خدا کے فضل سے وہ اپنے پرانے دین کو چھوڑ کر مسلمان ہورہے ہیں۔ ان میں سے کچھ منافق جاسوس بھی ہوسکتے ہیں مگر یہ معلوم کرنا ممکن نہیں، وہ خدا کو معلوم ہے۔ ایک چیز البتہ قابل ذکر ہے، وہ نئی نہیں ہے، غیر مسلم اسلام قبول کریں یہ بہت ہے ساری دنیا میں چین، ایشیا، افریقہ ہر جگہ نظر آتی ہے لیکن مسلمان مرتد ہوجائیں اس کی مثالیں بہت کم ہیں۔ یہی چیز اب بھی ہے، فرانس میں بھی نظر آتی ہے۔ ایک مشہور نام ہے آپ شاید واقف ہوں، مسز میاردوویؔ، وہ الحمدللہ میرے ہی ہاتھ پر مسلمان ہوئیں۔ ان کے قصے سے میں واقف ہوں، وہ اسی محلہ میں رہتی ہیں، انہیں فارسی سیکھنے کا

شوق ہوا' مفت کا استاد ملتا ہے تو میرے پاس آتی رہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد ترک کر دیا' پھر دوبارہ مسلمان ہوئیں تو ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں۔ ہر ایک کی سوانح عمری معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی آدمی منافق ہے تو اس کے دل میں کیا ہے یہ ہم معلوم نہیں کر سکتے۔ مادام میارووِچ بوڑھی ہو گئی ہیں' اب بھی زندہ ہیں' یہ مسلمان ہوئیں پچاس سال پہلے۔

سوال: وہ اب بھی اسلام پر قائم ہیں؟

جواب: جی ہاں۔ ایک Reaction ہے وہ یہ کہ اسلام کی ہر چیز کو لوگ پسند کرتے ہیں سوائے اس کے کہ اس میں کام بہت ہیں۔ پانچوں وقت نماز پڑھیں' تیس دن روزے رکھیں' اس کا کیا حل ہے۔ ظاہر ہے کہ کچھ نہیں کر سکتے۔

میں یہی کہتا ہوں کہ اللہ کی خدمت چوبیس گھنٹے کرتے رہنا چاہیے' وہ ہمارا مالک ہے' اس نے ہم کو اپنی غلامی کے لیے پیدا کیا ہے' ہمیں پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ ایک ابدی زندگی آنے والی ہے اس سے محروم ہم اپنے ہاتھوں سے ہوں تو یہ کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے' تھوڑی سی زحمت برداشت کر لو' اگر اس پر یقین ہے' اگر یقین نہیں ہے تو خیر چھوڑ دیجیے۔

عورتوں اور مردوں میں بھی اسلام کی ایک چیز پر بہت اعتراض ہے اور وہ تعدد ازدواج ہے۔ عورت ظاہر ہے نفسیاتی نقطہ نظر سے وہ شریک بنانا پسند نہیں کرتی کیونکہ یہ اپنے قانون کے احکام کی بناء پر عادی ہیں کہ ایک بیوی سرکاری ہو' غیر سرکاری جتنی چاہے رکھ لو' اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو عورتوں سے میں کہتا ہوں کہ تم اب تک مثلاً عیسائی رہی ہو یا یہودن رہی ہو تو اپنی کتاب کو دیکھیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار بیویاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گیارہ بیویاں تھیں تو ان پر اگر تمہیں اعتراض نہیں ہے تو اسلام پر بھی نہیں ہونا چاہیے' اجازت ہے ضرور لیکن دو چیزیں قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہودی اور عیسائی مذہبوں میں جو اجازت ہے وہ غیر محدود ہے' جتنی چاہے آپ بیویاں رکھ سکتے ہیں' اسلام نے تحدید قائم کی کہ چار سے زیادہ نہ ہوں۔ دوسری چیز جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اجازت ضرور ہے لیکن اس سے استفادہ کرنے والے زیادہ نہیں۔ مثلاً میں اپنے خاندان کا ذکر کرتا ہوں کہ ہمارے خاندان میں کئی سو آدمی ہیں' کھاتے پیتے لوگ ہیں لیکن تعدد ازدواج نظر نہیں آتی۔ اجازت کے باوجود' کوئی سرکاری ممانعت نہ ہونے کے باوجود انہوں نے استفادہ ہی نہیں کیا۔ یہی یہاں بھی ہوگا اور میں کہتا ہوں ان

عورتوں سے کہ تم بہتر جانتی ہو کہ اجازت نہ ہونے کے باوجود کتنے لوگ (فرانس میں) زنا کاری کے ذریعے سے تعدد ازدواج پر عامل ہیں۔ یہ میرا جواب ہے جہاں تک میرے علم میں ہے نومسلموں میں تعدد ازدواج کم ہی ہے۔ایک مثال ملتی ہے اس طرح کی کہ کسی شادی شدہ مرد سے ہماری کسی نومسلم بہن کا پھر نکاح ہو یعنی موجودہ بیوی کے ساتھ وہ ایک نئی بیوی لیتا آئے۔ یہ بہرحال خرچیلی چیز ہے۔

سوال: آپ کے خیال میں کیا آج کے حالات اس کے متقاضی ہیں کہ مسجدوں میں عورتوں کے نماز پڑھنے کے لیے علیحدہ حجرے بنائے جائیں؟

جواب: مسجدوں میں عورتوں کے لیے علیحدہ حجرہ بنائیں خواہش تو آسان ہے لیکن اس پر عمل کے لیے پیسے چاہئیں۔ایک نئے ملک میں مسجد بنانے میں بہت خرچ ہوتا ہے اس پر اس طرح عمل کر رہے ہیں کہ پیرس میں مثلاً نماز کے لیے جو ہال ہے اس میں جگہ گھیر لیں جو صرف عورتوں کے لیے ہو اور وہ مسجد کے پچھلے حصہ میں ہو۔

سوال: پنج وقتہ نمازوں میں عورتیں آتی ہیں؟

جواب: غالباً کم ہی آتی ہیں۔فجر کی نماز میں نہیں آتیں۔ممکن ہے ظہر وعصر کی نمازوں میں آتی ہوں۔ یہ اس پر منحصر ہے کہ مسجد قیام گاہ کے قریب ہو۔اگر دور ہو تو وہ غالباً نہیں آسکیں گی۔

سوال: سعودی عرب اور کویت وغیرہ میں فقہی اکیڈمیاں جو کام کر رہی ہیں ان سے آپ واقف ہوں گے۔کیا یہ ممکن ہے کہ ان کے دائرہ کو وسیع تر کرنے کی غرض سے عالمی سطح پر اس کام کا بیڑا اٹھایا جائے؟

جواب: عالمگیر بنانا چاہیں تو بنائیے لیکن یہ کام آسان نہیں ہے اس لیے کہ اس کے لیے ساری دنیا کی جو اکیڈمیاں ہیں یا ساری دنیا میں جو بڑے فقیہ ہیں ان کو ایک جگہ جمع کرنا آسان نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے ملک میں رہ کر خدمت کر سکے گا اپنے شہر میں۔ لیکن فرانس میں بھی رہے وہ شخص اور جدہ میں بھی رہے یہ آسان نہیں ہے۔ پھر اکیڈمی کس مقام پر بنائی جائے؟ اس میں دشواریاں ہیں۔فرض کیجیے ہم مکہ میں بنائیں یا مدینہ میں بنائیں تو سعودی حکومت کی پالیسی ایسی ہے کہ اس سے بھی بعض وقت دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ اپنے خیالات کو نافذ کرنا چاہتے ہیں یہ دشواری ہے یہ فقہ اکیڈمی

مذہبوں کے اختلافات سے بالاتر رہنی چاہیے' کبھی کبھی مذاقاً میں کہتا ہوں کہ ماسکو میں بنائیے۔

سوال: عمومی طور پر مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں ان کی نوعیت کیا ہے؟ مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں از راہ کرم ان پر روشنی ڈالیں؟

جواب: مسلمانوں اور نومسلموں کے مسائل زیادہ تر سیاسی ہیں جو قدیم سے ہیں۔ شیعہ سنی اختلاف بھی اسی لیے ہوا' خارجی اسی لیے ہوا' سوالات ابھی تک باقی ہیں۔ انسان کی خواہش ہے کہ میں بڑا بنوں' اس کے لیے آپس میں اتحاد کی جگہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی جگہ ایک دوسرے سے لڑتے ہیں ہر جگہ یہی نظر آتا ہے۔ الجزائر میں' ترکی میں' پاکستان میں' ہندوستان میں ہر جگہ یہی ہے۔

سوال: آپ کی کون سی کتاب آپ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟

جواب: ممکن ہے یہ کہوں کہ قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ یا سیرت النبیؐ پر جو کتاب ہے یہ دو کتابیں زیادہ بہتر ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے دونوں کتابیں کافی مقبول ہیں۔ ترجمہ بھی کافی مقبول ہے۔ سیرت کی کتاب کا بھی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور مقبول ہے۔ الحمدللہ

سوال: ایک بات میں نے دیکھی کہ سیرت پر فرانسیسی زبان میں آپ کی جو کتاب ہے وہ دو جلدوں میں ہے اور انگریزی میں ایک جلد میں ہے؟

جواب: انگریزی کتاب الگ ہے' وہ الگ چیز ہے جو فرانسیسی کتاب ہے اس کے معنی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور کام۔ اس میں تبلیغ کا کام بھی' سیاسی کام بھی' دشمنوں کے حملے ہوئے تو مدافعت' جنگ وغیرہ ساری چیزیں اس میں آ گئی ہیں' دو ضخیم جلدیں ہیں۔

سوال: فرانسیسی مسلمانوں میں عرب بھی ہیں ترک بھی' افریقی بھی اور مقامی نومسلم بھی۔ ان میں باہمی اخوت کا رشتہ کس حد تک ہے؟ خدا کرے کہ ہندوستان اور پاکستان میں مسلک کے نام پر جو طوفان بدتمیزی برپا ہے وہ یہاں نہ ہو؟

جواب: الحمدللہ کوئی جھگڑے نہیں ہیں اور شاید جھگڑے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سیاسیات کا' الیکشن کا مسئلہ ان میں نہیں ہے ورنہ کون سی پارٹی الیکشن میں کامیاب ہو' کون وزیراعظم بنے اس کی وجہ سے اختلاف ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

الحمدللہ بھائی چارہ ہے۔ میرے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو جھگڑوں کا باعث بنے۔ یہ بات اور ہے کہ میں سنی ہوں اور آپ شیعہ ہیں تو میرے روابط کم رہیں گے' جھگڑے نہیں ہیں لیکن روابط کم رہیں گے۔ باقی رنگ کا مسئلہ' گورے کالے کا ایسا کوئی جھگڑا میرے علم میں نہیں آیا جو مسلمان ہوتے ہیں ان میں بڑی اکثریت گوروں کی ہے' یورپین لوگوں کی' شاذ ہی کوئی کالا شخص اسلام قبول کرتا ہے۔ بات شاید یہ ہے کہ ملک میں گورے باشندے اکثریت میں ہیں اور ان ہی میں سے لوگ مسلمان ہوتے ہیں جو لوگ باہر سے آتے ہیں وہ زیادہ تر گزارہ کے لیے' ملازمت کرنے اور کمانے کے لیے آتے ہیں' انہیں فرصت بھی نہیں ہوتی کہ اس پر کچھ سوچیں۔

سوال: مقامی لوگوں میں جو مسلمان ہوتے ہیں ان میں مرد زیادہ ہوتے ہیں یا عورتیں؟

جواب: مرد زیادہ ہیں' عورتیں بھی ہیں' کافی ہیں لیکن مرد زیادہ ہیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نومسلم عورتیں زیادہ عالم فاضل نہیں ہوتیں۔ سڑک پر ایک عورت مجھے ٹوکتی ہے' کہتی ہے کہ میں نومسلم ہوں اور مجھے قرآن مجید کی تجوید سے دلچسپی ہے تو یہ نادر چیز ہے' اس کو بھی قرآن مجید کی تجوید سے دلچسپی ہے تفسیر سے نہیں۔

سوال: بینک کے سود کے بارے میں آپ کے تاثرات جاننا چاہوں گا؟

جواب: مسئلہ اس لیے پیچیدہ ہے کہ اسلامی بینک نام کی چیزیں بھی ہیں۔ دوسری چیز کا مجھے خاص طور پر ذکر کرنا چاہیے کہ مجبوری ہے۔ مثلاً مجھے اپنی تنخواہ کی پنشن ملتی ہے وہ راست نہیں ملتی' مجھے جا کر لینا نہیں پڑتا' میں بینک کے کھاتے کا نمبر ان کو دے دیتا ہوں' وہ خود ہی راست بھیجتے ہیں' باقی انٹرسٹ ملے' سود ملے تو یہ ضروری نہیں کہ آپ کھائیں بھی' بینک سال کے اختتام پر آپ کی رقم کا سود بتاتی ہے کہ تمہارے لیے اتنا سود ہوا ہے' سود کی رقم لے کر خیرات کی جا سکتی ہے۔ اس بات کا کم ہی امکان ہے کہ ہم بینکوں سے کہیں کہ سود مت لو وہ قائم ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ کمائیں اور کمانے کا منشا یہ ہے کہ مثلاً کھاتے داروں کی رقم وہ دوسروں کو قرض دیں' ہم کو بینک پانچ فیصد سود دیتا ہے اور لوگوں سے دس فیصد سود لیتا ہے۔ ایک طرح کی مجبوری ہے' کافی بینک ہیں' مسلمان بھی ہیں اور ان میں سعودی عرب کے بینک یا اس طرح کے اسلامی بینک بھی ہیں۔ ایک کوآپریٹو قسم کی بینک رباط میں شروع ہوئی وہ بھی مختلف ملکوں میں پھیل رہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بینک سال میں جو رقم کماتا ہے وہ خود نہ لے بلکہ جو لوگ

بینک میں کھاتہ کھولتے ہیں وہ بھی اس میں شریک رہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اسے نفع ہوا ہے تو نفع میں شریک رکھے اور اگر خسارہ ہوا ہے تو خسارہ میں شریک رکھے تو اس میں کوئی امر مانع نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں مضاربت۔ یہ کم ہے ابھی۔

سوال: کون سے ایسے مسائل ہیں جن میں زمانا اجتہاد کی ضرورت ہے؟

جواب: پیرس میں یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ کرایہ کے مکان میں رہنے کی جگہ مکان خریدنے کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ خریدنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے کیا حل کریں؟ سود کے بغیر تو کوئی دے گا نہیں اور اگر سود نہ دینا چاہیں تو کس طرح کریں' اس میں کیا کرنا چاہیے؟ یہ بڑا مسئلہ ہے۔ یہاں فرض کیجیے کہ مثلاً میں ایک کمرے میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتا ہوں تو یہ ممکن ہے کہ صرف اپنا کمرہ خریدوں' سارا مکان خریدنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے تو اپنا کمرہ خریدنے کے لیے مثلاً مجھے جس رقم کی ضرورت ہے اگر وہ فوراً دینے کی گنجائش نہ ہو بلکہ ۲۰ سال کے عرصہ میں رفتہ رفتہ اسے ادا کردوں تو ظاہر ہے بڑی خوشی سے یہ کام کروں گا۔ یہ مسئلہ بہت ہے یہاں پر۔ میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ اس کو سود کی جگہ ہم یہ کہیں کہ محاسب کی تنخواہ ہے' بینک مجھے جو قرض دیتی ہے اس کو اسی کے لیے کام کرنا پڑتا ہے۔ ایک رجسٹر رکھنا ہوتا ہے' ایک محاسب ہوتا ہے' ایک کنٹرولر معلوم نہیں کتنے ملازم ہوتے ہیں تو ان ملازمتوں کی تنخواہ کے لیے اگر ہم زائد رقم دیتے ہیں۔ مثلاً ایک ہزار قرض لیا اور ۱۲۰۰ ادا کیے تو یہ جو دو سو ہیں یہ سود نہیں ہے بلکہ حساب کے مصارف ہیں جو بینکوں کو پیش آتے ہیں' یہ میرے ذہن میں آتا ہے اور یہ میں نے دیکھا کہ بعض بینک اسے قبول کرتے ہیں' اسے انٹرسٹ نہیں کہیں گے' اسے حساب کے مصارف کہیں گے۔ واللہ اعلم

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ سیرت، کمالات اور افادات۔
پروفیسر عبدالرحمٰن مومن فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹڈ دہلی۔ ۲۰۰۷ء)

Marfat.com

مکتوبات

Marfat.com

Marfat.com

مُدیر ''فاران'' کے نام

(پاریس۔صفر ۱۳۸۲ھ)

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب فاران!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج قطر (مشرقی عرب) سے ایک دوست نے فاران (جولائی ۱۹۶۲ء کے) اوراق (۵۱) تا (۵۳) بھیجے ہیں۔

اگر آپ کے اُصول کے مغائر نہ ہو تو اس خط یا اس کے اقتباس کو اپنے ناظرین تک بھی پہنچا دیں۔ ممنون ہوں گا۔

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی'' کا پہلا ایڈیشن میرے علم و اجازت سے شائع ہوا تھا۔ (اگرچہ اس میں طباعت کی بھی اور تالیف کی بھی کافی غلطیاں رہ گئی ہیں اور ناشر سے میں نے وعدہ بھی لیا تھا کہ طبع ثانی مجھے بتائے بغیر نہ کریں) اس کے بعد سے میں بے خبر ہوں۔ آپ تیسرے ایڈیشن کا ذکر کر رہے ہیں۔ میں دوسرے سے بھی واقف نہیں۔

آپ نے (صفحہ ۵۳) پر جو تنقید فرمائی ہے (وحدت ادیان کے متعلق) وہ عمداً تو قطعاً نہیں۔ سہواً و اتفاقاً نامکمل اقتباس دینے کے باعث غلط فہمی و غلط فہمائی کا باعث ہوئی ہے۔ تیسرا ایڈیشن تو میرے سامنے نہیں' کتاب کے پہلے ایڈیشن میں آپ کی نقل کردہ عبارت ''بنیادی امور پر عمل کریں'' کے بعد ہی یہ الفاظ ہیں۔ ''یعنی خدا اور رسول کو ماننا'' اور اس پر ایک حاشیہ بھی ہے کہ فلاں آیت کے تحت محض خدا پر ایمان کافی نہیں' رسول پر بھی ایمان ضروری ہے۔ پھر چند سطروں کے بعد اس مفہوم کو مزید یوں واضح کیا گیا ہے'' چونکہ بلا استثناء ہر جگہ اور ہر مذہب وملت

میں ایک آخری تسکین دہندے کی بشارت وپیشین گوئی موجود ہے اس لیے اپنے مذہب کی تعمیل میں اس کی اطاعت بھی آجاتی ہے۔ یوں بھی نجات کے اس طریقے سے استدلال کے لیے نبی عربی کو گواہی میں پیش کرنا انہیں کے لیے ضروری ہوگا۔''

جب تک یہ سارا پیراگراف نہ پڑھیں' مؤلف کا مفہوم اور مافی الضمیر پوری طرح سمجھ میں نہ آئے گا۔

میں نے دو چیزیں بیان کی ہیں:

(۱) صرف خدا پر ایمان کافی نہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان ضروری ہے۔

(۲) پرانے الہامی مذاہب کے پیرو اپنے دین پر ''پوری طرح'' عمل کریں تو نجات ضرور حاصل ہوگی کیوں کہ ان کے دین میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور اس کی آمد پر اس کی اطاعت کا صریح حکم بھی موجود ہے۔

اور میں اس بیان پر قائم ہوں۔ اس بیان میں کوئی غلطی یا گمراہی ہے تو بیان فرمائی جائے۔ غور کروں گا۔ ان شاء اللہ اپنی غلطی کے اعتراف میں کوتاہی نہ کروں گا۔

مکرر: میں اگست میں سفر پر رہوں گا۔ ان شاء اللہ ستمبر میں پاریس واپس آؤں گا۔

مخلص: محمد حمید اللہ صدیقی

(ماہنامہ ''فاران'' کراچی۔ اگست ۱۹۶۲ء)

سرجری اور اسلام

ماہِ رجب کا شمارہ ''الحق'' آج پہنچ گیا۔ باعث ممنونیت و مسرت ہوا۔ اس دفعہ ''سرجری'' کے عنوان سے جو عالمانہ مضمون مولانا محمد عبداللہ طارق دہلوی صاحب نے شائع فرمایا ہے اسے خود طبیب نہ ہونے کے باوجود شوق سے پڑھا اور مستفید ہوا۔ عنوان اگر جراحی ہوتا تو بہتر ہوتا کہ یہ لفظ ہماری زبان میں موجود ہے۔ ص ۲۰ سطر ۴ تا ۵ میں لکھا ہے کہ ''مسلم سرجن جو تجربات کرتے تھے وہ پرندوں، بندروں اور انسانی لاشوں پر کرتے تھے'' کیا وہ اس کا حوالہ دے سکیں گے؟ چند سال قبل میں اٹلی گیا تھا تو وہاں ایک یونیورسٹی (جامعہ) میں ہمیں بتایا گیا کہ ''دنیا میں پہلی دفعہ کسی لاش کی چیر پھاڑ یہاں کی گئی اور یہ لاش کی میز ہے اور یہاں اوپر طلبہ کھڑے رہ کر استاد کے عمل کا مشاہدہ کرتے تھے۔''

اس لیے مطلوبہ حوالہ کی اہمیت ہے۔ میں نے مرحوم مولانا ابوالوفاء افغانی سے بھی ایک بار دریافت کیا تھا کہ آیا ان کے علم میں کتب فقہ و تاریخ وغیرہ میں ایسا کوئی واقعہ ہے کہ کوئی کفن چور (نباش) لاش کو چرا کر جراحوں کو فروخت کرتا پایا گیا ہو؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر فرمائی تھی، میری اس زحمت دہی کو معاف فرمائیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ پیرس، ۲۱ رشعبان

(ماہنامہ ''الحق'' خٹک۔ جون ۱۹۸۳ء)

Marfat.com

پیرس۔۹ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

مخدوم ومحترم زادفیضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں محترم ''الحق'' کی ارسالی سے میری سرفرازی فرماتے رہتے ہیں۔ ابھی ابھی رجب کا شمارہ آیا ہے۔ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات پر ایک سادہ مؤرخ نہیں ایک ماہر عسکریات فوجی افسر کے قلم سے بحث دیکھی۔ بہت دلچسپی سے پڑھی، میں مقالہ نگار کو مبارکباد کیا دوں کہ میں چراغ بھی ہو جاؤں تو وہ آفتاب ہیں۔

اس میں ایک تشنگی محسوس ہوئی، وہ اندلس کی فتح ہے۔ تاریخ طبری (اور بکثرت دیگر تاریخوں) میں ذکر ہے کہ ۲۶ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس الفہری اور عبداللہ بن نافع الحصین الفہری کو فوج کے ساتھ افریقیہ سے اندلس روانہ کیا۔

فاتیاه من قبل البحر و کتب عثمان الی اهل اندلس: "امابعد فان القسطنطنية انّما تفتح من قبل اندلس و انکم ان افتتحموها کنتم شرکاء من یفتحها فی الاجر والسلام" فخرجوا ومعهم البر برمن برّها وبحرها ففتحها اللّٰه علی المسلمین والفرنجة وازدادوا فی سلطان المسلمین مثل افریقیة.

''یہ دونوں (جنرل) سمندری راستہ سے وہاں پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندلس والوں کو مخاطب کر کے لکھا۔ ''بعد حمد وصلوٰۃ، حقیقت میں قسطنطنیہ کی فتح اندلس کے راستے سے ہوگی اور اگر تم اسے فتح کرو تو اس کی فتح کرنے والوں کے اجر میں تم بھی شریک رہو گے۔ والسلام'' یہ فوجیں گئیں اور ان کے ساتھ بربر قوم کے لوگ بھی تھے، خشکی کے راستے سے بھی اور

Marfat.com

سمندر کے راستے سے بھی اور اللہ نے یہ (اندلس) اور افرنجہ (فرنگستان' فرانس) مسلمانوں کے لیے فتح کرایا اور یہ ملک بھی افریقیہ کی طرح مسلمانوں کی سلطنت میں بڑھ گئے۔ (شامل ہو گئے)

ناچیز نے اس موضوع پر ایک عربی مضمون بھی لکھ کر سارے ماخذوں سے اقتباس دیے ہیں اور وہ استنبول یونیورسٹی میں شائع ہوا ہے۔ ۲۶ھ کے معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صرف پندرہ سال بعد مسلمان ایشیاء' افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں پر اللہ کی حکومت قائم کر دیتے ہیں۔

ناچیز وحقیر محمد حمید اللہ پیرس

(ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک' جون ۱۹۸۵ء)

Marfat.com

مدیر ''الحق'' کے نام

محترمی زادمجدکم! سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہاں دو ماہ سے ڈاک کی مکمل ہڑتال رہی۔ اس لیے آپ کا ۱۰ ارنومبر کا خط اب جنوری میں آیا ہے۔ شکر گزار ہوں۔ مجھے قادیانیت سے کبھی اتنی بھی دلچسپی نہ ہوئی کہ اس کے متعلق کوئی کتاب یا مضمون ہی پڑھوں۔

چونکہ دین دار لوگوں نے اس کے خلاف تن من دھن سے کام کیا ہے اس لیے اچھا ہی ہوگا خدا انہیں اجرِ عظیم دے۔

مگر عالم اسلامی میں دوسرے مسائل ہیں جو اس سے کم اہم نہیں بلکہ شاید اہم تر ہی ہیں۔ ہتھیار بنانے کی جگہ مستعملہ اور فرسودہ ہتھیار خریدنے پر ہم کب تک قانع رہیں گے؟ اشتراکیت والحاد کے مقابلے سے کب تک سوتے رہیں گے؟

میں یہاں اپنی حقیر صلاحیت کے مطابق دوسری قسم کے علمی کاموں میں مصروف بلکہ غرق ہوں۔

کاش! احباب اس میں حارج نہ ہوں۔...... آں محترم کا رسالہ آیا کرتا ہے، ممنون ہوں۔

(ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک)

Marfat.com

عسکری صاحب کے انتقال پر ڈاکٹر حمید اللہ کا خط

(یہ خط انہوں نے حسن مثنیٰ کے خط کے جواب میں لکھا)

۱۷؍صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

مخدوم و مکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا آپ کو صحت و عافیت سے تادیر سلامت رکھے اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

حسن عسکری صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر ریڈیو پر سن کر ناصر جمال صاحب فوراً میرے پاس آئے تھے اور انہیں سے یہ اطلاع پا کر میں ششدر اور غریق حسرت ہو گیا تھا۔ ناصر صاحب کو اطلاع دینے کا سوال نہیں ہے بلکہ وہ خود اپنی والدہ کو لکھ چکے ہیں کہ اگر ان کی ضرورت ہو تو وہ وطن واپس آنے کو تیار ہیں۔

میرا حقیر علم آپ ہی کے خاندان کا صدقہ ہے۔ معتضد ولی الرحمٰن صاحب اور جمیل الرحمٰن صاحبؒ جامعہ عثمانیہ میں استاد تھے۔ جب میں وہاں طالب علم تھا۔ ایک بار تو ان کے والد صاحب مرحوم بھی حیدرآباد آئے تو ملاقات سے مستفید ہوا تھا۔ ان کی کتابیں تو پہلے ہی پڑھی تھیں۔ خدا آپ سب کو علمی خدمت پر جزائے خیر دے اور تازہ سانحے پر صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

حسن عسکری صاحب سے خط و کتابت تو عرصے سے رہی ہے۔ ملاقات ایک بار ہوئی تھی جب وہ کراچی ایئرپورٹ ہوٹل میں زحمت فرما کر آئے تھے (میں ملیشیا جاتے ہوئے گزر رہا تھا) وہ نادر روزگار آدمی تھے۔ ان کی عزت میرے دل میں اتنی رہی ہے کہ اظہار کے لیے الفاظ نہیں پاتا۔ ان کی تازہ مشغولیت قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تھا' خدا کو منظور نہ تھا کہ وہ اتمام کر سکیں۔

Marfat.com

آپ کی سعادت مندی ہے کہ بھائی کے دوستوں کی بھی خدمت اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔
خدا آپ کو خوش رکھے۔ فی الوقت تو کوئی خاص کام نہیں۔ چند ہفتے ہوئے حسن عسکری صاحب کو ایک مضمون بھیجا تھا "زبان زد قصے" غالباً وہ رسالہ محراب کو بھیجا گیا ہے۔ معلوم نہیں محراب والوں کے ہاں میرا اپتا ہے یا نہیں۔ اگر زحمت نہ ہو اور یاد رہے تو محراب کے آئندہ شماروں پر نظر رکھیں۔ پھر اگر میری ناچیز تحریر طبع ہوئی ہو تو محراب والوں کو ایک کارڈ بھیج دیں کہ ایک پرچہ مجھے بھی روانہ فرمائیں، ممنون ہوں گا۔

مکرر دلی تعزیت عرض کرتا ہوں۔ خدا مرحوم کو اعلائے علیین میں جگہ دے۔ میں کوئی خدمت آپ کے لیے کر سکتا ہوں تو بے تردد یاد فرمالیں۔

مارچ، اپریل اور مئی میں البتہ ارض روم Erzurum (ترکی) میں رہنا ہے۔

مخلص: محمد حمید اللہ

(مکاتیب عسکری، مرتبہ شیما مجید، القمر انٹرپرائزز، اُردو بازار لاہور۔ س۔ن)

---

1 وہ عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ انہوں نے نفسیات کی متعدد کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ عرب علوم اور خاص طور سے قدیم مصر کے فنون لطیفہ اور حکومت اور نظم و نسق کے بارے میں درجنوں مضامین لکھے۔ انہوں نے جرمنی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں تراجم کیے۔ یہ کام جو ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۲ء کے عرصہ میں ہوا۔ مختلف رسالوں میں شائع ہوا اور کتابی صورت میں بھی چھپا۔

Marfat.com

کچھ باتیں ڈاکٹر حمید اللہ کے خطوط کے بارے میں

مظہر ممتاز قریشی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے میری خط و کتابت کا سلسلہ ۱۹۸۴ء میں شروع ہوا۔ اس سے پہلے بھی خطوط لکھے۔ پیرس سے جواب بھی آئے مگر ان خطوط کا ذخیرہ میرے پاس موجود نہیں رہا۔ البتہ ۸۴ء کے بعد کے خطوط محفوظ رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ میں نے جتنے خطوط ڈاکٹر صاحب کو لکھے ہیں اتنے کسی اور نے لکھے نہ ہوں گے اور جتنے خطوط ڈاکٹر صاحب نے مجھے لکھے غالباً کسی اور کو نہیں لکھے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے ایک اور شاگرد اور رشتہ دار ڈاکٹر یوسف الدین صاحب نے حیدر آباد دکن سے میرے خط کے جواب میں لکھا: ''میرے استاد ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے خط کا ایک ایک لفظ دینار (اشرفی) سے زیادہ قیمتی ہے۔'' شاید اسی نقطہ نظر کی تائید میں پروفیسر ڈاکٹر مشرف احمد صاحب بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے خطوط کو ''ارمغان'' میں شائع کر کے ابر نیساں کی طرح موتی لٹانا چاہتے ہیں۔

یہ کل (۱۳۰) خطوط ہیں جو میرے نام پیرس سے ڈاکٹر صاحب نے لکھے ہیں (اشاعت کی غرض سے نہیں) بعض خطوط میں صرف اشاروں کنایوں میں بات لکھی ہے اور بعض میں صرف نام لکھے ہیں۔ اس لیے قارئین کے لیے ان کی وضاحت ضروری ہے تاکہ بات کا پس منظر سمجھ میں آ جائے اور ناموں کی وضاحت بھی۔

خط نمبر (۱) مورخہ ۱۸ صفر ۱۴۰۵ھ/۱۴ نومبر ۱۹۸۴ء میں نے ڈاکٹر صاحب سے قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں مترجمین کے حالات زندگی کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ جواب میں ڈاکٹر صاحب نے امریکہ سے چھپے ہوئے نیشنل یونین کیٹلاگ کا حوالہ دیا ہے جس میں مترجمین کے حالات زندگی مل جائیں گے۔ یہ کئی سو جلدوں پر مشتمل ہے۔ مجھے یہ کیٹلاگ کراچی میں مل نہ سکے۔

خط نمبر (۲) ۲۹ صفر ۱۴۰۵ھ/۲۵ نومبر ۱۹۸۴ء ڈاکٹر صاحب نے میرے ہم زلف ممتاز اسکالر ڈاکٹر سید معین الحق صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ ممتاز معین صاحبہ کو سلام پہنچانے کے لیے لکھا ہے۔ ڈاکٹر معین الحق صاحب پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری تھے۔

میری بیوی نازنین قریشی کی چھوٹی بہن بیگم ممتاز معین الحق صاحبہ ''اسلامیہ گرلز کالج'' کی پرنسپل تھیں۔ ۱۹۸۴ء میں ریٹائر ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب جرمن زبان میں (فرانسیسی ترجمے کے بعد) قرآن کریم کا ترجمہ کر رہے تھے لیکن دوسری مصروفیات کی وجہ سے چھٹے پارے تک ترجمہ کر سکے ہیں۔

پروفیسر احمد علی صاحب (''دلی کی شام'' کے مصنف) نے ۸۴ء میں اپنا قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا تھا۔ افتتاحی تقریب ہوٹل شیرٹن میں اے کے بروہی صاحب کی صدارت میں ہوئی تھی۔ اس موقع پر بروشر بھی نکالا گیا تھا۔ میں نے تقریب کی روداد بروشر اور ترجمہ کی خاص خاص باتیں لکھ کر بھجوائی تھیں جن کا ڈاکٹر صاحب نے شکریہ ادا کیا ہے۔

خط نمبر (۳) ۱۵ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ/۸ دسمبر ۱۹۸۴ء اخبار جنگ میں راجستھانی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کا ذکر چھپا تھا۔ اودے پور کے محمد اسلم نے ترجمہ کیا تھا۔ راجستھانی زبان ہندوستان کے علاقے راجستھان میں بولی جاتی ہے۔ کراچی اور سندھ میں اس زبان کے بولنے والے آباد ہیں۔ عام طور پر ان کو راجپوت (مارواڑی) کہتے ہیں۔

پیرس سے فرانس اسلام کے نام سے ایک رسالہ نکلتا تھا جس میں سورہ فاتحہ کا مختلف زبانوں میں کیا ہوا ترجمہ چھپتا تھا۔ کئی زبانوں کے تراجم چھپ چکے تھے۔ جب گجراتی زبان کا ترجمہ چھپا تو اس کے بعد سے یہ رسالہ ہی نکلنا بند ہو گیا۔ یہ سلسلہ بہت اچھا تھا۔ پاکستان میں اس سلسلہ کو جاری کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب کو میں نے لکھا تھا کہ ان کی سوانح عمری لکھنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ ''چڑھ'' ہے سوانح عمری کے بجائے صرف اپنا مقام پیدائش اور تاریخ پیدائش تعلیم اور موجودہ قیام کا ذکر کیا۔ اس طرح سوانح حیات مکمل ہو گئی۔ اب اس کو پھیلا کر لکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام مجھ سے زیادہ ڈاکٹر صاحب کے رشتہ دار ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب آسانی سے کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس مواد موجود ہے اور ڈاکٹر صاحب کے خاندان کو جانتے ہیں۔ حیدرآباد

Marfat.com

اور مدراس کے افراد سے بھی ڈاکٹر صاحب کے بارے میں حالات معلوم کر سکتے ہیں۔انہوں نے ایک مضمون ''جلاوطن'' دکن کے سیاست اخبار میں ڈاکٹر صاحب پر لکھا تھا۔ان کو یہ آسانی بھی ہے کہ ان کے ایک اور رشتہ دار ڈاکٹر افضل الدین اقبال صاحب کی نگرانی میں ایک خاتون M.Phil کر رہی ہے ڈاکٹر صاحب کے کارناموں پر۔ ڈاکٹر صاحب کو بتائے بغیر بھی سوانح لکھی جا سکتی ہے۔(چڑھ سے بچنے کے لیے)۔ابوالفضل صاحب،ان کا تعلق الہ آباد سے تھا۔الہ آباد کے محکمہ تعلیم میں ملازم تھے پھر وہ ممبئی کے مشہور اخبار ٹائمز آف انڈیا میں اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہ چکے تھے۔ بعد میں حیدرآباد میں آ کر آباد ہو گئے۔ چونکہ ہومیوپیتھک کے ڈاکٹر بھی تھے اس لیے انہوں نے شہر کے ایک محلے ترپ بازار میں ہانمن کے نام سے دواخانہ بھی کھولا تھا لیکن ان کا کارنامہ قرآن کریم کا ترجمہ ہے جو ۱۹۱۱ء میں الہ آباد سے چھپا تھا۔

اس ترجمہ کی خاص بات یہ تھی کہ سورتوں کو نزول ترتیب سے رکھا گیا تھا لیکن دوسرے ایڈیشن میں مسلمانوں کے اعتراض پر مروجہ ترتیب کی پابندی کو برقرار رکھا اور نزول ترتیب کی فہرست کو ضمیمہ کے طور پر شامل کر دیا۔

ابومحمد مصلح

یہ بہار کے مشہور عالم دین تھے۔اقبال کے شیدائیوں میں سے تھے۔لاہور کے قیام کے دوران انہوں نے اقبال پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ حیدرآباد دکن میں ان کی بقیہ زندگی گزری اور وہیں وفات پائی۔انہوں نے دین کی تبلیغ کے لیے عالمگیر تحریک قرآنی کی بنیاد ڈالی تھی۔ایک رسالہ ترجمان القرآن بھی نکالتے تھے۔ان کی مدد کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی کافی عرصے تک ساتھ ساتھ لگے رہے۔مولانا مصلح ہر روز درس قرآن ایک مسجد (کنہ کی مسجد) میں دیا کرتے تھے جہاں مولانا مودودی بھی اس کو لکھتے جاتے تھے۔رسالہ کی پروف ریڈنگ بھی کبھار ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی کر لیا کرتے تھے۔ بعد میں رسالہ ترجمان القرآن کو مولانا مودودی صاحب نے پٹھان کوٹ سے نکالنا شروع کیا تھا۔مولانا مصلح نے سب سے پہلے ۱۹۳۳ء میں بچوں کے لیے پارہ عم کا آسان زبان میں ترجمہ شائع کیا تھا۔انہوں نے قرآن کا ترجمہ اور تفسیر بھی چھپوائی تھی جس کو ممبئی کے ناشر شرف اینڈ کمپنی نے شائع کیا تھا۔

Marfat.com

خط نمبر (۴) ۲۹ جمادی الاوّل ۱۴۰۶ھ۔ ۹ فروری ۱۹۸۵ء:

ڈاکٹر صاحب کی بارہ تقاریر کا مجموعہ خطبات بہاول پور کے نام سے شائع ہوا۔ پہلے بہاول پور یونیورسٹی سے اس کے دو ایڈیشن چھپ چکے تھے لیکن اس میں اغلاط رہ گئی تھیں۔ اس لیے تیسرا ایڈیشن ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے ڈاکٹر صاحب کی نظر ثانی کے بعد ۱۹۸۵ء میں شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ تقاریر ۸ر مارچ سے ۲۰ مارچ کے دوران کی تھیں۔ اس وقت کے وائس چانسلر بہاول پور یونیورسٹی محترم ڈاکٹر عبدالقیوم قریشی صاحب نے کتاب کے تعارف میں لکھا تھا:

''خطبات مدراس کی یاد تازہ کرتے ہوئے ہم نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے خطبات کو خطبات بہاول پور کے نام سے موسوم کیا ہے۔ آج اسلامی علوم کے محقق اور مبلغ کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کو جو بلند مقام حاصل ہے، تحقیقاتی کام کرنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں۔ بہ لحاظ موضوع و مواد اور بہ اعتبار افادۂ عام ان خطبات کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس کے پیش نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطبات فکر اسلامی کو مؤثر طور پر منظر عام پر لائے ہیں۔ ہمارے لیے فخر و انبساط کا مقام ہے کہ پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کے مبارک موقع پر پاکستان کی پہلی اسلامی یونیورسٹی قوم و ملت کے حضور یہ ''ارمغان علمی'' پیش کر رہی ہے۔

خط نمبر (۷) ۱۶ر رجب ۱۴۰۸ھ ۹ر مارچ ۱۹۸۸ء:

ماوردی: یہ امام الماوردی ہیں جنہوں نے امثال القرآن مختصر طور پر (۶۴) صفحات میں قدیم عربی میں لکھی جس میں قرآن کریم میں جو مثالیں دی گئی ہیں ان کی تشریح کی گئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ استنبول میں ہے۔ دوسرا نسخہ (فوٹو کاپی) سندھ یونیورسٹی میں ہے چونکہ یہ نایاب کتاب ہے اس لیے میں نے لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس کو ایڈٹ کر دیں چونکہ ڈاکٹر صاحب نے میری ہمت افزائی نہیں کی اس لیے میں نے اس کو چھاپنے کا منصوبہ ترک کر دیا۔ اگر سندھ یونیورسٹی اصل کتاب اور اس کے انگریزی ترجمے کو شائع کر دے تو یہ بڑا کارنامہ ہوگا۔

Marfat.com

خط نمبر (۱۱) ۱۹ ر رجب ۱۴۰۹ھ ۲۶ رفروری ۱۹۸۹ء:

میرے دریافت کرنے پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا: "میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں یورپی زبانوں میں تراجم قرآنی کا ذکر ہے۔ جرمن زبان میں (٦٠) ساٹھ ترجموں کا ذکر ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں غلط فہمی بھی دور کردی کہ ہیگنگ نے جرمن میں ترجمہ نہیں کیا تھا بلکہ آنماری شمل کی تحقیق کے حوالے سے لکھا تھا کہ یہ ترجمہ آدگوٹ مولر نے کیا تھا۔

خط نمبر (۱۶) ۱۹ رمحرم ۱۴۱۰ھ ۲۲ راگست ۱۹۸۹ء:

میں نے ڈاکٹر صاحب کی صحت کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ اب کیسی طبیعت ہے۔ جواب میں خفگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ صحت دریافت کرنے کے لیے خط نہ لکھیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کی بیماری کی خبر سن کر ان کے احباب پریشان ہو جائیں اور خیریت دریافت کرنے کے لیے خطوط لکھیں۔ ڈاکٹر صاحب کی اس نفسیاتی کیفیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر حساس طبیعت کے مالک ہیں۔ وہ کسی اور کو اپنے دُکھ درد میں شریک کرنا بھی نہیں چاہتے۔ بیماری کے علاوہ عام حالات میں بھی وہ کسی اور کی مدد لینا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے ان کے گھر میں کوئی نوکر نہیں ہے۔ تمام کام خود کرتے ہیں۔

خط نمبر (۳۸) ۷ جمادی الآخر ۱۴۱۱ھ ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۹۰ء:

ڈاکٹر صاحب نے اسلام آباد کے عربی رسالے "الدراسات الاسلامیہ" میں ازواج مطہرات پر ایک مضمون لکھا تھا۔ پشاور کے رسالے "صدائے اسلام" کے ایڈیٹر نے اعتراض کیا تھا کہ بعض غلط فہمیوں کو دور کیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے تردیدی مضمون لکھ کر بھجوادیا تھا۔

خط نمبر (۳۹) ۲۸ رجمادی الآخر ۱۴۱۱ھ ۔ ۱۶ جنوری ۱۹۹۱ء:

ڈاکٹر صاحب کو میں نے اپنی کتاب " قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں " کے چند اوراق جن میں ڈاکٹر صاحب کا لکھا ہوا پیش لفظ اور میرا مضمون قرآن کا تعارف اور عرض مؤلف شامل تھے بذریعہ ڈاک بھجوائے تھے۔ پیش لفظ کے آخر میں ڈاکٹر صاحب کے نام کے ساتھ پیرس کا پتا بھی لکھا تھا جس پر ڈاکٹر صاحب نے خفگی کا اظہار کیا تھا کہ دشمن کو معلوم ہو جائے تو جان و مال کو خطرہ ہے۔ یہ صرف ان کا وہم و گمان ہے کہ پتا لکھنے سے دشمن اپنی انتقامی کارروائی

Marfat.com

کرے گا۔ سب سے پہلی بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب کا کوئی دشمن کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ وہ وہاں ایک عرصے سے اسلام کی خدمت کررہے ہیں۔ اس کے باوجود فرانس اور بیرونی ممالک کے لوگ ڈاکٹر صاحب کے پتے سے واقف ہیں۔ ان کو خطوط لکھتے رہتے ہیں۔ پھر بھی میں نے اپنی غلطی پر معافی مانگ لی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کتاب کی غلطیوں کی طرف نشاندہی کی تھی اور لکھا تھا کہ بعض ناموں کے تلفظ کو وہ صحیح کرکے لکھ بھیجیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کو اس بات کا اطمینان ہوگیا کہ ان کے مضمون سے جو علماء خفا ہوگئے تھے تردید کے بعد خاموش ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے میری لڑکی افروز الیاس کے ہاں لڑکا پیدا ہونے پر مبارکباد دی ہے۔ میرا نواسا کراچی میں ۲۰ نومبر ۱۹۹۰ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام سید مبین علی رکھا تھا۔

خط نمبر (۴۲) ۲ر رمضان ۱۴۱۱ھ۔ ۱۸ مارچ ۱۹۹۱ء:

ڈاکٹر صاحب کے عربی مضمون کے جواب میں مولانا جعفر حسین معصوم صاحب کا تردیدی مضمون عربی رسالے الدراسات الاسلامیہ میں چھپا تھا۔ ایک بات ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں لکھی ہے کہ مجھے اس کا انگریزی ترجمہ کرکے شائع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کو غیر مسلموں کی رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب کا تعلق خاندان نوائط سے ہے اس طرح ڈاکٹر صاحب سے خاندانی رشتہ ہے اور وہ بھی ڈاکٹر صاحب کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ حیدرآباد اور بھارت کے مختلف محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر ریٹائر ہوئے ہیں۔ انہوں نے کئی ادبی' مذہبی کتابیں لکھی ہیں جو بہت مقبول ہوئی ہیں۔ اخبار سیاست دکن میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب پر ایک مضمون جلاوطن کے نام سے لکھا تھا جس پر ڈاکٹر صاحب نے اعتراض کیا تھا۔ بعد میں اس کا ترجمہ کرکے اپنی کتاب محفل میں شامل کیا تھا۔

حیدرآباد میں حبیب اینڈ کمپنی نے ڈاکٹر صاحب کی زیادہ کتابیں شائع کی تھیں۔ ڈاکٹر حسن الدین صاحب نے لکھا تھا کہ وہ لوگ امریکہ چلے گئے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کو کوئی اطلاع نہیں تھی۔

Marfat.com

خط نمبر (۴۶) ۱۸ رشوال ۱۴۱۱ھ ۔ ۲ رمئی ۱۹۹۱ء:

ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم کے روسی ترجمے کا ذکر کیا ہے۔ میں نے بھی اس کا ذکر اپنے مضمون میں کیا ہے جو کہ میں نے ۱۹۸۵ء میں انگریزی رسالے مسلم ورلڈ میں لکھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب فرانسیسی ناشر کے کہنے پر شاہ ولی اللہ دہلوی کی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرر ہے ہیں۔ اس کی پہلی جلد مکمل کرلی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کارنامہ بھی بڑا کارنامہ ہے کیونکہ فرانس کے علمی حلقوں میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا اس سے پہلے تعارف نہیں تھا اور ان کی کتاب فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہونے کی وجہ سے شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کو سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

خط نمبر (۴۷) ۲۲ رشوال ۱۴۱۳ھ:

ڈاکٹر صاحب نے سورۂ فاتحہ کے مسودہ کے گم ہونے کا ذکر کیا ہے کہ وہ نہ مل سکا۔ اسی مسودہ میں ڈاکٹر صاحب نے سورۂ فاتحہ کے افریقی زبان میں تراجم کو جمع کیا تھا۔ اب دوبارہ ان کو حاصل کرنا مشکل ہے کیونکہ اصل اور نقل دونوں گم ہوجانے والے اس بستے میں تھے۔

خط نمبر (۵۹) ۸ رشوال ۱۴۱۳ھ:

ڈاکٹر صاحب نے شرح السیر امام محمد شیبانی (امام اعظم کے شاگرد) کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ امام محمد شیبانی کی کتاب کو عربی سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یونیسکو کی مدد سے چار جلدوں میں ترکی میں شائع ہوئی ہے۔

اسی طرح دوسری کتاب سرخسی کی بھی فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔ یہ قانون الممالک پر لکھی گئی ہے۔

خط نمبر (۳۶) ۵ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ:

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضامین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ میرے مضامین کی فوٹو کاپیاں فل اسکیپ سائز کے دبیز کاغذ پر نکلتی ہیں۔ یہ ساری زبانوں کے مطبوعات ہیں۔ میرے مضامین جو حیدرآباد دکن میں رہے ان میں سے صرف فہرست مطبوعات کی فوٹو کاپیاں احمد عطاء

Marfat.com

اللہ نے بھجوادی ہیں۔ امریکہ میں ایک رشتے دار نے ان کی فوٹو کاپیاں مانگی ہیں تاکہ ان کی مسجد (مکہ مسجد) کے کتب خانے میں محفوظ رہیں۔ عمر خالدی صاحب کے پتے اور کتاب کا نام میں نے لکھا تھا۔ عمر خالدی کا تعلق بھی حیدر آباد دکن سے ہے۔ وہ آج کل امریکہ میں آغا خان یونیورسٹی کی لائبریری کے انچارج ہیں۔ انہوں نے زوال حیدر آباد پر ایک کتاب انگریزی میں "Hyderabad After Fall" بہت ہی عمدہ اچھی کتاب لکھی ہے۔ اس میں سقوط کا پس منظر حقائق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

Marfat.com

(۱)

بسم اللہ

۱۸صفر ۱۴۰۵ھ

4 Rue de Tournon   Paris-6/France

محترمی!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۸/نومبر کا عنایت نامہ کل رات پہنچا۔ دلی شکریہ

اس سے قبل کا کوئی خط نہ ڈاک سے نہ احباب کے ذریعے سے پہنچا۔ سوائے اس کے کیا عرض کروں کہ خدا آپ کے کام میں برکت دے۔

امیرکا میں نیشنل یونین کیٹالاگ چھپتا ہے۔ کئی سو جلدیں ہیں۔ ان میں مجھے بہت سے فرنگی اور مسلمان مترجمین قرآن کی تاریخ ولادت و وفات ملی۔ آپ سے بھی درخواست ہے اس میں دیکھیں اور آپ پہلے خود اپنے ملک کے مترجموں کے حالات جمع کر کے شائع کریں۔ دوسرے غیرت میں آ کر سبق لیں گے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲)

۲۹/صفر ۱۴۰۵ھ

مکرمی!

سلام مسنون۔ ملاقات پر ڈاکٹر معین الحق صاحب و اہلیہ کو بھی سلام و آداب۔ نیشنل یونین کیٹالاگ کا Congress Library واشنگٹن سے تعلق ہے۔ اس کی پانچ چھ سو جلدیں ہیں۔ اب تو ہر ماہ پانچ سو صفحے کی ایک جلد نکلنے لگی ہے۔

Marfat.com

مجھے فرانس یا کسی اور ملک میں کسی ایسے رسالے کا علم نہیں جو اہل علم کی سوانح عمریاں دیتا ہو۔ آپ کی یاد غلط ہے۔ البتہ ہر فرنگی ملک میں نیشنل بیاگرفیس نامی کتابیں ہیں مگر ان میں شاذ ہی مترجمین قرآن کو اس قابل سمجھا گیا ہے کہ ان کا ذکر ان کتابوں میں ہو۔

میرا جرمن ترجمہ چھٹے پارے پر رُک گیا ہے۔ دیگر مصروفیتیں اُدھر توجہ کا موقع نہیں دیتیں۔

احمد صاحب کے ترجمے کی تفصیل کا شکریہ۔ لندن میں بھی ڈاکٹر فاطمی وغیرہ کئی لوگ نئے ترجمے کر رہے ہیں مگر میرے پاس ان کی سوانح عمریاں نہیں ہیں اور نہ معلوم کرنے کا امکان ہے۔

ناچیز:

محمد حمید اللہ

پاریس

(۳)

۸۴-۱۲-۸......۱۵ ربیع الانور ۱۴۰۵ھ

مکرمی!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ شکر گزار ہوں۔ آپ کے اعلانات یا درخواستوں کے نسخے مکرر سکرر آئے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ڈاک کا خرچ آپ کو پڑھے۔ اس کی مجھے ارسال میں کوئی فائدہ نہیں۔

راجستھانی ترجمے کی اطلاع کا شکریہ۔ مسلم ورلڈ میرے پاس آتا ہے اس کے فونوں کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔

میں نے کبھی نہیں لکھا کہ پاریس کے امام صاحب ایک رسالہ نکالتے ہیں جو رسالہ ''فرانس اسلام'' نکلتا تھا وہ اب کوئی دس سال سے مالی دُشواریوں کے باعث بند ہے۔ اس میں سوانح عمریاں نہیں بلکہ سورہ فاتحہ کا نمونہ ہر زبان میں ہوتا تھا اور ہر زبان کے جملہ مترجمین کا نام اور مقام اشاعت۔ یہ حروف تہجی پر چھپتے رہے' ہر نمبر میں ایک زبان اور Gujrati تک پہنچا تھا۔

مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑھ ہے۔ حیدرآباد دکن میں ۱۶ رمحرم ۱۳۲۶ھ کو پیدا ہوا' وہیں تعلیم پائی۔ اب فرانس میں پناہ گزین ہوں۔

مجھے ابوالفضل صاحب سے کوئی واقفیت نہیں رہی، صرف نام سے واقفیت ہے۔ ابومحمد مصلح صاحب کے متعلق صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ بہار کے تھے اور حیدرآباد میں رہ کر وہیں وفات پائی۔ میں ان سے ممکنہ تعاون کرتا رہا۔ پروف ریڈنگ وغیرہ میں مدد دیتا رہا۔ مترجموں کے حالات سے نہ مجھے واقفیت ہے اور نہ واقف لوگوں سے واقف ہوں۔

احمد علی صاحب کے ترجمے کی ارسال کی زحمت نہ فرمائیں۔ میں کیا جو اس کی تدقیق کرسکوں۔ میدان حشر جیسے مسئلے سے نہ مجھے دلچسپی ہے اور نہ واقفیت شاید کوئی لکھے تو پڑھوں گا بھی نہیں۔ یہ خدا کے اسرار ہیں عالم غیب کے۔

مکان میں آداب و تسلیمات

سلام نیاز

محمد حمید اللہ

(۴)

۲۹ رجمادی الاوّل ۱۴۰۶ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۲۷ رجنوری کا کرم نامہ کل ۸ رفروری کو پہنچا۔ شکرگزار ہوں۔

۱) خطبات بہاول پور کا نیا نظرثانی ایڈیشن جس میں انڈکس بھی بڑھایا گیا ہے، ابھی ابھی گزشتہ ماہ اسلام آباد سے اسلامک یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

۲) میرا جرمن ترجمہ قرآن سورہ انعام تک آ کر جوں کا توں پھر آگے نہیں بڑھا۔ دوسرے کاموں میں اس قدر پھنسا ہوا ہوں کہ اُدھر توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔

۳) آپ کی فہرست تراجم قرآن کی ''نظر ثانی'' کے لیے چار پانچ سو صفحوں کی ایک کتاب لکھنی ہوگی۔ ابھی استنبول میں۔

World biblography of translations of the Quran Research centre for Islamic History, Art and Culture P.B.24, Besiktas, Istanbul.

کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ ہزار بھر صفحے ہوں گے۔ میں نے مسودہ دیکھا تھا' ابھی مطبوعہ نسخہ یہاں آیا نہیں۔ تراجم کی فہرست کے لیے دنیا ئے ہر بڑے کتب خانے میں جا کر کام کرنا ہوگا کہ مطبوعہ کیٹلاگ میں تازہ چیزیں نہیں ملتیں خاص کر ''کانگریس لائبریری واشنگٹن'' جس میں ۹۵ ملین کتابیں ہیں۔

میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ پہلے اُردو مترجموں کی سوانح عمریاں جمع کر لیجئے۔ پھر فارسی' ترکی وغیرہ۔ فرنگی مترجموں کی تاریخ وفات بھی مل جائے تو غنیمت ہے۔ مجھے واقعی نہیں معلوم کہ یہ معلومات کہاں ملیں گی۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

''لکھمبورگ وسطی یورپ میں ایک ننھی منی ریاست ہے وہاں اب تک فرانسیسی چلتی تھی۔ ابھی ابھی انہوں نے اپنی مقامی زبان کو ''دوسری سرکاری زبان'' قرار دیا ہے اس کا نام ہے لیتس بورگیش Letzburgesch الحمدللہ اس زبان میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ ہو کر پہنچ گیا ہے' میں وہاں گیا تھا۔ دس بارہ فرنگی نومسلم بھی ہیں۔''

(۵)

۲۲ رذی قعدہ ۱۴۰۶ھ

استادِ محترم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوا' شرمندہ بھی کہ آپ نے بے وجہ کثیر رقم صرف فرمائی۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔

جہاں تک اپنی تالیفوں پر میرا اپنا تبصرہ کرنا ہے میں نے یہ نہیں لکھا تھا کہ میرا ہاتھ ماؤف اور مفلوج ہے کہ لکھ نہیں سکتا بلکہ یہ کہ کثرت فرائض سے وقت نہیں بچتا اور یہ کرامت ابھی حاصل نہیں ہوئی ہے کہ وقت واحد میں دو دو کام کر سکوں' خود اپنا زیر تالیف مضمون مثلاً لکھتا رہوں۔ اور ساتھ ساتھ Simultaniously آپ کے فرستادہ کاتب کو کوئی اور مضمون بھی املا (Dictate) کراتا رہوں۔ آج کل اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن کا پندرھواں ایڈیشن اور فرانسیسی سیرۃ النبی کا پانچواں

Marfat.com

ایڈیشن نظر ثانی کے بعد تیار کر رہا ہوں اور ناشر کا تقاضا ہے۔

مکان میں آداب تسلیمات

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۶)

۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

مخدوم ومحترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اے آپ کے خط مورخہ ۱۹/ جمادی الثانی میں جو ابھی شروع نہیں ہوا ہے۔ آپ نے السلام علیکم لکھا ہے۔ آپ کی خیر وعافیت سے خوشی ہوئی۔ میری فرانسیسی کتاب سیرت اور ترجمہ قرآن کے نئے ایڈیشن ابھی پروف ہی کی نوبت تک پہنچے ہیں۔ مجھے ان سے تعلق بھی نہیں۔ یعنی میں نہ ناشر ہوں اور نہ فروشندہ۔ مجھے غالباً ایک ایک نسخہ ہی تحفہ ملے گا کیونکہ وہ میں نے اسلامی انجمن طلبہ کو تحفہ دے دی ہیں۔

میرے ذہن میں ایسی کوئی کتاب نہیں جس کی اشاعت کی آپ سے استدعا کر سکوں۔ خود آپ کچھ تالیف فرمائیے زیادہ بہتر ہوگا۔

مکان میں آداب

نیاز مند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۷)

۱۶؍رجب ۱۴۰۸ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماوردی کی کتاب کو ضرور چھاپیے لیکن اس میں میرے تبصرے کی کوئی حاجت نہیں ہے اور نہ اس کے لیے میرے پاس فرصت ادب سے معافی کا خواستگار ہوں۔ تراسی سال گزر چکے ہیں۔

ناچیز خادم

محمد حمید اللہ

(۸)

۲۵؍ربیع الغوث ۱۴۰۹ھ

مخدومی محترمی زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی زحمت فرمائی کا شکریہ۔ جزاکم اللہ خیرا۔ قطر میں ایک مجلس تراجم قرآن بنی ہے۔ مترجمین کے حالات وہ بھی شائع کررہی ہے۔ پتا احتیاطا درج کرتا ہوں۔

Prof Dr Hassan# A Ma`ayergi

Post Box No 188, Doha Qatar

میری اپنی فہرست میں کچھ اور نام بھی ہیں۔

۱۔ W.Baaten Qutrcchl جزئی ترجمہ

۲۔ Soedewo

۳۔ F.A Graeff

۴۔ B.F` Mattes مسترد ۱۸۴۶ء

۵۔ قادیان والے مرزا البشیر الدین محمود احمد

والسلام

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر!

آپ لائڈن والوں کو بشیر الدین محمود احمد صاحب کے حالات روانہ کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں اپنے ماخذ کے طور پر میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن مطبوعہ Brent Wood ۱۹۸۵ (طبع جدید زیر طبع ۱۹۸۹ء) کا حوالہ دے سکتے ہیں اور یہ بھی کہ غالباً Snouk Hurgronje کے ہاں بھی اقتباسات قرآن ملتے ہیں۔

(۹)

۲۲ جمادی الآخر ۱۴۰۹ھ

مخدوم و محترم دامت برکاتکم!

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا، سرفراز کیا۔ کاش کوئی صورت ہو کہ اس چوراسی سالہ بوڑھے کو اب احباب بھول جائیں اور آرام لینے دیں۔ میرے خیالات کو ذرا بھی اہمیت نہیں۔ خط نویسی بھی میرے لیے اب بار ہو گئی ہے۔

میرا بھی ناچیز خیال ہے اور اس میں کوئی سیاسی یا مادی غرض بالکل نہیں ہے کہ اسلام میں عورت کی حکمرانی مباح اور جائز ہے۔ (واجب اور مستحب نہیں، صرف جائز ہے) اگر ہر سائل کے جواب میں ایک مضمون لکھنے لگوں تو عملاً کسی نوجوان کے لیے بھی اس کا امکان نہیں۔ آپ واحد سائل نہیں ہیں۔ ذمہ داری انتخاب کے وقت ووٹ دینے والوں کی ہے۔

ناچیز:
محمد حمید اللہ

(۱۰)

۱۵ر رجب ۱۴۰۹ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ سے میں بڑا شرمندہ ہوں۔ آپ بار بار زحمت فرماتے ہیں اس دفعہ اخباری کترنوں پر پندرہ روپے خرچ فرما ڈالے۔ جزاکم اللہ خیرا

اختلاف رائے پر کیا کہا جائے؟ ایک حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں عالم مثال میں بحث ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ بعض وقت متفق نہ ہو سکتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فیصلے کے لیے آتے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد میں سیکڑوں مسائل میں اختلاف رہا۔

مجھے قطعاً اصرار نہیں کہ میری رائے ہی صحیح ہے۔ دیگر علماء دوسری رائے رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مرسلہ اخباروں سے پتا چلتا ہے۔ فیصلہ کوئی ثالث ہی کرے گا۔ اختلاف ائمہ کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ سوادِ اعظم کے ساتھ رہو۔ میں اپنی رائے رکھتا اور اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ اور لوگ مجھ سے متفق ہوں۔

مکان میں آداب وکورنشات عرض ہیں۔

آپ کا دلی شکریہ

ناچیز:

محمد حمید اللہ

(۱۱)

۱۹رجب ۱۴۰۹ھ

محترمی سلام مسنون!

کرم نامہ مورخہ ۱۶ فروری ملا۔ ممنون ہوا۔

میں نے جرمن مترجمین قرآن مجید پر کوئی کتاب نہیں لکھی ہے اور نہ کوئی خاص تحقیق۔ میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن کے دیباچے میں "یورپی زبانوں میں تراجم قرآن" کا ذکر ہے۔ اس کے زیر طبع پندرھویں ایڈیشن میں جرمن میں پورے ساٹھ ترجموں کا ذکر ہے۔

میں جب ۱۹۳۲ء میں جرمنی میں طالب علم تھا تو اس وقت ماکس ہننگ وہاں زیادہ مستعمل تھا۔ جب ۱۹۶۰ء میں آنماری شمل بیگم نے اس کا نیا ایڈیشن چھاپنا چاہا تو میں نے انہیں کتاب کی کچھ غلطیاں بتائیں اور وہ انہوں نے درست بھی کر دیں اور اشتہاری ضرورتوں سے انہوں نے اپنے دیباچے میں لکھ دیا کہ حمید اللہ کی رائے میں یہ سب سے بہتر جرمن ترجمہ ہے۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔

Marfat.com

اسی کو لایپنگ Lipzig (کمیونسٹ جرمنی) میں ۱۹۶۸ء میں Earnest Werner اور Kurt Rudolph نے اپنی خصوصی تصحیحوں کے ساتھ چھاپا۔ اصل مترجم ہننگ کے زیادہ حالات معلوم نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس کا ۱۸۶۱ء میں پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ شمل بیگم نے لکھا کہ جرمنی کے پروفیسر اوتو اسپس Otto Spics کے گمان میں ہننگ ایک فرضی نام ہے' اصل مترجم آوگوست مولر(Auguest Muller ۱۸۴۲ تا ۱۸۹۲ء) ہے۔

میری مذکورہ فہرست میں صرف مترجم کے زمانے کا ذکر' اگر ملا تو کرنے پر اکتفا ہے اور جن متعدد طباعتوں کا پتا چلا' ان کی تفصیل ہے اور بس اور سچ تو یہ ہے بہتوں کے حالات جرمن کتب سوانح عمری میں بھی نہیں ملتے' اسلام دشمنی اور قرآن دشمنی کے باعث۔

عمر کے باعث اس کا کوئی امکان نہیں کہ میں مترجمین قرآن کی سوانح عمریوں پر کوئی کتاب لکھ سکوں۔ میرا ترجمہ نیویارک Brent Wood میں ابھی مطبع ہی میں ہے۔

مکان میں آداب

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۲)

۲۶ر رجب ۱۴۰۹ھ

محترمی زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ایک کرم نامے کے جواب میں جرمن تراجم قرآن پر ایک نوٹ ارسال خدمت کیا تھا۔ ان شاءاللہ مل گیا ہوگا۔ (Henning کے متعلق)

اب ایک نیا کرم نامہ آیا ہے۔ آپ کی کرم فرمائیوں سے غریق تر ہوتا جارہا ہوں۔ براہ کرم مزید زحمتیں نہ فرمائیں۔

عورت کی سربراہی کے متعلق مضامین اور کتابچے کا شکریہ۔ میں چوراسی سال کا بڈھا ہوگیا ہوں۔ آج کل فریش بھی ہوں ساری دنیا کی چیزوں سے عملی ہی نہیں علمی دلچسپی کا بھی اب زمانہ نہیں رہا۔ خدا آپ کو خیر وعافیت سے رکھے۔

ناچیز:

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۳)

۷شعبان ۱۴۰۹ھ

محترمی!

سلام مسنون۔ تین چار دن ہوئے ایک کرم نامہ ملا۔ کل دو نئے خط ملے شکریہ۔

میں نے بارہا پورے ادب سے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں ۸۴ سال کا ہو چکا ہوں اور اب علمی کام ہو نہیں سکتے۔ اس کا کوئی امکان نہیں کہ آپ کے دوست میرے ہاں آ کر کچھ علمی کام کر سکیں۔ میں یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ میری رائے میں کسی زندہ شخص کے حالات پر کام نہیں کرنا چاہیے کہ اس میں آزادی فکر نہیں رہتی۔

دو ہفتوں سے فریش بھی ہوں۔ خط کا جواب دینا بھی تھکا دینے لگا ہے۔ غیر ضروری اور غیر ممکن امور کے لیے زحمت نہ گوارا فرمایئے۔

مکان میں سلام

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۴)

۱۹ر محرم ۱۴۱۰ھ

محترمی!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج شام آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۱۰ ر اگست پہنچا' شکرگزار ہوں۔

میں اپنی صحت کے حالات خود قریبی رشتہ داروں اور عزیز ترین دوستوں کو بھی نہیں لکھتا کہ وہ پریشان ہوں گے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ صرف خط لکھ کر مجھ پر جواب ہی کا مزید بار ڈالیں گے اور تھکائیں گے۔ آپ بھی مجھ سے صحت دریافت کرنے کا خط کبھی نہ لکھیں۔

کتاب ''القرآن فی کل لسان'' کا کوئی ایڈیشن میرے علم میں امریکہ میں نہیں چھپا۔ وہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن جو روس میں طبع ہوا تھا' مکرر چھپا ہے آپ کو غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

اگر ممکن ہو تو مجھے سورہ فاتحہ کے نئے ترجمے سے نوازیں یعنی ترجمے کی کامل عبارت، مؤلف کا نام (ممکن ہو تو تاریخ ولادت) اور مطبوعہ ہے تو مقام و تاریخ اشاعت۔ یہ بھی آپ کی غلط فہمی ہے کہ فرانس کا کوئی ادارہ میری زندگی اور کام پر کام کرا رہا ہے۔ میرے مطبوعہ مضامین و کتب کا عام طور پر میرے پاس ایک واحد نسخہ گھر میں ہے۔ اسی کی فوٹو کاپیاں یہاں کی انجمن طلبہ اسلامی نکلوا رہی ہے۔ ہزاروں صفحے ہیں اور ابھی کام ختم نہیں ہوا۔

تھکا ہوا ہوں معاف فرمائیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۵)

۵/صفر ۱۴۱۰ھ

محترمی زاد مجدکم!

سلام مسنون

مجھے معلوم نہ تھا اور نہ تجربہ ہے کہ بیماروں، تھکے ہوئے بوڑھوں کو خط لکھنے میں کوئی بار زحمت نہیں ہوتی وہ محض بیکار اور چاق و چوبند رہتے ہیں۔

''القرآن فی کل لسان'' ابھی امریکہ میں نہیں چھپی۔ کب' اللہ کو معلوم۔ میری حیدر آبادی زندگی میں چھپے ہوئے مضمون وہیں رہ گئے۔ یہاں کی اکتالیس سالہ زندگی کے مطبوعات صرف یہیں ہیں۔ عطاء اللہ میرا بھتیجا ہے۔ اس سے طے ہوا ہے کہ وہاں کے مضمونوں کے فوٹو وہ بھیجے' یہاں کے مضمونوں کے فوٹو اس کو بھیجے جائیں گے تا کہ دونوں جگہ ذخیرہ ممکنہ حد تک مکمل رہے۔ پاریس میں عام طور پر زیراکس کا پی فی صفحہ ایک فرانک ہوتی ہے۔ یہاں مجموعہ مقالات کی طباعت کا کوئی سوال نہیں کہ ہاتھ خالی ہیں۔ یہاں تا حال کئی ہزار صفحے فوٹو لے جا چکے ہیں' ابھی کافی کام باقی ہے (مضمونوں کی تعداد اب ایک ہزار سے زائد ہو چکی ہے' کتابیں الگ ہیں۔ الحمد للہ)

مولانا اسرار احمد (لاہوری) گزشتہ ہفتے پاریس میں تھے وہ ماڈل ٹاؤن میں رہتے ہیں۔ مجھے سورہ فاتحہ پر کتابیں نہیں بلکہ ہر زبان میں ترجمہ درکار ہے۔ اب تک ڈیڑھ دو سو زبانوں

Marfat.com

کے ترجمے الحمدللہ جمع ہو چکے ہیں۔(القرآن فی کل لسان کی طباعت جدید کے لیے) آپ نے دو نئی زبانوں کا ذکر فرمایا ہے تو بے خیالی میں زحمت دے دی' معاف فرمائیں۔

میرے ذہن میں آپ کی مجوزہ اشاعت گاہ کے لیے کوئی قابل ذکر چیز نہیں ہے نہ قوت کہ تلاش شروع کروں۔

نیازمند:

محمد حمید اللہ

(١٦)

Bismillah

29 Safar 1410,1989

Dear brother,

As- Salam alaikum wa rahmatullah wa barakatuh.

Thanks for the letter and the contents,

Others also had sent to me photostats of the same article. Thanks anyhow

Mr.Tariq Muneer Showed his work on prayer hours, I did not agree fully and gave him my work on the subject of hours and said continue your research God blessyou.

I do not think I will be able fo find his address which I Think he did not leave. Sorry.

Better diminish unnecessary correspondence, Istanbul people are not my subordinate but independent persons.

I cannot ask them what you require Contact them directly,

Excuse me the English letter. I am typing something else also at the moment.

Marfat.com

God bless you

Muhammad Hameed ullah

خط بند کرنے سے قبل آپ کی کرامت سے پتا مل گیا۔

Dr. Tariq Muneer

113 South Anderson Drive

Aberdeen ABI 6JT, Scotland.

(۱۷)

۱۶؍ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ

محترم ومکرم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا' شکرگزار ہوں۔

بوڑھا ہوگیا ہوں' بالکل یاد نہیں کہ آپ کی کسی بات پر میں نے برہمی کا اظہار کیا۔ معافی کا طالب ہوں۔

کتاب ''القرآن فی کل لسان'' کے متعلق بھی حافظہ مدد نہیں کر رہا ہے۔ میں نے آپ کو اس کے چھاپنے کی اجازت دی ہے تو ضرور چھاپیں۔ اگر سابق میں اور کو بھی اجازت دی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اس سے متاثر نہیں ہوگی۔ حال میں (آپ کے بعد) میں نے کسی کو اجازت نہیں دی ہے۔ میں اکبر احمد نامی کسی شخص سے واقف نہیں۔ اگر یہ فلاڈیلفیا (امریکہ) والے میرے رشتہ دار (بھانجی کے بیٹے) ہیں تو ان کا نام احمد عبدالخالق ہے۔

نئی دہلی کے ناشر Vikas کا جو ذکر آپ نے فرمایا ہے میں اسے سمجھ نہ سکا کہ اس ناچیز سے آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نہ اس ناشر سے واقف ہوں اور نہ اس کی کتابوں سے' بوڑھا ہوگیا ہوں۔ پیری وصد عیب' تھکا ہوا بھی ہوں۔

نیازمند

محمد حمیداللہ

Marfat.com

(۱۸)

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کے دو خط ایک ساتھ پہنچے۔ شکرگزار بھی ہوں اور انتہائی متاسف بھی کہ ڈاکٹر معین الحق صاحب دنیا سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. خدا انہیں جنت میں اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔

میں نے ان کی بیوی کو جو میری ایک قریبی رشتہ دار ہیں تعزیتی خط لکھ دیا ہے۔ مرحوم کے لیے قرآن مجید کا ان شاء اللہ ایک ختم پڑھوں گا۔ یہاں "القرآن فی کل لسان" کا تکملہ جو قلمی مسودے کی شکل میں تھا' میرے ہاں سے غائب ہو گیا ہے۔ شاید چوری ہو گیا ہے۔ اللہ کی مرضی فی الوقت اس کی تلافی میرے لیے ممکن نہیں۔

بے حد تھکا ہوا ہوں اس لیے اخباروں کی ستم ظریفی وغیرہ کے متعلق آپ جو مناسب سمجھیں فرمائیں۔ پیشگی شکریہ

مکان میں سلام

مکرر...... میں قاضی بدر الدولہ مرحوم کا پوتا اور خلیل اللہ مرحوم کا بیٹا ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۹)

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

خدا آپ کو خوش رکھے کہ

(۱) یہ اطلاع دی کہ بیگم معین الحق صاحب کو میرا تعزیتی خط تا حال نہ ملا۔

Marfat.com

(۲) مزید برآں اپنا مقالہ تلنگی تراجم قرآن پر روانہ فرمایا۔ "القرآن فی کل لسان" میں ۱۳۶۶ تک

Dr Narayan Roa

Abdul Ghafur

Qasim Khan

کے تلنگی تراجم کا ذکر تھا۔ اس کے بعد بھی شاید دو اور ترجموں کی اطلاع ملی تھی مگر میری کتاب کے غائب (چوری) ہو جانے سے اب کچھ کہہ نہیں سکتا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

قاسم خاں صاحب سے میری ملاقات تھی، معلوم نہیں ابھی بخیریت و بقید حیات ہیں یا نہیں؟

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲۰)

یکم جمادی الآخر ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا کرم نامہ ملا، اطلاعات کا دلی شکریہ۔

سوالات، سارے ہی سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ آپ زحمت نہ کریں۔ اگر "القرآن فی کل لسان" کسی کی کرامت سے مل جائے تو آپ کو ان شاءاللہ اطلاع دوں گا۔

اگر کوئی میرے مضامین کا جو ایک ہزار سے زائد تعداد میں ہیں اور سات زبانوں میں ہیں، مجموعہ شائع کرانا چاہتا ہے تو وہ مجھ سے تماس پیدا کرے اور خاص کر اپنی شرطیں بتائیں، کچھ نہیں تو دس جلدیں ہوں گی۔

مکان میں آداب و تسلیمات

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۲۱)

۵رشعبان ۱۴۱۰ھ

محترمی زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ گزشتہ خط کا جواب اس لیے نہ دیا کہ اس میں کوئی جواب طلب امر نہ تھا بلکہ صرف یہ کہ ناشر کو تلاش کر کے آپ ہی مجھے لکھیں گے۔

محترم احمد خان صاحب کا کوئی خط تا حال نہیں آیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ مجھے مرحوم معین الحق صاحب کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں کہ وہ ایک رسالہ چھاپتے تھے جس میں میں نے بھی چند بار حصہ لیا ہے۔

مکان میں آداب وتسلیمات

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲۲)

۶ررمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ رمضان مبارک' چند دن ہوئے آپ کا نوازش نامہ ملا تھا' سرفراز کیا۔

میرے مضامین یکجا کرنے کے لیے آپ لکھتے ہیں کہ ہمدرد والوں کو میری اجازت کی ضرورت ہے۔ اجازت کا سوال نہیں۔ یہ میری عزت افزائی ہے۔ البتہ یہ عرض کروں کہ یہاں (کم از کم اب) کوئی صاحب نہیں جو میرے لیے یہ کام انجام دیں' میری صحت بھی کمزور ہے۔

مکان میں سب کو سلام

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۲۳)

۱۷/ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم کان اللہ معکم!

سلام مسنون خیر و عافیت کا طالب۔ یہاں اخباروں میں وہاں کی تشویشناک خبریں آتی رہی ہیں۔ خدا کرے آپ سب وہاں خیر و عافیت سے ہوں۔ میرے پاس سوائے اس کے کوئی ذریعہ معلومات نہیں کہ آپ ہی کو زحمت دوں اور آپ کی پریشانیوں میں اضافہ کروں۔ خدا ہم مجنون مسلمانوں کو نیک ہدایت دے۔

جناب احمد خان صاحب نے اس کی بھی اطلاع نہیں دی کہ ان کو میرا مرسلہ بستہ ملا یا نہیں۔ اللہ کی مرضی مکان میں کورنشات

خادم

محمد حمید اللہ

(۲۴)

۲۸/ جمعہ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔ کل اور آج ایک دن کے وقفے سے آپ کے دو کرم نامے ملے۔ ممنون و مسرور ہوں وہاں کے ہنگاموں کے باعث سخت تشویش تھی۔ اس اثناء میں شاید میرا خط بھی مل گیا ہو۔ آپ کا ایک خط کیم فروری کا ہے اور دوسرا ۱۱ فروری کا۔ پہلی ذی قعدہ کا خط آج ملا ہے۔

حکیم محمد سعید صاحب سے میں نہیں، آپ خواہش فرمارہے ہیں کہ میرے مضامین کا مجموعہ شائع کریں، ان کا کوئی خط نہیں آیا ہے، وہ آج ۲۴ جون تک تو یہاں تشریف نہیں لائے ہیں۔

کتاب الردی الواقدی کی تنقید جو محترم ڈاکٹر غازی صاحب نے فرمائی ہے وہ سمندری ڈاک سے ممکن ہے دو ماہ بعد ملے۔ ان کی تردید مجھ سے نہ کروائیے۔ میرے پاس اس کا وقت نہیں ہے، میں نے کتاب کے مقدمے میں ساری دلیلیں لکھ دی ہیں اور خلاصہ یہ کہ واقدی اتنا بدنام نہیں جتنا بدنام ہے۔ ان کی

کتابوں میں مجھے کبھی کوئی چیز نہ ملی جو اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین پر مشتمل ہو۔

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔

ناچیز:

محمد حمید اللہ

(۲۵)

۱۲ر ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم و اہالی زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ عید مبارک۔ آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ فقیہ علی بہائی کی تفسیر کا نام سنا ہے۔ تا حال دیکھ نہ سکا' ہمارے خاندان کے کتب خانوں میں ممکن ہے موجود ہو لیکن آج کل ہندوستان کے حالات ایسے ہیں کہ اتصال پیدا نہیں کر سکتا۔

براہ کرم ہمدرد یونیورسٹی یا زبیری صاحب یا دیگر موزوں فرد سے فرمایئے کہ میری جملہ تالیفوں کو وہ جمع کر کے میری عزت افزائی فرما رہے ہیں لیکن کام آسان نہیں۔ مثلاً یہاں ابراہام نامی ایک کتاب چھپی ہے۔ پہلا باب یہودی' دوسرا نصرانی اور تیسرا (میرا) اسلامی ہے۔ کیا ساری کتاب کے فوٹو لوں۔ ایسی دیگر کتابوں میں بھی میرا ذاتی حصہ مختصر ہے۔ وہ مجھے یہ بھی اطلاع دیں کہ کون سی کتابیں یا مقالے ان کے پاس ہیں تا کہ انہیں کے فوٹو مکرر نہ کراؤں۔ اخباروں' رسالوں میں بھی میرے مضامین ہیں اور مستقل کتابیں الگ ہیں۔

آپ کو بڑی زحمت ہے۔ قصور معاف

خادم

محمد حمید اللہ

(۲۶)

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کے لیے دعا گو۔ آپ کا کرم نامہ ملا' ممنون بھی ہوا' سخت شرمندہ بھی کہ آپ اتنی کثیر زحمت فرماتے ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمود غازی صاحب نے میری شائع کردہ واقدی کی کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے اس میں ایک ''اعتراض'' درست ہے کہ میں نے اصل مخطوطے کا مفصل ذکر نہیں کیا ہے۔ اگر چھپنے سے پہلے یہ بات بتائی جاتی یا ذہن میں آتی تو تلافی کر سکتا تھا۔ اب نئے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا۔ شاید وہ میرے مرنے کے بعد نکلے۔

اس کے سوا اور کیا لکھوں؟

عزیزہ بیگم معین الحق کی علالت سن کر افسوس ہوا۔ خدا انہیں جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔ موقع ہو تو ان کی خدمت میں میرا اسلام عرض ہے۔

آپ کے ہاں بھی سب کو سلام کورنشات

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۲۷)

۱۴۱۰ھ[1]

مکرمی سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ ''عورت کی نماز میں امامت'' کے متعلق براہ کرم رسالہ فکر ونظر اسلام آباد جلد ۲۶ ستمبر ۸۸ء کو دیکھنے کے بعد بھی تشویش رہے تو لکھیے کہ کیوں اعتراض ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

---

[1] اس خط پر تاریخ و مہینہ درج نہیں ہے۔

Marfat.com

(۲۸)

۹ محرم ۱۴۱۱ء

مخدوم ومکرم زادمجدکم

سلام مسنون نیازمندانہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کرم نامہ ملا۔ عزیزہ بیگم معین صاحبہ کی صحت سدھرنے کی اطلاع کا شکریہ۔ خدا آپ سب کو تادیر صحت وعافیت سے رکھے۔

آپ کے اصرار پر آپ کی کتاب کا تعارف لکھ دیا ہے۔ معلوم نہیں کیسا ہے۔ پسند آئے تو استفادہ فرمائیں ورنہ چاک کر دیں مگر معنون نہ کیجیے، مجھے ان چیزوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

لفافہ بند کر رہا تھا کہ آپ کا تازہ خط پہنچا۔ اس میں کوئی نئی قابل جواب چیز نہیں۔ براہ کرم معنون کرنے کا قصہ ختم فرما دیجیے۔ اس خط کی وصولی کی اطلاع دیں تو ممنون ہوں گا۔

(۲۹)

یکم صفر ۱۴۱۱ھ

مکرم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا جس سے یہ معلوم کر کے اطمینان قلب ہو گیا کہ میرا حقیر دیباچہ آپ تک پہنچ گیا۔ غالباً آپ کو بھی انتظار ہوگا کہ معلوم کریں کہ آپ کی رسید مجھ تک پہنچی یا نہیں۔

ویسے اور کوئی خاص جواب طلب امر نہیں ہے۔ عزیزہ بیگم معین الحق صاحبہ کی خدا کرے صحت روزافزوں بہتر ہو رہی ہو۔ سوائے دعا کے یہاں سے اور کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

ناچیز:

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۳۰)

۲۸ ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ

۳ مئی ۱۹۹۰ء

مخدوم ومحترم زادِ مجدکم!

سلام مسنون۔ آج آپ کا ۱۵ اپریل کا خط ملا۔ شکر گزار بھی ہوں اور ڈاک کی سست خرامی پر حیرت زدہ بھی۔ الحمدللہ معین الحق صاحب مرحوم کے متعلق بھیجا ہوا مضمون پہنچ گیا۔

فرمائشیں آسان ہوتی ہیں۔ تعمیل ہروقت آسان نہیں۔ آج کل یہاں اتنی مصروفیت ہے کہ مزید مضامین کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔

احمد خان صاحب کو دو خط اور ایک بستہ روانہ کر چکا ہوں' معلوم نہیں پہنچے یا نہیں؟

احمد خان صاحب اور حکیم محمد سعید صاحب نے بھی آسان فرمائش کی کہ میرے ہر زبان میں کتنے مضمون ہیں اور ان کے کتنے صفحے ہیں۔ آپ ہی بتایئے کہ کیا بتاؤں۔

تراجم قرآن کا کھویا ہوا بستہ نہیں ملا۔ جرمن ترجمہ قرآن آگے بڑھنے کے لیے وقت نہیں ملتا۔ مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۱)

۲۷ مئی ۱۹۹۰ء

مخدوم ومحترم زادِ مجدکم!

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

معلوم نہیں احمد خان صاحب کو میرا مرسلہ بستہ (یعنی میرے جملہ مطبوعات کی فہرست) ملا یا نہیں۔ معین الحق صاحب مرحوم کو تاریخ سے اختصاص تھا۔ انہیں کے رسالے میں Birthpangs of Islamic History کے عنوان سے میں ایک مضمون شائع کر چکا ہوں۔

سیرت نگار ابن اسحاق پر بھی ایک نیا مضمون لکھنا یا کسی پرانے مضمون کا ترجمہ کرنا' دونوں کے لیے وقت لگتا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ وقت کی کمی ہی کا شاکی ہوں۔ بہرحال کوئی وعدہ نہیں

Marfat.com

کرسکتا۔ اگر کوئی چیز اکتوبر تک تیار ہوئی تو ان شاء اللہ بھیج دوں گا۔

ملیالم تراجم قرآن کی فہرست کا دلی شکریہ

ملیالم دو خطوں میں لکھی جاتی ہے۔ عربی خط میں بھی اور دراوڑی خط میں بھی۔ میرے پاس دونوں خطوں میں سورہ فاتحہ تھا۔

مکان میں سلام و آداب

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۳۲)

۲۸؍جون ۱۹۹۰ء

مخدوم و محترم!

سلام مسنون' عید مبارک

ابھی ابھی کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ ملیالم تراجم قرآن مجید کے مضمون کا دلی شکریہ۔

احمد خان صاحب اور حکیم صاحب کے ہاں سے کوئی خط آئے تو ان کو ان شاء اللہ راست جواب دے دوں گا۔

مکان میں کورنشات عرض ہیں۔

میرے گزشتہ عریضے مل گئے ہوں گے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

مکرر

اپنے مضامین کو میں خود کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ میں نے کوئی خواہش بھی کبھی نہیں کی کہ کوئی ان کو چھاپے۔ بھول جایئے شاید یہی بہتر ہے۔

(۴۳)

۴؍دسمبر ۱۹۹۰ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون نیاز مندانہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کل تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوا اور بے حد شرمندہ بھی۔ آپ کی زحمت فرمائیاں اور عنایتیں بے پایاں ہیں۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ رسالہ شریعہ کے کس نمبر میں یہ مضمون چھپا ہے۔ میں نے انہیں پہلے بھی لکھا تھا مگر صدائے برنخاست۔ اب مکرر لکھتا ہوں۔ ان مضامین میں ناموں کے املاء میں بہت سی غلطیاں کی ہیں۔

میرے مضمونوں کی فوٹو کاپیاں ابھی ختم نہیں ہوئی ہیں۔ یہ کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مکان میں کور نشات اور سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۴۴)

۱۴؍صفر ۱۴۱۱ھ

۱۹۹۰/۹/۵ء

محترمی!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میرے پاس شکاگو کے قاضی پبلی کیشن کا تازہ پتا نہیں ہے۔ میں نے کبھی نہیں لکھا تھا کہ میرے مضامین کی دس جلدیں مرتب ہو چکی ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ان سب کو کوئی چھاپنا چاہے تو شاید دس جلدیں ہو جائیں اور میں نہیں جانتا کہ کس زبان میں کتنے صفحے ہیں۔ میری یہ تمنا نہیں ہے کہ میری تالیفوں کی اشاعت مکرر میں ایک جلد "تیر میں" دوسری میر" میں ایک قطب شمالی میں دوسری قطب جنوبی میں چھپے۔ ویسے ہر شخص آزاد ہے میں کسی کو اس کے کام سے نہیں روکتا۔

Marfat.com

یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ پاکستان کی صورت حال سدھری نہیں۔ اللہ رحم فرمائے اور راہِ ہدایت دے۔.......... وہاں سب کو سلام

فقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۳۵)

یکم ربیع الانور ۱۴۱۱ھ

مخدوم و مکرم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا کرم نامہ باعث ممنونیت ہوا۔ آپ ہمیشہ زحمت فرماتے رہتے ہیں جس پر میں بے حد شرمندہ ہوں۔ خدا آپ کو جزائے خیر اور حسنات دارین عطا فرمائے۔

ہمشیرہ صاحبان اور بچوں کو سلام

منسلکہ خط پر جو مناسب معلوم ہو عمل فرمائیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۳۶)

۵ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زادِ مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ و برکاتہ

کرم نامہ ملا۔ اخبار جنگ میں میرے جواب کو چھپوانے کے لیے آپ نے بڑی زحمت فرمائی۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا

آپ کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے مضامین کی فوٹو کاپیاں کتابوں یا مجلدوں کی صورت میں بالکل نہیں ہیں۔ فوٹو کاپی فل اسکیپ سائز کے دبیز کاغذ پر نکلتی ہے۔ اصل مضمون کے ہر صفحے کا ایک صفحہ ہوتا ہے۔ ان کی جلدیں نہیں بنا تا۔ الحمد للہ کام کا بڑا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ ان کو نمبروار جوڑنے کا کام ہو رہا ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ میرے مضامین کی جو فہرست ہے اس

میں سے کتنے نہیں ہیں تا کہ ان کو میرے ہاں کے انبار میں تلاش کروں۔ یہ ساری زبانوں کے مطبوعات ہیں میرے مضامین جو حیدرآباد دکن میں رہے' ان میں سے فہرست مطبوعات کی فوٹو کاپیاں احمد عطاء اللہ صاحب نے بھجوادی ہیں۔ ان میں بھی کچھ کم ہیں۔ اکثر پرانے اخبار یا رسالے اب زندہ بھی نہیں ہیں۔ ان کے امیرکا (امریکہ) میں چھپنے کا کوئی سوال نہیں۔ وہاں مقیم ایک رشتہ دار نے ان کی فوٹو کاپیاں مانگی ہیں تا کہ ان کی مسجد کے کتب خانے میں رہیں۔

عمر خالدی صاحب کے پتے اور کتاب کے نام کا بھی دلی شکریہ۔

محترم حکیم محمد سعید صاحب آپ کو لکھ چکے ہیں کہ ان کی مالی حالت (ضروریات کے مقابلے میں) اچھی نہیں ہے۔ وہ آج کل میری ایک عربی کتاب النبات چھاپ رہے ہیں۔ پانچ سات سو صفحے پروف میں ہوئے ہیں۔ انہیں اور کیا زحمت دی جاسکتی ہے۔

مکان میں سب کو سلام

نیازمند

محمد حمیداللہ

(۳۷)

۱۷ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب

ایک زحمت دینے کی جسارت کرتا ہوں۔ آج معلوم ہوا کہ ماہنامہ ''میثاق'' لاہور' ج ۳۸ شمارہ ۹ ماہ صفر ۱۴۱۰ھ میں میری ایک زبانی تقریر کو جو کسی زمانے میں سندھ یونیورسٹی جامشورو میں ہوئی تھی نقل اور طبع کیا گیا ہے۔ کیا اس شمارے کا حصول ممکن ہے؟ کم از کم میری طرف منسوب مضمون کی فوٹو کاپی حاصل ہو سکے گی؟ جملہ مصارف' بشمول مصارف ارسال گزران دوں گا۔

خدا کرے وہاں آپ اور اہل خاندان سب خیر و عافیت سے ہوں۔

خادم

محمد حمیداللہ

Marfat.com

(۳۸)

۷/رجمادی الآخر۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے کرم نامے کے پہنچنے کی رسید گزران چکا ہوں' خدا کرے پہنچ گئی ہو۔ آج تعمیل احکام کے لیے مضمون لکھنے بیٹھا تو بے بسی محسوس کی۔ آپ نے پشاور اور لاہور کے رسالوں کی نقلیں تو بھیجی ہیں لیکن ان اخباروں کے دفتر کے پتے نہیں دیے ہیں۔ پاکستانی ڈاک کا یہ حال ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے کامل پتے کے ساتھ رجسٹر خط بھیجا جو دو مہینے کے بعد مجھی کو واپس آ گیا۔ صدائے اسلام پشاور اور ترجمان القرآن لاہور کو عریضہ تو لکھ رہا ہوں' معلوم نہیں پہنچے گا یا نہیں کہ شہر کے نام کے سوائے میرے پاس کوئی اور مفصل پتا نہیں ہے۔

مکان میں کورنشات عرض ہوں۔ آپ کی کرم فرمائیوں پر محجوب رہتا ہوں ۔ خدا حسنات دارین عطا فرمائے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۹)

۲۸ جمادی الآخر۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دو تین دن ہوئے کرم نامہ ملا جس میں جنوبی ہند کی زبانوں میں تراجم قرآن مجید کے متعلق آپ کی مفید کتاب کا ابتدائی حصہ بھی شامل تھا۔ دلی شکریہ عرض ہے اس میں طباعت کی متعدد غلطیاں تو ہیں لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز میرے پیش لفظ میں میرا پتا بڑھا دینا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں بے وطن اور پناہ گزین ہوں۔ یہ پتا دشمن کے ہاتھ میں پڑے تو میری جان اور مال دونوں کو خطرہ ہے' اللہ کی مرضی' اللہ ہی مالک ہے۔

میری سوانح عمری سے مجھے دلچسپی نہیں بلکہ چڑھ ہے۔ اس کی تالیف میں میری مدد کا کوئی سوال نہیں۔

Marfat.com

فی الحال میرے سفر پاکستان کا کوئی سوال نہیں۔ پچاسی سال سے زیادہ کی عمر ہو چکی ہے۔ سفراب شاق ہونے لگے ہیں۔ اہم کام گھر میں بیٹھ کر بھی مشکل سے کر سکتا ہوں۔ ترجمان القرآن کے اوراق آپ نے وفور کرم سے بھیجے تھے۔ ان کا جواب شروع کیا اور آج تک پورا نہ ہو سکا۔ اللہ کی مرضی

خود الدراسات الاسلامیہ میں اب میری ایک تردید چھپی ہے۔ تا بدیگراں چہ رسد میرے مطبوعہ مضامین کی تصویریں بھی تا حال مکمل نہ ہو سکیں۔ الحمد للہ علی کل حال نواسا مبارک۔ سب کی خدمت میں سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۴۰)

۷ رشعبان ۱۴۱۱ھ

۲۲ رفروری ۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ کل آپ کا ۹۱/۲/۱۸ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

ہر شخص اپنے فائدے کو سب سے مقدم رکھتا ہے۔ ایک غیر مسلم سے آپ خیرات کی توقع کیوں کرتے ہیں؟ یہ جنگ مسلمانوں کی خانہ جنگی ہے یعنی قصور اس مسلمان نما شخص کا ہے جس نے اس کا آغاز کیا۔ مظلوم مسلمانوں (مسلمان) اپنی مدد کے لیے غیر مسلمانوں کو بھی بلاتا ہے تو اس کا کوئی قصور نہیں۔ اگر امیر کا (امریکہ) کی مدد نہ لیں تو کویت کے لیے عراق سے کون جنگ کرے گا؟ میں نے آپ کو یہ نہیں لکھا تھا کہ میں نے کوئی مضمون بھیجا تھا تو اسلام آباد والوں نے اسے رد کر دیا ہے بلکہ یہ کہ میرا جو عربی مضمون انہوں نے چھاپا تھا اب اس کو رد کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میرا بیان غلط ہے۔

میں نے یہ بھی نہیں لکھا کہ لیبیا والے لڑکے میری مدد کر رہے ہیں بلکہ یہ کہ جو صاحب مجھے مدد دے رہے تھے ان کی صلاحیتوں کے باعث لیبیا والے بھی بار بار ان کو مدعو کر رہے ہیں۔

عطاء اللہ میرا بھتیجا ہے۔ وہ حیدر آباد میں میرے جتنے مطبوعہ مضمون ملے ان کی

Marfat.com

فوٹو کاپیاں مجھے پاریس بھیج چکے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ میرے بہت سے غیر مطبوعہ قلمی مضمون بھی ملے ہیں۔ ان کی مجھے تو ضرورت نہیں ہے۔

حیدرآباد کے حبیب کمپنی والے امیر کا (امریکہ) نہیں گئے ہیں۔ حیدرآباد ہی میں ہیں لیکن ان کے پاس اتنا مال، سرمایہ نہیں ہے کہ میرے مضمونوں کا مجموعہ چھاپیں۔

ہمدرد فاؤنڈیشن والے یہ نہیں کہ ان کو میرے مضمونوں سے دلچسپی نہیں بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ آج کل ان کے پاس رتی گنجائش نہیں ہے دیگر خرچ ہیں۔

آپ کا ملفوفہ اخباری تراشہ بھی شکریے کے ساتھ دیکھا۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کی ختم نہ ہونے والی عنایتوں پر آپ کا خرچ ہی خرچ ہے۔ میں آپ کی کوئی خدمت کس طرح کروں؟

مکان میں سب اہل و عیال کو سلام۔ نیازمند

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۴۱)

۱۵ر شعبان ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جوابی عریضہ مل گیا ہوگا۔

ترجمان القرآن نے مجھے جواب دیا ہے اور فرمائش کی ہے میں اپنا مضمون انہیں ضرور بھیجوں۔

ایک التماس ہے علی گڑھ کے رسالہ علوم القرآن نے مکہ معظمہ کے ایک اخبار کے حوالے سے لکھا ہے کہ لاہور میں افغان مجاہدوں نے ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی تفسیر قرآن کا روسی ترجمہ کئی جلدوں میں شائع کیا ہے۔ کیا آپ اس کی تصدیق کر سکیں گے؟ مترجم کا کیا نام ہے۔ تاریخ اشاعت کیا ہے؟

مکان میں کورنشات

خادم نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۴۲)

۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ رمضان مبارک کرم نامہ ملا۔ سرفراز ہوا۔

اسلام آباد کے جس رسالے میں میرا عربی مضمون چھپا تھا انہوں نے ایک اور صاحب کا مضمون میری تردید میں شائع کیا۔ میں نے چند سطری جواب بھیجا' معلوم نہیں چھپے گا یا نہیں۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ ترجمان القرآن والوں نے بالآخر جواب دیا اور میرا مضمون مانگا۔ بہت مصروف اور تھکا ہوا ہوں' ان شاء اللہ جلد ان کو مضمون بھیجوں گا۔

مجھے اس کے انگریزی ترجمے کی خواہش نہیں ہے۔ خاص کر غیر مسلموں کی رائے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔

حسن الدین احمد صاحب کے خط کی نقل کا شکریہ۔ مجھے علم نہیں کہ حبیب کمپنی والے امیرکا (امریکہ) چلے گئے ہوں۔ رہا حمید اللہ ٹرسٹ ان بچوں نے مجھے کبھی نہیں لکھا کہ وہ میرے سارے اُردو مضامین کو یکجا چھاپنا چاہتے ہیں۔

بہرحال! آپ کی نوازشوں اور تکلیف فرمائیوں کا دلی شکریہ۔ خدا آپ کو اور اہل و عیال کو خیر و عافیت سے رکھے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۴۳)

۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ و برکاتہ

دو دن ہوئے کرم نامہ ملا تھا۔ جزاکم اللہ خیرا۔ فوراً عربی مضمون کا نسخہ ہوائی ڈاک سے آپ کو بھیج دیا۔ آج کل کاموں کی اتنی کثرت ہے کہ جواب دینا بھی آسان نہیں رہا ہے۔ یہاں ہر روز مقامی طلبہ پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ چار دانگ عالم سے ان گنت خط آتے ہیں' فتوی

Marfat.com

پوچھنے کے لیے بھی اور دیگر وقت لینے والے کاموں کے لیے بھی۔ بیاسی سال سے عمر تجاوز کر چکی ہے۔ واللہ المستعان

ترجمان القرآن کا مضمون لکھ رہا ہوں۔ ان شاءاللہ جیسے ہی مکمل ہوگا۔ بھیج دوں گا۔

میں وقت واحد میں متعدد کاموں میں مشغول رہتا ہوں' صرف کسی ایک سے نہیں؛ جرمن ترجمہ بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ وقت کا سوال ہے۔

سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۴۴)

۱۵ ررمضان ۱۴۱۱ھ

مخدوم و مکرم!

سلام مسنون۔ آپ کے مزید کرم نامے ملے ہیں۔ ترجمان القرآن کے مضمون کی رسید شکر گزاری کے ساتھ گزران چکا ہوں۔ کل آپ کی کتاب PIA کے دفتر سے ڈاک کے ذریعے آئی ہے۔ اس پر کسی ارسال کنندہ کا نام نہیں ہے۔ عارف ربانی صاحب کا PIA کے توسط سے شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ خدا کرے انہیں مل جائے اور آپ کو بھی یہ رسید بھیجنے کا فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ خدا آپ کو حسنات دارین عطا فرمائے۔ آپ نے ٹھیک لکھا ہے اس میں بکثرت طباعتی غلطیاں ہیں۔ ابن حجر عسقلانی کو اسقلانی لکھا ہے۔ لسان کو کئی بار لسان لکھا ہے۔ [کذا] فرنگی نام بھی مسخ ہو گئے ہیں۔ ان کا تلفظ انگریزی اصول پر نہیں ہوتا۔ آپ ان کو یکجا جمع کر کے بھیجیں تو میں بھی آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ میرے پاس فی الحال وقت نہیں' کتاب لفظ بہ لفظ پڑھ کر طباعتی غلطیاں جمع کروں۔ معاف فرمائیں۔ واللہ المستعان

مکان میں سب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۴۵)

۲؍شوال ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔عید مبارک۔کرم نامہ ملا۔سرفراز کیا۔ترجمان القرآن لاہور کو جوابی مضمون رجسٹر ہوائی ڈاک سے الحمدللہ بھیج چکا ہوں۔

آپ نے دریافت کیا ہے کہ غلام علی صاحب کے مضمون کا فلاں صفحہ ہے یا نہیں۔ معاف فرمایئے آپ کے پرانے خط کی تلاش فی الوقت نہیں کرسکوں گا۔شدید معروفیت ہے۔

مکان میں سب کو سلام اور عید مبارک

ناچیز خادم

محمد حمید اللہ

(۴۶)

۱۸؍شوال ۱۴۱۱ھ

۳؍مئی ۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تازہ کرم نامہ ملا۔ممنون ہوا۔

منسلکہ فوٹوؤں میں سے روسی ترجمہ کراچ کوفس کی کا ہے اور یہ میرے ذخیرے میں ہے۔چند سال قبل خریدا تھا‘ پرانہیں۔

ترجمان القرآن کے صفحے کا بھی دلی شکریہ۔معلوم نہیں میرا ترجمان القرآن کو بھیجا ہوا مضمون آپ کو پسند آئے گا یا نہیں‘ وہ کسی کا جواب نہیں ہے بلکہ موضوع بحث پر ایک عام بحث ہے۔

جرمن ترجمہ قرآن مجید کی جگہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ کے فرانسیسی ترجمے کو مقدم رکھنا چاہتا ہوں جو $\frac{1}{4}$ مکمل ہو چکا ہے۔پہلی جلد ختم ہونے کے قریب ہے۔واللہ المستعان

مکان میں خدا سب کو برکت دے۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۴۷)

۲۲ر شوال ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زاد مجد کم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی نوازشیں اتنی ہیں کہ میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ تازہ خط میں روزنامہ پاکستان کا تراشہ بھی ملا۔ ممنون ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اچھا ہو اگر اسے لکھا جائے کہ اس کے صفحہ ۱ کالم ۱، سطر ۳۲ اور صفحہ ۲، کالم ۲، یہ خط جلی سرخی میں سعدیات لکھا ہے۔ یہ صابیہ ہے۔

سورہ فاتحہ کے تراجم کا، جو مختلف زبانوں میں تھے، مجموعہ تا حال برآمد نہ ہوا۔ اللہ کی مرضی۔ کیا یہ معلوم کرنا ممکن ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے کتب خانے میں قرآن مجید کے کون کون سے ترجمے ہیں؟ اکثر یہاں کے بڑے عام کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ میرے پاس بہت سے غیر مطبوعہ (خاص کر افریقی زبانوں کے) ترجموں کی نقلیں تھیں۔

مجھے کچھ عذر یا رنج نہ ہوگا۔ اگر کوئی اور صاحب یہ کام اپنے نام سے کریں، میں بڈھا ہو گیا ہوں۔ علی گڑھ کا علوم القرآن میرے پاس آتا ہے مگر آپ کا مذکورہ نمبر ڈاک کی نذر ہو گیا ہے۔ تا حال نہ ملا۔ ...... مکان میں کورنشات

خادم

محمد حمید اللہ

(۴۸)

۴ر ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زاد مجد کم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا تازہ کرم نامہ اور ایک گمنام اخبار کے صفحے ملے۔ دلی شرمندگی وشکریہ۔ آپ کا خط پنسل یا کاربن پر ہونے سے پڑھا نہیں جاتا۔ آپ اخبار کے تراشے بھیج کر کثیر رقم صرف فرماتے ہیں۔ ان کی ضرورت نہیں۔

اسماعیل مینائی صاحب مرحوم کی وفات پر دلی افسوس ہوا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) فاتحہ پڑھی۔ اللہ انہیں جنت نصیب فرمائے۔

Marfat.com

میں آپ کے سابق کرم ناموں کا بروقت جواب دے چکا ہوں۔ ان شاء اللہ دیر سویر مل جائیں گے۔ ہمدرد والوں کے پاس سے "کتاب النبات" کے متعلق سکوت ہی ہے۔ واللہ المستعان

مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۴۹)

۵/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

۱۸/جون ۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ چند دن قبل ایک کرم نامہ ملا تھا۔ مینائی صاحب مرحوم کے متعلق اخباری کترن ملی۔ آج ایک دوسرا کرم نامہ آیا ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کتنا شرمندہ اور ممنون ہوں۔ التماس ہے کہ آئندہ ایسا نہ فرمائیں۔ طویل مضمونوں کے فوٹو کاپی کی ضرورت نہیں۔

آپ کے خط سے بعض "نئی" چیزیں معلوم ہوئیں جن سے میں بالکل واقف نہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں کہ حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ آئندہ چند ماہ میں مکمل ہو کر سال آئندہ چھپ بھی جائے گا۔

اور کیا عرض کروں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں اس کا کوئی علاج نہیں۔

مکان میں کورنشات عرض ہیں۔ عید مبارک

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۵۰)

۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

محترمی زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ہی آپ کو ایک خط لکھا تھا کہ آج کی ڈاک میں آپ کا تازہ عنایت نامہ پہنچا۔ شکر گزار ہوں۔ مرسلہ ترجمہ سچ تو یہ ہے مجھے پسند نہ آیا۔ مجھے بتائے بغیر آپ چھاپ دیتے تو کوئی بات نہ تھی۔ اب مجھے کب وقت ملے گا' اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

احمد خان صاحب کی وفات کی خبر سے سخت تاسف ہوا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" خدا جنت نصیب کرے۔

براہِ کرم میری سوانح عمری نہ چھاپیے' مجھے ذرا بھی پسند نہیں۔

عبداللہ یوسف علی صاحب مرحوم کی ولادت میری اپنی فہرست میں ۱۸۷۲ء ہے۔ واللہ اعلم

والسلام' ناچیز

محمد حمید اللہ

(۵۱)

۱۱/محرم ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مرسلہ اُردو ترجمہ بھی آپ کو واپس کر رہا ہوں اور میرا اپنا ترجمہ بھی منسلک کر رہا ہوں۔ اس میں کوئی حرج نہیں' اگر اُردو ترجمہ میری طرف منسوب نہ کیا جائے' میں ان دنوں تھکا ہوا ہوں اور ترجمہ خود مجھے زیادہ پسند نہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ گوجرانوالہ کے الشریعہ نے لاہور کے المذاہب نے اور خود اسلام آباد کے الدراسات الاسلامیہ نے میری تردیدیں چھاپی ہیں۔ ترجمان القرآن سے آپ واقف ہیں۔ غالبًا وہ میرا جواب نہیں چھاپنا چاہتے۔

مکان میں سب کو سلام عرض ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۵۲)

جمعرات ۱۱صفر ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زاد مجد کم!

سلام مسنون۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ رسالہ الشریعہ اور رسالہ المذاہب کے فوٹو کاپی بھیجے ہیں۔ میری کوتاہیوں کو معاف فرمائیں۔ مجلہ الدراسات الاسلامیہ میں (جلد ۲۵، شمارہ ۲، ۱۹۹۰ء میں) میرے مضمون پر مولانا صغیر حسن معصومی نے ایک تردیدی مضمون شائع کیا ہے۔ (میں نے ایک مختصر جواب بھیجا مگر ارباب مجلہ نے اس کی اشاعت مناسب نہیں خیال کی۔ انہیں آزادی ہے) اس کی بھی آپ کو ضرورت ہے تو یہ رسالہ وہاں آپ کو آسانی سے مل جائے گا۔
آپ کا حکم سرآنکھوں پر کہ میں کسی سات آٹھ زبانیں جاننے والے کو ملازم رکھوں۔ یہ مسبب الاسباب کے ہاتھ کی چیز ہے۔ آپ یہاں رہتے تو اپنی پیاری بھتیجی سے (آپ کی اجازت سے) کام لیتا۔ ہر چیز کا وقت خدا مقدر و مقرر فرماتا ہے۔ چاہے وہ کتاب النبات ہو یا کوئی اور چیز صبر کے سوا چارہ نہیں۔

مکان میں کورنشات

خادم
محمد حمید اللہ

(۵۳)

۳ ربیع الانور ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زاد مجد کم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند دن ہوئے کرم نامہ ملا، ممنون وسرفراز کیا۔ عربی الدراسات الاسلامیہ کے مطبوعہ مضمون کی فوٹو کاپیاں بھی خدمت میں گزرانی ہیں۔ ان شاء اللہ وہ آپ کو مل گئی ہوں گی۔
میں نے اپنے کسی استاد یا کسی دوست پروفیسر کی بھی کوئی خدمت نہیں کی۔ اب میں کس برتے پر توقع کروں کہ دوسرے میری خدمت میں اپنا وقت ضائع کریں؟ خدا ہی مسبب الاسباب ہے۔ والخیر فیما اختارہ اللہ

Marfat.com

میرے مطبوعہ مضمونوں کی فوٹو کاپیاں جن لوگوں نے مانگی ہیں' ان کو حق بہ حقدار کرنے کے بعد میرا کام ختم ہو جائے گا۔ اس کا کوئی سوال نہیں کہ میں کسی سے بھیک مانگوں میں تاحیات ان شاء اللہ اپنے علمی کاموں میں مشغول رہوں گا۔

خدا کرے وہاں آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۵۴)

۱۴ ار ربیع الانور ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجد کم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا کرم نامہ ملا۔ کوائف سے اطلاع ملی۔ دلی شکریہ۔

یہاں آج کل میرے ایک رشتہ دار (میرے بڑے بھائی کے پوتے) آئے ہوئے تھے اور آج واپس جا رہے ہیں اور ان شاء اللہ آپ کو یہ خط بھجوا دیں گے اور مضمون کی نقل لاہور بھی بھجوا دیں گے۔ ان شاء اللہ۔ ڈاک کی حالت پر افسوس کے سوا کیا چارہ ہے۔

سب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۵۵)

۱۵ ار ربیع الانور ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجد کم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ہمیشہ کی طرح آج آیا ہوا کرم نامہ بھی ممنون کرتا ہے اور شرمندہ بھی۔ اخبار جنگ کا تراشہ سرسری طور پر تیزی سے پڑھا۔ الحمد للہ آپ کی تالیف مقبولیت حاصل کرتی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کام ابھی باقی ہیں اور قیامت تک ختم نہ ہوں گے جہاں تک میرے مطبوعہ مقالوں کا

تعلق ہے، آپ کی شکایت اور اعتراض بجا ہیں۔ لیکن بے بس ہوں میرے پاس کوئی حل، کوئی وسائل نہیں ہیں۔ دُعا ہے کہ خدا آپ کو کروڑ پتی، ارب پتی بنائے۔

مکان میں سب کو سلام عرض ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۵۶)

۲۶ رربیع الانور ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ آج آپ کا تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون اور شکرگزار کیا۔ میرے پاس چار دانگ عالم سے اتنی کثرت سے خط آرہے ہیں کہ جواب دہی آسان نہیں رہی۔ حتی الامکان اختصار سے کام لیتا ہوں اور غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرتا ہوں۔ آپ ترجمان القرآن وغیرہ کے لیے زحمت فرمارہے ہیں۔ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو اللہ اجر جزیل دے۔ خدا کرے آپ سب خیر وعافیت سے ہوں۔ مکان میں کورنشات

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۵۷)

۲۹ ررجب ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا۔ اخبار جنگ کے ایڈیٹر کا معلوم ہوا کہ انتقال ہوگیا اور اس کی تعزیت کے لیے وہاں کے اخباروں نے ایک دن جبراً تعطیل منائی جیسا کہ یہاں کے اخباروں میں آیا ہے۔ میں نے مرحوم کے لیے ایک ختم قرآن مجید کیا۔ اللہ جنت نصیب کرے۔

آج کل حافظہ کمزور ہوگیا ہے۔ یاد نہیں جنگ کی تنقید پر اسے خط لکھایا بھول گیا۔ اللہ کی مرضی۔ یوں بھی جنگ کا ڈاک کا پتا میرے پاس نہیں ہے۔

Marfat.com

اللہ سے دُعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اسلام کی توفیق بھی دے اور اسلام کی مدد بھی فرمائے۔

اہل خانہ کو سلام

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۵۸)

۲۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا تازہ کرم نامہ پہنچا۔ ممنون ہوا۔ اس میں تکبیر اخبار کے ایک صفحے کی فوٹو کاپی بھی ہے۔ زحمت فرمائی۔ جزاکم اللہ

دہلی کے رسالے کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ وہ لوگ ایک مسلمان صدر جمہوریہ ہند کے اعزاز کے لیے ایک خصوصی کتاب چھاپنا چاہتے تھے۔ اس سے زیادہ اب کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔ حافظہ روز بروز کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو کتاب زیر تدوین ہے وہ ان شاءاللہ مدراس میں چھپے گی۔

ہمدرد والوں نے کتاب النبات کا پروف دوم بھیجا مگر میری اصلی تالیف کے فوٹو نہ بھیجے۔ اس سے زحمت ہے۔ اللہ کی مرضی

میری کتاب ''روزہ کیوں؟'' ہے''روزہ کیا ہے؟'' سے میں واقف نہیں۔

میری کتاب النبات کی ایک جلد مصر میں چھپی ہے۔ دوسری جلد سالہا سال سے ہمدرد والوں کے ہاں ہے۔

مجھے ۱۲۵پریل کو اسلام آباد جانے کا ہوائی ٹکٹ ملا ہے۔ پروگرام کا تاحال انتظار ہی ہے۔

سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۵۹)

جمعہ ۸ر شوال ۱۴۱۲ھ

مکرم ومحترم زادِ مجدکم!

سلام مسنون ۔ آپ کے دو خط ایک ہی دن ملے ۔ ممنون ہوا۔ اخبار کی کترن کا بھی شکریہ۔

میں تا حال قصہ سمجھ نہ سکا۔ ایک عربی کتاب ہے شرح السیر الکبیر امام محمد شیبانی (شاگرد امام اعظم) کی تالیف اور سرخسی کی شرح۔ یہ قانون بین الممالک (جنگ وسفارت وغیرہ) پر ہے۔ شائع بھی ہو چکی ہے۔ میں نے اس کا فرانسیسی ترجمہ کیا جسے ترکی میں چار جلدوں میں (فرانسیسی زبان ہی میں) چھاپا گیا ہے۔

میرے پاکستانی سفر کے نظام العمل کی تفصیل تا حال وہاں سے نہیں آئی ہے۔ عراق میں بعض صحابہ کرام کی قبروں کو کھولنا میں نے عرصہ ہوا پڑھا تھا۔ خود مدینہ منورہ میں ایسے مشاہدے ہوئے ہیں۔ غالبًا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار کے متعلق۔ اللہ قادر اور مقتدر ہے۔ اس کے سوا اور کیا عرض کروں؟

چاند کا دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف دنوں میں نظر آنا یہ قانون قدرت کے مطابق ہے۔ اسے ہم کچھ نہیں کر سکتے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حل بتا دیا ہے۔ ہر مقام اپنی رویت پر عمل کرے۔ صحرا کا جاہل بھی بڑے شہروں کا باوسائل عالم بھی۔ اور اس کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ دوسرے ملکوں کی رویت پر عمل کریں۔ میرے بس کی چیز ہو تو اس پر عمل کراؤں۔

مکان میں سب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(٦٠)

منگل/۱۲ شوال ۱۴۱۲ھ

مخدومی واہل وعیال!

سلام مسنون۔ آج آپ کا نیا خط آیا ہے۔ آپ کے ہاں آنے کی دعوت سر آنکھوں پر لیکن میں اپنے وقت کا مالک نہیں ہوں۔ ابھی تک میرے وقت گزارنے کا سرکاری نظام العمل نہیں آیا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کب' کہاں' کیا بولنا ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ کراچی میں بھی سرکاری مہمان خانے میں رہنا ہوگا۔ اب شاید وقت بھی نہیں رہے گا کہ میں سفر سے قبل مکرر آپ کو لکھوں کیوں کہ ڈاک بڑا وقت لیتی ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

مکرر!

عالم اسلامی بلکہ عالم انسانی میں جو بھی گزر رہا ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہے۔ اس کا علاج مجھ ناچیز کے پاس کیا ہوسکتا ہے؟

(٦١)

۹/ذی القعدہ ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج آپ کا کرم نامہ مورخہ ۷ مئی پہنچا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اخبار جنگ نے مجھ پر اتہام لگایا ہے۔ میں نے کبھی نہیں کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عورت کی امامت میں نماز پڑھی ہو۔ (نعوذ باللہ) آپ نے اس اخبار کا پتا دیا۔ اس پر آج ہی ایک تردیدی خط لکھ رہا ہوں۔ انگریزی اخبار کا آپ نے پتا نہیں دیا' بے بس ہوں۔

میرا وقت حکومت کے ہاتھ میں رہا۔ اس لیے آپ کے ہاں حاضر نہ ہوسکا۔ قصور معاف فرمائیں۔ بیگم معین صاحبہ کی خدمت میں بھی معذرت پہنچا سکیں تو ممنون ہوں گا۔

Marfat.com

آپ کے قیمتی تحفے کا شکریہ۔

خدا کرے مکان میں سب خیر و عافیت ہو۔

نیازمند

محمد حمیداللہ

(۶۲)

۱۶/ ذی القعدہ ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔ میرا عریضہ مل گیا ہوگا۔ ایک بات لکھنا بھول گیا۔ میرے پاس اخبار "تکبیر" آتا ہے۔ آپ اس کی نقلیں بھجوانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ افسوس ہے کہ اس کا طرز عمل اچھا نہیں ہے۔

نیازمند

محمد حمیداللہ

(۶۳)

۲۹/ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ

محترم و مکرم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ دو تین دن ہوئے ڈاک کی ست خرامی کے باوجود کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ ایک مضمون منسلک ہے۔ اگر پسند آئے تو کہیں چھپوا دیجیے یا مجھے بتائیے کہ اس میں کیا ترمیم کروں۔ مقصد اللہ کا کام ہے اور بس۔ کوئی شہرت طلبی اور خود نمائی نہیں۔ تکبیر کو تین چار بار نجی خط لکھ چکا ہوں۔ غالباً انہیں پسند نہیں کہ کوئی ان کی غلطیاں بتائے۔ اللہ کی مرضی

سب اہل خاندان کو پر خلوص سلام

خادم

محمد حمیداللہ

Marfat.com

ضمیمہ

۲ذی الحجہ۔ یہ خط ڈاک خانے لے جارہا تھا کہ آپ کا ۳۱رمئی کا تازہ خط ملا۔ان شاء اللہ ممکنہ کام کروں گا۔ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے۔سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ یہاں اسلام دشمنی ہے کہ روزافزوں ہورہی ہے'اللہ رحم فرمائے۔

(۶۴)

۷رذی الحجہ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔عید مبارک۔

آپ کی کرم فرمائیاں لامتناہی ہیں۔اخبار جنگ کی کترن ملی اور آپ کی نوازش سے میرا تردیدی و تصحیحی بیان اخبار میں چھپ گیا۔خدا آپ کوحسنات دارین عطافرمائے۔

رجسٹری سے بھیجا ہوا مضمون اس اثناء میں مل گیا ہوگا۔کیا آپ کی رائے میں اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت ہے؟ آپ کے احکام کی تعمیل میرے لیے باعث شرف ہے۔

مکان میں سب کو سلام

حقیر وناچیز

محمد حمید اللہ

(۶۵)

۱۴۱۲ھ'۱۱رفروری۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہفتہ بھر ہوا کرم نامہ مورخہ ۹۱/۱/۲۶ ملا۔ممنون ہوا۔جواب میں دیری پر شرمندہ ہوں۔

ترجمان القرآن کو میں نے عرصہ ہوا خط لکھا تھا کہ میرے عربی مضمون کو اسلام آباد نے رد کردیا ہے۔کیا میرا جواب آپ شائع کرنا پسند کریں گے؟ (اس کا تاحال جواب نہیں آیا ہے) مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ میں عراق کو ظلم کا آغاز کرنے والا اور ساری اُمت کی التجا کو کہ "کویت کا

Marfat.com

تخلیہ کردو' نہ ماننے والا سمجھتا ہوں۔ سعودی عرب کا میری دانست میں کوئی قصور نہیں۔ غیر مسلموں سے فوجی حلیفیاں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھیں۔

خدا مسلمانوں اور انسانوں پر رحم فرمائے اور انہیں راہِ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

مکان میں اور سب بچوں کو سلام

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

مزید

میرے مطبوعہ مضمونوں کا کام تا حال ختم نہ ہو سکا۔ اللہ کی مرضی

(٦٦)

١٤١٢ھ ٢٨ رمئی ١٩٩١ء

مخدوم ومحترم زادمجد کم!

سلام مسنون۔ آپ کا ٨ مئی کا خط ابھی ابھی آیا ہے۔ شکریہ

حجۃ اللہ البالغہ عربی میں ہے۔ ٤٠٠ (چار سو) صفحوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ابھی دو تہائی کام باقی ہے۔ چار دانگ عالم سے اتنے خط آتے ہیں کہ اپنے علمی کام کے لیے بھی وقت نہیں پاتا۔ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وقت کا سوال ہے آپ غیر ضروری زحمت فرما رہے ہیں۔ شرمندہ ہوں۔

مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

میرے سارے مطبوعہ مضامین کے فوٹو لیے جا چکے ہیں۔ اس معنی میں کہ جو مضامین الماریوں میں یک جا ملے جو مضمون فہرست میں ہیں لیکن ملے نہیں ان کی تلاش جاری ہے۔ تنہا ہوں' بڈھا ہو گیا ہوں' اللہ مدد فرمائے جو بھائی مدد دیتے ہیں وہ بھی مصروف ہیں۔

حمید اللہ

Marfat.com

(۶۷)

۱۴۱۲ھ......۱۱؍جولائی ۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زاد مجد کم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ اور اہل وعیال سب خیر وعافیت سے ہوں۔

حال میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل کا تازہ نمبر آیا ہے۔ اس میں محترمہ بیگم معین کا بھی ایک دلچسپ مضمون ہے۔ مبارکباد

اس ناچیز پر ایک نیا فریضہ لگایا گیا ہے۔ یہاں ایک ناشر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک کتاب تین بابوں میں شائع کرنا چاہتا ہے۔ ایک یہودی معلومات' دوسرا عیسائی معلومات اور تیسرا اسلامی معلومات' ہر باب پچاس صفحوں میں۔ اللہ مدد فرمائے۔ اتنی طویل معلومات کا ملنا آسان نہیں۔

خدا کرے آپ سب خیر وعافیت سے ہوں۔ مکان میں کورنشات

ناچیز:

محمد حمید اللہ

(۶۸)

۷؍۱۱؍۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زاد مجد کم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قصور معاف فرمائیں' بڑی دیر سے لکھ رہا ہوں۔ کرم نامہ ملا تھا۔ یہاں کاموں میں غرق تھا اور آپ کے کرم نامے میں کرم فرمائیوں کا تو ذکر تھا جن پر ممنون ہوں لیکن کوئی جواب طلب امر نہ تھا۔

خدا کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں اور کوئی امر قابل ذکر نہیں۔

مکان میں کورنشات عرض ہیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۶۹)

۱۴۱۲ھ، ۲/۱۲/۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ۔ خیر و عافیت کا طالب ۔ کچھ عرصہ ہوا بڑی تاخیر سے آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ جواب کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن خدا کرے وہ خط آپ کو مل گیا ہو۔ ڈاک پر روز افزوں بے اعتمادی بڑھ رہی ہے۔

ایک نیا کام سر لیا ہے جب کہ پرانے کام ابھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک مختصر سوانح عمری جس میں عیسائی فرقوں کے بے شمار اختلافی بیانات اور قرآن مجید کے بیانات کا مقابلہ ہو۔ یہاں آج کل عیسائیوں میں اسلام سے عداوت روز افزوں ہے۔ مکان میں کورنشات ۔ بیگم معین الحق کو بھی موقع ملے تو سلام

خادم: محمد حمید اللہ

(۷۰)

۱۴۱۲ھ.....۱۴/دسمبر ۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ۔ خیر و عافیت کا طالب ۔ آپ کا کرم نامہ آیا جس سے اطمینان ہوا کہ آپ کا طویل سکوت کسی خفگی کی وجہ سے نہ تھا ورنہ میں ادب سے معافی مانگتا ہوں۔ آج کل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کام میں مصروف ہوں۔ میرا باب بھیج چکا ہوں۔ دیگر رفقاء نے ابھی کام پورا نہیں کیا۔ اسے شاید ابھی کئی مہینے لگیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے لیے ابھی وقت نکال نہ سکا۔ مکان میں آداب

نیازمند

محمد حمید اللہ

ہمدرد فاؤنڈیشن کی طرف دینوری کی کتاب النبات کے متعلق سکوت ہی سکوت ہے۔

Marfat.com

(۷۱)

۷/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دونوں خط ملے ہیں۔ ممنون ہوں۔

جس طرح آپ کو رشتہ دار اور احباب بعض وقت مجبور کر دیتے ہیں، میرا بھی وہی حال ہے۔ موجودہ کاموں کو ملتوی کر کے بادل ناخواستہ نیا کام شروع کرنا پڑتا ہے۔ آپ کے نیک مشوروں کا شکریہ۔ اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہوں۔ خط لکھنے کی خاطر، ضرورت نہ بھی ہو تو لکھنے کا قطعاً کوئی سوال نہیں۔ آپ کے تازہ خط میں کوئی جواب طلب امر نہیں۔ نہ میرے موجودہ خط میں۔

میری گستاخی کو معاف فرما دیں۔ دُعا ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن میں کچھ حرکت پیدا ہو، مکان میں اور رشتہ داروں سب کو سلام

خادم نیازمند

محمد حمید اللہ

(۷۲)

۹/محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل کرم نامہ ملا، شرمندہ کیا۔ آپ کی عنایتیں اتنی ہیں کہ حیران ہوں کہ کیا کروں۔ اُردو ڈائجسٹ کے مقالہ نگار اور یس صدیقی صاحب کا، جن سے میں واقف نہیں ہوں، شکر گزار ہوں۔ کیا آپ کو ان کا پتا معلوم ہے؟ یا اُردو ڈائجسٹ کا پتا؟

پاکستان کے موجودہ حالات سے افسوس ہے۔ اللہ نیک ہدایت دے آج ہی کتاب النبات الدینوری کے پروف ہمدرد فاؤنڈیشن کو واپس بھیج دیے ہیں۔ علم نباتات پر ہے۔ ظاہر ہے کہ عام دلچسپی کا نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو کام کر رہا تھا وہ ابھی جاری ہے۔ اللہ مدد فرمائے۔ سورہ

Marfat.com

فاتحہ کے تراجم کا بستہ کھو گیا اور تا حال نہ ملا۔ اس میں ہمدرد فاؤنڈیشن مدد نہیں دے سکتا۔ ان کے ہاں جو ترجمے ہوں گے وہ مطبوعات ہوں گے۔ وہ سب یہاں مل جاتے ہیں (کتب خانہ عام، کتب خانہ السنہ شرقیہ میں خاص کر) میرے پاس بہت سے قلمی ترجمے تھے صرف سورہ فاتحہ کے۔ دوستوں کی مدد سے میں نے کروائے تھے' کچھ چھپ چکے ہیں' باقی کا اللہ مالک ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پارلیس کے دو تین اسلامی ماہوار رسالوں میں وہ بالا قساط چھپتے رہے۔ کتابی صورت میں (اپنی پرانی کتاب القرآن فی کل لسان کے نئے ایڈیشن کی صورت میں) چھپوانے کے مصارف پاس نہ ہونے سے ان رسالوں میں چھپواتا رہا' کچھ چھپے باقی کے لیے اللہ کی مشیت کچھ اور ہوئی۔

آپ کے ہاں بچے کی شادی خدا خیر وخوبی سے کرائے اور بچوں کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۷۳)

۲۰ رمحرم ۱۴۱۳ھ

۲۱ رجولائی ۱۹۹۲ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج آپ کا ۱۲ محرم کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ حیرت ہوئی کہ آپ کو میرے خط نہیں ملے۔ مضمون جنگ کے بعد غالباً دوبار عریضہ بھیج چکا ہوں مگر مندرجات یاد نہیں۔

آپ نے مضمون کے فوٹو لے لیے ہیں تو للہ الحمد۔ میرے پاس اس کی نقل بھی نہیں۔ آپ وہ دوسرے اخباروں کو ضرور بھیج سکتے ہیں۔ آج ہی تکبیر کے صلاح الدین صاحب نے مضمون مانگا ہے۔

بچے کی منگنی مبارک۔ متوقع شادی بھی مبارک۔ ہمدرد والوں کو کتاب النبات بھیج چکا ہوں۔ ان شاء اللہ چھاپ دیں گے۔

مکان میں سب کو سلام۔ رشتہ داروں کو بھی سلام نیاز
خدا آپ کو خیر و عافیت سے رکھے۔

ناچیز:
محمد حمید اللہ

(۷۴)

بدھ ۲۸ رمحرم ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجد کم!

سلام مسنون۔ چند دن ہوئے آپ کا ۷ امحرم ۱۹ جولائی کا کرم نامہ ملا تھا۔ ممنون ہوا۔
آپ شاید ہفت روزہ ختم نبوت سے واقف ہوں گے۔ اس کا نسخہ مانسہرہ (سرحد) کے ایک فاضل دوست نے بھیجا ہے۔ یہ ۱۲ محرم کا مورخہ ہے۔ اس میں کسی محمد شریف ہزاروی نے میری تردید پر ایک مضمون چھپوایا ہے۔ میں نے دو دن ہوئے اسی اخبار کو جواب بھیجا ہے۔ واللہ اعلم چھپے گا یا نہیں۔

اور کوئی خاص جواب طلب امر ذہن میں نہیں آرہا ہے۔ خدا آپ اور بچوں کو حسنات دارین عطا فرمائے۔ تراجم سورہ فاتحہ میرا کام ہے۔ کسی یاددہی کی حاجت نہیں

خادم:
محمد حمید اللہ

(۷۵)

۶ رصفر ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجد کم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آج آپ کا ۲۶ محرم کا کرم نامہ ملا اور ڈان اخبار کے تراشے ملے۔ ممنون ہوا۔ کاش! آپ ہاتھ سے ڈان کا پتا کہیں درج کر دیتے۔ میں نے میری طرف منسوب جھوٹے بیان کی تردید اللہ کا نام لے کر صرف "کراچی" کے پتے پر بھیجا ہے۔ اللہ مالک ہے۔

Marfat.com

پھر ایک مرتبہ وضاحت کی کوشش کرتا ہوں جن زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ چھپ چکا ہے' مشرق کی ہوں یا مغرب کی' ان کا حصول آسان ہے لیکن غیر مطبوعہ ترجمہ میرے پاس رہا ہو تو پھر کیا کریں؟ دنیا میں ایسی زبانیں بھی ہیں جو بولی تو جاتی ہیں لیکن ان میں قرآن مجید کا ترجمہ کبھی ہوا ہی نہیں۔ مثلاً افریقہ میں اور اگر کبھی اتفاق سے وہاں والے' اس زبان کو بولنے والے کسی مسلمان سے ملاقات ہو اور وہ مثلاً فرانسیسی جرمن وغیرہ کوئی ایسی زبان کو بھی سمجھتا ہو جو میں جانتا ہوں اور وہ مجھے میرے پیش کردہ فرانسیسی' جرمن یا کوئی اور زبان کا ترجمہ فاتحہ کو دیکھ کر اپنی زبان میں مجھے فاتحہ کا ترجمہ مہیا کرے اور اب وہ میرے پاس سے کھو جائے اور وہ مترجم فرانس میں' یا دنیا میں موجود نہ ہو تو ایسے ترجمہ سورہ فاتحہ کو مکرر کہاں سے حاصل کیا جائے؟

مکان میں آداب وکورنشات

خادم:

محمد حمید اللہ

(۷۶)

جمعرات: ۲۰ صفر ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم واہل وعیال کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ دو دن ہوئے آپ کا ۳ صفر کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ ڈاک ابھی ٹھیک نہیں ہوئی ہے۔ آپ کے اس کرم نامے میں کوئی جواب طلب امر بھی نہیں ہے۔

گزشتہ جمعہ کو یہاں مسجد میں ایک کالے بھائی ملے۔ وعدہ کیا ہے کہ اپنی مادری زبان میں سورہ فاتحہ کا (فرانسیسی کی مدد سے) ترجمہ مہیا کریں گے۔ الحمد للہ ان کا نام اور مسکن اور تاریخ ولادت بھی دریافت کر رہا ہوں۔ آپ کے خیال میں مزید کیا کرنا چاہیے؟

مکان میں سب کو سلام

ناچیز:

محمد حمید اللہ

Marfat.com

ترکی میں غیر مطبوعہ تراجم قرآن نامی ایک کتاب تیار ہو رہی ہے۔ آج ہی اطلاع آئی ہے۔ کیا آپ کبھی تاج محل (آگرہ) گئے ہیں۔ لکھا ہے کہ اس کے اندر بہت سی آیتیں بھی کندہ ہیں جن کا انگریزی میں یا فرانسیسی میں ترجمہ بھی ہوا ہے کئی سو سال پہلے۔

ناچیز:

محمد حمید اللہ

(۷۷)

۳ / ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سب کو سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ آپ کا کرم نامہ، مورخہ ۲۵ / اگست ملا۔ ممنون ہوا۔ افسوس ہوا کہ آپ کو سکونت گاہ کی دشواریاں پیش آئی ہیں۔ اللہ مدد فرمائے۔

شاید آپ سے کچھ سہو ہوئی ہے۔ ڈان کی کترن (ص ۹-۱۰) میں مجھے کوئی متعلقہ چیز نظر نہ آئی۔ آئندہ ایسی چیزوں پر آپ قلم سے علامت لگا دیا کریں تو بہتر ہو۔

الحمد للہ دو نئے تراجم سورہ فاتحہ فراہم ہو گئے ہیں۔ ایک Manding زبان میں، دوسرا Oulof زبان میں۔ دونوں افریقی کالے بھائیوں نے کیے ہیں۔

خدا کرے ہمدرد فاؤنڈیشن خیریت سے ہو۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۷۸)

سنیچر / ۷ / ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ آج آپ کا تازہ کرم نامہ ملا۔ خدا جزائے خیر دے۔ رسالہ المعارف کے مضمون میں کم ہی طباعتی غلطیاں ہیں۔

Marfat.com

ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے اجازت دیں کہ فوٹو کاپی اور مصارف ڈاک آپ کی خدمت میں گزرانوں ورنہ مجھے بڑی روحانی کوفت رہے گی۔

آپ کو دو ایک دن ہوئے ایک خط لکھ چکا ہوں جو محترمہ بیگم معین الحق کے ہاں بھیجا گیا ہے۔

میرے مضامین و کتب کا کام جاری ہے۔ ابتدائی ساری چیزیں حیدر آباد دکن میں ہیں۔ وطن چھوٹنے کے بعد کی ساری چیزیں فرانس میں ہیں' فوٹو کاپیوں کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ چھپائی کا سوال ابھی نہیں ہے۔ صرف یہ ہے کہ ساری مطبوعہ چیزوں کی ایک نقل حیدر آباد میں' ایک امیر کا (امریکہ) میں اور ایک پاریس میں رہے۔ باقی اللہ کے ہاتھ۔

عید میلاد مبارک' سب اہل و عیال کو سلام

گزشتہ مرتبہ ڈان کا جو صفحہ بھیجا گیا تھا' اس میں شاید سہو ہوئی۔ اس میں میرا کوئی خط نہ تھا۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۷۹)

۸ ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ آج عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کا خط لندن سے آ گیا ہے۔ اب آپ زحمت نہ فرمائیں۔ مکان میں کورنشات

کارلائقہ سے یاد فرمائیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۸۰)

جمعرات ۱۴/ ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم واہل عیال، خوش رہو!

سلام مسنون۔ عید میلاد مبارک۔

آج گوجرانوالہ کا ماہنامہ الشریعہ بابت اگست وستمبر یہاں آیا ہے جس میں میرا ایک خط بھی چھپا ہے اور اس کی تنقید وتردید بھی۔ اطلاعاً عرض ہے تاکہ آپ مکرر وہ رسالہ نہ بھیجیں۔ میں آج الشریعہ کو ایک نیا خط بھیج رہا ہوں۔ مکان میں سب کو سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۸۱)

۲۳/ ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں سفر پر جنوبی افریقہ گیا ہوا تھا۔ واپسی پر گرامی نامے کی رسید اور اس کا جواب گزران رہا ہوں۔ قصور معاف فرمادیں۔

اخبار ڈان کی کترن کا دلی شکریہ۔ مجھے جو پرا ڈان آپ نے بھیجا تھا وہ ۲۶ جولائی کا تھا اور میں غلط اس میں ۲۳/ اگست کی باتیں تلاش کر رہا تھا۔ میری عقل بھی بڈھی ہوگئی ہے۔ ادب سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ کا ۲۳/ اگست کی کترن والا خط بظاہر ڈاک میں کھوگیا ہے، نہیں پہنچا ہے۔ خدا آپ کو ہزاروں ہزار جزائے خیر دے۔ اخبار ختم نبوت کو بھیجا ہوا پرانا مضمون (نقل نہ کرنے کے باعث) میرے پاس نہیں ہے۔ مکرر مضمون جلدی جلدی میں لکھ کر منسلک کر رہا ہوں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ اتنی زحمت فرما رہے ہیں۔

مکان میں سب کو سلام

نیازمند

محمد حمید اللہ

میری مطبوعہ تالیفوں کی مکرر یکجا طباعت اتنی آسان چیز نہیں ہے اب تک تحقیق تو نہ کی لیکن ۹۳۲ یعنی ہزار بھر مضمون ہیں اور ۱۶۴ کتابیں ہیں۔ گویا تقریباً دس ہزار صفحے کے مضمون اور ۲۰ ہزار صفحوں کی کتابیں ہیں۔ لاکھوں روپے طباعت پر لگیں گے۔ واللہ المستعان

(۸۲)

۱۸ر جمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ

۱۴ر نومبر ۱۹۹۲ء

مخدوم ومحترم!

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ کل آپ کا کوئی دو ہفتے قبل کا خط ملا۔ ممنون ہوا۔ دُعا ہے کہ اللہ ڈاک والوں کو نیک ہدایت دے۔

میں صرف جزیرہ ریونیوں گیا' جنوبی افریقا کے دیگر مقاموں کو اس دفعہ نہ جا سکا۔

کوئی دیگر جواب طلب امر نظر نہ آیا۔ دیگر مشغولیتوں کے باعث اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ خدا آپ اور سب رشتہ داروں کو خیر و عافیت سے رکھے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۸۳)

۱۴ر جمادی الآخر ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

آج آپ کا ۲۵ جمادی الاولیٰ کا خط بھی آیا' شکریہ سابقہ خطوط کے جواب دے چکا ہوں۔ اللہ ڈاک والوں کو نیک ہدایت دے۔

اخبار جنگ کے تراشے والا خط تا حال نہیں آیا ہے۔ رسالہ ختم نبوت والوں کو بھی اللہ نیک ہدایت دے۔ آج کے تازہ خط میں اندر آپ کا پتا ۳۵۰ شرف آباد ہے اور باہر لفافے پر ۱۸۳ میں فرق سمجھ نہ سکا۔

مکان میں سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۸۴)

۲۶ رجمادی الآخر ۱۴۱۳ھ

۱۹۹۲/۱۲/۲۱ء

مخدوم و محترم و اہالی حفظکم اللہ!

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ آج صبح آپ کا ۱۴ دسمبر کا خط ملا۔ ممنون ہوا۔ اللہ رسالہ ختم نبوت والوں کو جزائے خیر دے۔ معلوم نہیں وہ شمارہ کب تک پہنچے گا۔

ارتقاء (Evolution) کی کتاب انگلستان کے ساکن ایک دوست سے منگائی ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ بھیجیں گے یا چپ ہو جائیں گے۔ یہ کسی فرنگی کی نہیں بلکہ ایک مسلمان غالباً پاکستانی کی کتاب ہے۔

اخبار جنگ کا تراشہ تا حال نہیں ملا۔ اللہ کی مرضی۔ میں نے ریونیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لیکچر اس لیے دیے کہ وہاں مشنری سرگرمی بہت شدید ہوگئی ہے۔ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر مقالہ لکھا ہے مگر ناشر سست ہے۔

یہاں مالکہ مکان کو اسلامی اخلاق کا نمونہ بتانے کے لیے میں نے اپنا کمرہ خالی کرنا قبول کیا تھا۔ دوسرا کمرہ دو ہفتے میں دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن جسے ڈیڑھ سال لگا۔ ہر چیز میں اللہ کی مرضی چلتی ہے۔

مکان میں سب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۸۵)

۳ رشعبان ۱۴۱۳ھ

۲۶ رجنوری ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آج ۱۸ رجنوری کا خط ملا۔ ممنون ہوا۔ میرا ایک خط راستے میں ہوگا۔ جنگ کے تراشے نہیں ملے۔ ختم نبوت کے ہاں سے متعلقہ نمبر نہ آیا۔ آپ کا بھیجا ہوا نسخہ ملا تھا جو کافی ہے۔ احسان اوغلو صاحب کی کتاب کے متعلق معذرت چاہتا ہوں کہ میرا خط

Marfat.com

واضح نہ تھا۔ احسان اوغلو صاحب کی کتاب عرصے سے موجود ہے اور مفید چیز ہے۔ وہ اب اس کا نیا ایڈیشن نکالنا چاہتے ہیں۔ ان شاء اللہ وہ بھی اچھی چیز ہوگی۔ اسلام آباد میں مسجد فیصل میں ایک ادارہ تحقیقات اسلامیہ ہے۔ وہ قرآن کے ترجمے مختلف زبانوں میں چھاپنے لگے ہیں۔ ایک دو میرے پاس بھی آئے ہیں۔

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب کا قصہ یہ ہے کہ حیدرآباد سے میرے بھتیجے نے ایک مضمون کی فوٹو کاپیاں بھیجی ہیں جو شمالی ہندوستان کے کسی رسالے میں چھپا ہے۔ اس میں بعض غلط سلط باتیں مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے متعلق لکھی ہیں کہ وہ حیدرآباد میں فیکلٹی آف حدیث کے صدر تھے وغیرہ۔ جامعہ عثمانیہ میں ایسی کوئی چیز نہ تھی جہاں تک مجھے یاد ہے۔ وہاں شعبہ فنون اور شعبہ سائنس کے سارے طلبہ کے لیے بھی دینی تعلیم لازم کی گئی تھی۔ مسلمانوں کے لیے اسلامیات اور غیر مسلموں کے لیے اخلاقیات' شروع میں مناظر احسن صاحب وہاں اسلامیات کی تعلیم دیتے رہے۔ پھر ان کا شعبہ دینیات میں تبادلہ ہوا جہاں مولانا عبدالقدیر صدیقی صدر شعبہ تھے اور مولانا مناظر احسن شاید فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ پھر عبدالقدیر صاحب کو پنشن ہوئی تو مناظر احسن صاحب پورے شعبہ دینیات کے صدر بنے اور آخر تک وہیں رہے۔ اگر رضی الدین صاحب کچھ اس طرح کی یادداشت لکھ دیں تو غلط بیانیوں کی تصحیح ہو جائے گی۔ رضی الدین صاحب کو اوپر کی سطروں کی نقل بھیج سکتے ہیں۔ وہ میرے بامحبت دوست ہیں۔

حضرت سلمان فارسی کا کامل سورہ فاتحہ کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔

کتاب "نہایۃ حاشیۃ الھدایۃ" طبع ہند ۱۹۱۵ء صفحہ ۸۶ نوٹ نمبر ا میں اس ترجمے کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے کیا گیا اور نمونے کے طور پر بسم اللہ الرحمٰن کا ترجمہ دیا ہے۔ "بنام یزدان بخشایندہ بخشائشگر" کامل سورے کا ترجمہ نہیں دیا ہے۔ میں نے خاص اس پر کوئی مضمون نہیں لکھا ہے بلکہ قرآن مجید کے تراجم پر گفتگو کرتے ہوئے فارسی کے ذکر میں مذکورہ بالا باتیں دہرائی ہیں' اس سے زیادہ نہیں۔ خود مجھے اس کی تلاش ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر میں نے کوئی مضمون نہیں پڑھا بلکہ زبانی لیکچر دیا۔ ریونیوں سے واپسی پر پاریس میں بھی وہی ہوا۔ مجھے لکھ کر پڑھنے کی عادت نہیں۔

نیازمند:

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۸۶)

۲/اپریل ۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔عید مبارک

آج صبح آپ کا خط اور عید کارڈ دونوں پہنچے۔ممنون ہوا۔التجا ہے کہ آئندہ عید کارڈوں کو ختم فرمادیں۔یہ مجھے محض اسراف اور فرنگیوں کی تقلید کے معنی لگتے ہیں۔ایک خط اس سے پہلے بھیج چکا ہوں۔ان شاء اللہ ملا ہوگا۔

اسلام آباد،لاہور اور کراچی کا سرسری پروگرام تو آیا ہے۔ہر چیز حکومت کے ہاتھ میں ہے اور غالباً قیام کے سارے انتظام وہی کرے گی (کراچی میں، سابق میں محی الدین عبدالقادر صاحب کے ہاں رہا کرتا تھا۔وہ آج کل حج وعمرہ کے لیے گئے ہوئے ہیں)

کراچی میں وقت ملا تو رشتہ داروں سے مل سکوں گا۔باقی ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے تا حال کوئی تفصیل نہیں معلوم۔

مکان میں کو رنشات

نیازمند خادم

محمد حمید اللہ

(۸۷)

۲۱/فروری ۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔آج ۹ فروری کا کرم نامہ ملا۔ممنون ہوں۔مجھے پاکستان بلایا گیا ہے۔ میں نے پروگرام کی گزارش کی۔تا حال جواب نہیں ملا۔سوائے اس کے کہ ۲۵ اپریل کو پرواز کرنا طے کیا گیا ہے۔میں ان دنوں بے حد مشغول ہوں اور جلد سے جلد پاکستان سے واپسی کا خواہش مند ہوں۔

کتاب النبات تو ہمدرد سے نہیں آئی۔اس کے پروف آئے ہیں۔

Marfat.com

میں آپ کا سوال نہ سمجھ سکا۔ میری کون سی کتاب کے ترکی میں چھپنے کا آپ ذکر کررہے ہیں۔ میں نے ایک پرانی عربی کتاب حدیث ''السرد والفرد'' کو ایڈٹ کیا ہے۔ وہ تاحال مطبع سے نہیں نکلی ہے۔

عید مبارک

خادم

محمد حمید اللہ

(۸۸)

۱۹۹۳/۲/۲۶ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ آپ کی کرم فرمائیاں اتنی کثیر اور شرمندہ کرنے والی ہیں کہ نہیں جانتا کس طرح شکریہ ادا کروں۔

تکبیر میں بہت سی غلط سلط باتیں بھی چھپی ہیں۔ میں نے مدیر کو لکھا' جواب نہ آیا۔

میں اگر پاکستان آؤں تو اپنی مرضی پر نہیں بلکہ سرکاری دعوت پر ہوں گا۔ سفر کا نظام العمل وہی بنائیں گے اور میں بالکل نہیں جانتا کہ اس میں کراچی کا ذکر ہوگا یا نہیں۔

مکان میں آداب وتسلیمات

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۸۹)

۱۹۹۳/۱۲ء

مخدوم ومکرم واہل عیال کان اللہ معکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کرم نامہ' چاہے تاخیر سے ہو' مل گیا۔ دلی شکریہ ان دنوں سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ مجھ سے مالکہ مکان نے جبراً کمرہ بدلوایا ہے' سامان کو دوبارہ جمانا ہے اور روزمرہ کا کام بھی کرتے رہنا ہے۔ قصور معاف فرمادیں۔

مجھے آپ کا مرسلہ اخبار جنگ کا تراشہ تاحال نہیں ملا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کیا مندرجات تھے۔

Evolution پر کتاب ایک دوسرے دوست نے لندن سے بھجوادی ہے۔ الحمد للہ آپ زحمت نہ فرمائیں۔ یہ Evolution of Humanity نہیں ہے بلکہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی تردید ہے۔

Marfat.com

میں نے سفرنامہ جزیرہ ریونیوں نہیں لکھا۔ قصور معاف' وقت کا سوال ہے بعض وقت ایک ہی دن میں تیس' تیس خطوں کے جواب دینے پڑتے ہیں۔ ریونیوں میں جامع مسجد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات پر بھی ایک لیکچر کرایا گیا۔

سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

خادم:

محمد حمید اللہ

(۹۰)

۲۹ر دسمبر ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم کثر اللہ فینا امثالکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ و برکاتہ

دو تین دن ہوئے' کرم نامہ مورخہ ۱۹ر جمادی الآخر ۱۴۱۳ھ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۳ء سے مشرف ہوا۔ اس میں رسالہ ختم نبوت میں چھپے ہوئے میرے ناچیز مضمون کی فوٹو کاپی بھی تھی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ دفتر والوں نے تا حال کوئی نوازش نہیں کی ہے۔

آپ کے مسکن کی کیفیت معلوم ہوئی۔ اللہ آپ کو نوازے۔ لڑکے کی شادی کی خبر ملی۔ اللہ نوازے اور میاں بیوی کو تا حیات رضائے الٰہی مرحمت فرمائے۔

پاریس شہر میں ساٹھ ستر سال قبل ایک مسجد سلطان مراکش نے بنائی تھی۔ (اب شہر میں سو سے زیادہ مسجدیں بن گئی ہیں اور روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہیں کیونکہ شہر کے نصف ملین مسلمانوں میں بھی نومسلموں کی ہر روز تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔) اور یہ پہلی مسجد اب کچھ مرمت طلب ہوگئی تھی تو شہر کی فرنگی بلدیہ نے کئی لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے کہ مرمت کراؤ اور یہ تعمیرات کا کام شروع بھی ہوگیا ہے۔ والحمدللہ۔

مکان میں سلام و یاد آوری

نیازمند:

محمد حمید اللہ

Marfat.com

مکرر!

یہ خط بھیج ہی رہا تھا کہ ختم نبوت والوں کے ہاں سے ایک لفافہ آیا ہے اس میں گزشتہ ماہ کے دو پرانے نمبروں کے دو دو نسخے آئے ہیں۔ متعلقہ نمبر ابھی نہیں آیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔

(۹۱)

۱۱ رمحرم ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج صبح آپ کا تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ آپ کے مرسلہ تراشے میرے لیے باعث سرفرازی ہیں۔ ان کو دیکھ کر اپنے ہاں کے کاغذات میں رکھ دوں گا کہ داشتہ آید بکار مجھے اپنی سوانح عمری سے نہ صرف یہ کہ کوئی دلچسپی نہیں بلکہ میں اس کا سرے سے مخالف ہوں اور احباب کو منع کرتا ہوں۔ دو دن ہوئے رجسٹری سے خط بھیجا تھا' ان شاء اللہ مل جائے گا۔ کاش! یہی معلوم ہو سکے کہ ترجمان القرآن والوں کو میرا رجسٹری سے بھیجا ہوا مضمون ملا یا نہیں' چھاپیں یا نہ چھاپیں اس کو اہمیت نہیں۔ ڈاک پر بے اعتمادی بڑھ گئی ہے۔

کثرت کار سے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

مکان میں آداب وکورنشات

نیازمند

محمد حمیداللہ

(۹۲)

۱۹۹۳/۱/۸ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔ آپ کے دو خط پہنچے ہیں اور آپ کی کرم فرمائیوں پر میں بے حد شرمندہ ہوں۔ اس اثناء میں میرے خط بھی آپ کو ملے ہوں گے۔ متعلقہ رسالہ ختم نبوت رسالے کے دفتر سے تا حال نہیں آیا۔ پرانے نمبروں کے آنے کا ذکر کر چکا ہوں۔

اخبار جنگ کے دو اُردو صفحے اور اخبار ڈان کے چند سطری کترن آئے' ان کا دلی ممنون ہوں۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے اس کی کوئی تردید غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔

اللہ آپ کو ہزاروں ہزار جزائے خیر دے۔ مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

اس کے لکھنے کے بعد آپ کے ۔ خط آئے ہیں۔ اللہ آپ کو اپنی برکتوں سے نوازے۔ آپ کو غلط فہمی ہے۔ احسان اوغلو صاحب کا ادارہ جو استنبول میں ہے' الگ چیز ہے اور اسلام آباد کے متعلق میں نے جو اطلاع دی تھی' الگ چیز ہے۔ دونوں اچھا کام کر رہے ہیں' کیا آپ کی ڈاکٹر رضی الدین صاحب سے ملاقات ہے؟ کیا آپ ان سے ایک دو صفحوں کا مختصر مضمون مولانا مناظر احسن گیلانی کے (جامعہ عثمانیہ کے متعلق) لکھوا سکتے ہیں؟

(۹۳)

۱۹۹۳-۱/۱۸ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ڈاک کی جب جب مہربانی ہوتی ہے آپ کا کوئی خط مل جاتا ہے۔ اب ایک خط آیا ہے۔ وڈاکٹر مظفر حسین خان کا آپ کے نام ہے۔ میں اسے ٹھیک نہ سمجھ سکا کہ آپ مجھ سے کیا خدمات چاہتے ہیں؟ اگر وضاحت فرمائیں تو مسرت سے وہ خدمت انجام دوں گا۔

اس خط کے دو چار دن بعد ایک نیا خط آیا۔ ۱۵ رجب کا جس میں ٹکٹوں پر ڈاک خانے نے مہریں نہیں لگائی ہیں یعنی آدمی ان کو دوبارہ استعمال کر سکتا ہے۔ میرے لیے یہ پہلی دفعہ نہیں ہے۔ میرا اسلامی طرزِ عمل ہمیشہ سے اور بار بار یہ رہا ہے کہ ان ٹکٹوں سے استفادہ نہ کروں اور کروں تو اس طرح کہ ان کی مالیت کی رقم کسی فقیر محتاج کو دے دوں' یہ ہی اس دفعہ بھی کرنا چاہتا ہوں' نہ معلوم آپ کی کیا رائے ہے؟

ہمدرد والوں کی کتاب النبات کے سلسلے میں آپ سب کا دلی شکریہ۔ انتظار کروں گا' اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

آپ کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے۔ پارس میں سلطان مراکش کی ستر اسی برس پہلے کی مسجد مرمت طلب ہو گئی تھی۔ آج کل مرمت ہو رہی ہے۔ کوئی دوسری مسجد سلطان مراکش بنا رہے ہوں' ایسا نہیں ہے۔ شہر پارس میں دیگر مسجدیں ہیں اور بڑھ رہی ہیں جن میں سے ایک ہماری انجمن نے ''شوازی ارُدا'' نامی محلے میں بنائی ہے۔ الحمدللہ اخبار جنگ کے تراشوں میں جو اعتراض ہیں ان کو کسی قریبی فرصت میں ان شاء اللہ غور سے پڑھوں گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ نشاندہی کر سکیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر میرے لیکچر زبانی ہوئے۔ لکھی ہوئی چیز نہیں پڑھی کہ اس کا ترجمہ آپ کو بھجوا سکوں۔ کام کی کثرت سے فرصت نہیں ہے۔ آج کل یہ نیا کام سر لوں' معاف فرمائیں۔

مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۹۴)

۱۹۹۳/۱/۲۳ء

مخدوم و محترم زاد مجد کم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کو ایک خط لکھا تھا ملا ہوگا اس میں عجلت میں یہ لکھا تھا کہ اخبار جنگ کے اعتراضات کو غور سے پڑھ کر جواب دوں گا۔ کافی تلاش کے باوجود اخبار جنگ کا صرف وہ نمبر (دو صفحے) ملا جن میں ''قرآن مجید کا عربی متن شائع ہونا چاہیے یا نہیں'' کی بحث ہے۔ کوئی اور نمبر نہیں ملا جس میں خطبات بہاول پور کے سلسلے میں اعتراض ہوں' بے بس

Marfat.com

ہوں۔ اگر آپ کی رائے میں وہ اہم ہے تو مکرر اس پرچے کے ارسال کی زحمت دینی ہوگی۔ مجھے شرم آتی ہے کہ ایسا کروں۔ گمان غالب یہ ہے کہ اخبار جنگ کا وہ تراشہ نہیں آیا۔ اللہ کی مرضی۔
خدا کرے مکان میں سب خیر و عافیت سے ہوں۔

خادم:
محمد حمیداللہ

(۹۵)

۳۰ر جنوری ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم مد فیضکم!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
دعوت نامہ ملا۔ مشرف ہوا۔ خدا بچے کی شادی مبارک کرے۔ بچہ اور بچی بھی زندگی بھر ہمیشہ خوش رہیں اور اللہ انہیں حسنات دارین عطا فرمائے۔ اولاد ہو تو وہ بھی دیندار اور خوش اخلاق رہے۔ دُلہا اور دُلہن کے والدین بھی حسنات دارین سے بہ افضال الٰہی سرفراز رہیں۔
فقیر الی اللہ
محمد حمیداللہ

(۹۶)

۱۷ر فروری ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم و اہل خاندان کان اللہ معکم!
سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے دو کرم نامے ایک ساتھ، دو تین دن ہوئے ملے۔ دلی شکریہ۔
ممکن ہے آئندہ خط میں تاخیر ہو۔ میں ایک آپریشن کے لیے ہسپتال میں جانے پر مجبور ہوا ہوں۔ غالباً ۲۸ر فروری کو جانا ہوگا اور معلوم نہیں کتنے دن وہاں رہنا ہوگا۔ محتاج دعا ہوں۔
اخبار جنگ کے تراشے جس خط میں بھیجے گئے تھے اس سے اب مایوس ہو جانا چاہیے اسے کوئی اہمیت بھی نہیں۔

Marfat.com

تسبیح ٹھیک ہے۔ مثلاً سبحان اللہ وبحمدہ وصلی اللہ علی رسولہ۔

آپ نے ولیمے کی دعوت کا کارڈ بھیجا ہے۔ ان شاء اللہ تقریب بخیر و عافیت انجام کو پہنچی ہوگی۔ خدا آپ سب کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

میں ڈاکٹر رضی الدین صاحب کو مرحوم مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کے متعلق خط نہیں لکھ سکا۔ زندگی ہے تو ان شاء اللہ کچھ کر سکوں گا۔

آج اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ معذرت قبول فرمائیں۔ آپ سب کے لیے دلی دعا ہے۔ رمضان المبارک بھی آ رہا ہے وہ آپ کے لیے بھی مبارک ہو۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۹۷)

۱۹۹۳/۴/۱۳ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج آپ کا کرم نامہ ملا۔ محترم ڈاکٹر رضی الدین صاحب نے مولانا مناظر احسن گیلانی کے متعلق جو معلومات از راہ کرم مجھے بھیجے افسوس ہے کہ وہ خط مجھے نہیں ملا۔

مثانے کی بیماری سے اڑھائی مہینے شفاخانے میں رہا۔ اب دو تین دن سے ڈاکٹر نے مجھے گھر واپس روانہ کر دیا ہے لیکن بیماری سے ابھی نجات نہیں ملی۔ تھکا ہوا ہوں، خطوط کا جواب دینا بھی ابھی آسان نہیں، علاج ابھی گھر ہی میں جاری ہے، کب تک جاری رہے گا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ہمدرد والے نہ معلوم دینوری کی کتاب النبات والی میری تالیف سے کب فارغ ہوں گے۔ اللہ ان کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

سب کو سلام

المفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

مکرر!

آپ کا دوسرا خط بھی آیا ہے۔ منسلکات کا شکریہ۔ غلام محمد صاحب کو جواب دے چکا ہوں۔ خدا کرے حفاظت سے مل جائے۔

Marfat.com

(۹۸)

یکم مئی ۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی دام لطفکم !

سلام مسنون ۔ خیر و عافیت کا طالب ۔ آپ کا ۲۵ اپریل کا خط ملا' ممنون ہوا۔ رضی الدین صاحب کا خط تا حال نہیں آیا ہے۔

میں اب الحمدللہ شفاخانے سے گھر آ چکا ہوں۔ باقی جب تک زندگی ہے روزمرہ کے کام کرنے ہیں۔ کتاب النبات کے لیے آپ کی زحمت فرمائی کا شکریہ۔

مکان میں آداب وکورنشات

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۹۹)

۱۵ر جون ۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم کان اللہ معکم !

سلام مسنون۔ عید مبارک۔ آپ کا ۳۱ مئی کا خط دو دن ہوئے ملا۔ دلی ممنونیت عرض ہے۔

ڈاکٹر رضی الدین صاحب اپنی بیوی کے علاج کے لیے امیر کا (امریکہ) گئے ہیں۔ مجھے بھی انہوں نے وہاں سے خط لکھا ہے۔ اللہ شافی کافی۔

ہمدرد والوں کا خط مجھے بھی ملا لیکن مجھے برسوں سے جو وعدہ ہو رہا ہے اس کے انجام کا انتظار ہے۔ واللہ المستعان۔ آپ جو کتاب بہادر یار جنگ اکادمی کے توسط سے بھجوا رہے ہیں' مجھے اس کے مصارف ضرور لکھیں۔ میں آپ کو ان شاء اللہ بھجوا دوں گا۔

میں ابھی زیر علاج ہوں۔ اللہ شافی کافی۔

مکان میں سب کو کورنشات

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۰۰)

۱۹/جون/۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی خوش رہو!

سلام مسنون۔ میرا خط مل گیا ہوگا۔ کل رضی الدین صدیقی صاحب کا جو بیوی کے ساتھ امیرکا (امریکہ) میں ہیں خط آیا ہے اور انہوں نے مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے حالات مکرر بھیجے ہیں۔

یہ صرف آپ کی اطلاع کے لیے ہے۔ یہ بالکل ضروری نہیں کہ اس کی رسید کے لیے آپ مجھے خصوصی خط لکھیں۔ مکان میں سب کو سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۰۱)

8,7,1993

Dear and very respected brother

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

Today I recived with great pleasure the book "Murder of a State" I Shall read it with great pleasure and thankfullness.

Please inform me the price and postal expenses.

God bless you

H.

Marfat.com

(۱۰۲)

۱۴ر جولائی ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کچھ دن ہوئے حیدرآباد سے متعلقہ کتاب کے پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہوں' انتظار ہے کہ قیمت اور مصارف ڈاک کی اطلاع آئے تا کہ ادا کر سکوں۔

ابھی ابھی بہادر یار جنگ اکادمی سے ایک پارسل آیا ہے جس میں حیدرآباد سے متعلقہ کتاب مکرر آئی ہے۔ مزید برآں ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب کی سوانح عمری کا بھی ایک نسخہ ہے۔

آپ سے التماس ہے کہ ان سے بھی قیمت اور مصارف ڈاک لکھوا کر بھجوائیں تا کہ ان کو بھی رقم ادا کر سکوں۔

ساتھ ہی حکیم زبیری صاحب کے پاس سے ایک تار آیا ہے۔ (اس میں میرا نام Hameedullah لکھا ہے) اور اطلاع دی ہے کہ کتاب النبات چھپ گئی ہے اور اس کا ایک نسخہ بھیجا گیا ہے۔ الحمد للہ

شکر گزار ہوں ان کا بھی اور آپ کا بھی اگر نامناسب نہ ہو تو ٹیلی فون پر میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کر دیں۔

مکان میں سب کو سلام عرض ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۰۳)

۲۲/۷/۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی زادمجدکم!

سلام مسنون۔ خیرو عافیت کا طالب۔ آج آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوا اور متاسف بھی کہ آپ مصارف کے لینے سے بھی انکار فرماتے ہیں۔ اللہ آپ کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

حکیم زبیری صاحب نے مجھے تار پر اطلاع دی ہے کہ کتاب النبات چھپ گئی ہے۔ میں آپ کو اس کی اطلاع گزشتہ خط میں دے چکا ہوں۔ آج ایک تازہ مصیبت پیش آئی ہے۔ مجھے کراچی سے

Muhammad Habib ullah Ghias
63 II phase Kheyaban-e-Derbar
Defence Housing Authority. Karachi 75500

نے ایک خط لکھا تھا۔ میں نے گزشتہ مارچ میں ان کو جواب بھیجا۔ آج ڈاک میں میرا خط مجھے واپس آ گیا ہے۔ کیا آپ ان سے واقف ہیں؟

مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمیداللہ

(۱۰۴)

صفر ۱۴۱۴ھ

۱۹/۸/۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی حفظکم اللہ!

سلام مسنون۔ آج آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۰ جولائی کا ملا۔ ممنون ہوا۔ زحمت فرمائی کا دلی شکریہ۔ غالباً سہو کتابت سے آپ نے یہ تاریخ لکھی ہے۔ ۱۰ اگست ہوگا۔

قطب الدین عزیز صاحب نے لندن سے مجھے تا حال کچھ نہیں لکھا۔ ان کا پتا ہوتا تو میں خود ہی ان کو لکھ دیتا۔ کتاب النبات کا ایک نسخہ پروف کی شکل میں آ گیا ہے۔ کتاب شائع ہو جائے تو

Marfat.com

ممکن ہے چند نسخے مجھے بھی ملیں گے تاکہ احباب اور کتب خانوں میں تقسیم کرسکوں۔ میں ابھی تھکا ہوا ہوں اور علاج جاری ہے۔ اللہ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ ساری دنیا میں جھگڑے اور جنون ہے۔

مکان میں کورنشات عرض ہیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۵)

۲۳/۸/۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ آپ کے کرم نامے کا آج جواب دے رہا ہوں۔ تعویق پر معذرت قبول فرمائیں۔ قطب الدین عزیز صاحب کا آپ نے انگلستان کا پتا نہیں دیا ورنہ میں خود ان کو جو لکھنا ہے لکھتا خود انہوں نے وہاں سے مجھے کچھ تا حال نہیں لکھا ہے۔

کتاب النبات کے پروف ہمدرد فاؤنڈیشن سے آنے کا ذکر کر چکا ہوں۔ میں نے محترم ناشر صاحب کو دو خط لکھے اور بعض اہم طباعتی غلطیوں پر متنبہ کیا۔ معلوم نہیں قبول ہوگا یا نہیں۔

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو۔

مکان میں کورنشات

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۶)

۲۰/۹/۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔ ۵ ستمبر کا خط آج صبح ملا۔ ممنون ہوا۔ جامعہ عثمانیہ کے جشن کی اطلاع سے بھی مسرت ہوئی۔ جی تو چاہتا ہے کہ تین چار دن ہی کے لیے سہی اس میں شرکت کروں۔ فرانسیسی حکومت نے سارے ملازمین اور وظیفہ خوروں کی تنخواہوں میں تخفیف کردی ہے جس کا اس ماہ سے

نفاذ ہوگیا ہے' مجھ کم معاش کے لیے یہ ایک شدید دُکھ ہے' اللہ مالک ہے۔ اس جوبلی کے لیے عطیہ پیش کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔

آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ یہ جوبلی جنوری میں ہوگی۔ انجمن کے خط سے گمان ہوا کہ وہ اپریل میں ہوگی۔ وقت کم ہے اس لیے آپ کے کہنے پر ان کے مجھے لکھنے کا انتظار کرنے کی جگہ میں آج ہی ان کو بعون اللہ خود ہی لکھ رہا ہوں۔

حیرت سے پڑھا کہ حکیم محمد سعید صاحب سندھ کے گورنر بنے ہیں۔ اللہ مبارک فرمائے۔

آپ کے پیارے بچوں کو پیارا سلام۔ مکان میں بیگم صاحبہ کو کورنشات' کثرت کار سے اسی پر اکتفا کرتا اور شکرگزاری پیش کرتا ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۷)

۱۹۹۳/۹/۲۳ء

محترم و مکرم واہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔ غالباً آپ کے آخری کرم نامے کی رسید گزران چکا ہوں۔ حافظہ بہت کمزور ہوگیا ہے۔

یہ خط ایک اطلاع کے لیے ہے۔ آج مجھے کراچی سے محترم قطب الدین عزیز صاحب مؤلف کتاب Murder of a State کا خط یہ لکھے ہوئے آیا ہے کہ آپ نے ان کو لکھا ہے کہ مجھ سے تماس پیدا کریں۔ محسوس ہوا کہ ان کے تحفے کی میں نے جو رسید آپ کے توسط سے بھجوائی تھی وہ ان کو نہیں ملی۔

میں نے ان کو خط لکھ دیا ہے۔ اگر ممکن ہو تو ٹیلی فون پر ان سے دریافت فرمالیں کہ میرا خط ان کو مل گیا یا نہیں؟ بے حد ممنون ہوں گا۔ ڈاک پر اعتماد کم ہوتا جا رہا ہے' کیا کسی چیز کا جواب دینا بھول تو نہیں گیا ہوں؟

مکان میں کورنشات۔ بچوں کو پیام محبت

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۰۸)

۱۱/۱۰/۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اتنا یاد ہے کہ آپ کا آخری خط آیا ہوا ہے اور جواب دینا ہے۔ آج بھی جواب نگاری کا کام کر رہا ہوں تو اسے تلاش کیا نہیں ملا۔ وہاں کے حالات اخباروں میں آرہے ہیں۔ کراچی میں بھی ہنگامے لکھے جارہے ہیں۔ اللہ رحم فرمائے اور ہمیں عقل دے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن سے کتاب النبات کی آمد کا انتظار ہے۔

کوئی کار لائقہ ہو تو ضرور یاد فرمائیں۔

کیا وہاں کوئی قرآنی انسائیکلوپیڈیا چھپ رہی ہے؟

سب کو سلام یاد آتے ہیں

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

مکرر!

جی ہاں عطاء اللہ صاحب کی بچی ہی ساتھ تھی جب ایئرپورٹ پر آپ کے دوست سے ملاقات ہوئی اور مدد ملی تھی۔

(۱۰۹)

۱۴۱۴ھ

۱۹/۱۰/۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوا اور متاسف بھی کہ قطب الدین عزیز صاحب کو غلط فہمی ہوگئی۔ میں نے ان کو شروع میں بھی لکھا تھا اب ان شاء اللہ مکرر بتاؤں گا کہ مجھے ان کی کتاب کی دو جلدیں ملی تھیں۔ وغیرہ

دوحہ کے دوست کا نام 'المعایرجی'' ہے۔ میرا اپنا اُصول یہ ہے کہ اتنی شدت نہیں ہونی چاہیے۔ احمق یا شریر مترجموں کے چاہے غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں حالات بھی جمع کریں اور ہو سکے تو وہ معلومات واضح کریں جوان مترجموں کی شیطنت کا باعث ہوئے ہوں گے۔ بہرحال آپ کا نقل کی ارسال پر دلی شکریہ۔ شاید میں ان کو مکرر خط لکھوں گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کے سلسلے میں میرے ساتھ آپ کی ہمدردی بڑی متاثر کن ہے۔ ہر کام کا اللہ نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔ میں نے کتاب کے مجلد پروفوں کو تو دیکھا ہے' مطبوعہ کتاب شاید مجھے بھیجی گئی ہے لیکن تا ایں دم نہیں آئی۔ واللہ المستعان

آپ کی لڑکی کے یوسف الدین صاحب سے ملنے کی اطلاع پڑھی' شکریہ۔ یوسف الدین صاحب کا ایک خط بھی آپ کے خط کے ہمراہ آج ہی ملا۔ مکان میں بیوی بچوں' سب کو ادب سے سلام عرض کرتا ہوں۔

اور کاموں کے ساتھ آج کل ملتان کی بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے ایک پی ایچ ڈی کے مقالے کو دیکھ رہا ہوں۔ والسلام

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر!

آج ہی پروفیسر فراک زک کا خط آیا ہے۔ میں نے ان کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کی غلطی بتائی تو قبول کر کے شکریے کا خط بھیجا ہے۔ اس سے شاید آپ کو بھی دلچسپی ہو۔ سورہ (۳) آیت (۷۵) میں قنطار اور دینار کا ذکر ہے۔ میں نے لکھا کہ یہاں دینار سے مراد وہ سکہ نہیں ہے جو سونے کا ہوتا ہے یعنی اشرفی بلکہ وہ جسے Denier کہتے تھے جو ہماری دمڑی کا مترادف ہے یعنی بہت کم قیمت چھوٹا سکہ۔ واللہ اعلم

Marfat.com

۲۶/اکتوبر۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی۔خوش رہو!

سلام مسنون۔آپ کا ۲۵ ستمبر کا خط اب پہنچا ہے۔شکریہ میرے گزشتہ خط شاید آپ کو ملے ہوں۔کتاب النبات کا انتظار ہے۔اللہ مالک ہے۔

ایک زحمت دینے کی جسارت کرتا ہوں۔میں نے محترم جسٹس تقی عثمانی صاحب کو ایک فرانسیسی کتاب ''اظہار الحق'' مؤلفہ رحمت اللہ دہلوی ہوائی ڈاک سے بھیجی تھی۔کیا وہ ان کو پہنچی یا نہیں؟ سنا ہے کہ اس فرانسیسی کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا تھا (گزشتہ صدی میں) تلاش کررہا ہوں۔

جامعہ عثمانیہ کی جوبلی کے سلسلے میں خط آیا ہے کہ حکومت سے اجازت مانگی ہے۔ اجازت ملنے کے بعد مجھے دعوت نامہ بھیجا جائے گا۔اس کا انتظار ہے۔گراں خرچ ہے مگر ان شاء اللہ دوچار دن کے لیے آجاؤں گا۔

مجھے اپنی مطبوعات میں سے کسی پر بھی رائلٹی ایک پائی کی بھی نہیں ملتی۔

مکان میں سب کو میرا سلام

ناچیز خادم

محمد حمید اللہ

مکرر!

آج آپ کا نیا خط ملا جو ۲۱ اکتوبر کا ہے۔دلی شکریہ۔قطب الدین عزیز صاحب نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔حیدرآبادی وفد کا ایک جز و عراق اور ایران بھیجا گیا جو اس سے فارغ ہوکر پاریس پہنچے اور معین نواز جنگ صاحب کے ساتھ رہے۔

۲۔ مجھے اس کی کوئی سہولت نہیں ہے کہ عزیز صاحب کی کتاب کا فرانسیسی ترجمہ کروں یا کراؤں اور چھپواؤں۔

۳۔ حیدرآباد کے قصے پر خود کچھ لکھوں اور چھپواؤں۔اس سے معذرت چاہتا ہوں۔میں ۸۷ سال سے متجاوز ہوچکا ہوں۔

Marfat.com

کیا آپ کے پاس قطب الدین عزیز صاحب (جو کتاب The Murder of a State کے مؤلف ہیں) کا پتا ہے میں ممنون ہوں گا' اگر ان کا پتا معلوم ہو سکے۔

مکان میں سب کو سلام و کورنشات

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۱۱۱)

۱۲/۱۱/۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم و اہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دو چار دن ہوئے کرم نامہ ملا۔ الفاظ نہیں پاتا کہ آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ مرسلہ ڈرانٹ کا دلی شکریہ۔ ایک دو لفظ بڑھا دیے ہیں مناسب ہو تو حسبہ بھیجیں۔

میری صحت گر رہی ہے۔ زیر علاج ہوں۔ ممکن ہے کہ جنوری میں کراچی نہ آسکوں۔

جامعہ عثمانیہ سے مجھے محبت تو ہے لیکن ۸۷ سال کا ہو چکا ہوں۔ محرم ۱۳۲۶ھ کی ولادت ہے۔

مکان میں کورنشات

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۲)

۴/۱۲/۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم مظہر ممتاز صاحب و اہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ کرم نامہ چند دن ہوئے ملا۔ دلی شکریہ۔ تعویق کی معذرت۔ ایک صاحب نے آپ کے پتے پر خط لکھا ہے ان کا جواب دیتے ہوئے آپ کو بھی جواب دے رہا ہوں۔

قرآن مجید میں قنطار دینار کی جو آیت ہے اس کے متعلق یہ اضافہ کروں کہ دینار انگریزی denier کا معرب ہے۔ میں اس کو اردو میں دمڑی کہہ سکتا ہوں۔ ڈاکٹر اکمل الدین صاحب قرآن کے مطبوعہ تراجم کو جو دنیا کے ساری زبانوں میں ہیں، ایک ضخیم کتاب کی صورت

Marfat.com

میں عرصہ ہوا شائع کر چکے ہیں۔ اس کی طبع ثانی بھی کر رہے ہیں۔ غیر مطبوعہ تراجم بھی دنیا کی ساری زبانوں کے متعلق چھاپنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے موسومہ خط میں لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمے ایک نہیں' اتنے ہی متعدد ہیں جتنے نمبروں پر وہ ان کا اپنی کتاب میں ذکر کر رہے ہیں۔ یہ ابھی شائع نہیں ہوئی ہے۔

اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ میں آج کل کوئی معینہ کتاب نہیں لکھ رہا ہوں۔ حسب معمول متعدد کام بیک وقت جاری ہیں۔ جیسا کہ پرانا دستور۔ مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۳)

۱۹۹۴/۱/۵ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ آپ کے دو خط ابھی ابھی ملے ہیں۔ ایک راست آپ کا' دوسرا عبد الجبار صاحب کے خط میں ان کا تعارف نامہ۔ شکریہ۔

غلام محمد صاحب کی وفات کی خبر سے دلی صدمہ ہوا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور اہل وعیال کو صبر کی توفیق۔

میں حکیم محمد سعید صاحب کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ مجھ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھائیں۔ میری مطبوعہ کتابوں اور مقالوں پر ابھی کام مکمل نہیں ہوا ہے وہ کام بھی قبل از وقت ہے۔

میں ابھی زیر علاج ہوں' بہت تھکا ہوا ہوں۔ انجمن طلبہ قدیم جامعہ عثمانیہ کا بھی کام نہ کر سکا۔ ممکن ہے تو ان لوگوں سے کہیےکہ جامعہ عثمانیہ کی واحد خصوصیت اُردو کا ذریعہ تعلیم ہونا ہی نہیں ہے بلکہ دینیات / اخلاقیات کی تعلیم کا بھی لازم ہونا ہے، ہندوؤں اور شیعوں کے لیے۔ باقی ان شاء اللہ پھر۔

القفیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۱۴)

۲/۴/۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ آپ کا تازہ کرم نامہ ملا جس میں پرانے خطوط کے فوٹو بھی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فرانسیسی کتاب چھپ گئی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے میرے باب میں ناشر نے بلا اطلاع و بلا اجازت بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ اس سے خط بازی جاری ہے اللہ کی مرضی۔ یہ چونکہ فرانسیسی میں ہے اس لیے آپ کے لیے بیکار ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مقالہ تا حال شروع نہیں ہوا۔ وقت کا سوال ہے۔

کیا آپ کے پاس میرے مطبوعات کی فہرست کے فوٹو ہیں؟ اس میں دو تین جگہ کچھ خفیف تبدیلی اور اضافہ ہوا ہے۔

یہاں الحمد للہ لوگ مسلمان ہو رہے ہیں مرد بھی' عورتیں بھی۔ ہم موروثی مسلمانوں کا عمل تو نہیں' صرف اللہ کی ہدایت سے وہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ والحمد للہ

مکان میں سب کو سلام

خادم:

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۱۵)

دوشنبہ/ ۱۱/۴/۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ پرسوں آپ کا بستہ ملا۔ اندر کتاب النبات کے ساتھ آپ کا کرم نامہ بھی ملا۔ جزاکم اللہ۔ کتاب کا مقدمہ پڑھا۔ اس میں ایک بڑی فاش طباعتی غلطی ملی۔ صفحہ (۱۶) کی پہلی سطر میں ''النظر بن...... '' چھپا ہے۔ یہ النضر ہے۔ اس کتاب کی مکرر طباعت کی کم ہی توقع ہے۔ علم نباتات کے اقتباسات سے کم ہی لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔ گویا یہ غلطی میری طرف منسوب ہو کر ہمیشہ کے لیے حکیم محمد سعید صاحب اور ان کے رفیق زبیری صاحب کی دوامی بدنامی کا باعث

ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے مسودہ کتاب میں النضر ہے' پروف میں دارالحکمت والوں نے ''تصحیح'' کرنی چاہی ہے اور ''النظر'' لکھواڈالا ہے۔ آپ کے لیے فوٹو کافی ملفوف کر رہا ہوں۔

میری استدعا ہے کہ حکیم محمد سعید صاحب کو بدنامی سے بچانے کے لیے (۱) اسٹاک کے سارے نسخوں میں قلم سے تصحیح کروائیں۔ (۲) ایک سطری صحت نامہ چھپوا کر جتنے نسخوں میں ممکن ہو رکھوائیں بلکہ اس کو اخبار/رسائل میں شائع بھی کرائیں۔

کتاب کی اشاعت کے وقت کا پروف کی شکل کا نسخہ مجھے ملا تھا اور اب آپ کا مرسلہ واحد نسخہ ان کے علاوہ مجھے کتاب کے کوئی نسخے ہمدرد والوں کی طرف سے اب تک نہیں آئے۔ دو چار ہی سہی، نسخے آئیں تو استفادہ کروں۔

آپ کو زحمت رہی ہے۔ اللہ جزائے خیر دے۔

خادم:

محمد حمید اللہ

(۱۱۶)

۳رذی الحج ۱۴۱۴ھ

۶رمئی ۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

سلام مسنون۔ آج آپ کا کرم نامہ ملا اور انگریزی کتاب کے چند اوراق کے فوٹو بھی۔ دلی شکریہ۔ آج ہی کی ڈاک سے ہمدرد والوں نے کتاب النبات کے پانچ نسخے ہوائی ڈاک سے بھیجے ہیں۔ جزاہم اللہ خیرا

مجھے یاد نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر میں نے مضمون کب لکھے تھے واقعی بالکل یاد نہیں۔

ابھی زیر علاج ہوں۔ تھکا ہوا ہوں۔ میری گستاخیوں کو معاف فرمائیں۔

مکان میں کورنشات

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۷)

۱۱/۵/۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ مجھے اپنے کمرے بدلنے پڑے ہیں اور ساری چیزیں تتر بتر ہوگئی ہیں۔ بے بس ہوں۔ ابھی ابھی آپ کا ایک خط ہاتھ میں آیا ہے۔ آپ نے اس میں اخبار جنگ اور ڈان کے تراشے پڑھنے کو کہا ہے۔ انہیں کہاں ڈھونڈوں؟ آپ نے اصرار کیا ہے کہ خطبات بہاول پور کے حوالے سے کوئی اعتراض کیا گیا ہے۔ آپ ہی اگر اس کا خلاصہ چند لفظوں میں دیں تو جواب گزران سکتا ہوں۔ ان شاء اللہ آئندہ اگر آپ کا کوئی خط ملا اور اس میں کوئی جواب طلب امر ہو تو ان شاء اللہ عرض کروں گا۔

مکان میں کورنشات

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۸)

۱۵ ذی الحجہ/۱۴۱۴ھ

۱۸/ مئی ۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم واہالی خوش رہو!

سلام مسنون۔ عید مبارک خطوط کھو جانے کی شکایتیں آرہی ہیں۔ اس لیے گستاخی کرکے آپ کو زحمت دینے کی جسارت کرتا ہوں۔ منسلکہ خط ممکن ہو تو مرسل الیہم کو پہنچا دیں۔

مکان میں کورنشات

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۱۹)

۱۹؍ مئی ۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم و اہالی زاد مجد کم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ۷ ذی قعد کا مکرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ آپ کی بے پایاں نوازشوں کا ممنون ہوں۔ رضی الدین صدیقی صاحب اور ہمدرد فاؤنڈیشن والے وہی کریں گے جو اللہ کو منظور ہوگا۔ کیا عجب جو ہمدرد والوں کی نشریہ کتاب میری زندگی ہی میں چھپ جائے اور دیکھ سکوں۔

عالم اسلامی کے فتنوں پر اللہ سے دُعا ہے کہ وہ رحم فرمائے اور ہمیں نیک توفیق دے۔

آپ نے ایک نئی شائع شدہ کتاب کا اشتہار بھیجا ہے۔ اگر اس کی قیمت اور مجھے ارسال کرنے کے ڈاک کے مصارف سے اطلاع دیں تو ممکن ہے وہ رقم آپ کو بھیج سکوں۔ خدا آپ کو آپ کے کاموں میں برکت دے۔

میری صحت گر رہی ہے۔ مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۰)

۸/۶/۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم و اہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا، ممنون ہوا۔ رفیع اللہ شہاب صاحب کے مضمون کا تراشہ بھی ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

اسباب صحت سے ان کے مضمون کا جواب لکھنا دوبھر ہے۔ مناسب ہو تو آپ خود لکھ دیں یا فیصل مسجد والوں سے درخواست فرما دیں۔ آپ نے ظفر اسحاق صاحب کو لکھ دیا ہے تو کافی ہے۔

Marfat.com

آپ کو مزید زحمت دے رہا ہوں۔ ایک صلاح الدین صاحب کے نام خط ہے۔ دوسرا انجمن طلبہ قدیم جامعہ عثمانیہ کے نام ہے۔ بہت ممنون ہوں گا اگر یہ روانہ فرمادیں۔

مکان میں کورنشات

خادم

محمد حمید اللہ

محمود علی انصاری صاحب نے لکھا ہے کہ ڈان کا ضمیمہ بھیجا ہے۔ وہ تا حال نہ ملا۔

(۱۲۱)

۱۹۹۴/۸/۱۶ء

مخدوم ومحترم!

سلام مسنون۔ آج ہی بہت دن کے بعد آپ کا یکم ربیع الانور کا مورخہ خط ملا۔ ممنون ہوا۔ جواب رجسٹری سے دیتا ہوں تا کہ وصولی کا زیادہ اطمینان رہے۔

محترم تقی صاحب کے پاس سے کتاب اظہار الحق (اُردو) کا تین جلدوں والا نسخہ بھی آیا ہے۔ میں نے انہیں رسید بھیجی ہے۔ آپ بھی احتیاطاً ان سے دریافت فرمالیں۔ البتہ ان کی کتاب تکملہ احادیث سے واقف نہیں ہوں۔ خدا مبارک کرے۔

صلاح الدین صاحب سارے یورپ کے دورے پر نکلے ہیں۔ (جیسا کہ ان کے اخبار تکبیر میں چھپا ہے) اس سے فرانس کو مستثنیٰ رکھا ہے۔ والخیر فیما اختارہ اللہ۔

الجزائر والے ''احمقوں'' نے فرانسیسی سفارت خانے کے سات آدمیوں کو قتل کر دیا۔

یہاں ہم بھی بھگت رہے ہیں۔ مکان میں کورنشات سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر!

کیا مدینہ منورہ میں آپ کے کوئی دوست ہیں؟ وہاں سنا گیا کہ ایک کتاب چھپی ہے۔ شیخ عائض بن عبدالعزیز القرنی مؤلف کتاب احفظ اللہ یحفظک۔ اس کے مؤلف کو خط لکھنا چاہتا ہوں۔ ان کا پتا درکار ہے۔ شکریہ

Marfat.com

(۱۲۲)

۶ / دسمبر ۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ کل آپ کا کرم نامہ (بہت دن کے بعد) ملا۔ اگر سابق میں آپ خط لکھ چکے ہیں تو وہ ڈاک میں ضائع ہو چکے ہیں۔

جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی بہت دن سے سکوت ہے۔ مدینہ منورہ کے کسی شیخ سے بھی کوئی خط نہیں ملا۔ میرے ۱۹۴۸ء کے بعد کے مقالے اور کتابیں تو یہاں ہیں لیکن ان کی یک جا کر کر طباعت کے وسائل میرے پاس نہیں ہیں۔

مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑھ ہے۔ آپ کے دوست اس سے دلچسپی رکھتے ہیں تو ان سے کہئے کہ میرے مرنے کا انتظار کریں میں اس سے روکتا ہی ہوں۔

مکان میں سب کو سلام و دعا　　　　　　خادم الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۱۲۳)

۱۴/۱۲/۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم واہالی زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ ابھی دو دن ہوئے آپ کا کرم نامہ ملا۔ آپ کے خط پر ۱۳ جنوری لکھا ہے۔ عرصے سے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ یہ پہلا خط ہے۔ ڈاک کی حالت کے باعث رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔

مندرجہ حالات کی اطلاع سے دلی مسرت ہوئی۔ آپ مجھ سے پچاس سال پہلے کے قصے پوچھ رہے ہیں۔ اگر لکھ سکا تو ضرور آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا حافظہ بہت خراب ہو گیا ہے۔ صحت ابھی کمزور ہے۔

رضی الدین صاحب کی علالت سے افسوس ہوا۔ اللہ انہیں جلد صحت کامل عطا فرمائے۔

مکان میں سب کو مجھ ناچیز کا سلام پہنچائیں۔　　　　　　خادم ناچیز: فقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۱۲۴)

۲۰رجنوری ۱۹۹۵ء

مخدومی سلام مسنون!

کرم نامہ ملا۔ مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑھ ہے۔ آپ کے دوست، حکیم محمد سعید صاحب کے منظورِ نظر سے فرمائیے کہ حمید اللہ نامی "فاضل" ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اس کی سوانح عمری کے لیے اس کے مرنے کا انتظار کریں۔ سوانح عمری نہیں، خالص اور عام علمی سوال ہوں تو خدمت کے لیے حتی الامکان حاضر ہوں۔

رمضان مبارک، مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۵)

۲۲رمئی ۱۹۹۵ء

مخدوم ومحترم عید مبارک! اہل وعیال کو سلام۔ آپ کو ہمیشہ زحمتیں دیتا رہتا ہوں

کیا آپ محمود عالم صاحب سے واقف ہیں؟ یہ حیدرآباد میں ریلوے وغیرہ میں کام کرتے تھے۔ معمر آدمی ہیں۔ مجھے آج ان کا کراچی سے ایک تار آیا ہے مگر ان کا پتا میرے پاس نہیں ہے۔ اگر ممکن ہو تو منسلکہ پرچہ انہیں بجھوا دیجیے۔ پیشگی شکریہ

ہمدرد والوں سے ممکن ہو تو فرما دیجیے کہ ان کے لیے میرے مضامین وغیرہ کے فوٹو اسٹاٹ لیے جا رہے ہیں کافی وقت لگے گا۔ دریافت طلب امور بھی ہیں۔ ان شاء اللہ قریب میں مکرر لکھوں گا۔

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر!

آپ کا موسومہ ایک پرانا خط بھی منسلک ہے، وہ بھیجنا بھول گیا معاف فرمائیں۔

Marfat.com

(۱۲۶)

۱۹۹۵/۶/۷ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ آپ کے لیے بھی اور اہل و عیال کے لیے بھی۔ کچھ عرصہ قبل جب آپ نے اطلاع دی تھی کہ میری تالیفوں کے فوٹو پاریس کی پاکستانی سفارت کے توسط سے ہمدرد کے دفتر کو بھیجے جائیں۔ میں نے یہاں محترم سفیر صاحب کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ آیا انہیں ایسے کوئی احکام موصول ہوئے ہیں؟ سفارت سے تا حال کوئی جواب نہیں آیا۔

میں نے فوٹو کا کام شروع کر دیا ہے۔ کام آسان نہیں' بار ہا سوالات پیدا ہوئے ہیں ایسے بعض سوال میں نے محترم سفیر صاحب سے بھی کیے مگر جواب نہیں ملا۔

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۷)

۴ر جولائی ۱۹۹۵ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم و عم نفعکم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کوئی دو ہفتے ہوئے کرم نامہ ملا تھا اس کی رسید مل گئی ہوگی۔ مجھے شرمندگی ہے کہ جب کوئی کام ہوتا ہے تو زحمت آپ کو دینی پڑتی ہے۔

میرے مقالوں کی فوٹو کاپیاں نکلوائی جا رہی ہیں لیکن یہاں کا سفارت خانہ مسلسل خاموش ہے۔ میرا خرچ تو ہو رہا ہے لیکن اس کی ادائی کب شروع ہوگی معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ جو فوٹو کاپیاں نکل چکی ہیں وہ کب تک میرے تنگ کمرے میں روز افزوں تنگی پیدا کرتی رہیں گی۔

آپ نے محمود عالم صاحب کا پتا چلنے کا ذکر تو فرمایا تھا لیکن مجھے وہ پتا نہیں دیا اور موصوف نے تا حال کچھ خود لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔

مکان میں سب کو سلام فرمائیں۔ کار لائقہ سے یاد فرمائیں۔ خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت سے ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۲۸)

۱۹۹۵/۷/۲۴ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ آج ایک کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ ایک بڑی مصیبت پیش آئی ہے۔ میرے مطبوعہ کتب ومقالات کی جلد غائب ہوگئی ہے نہ معلوم کس نے لیا ہے کیا آپ کے پاس اس کی نقل ہے؟ اگر ہے تو براہ کرم مجھے اس کی ایک فوٹو کاپی فوراً میرے مصارف پر بھجوائیں۔

میرے مصارف فوٹو کاپی اب تک کتنے ہوئے ہیں۔ وہ نوٹ کر رہا ہوں۔ فکر نہ کیجیے۔ مصارف ترسیل شاید کچھ بھی نہ ہوں گے۔ میں فوٹو کے بنڈل سفارت خانے کو دے دوں گا اور وہ آپ کو بھجوادیں گے۔

مقالوں کی تعداد ہزار بھر ہوگی۔ کتابوں کی تعداد کئی سو ہے۔ اس وقت پریشان ہوں۔ یہ سرسری جواب ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۹)

۱۴۱۶ھ

مخدوم ومحترم واہالی زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا ایک تازہ خط ملا ہے اسی کے پہلے صفحے کی فوٹو کاپی پر جواب لکھ رہا ہوں۔ میں نے عطاء اللہ کو لکھا ہے کہ میرے مقالات کی فہرست کی نقل بھیجیں۔ کتنے صفحے ان کے پاس ہیں معلوم نہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کے ہاں میرے مقالات اور کتابوں کی فہرست نہیں ہے غلط فہمی میں رہا۔ معلوم نہیں میری ذاتی فہرست کس کے ہاں ہے۔ میں نے خود وہ کسی کو نہیں دی۔

یہ موجودہ صورتحال ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ میں علالت کے باعث شفاخانے میں بھی رہا۔ ایک مرتبہ مسلسل چار مہینے ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء کی ولادت اور یہاں مکان میں (بلکہ ملک

میں) تنہا ہوں۔ اللہ کی مرضی ہے کہ اسلام کی خدمت یہاں کریں۔ بات یہ ہے کہ یہاں کتب خانے اچھے ہیں جو پاکستان اور دیگر اسلامی ملکوں میں نہیں۔

اور کیا عرض کروں خدا آپ اور اہالی سب کو خیر و عافیت سے رکھے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۳۰)

۱۱/اکتوبر ۱۹۹۵ء

محترم مظہر ممتاز صاحب و اہالی کان اللہ معکم!

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا ۲۵ ستمبر کا کرم نامہ ابھی ابھی آیا ہے۔ دلی شکریہ۔

میرا پاکستان میں آبسنا بے معنی چیز ہے۔ میری اپنی تالیفیں سات زبانوں میں ہیں اور یوں مزید کئی زبانیں پڑھ لیتا ہوں۔ پاکستان میں ان زبانوں کی مطلوبہ تالیفیں مل نہیں سکتیں۔

ہمدرد یونیورسٹی کے لیے کئی سو مقالوں کے فوٹو لے چکا ہوں۔ میری اپنی پرائیوٹ فہرست مطبوعات میں (۹۵۰) مقالے مندرج ہیں اور (۱۷۱) کتابیں ہیں جن میں سے بہت سی ایسی ہیں کہ میں صرف شریک مؤلف ہوں۔ آپ فرمارہے ہیں کہ مزید فوٹو کاپیاں نہ نکالوں۔ اگر حکیم صاحب کا یہ حکم ہے تو بسر و چشم۔ لیکن انجام دادہ کام پر کچھ رقم مجھے بھجوا سکیں تو ممنون ہوگا۔ میری مالی حالت ان دنوں بہت کمزور ہے۔ کچھ دیگر مصیبتیں بھی ہیں۔

مکان میں سب کو میرا ناچیز سلام

خادم

محمد حمید اللہ

حکیم صاحب کے لیے بھی ایک خط منسلک ہے۔ بھجوا دیں تو نوازش ہوگی۔

(سہ ماہی ''ارمغان'' کراچی۔ [مشترکہ شمارہ نمبر ۵۴] جولائی تا دسمبر ۱۹۹۶ء)

Marfat.com

غیر مطبوعہ مکاتیب بنام محترمہ خدیجہ ہاشمی (کراچی)

(موصوفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی رشتے میں بھتیجی ہیں)

(۱)

بسم اللہ

۱۷ محرم ۱۴۰۷ھ

عزیزہ، خوش رہو!

سلام مسنون! خیریت نامہ ملا، دلی مسرت ہوئی، آپ کو دینی احکام سے دلچسپی ہے اس سے بھی مسرت ہوئی۔

آپ کے سوالات کے دو پہلو ہیں۔ کیا یہ تقریبیں منائیں؟ کیا ان میں فاتحہ پڑھ کر مٹھائی وغیرہ تقسیم کریں۔

(۱) قبروں کی زیارت کرنا: یہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ کبھی قبا جاتے، کبھی جَبَل اُحد جاتے اور وہاں دفن صحابہ پر فاتحہ پڑھتے۔ اور ان کے لیے دعا کرتے۔ حتیٰ کہ اپنی کافرماں کی قبر پر بھی جاتے اور روتے، حدیث میں ہے ایک مرتبہ اَبواء نامی مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روتے دیکھ کر بعض صحابہ نے جسارت کی اور وجہ پوچھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ میری ماں کی قبر ہے، میں نے اس کی زیارت کی اجازت مانگی جو اللہ نے دے دی، پھر میں نے اجازت مانگی کہ اس کی مغفرت کی دعا کروں۔ اللہ نے یہ اجازت نہ دی۔ شب برأت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرستان جایا کرتے تھے۔

Marfat.com

(۲) قرآن میں ہے: اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کی نعمت کا بیان کر) کسی رسول کی بعثت سے بڑھ کر کسی قوم کے لیے کیا نعمت ہوگی۔ اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ:

ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی یآیھا الذین آمنوا صلوا

علیہ وسلموا تسلیما

(اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر محبت سے صلات بھیجتے ہیں، اے ایمان لانے والو! تم بھی اس پر صلات اور سلام بھیجو)

یعنی خود اللہ اور فرشتے میلادِ نبویؐ مناتے ہیں اور اللہ ہی کا حکم ہے کہ مسلمان بھی ایسا کریں۔ میلاد کے جلسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات بیان ہوتے ہیں اور قرآن فرماتا ہے کہ وہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں کہ ہم بھی آپ کی تقلید ہر امر میں کریں۔

(۳) ظاہر ہے کہ جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیدا یا فوت ہوئے ان کے متعلق حدیث میں ذکر نہیں ملے گا۔ مگر اصول ایک ہی ہے: جو لوگ دین کی خدمت کرتے رہے ہیں ان کا اظہارِ شکرگزاری کرنا، ان کے حالات سننا اور بیان کرنا، ان کے لیے فاتحہ کرنا یعنی قرآن کی سورتیں پڑھنا اور درود بھی پڑھنا اور مٹھائی وغیرہ کو دوستوں، رشتہ داروں اور غریبوں فقیروں میں تقسیم کرنا، یہ سب اچھی چیزیں ہیں۔ صرف ایک چیز منع ہے وہ یہ کہ ان بزرگوں سے کوئی چیز مانگیں۔ صرف یہ کر سکتے ہیں کہ مانگیں صرف اللہ سے اور کہیں کہ اے اللہ ان بزرگوں کی خاطر میری عرض، میری دعا کو قبول کر۔

(۴) مجھے معلوم نہ تھا کہ رجب میں امام جعفر صادقؒ کی فاتحہ کی جاتی ہے (وہ اچھے آدمی تھے) رجب میں ہم شب معراج مناتے ہیں، امام حسنؓ کربلا سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے، محرم کی پہلی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تھی۔

غرض عام بزرگ ہوں یا خاندانی آباؤ اجداد، ان کی فاتحہ مذکورہ بالا طریقے سے کرنا اچھا ہی طریقہ ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو، سب کو سلام، نواب جانی کو بھی سلام، معلوم نہیں بزمِ ادب کے مکاں کے وقف کے متعلق انہیں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۲)

بسم اللہ

4-Rue de Tournon

Paris - 6 France

۵ رشوال ۱۴۱۰ھ

عزیزہ، خوش رہو!

سلام مسنون! عید مبارک۔ آپ کا خط دو چار دن ہوئے ملا۔ مسرت کا باعث ہوا۔ خط پر آپ کی تاریخ ۱۵ رمارچ ہے اور وہ اپریل کے اواخر میں پہنچا ہے۔

اظہار محبت وادب کے طریقے ہر فرد کے لیے الگ ہوتے ہیں اور خدا صرف نیت کو دیکھتا ہے۔ ایک حدیث میں بے شک ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں گھر سے نکل کر تمہاری محفل میں آؤں تو بیٹھے رہو۔ اٹھو نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق قرآن فرماتا ہے "تیرا کردار بہت اعلیٰ ہے" (انک لعلی خلق عظیم) آپ میں تواضع تھی، اس لیے ہمعصر بادشاہوں کی طرح برتاؤ نہیں کر سکتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہم آپ کے ذکر کے وقت ادب سے کھڑے ہو جائیں تو میری ناچیز دانست میں تو اس میں کوئی حرج شرعی نقطہ نظر سے نہیں۔ میں خود بھی وہی کرتا ہوں چاہے کسی وہابی کو پسند آئے یا نہیں۔ تشہد میں بیٹھنے کی وجہ یہ تھی کہ بوڑھے بیمار بھی نماز کو آتے ہیں۔ شفقت نبویؐ تھی کہ رکعتوں کے ختم ہونے کے وقت سب کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔

(۲) دنیوی،...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو چکے ہیں لیکن حدیث میں ہے: تم مجھ پر درود وسلام پڑھو تو خدا اس کی مجھے اطلاع دیتا ہے اور میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں (مرنے کے بعد)۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ درود وسلام مجھے ہر پیر اور جمعرات کو پہنچائے جاتے ہیں۔

میں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتا ہوں، یا غوث اعظم سے احتراز کرتا ہوں، شفاعت رسولؐ کی خصوصیت ہے۔

مودودی صاحب کے ترجمہ قرآن میں بکثرت مقامات پر نظر آتا ہے کہ ان کو عربی نہیں

Marfat.com

آتی تھی (انٹرمیڈیٹ تک ان کی تعلیم ہوئی کسی دینی درسگاہ میں تعلیم نہیں پائی) مولانا عبدالقدیر مرحوم کو میں مودودی صاحب پر ترجیح دیتا ہوں۔

(۳) آیت الکرسی اور قرآن کے آخری تین سورے پڑھا کیجیے خاص کر سونے سے پہلے، بستر میں۔

وہاں سب کو سلام۔

محمد حمید اللہ

(۳)

باسمہ تعالیٰ

4-Rue de Tournon

Paris - 6 France

۱۰؍رمضان ۱۴۱۲ھ

عزیزہ، خوش رہو!

سلام مسنون! خیر و عافیت کا طالب، کل آپ کا خط ملا۔ مسرت کا باعث ہوا۔ اگر میرا پاکستان آنا ہوا تو پروگرام حکومت کے ہاتھ میں ہے اور مجھے تا حال نہیں معلوم کہ میں کراچی میں اُتر بھی سکوں گا یا نہیں۔ پاریس سے ہوائی جہاز راست اسلام آباد جاتا ہے۔ اللہ مالک ہے۔ اخبار تکبیر میں بہت سی غلط سلط باتیں بھی چھپی ہیں۔ آپ کے سوالوں کے متعلق نمبرا میں نہ سمجھ سکا۔ اناج پر فاتحہ میں پہلی دفعہ آپ سے سن رہا ہوں۔ تفصیل لکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو شاید جواب دے سکوں۔ حیدرآباد میں یہ کبھی نہیں ہوتا تھا۔

نمبر۲- امام مہدی کا آخری زمانۂ عالم میں آنا صحیح حدیثوں میں مروی ہے، لیکن ہندوستان میں ایک فرقہ مہدوی بھی ہے۔ (بہادر یار جنگ مرحوم کا بھی اس سے تعلق تھا) یہ بالکل الگ چیز ہے۔ اس کے بانی اپنے کو مہدی کہتے تھے۔ مگر وہ فرقہ وار بات ہے۔ حدیث کا ان پر اطلاق نہیں ہوتا۔ شاید یہ گزشتہ صدی والی بات ہے۔ سابق میں پہلی صدی ہجری میں بھی خلفاء عباسیہ میں اس کا آغاز ہوا تھا۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ امام مہدی کب آئیں گے کسی کو نہیں معلوم۔ ان کا وزیر ہمارے خاندان سے ہوگا۔ میں نے بھی بچپن میں شاید پانچ چھے سال کی عمر تک

Marfat.com

چچا محمود صاحب سے سنا تو میں نے لپک کر کہا تھا ''وہ میں ہوں گا، وہ میں ہوں گا'' وہ مسکرائے تھے اور تھپکی دی تھی۔

رمضان مبارک، عید مبارک۔

محمد حمید اللہ

(۴)

باسمہٖ تعالیٰ

4-Rue de Tournon

Paris - 6 France

۱۵ / جولائی ۱۹۹۳ء

عزیز از جان واہالی خوش رہو!

سلام مسنون! ابھی ابھی آپ کا ۸ / جولائی کا خط ملا۔ ممنون بھی ہوا اور سخت تاسف بھی کہ آپ کی والدہ محترمہ جنت کو سدھاری ہیں۔ اللہ انہیں جنت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ ان کے لیے ایک ختم قرآن کر رہا ہوں۔

کار لائقہ سے یاد فرمائیں۔

محمد حمید اللہ

Marfat.com

خطوط بنام مولانا محمد طاسین

''محمد طاسین (متوفی ۱۹۹۸۔۱۲۔۲۳)۔ممتاز عالم دین،مصنف،محقق، ماہر تعلیم علوم اسلامیہ، رکن اسلامی نظریاتی کونسل، ناظم مجلس علمی کراچی۔ مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی اور ادارہ تحقیقات اسلامی سے بھی وابستہ رہے۔اسلامی اقتصاد پر کئی کتب کے مصنف۔انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ماہنامہ ''تعمیر افکار'' کراچی نے جون، جولائی، اگست ۲۰۰۶ء کا شمارہ مخصوص کیا۔

(۱)

پیرس۔فرانس

۲؍رجب ۱۳۷۹ھ

مخدومی سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ ملا۔ابھی یقین تو نہیں لیکن رباط وروس میں جانا ہوا تو ضرور مناسب تحقیق کر کے عرض کروں گا۔بہترین صورت تو یہ ہے کہ کوئی نوجوان دین دار،عربی دان، دو چار ہفتوں کے لیے صنعا بھیج دیا جائے، اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو وہاں کی جامع مسجد میں بھی یک کامل نسخہ ہے۔

بروکلمان GAL یعنی فہرست الفہارس الکتب العربیہ پچاس سال کی محنت کے بعد

Marfat.com

جرمنی میں سات جلدوں میں چھپی ہے، اگر جرمنی اور روس میں بھی کوئی نسخہ ہوتا تو پروفیسر بروکلمان سے مخفی نہ رہ سکتا، وہ صرف استنبول کے نسخوں کا ذکر کرتا ہے اور بس۔

تراتیب اداریہ عرصے سے بازار میں ناپید ہے، مؤلف فرانس میں پناہ گزین ہیں (کہ سلطان مراکش کے خلاف حصہ لے کر انہیں معزول کرایا تھا) مگر پتا نہیں کہاں ہیں۔ یوں بھی ان کی جائیداد ضبط ہوگئی ہے۔ ممکن ہے سفرِ رباط کے وقت بازار میں کسی جگہ کوئی نسخہ مل جائے۔ دو جلدیں ہیں، جلد اول کا نام تراتیب اور دوم کا نام نظام الحکومۃ النبویہ ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کا فرانسیسی ترجمہ کر رہا ہوں، بفضل خدا قریب الختم ہے۔ جلد دوم ص ۶۲ پر ایک حدیث لکھی ہے کان فی بنی اسرائیل رجل قتل تسعاوتسعین الفاً ، الحدیث فی الصحیحین عن ابی سعید الخدری کیا جناب کے ذہن میں ہے کہ یہ بخاری یا مسلم کے کس باب میں ہے؟ اس طرح الجنۃ تحت اقدام الامھات کے متعلق تلاش ہے کہ وہ صحیح مسلم کے کس باب میں ہے؟

اگر کسی فرصت میں دو لفظ تحریر فرمائیں تو ممنون ہوں گا۔

مقالات احسانی کا احسان مند ہوں اور پیشگی شکر عرض کرتا ہوں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۲)

استنبول

۱۴ر رمضان ۱۳۷۹ھ روز شنبہ

مخدومی سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مراکش میں دواڑھائی ہفتے گزارنے کے بعد اب اس ہفتے استنبول پہنچا۔ اطلاعاً عرض ہے۔

رباط کا مخطوطہ مصنف عبدالرزاق نظر سے گزرا۔ جلد اول کا یہاں کوئی پتا نہیں۔ مخطوطہ بزوا میں علاوہ بریں دو نقص ہیں۔ غلطیاں بے شمار نظر آئیں اور خط کوفی میں ہے جسے ہم مشرقی لوگ پڑھ نہیں سکتے۔ اس لیے فلم کی درخواست نہ دی۔ لیکن ضرورت ہو تو ڈاک سے اس کی فرمائش ہروقت کی جاسکتی ہے۔

التراتیب الاداریہ کا ایک آخری نسخہ ایک تاجر کے ہاں پایا گیا مگر میرے نکلنے تک وہ برآمد نہ کرسکے اس کی قیمت وہاں ایک دوست کے ہاں چھوڑتا ہوا آیا ہوں کہ آپ کو راست روانہ فرمادیں۔ چاہیں آپ بھی انہیں عربی میں یاددہانی فرمادیں اور مجلس علمی کے حالات سے انہیں اطلاع دیں۔ پتا یہ ہے: پروفیسر ابراہیم کتانی۔ مدیرالخیز انۃ العامۃ والوثائق۔ رباط۔ مراکش

اُمید کہ اور سب خیروعافیت ہوگی۔ عید مبارک

نیازمند

محمد حمیداللہ

(ماہنامہ ''تعمیر افکار'' کراچی (بیاد علامہ محمد طاسین) جون تا اگست ۲۰۰۶ء)

Marfat.com

جامعہ عثمانیہ کے نام ایک مکتوب

بون یونیورسٹی میں 1933ء میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا تحقیقی مقالہ ''اسلام کے بین الاقوامی قانون میں غیر جانب داری'' (Die Neutralitat im Islamischen volkerrecht) کے موضوع پر پیش کیا۔ اس مقالہ پر آپ کو ڈی فل کی ڈگری عطا کی گئی ڈاکٹر صاحب کی غیر معمولی صلاحیت کے پیش نظر ڈاکٹر کرنیکو نے ان کو بون یونیورسٹی میں عربی زبان کا اعزازی لیکچرر بنانے کی سفارش کی۔ بون یورنیوسٹی میں اسی سال اردو زبان کا شعبہ قائم کیا گیا اس شعبہ میں بھی ڈاکٹر صاحب کو اعزازی لیکچرر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بون میں گزارنے کے بعد آپ انگلستان آئے۔ ارادہ تھا کہ وہاں یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی دوسری ڈگری حاصل کریں لیکن وہاں کی یونیورسٹیوں میں یہ شرط تھی کہ انہیں تین برس تک انگلستان میں قیام کرنا پڑے گا۔ وہاں سے آپ نے پیرس کے لیے رخت سفر باندھا 1934ء میں آپ نے پیرس کی مشہور ومعروف سوربون یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے لیے داخلہ لیا۔ ان کے تحقیقی مقالے کا موضوع تھا ''عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری''

Diplomatic (La Musalmane d' l' epoche du Prophete de l' Islam et sees d' l' epoche Caliphs Orthodoxes)

گیارہ مہینے کی قلیل مدت میں انہوں نے اپنا مقالہ مکمل کیا اور 31 جنوری 1935ء کو انہیں ڈی لٹ کی سند نہایت اعزاز کے ساتھ عطا کی گئی ڈاکٹر صاحب نے جہاز اسٹراٹ ہیرڈ سے یکم فروری 1935ء کو جامعہ عثمانیہ کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا:

Marfat.com

جناب والا

میری گزشتہ تعلیمی رپورٹ کی تکمیل کے لیے چند سطریں سپرد تحریر کی جاتی ہیں جیسا کہ آپ کو اس سے قبل اطلاعاً تحریر کیا گیا تھا میرا تقریری امتحان جنوری کے اواخر میں مقرر ہوا چنانچہ 31 جنوری یعنی کل صبح کے ساڑھے نو بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک تین ممتحنوں کی جیوری کے سامنے میں نے جلسہ عام میں شعبہ ادبیات کے کمرہ اجتماع میں تین تقریریں کیں۔ پہلی تقریر جو ایک گھنٹہ سے زائد رہی اپنے مقالہ ''ابتدائی اسلامی سیاسیات کے مستنبطہ نتائج'' کی تائید و توضیح میں کی۔ تینوں ممتحنوں نے باری باری سے میرے مقالے پر تنقید و جرح کی اور سوالات کیے۔ ان کا جواب دینے کے بعد مجھے حسب ذیل دو موضوعوں پر دو تقریریں کرنی پڑیں جن میں ایک گھنٹہ سے زائد لگا:

۱۔ قدیم عربی میلے (اسواق العرب)

۲۔ غیر جانبداری اسلامی قانون بین الممالک میں

ان تقریروں پر بھی جرح و تنقید ہوئی اور مجھے بہت سے سوالات کا جواب دینا پڑا اور اعتراضات کو رد کرنا پڑا۔ اس کے بعد جیوری کمرہ میں چلی گئی اور دس منٹ کی خفیہ بحث و تمحیص کے بعد جلسہ گاہ میں آئی اور صدر جمہوریہ پروفیسر خوشے نے مجھ سے مخاطب ہو کر اعلان کیا کہ جامعہ پاریس نے مجھے Doctor.es.Lettres کی ڈگری عطا کی ہے اور یہ کہ میں نے یہ امتحان نہایت اعزاز (Tries honorable) سے کامیاب کیا ہے۔ جیوری نے پر جوش الفاظ میں میرے مقالہ کی جلسہ عام میں تعریف کی اور مجھے مبارک باد دی۔ جیوری میں پروفیسر ماسینون اور پروفیسر دمامبین تھے۔ کل دوپہر کو امتحان ختم کیا اور میں نے جناب کو نتیجہ کی تار کے ذریعہ اطلاع دی اور سہ پہر ہی کو حیدر آباد کے قصد سے وہاں سے چل پڑا چنانچہ آج یہ سطریں جہاز پر تحریر کر رہا ہوں۔

اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے ایک اور امر کی جانب جناب کو اطلاع دینی ہے:

جامعہ پاریس کے مدرسہ اسلامیات (Institut des Etudes Islamiques) کی آج کل نئی تنظیم ہو رہی ہے اور اس کے نائب صدر پروفیسر دمامبین (Prof.Demombynes) نے سرکاری طور سے ایک ملاقات میں مجھ سے بیان کیا کہ وہ تبادلہ اساتذہ کے انتظام کرنے والے ہیں اور کہا کہ انتظامات کی تکمیل کے بعد اطلاع دیں گے اور یہ کہ انہیں بڑی خوشی ہو گی اگر میں وہاں کچھ عرصے میں پھر آ سکوں اور کسی تعلیمی میقات میں تین ماہ تک

کسی موضوع پر طلبہ کے سامنے لکچر دوں۔ میں نے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا اور اس کی اطلاع جامعہ عثمانیہ کو دینے کا وعدہ کیا۔

(جامعہ پاریس بھی اپنے کسی استاد کو چند ماہ کے لیے جامعہ عثمانیہ بھیجنے کے لیے آمادہ ہے) جناب والا اب جب کہ میرا تعلیمی سفر ختم ہو رہا ہے نامناسب نہ ہوگا اگر میں اپنی مادر علمی جامعہ عثمانیہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنے کی اجازت چاہوں۔ اسی کی امداد سے میں حجاز، لبنان، شام، فلسطین، مصر اور ترکی کے کتب خانوں میں اپنے مقالوں کے لیے مواد جمع کر سکا۔ اسی کی امداد سے جرمنی میں آٹھ ماہ قیام کے بعد درجہ اول میں ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کر سکا اسی کی امداد سے جرمنی، ہالینڈ، انگلینڈ، اٹلی اور فرانس کے کتب خانوں میں مزید تحقیقی کام انجام دے سکا اور اسی کی امداد سے ڈاکٹری کی ڈگری نہایت اعزاز سے حاصل کر سکا اور اپنا مقالہ شائع کر سکا۔

مجھے اطمینان ہے کہ یورپ کی جامعات میں میری حقیر نمائندگی جامعہ عثمانیہ کی تعلیم کے متعلق اچھا تاثر پیدا کرنے میں بہت کچھ کامیاب رہی ہے اور اگر میری یادداشت غلطی نہیں کرتی تو میں نے جامعہ بون جرمنی کے صدر کلیہ شرقیات کی ایک تقریر کا اس سے قبل اقتباس بھیجا ہے جس میں انہوں نے ڈاکٹر سر اکبر حیدری کے خطبہ تقسیم اسناد کو پڑھ کر جامعہ عثمانیہ کے اصول تعلیم اور نتائج تعلیم کے متعلق اپنے کامل اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ میں جامعہ عثمانیہ کا میری اس امداد پر مکرر شکریہ ادا کرتے ہوئے اس تحریر کو ختم کرتا ہوں

محمد حمید اللہ

ریسرچ اسکالر شعبہ دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کن (13)

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ پروفیسر عبدالرحمٰن مومن۔ فرید بک ڈپو پرائیوٹ لمیٹڈ دہلی ۲۰۰۶ء)

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے چند مکتوبات

از جناب عبیداللہ ایم۔اے

''ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے خاندان کی ایک شاخ حیدرآباد میں اور دوسری مدراس میں آباد ہے بعد میں لوگ پاکستان وغیرہ میں بھی آباد ہوئے ہوں گے۔ جناب عبیداللہ صاحب کا تعلق مدراس کے خانوادے سے ہے وہ رشتے میں ڈاکٹر صاحب کے بھتیجے اور کتب خانہ باغ دیوان صاحب اور مدرسہ محمدی چنئی کے مہتمم ہیں۔ یہ کتب خانہ بیش قیمت نوادر اور مخطوطات پر مشتمل ہے راقم کو دوبار مدراس جانے کا اور کتب خانہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ عبیداللہ صاحب نے ہر بار کمال شفقت سے کتب خانے کے نوادر دکھائے اور بڑی تواضع سے پیش آئے۔ وہ جس قدر توجہ اور دل چسپی سے اس خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں یہ ان کا قابل ستائش کارنامہ ہے۔

جناب عبیداللہ صاحب ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے ان کی زندگی میں افادہ عام کے لیے ان کی کتابیں اور مضامین ٹمل زبان میں شائع کرتے رہے ہیں ان کے پاس ڈاکٹر صاحب کے خطوط کا بھی بڑا ذخیرہ ہوگا جن میں سے چند مکاتیب ''معارف'' میں اشاعت کے لیے ہم کو بھیجے ہیں۔ اس سے ان کے بلند علمی ذوق کا پتا چلتا ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے مکاتیب کی اشاعت کے لیے مناسب جگہ اور ڈاکٹر صاحب کے سب

Marfat.com

سے محبوب رسالے کا انتخاب کیا جس کے لیے راقم ان کا بے حد ممنون ہے۔
یہ مکاتیب علمی، دینی اور فقہی معلومات کا خزانہ ہیں لیکن چوں کہ استفسارات کے جواب میں لکھے گئے ہیں اس لیے لائق مرتب نے ڈاکٹر صاحب کے جواب کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہر خط سے پہلے اپنے خط کے سوالات و مندرجات کا خلاصہ دے دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ہر خط بسم اللہ سے شروع ہوا ہے اور عموماً عربی اور کہیں انگریزی تاریخیں لکھی ہوئی ہیں مکتوب الیہ مکتوب نگار کے خاندانی عزیز ہیں اس لیے خطوط کی ابتدا و آخر میں خاندان کے اعزہ کی خیریت طلبی کا ذکر آ گیا ہے ان سب کو تبرکاً باقی رہنے دیا گیا ہے۔''(ض)

راقم نے اپنے مکتوب میں ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی تھی کہ مکہ معظمہ میں قاضی سید شاہ محمد جو اس خاندانی سلسلہ کے 17 دیں قاضی تھے انتقال کر گئے اور اب قاضی محمد عزیز الدین نے قضاءت کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں اور حکومت ٹملناڈ نے بھی ان کو سرکاری قاضی مقرر کر دیا ہے۔

اس اطلاع کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی دریافت کیا تھا:

۱۔ رویت ہلال کے مسئلے کا حل کیا ہے؟

۲۔ کیا موذن کے بہ جائے ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی اذان دی جا سکتی ہے؟

۳۔ عورت کا دودھ محفوظ کر کے بازاروں میں فروخت ہوتا ہے کیا نوزائیدہ بچوں کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا:

(۱)

بسم اللہ

پاریس ۱۷ ذی حجہ ۱۴۰۲ھ

عزیزی سلمک اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔ آج شام آپ کا خط ملا شکریہ افسوس ہوا کہ شاہ محمد صاحب کا حج کے مبارک زمانے میں انتقال ہو گیا اللہ جنت الفردوس میں جگہ دے۔

اہل خاندان کو چاہیے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے پر توجہ کریں ایک کے بعد ایک پرانے پڑھے لکھے لوگ ختم ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والے نوجوان بالکل غیر موجود ہیں اللہ رحم فرمائے۔

آپ کے سوالوں کے متعلق میری حقیر رائے یہ ہے۔

۱۔ بقر عید کے لیے جلدی نہیں ہوتی لیکن رمضان کے لیے انتظار ناممکن ہے۔ میری دانست میں ٹیلی فون قابل اعتماد ہے لیکن اس کا اطمینان حاصل کرنا ہوگا کہ کون بول رہا ہے اور وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ ورنہ خوف ہے کہ نامعلوم شریر لوگ ٹیلی فون پر من مانی باتیں کر کے قاضی کو دھوکا دیں۔ ایک حل ممکن ہے مگر اس کو وقت لگے گا وہ یہ ہے کہ صوبہ تامل ناڈ کے ہر بڑے شہر کی بڑی مسجد کو ایک تنظیم میں داخل کیا جائے اور رویت کے شاہد قریب ترین شہر کی بڑی مسجد کے امام کے سامنے شہادت دیں اور وہ امام قاضی مدراس کو ٹیلی فون کرے۔

۲۔ اذان کو انسان دے سکتا ہے مجھے ٹیپ ریکارڈ یا گراما فون رکارڈ پسند نہیں کہ اس کی ضرورت نہیں۔ انسانی آواز بہتر ہے اور اذان کوئی مشکل چیز نہیں ان پڑھ بھی اذان دے سکتا ہے اور چودہ سو برس سے دیتا رہا ہے۔ یہ اسلام کے دین فطرت ہونے کی مجھے توہین معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ عورت کا دودھ محفوظ کر کے نوزائیدہ بچوں کو دینا یہ سوال چالیس پچاس برس پہلے حیدر آباد میں اٹھا تھا اور مولانا مناظر احسن صاحب مرحوم نے فتوی اخباروں میں شائع کیا تھا کہ وہ جائز ہے اور یہ کہ اس سے بچہ محرم نہیں بنتا کیوں کہ رضائی ماں (دودھ دینے والی عورت) غیر معروف ہوتی ہے اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے بعد اب ہم کو کیسے اختلاف ہو سکتا ہے؟

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں

عزیز محترم مولانا عزیز الدین صاحب[1]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ ملا کہہ نہیں سکتا کہ کتنی مسرت ہوئی خدا آپ کو تا دیر سلامت رکھے اور روز افزوں دینی خدمت کا موقع عطا فرمائے۔

طالب دعا

م۔ح۔ا

Marfat.com

مفتی محمود (المتوفی ۱۳۴۵ھ) بن قاضی بدرالدولہ کو علم ہیئت سے بھی خاص دل چسپی تھی انہوں نے اس فن میں اتنا کمال پیدا کیا تھا کہ اوقات معلوم کرنے کے لیے کئی دھوپ گھڑیاں ایجاد کیں اور انہیں مختلف مساجد میں آویزاں کیا۔ بہ قول پروفیسر مولانا محمد یوسف کوکن خانہ کعبہ کے احاطہ میں بھی ان کی لگائی ہوئی دھوپ گھڑی موجود تھی مفتی محمود کا زندہ جاوید کارنامہ شہر چنئی کے مروجہ اوقات الصلوٰۃ ہے۔

مفتی محمود شاہ پیر ابو احمد بھوپالی کے خلفا و مسترشدین میں تھے راقم نے اسی سلسلے میں ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا تھا کہ چارٹ اور رصدگاہ کے اوقات (طلوع آفتاب اور غروب آفتاب) میں چند منٹ فرق پایا جاتا ہے انہوں نے جواب میں تحریر فرمایا:

(۲)

بسم اللہ

پاریس ۹ ربیع الانور ۱۴۰۴ھ

عزیزی سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔ دو دن ہوئے آپ کا خط ملا خیریت و عافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی۔

طلوع و غروب کے اوقات میں فرق ہوتا رہتا ہے ہر سال ایک آدھ منٹ کا فرق ہو کر پانچ چھ سال بعد مکرر پرانا وقت آ جاتا ہے اور طویل عرصہ مثلاً پچاس سال کا ہو تو بھی خفیف فرق ہو سکتا ہے۔

مگر صرف یہی نہیں پاریس میں طلوع سے مراد سورج کے اوپر کی نوک نہیں بلکہ سورج کا وسط لیا جاتا ہے (جس سے دو منٹ کا فرق ہو جاتا ہے) اور غروب سے اوپر کی نوک بھی غائب ہونا نہیں بلکہ سورج کا مرکز لیا جاتا ہے شرعی نقطہ نظر سے یہ غلط ہے معلوم نہیں مدراس کی رصدگاہ کا کیا اصول ہے؟

چوں کہ باغ دیوان صاحب کے وقت نامے میں طلوع ۶/۲۰ اور رصدگاہ میں ۶/۱۷ ہے اس لیے احتیاطاً ۶/۱۷ کا اختیار کرنا ضروری ہے (۶/۲۰ پر فجر کی نماز قضا ہو جائے گی) اسی طرح آپ کا غروب ۵/۳۸ اور رصدگاہ کا ۵/۴۱ ہے اس لیے افطار احتیاطاً ۵/۴۱ پر کرنی مناسب ہے رمضان کے بعد بھی لوگ روزہ رکھتے ہیں ان کا روزہ خراب نہیں کرنا چاہیے۔

Marfat.com

یوں بھی مدراس کا وقت من وعن سارے صوبے میں کام نہیں دے گا فرانس کے لیے ہم نے فرانس کے ۱۳۰ شہروں کے الگ الگ وقت نامے تیار کیے ہیں جن میں چند چند منٹ کا فرق ہے۔ والدہ صاحبہ کو سلام سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

م۔ح ا

میں نے اپنے مکتوب میں قرآن مجید کے ترجموں کی تفصیل اور ان کی زیراکس کاپیاں طلب کی تھیں اور بہائی فرقہ اور انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے متعلق دریافت کیا تھا کہ کیا ایک آدمی کے اعضاء دوسرے آدمی کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں؟ اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کا حسب ذیل گرامی نامہ موصول ہوا ملاحظہ فرمائیے:

(۳)

بسم اللہ

پاریس ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۴۰۴ھ

عزیزی سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل ومطلوب۔

قاضی عزیز الدین صاحب کا خط ملا دلی شکریہ۔ اللہ ان کو تادیر صحت وعافیت سے رکھے خدا ایوب صاحب کو بھی جزائے خیر دے۔

عمر جان کے کتب خانے میں کتابیں کیا فروخت کے لیے ہیں یا ان کا ذاتی ذخیرہ ہے؟ مجھے مالدیپی ترجمہ قرآن مجید کا بالکل علم نہیں اگر خرید سکتے ہیں تو ضرور ایک نسخہ مجھے روانہ فرمائیں اور مصارف سے اطلاع دیں تو بھجواتا ہوں۔ دیگر زبانوں کے مولف (مترجم) کا نام معلوم ہوسکتا ہے تو اطلاع دینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

ایک نیا ترجمہ میتھلی زبان کا (قلمی) ملا ہے غالباً اڑیہ زبان کا آپ کو بھیج چکا ہوں۔ کیا زولو بھی آپ کے پاس ہے؟ انگلستان کے ویلز کی زبان کے ترجمے کی فراہمی کے لیے کوشش کررہا ہوں۔ بہتر یہ ہوگا کسی دن آپ اپنے پاس کے ترجموں کی فہرست مجھے لکھ بھیجیں پھر معلوم کرنا آسان ہوگا کہ آپ کے پاس کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

Marfat.com

ایک آدمی کے اعضاء کا دوسرے کے لیے استعمال کرنا نئی چیز ہے قرآن وحدیث اور قدیم کتب فقہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اب اجتہاد کرنا پڑے گا اور اس میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ اعضاء کی قطع و برید سے (جسے مثلہ کہتے ہیں) حدیث میں منع کیا گیا ہے لیکن یہ دشمن کے مردے کی توہین سے متعلق ہے **خَیْرُ النَّاسِ مَن یَنفَعُ النَّاس** ایک حدیث ہے اس کی اساس پر میں ڈرتے ڈرتے کہہ سکتا ہوں کہ ایسی وصیت جائز ہے واللہ اعلم۔

بہائی فرقے والے خود ہی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں۔ وہ دیگر انبیاء وغیرہ کی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایک نبی مانتے ہیں لیکن آخری نبی نہیں اور عمل بھی اپنے بانی بہاء الدین کی باتوں پر کرتے ہیں نہ کہ قرآن وحدیث پر۔ ان حالات میں ان کو مسلمان نہیں قرار دیا جا سکتا واللہ اعلم۔

سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

م۔ح ا

میں نے تفویض الطلاق کے متعلق ان کی رائے معلوم کرنی چاہی تھی اور خاندانی کتب خانے کے قدیم مخطوطات کی تفصیل قلم بند کی تھی۔ اس کے جواب میں یہ خط موصول ہوا۔

(۴)

بسم اللہ

جمعہ یکم رمضان ۱۴۰۴ھ

یکم جون ۱۹۸۴ء

عزیزی سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔ آپ کا خط ملا ممنون ہوا خیریت و عافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی باہر کے لوگوں کو فوٹو دینے سے آپ کو ثواب ملے گا فرانس میں قلمی کتابوں کی فوٹو کاپی نہیں دیتے فلم پر فوٹو لے کر چھاپتے ہیں۔ فوٹو کاپی سے کہتے ہیں کہ قلمی کتاب خراب ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔

Marfat.com

غالباً مالدیپ کی زبان کا ترجمہ قرآن ابھی دست یاب نہیں ہوا ممکن ہو تو اس کے سورہ فاتحہ کی فوٹو کاپی ہی لے لی جا سکتی ہے اور ٹائٹل کی بھی تا کہ مولف کے نام و مقام و زبان کا علم ہو سکے واللہ المستعان۔

کیا وہاں المعجم الکبیر للطبرانی موجود ہے؟ آپ نے ناصر الدین محمد صاحب مرحوم کے ہاں کی ''فہرست معجم الطبرانی'' کا ذکر کیا ہے۔

طلاق تفویضی (تفویض الطلاق) کے معنے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو خود طلاق براہ راست دینے کی جگہ طلاق دینے کا کام کسی اور کے تفویض (سپرد) کرتا ہے حتی کہ خود اپنی بیوی کو کہ وہ جب چاہے اپنے کو طلاق دے کر نکاح اور زوجیت کو ختم کر دے۔

یہ چیز عرب میں قبل اسلام سے موجود تھی اور اسلام نے اسے برقرار رکھا چنانچہ مورخ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم نے مدینہ منورہ کی ایک عورت سے نکاح کیا تو بیوی نے اسی شرط پر نکاح قبول کیا کہ اسے طلاق کا حق رہے گا پھر اس نکاح سے عبدالمطلب (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دادا) کی ولادت ہوئی۔

یہ سارے اسلامی مذاہب میں ہے، مثلاً احمد جنگ (حیدر آباد) کی شافعی فقہ کی اردو کتاب میں، المبسوط میں صفحہ ۴۹۱ پر بھی اس کا ذکر ہے، تفویض طلاق عقد نکاح کے وقت بھی ہو سکتی ہے نکاح کے بعد میاں اور بیوی کے باہمی رضامندی سے، طلاق کا حق ہے تو صرف شوہر کو اور وہ شوہر ہی کسی کو اپنے اختیار سے سپرد کرتا ہے۔

آپ نے ذخیرۂ محمد غوث مرحوم میں الفصل العمیم فی اخطاع بنی تمیم کا ذکر کیا ہے کیا یہ سیوطی کی کتاب ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی فرصت میں اس میں جو پروانہ ہائے جاگیر ہیں ان کی نقل مجھے بھیج سکتے ہیں؟ غالباً وہاں میری الوثایق السیاسیہ ہو گی، اس کے نمبر ۴۳-۴۴-۴۵-۴۶ پر ان کا ذکر ہے، ممکن ہے الفصل العمیم میں بھی ان کا ہی ذکر ہو، زحمت دہی پر معافی چاہتا ہوں۔

تامل کتاب ''تعارف اسلام'' غالباً بکتی نہیں ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو، سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

م-ح ا

(۵)

بسم اللہ

۱۹ رمضان ۱۴۰۴ھ (منگل)

عزیزی، سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب، خدا آپ کو جزائے خیر اور حسنات دارین عطا فرمائے، الفصل العمیم کی فوٹو کاپیاں پہنچ گئیں۔ آپ کو بڑی زحمت ہوئی، ممنون ہوں۔ میں نے مصر کو لکھا ہے کہ تحقیق کریں کہ آیا یہ سیوطی کا رسالہ ہے جس کا ایک نسخہ وہاں ہے۔

انگلستان کی Welsh (ویلز کی) زبان کا ترجمہ سورۃ فاتحہ حاصل ہوا ہے چوں کہ مختصر ہے اسے نقل کرا دیتا ہوں وہاں ٹائپ کرا لیجیے اور اپنی فہرست میں بڑھا لیجیے:

Welsh (Language of Wales, England) translation of the sura al-Fatihah:

Yn Enw Yr Hall Drugarog Dduw.

1. Bendith i Dduw, Arglwydd y bydedd
2. Yr Hall Drugarog Dduw.
3. Perchennog Dydd y Farn.
4. Fe addolwn di ac ofyunwy an Dy gymaroth.
5. Llwia ni ary llwylor iawn.
6. Y llwybr yr rhai yr wyt ti wedi eu benedithio.
7. Nid llybr yrhai sydd wedi tramgwyddo. nallwybr defaid colledig.

(5th June 1984, Secratary to the Lord Mayor of Cardiff)

خدا کرے وہاں اور سب خیر و عافیت ہو، سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

عید مبارک ہو۔

م۔ح ا

میں نے عرض کیا تھا کہ رویت ہلال کا اعلان کون کر سکتا ہے یعنی کس کو اعلان کرنے کا حق ہے؟ کیا ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے پر رویت اعلان کیا جا سکتا ہے، جواباً تحریر فرمایا:

Marfat.com

(۶)

بسم اللہ

۲۸/ذی حجہ ۱۴۰۵ھ

عزیزی خوش رہو۔

سلام خیریت حاصل و مطلوب، کل آپ کا مرسلہ خط ملا، ممنون ہوا، اللہ جزائے خیر دے۔ عبادتوں میں اصل اہمیت خشوع وخضوع اور اطاعت الٰہی کی رغبت کو ہے دن اور وقت کو نہیں، عہد صحابہ میں ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ دارالخلافت دمشق میں رمضان ایک دن شروع ہوا اور مدینہ منورہ میں دوسرے دن اور حضرت ابن عباسؓ نے سن کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ ہر مقام اپنی رویت پر عمل کرے۔

رویت اور یوم عید کے اعلان کا حق اسلامی حکمران کو ہوتا ہے اور جس ملک میں اسلامی حکمراں نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کا دینی معاملات کے لیے جو صدر ہو، اسے یہ حق ہوتا ہے اور سب مقامی مسلمانوں کو اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے تا کہ امت کا اتحاد ظاہر ہو، اس میں انتشار نہ ہو۔

ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کا اثر زمین پر رہنے والوں پر قطعی نہیں ہوتا، آپ کی آنکھوں کے سامنے مطلع صاف ہو اور آفتاب ڈوب جائے اور پھر آپ ہوائی جہاز پر فوراً اڑیں تو سورج نظر آئے گا، جتنا اوپر اڑیں اتنی ہی دیر تک اور اڑنے میں آپ مغرب کی طرف جائیں تو سورج کبھی بھی غروب نہ ہوگا (اگر آپ کے ہوئی جہاز کی رفتار اتنی ہی ہو جتنی زمین کی گردش کی رفتار ہے اگر زمین کی گردش کی رفتار سے بھی ہوائی جہاز کی رفتار تیز تر ہو تو ڈوبا ہوا آفتاب تھوڑی دیر میں مغرب سے طلوع ہوگا اور سویرے نکلا ہوا آفتاب مشرق میں غروب ہو جائے گا) اس کے متعلق بھی حدیث میں صراحت ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کو ڈوبتا ہوا پا کر افطار کا حکم دیا، پاس ہی ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک صحابی نے چلا کر کہا: ابھی آفتاب موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے آفتاب ڈوب گیا، اس کے لیے ابھی نہیں ڈوبا۔

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو، سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

م-ح ا

Marfat.com

(۷)

بسم اللہ

۲۶/شعبان ۱۴۰۶ھ

Centre Culturel Islamique

4.Ruede Tournon,

Paris 6/France.

عزیزی سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل ومطلوب۔

میں نے مدراس میں بائبل کا ایک فارسی ترجمہ دیکھا تھا، یاد نہیں یہ شرف الملک مرحوم کا تھا یا ان کے والد کا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ کو کچھ تفصیل دے سکیں یہ صرف انجیل ہے یا توریت بھی، کتنے صفحے ہیں، کب لکھی گئی ہے؟

دلی شکریہ، رمضان مبارک ہے۔ محمد حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

محمد حمید اللہ بن ابو محمد خلیل اللہ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) بن قاضی محمد صبغۃ اللہ بدر الدولہ (المتوفی ۱۲۸۰ھ) بن محمد غوث شرف الملک (المتوفی ۱۲۳۸ھ) بن ناصر الدین محمد (المتوفی ۱۲۰۶ھ) بن قاضی نظام الدین احمد صغیر (المتوفی ۱۱۸۹ھ) بن قاضی عبداللہ شہید (شہادت ۱۱۴۵ھ) بن قاضی نظام الدین احمد کبیر (المتوفی ۱۱۰۸ھ) بن قاضی حسین لطف اللہ بن قاضی رضی الدین مرتضی بن قاضی محمود کبیر (المتوفی ۹۹۵ھ) بن قاضی احمد بن فقیہ ابو محمد بن فقیہ محمد اسماعیل بن فقیہ مخدوم اسحاق بن فقیہ عطاء احمد شافعی۔

توریت، زبور اور انجیل کا ترجمہ قاضی نظام الدین احمد صغیر نے کیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے اپنے مکتوب میں ترجمہ کے متعلق تفصیل طلب کی تھی، جو دی گئی، جواب میں ذیل کا مکتوب حاصل ہوا۔

جنوبی ہند اور خاص کر سابق صدر صوبہ مدراس میں انگریزوں کے تسلط کی بناء پر عیسائیت کا بڑا چرچا ہونے لگا، عیسائی مبلغین کی روز بہ روز بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر قاضی نظام الدین احمد صغیر نے محسوس کیا کہ عربی توراۃ، زبور اور انجیل کا کم از کم فارسی میں ترجمہ کیا جائے

Marfat.com

تاکہ اس دین کی حقیقت سے عام مسلمان براہِ راست واقفیت حاصل کر کے یہودیوں اور عیسائیوں کی تردید کر سکیں، چنانچہ قاضی نظام الدین احمد صغیر نے ۱۱۵۲ھ میں عربی زبور کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام سرور الصدور بہ ترجمہ معرب الزبور رکھا اور اس کے بعد انہوں نے انجیل کا ترجمہ فیض الجلیل فی ترجمۃ معرب الانجیل رکھا۔

(۸)

بسم اللہ

۱۶/ رمضان ۱۴۰۶ھ

عزیزی خوش رہو

سلام خیریت حاصل و مطلوب، آپ کا خط ملا، آپ نے بڑی زحمت اٹھائی ہے، اللہ جزائے خیر دے، حیرت ہوئی کہ ہمارے اجداد نے بائبل کا اتنا گہرا مطالعہ کیا، کیمبرج کے ایک پادری نے لکھا ہے کہ ہمارے خاندان کے ان ترجموں کے تین اور ہم عصر فارسی ترجمے بائبل کے وہاں موجود ہیں، اللہ ان بزرگوں کو اعلائے علیین میں جگہ دے اور ہم کو ان باتوں کی توفیق عطا فرمائے جن میں اس کی رضامندی ہو۔

الحمدللہ اب شہر پیرس میں تقریباً اسی ہزار یورپی نومسلم ہو گئے ہیں، ہر روز آٹھ دس نئے بھی مسلمان ہوتے رہتے ہیں، دیگر شہروں میں اور یورپ کے دیگر ملکوں میں اس کے علاوہ ہیں۔

خدا کرے وہاں سب خیریت و عافیت ہو۔ م۔ح۔ا

قاضی محمد عزیز الدین کے انتقال کے بعد ان کے فرزند قاضی صلاح الدین محمد ایوب نے قضاءت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ وہ اس سلسلہ کے ۱۹ ویں قاضی ہیں اور جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل ہیں، حکومت ٹملناڈ نے بھی ان کا تقرر کیا، شہر چنئی کے موجود قاضی یہی ہیں میرے مکتوب میں ڈاکٹر صاحب کو اس تقرر کی اطلاع دی گئی تھی اور بہائی مذہب کے ایک مبلغ رشاد خلیفہ کی اسلام دشمنی کی تفصیل بھی دی گئی تھی، مولوی عبدالوہاب کی جنہوں نے ٹمل میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا، ان کی سوانح عمری بھیجی گئی تھی اور خطبات بہاول پور کے انگریزی ترجمے کی فرمائش کی گئی تھی اور اسلاف خاندان کے متعلق بھی لکھا گیا تھا، ان تمام امور کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ ذیل گرامی نامہ تحریر فرمایا، ملاحظہ ہو:

Marfat.com

(۹)

بسم اللہ

۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ

عزیزی خوش رہو۔

سلام خیرت حاصل ومطلوب، ابھی ابھی آپ کا خط آیا زحمت فرمائی پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے، براہ کرم تامل قرآن مجید کا ہدیہ اور مصارف ڈاک سے اطلاع دیجیے، ممنون ہوں گا۔

ایوب صاحب کے تقرر پر مسرت ہوئی، اللہ ان کو روز افزوں توفیق حسنہ عطا فرماتا رہے، آمین۔

رشاد خلیفہ بہائی مذہب کے ہیں ان کے نظریات جھوٹ پوٹ بھی ہیں، بعض الفاظ کو کہتے ہیں کہ ۱۹ دفعہ آئے ہیں اور وہ غلط ہے قرآن میں لفظ انیس کو کوئی اہمیت نہیں، دوزخ کے نگران فرشتے ۱۹ ہیں اور بس بہائی مذہب کے بانی بہاء اللہ کی ولادت ۱۹/ تاریخ کو ہوئی، اسی کے لیے یہ گورکھ دھندا ہے۔

میں ۸۱ سال کا بوڑھا ہو کر حافظہ کمزور ہو گیا ہے، عبدالوہاب صاحب کی تاریخ پیدائش آپ نے ساتھ میں لکھی تھی تو اس خط کا پہنچنا یاد نہیں رہا معاف فرمادیں۔

جشن میلاد شریف پر میں نے تو انگریزی میں کچھ نہیں لکھا، کسی اور نے خود ہی انگریزی ترجمہ کیا اور چھاپا ہے تو مجھے علم نہیں۔

خطبات بہاول پور کا مصحح نیا ایڈیشن اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد نے چند ماہ ہوئے چھاپا ہے، مجھے تو نہ طاقت ہے اور نہ فرصت کہ اس کا خود انگریزی ترجمہ کروں، آپ چاہیں تو یونیورسٹی کے وائس چانسلر یا Rector کو توجہ دلایے، شاید اللہ انتظام فرمائے اس کا تعلق اب بہاولپور یونیورسٹی سے نہیں ہے۔

اسلاف خاندان کے حالات افسوس ہے کہ مجھے معلوم نہیں اور نہ یہاں اس کا مواد مل سکتا ہے۔ خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو، ایوب صاحب کو بھی سلام اور مبارک باد، معاید جی صاحب (؟) کو مرسلہ ترجمہ کے مصارف کا انتظار رہے گا۔

م۔ ح ا

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کا مضمون ''جشن میلاد'' اردو، انگریزی اور ٹمل میں طبع کرا کے تقسیم کیا تھا، ذیل کے مکتوب میں ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون میں ایک نیا پیراگراف کا اضافہ کرنے کے لیے تحریر فرمایا ہے۔

(۱۰)

بسم اللہ

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

عزیزی سلمک اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب، عید میلاد مبارک۔

غالباً آپ کا رسالہ اردو انگریزی اور ٹمل میں جشن میلاد کے متعلق چھپ کر تقسیم ہو گیا ہو گا۔ اب ایک نئی چیز ذہن میں آئی ہے ممکن ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں رسالے میں کسی جگہ نیا پیراگراف کر کے بڑھا دیا جا سکتا ہے اردو اور انگریزی دونوں میں یہاں درج کرتا ہوں۔

''اور تو اور پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جشن میلاد منانے پر اللہ تعالیٰ نہ صرف مومنوں بلکہ کافروں پر بھی کچھ نہ کچھ نوازش فرماتا ہے ابولہب کی شیطنت سے کون واقف نہیں؟ خود اس کے متعلق صحیح بخاری میں یہ حدیث مروی ہے کہ ''ایک پیر کے دن ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دوڑتے ہوئے آکر ابولہب کو اطلاع دی کہ اس کے بھائی عبداللہ کے گھر میں محمدؐ نامی ایک بیٹا پیدا ہوا ہے فرط مسرت سے ابولہب نے اپنی انگلی سے اسے اشارہ کیا کہ جا، اب تو آزاد ہے، اب دوزخ میں ہر ہفتہ پیر کے دن ابولہب کی اس انگلی سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی نکلنے لگتا ہے جس کو وہ چوس کر متمتع ہوا کرتا ہے''۔

Celebration of the Birth of his beloved Prophet, not only the believers but even the miscreants. Who does not know the name of the devilish abu Lahab? There is a Hadith reported in the Sahih of Imam Bukhari to the following effect. On a certain Monday, Thuwaibah, slave girl of Abu Lahab came running him and informed him that in the house of his brother Abdullah, a boy, with the name Muhammad, is just born. Abu Lahab was thrilled with joy and beckoned with his finger to tell her: Go, you are emancipated from slavery. Now

Marfat.com

in the hell, every week on Monday, cold and sweet water flows from the same finger of Abu Lahab, and he assuages it with joy.

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو، یہاں اب سردی اور بارش کا موسم ہے۔

م ۔ ح ا

(11)

بسم اللہ

۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ

عزیزی سلمکم اللہ

سلام خیریت حاصل ومطلوب۔

آپ کو میرا خط ملا ہوگا جو مدرسہ محمدی کے کاغذات کی رسید کے متعلق تھا، آج آپ کو جلدی میں ایک زحمت دیتا ہوں۔

یہاں ایک حادثہ پیش آیا اور میرا قرآن مجید کے ترجموں کا بستہ غائب ہوگیا ہے غالباً کسی نے چرالیا ہے، آپ کے پاس سورۃ فاتحہ کن کن زبانوں میں ہے، اس کی ایک فہرست مجھے جلد روانہ فرماسکیں تو ممنون ہوں گا، مطبوعہ نسخوں سے یہاں بہت سی زبانوں کا سورہ فاتحہ جمع کرسکتا ہوں لیکن بعض غیر مطبوعہ ہیں۔ مثلاً Welsh, Islandish, Irish وغیرہ۔ آپ کی فہرست آئے تو معلوم ہو سکے گا کہ کس حد تلافی ممکن ہے اللہ کی مرضی۔

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو، سب کو سلام۔

ترکی دوست جواب کم دیتے ہیں، آپ کی دریافت کردہ چیزوں کے متعلق افسوس ہے کہ اب تک آپ کو مدد نہ دے سکا۔

م ۔ ح ا

راقم نے ڈاکٹر صاحب سے ان کی سوانح عمری لکھنے کی فرمائش کی تھی اور مشہور سرجن موریس بوکائی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے چاہے تھے جس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

Marfat.com

(۱۲)

بسم اللہ

۸/ جمادی الآخر ۱۴۰۹

عزیزی خوش رہو

سلام مسنون، خیر و عافیت کا طالب، آپ کا خط چند دن ہوئے ملا، مضمون کی وصولی کی اطلاع سے اطمینان ہوا خدا کرے وہ پسند آیا ہو، کوئی تبدیلی وغیرہ مطلوب ہو تو لکھیے ان شاء اللہ حسبہ کروں گا۔

مجھے اپنی سوانح عمری پسند نہیں، قدرت سے تنبیہ ہوئی ہے کوئی ستر پچھتر سال قبل بچپن میں ایک مرتبہ میں نے اپنی سوانح عمری لکھی تھی۔ بلا اطلاع بڑے بھائی حبیب اللہ صاحب نے ایک مرتبہ میری غیر موجودگی میں اسے پڑھا اور تعریف بھی کی کہ بہت دل چسپ ہے، پھر جلدی ہی اسے دیمک لگ گئی، آس پاس کے دیگر کاغذات اور کتابوں کو کچھ نہ ہوا صرف سوانح عمری کو دیمک چاٹ گئی اب سوانح عمری سے نفرت ہوگئی ہے۔

میری مطبوعہ تالیفوں کی مکمل فہرست بھی نامناسب معلوم ہوتی ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو۔

موریس بوکائی Maurice Bucaille ملک فیصل کے سرجن تھے۔ اکثر ریاض جاتے تھے اسی سے عربی زبان سے دلچسپی ہوئی، وہ غالباً جدہ، ریاض یا مکہ معظمہ میں مسلمان ہوئے، تاریخ مجھے معلوم نہیں، دس پندرہ سال ہوئے ہوں گے ان کے اسلام لانے سے قبل ہی میری ان میں ملاقات رہی ہے آپ کے دوست امینی تامل کتاب ان کو بھیج کر خط سے ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ وہ کب اور کہاں مسلمان ہوئے ہیں، پتا یہ ہے:

Dr. M. Bucaille
114.Avenue Versailles, Paris-16
Telephone No 4647-7003

سب کو سلام، یاد آتے ہیں

م۔ح ا

Marfat.com

حواشی

۱۔ معلوم ہوتا ہے مذکورہ بالا گرامی نامہ کی پشت پر ہی یہ خط درج تھا۔ (ض)

۲۔ اس کے اور بعد کے والا نامے کے سلسلے میں مرتب نے جو وضاحتی تحریر لکھی ہے، اس میں ڈاکٹر صاحب کے سلسلۂ نسب کی تفصیل درج کی اور زبور وانجیل کے بارے میں استفسار کا جواب بھی دیا ہے جس سے آگے کے گرامی نامہ کا پس منظر بھی سامنے آجاتا ہے، آگے متن میں پہلے مرتب کی وضاحت اور آخر میں ڈاکٹر صاحب کا مکتوب گرامی ملاحظہ ہو۔ ''ض''

۳۔ نام صحیح پڑھا نہیں جا سکا۔

(ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے چند (غیر مطبوعہ) خطوط

محمد ارشد (مدیر اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۹/فروری/۱۹۰۸ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں پر آپ نے ابتدائی سے اعلیٰ تعلیم تک کے مراحل طے کیے۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم اے اور ایل ایل بی کی سندات امتیازی شان سے حاصل کر کے اسی جامعہ میں درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔۱۹۳۳ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جرمنی گئے اور بون یونیورسٹی سے بین الاقوامی قانون کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریت کی سند حاصل کی۔ محمد حمید اللہ کا یہ تحقیقی مقالہ بعد میں ضروری اضافوں کے ساتھ ان کی شہرہ آفاق تصنیف The Muslim Conduct of State کی صورت میں شائع ہوا۔ یہ وقیع علمی کاوش اسلام کے بین الاقوامی قانون کی تدوین جدید کا بہترین نمونہ ہے۔ بعد ازاں محمد حمید اللہ جرمنی سے فرانس منتقل ہو گئے اور سوربون یونیورسٹی سے عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی اور واپس آ کر پھر سے جامعہ عثمانیہ میں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۸ء تک جاری رہا۔ سقوط حیدر آباد دکن (۱۹۴۸ء) سے کچھ عرصہ پہلے نظام کی طرف سے ریاست کی آزادی و خودمختاری کے تحفظ و بقا کی غرض سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں جو ایک وفد بھیجا گیا محمد حمید اللہ اس میں بطور قانونی مشیر کے شامل تھے۔ محمد حمید اللہ ابھی پیرس ہی میں تھے کہ ریاست کے سقوط کا سانحہ پیش آ گیا چنانچہ آپ وہیں کے ہو کے رہ گئے۔

قیام پاکستان کے بعد اس ملک کی اسلامی تشکیل کی غرض سے ۱۹۴۹ء میں جو بورڈ تعلیمات اسلامیہ قائم ہوا محمد حمید اللہ کو اس کا رکن مقرر کیا گیا۔ چنانچہ وہ تقریباً ایک سال تک پاکستان میں مقیم رہے۔

محمد حمید اللہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۹ء تک سوربون یونیورسٹی اور نیشنل سینٹر آف سائنٹفک ریسرچ (Centre de la Researche Scientifique.) پیرس میں تحقیق کرتے رہے اور ۱۹۶۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر مامور ہوئے۔ بعد ازاں وہ ترکی، سعودی عرب اور ملائشیا کی مختلف جامعات میں بھی بطور استاد زائر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۹۶ء میں وہ بوجہ علالت پیرس سے فلوریڈا (امریکہ) منتقل ہو گئے جہاں ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو وفات پا گئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ پیرس میں تقریباً اڑتالیس سالہ قیام (۱۹۹۶ء-۱۹۴۸ء) کے دوران ہمہ وقت علمی و تحقیقی، تصنیفی و تالیفی اور دعوتی سرگرمیوں میں مشغول رہے اور انہوں نے اپنی زندگی صحیح معنوں میں دین اسلام کے ایک سفیر و ترجمان اور اس کے ایک صادق و مخلص داعی و مبلغ کی حیثیت سے بسر کی۔ ان کے ہاتھوں سیکڑوں فرانسیسی مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کیا جن میں درجنوں عیسائی پادری اور راہبائیں بھی شامل تھیں۔

آپ کو مشرق و مغرب کی نو سے زیادہ زبانوں پر دسترس حاصل تھی اور ان میں سے پانچ یعنی (اردو انگریزی جرمنی عربی اور فرانسیسی) میں تو انہوں نے اپنی بعض معرکہ آرا تحقیقات و تخلیقات بھی پیش کی ہیں۔ محمد حمید اللہ کی علمی و تحقیقی دلچسپیوں کا دائرہ بڑا وسیع تھا انہوں نے اسلامی قانون بین الممالک، تاریخ تدوین حدیث، سیرت، قرآنیات، فقہ و اصول فقہ جیسے مختلف میدانوں میں بڑے معرکے کی کتب و مقالات یادگار چھوڑے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار مقالات اور مضامین ان کے قلم سے نکلے جب کہ چھوٹی بڑی ۱۵۰ کتب ان سے یادگار ہیں۔ فرانسیسی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ اور فرانسیسی زبان ہی میں دو جلدوں میں سیرت کی کتاب Le prophete de Islam sa vie et son Oouvre (پیغمبر اسلام حیات اور کارنامے) ان کے نمایاں ترین علمی کاموں میں سے ہیں موخر الذکر تصنیف تو سیرت پر ان کے شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ اردو میں سیرت پر ان کی کتاب عہد نبوی میں نظام حکمرانی، سیرت النبی کے سیاسی پہلو پر ان کے ایک مجموعہ مقالات "رسول اکرم کی سیاسی زندگی" اور "عہد نبوی کے میدان جنگ" کے علاوہ ان کے خطبات کے مجموعہ خطبات بہاول پور کا شمار ان کے شہرہ آفاق علمی کارناموں میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

موخر الذکر کا سابق سفیر پاکستان مرحوم ڈاکٹر افضل اقبال کے قلم سے انگریزی میں ترجمہ بعنوان The Emergence of Islam متعدد بار چھپ چکا ہے۔

محمد حمید اللہ نے سیرت اور فقہ واصول فقہ پر متعدد امہات الکتب کو ایڈٹ کر کے شائع کیا جن میں پیغمبر اسلام کی حیات مبارکہ پر ابن اسحاق کی ابتدائی اور اہم کتاب ''سیرت رسول اللہ'' اور الواقدی کی ''کتاب الردہ'' کے علاوہ حنبلی فقیہ ابن قیم الجوزیہ کی تصنیف ''احکام اہل الذمہ'' شامل ہیں۔

اپنے وقیع علمی کارناموں کی بدولت محمد حمید اللہ کو اسلام کے قانون بین الممالک کا معمار جدید اور مجدد علوم سیرت قرار دیا جاتا ہے۔ مرحوم محمد حمید اللہ تقوی، صدق واخلاص، تواضع و انکساری، سادگی اور زہد واستغنا کا پیکر اور اس اعتبار سے اسلاف کا نمونہ تھے شہرت و ناموری اور دنیوی جاہ ومنصب سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کو سیرت پر ان کی گرانقدر علمی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے ۱۹۸۴ء میں ۱۰ لاکھ روپے کا ایوارڈ پیش کیا لیکن انہوں نے یہ پوری کی پوری رقم ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کو بطور ہدیہ پیش کر دی۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنے وطن (حیدر آباد دکن) سے دور فرانس کے شہر پیرس میں سالہا سال قیام کے باوجود اپنے خاندان سے نہ صرف قریبی تعلق برقرار رکھا بلکہ اس کے افراد کی دینی تعلیم و تربیت میں بھی گہری دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ بیشتر دیگر افراد کی طرح وہ اپنے خاندان کے لیے بھی ایک معلم و مربی اور ایک مفتی کی حیثیت رکھتے تھے۔ حیدر آباد دکن اور کراچی میں مقیم ان کے عزیز واقارب دینی و مذہبی امور میں رہنمائی کے لیے آپ ہی سے رجوع کرتے تھے محمد حمید اللہ نے افراد خاندان کی دینی و مذہبی امور میں رہنمائی کے لیے مکتوب نگاری کو ذریعہ بنایا اور کثرت سے خطوط لکھے جن میں انہوں نے مختلف کلامی وفقہی نوعیت کے استفسارات کے علمی جوابات بھی دیے۔

دینی و مذہبی امور میں آپ کی رہنمائی صرف آپ کے افراد خاندان تک ہی محدود نہ رہی بلکہ تحقیق وتصنیف سے وابستہ افراد بھی مختلف علمی، دستوری وسیاسی اور دینی وفقہی مسائل میں رہنمائی کے لیے آپ سے رجوع کرتے۔ چنانچہ مختلف النوع علمی وفقہی استفسارات کے جوابات کے لیے بھی محمد حمید اللہ صاحب نے مکتوب نگاری کا سہارا لیا اور ہزاروں کی تعداد میں خطوط لکھے۔

آئندہ صفحات میں محمد حمید اللہ صاحب کے چند ایسے ہی مطبوعہ مکتوبات قارئین کی نذر کیے جارہے ہیں ان میں سے ابتدائی تین مکتوبات ڈاکٹر صاحب کے اپنے اقارب کے نام ہیں جب کہ آخری مکتوب پاکستان کے ایک معروف قانون دان محمد اسماعیل قریشی (ولادت ۲۸رفروری/۱۹۲۸ء) کو لکھا گیا۔

مکتوب اول خدیجہ دردانہ (دختر محی الدین عبدالقادر حال مقیم پی آئی بی کالونی کراچی) کے نام ہے محمد حمید اللہ کا یہ مکتوب ایک صادق ومخلص معلم ومربی اور داعی کے جذبات کا آئینہ دار ہے۔ یہ مکتوب تذکیر وموعظت حسنہ کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہے جس کا ایک ایک لفظ داعی کے صدق واخلاص اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی والہانہ عقیدت ومحبت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس خط میں اپنی اس عزیزہ کو اس کی شادی کی مبارک باد پیش کرتے ہوئے اسے نہایت بلیغ اور موثر پیرائے میں دینی نصیحت کی ہے اور اسے قرآن حکیم اور سیرت نبوی سے ربط کو مضبوط ومستحکم بنانے کی تلقین کی ہے۔

مکتوب دوم اور سوم محمد حمید اللہ کے ایک اور قریبی عزیز یعنی ڈاکٹر صاحب کے برادر اکبر محمد صبغت اللہ کے صاحبزادے سیف اللہ حال مقیم حیدرآباد دکن کے نام ہیں۔ ان دونوں مکاتیب میں ڈاکٹر صاحب نے زیارت مکہ مکرمہ اور احرام وغیرہ سے متعلق ایک اہم فقہی مسئلہ کی وضاحت کی ہے اور پھر اپنے قلم سے ایک نقشہ بنا کر میقات وحدود حرم کی نشان دہی کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے میں جو لوگ حدود حرم سے باہر رہتے ہیں اور مکہ مکرمہ صرف جمعہ کے لیے جاتے ہیں وہ جمعہ کے لیے مکہ مکرمہ جائیں یا عمرے کے لیے ان کو احرام باندھنا ہوگا اور طواف وسعی کرنی اور بال کٹانے ہوں گے گو ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا یہ مسلک جمہور فقہا وعلما کے مسلک کے موافق نہیں۔ مکتوب سوم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد حمید اللہ صاحب زیارت قبر نبی سے متعلق وہابی علما کی رائے ومسلک کو درست خیال نہیں کرتے تھے ان کے الفاظ میں۔

''یہ فضول بات ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا تو اچھی چیز ہے اور اس مسجد میں رسول کی قبر کی زیارت کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے میں تو یہ رائے رکھتا ہوں کہ جو لوگ ایسا کہیں اور لوگوں کو رسول اللہ کی قبر کی زیارت سے روکیں وہ رسول اللہ کی شفاعت سے محروم ہونے کا خطرہ مول لیتے ہیں۔''

Marfat.com

مکتوب چہارم اہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتکاب سے متعلق سزا کے بارے میں محمد اسماعیل قریشی (ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان حال مقیم ۲۶ ر چنا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور) کے ایک استفسار کے جواب پر مشتمل ہے۔ اس مکتوب میں اہانت رسول اللہ کے سنگین جرم کے مرتکب فرد کی شرعی سزا سے متعلق پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے اس مکتوب میں اسلامی توہین رسالت کے سنگین جرم کے مرتکب اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں (ذمی و معاہد) کی سزا کے بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے موقف کا پتا چلتا ہے ڈاکٹر صاحب کی رائے میں ''غیر مسلم کو سزائے موت مشتبہ ہے اگر وہ ذمی ہے تو اسے پاکستانی قومیت سے محروم کر کے جلا وطن کیا جا سکتا ہے۔ اگر اجنبی مسافر یعنی مستامن ہے تو اسے ملک بدر کیا جا سکتا ہے سزائے موت کے لیے دیکھنا ہوگا کہ وہ جرم عمداً ہوا ہے یا جہالت اور غفلت سے عمداً ہوا ہے تو آیا بطور اعلان جنگ ہے یا محض ناسمجھی سے ہے۔ جرم عمداً اگر نہ ہوا ہے تو توبہ اور معذرت آخر وقت تک قبول ہو سکتی ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشآء (النساء:۱۱۶) سے قیاس کیا جا سکتا ہے توبہ [و] معذرت قبول تو ہو گی لیکن منافقانہ توبہ کے امکان سے اس پر آئندہ کڑی نگرانی رکھی جا سکتی ہے۔

مکتوب چہارم کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کے مجموعہ فوجداری قانون میں توہین رسالت کے جرم کی شرعی سزا کا قانون موجود نہ تھا ۱۹۸۴ء۔۱۹۸۳ء کے دوران توہین رسالت جیسے سنگین اور دل آزار متعدد واقعات پیش آئے جس پر اسلامی ماہرین قانون کی عالمی انجمن (ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس) نے ملک میں توہین رسالت کے جرم کی شرعی سزا کے نفاذ اور اس کے مطابق ضروری قانون سازی کا مطالبہ کیا اور اس مقصد کے لیے ایک تحریک کا آغاز کیا اس انجمن کے صدر محمد اسماعیل قریشی نے وفاقی عدالت میں ایک پٹیشن کی۔ سماعت کے دوران پاکستان کے مختلف مذہبی مکاتب فکر کے علما نے پٹیشن کے حق میں خصوصاً توہین رسالت کے جرم کی شرعی سزا ''سزائے موت'' کے حق میں دلائل پیش کیے۔ مسلم ماہرین قانون کی انجمن کے سربراہ محمد اسماعیل قریشی نے اس اہم مسئلہ سے متعلق محمد حمید اللہ کا موقف معلوم کرنے کے لیے ان کو خطوط لکھے جن میں توہین رسالت کے جرم کی شرعی سزا کے متعلق استفسارات کیے۔ محمد حمید اللہ کا یہ مکتوب چہارم ایسے ہی کسی خط کے جواب میں ہے۔

Marfat.com

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسلم ماہرین قانون کی انجمن کی مساعی کے نتیجے میں پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے متفقہ طور پر مذکورہ پٹیشن کو منظور کرتے ہوئے حکومت پاکستان کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ توہین رسالت کی سزا سزائے موت مقرر کی جائے اور اس غرض سے ضروری قانون سازی کی جائے چنانچہ ۱۹۸۷ء میں پہلے تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵ سی کا اضافہ کیا گیا البتہ اس میں شاتم رسول کی سزا سزائے موت یا عمر قید مقرر کی گئی ہے جسے محمد اسماعیل قریشی نے مسلم ماہرین قانون کی انجمن کی طرف سے ایک بار پھر وفاقی شرعی عدالت میں اس بنا پر چیلنج کر دیا کہ توہین رسالت کی شرعی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے اور حد کی سزا میں کمی یا اضافہ کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں اور یہ (توہین رسالت) نا قابل معافی جرم ہے چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے متفقہ طور پر مذکورہ پٹیشن کو منظور کرتے ہوئے توہین رسالت کی متبادل سزا عمر قید کو غیر اسلامی اور قرآن وسنت کے منافی قرار دیا اور حکومت پاکستان کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ ۲۹۵ سی سے حذف کیا جائے چنانچہ ۱۹۹۱ء میں وزیر اعظم محمد نواز شریف کے دور حکومت میں حکومت پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت کے حکم پر عمل درآمد کرتے ہوئے توہین رسالت کی شرعی سزا سزائے موت کو بطور حد سارے ملک میں نافذ کر دیا۔[1]

مکتوب زیر بحث کا آخری جملہ مکتوب نگار کے عجز وانکسار اور تواضع کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ جملہ ان کی شخصیت کے ایک اہم پہلو کو اجاگر کرتا ہے اور وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب کسی بھی زیر بحث علمی معاملہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح تو کر دیتے ہیں تاہم وہ اپنی رائے کی صحت پر اصرار نہیں کرتے اور اپنی رائے کو دوسروں پر مسلط نہیں کرتے۔

مرتب نے محمد حمید اللہ کے ان مکتوبات کے بعض مندرجات کے سیاق وسباق کی وضاحت وصراحت کے طور پر چند ضروری حواشی تحریر کر دیے ہیں خصوصاً ان مکتوبات میں جن واقعات اور احادیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حواشی میں ان کے ماخذ کی نشان دہی کر دی ہے مکتوبات کی عبارت میں روانی کے پیش نظر کہیں کہیں معکوفتین [ ] کے اندر اکا دکا الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے۔

Marfat.com

(۱) بنام خدیجہ دردانہ

بسم اللہ

ادبیات فاکلتے سی، استانبول اونیورستے سی

یکم ربیع الانور (۲) ۱۳۹۴ھ

عزیزہ خدیجہ دردانہ سلمہا اللہ تعالیٰ

سلام مسنون خیر و عافیت کا طالب۔ آپ کی شادی خانہ آبادی کی اطلاع ملی دلی مسرت ہوئی خدا مبارک کرے اب تک آپ اچھی بیٹی رہیں اور والدین کو خوش رکھا اب اچھی بیوی اور پھر اچھی ماں بننے کی کوشش کریں اور ہر وقت ہر کام میں خدا کی اطاعت اور خوشنودی پیش نظر رہے تو خدا بھی اپنا فضل کرتا ہے۔

شوہر کو خوش رکھنا کچھ دشوار نہیں جب وہ گھر میں آئے تو بیوی کی ایک مسکراہٹ اس کا دل باغ باغ کر دیتی ہے اس کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ بروقت تیار رہے تو وہ ایسی بیوی کے ساتھ رہنے کو جنت میں رہنا سمجھ لیتا ہے۔

یہ ربیع الانور کا مبارک مہینہ ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی گویا اسلام کی ولادت ہوئی۔ نبی اکرم کی زندگی ایک اسوۂ حسنہ ہے مرد کے لیے بھی عورت کے لیے بھی بچے کے لیے بھی بڑے کے لیے بھی۔ سیرت کی کتابوں کا مطالعہ اور قرآن مجید کی باترجمہ تلاوت ایک ایسا خزانہ ہے جس سے آدمی مصیبت مسرت ہر حالت میں استفادہ کرتا ہے اور وہ ہر روز تازہ رہتا ہے ہر روز اس میں نئی چیزیں نظر آتی ہیں۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اور آپ کے شوہر کو سدا شاد کام رکھے وھو نعم المولی ونعم النصیر

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۲) بنام محمد سیف اللہ

بسم اللہ

پارلس ۲۹ جمادی الآخر ۱۴۰۲ھ

عزیزی سلمک اللہ!

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔ آپ کا خط ملا مسرور کیا جیسا کہ میں پہلے بھی آپ کو لکھ چکا ہوں کہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے احرام اصل میں اس احترام پر مبنی ہے جو انسان اپنے بادشاہ کے دربار میں حضوری کے لیے ملحوظ رکھنا ضروری سمجھتا ہے لباس میں بھی عام برتاؤ میں بھی۔ احرام تواضع اور کسر نفسی کی علامت ہے جو بادشاہوں کے بادشاہ اللہ کے گھر کے لیے ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یہ قصر شاہی میں داخلے کے وقت ہی نہیں اس سے بہت پہلے ضروری سمجھا گیا ہے اور کم از کم حضرت ابراہیم کے زمانے سے یہ چیز رائج ہے اور اسلام نے اس کو برقرار رکھا ہے یہ کہنا کہ جدہ میقات کے اندر ہے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ آپ واقف ہیں کہ جدے سے مکے کو جائیں تو تین چوتھائی راستہ ختم ہونے پر شمیسی کا گاؤں آتا ہے اس سے ذرا آگے دو منارے یا چبوترے آتے ہیں جن کو حدود حرم کہا جاتا ہے۔ اس طرح مکے والے عمرہ کرنا چاہیں تو قریب ترین مقام شمال مغرب میں تنعیم ہے وہاں بھی حدود حرم نصب ہیں۔ یہ حدود حرم خود رسول اللہ نے فتح مکہ کے بعد نصب کرائے تھے اور فرمایا تھا کہ کوئی باہر سے آنے والا ان کو بغیر احرام کے تجاوز نہ کرے۔ ساری فقہ کی کتابیں لکھتی ہیں کہ اگر کوئی عمداً اس کی پروا نہ کرے اور گزر جائے تو سزا میں اسے ایک قربانی دینی پڑے گی یا دس دن روزہ رکھنا ہوگا۔ میرے پاس یہاں نہ ریاض المنسوان (۳) ہے اور نہ تو شہ فلاح (۴) (موقوذ وادابر الدول) (۵) وہاں آپ دیکھ سکتے ہیں احمد جنگ کی المبسوط (۶) میں بھی اس کی صراحت ہے۔

جو لوگ مکے میں روزگار کا کام کرتے ہیں مگر شہر کے باہر رہتے ہیں ان کا حکم الگ ہے اور جو لوگ باہر ہی روزگار کرتے ہیں اور مکہ صرف جمعہ وغیرہ کے لیے جاتے ہیں ان کا حکم الگ ہے باہر مثلاً جدہ میں رہنے والے چاہے نماز جمعہ کے لیے مکہ جائیں یا عمرے کے لیے ان کا حکم ایک ہی ہوگا یعنی ان کو احرام باندھنا ہوگا اور طواف وسعی کرنی اور بال کتانے ہوں گے یہ کہنا کہ "میں عمرے کے لیے نہیں جاتا ہوں" کافی نہیں۔ خیال کیجیے کوئی شخص حیدرآباد یا خود مدینے سے مکے کو

Marfat.com

جائے اور کہے میں حج کو نہیں جا رہا ہوں صرف سیر و سیاحت کے لیے مکہ دیکھنا چاہتا ہوں تو کیا اسے بطور سزا قربانی نہ دینی ہوگی؟ جو اللہ اور رسول کے حکم کو نہیں ماننا چاہتا ہے وہ اللہ کے سامنے یوم حشر ذمہ دار ہوگا۔

[ملا] علی القاری کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ بالکل واضح ہے کہ جو لوگ حدود حرم سے لے کر شہر مکہ تک کسی جگہ سکونت کرتے ہیں تو ان کو مکہ جانے کے لیے احرام کی ضرورت نہیں بجز اس صورت کے جب وہ عمرہ کرنا چاہیں (۷) چونکہ جدہ حدود حرم سے باہر ہے ان کو یہ سہولت نہیں ملے گی۔

احرام کا طریقہ یہ ہے کہ نہا دھو کر دو رکعت نماز سنت برائے عمرہ پڑھیں۔ غسل سنت نبوی ہے نماز کے بعد کہیں گے میں ''احرام اور عمرے کی نیت کرتا ہوں اللہ کے لیے''

یہ ہیں میرے معلومات صحیح علم اللہ کو ہے اگر کوئی چیز واضح نہ ہو دریافت فرمائیے۔

سب کو سلام

محمد حمید اللہ

(۳) بنام محمد سیف اللہ

بسم اللہ

یکم محرم ۱۴۰۷ھ

4:Rue de tournon

paris6/France

عزیزی سلمک اللہ

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔ آپ کا خط اور مرسلہ کتاب دونوں پہنچے خیر و عافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی۔ اللہ جو آب و دانہ رکھتا ہے وہ مل کر رہتا ہے جو نہیں رکھتا لاکھ کوشش کے باوجود نہیں ملتا اللہ سے معین چیز کی دعا نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ کہے کہ اے اللہ مجھے وہ چیز دے جس میں میری بھلائی اور تیری رضامندی ہو۔

حدود حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے چلے آتے ہیں رسول اللہ نے ان کی تجدید فرمائی یہ نہیں کہ ان کو خود مقرر فرمایا ہے حدود حرم میں چونٹی کا مارنا حرام ہے اس لیے جنگ بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے لیکن جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ ہی نے رسول اللہ کو جنگ کرنے کا حکم دیا تا کہ اللہ کے گھر کو کافروں کے ہاتھ سے نکالیں (۸) اس صورت حال کا عام حالات پر اطلاق

Marfat.com

کرنا بے عقلی کی بات ہے خاص کر جب صراحت ہے کہ اللہ کے حکم سے وہ خصوصی کام کیا گیا ہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ عالم لوگ قرآن و حدیث میں صراحت نہ ہو تو اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی صحیح نتیجے پر پہنچتے ہیں اور کبھی خطا کرتے ہیں۔(۹) اس لیے ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ علماء میں اختلاف رائے ہو تو وہ اللہ کی رحمت ہے۔(۱۰) بن باز صاحب (۱۱) عالم آدمی ہیں میں ان سے بارہا مل بھی چکا ہوں لیکن پیغمبر نہیں کہ ان کی ہر بات مانی جائے بلکہ دوسرے علماء کی رائے بھی دیکھنی چاہیے۔ وہ اس فرقے کے ہیں جس کو وہابی کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ فضول بات ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا ہو تو اچھی چیز ہے اور اس مسجد میں رسول اللہ کی قبر کی زیارت کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے میں تو یہ رائے رکھتا ہوں کہ جو لوگ ایسا کہیں اور لوگوں کو رسول اللہ کی قبر کی زیارت سے روکیں وہ رسول اللہ کی شفاعت سے محروم ہونے کا خطرہ مول لیتے ہیں۔

جس حدیث میں یہ حکم ہے کہ مکے سے باہر کے لیے مکہ جائیں چاہے حج کے لیے ہو یا عمرے کے لیے تو فلاں مقام سے احرام باندھیں (۱۲) اس کا مطلب یہ لینا احمقانہ بات ہے کہ حج اور عمرے کے سوا کسی تیسری چیز کے لیے مکہ جائیں تو احرام کی ضرورت نہیں۔ احرام بیت اللہ کے احترام کے لیے ہے۔ جو لوگ بغیر احرام کے جائیں تو بیت اللہ کی توہین کرتے ہیں۔ جو لوگ حدود حرم کے اندر رہتے ہیں ان کو ہر روز کئی کئی بار عمرہ کرنے کا حکم دینا زحمت کا باعث ہوتا، اس لیے ان کے لیے بعض سہولتیں دی گئی ہیں لیکن جو شخص حدود حرم کے باہر سے مکہ جائے تو اس کو طواف اور سعی کر کے عمرہ کرنے میں مشکل سے آدھ گھنٹہ لگتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص روزانہ جدے سے مکے کو کئی کئی بار جاتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی [قبر کی] زیارت بت پرستی کے لیے نہیں، بلکہ شکر گزاری کے اظہار کے لیے ہے۔ قرآن میں ہے: و اما بنعمة ربک فحدث. (۱۳) اس سے بڑھ کر اللہ کی کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ ہمیں ایک نبی بھیج کر ہدایت کا ساماں کرے۔ کیا اس نبی کا شکر یہ ادا نہیں کرنا چاہیے، کیا اس پر اللہ کی رحمتیں نازل ہونے کی دعا نہیں کرنی چاہیے؟ اس لیے خود نماز میں اللھم صل علی محمد وغیرہ کہنا واجب ہے۔ جب نماز تک میں واجب ہے تو نماز کے باہر کیوں زیارت سے روکا جائے۔ یعنی قبر کے سامنے درود پڑھنے سے کیوں روکا جائے؟ قرآن

Marfat.com

میں یہ بھی ہے کہ ان اللہ و ملئکتہٗ یصلون علی النبی یآیھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما. (۱۴) اس کی تعمیل میں ہم حضور کی قبر پر حاضر ہونا چاہتے ہیں کوئی متواضع نبی یہ نہیں کہے گا کہ میری سالگرہ مناؤ، میری قبر پر حاضری دو لیکن عقل سلیم کہتی ہے کہ ہر مسلمان کو ایسا کرنا چاہیے۔ اس کام میں خلاف اسلام کام، قبر پرستی وغیرہ کا سوال نہیں، بلکہ مسلمان صرف اپنی شکر گزاری کے اظہار کے لیے جاتے ہیں انما الاعمال بالنیات. (۱۵) اللہ نیت کو دیکھتا ہے۔

آپ پتا بدلتے رہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ خط ملتا بھی ہے یا نہیں۔ ہر خط میں صحیح اور مکمل پتا ضرور لکھیے اور اس خط کے پہنچنے کی اطلاع دیجیے کیونکہ اس پر الگ پتا ہے اور پرانے خط پر الگ پتا۔

اللہ حافظ۔

محمد حمید اللہ

بسم اللہ

(۴) بنام محمد اسماعیل قریشی

۸/ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ

مخدوم و محترم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کرم نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ توہین رسالت پر دنیوی سزا اہم موضوع ہے لیکن بد قسمتی ہے کہ میں نے اس مسئلے پر کبھی نہ کوئی تحقیق کی ہے اور نہ عام پڑھی ہوئی چیزوں میں اس سے متعلقہ مواد ذہن میں ہے۔ اب ۸۳ ویں سال کی عمر میں تلاش بھی آسان نہیں۔ اگر دوسرے علماء کسی چیز پر متفق ہو جاتے ہیں تو مجھے بھی کوئی اختلاف نہیں ان کا اجماع سر آنکھوں پر۔

(۱) جن قدماء (۱۶) نے اس جرم کے لیے سزائے موت کا ذکر کیا ہے وہ معلوم نہیں کن امور پر قیاس کرتے ہیں اور نہ یہ کہ وہ اسے حد کہتے ہیں یا تعزیر یا کسی اور قسم کی سزا۔

(۲) حد کو منسوخ کرنے کا کسی [کو] حق نہیں۔

(۳) حضرت عمرؓ نے عام چوری کی سزا کو بالکل معطل نہیں فرمایا، بلکہ میرے علم میں قحط کے زمانے میں صرف غذائی چیزوں کو چپکے سے لینے کی، چاہے چوری کہہ لیں، سزا کو

Marfat.com

عارضی طور پر ملتوی رکھا،(١٧) یہ ایک طرح حالتِ اضطرار کا جرم ہے۔حالتِ اضطرار میں کوئی رسول اکرمؐ کی توہین کرے تو خود قرآن مجید نے **الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان** (١٨) کہہ کر روا رکھا ہے اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو کفار قریش کی ایذا دہی کے سلسلے میں بالمشافہہ اجازت بھی دی ہے جیسا کہ انساب الاشراف للبلاذری میں مذکور ہے۔(١٩)

(۴) غیر مسلم کو سزائے موت مشتبہ ہے۔اگر وہ ذمی ہے تو اسے پاکستانی قومیت سے محروم کر کے جلاوطن کیا جا سکتا ہے اگر اجنبی مسافر یعنی مستامن ہے تو اسے ملک بدر کیا جا سکتا ہے۔سزائے موت کے لیے دیکھنا ہوگا کہ وہ جرم عمداً ہوا ہے یا جہالت اور غفلت سے۔عمداً ہوا ہے تو آیا بطور اعلان جنگ ہے یا محض ناسمجھی سے ہے۔

(۵) جرم عمداً اگر نہ ہوا ہے تو توبہ اور معذرت آخر وقت تک قبول ہو سکتی ہے۔**ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذالک لمن یشاء** (٢٠) سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔توبہ [و] معذرت قبول تو ہوگی۔لیکن منافقانہ توبہ کے امکان سے اس پر آئندہ کڑی نگرانی رکھی جا سکتی ہے۔

(۶) آیا اس پر فقہا کی آراء میں اختلاف رہا ہے یا نہیں مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

نیاز مند جاہل

محمد حمید اللہ

مکرر: عالمگیر استفتاء اور اجماع کے سلسلے میں میری ایک حقیر تجویز رسالہ ''چراغ راہ'' (کراچی) جولائی اگست ١٩٥٨ء جلد ١٢، عدد ٧، صفحہ ٢٧٤ تا ٢٧٥ میں چھپی ہے۔(٢١) ممکن ہے علم میں ہو۔

حواشی وتعلیقات

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محمد اسماعیل قریشی، ''ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قانون توہین رسالت'' (لاہور، الفیصل، ۲۰۰۶ء) عرض مصنف، ص ۴۵-۴۰۔

(2) محمد حمید اللہ از راہ محبت وعقیدت اکثر وبیشتر اپنی تحریروں میں ماہ مبارک ربیع الاول کو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی ''ربیع الانور'' کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔

(۳) محمد حمید اللہ کے دادا قاضی محمد صبغۃ اللہ (م ۱۸۶۳ء/۸۱-۱۲۸۰ھ) کی اردو تصنیف (۱۹۲ صفحات) ہے، جو ۱۲۴۴ھ میں لکھی گئی۔ یہ کتاب عورتوں کی تعلیم کے لیے شافعی فقہی مسائل پر ہے۔ اس کے بعد یہ مدراس حیدرآباد دکن اور بمبئی سے شائع ہوئی۔ اس کا نیا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں مدراس سے شائع ہوا ہے۔

(۴) کتاب کا مکمل نام توشۂ فلاح مناسک الایضاح ہے۔ جو شافعی مسلک پر مناسک حج سے متعلق ہے یہ کتاب پہلی بار ۱۲۷۵ھ میں شائع ہوئی قاضی بدرالدولہ کی ایک دوسری کتاب کا نام قوت الارواح شرح توشۂ فلاح ہے جو مدراس (بھارت) سے شائع ہوئی ہے (مطبع احمدی ۱۳۰۰ھ) اس کتاب کا اردو میں کیا گیا غلام محمد کا ترجمہ جو ۵۹۰ صفحات پر مشتمل ہے، مدراس ہی سے مطبع احمدی نے ۱۳۰۰ھ میں شائع کیا۔

(۵) محمد حمید اللہ کے دادا قاضی محمد صبغت اللہ مذکور نے ابتدا میں مولانا عبدالعلی بحرالعلوم اور دیگر چند علما سے کسب فیض کیا۔ انہیں نواب اعظم جاہ نے صدر الصدور مقرر کیا اور عمدۃ العلما کے خطاب سے نوازا۔ نواب غلام غوث خان نے ان کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور کیا (ملاحظہ ہو: عبدالرحمٰن مؤمن ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ''، مشمولہ آثار ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مرتبہ صفدر حسین، حیدرآباد،

انڈیا، صفا پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء ص ۵۸، احمد عطاء اللہ ''ممتاز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ'' مشمولہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرتبہ محمد راشد شیخ، المیز ان پبلیشرز فیصل آباد، ۲۰۰۳ء ص ۲۰-۱۹)۔ قاضی محمد صبغت اللہ مرحوم نے، جو بدرالدولہ، قاضی الملک اور مستعد جنگ جیسے خطابات سے مشہور ہیں، مختلف اسلامی علوم وفنون پر عربی، فارسی، اور اردو میں ۹۲ کتب یادگار چھوڑیں جن میں فیض الکریم کے نام سے قرآن حکیم کا اردو ترجمہ مع تفسیر بھی شامل ہے۔ انہوں نے فیض الکریم کے نام سے یہ ضخیم ترجمہ مع تفسیر لکھنا شروع کیا لیکن تکمیل سے قبل ان کی وفات ہوگئی اس تفسیر کو ان کے بعد ان کے بیٹے محمد سعید خان بہادر مفتی عدالت عالیہ، حیدرآباد نے مکمل کرنے کی کوشش کی مگر کام ختم ہونے سے قبل وہ بھی وفات پا گئے۔ بدرالدولہ مرحوم کی تالیف مذکورہ مطبع فیض الکریم حیدرآباد سے ۱۳۱۳ھ میں دو جلدوں میں اور مفتی محمد سعید کا تکملہ ایک جلد میں شائع ہو چکے ہیں (ملاحظہ محمد حمید اللہ ''مقدمہ'' (عرض ڈاکٹر محمد حمید اللہ)، مشمولہ تفسیر حبیبی از محمد حبیب اللہ مطبوعہ حیدرآباد دکن (س ن) ص ۱۵۵-۱۵۲۔

(۶) یہ المبسوط احمد جنگ (احمد اللہ، م ۱۹۸۳ء) کی تصنیف ہے۔ ۵۶۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب حیدرآباد دکن سے متعدد بار شائع (اشاعت اول ۱۹۷۱ء اشاعت پنجم، انتخاب پریس، ۱۹۹۱ء) ہو چکی ہے۔

(۷) ملا علی القاری کی جس عبارت کی طرف اشارہ ہے اس کے لیے ملاحظہ ہو حافظ علی بن محمد سلطان القاری شرح النقایۃ (کراچی، سعید ایم۔ ایچ کمپنی س ن۔ ص ۴۵۳۔۴۵۱)

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ کے موقع پر حدود حرم میں کفار سے جنگ کی اجازت دی گئی۔ حدود حرم کے آداب نیز فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ کو کفار سے مسلح جہاد سے متعلق اذن الٰہی کے بارے میں ملاحظہ ہو صحیح بخاری، **کتاب الحج، باب لایعضد شجر الحرم وباب لا یحل القتال بمکۃ**۔

(۹) اجتہاد کی ضرورت واجازت اور اس کی فضیلت کی بابت نبی اکرمؐ کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی مشہور روایت ہے جسے صحاح ستہ کے تمام محدثین نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کا عربی متن یہ ہے **اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد فاخطأ فلہ اجر** ملاحظہ ہو سنن ابوداؤد (**کتاب القضاء**) حدیث ۳۵۷۴، سنن ابن ماجہ (**باب الحاکم یجتھد فیصیب الحق**) حدیث ۲۳۱۴، ۲۳۱۵۔

Marfat.com

(۱۰) حدیث کا عربی متن یہ ہے باختلاف علامتی رحمۃ ملاحظہ ہو السیوطی الجامع الصغیر۔

(۱۱) شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (۱۹۹۹ء۔۱۹۱۲) مملکت سعودی عرب کے مفتی اعظم، کلامی مسائل میں امام احمد بن حنبل شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور وہابی تحریک کے بانی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیروکار تھے۔ وہ ابن تیمیہ اور شیخ عبدالوہاب کے اس مسلک کے پیرو اور داعی ہیں کہ مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا تو اچھی چیز ہے البتہ اس مسجد میں رسول اللہ کی قبر کی زیارت نہیں کرنا چاہیے۔ زیارت مسجد نبوی اور زیارت قبر نبویؐ سے متعلق اس مسلک کا بڑی شدومد سے اظہار ابن تیمیہ نے کیا تھا ۱۰۷۔۱۱۷ھ کے لگ بھگ۔ سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں ابن تیمیہ کے سامنے "ایک نیا مسئلہ زیر بحث آ گیا جو خواص و عوام سب کے لیے جاذب توجہ تھا۔ یہ مسئلہ زیارت قبر نبوی کا تھا شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے [غالباً ۱۰۷۔۱۱۷ھ میں] یہ فتویٰ دیا تھا کہ کسی قبر کی زیارت کے لیے (خواہ وہ قبر انور ہو، علیٰ صاحبہ الف الف صلاۃ وسلام) اہتمام سے سفر کر کے جانا (جس کو عربی میں شدالرحل کہتے ہیں) جائز نہیں اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے "لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجدی هذا، والمسجد الاقصیٰ" کجاوے نہ کسے جائیں (اہتمام سے سفر نہ کیا جائے) مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام، (خانہ کعبہ) میری مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) پھر وہ [ابن تیمیہ] حسب معمول اس کی شرعی حکمتیں اور اس کی مخالف صورت میں اس کی قباحتیں اور نقصانات گناتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اہتمام سے سفر سے شرک و مشرکانہ عقائد و اعمال کا دروازہ کھلتا ہے۔ لوگ اس زیارت کو عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھنے لگتے ہیں وہاں پہنچ کر حدود شریعت سے تجاوز کرتے ہیں اور توحید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ آنحضرت کو اس بات کا کہ قبر مبارک ان اعمال و رسوم سے محفوظ رہے جو جاہلی قوموں اور یہود و نصاریٰ میں شائع و ذائع تھے۔ اس قدر اہتمام تھا کہ فرمایا: لعن الله اليهود و النصارىٰ اتخذوا قبور انبياء هم مساجد [بخاری و مسلم] (اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کی جگہ بنالیا) نیز بڑے اہتمام سے دعا فرمائی اللهم لا تجعل قبری و ثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبياء هم مساجد [مسند امام احمد] (اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے اللہ کا غصہ ان لوگوں پر سخت ہو جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا) نیز ارشاد فرمایا: لا تتخذوا قبری عيدا وصلوا على فان صلا تكم

حیثما کنتم تبلغنی [سنن ابی داؤد] ۔" نیز آپ نے اسی لیے کسی میدان میں دفن ہونا پسند نہیں کیا بلکہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوئے جو ایک محفوظ جگہ ہے اس سب کا مقتضا یہ ہے کہ قبرِ انور کو ان تمام خطرات سے محفوظ رکھا جائے اور اہتمام سے جوق در جوق زیارت کی نیت سے آنے کی اجازت نہ دی جائے البتہ جو لوگ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کی نیت سے آئیں وہ مسنون طریقہ سے زیارت کریں اور صلاۃ وسلام بھیجیں جیسا کہ صحابہ تابعین کا دستور تھا"۔ ملاحظہ ہو سید ابو الحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، کراچی مجلس نشریات اسلام، س ن، ج ۲، ص ۱۲۸۔۱۲۶۔ زیارت قبرِ نبیؐ سے متعلق ابن تیمیہ کے اس مسلک کا شیخ محمد بن عبدالوہاب نے بڑی شدومد سے پرچار کیا (دیکھیے کتاب التوحید)۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز بھی مسئلہ زیارتِ قبرِ نبی کے بارے میں ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب ہی کے مسلک کے متبع و پیروکار تھے اور انہوں نے اس کلامی مسئلہ پر اپنی رائے کا اظہار اپنی مختلف تحریروں خصوصاً فتاویٰ (مطبوعہ ادارات البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد مکة المکرمة) میں کیا ہے۔

(۱۲) احرام کے لیے میقات کے بارے میں حدیث نبوی ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان النبی صلی اللہ علیه وسلم وقت لاهل المدینة ذوالحلیفة والا هل نجد قرن المنازل ولا هل الیمن یلملم . هن لهن ولکل آت اتی علیهن من غیر هم من اراد الحج والعمرة فمن کان دون ذالک فمن حیث انشاء حتی اهل مکة من مکة. ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الحج، باب دخول الحرم و مکة بغیر احرام.

(۱۳) القرآن ۹۳ (الضحیٰ) ۱۱

(۱۴) القرآن ۳۳ (الاحزاب) ۵۶

(۱۵) اس حدیث شریف کے متن کے بارے میں ملاحظہ ہو البخاری، الجامع الصحیح باب: کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ حدیث ۱

Marfat.com

(۱۶) قدما میں سے قاضی ابوالفضل عیاض اندلسی (م ۵۴۴ھ) نے اپنی گرانمایہ تالیف الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ میں جب کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحرانی (۶۶۱-۷۲۸ھ) نے اپنی تالیف الصارم المسلول علی شاتم الرسول میں شرح و بسط سے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے۔ ان دونوں کی رائے میں توہین رسالت کے جرم کی شرعی سزا "سزائے موت" ہے نیز وہ دونوں اسے حد کہتے ہیں نہ کہ تعزیر۔

(۱۷) اس بارے میں حضرت عمرؓ نے یہ اصول جاری کیا تھا کہ **لا تقطع الید فی عذق ولا عام سنة** (خوشہ کی چوری اور قحط سالی میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں)۔ ملاحظہ ہو ابو عبداللہ محمد بن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین تحقیق تخریج و تعلیق بشیر محمد عیون دمشق مکتبہ دارالبیان، ۱۴۲۱ھ، ج ۲ ص ۲۰-۱۹۔

(۱۸) القرآن ۱۶ (النحل) ۱۰۶۔

(۱۹) عمار بن یاسرؓ کو کفار مکہ کی طرف سے ایذا رسانی کے سلسلے میں بحالت اضطرار رسول اللہ کی طرف سے اس کی اجازت تھی۔ ملاحظہ ہو احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری، انساب الاشراف، تحقیق سہیل زکار و ریاض زرکلی، بیروت دارالفکر ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۶ء ج ۱، ص ۱۸۲-۱۸۱ خصوصاً ص ۱۸۰۔

(۲۰) القرآن ۴ (النساء) ۱۱۶۔

(۲۱) عالمگیر استفتاء اور اجماع (اجتماعی اجتہاد اور اجماع) کے بارے میں محمد حمید اللہ نے اپنی تجاویز کا ذکر خطبات بہاولپور میں بھی کیا ہے ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۸ء۔ محمد حمید اللہ عالمگیر استفتاء اور اجماع کے طریق کار سے متعلق آپ فرماتے ہیں: "اگر اجماع کی صورت پیدا کرنے کے لیے کوئی ادارہ تشکیل دینا مقصود ہو تو اس بارے میں تفصیل سے بحث کرنے کا موقع نہیں۔ البتہ مختصراً کچھ عرض کیے دیتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اسلامی ممالک کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ ناکافی ہوگا۔ مسلمان علماء چاہے جہاں کہیں ہوں، روس میں ہوں یا امریکہ میں یا پاکستان میں، ان کے ساتھ تعلق رکھنا اور ان کے مشوروں سے استفادہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ انہیں ایک جگہ بلا لیا جائے یا ایک جگہ رہنے پر مجبور کیا جائے اس کے برخلاف یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ملک میں علماء کی ایک انجمن بنے جس کو ایک صدر مرکز سے منسلک کر دیا جائے۔ صدر مرکز کی طرف سے جب ایک سوال کسی ملک کو جائے گا مثلاً فرانس کو تو فرانس

Marfat.com

کی انجمن کا سیکرٹری فرانس میں رہنے والے سارے مسلمان ماہرین فقہ اسلامی کو اس کی نقل بھیجے گا اور ان سے کہے گا کہ اس بارے میں آپ اپنی رائے سے جلد از جلد مدلل طور پر اطلاع دیجیے جب وہ جوابات جمع ہو جائیں تو ان کا خلاصہ کر کے وہ صدر مرکز کو بھیج دے۔ اس طرح صدر مرکز کے پاس تمام ممالک کی انجمنوں سے جوابات آئیں گے۔ صدر مرکز کے سیکرٹریٹ میں ان جوابات کو مرتب کیا جائے اگر اتفاق رائے ہے تو اسے اجماع قرار دیا جائے اور اگر اتفاق رائے نہیں ہے تو صدر مرکز کو چاہیے کہ دوبارہ وہی سوال ساری شاخوں میں گشت کرائے اور موافق ومخالف دونوں فریقوں کی آراء کے ساتھ دلائل کی وضاحت بھی کرے۔ اس مکرر گشت کے موقع پر ممکن ہے جو لوگ ایک خاص رائے رکھتے تھے اب اپنے فریق مخالف کی دلیلوں کو معقول سمجھ کر اپنی رائے بدل دیں جب بار دیگر جوابات آئیں گے اس وقت ان کو دوبارہ شائع کیا جا سکتا ہے اتفاق رائے ہو گیا ہے تو الحمدللہ اور اگر اتفاق نہیں بھی ہوا ہے تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اتنے لوگ یا فلاں فلاں لوگ یہ رائے رکھتے ہیں فلاں فلاں لوگ دوسری رائے رکھتے ہیں۔ یہ طریقہ قابل عمل ہوگا اس سے ایک شخص جو خاص معین مقام پر نہیں ہے بلکہ اس کا ملک دوسرا ہے اس کی رائے سے ہم یہاں رہ کر بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ (خطبات بہاولپور ص ۱۱۲-۱۱۳، نیز ملاحظہ ہو ایضاً ص ۱۴۰-۱۳۹)

(سہ ماہی ''پیغام آشنا'' اسلام آباد۔ نمبر ۳۴۔ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء)

Marfat.com

بنام: سید غلام محمود شاہ نشترؒ (گونڈواکڑی)[1]

پاریس

۱۴/ جمادی الاول ۱۳۸۴ھ

مکرمی سلام مسنون! بحوالہ ۶۴/۳۲۸

یہاں غریبانہ زندگی کے لیے آج کل کم ازکم چھ سو ماہوار کی ضرورت ہے۔

یہاں عربی پڑھنے والے زیادہ تر یہودی اور عیسائی ہیں۔ میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید کے پانچ سال میں الحمدللہ پانچ اڈیشن نکلے ہیں، میں نہ یہاں پڑھتا ہوں نہ پڑھاتا بلکہ صرف رہتا ہوں۔

انڈا چھ سات آنے میں ایک ملتا ہے، گوشت ہر قسم کا ملتا ہے، مسلخ کا ایک شعبہ مسلمان قصابوں کے لیے ہے جس کو اتنی آمدنی ہو کہ ملازم کو چھ سو ماہوار دے سکے تو وہ ملازم رکھتا ہے، ورنہ اپنا کام خود کرنا پڑتا ہے۔

مجھے اب تک تو داڑھی ہے، یہاں صرف ایک مسجد ہے، شہر میں نصف ملین مسلمان ہیں، امام الجزائری ہیں، نمازیں پنج وقتہ ہوتی ہیں، تراویح بھی ہوتی ہے، میں سگریٹ نہیں پیتا نہ چائے کافی، مجھے نہیں معلوم ان کی کیا قیمتیں ہیں، ایک پیالی چائے بارہ آنے ایک روپے سے کم نہ ہونی چاہیے۔

آپ کی تحریر میں املا اور صرف ونحو کی کئی غلطیاں نظر آئیں، ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔

خدا ہم سب کو نیک ہدایت دے، آئندہ مجھے غیروں کے پتے پر نہ لکھیے۔

م۔ ح

---

[1] ڈاکٹر صاحب کا یہ گرامی نامہ ہمیں مکتوب الیہ کے صاحب زادے سید شاہ فضل الرحمٰن نادر گونڈواکڑی ضلع ایوت محل مہاراشٹر نے بھیجا ہے جو ان کے شکریے کے ساتھ شایع کیا جارہا ہے، مکتوب الیہ کی دو کتابیں ماتم برار ۱۹۴۲ء میں اور شادی یا بربادی ۱۹۶۲ء میں معارف پریس اعظم گڑھ سے شائع ہوئی تھیں۔ (ض)

(ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

Marfat.com

غرق فرعون

پیرس ۵ ربیع النور ۱۴۰۳ھ مخدوم محترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: یہ دیکھ کر حقیقی مسرت ہوتی ہے کہ الحمد للہ ''الحق'' کا علمی معیار روز بروز بلند سے بلند تر ہوتا جارہا ہے اور اس میں، ناظرین کے ہر طبقے کے لئے کچھ نہ کچھ دلچسپی کی چیزیں مل جاتی ہیں۔

فرعون کے مقام غرقابی کے متعلق جواب ہی نہیں جواب الجواب بھی ہو چکا ہے۔ اگر آپ کے اصول اجازت دیتے ہیں تو دو ایک لفظ مزید عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

محترم ایڈووکیٹ صاحب نے قرآن مجید کی وہ ساری آیتیں نقل فرمائیں جن میں فرعون کے ڈوب مرنے کا ذکر ہے لیکن کیا انہوں نے غور فرمایا کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں کہ سمندر نے فرعون کی لاش کو ساحل پر پھینکا یہ دعویٰ ہے جس کا ثبوت چاہیے۔

ممدوح نے آیات کے نقل کرنے میں سورۃ طٰہٰ سے سکوت برتا ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا کہ

۱. **فاقذفیه فی الیم** (اے موسیٰ) کی ماں اس بچے کو ''یم'' میں پھینک دے۔ سورہ ۲۔آیت ۳۹، (۲) اور **فغشیهم من الیم ماغشیهم** (فرعون اور اس کی فوجوں کو ''یم'' نے جیسا ڈھانکنا تھا ڈھانک لیا سورہ ۲۰، آیت ۷۸)

ایک ہی لفظ ''یم'' دونوں جگہ ہے کیا حضرت موسیٰ کو ان کی ماں نے بحر احمر میں پھینکا تھا؟ شاید الحق کے ناظرین کو یہ معلوم کر کے دلچسپی ہوگی عبرانی تورات میں بھی دونوں جگہ 'سوپ یام' کا لفظ ہے یام وہی لفظ ہے جو عربی میں ''یم'' بن گیا ہے جب تورات کا عبرانی سے

Marfat.com

"روح القدس کی نگرانی میں اولیاء اللہ نے لاطینی میں ترجمہ کیا" جیسا کہ کیتھلک عیسائی عقیدہ ہے تو انہوں نے فرعون کے سلسلے میں سوپ یام یعنی بحر القصب (گنے کے جیسی بڑی گھاس کے پانی کی جگہ "بحرِ احمر" استعمال کیا اب جدید ترجموں میں، نیز قدیم پرائسٹنٹ تراجم میں بحر القصب ہی ترجمہ ہوا ہے۔ حقیر و جاہل محمد حمید اللہ

("الحق" اکوڑہ خٹک۔ جنوری ۱۹۸۳ء)

پارلیس ۱۴ رجب ۱۴۰۳ھ

سہ شنبہ

مخدوم و محترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ: چند دن ہوئے پا بہ رکاب حالت میں ایک خط کی رسید گزرانی تھی، آج سفر سے واپس آیا تو سیرۃ النبی کی ساتویں جلد شرف بخش ہوئی دلی شکریہ عرض ہے، اگر چہ میں دار المصنفین کا دوامی رکن ہوں، لیکن مسرت ہوتی اگر اس تحفہ عظیم کا بل بھی بھیج دیا جاتا تا کہ ادائی کی مسرت بھی حاصل کرتا اور پڑھنے کی تشویق بھی پاتا تجربہ سا ہے کہ تحفے کو آدمی اس قدر غور سے نہیں پڑھتا جتنا خریدی ہوئی چیز کو۔

کتاب کی پہلی اور سرسری ورق گردانی تو کر چکا ہوں ایک طالبعلمانہ سوال پیش ہے شاید آپ کا تاثر ورد عمل میری تشفی یا تصحیح کر سکے گا۔

صفحہ (۱۴۹) مابعد میں خلافت بنی آدم کی دلچسپ بحث ہے، کچھ عرصہ ہوا روز مرہ کی تلاوت کلام پاک میں ان آیتوں پر میں ٹھٹکا تھا،

فتلقیٰ آدم من ربه کلمات فتاب علیه انه هو التواب الرحیم قلنا اهبطوا...... " (بقرہ) اور و عصیٰ آدم ربه فغوی ثم اجتباه ربه فتاب علیه وهدیٰ قال اهبطا...... " (طه)

کیا توبہ قبول کرنے کے بعد سزا دی جا سکتی ہے؟ زمین پر جانے کا حکم، جو دونوں آیتوں میں قبول توبہ کے بعد دیا گیا ہے، کیا "سزا" کے لیے ہو سکتا ہے؟ میری ناقص سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ سزا کے لیے نہیں بلکہ اعزاز و اکرام یا فضل و انعام کے لیے ہے، اور حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی نئی خدمت "خلافة الله فی الارض" کا جائزہ لینے کے لیے زمین پر جاؤ، واللہ اعلم۔

نیاز مند دیرینہ

م ح ا

Marfat.com

معارف: حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی سیرۃ النبی جلد ہفتم کے صفحہ ۱۴۹ و مابعد میں خلافت بنی آدم کی جو دلچسپ بحث ہے، اس میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ قبول توبہ کے بعد حضرت آدمؑ کو سزا دی گئی اور وہ جنت سے نکال دیئے گئے اس سلسلہ میں بعض مفسرین کی رائیں پیش کی جاتی ہیں امام ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۷۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کا اخراج اور دنیا میں ہبوط انہیں سزا دینے کے لیے نہ تھا کیونکہ قبول توبہ کے بعد زمین پر بھیجے گئے تھے، اس کی غرض یا تو ان کی تربیت رہی ہو یا آزمائش اور امتحان:

صحیح بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خلد سے نکلنے اور دنیا میں سکونت اختیار کرنے سے اس حکمت ازلی کا ظہور ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ کی نسل کی افزائش کر کے اسے ذمہ داریوں کا مکلف بنائے گا اور اس کی جانچ کرے گا جس کے بعد ہی اس پر ثواب کا فیصلہ مرتب ہو سکے گا، جنت دوزخ تکلیف کی جگہیں نہ تھیں پس درخت کا پھل کھانا، ان کے ہبوط کا سبب ہو گیا" (الجامع لاحکام القرآن جلد ص ۳۰۲)

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک سزا تو ظاہری ہوئی کہ یہاں سے زمین پر جاؤ اور دوسری سزا باطنی ہے کہ بعضوں میں باہم عداوتیں بھی قائم رہیں گی جن سے لطف زندگی بہت کچھ کم ہو جائے گا۔ (تفسیر بیان القرآن سورۃ بقرہ)

مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

یہ حکم بطور سزا و عتاب نہیں مل رہا ہے اس لیے کہ خطا تو اب معاف ہی ہو چکی ہے بلکہ یہ محض نتیجہ طبعی کا ظہور ہے شجر ممنوعہ کے پھل کھا لینے سے طبعی اثرات مرتب ہو رہے تھے اس کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی روح کے داغ دھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم و مادے سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں کوئی شخص خودکشی کے ارادے سے اگر زہر کھا لے اور معاً اسے اپنی عصیاں کاری پر تنبہ ہو جائے اور وہ روئے گڑگڑائے دل سے توبہ کرے اس سے گناہ تو عجب نہیں کہ معاف ہو جائے لیکن زہر کے طبعی اثرات جو نظام جسم پر مترتب ہوتے ہیں وہ تو بہر حال ہو کر رہیں گے خشوع و خضوع انابت قلب ان مادی اثرات کو ہٹانے کے لیے کافی نہیں (تفسیر ماجدی سورہ بقرہ)

Marfat.com

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

اس گناہ سے اس کو پاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے توبہ اور اصلاح کی راہ کھولی ہے چنانچہ حضرت آدمؑ سے جو لغزش صادر ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کے بعد وہ معاف کر دی اس کے بعد ان کو اس دنیا میں جو بھیجا اس کی وجہ حضرت آدمؑ کا معتوب ہونا نہیں ہے، بلکہ محض ان کا امتحان ہے تاکہ وہ شیطان کے مقابل میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت دیں اور اس کے صلہ میں اس جنت کو پھر حاصل کریں جس سے وہ نکالے گئے (تدبر قرآن جلد اول ص ۱۲۹)

آپ کی رائے سے اتفاق اس تفصیل کے بعد کیا جا سکتا ہے حضرت آدمؑ اور ابلیس کا ذکر بطور تقابل ہوا ہے ابلیس نے خدا کے حکم کی سرتابی کی تو اسے اپنی غلطی اور نافرمانی پر تنبہ نہیں ہوا، بلکہ اس پر وہ مصر رہا، اس کے برخلاف حضرت آدمؑ نے شجر ممنوعہ کا پھل کھالیا اور ان سے غلطی سرزد ہوگئی تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور فوراً بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر معافی مانگ لی باقی رہا زمین پر آدمؑ کا ہبوط تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا وہ زمین میں خلیفہ بنا کر بھیجے جائیں گے توبہ کے بعد پھر وہ اپنے مقام خلافت پر سرفراز کیے گئے، زمین پر ان کا ہبوط بطور سزا کے نہیں بلکہ بطور امتحان کے ہوا تاکہ ہدایت الٰہی کے مطابق دنیا میں زندگی گزارنے کے بعد اولادِ آدمؑ جنت کی مستحق ٹھہرے، سزا کا تصور دوسرے مذاہب کے ذریعہ آیا عیسائیوں کا عام خیال آدم کے ازلی وابدی گنہگار ہونے کا ہے جس کے حل کے لیے انہوں نے کفارہ کا عقیدہ ایجاد کیا ہے، لیکن اوپر بزرگوں کے مندرجہ اقتباسات بھی قابل غور ہیں۔

(''معارف'' اعظم گڑھ۔ جولائی ۱۹۸۳ء)

Marfat.com

(۱)

بسم اللہ

4-Rue de Tournon, 75 - Paris / VI

۱۶ ؍ جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ

مخدوم زاد مجدکم

سلام مسنون نیازمندانہ:

آپ کے پیشرو نے مجھ سے "بیمہ" پر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لیے ایک مقالہ مانگا تھا اپنے مسلسل سفر و سیاحت میں، میں یہ بھول گیا تھا۔ اب یاد آیا تو فوراً ماحضر تیار کر کے ارسال کر رہا ہوں۔ اگر پسند نہ ہو، یا بعد از وقت ہو تو قصور میرا ہے۔ خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔

نیازمند: محمد حمید اللہ

(بنام صدر نشین اردو دائرہ معارف اسلامیہ بورڈ۔ لاہور)

(۲)

بسم اللہ

4-Rue de Tournon, 75006 - Paris / France

۲۸۔ رجب ۱۳۹۸ھ دوشنبہ

مخدوم محترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مکتوب گرامی نمبر 535/C مورخہ ۲۱ ؍ جون ۱۹۷۸ء دو تین دن ہوئے ملا اور باعث سرفرازی ہوا۔ اسی دن دائرہ معارف اسلامیہ کا ایک مجلد نسخہ بھی آیا۔ سابق میں اس جلد کے چند کراسے آ چکے تھے وہ فوراً سمندری ڈاک سے رجسٹر کر کے واپس خدمت گرامی میں بھیج دیے ہیں۔

مقالات میں جو اضافے مناسب معلوم ہوئے اس کی تفصیل منسلک ہے۔ مناسب معلوم ہو تو ان کو اصل میں شامل کر لیا جائے۔

خدا کرے آں محترم خیر و عافیت سے ہوں۔

نیازمند: محمد حمید اللہ

(بنام صدر نشین اردو دائرہ معارف اسلامیہ بورڈ۔ لاہور)

Marfat.com

(۳)

بسم اللہ

4-Rue de Tournon, 75006 - Paris / France

۲۲/مارچ ۱۳۹۹ھ

محترم صدر نشین اردو دائرہ معارف، اسلامیہ بورڈ لاہور

مخدوم و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

حسب ارشاد جلد ا جلدی سے ماحضر وما تیسر ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ وصولی کی اطلاع دی جا سکے تو اطمینان کا باعث ہو۔

چند ہفتے قبل جو عریضہ لکھا تھا اور جس میں ایک بے وجہ تقسیم نہ ہونے اور واپس آنے والا خط بھی ملفوف تھا، غالباً ملا ہوگا۔

خدا کرے آں محترم خیر و عافیت سے ہوں۔

نیاز مند: محمد حمید اللہ

Marfat.com

مخدوم ومحترم وائس چانسلر صاحب

سلام مسنون نیاز مندانہ۔ دو دن ہوئے عنایت نامہ ملا، غور کرتا رہا کہ کیا جواب دوں:

یہ معلوم کر کے دلی صدمہ ہوا کہ دائرہ معارف اسلامیہ کے کام میں رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں، میرا فریضہ ہے کہ ممکنہ ہاتھ بٹاؤں، لیکن کئی پیچیدگیاں ہیں:

میں بوڑھا ہو چلا ہوں، گزشتہ محرم میں ساٹھ سال ختم کر چکا ہوں، اس کام کے لیے ایک جواں سال مستعد آدمی کی ضرورت ہے۔ جامعہ استانبول کی خدمت میں معاہدے میں ابھی پانچ سال اور باقی ہیں وہاں ہر سال تین ماہ کے لیے جانا پڑتا ہے۔

آپ کے ہاں کے کام کی دو ہی نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔ انتظامی اور علمی، مجھے انتظام کا نہ تجربہ ہے اور نہ سلیقہ۔ علمی کام کے لیے لاہور کا قیام لابد نہیں معلوم ہوتا۔ انیس سال سے ادھر قیام کے باعث لاہور کی گرم آب وہوا اب اپنی پیری میں برداشت کرنا مشکل ہے۔ میں نہیں جانتا ذیل کی تجویز کس حد تک قابل عمل ہوگی۔ آپ مثلاً وہاں کاربرآری کے لیے کسی اچھے فاضل کو مامور فرمائیں کراچی میں غالباً عربی کے پروفیسر ہیں، ڈاکٹر سید محمد یوسف، وہ میری رائے میں ہر طرح موزوں ہیں...... اور کام مجھے پیرس روانہ فرماتے رہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر کراسہ کو مطبع بھیجنے سے قبل میں دیکھ لوں اور قابل اصلاح چیز معلوم ہو تو تجویز پیش کر دیا کروں، کتب کی سہولتیں ظاہر ہے کہ یہاں زیادہ ہیں۔

میں اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا، پاکستانی سفارت خانہ اگر ڈپلومیٹک بیگ سے کاغذات کی آمد و رفت کا انتظام کر دے تو بہتر ہے، کیونکہ یہاں کی ڈاک کا قواعد کے تحت ایسے کاغذات کتاب نہیں، بلکہ خط شمار ہوتے ہیں اور ہوائی ڈاک ناقابل برداشت طور پر گراں ہو جائے گی۔

Marfat.com

ان حالات میں ماہوار کا سوال پیدا نہیں ہوتا، جامعہ عثمانیہ میں چودہ سال کام کر چکا تھا، جدید دور میں اس نے طے کیا کہ مجھے وظیفے (پنشن) کا حق نہیں، یہاں مگر نئی زندگی شروع ہوئی، دو چار سال بعد یہاں بھی وظیفے کا حق پیدا ہوگا۔ اس سے دستبردار ہو کر کسی اور ملک میں نئی طرز زندگی اپنی پیرانہ سالی میں پیچیدگیاں پیدا کرے گی، یہ ظاہر کہ پاکستان میں ماہوار یہاں سے کم ملے تو وہاں کے مصارف بھی کم ہوں گے۔ اس لیے اس کو کوئی اہمیت یوں بھی نہیں۔

ڈاکٹر وحید مرزا صاحب نے مجھ سے ''بیمہ'' (انشورنس) کے متعلق ایک مقالہ مانگا تھا میں اسے دو چار دن میں بھیجنے والا ہی تھا کہ آپکا عنایت نامہ ملا۔ معلوم نہیں اس کی کس حد تک ضرورت باقی ہے۔ بہرحال اسے ان شاء اللہ قریب میں میں بھیج ہی دوں گا۔ داشتہ آید بکار

نیازمند: محمد حمیداللہ

سہ ماہی ''قافلہ ادب اسلامی'' لاہور، جنوری تا جون ۲۰۰۳ء (بیاد ڈاکٹر محمد حمیداللہ)

Marfat.com

بسم اللہ

4-Rue de Tournon,

75006 - Paris / France

اسلام آباد (۱۸ ربیع الانور ۱۴۰۰ھ)

مخدوم و محترم زاد فیضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

آپ کے اخلاق عالمانہ کے باعث بلا تعارف زحمت دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ایک سرکاری کام پر میں چار دن سے اسلام آباد میں ہوں۔ ان شاء اللہ آئندہ جمعہ کو پاریس واپس ہو جاؤں گا۔

یہاں کے اثناء قیام میں فکر و نظر کے تازہ نمبر کو دیکھنے کا موقع پایا اور ادارۂ تحقیقات علمیہ سے آپ کا پتا بھی مل گیا۔

وجہ تحریر ایک تو بلوچستان کی پرانی علمی تاریخ پر آپ کے عالمانہ مقالے پر مؤدبانہ مبارکباد عرض کرنا ہے اور دوسرے بعض استفسار کرنے ہیں۔

مجھے عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے حالات کے ہر پہلو سے دلچسپی ہے، آپ کے مقالے نے بعض نئے گوشے کھولے اور نئی راہوں کی نشاندہی کی ہے۔ بارک اللہ فی مساعیکم۔

مجھے قرآن مجید کے تراجم سے بھی دلچسپی ہے۔ مکمل اور نامکمل تراجم کلام پاک مجھے تاحال ایک سو تمیں سے زائد ہی زبانوں میں مل چکے ہیں۔ آپ نے مرحوم مولانا محمد عمر دین پوری کے جس ترجمے کا ذکر فرمایا ہے کیا وہ کوئٹہ میں چھپا ہے؟ یا کسی اور جگہ؟ کیا یہ بازار میں دستیاب ہو سکے گا یا اب ناپید ہے؟ آخر الذکر صورت میں کیا یہ زحمت دے سکتا ہوں کہ اس سے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ کسی فرصت میں نقل فرما کر اس خادم کو رہین منت فرمائیں۔؟

مجھے ۱۹۳۶ء میں کوئٹہ دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ اب تو بہت بدل گیا ہوگا۔

Marfat.com

میں آئندہ جمعہ کو ان شاء اللہ ''وطنِ نامالوف'' پاریس کو واپس ہو رہا ہوں، لیکن ۸تا۲۱مارچ بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی میں گزارنے کے لیے مکرر حاضر ہونا ہے لیکن چونکہ اس کے فوراً بعد Vulancianne یونیورسٹی (شمالی فرانس) کو جانا ہے، اس لیے اس کا شاید امکان نہ ہوگا کہ کوئٹہ حاضر ہونے کی مسرت حاصل کر سکوں۔

بہر حال آپ سے غائبانہ تعارف اور عقیدت ہے۔

نیاز مند: محمد حمید اللہ

(سہ ماہی ''قافلہ ادب اسلامی'' لاہور شمارہ نمبر ۱۵ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء)

(بنام ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر)

Marfat.com

دفتر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

پنجاب یونیورسٹی۔لاہور (۱۹۸۲/۸/۲۴ء)

فاضل محترم السلام علیکم۔ مزاج گرامی! رسالہ الرشاد کے ساتھ آپ کے چند رسالے گزشتہ اپریل میں ملے تھے، ان کی رسید میں میں نے خط لکھا تھا اور چند استفسارات بھی کیے تھے، شاید میرا یہ خط آپ تک نہیں پہنچا، یا ہوسکتا ہے کہ آپ نے میرے خط کا جواب لکھا ہو اور مجھے نہ ملا ہو کیونکہ آج کل ڈاک کا انتظام غیر تسلی بخش ہے۔ بہرحال چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

(۱) آپ نے رسالہ الرشاد (جنوری، فروری ۱۹۸۲ء) کے صفحہ ۲۶۔۲۶ پر امام زہری کی کتاب المغازی کی اشاعت کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی آپ نے لکھ دیا ہے کہ یہ کتاب مصنف عبدالرزاق کے ضمن میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ فقرہ کچھ مبہم سا ہے۔ اگر آپ نے اس کتاب پر تبصرہ کیا ہے تو اس کی ایک کاپی ضرور بھجوا دیں کیونکہ آج کل ہمارے یہاں سیرت پاک پر مقالہ زیر تسوید ہے۔

(۲) عرب ممالک سے متقدمین کی کتابیں اس کثرت سے شائع ہوئی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ کتب تفسیر میں معانی القرآن (الفرا اور الزجاج) شائع ہو چکی ہے۔ مراکش کی وزارت اوقاف نے ابن عطیہ اندلسی کی تفسیر القرآن چھاپ دی ہے، جو بقول ابن خلدون، زمخشری کی کشاف سے بھی بہتر ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تفسیر ابھی تک ہمارے یہاں نہیں پہنچی۔ التمہید شرح مؤطا (امام مالک) بھی مراکش سے شائع ہو چکی ہے۔ آپ نے دیکھی ہوگی۔ علوم اعجاز القرآن پر امام السیوطی کی کتاب معترک الاقران فی اعجاز القرآن تین جلدوں میں چھپی ہے جو اعجاز القرآن دائرۃ المعارف کی

Marfat.com

حیثیت رکھتی ہے۔ قاموس والے مجد الدین فیروز آبادی کی بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتب العزیز (چھ جلدیں) علوم قرآن اور اس کی تفسیر پر گرانقدر تصنیف ہے۔

اسی طرح اصول فقہ پر ابوالحسین الطیب المعتزلی البصری (۴۳۶ھ) کی کتاب المعتمد فی اصول الفقہ سلاست زبان اور فصاحت بیان کے اعتبار سے بھی شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ میری ناقص رائے میں امام غزالی اور امام رازی کی اصول فقہ پر کتابیں اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ اسے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بیروت سے شائع کیا ہے۔

یہ آپ کے ذوق کی کتاب ہے اسے ضرور دیکھیں۔ مدرسۃ الرشاد کے عربی درجے کا نصاب بھجوایا جاسکے تو کرم ہوگا۔ ضلع اعظم گڑھ کے مرکزی عربی مدارس کے نام اگر الرشاد کی کسی اشاعت میں لکھ دیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ اس سے پہلے والے خط میں اعظم گڑھ جا کر آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ظاہر کر چکا ہوں۔ الرشاد اور آپ کے چند رسائل دیکھنے کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ خط ضرورت سے زیادہ لمبا ہوگیا ہے اور میں نے ایک ساتھ کئی فرمائشیں لکھ دی ہیں اس تکلیف کے لیے بصد ادب معذرت خواہ ہوں۔

فقط سلام

سید نذیر حسین مدیر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

پنجاب یونیورسٹی لاہور

(ماہنامہ ''الرشاد'' علی گڑھ۔ ستمبر ۱۹۸۲ء)

Marfat.com

پاریس

۱۵جمادی الاولی

۱۴۰۳ء

محترمی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ستمبر ۱۹۸۲ء کا شمارہ ابھی ابھی فروری ۱۹۸۳ء کے اختتام پر پہنچا ہے۔ شکر گزار ہوں۔ اس کے صفحہ ۴۳ پر آپ کے ایک بیان کا اقتباس بھی ہے کہ مغازی امام زہری "مصنف عبدالرزاق کے ضمن میں شائع ہو چکی ہے۔"

یہ سہو قلم یا سہو حافظہ ہے۔ مصنف عبدالرزاق کی آخری دو جلدوں میں جامع معمر بن راشد چھپی ہے اور اس کے ایڈیٹر مولانا اعظمی (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب) کو انتباہ نہ ہوا کہ یہ ایک الگ کتاب ہے۔ مصنف عبدالرزاق نہیں بلکہ عبدالرزاق کے استاذ معمر بن راشد کی کتاب الجامع ہے۔

فواد سزگین کے مطابق مغازی زہری کے اقتباسات کو الدوری نے شائع کیا ہے اور یہ کہ زہری اصل میں مؤلف نہیں، بلکہ عروہ کے راوی ہیں، عروہ کی مغازی کے اقتباسات حال میں ڈاکٹر مصطفیٰ الاعظمی نے شائع کیے ہیں۔

والسلام: محمد حمید اللہ

(ماہنامہ "الرشاد" اعظم گڑھ۔ اپریل ۱۹۸۳ء)

Marfat.com

مصنف عبدالرزاق

از مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی مدظلہ العالی

رسالہ ''جامعۃ الرشاد'' اعظم گڑھ (اپریل ۱۹۸۳ء) کے ذریعہ میرے قدیم کرم فرما ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے ایک جدید اکتشاف کا علم ہوا۔ اس اکتشاف میں مجھ پر انہوں نے عدم انتباہ کا الزام لگایا ہے۔ میں اس بارے میں ان کو معذور تصور کرتا ہوں۔ اور تحقیق وصداقت سے قطعاً عاری، اس الزام پر ان کو کوئی ملامت نہیں کرتا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کسی خام مسلم مستشرق کی باتوں میں آگئے ہیں، کوئی شخص جس کی نظر سے ''الاوائل'' للشیخ سعید سنبل یا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ''بستان المحدثین'' بھی گزری ہو، وہ مجھ کو عدم انتباہ کے ساتھ مطعون نہیں کرسکتا۔

اوائل شیخ محمد سعید سنبل مکی کی تالیف ہے۔ حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی نے اس کی سند عمر بن عبدالکریم مکی سے لی ہے، انہوں نے علامہ شیخ محمد طاہر سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سنبل سے اس کی روایت کی ہے۔

اوائل سنبل میں حدیث کی چالیس کتابوں سے عموماً ہر ایک کتاب کی پہلی حدیث جمع کی گئی ہے مگر مصنف عبدالرزاق کی آخری حدیث نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

" وبالسند المتقدم الى الامام الحجة عبدالرزاق الصغاني:
اخبرنا معمر عن ثابت عن انس رضى الله تعالىٰ عنه قال:
كان شعر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الىٰ انصاف
اذنيه ..... وهوآخرمصنفه. (ص ۲۲)

Marfat.com

اب آپ مصنف عبدالرزاق کی گیارہویں جلد ہاتھ میں لیجیے، جس سے مصنف عبدالرزاق کی کتاب الجامع ختم ہوتی ہے اور دیکھیے کہ کتاب الجامع کس حدیث پر ختم ہوتی ہے، اگر وہ یہی حدیث ہے جسے شیخ محمد سعید سنبل نے مصنف عبدالرزاق کی آخری حدیث قرار دیا ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ شاہ محمد اسحٰق کے شیخ الشیخ کے شیخ کو بھی اشتباہ نہیں ہوا۔ وہ بھی اس راز سربستہ کو نہ پاسکے کہ یہ مصنف عبدالرزاق کی آخری حدیث نہیں ہے بلکہ معمر کی آخری حدیث ہے۔ اسی طرح شیخ المشائخ الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی بستان المحدثین میں رقم طراز ہیں:

''طرفہ این است کہ مصنف خود راختم کردہ است بشمائل وشمائل راختم برذکر موئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کردہ می گوید: **حدثنا معمر بن ثابت عن انس رضی الله عنه قال كان شعر النبی (صلی اللّٰه علیه و آله وسلم) الیٰ انصاف اذنیه.** (ص۵۱ (طبع مصطفائی کانپور)

لیجیے شیخ المشائخ کو بھی اشتباہ نہیں ہوا کہ اس حدیث پر مصنف عبدالرزاق نہیں ختم ہو رہی ہے۔ بلکہ جامع معمر ختم ہو رہی ہے۔

مصنف عبدالرزاق کی آخری کتاب، کتاب الجامع کو جامع قرار دینے والوں نے اس کی اکثر حدیثوں کو بروایت عمر پا کر اپنے استشراق کے زور سے اس کو جامع معمر یقین کرلیا۔ وہ اور کچھ نہیں، پوری کتاب الجامع کو حرفاً حرفاً پڑھ لیتے تو یہ دعویٰ کرتے ہوئے ان کو خود شرم محسوس ہوتی۔

مجھے استیعاب کے ساتھ تو ذکر کرنے کی فرصت نہیں ہے مثال کے طور پر چند حدیثوں کی نشاندہی کرتا ہوں کہ ان کا کوئی تعلق معمر سے نہیں ہے بلکہ ان کو عبدالرزاق نے اپنے دوسرے شیوخ حدیث سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حدیث نمبر ۱۹۴۴۰، وحدیث نمبر ۱۹۴۷۵، وحدیث نمبر ۱۹۴۸۲، وحدیث نمبر ۱۹۶۴۳، و، حدیث نمبر ۱۹۶۷۱، وحدیث نمبر ۱۹۷۰۹، وحدیث نمبر ۱۹۷۲۰ (مصنف عبدالرزاق جلد نمبر ۱۰)

اسی طرح جلد ۱۱ کی حدیث نمبر ۱۹۷۶۲، وحدیث نمبر ۱۹۷۶۶، وحدیث نمبر ۱۹۷۷۱، و، حدیث نمبر ۱۹۷۷۲، وحدیث نمبر ۱۹۷۸۱، وحدیث نمبر ۱۹۷۹۰، وحدیث نمبر ۱۹۷۹۴، وحدیث نمبر ۱۹۷۹۵، وحدیث نمبر ۱۹۷۹۸، وحدیث نمبر ۱۹۸۰۱، وحدیث نمبر ۱۹۸۰۷، وحدیث نمبر ۱۹۸۴۴، و،

Marfat.com

حدیث نمبر ۱۹۸۴۵، وحدیث نمبر ۱۹۸۵۸، وحدیث نمبر ۱۹۸۷۷، وحدیث نمبر ۱۹۸۹۲، وحدیث نمبر ۱۹۹۶۳، وحدیث نمبر ۲۰۰۰۰، وحدیث نمبر ۲۰۰۹۲، وحدیث نمبر ۲۰۰۹۳، وحدیث نمبر ۲۰۰۹۴، و حدیث نمبر ۲۰۰۹۵، وحدیث نمبر ۲۰۱۱۷، وحدیث نمبر ۲۰۱۲۶، وحدیث نمبر ۲۰۱۳۶، وحدیث نمبر ۲۰۲۴۸، وحدیث نمبر ۲۰۲۹۲، وحدیث نمبر ۲۰۹۵۱۔

صاحب کشف الظنون نے امام عبدالرزاق کی کتاب الجامع کا ذکر کیا ہے اور فواد سید نیز شیخ ناصرالدین البانی نے لکھا ہے کہ الجامع لعبدالرزاق کا ایک ایک نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔ فواد سید نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نسخہ پر ۵۵۸ھ کا ایک سماع درج ہے، نیز دوسرے سماعات بھی ہیں .... تو کیا یہ سب محدثین غلط فہمی سے جامع معمر کو جامع عبدالرزاق سمجھ کر جامع عبدالرزاق کے سماع کا ثبت تحریر فرما رہے ہیں؟

ادارہ

محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب علمی حیثیت سے ایک بلند مرتبہ، وسیع النظر اور بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں اور ساتھ ہی ان میں علمی تواضع بھی ہے۔ انہوں نے مصنف عبدالرزاق کی آخری جلدوں کے بارے میں ایک علمی و تحقیقی بحث اٹھائی ہے۔ کہ اس کی آخری دو جلدیں شیخ عبدالرزاق کی نہیں، بلکہ ان کے استاذ معمر بن راشد کی کتاب الجامع ہے۔ مصنف عبدالرزاق محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی نگرانی میں کئی برس پہلے شائع ہوئی تھی۔ اس لیے انہوں نے یہ لکھا کہ ان کو اس پر اشتباہ نہ ہوا۔ اور پوری کتاب کو مصنف میں شامل کر لیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی اس تحقیق سے مولانا اعظمی کو اختلاف ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں یہ مختصر تحریر روانہ فرمائی ہے جو شائع کی جا رہی ہے لیکن اس سلسلہ میں راقم الحروف معذرت کرتے ہوئے عرض کرے گا۔ کہ مولانا نے جواب میں جو تحریر روانہ فرمائی ہے اس میں غصہ کا انداز بیان ان کے شایان شان نہیں ہے۔ یہ علمی بحث ہے اس میں علمی ہی انداز مناسب ہے۔ راقم الحروف کے پاس مصنف کے نسخے نہیں ہیں۔ اس لیے اس سلسلہ میں کوئی رائے دینا مناسب نہیں سمجھتا مگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو امام زہری کی کتاب المغازی اور معمر بن راشد کی کتاب الجامع دونوں کے سلسلہ میں آئندہ کسی شمارہ میں کچھ عرض کرے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے ڈاکٹر صاحب کے غزوہ بنی نضیر کے ایک مضمون

Marfat.com

کے بارے میں عرض کر چکا ہے۔ مولانا نے اس آخری حدیث کے سلسلہ میں شیخ محمد سعید سنبل کی اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی بستان المحدثین کے حوالہ سے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ان کے استدلال کے لیے کافی نہیں ہے، ان دونوں کا معمر عن ثابت عن انس ہی کا سلسلہ سند ہے۔ البتہ جن دوسرے شیوخ کی حدیثوں کی نمبر وار انہوں نے نشاندہی کی ہے وہ البتہ ان کے استدلال کو وزنی بناتی ہیں۔ متاخرین نے متقدمین کی بہت سی کتابوں اور تحریروں پر استدراکات لکھے ہیں، راجح اور مرجوح قرار دیا ہے۔ اس میں تقدم و تاخر کو کسی استدلال کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

(ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ۔ مئی ۱۹۸۳ء)

Marfat.com

مصنف عبدالرزاق اور جامع معمر بن راشد

پاریس ۲۶ رشعبان ۱۴۰۳ھ

الرشاد کا شمارہ شعبان ۱۴۰۳ھ (مئی ۱۹۸۳ء) میں موضوع بالا پر ایک مقالہ ہے جو اس بحث کے متعلق ہے کہ اول الذکر کتاب کے اواخر میں جو ابواب ہیں اور جو کتاب الجامع بسم اللہ الرحمٰن الرحیم باب وجوب الاستیذان کے الفاظ سے شروع ہوتے ہیں وہ مصنف ہی کا جزء ہیں یا ایک نئی چیز یعنی معمر بن راشد کی کتاب الجامع پر مشتمل ہیں؟

مقالہ نگار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، میرے بزرگ ہیں، انہیں پورا حق ہے کہ جاہلوں کو سرزنش کریں۔ از خرداں خطا، از بزرگاں عطا۔

ممکن ہے لفظ انتباہ کا میں نے بے محل اور غلط استعمال کیا ہو۔ پینتیس (۳۵) سال سے اردو سے کٹا ہوا ہوں اور اسے بھولتا جا رہا ہوں کہ اوڑھنا بچھونا دوسری زبانیں ہیں۔ میرا منشا مولانا پر کوئی اعتراض کرنا نہ تھا بلکہ صرف یہ کہ کسی بھی انسان سے بعض وقت نادانستہ ایسی چیزیں ہو جاتی ہیں جو صحیح نہیں ہوتیں۔ اور بتانے پر الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ کے مصداق بڑے سے بڑا عالم بھی نہ صرف اسے قبول کرتا بلکہ شکر گزار ہوتا ہے۔

جن وجوہ و اسباب سے میں نے اپنی گزارش پیش خدمت کی تھی ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جامع معمر بن راشد کے ترکی میں دو مخطوطے ملے ہیں جن پر نام بھی صرف جامع معمر ہے۔ اور جن میں مندرجات بھی ایک چھوٹی کتاب کے ہیں۔ جلد میں اور کوئی چیز نہیں۔ ان میں ایک جو بہت قدیم ۳۶۴ھ کی تحریر ہے۔ انقرہ میں ہے، دوسرا مماثل نسخہ استانبول میں ہے۔ ان کا ایڈیشن ایک ترکی رفیق نے اشاعت کے لیے تیار کیا

ہے۔ انہیں مصنف عبدالرزاق سے دلچسپی نہ تھی۔ میں نے جامع معمر کے ان دونوں مخطوطوں کے مندرجات کا مصنف عبدالرزاق کے باب کتاب الجامع سے مقابلہ کیا تو پتا چلا کہ وہ ہو بہو ایک ہی چیز ہیں۔ فرق ہے تو وہی جو عام طور پر ایک ہی کتاب کے دو مخطوطوں میں ہوتا ہے۔ مکرر عرض کرتا ہوں کہ ان دونوں مخطوطوں پر جامع معمر درج ہے۔ جامع عبدالرزاق نہیں۔

(۲) مصنف عبدالرزاق کے جو متداول نسخے دنیا کے مختلف ملکوں میں ملتے ہیں ان میں ''کتاب الجامع'' کتاب کے آخر میں موجود ہے، اگر ایسا ہی ایک نسخہ شیخ سعید سنبل یا حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہما اللہ کی نظر سے گذرا ہو اور انہوں نے کچھ لکھا ہو اور کچھ خیال آرائی کی ہو تو قصور ان کا نہیں۔ بے خیالی میں ہر کسی سے ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی نے انہیں توجہ دلائی ہوتی اور اس کے بعد بھی وہ اپنی رائے پر قائم رہتے تو وہ اہم چیز ہوتی۔ موجودہ صورت حال سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) اگر جامع معمر میں جو مصنف عبدالرزاق کا ضمیمہ بن گئی ہے، چند ایک حدیثیں جو عبدالرزاق نے معمر سے نہیں بلکہ کسی اور شیخ سے روایت کی ہوں تو اس سے بھی کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ مصنف کا وہ حصہ جو بلا اختلاف مصنف عبدالرزاق (۹½ ویں جلدیں) ان میں کثرت سے حدیثیں ''عبدالرزاق عن معمر'' ملتی ہیں اس سے وہ جامع معمر کا جز نہیں بن جاتیں۔ سیرت ابن ہشام میں دیکھیے۔ ابن ہشام نے کچھ چیزیں حذف بھی کی ہیں۔ کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھائی بھی ہیں (سیرت ابن اسحاق مطبوعہ مراکش سے اس کا پتا آسانی سے چل سکتا ہے) ایسا بارہا ہوتا ہے کہ کتاب راوی کی طرف منسوب کر دی جائے۔ ابن حبیب کی ایک کتاب ان کے شاگرد اور راوی سکری کی طرف مخطوطے میں منسوب ہو گئی ہے۔ ایسی مثالیں کثرت سے مل سکتی ہیں۔

(۴) دمشق کے مخطوطے کو معمر کے فواد سید نے عبدالرزاق کا قرار دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انقرہ اور استانبول کے مخطوطوں سے واقف نہ تھے۔ ترکی کے فواد سزگین جامع معمر کو اشاعت کے لیے تیار کرنے کے بعد دمشق گئے اور وہاں کے مخطوطے کو دیکھا پھر رباط جا کر وہاں کے مخطوطے کو بھی دیکھا۔ وہ اپنی جرمن کتاب تاریخ تالیفات عربی میں لکھتے ہیں کہ جامع کے راوی عبدالرزاق ہیں اور انہوں نے اسے اپنی مصنف کا ذیل بنایا اور

Marfat.com

اس میں کچھ حدیثوں کا اضافہ بھی کیا ہے اور یہ کہ اصابہ ابن حجر ج ۴ ص ۳۱۱، ص ۶۰۳ میں بھی جامع معمر کے اقتباسات ہیں۔

(۵) میری دانست میں پرکھنے کا بہتر معیار یہ ہو کہ داخلی شہادت پر جائیں۔ معمر بہت قدیم مؤلف ہیں ان کے استاد ہمام بن منبہ کے وقت حدیث کے مجموعوں میں کوئی تبویب مطلق نہیں ہوتی تھی معمر گویا تبویب کا آغاز کرتے ہیں لیکن جو زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے۔ ان کے شاگرد عبدالرزاق تبویب کو مزید ترقی دیتے ہیں اور فقہی ابواب پر کتاب الطہارۃ، کتاب الحیض، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجمعہ، عیدین، جنائز، زکوٰۃ، صیام، عقیقہ وغیرہ حدیثیں مرتب کرتے ہیں اور ان کتابوں کے تحت وہ ذیلی ابواب دیتے جاتے ہیں۔ یہ چیزیں صرف مصنف میں ملتی ہیں، کتاب الجامع میں نہیں ملتیں۔ اس کا نہج بالکل الگ ہے اور تبویب نسبۃً ابتدائی حالت میں ہے، مصنف میں کتاب الاشربہ اور کتاب البیوع کی حدیثیں دوبارہ الگ مقام پر (یعنی جامع معمر میں) نہ ہوتیں اگر دونوں ایک ہی کتاب کے اجزاء ہوتے تو دو جگہ ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی حال مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کا ہے جو مصنف میں بھی اور جامع معمر میں بھی ہے اور یہ بعض دیگر تفصیلوں پر مشتمل ہے ایسی اور چیزیں بھی ملتی ہیں جو اندرونی شہادت ہیں۔

ممکن ہے کہ اس کے باوجود میں ہی غلطی پر ہوں اور کتاب الجامع کے دو معنیٰ متفرقات کے باب کے ہوں، لیکن اس کے خلاف رائے رکھنے کو استشراق یعنی کفر قرار دیا جاسکتا ہے تو میں علام الغیوب سے استغفار کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ **اھدنا الصراط المستقیم**۔

سیرت النبی کی ایک خاص جلد

الرشاد کے اسی نمبر میں ناچیز کے سفر اعظم گڑھ کا ذکر ہے۔ اس پر چالیس سال گذرے ہوں گے۔ اسی اثناء میں میرا یا مقالہ نگار کا حافظہ متاثر ہو گیا ہے۔ متعدد چیزیں میری یاد میں اس طرح پیش نہیں آئیں جیسا کہ بیان کی گئی ہیں مگر ان امور کو کوئی علمی اہمیت نہیں۔ اس سے قطع نظر سیرۃ النبی مؤلفہ شبلی و سلیمان ندوی رحمہما اللہ ایک خصوصی جلد مستشرقین کی تردید کے لیے درکار بیان کی گئی ہے اور اس ہیچ مداں کا ذکر ہوا ہے (مجھے اردو کے سوا ہندوستان کی کوئی زبان نہیں آتی) مجھے

Marfat.com

اس تجویز سے اتفاق نہیں ہے۔ مستشرقین کی تردید کی کوشش سے آپ ان کی اہمیت بڑھاتے اور ان کی سرفرازی کرتے ہیں وہ اس کے مستحق نہیں۔ ان کے لغو اعتراضوں سے اعتناء نہ کرنا ہی بہتر جواب ہے۔ میری حقیر تحریروں کے متعلق مرحوم علامہ سید سلیمان ندویؒ کا طرز عمل ذرہ نوازی کا تھا حتیٰ کہ میں خود ان کی تردید کرتا تھا۔ (مثلاً کتاب عربوں کی جہاز رانی کی تنقید) تو اسے بھی بے تکلف چھاپ دیتے تھے۔ یہ ہے حقیقی بڑائی کا معیار۔ اللہ ان کو جنت الفردوس اور اعلائے علیین میں جگہ دے۔ آمین

فقط نیاز مند

حمید اللہ

(ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ۔ جون، جولائی ۱۹۸۴ء)

معمر بن راشد کی کتاب ''الجامع'' اور عبدالرزاق بن ہمام کی کتاب ''المصنف'' کا باب ''کتاب الجامع''

پیرس ۲۸/ جمادی الآخر ۱۴۰۴ھ

مخدوم و محترم سلام مسنون! خیر و عافیت کے لیے دعا گو۔

اپریل ۱۹۸۳ء اور جون و جولائی ۱۹۸۳ء کے الرشاد میں آپ نے میرے عریضوں کو عزت اشاعت عطا فرمائی تھی۔ صحیفۂ ہمام بن منبہ پر کچھ کام کے سلسلے میں معمر بن راشد کی کتاب کے متعلق کچھ نئی چیزیں پائیں۔ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

الرشاد کے ناظرین کو یاد ہوگا کہ میری دانست میں مصنف عبدالرزاق کی جلد نمبر ۱۰ تا ۱۱ کا باب ''کتاب الجامع'' اصل میں ان کے استاد معمر بن راشد کی کتاب الجامع کی من وعن نقل پر مشتمل ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب کو اس سے اختلاف تھا اور ان کا خط الرشاد میں بھی چھپا اور الفرقان میں بھی میرا جوابی عریضہ الرشاد میں تو چھپا لیکن الفرقان کی کسی مصلحت سے اس کے ناظر اس جواب سے محروم رہے۔ مگر آپ کے یہاں مولانا اعظمی صاحب کا جواب الجواب نہ چھپنے سے گمان ہوتا ہے کہ میرا جواب قابل پذیرائی رہا۔

اب نئی چیز ایک تو یہ عرض کرنی ہے کہ کسی اور کی کتاب کو من وعن اپنی کتاب میں شامل کر دینا اوروں نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ عبدالرزاق کے شاگرد امام احمد بن حنبل کی مسند میں عبدالرزاق کے دادا استاد (معمر کے استاد ہمام بن منبہ) کا صحیفہ بھی من وعن نقل ہو گیا ہے۔ (دیکھو مسند احمد میں مسند ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہی صحیفہ ہمام بعد میں ابن کثیر کی جامع المسانید (مخطوطہ مصر) میں بھی من وعن نقل ہوا ہے۔ فرق ہے تو وہی جو ایک ہی کتاب کے دو مخطوطوں میں ہوتا ہے لیکن میں یہاں تفصیل میں نہیں جاؤں گا عرض کرنا صرف یہ ہے کہ

Marfat.com

عبدالرزاق نے جامع معمر کونقل کیا تو یہ انوکھی چیز نہیں اس کا کافی رواج رہا ہے۔

دوسرے یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں معمر کی کتاب کونقل کرتے ہوئے عنوان ''کتاب الجامع'' دیا گیا ہے، ''الکتاب الجامع'' نہیں اور نہ الباب الجامع اگر یہ حصہ مصنف ہی کا ایک جز یا ایک باب ہوتا تو شاید عنوان ترجیحاً ''الکتاب الجامع'' دیا جاتا یا الباب الجامع۔ واللہ اعلم بالصواب

ناچیز

محمد حمید اللہ

(ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ۔ مئی، جون ۱۹۸۲ء)

قرآن مجید اور غیر عربی رسم الخط

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب...... السلام علیکم

ایک ضرورت سے آپ کا ایک پرانا شمارہ ہاتھ میں لیا تو عنوان بالا پر اس میں محترم نیاز قومی صاحب کا ایک اہم مضمون نظر آیا جسے مکرر غور سے پڑھا۔ میں نے نند کمار اوستھی صاحب کا شائع کردہ قرآن شریف ہندی تو اب تک نہیں دیکھا ہے لیکن چند باتیں نیاز قومی صاحب سے عرض کرنے کو جی چاہتا ہے، مناسب ہو تو چھاپ دیں:

(۱) وہ مضمون کے صفحہ (۳۹) پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''البتہ محمد مارمدوک پکتھال کے انگریزی ترجمہ قرآن میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔'' (کہ انگریزی اور عربی دونوں متنوں کے ایک ساتھ ہونے کے باوجود صفحے دائیں سے بائیں چلتے ہیں) یہاں تفصیل نہیں ہے کہ آیا یہ حیدرآباد دکن کے ایڈیشن میں ہے یا کسی اور میں؟ اور تاریخ بھی نہیں ہے۔

(۲) یہ بیان مفید ہوگا کہ محمد عبدالحلیم الیاسی صاحب نے ۱۹۷۹ء میں حیدرآباد دکن میں پکتھال مرحوم ہی کے ترجمۂ قرآن مجید کے ساتھ اصل عربی متن کو لاطینی خط میں لکھ کر شائع کیا ہے۔ یہ چند اوراق بطور نمونہ چھپے تھے۔ پھر سارا قرآن مجید اسی طرح چھپ چکا۔ گو (امیرکا) میں ۱۹۷۸ء اور مکرر ۱۹۸۶ء میں چھپوایا کہ اصل اور ترجمہ دونوں لاطینی خط میں ہیں۔

Marfat.com

(۳) یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ میرا اپنا فرانسیسی ترجمۂ قرآن مجید جو پہلی بار، اکتوبر ۱۹۵۹ء میں اور دوسری بار اسی سال نومبر ۱۹۵۹ء میں چھپا وہ یک لسانی تھا۔ دولسانی اشاعت ۱۹۶۳ء میں ایک مسلمان دوست نے کی مگر حسب ''معمول'' صفحے بائیں سے دائیں چلتے ہیں ایک صفحے پر ترجمہ اور مقابل کے صفحے پر عربی متن۔ مگر جب ۱۹۸۵ء میں اس کا تیرہواں ایڈیشن ایک امریکی دوست نے چھپوایا تو میں نے صفحے دائیں سے بائیں چلائے یعنی عربی متن ہی نہیں، فرانسیسی ترجمہ بھی دائیں سے بائیں چلتا رہا۔ اب ۱۹۹۳ء میں الحمدللہ ترجمے کا بیسواں ایڈیشن مطبع میں ہے اور دائیں سے بائیں ہی چل رہا ہے اور میں عربی کو لاطینی خط میں لکھنے کا مخالف ہوں اس لیے عربی متن عربی خط ہی میں ہے۔

(۴) یہاں ایک نو مسلم فرانسیسی بہن ہیں کچھ عربی بھی سیکھ لی ہے، میرے کہنے سے انہوں نے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس میں ''عورت'' کے متعلق چالیس احادیث نبویہ کو شائع کیا ہے۔ اس میں عربی متن ہی نہیں فرانسیسی ترجمہ بھی عربی خط میں لکھ کر شامل کیا ہے میرے پاس وسائل نہیں ورنہ میں پورا قرآن مجید پورے فرانسیسی ترجمے کے ساتھ اس طرح شائع کروں کہ فرانسیسی زبان بھی عربی خط میں رہے (جیسا مذکورہ عورت کے متعلق اربعین حدیث میں ترجمہ فرانسیسی بھی عربی خط میں ہے، اس کا نام ''کارانت حدیث ادسوژ ے دلا فام'') یہ شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے لیے کارآمد ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ فقط

(محترم ڈاکٹر) محمد حمید اللہ (صاحب مدظلہ) (پیرس)
(ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ۔ ستمبر ۱۹۹۳ء)

Marfat.com

۷رجنوری ۱۹۸۶ء

مخدوم ومحترم زادفیضکم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

ستمبر ۱۹۸۵ء کا الرشاد آج پہنچا۔ ممنون ہوا۔ بارک اللہ فی مساعیکم ۔ دو ایک چھوٹی چیزوں کے لیے زحمت دیتا ہوں، مناسب ہوتو جواب سے سرفراز فرمائیں۔

(۱) قرآن مجید اور غیر عربی رسم الخط کے مضمون کو بہت دلچسپ پایا، اصل میں اسی کے سلسلہ میں زحمت دے رہا ہوں۔

(الف) قرآن مجید کا عربی املاء، رسم عثمانیؓ میں رکھنے کا ایک نیا فائدہ حال میں دیکھا گیا، اصل مکتوب نبوی بنام المنذر بن ساوی میں ''لا ایلہ غیرہ'' لکھا ہوا ملتا ہے۔ ''غیرہ'' نہیں، جرمن، مستشرق فلایشر کے لیے یہ کافی تھا کہ اصل کو جعلی قرار دے کہ کاتب نبوی اتنا جاہل نہیں ہوسکتا مگر قرآن مجید (سورہ ۵۱، آیت ۴۷) میں آج بھی بِاَیئِدٍ لکھا جاتا ہے بِاَیدٍ نہیں، تاشقند میں محفوظ قرآن عثمانیؓ میں ایسی بہت سی دیگر مثالیں بھی ملتی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرانے خط میں حرف یاء کو دو شوشوں سے لکھتے تھے، آہستہ آہستہ ایک شوشے سے لکھنے کا رواج بھی ہورہا تھا۔ (بسلسلۂ الرشاد ص ۳۵)

(ب) قرآن مجید کے قدیم ترین لاطینی ترجموں میں سے ایک مراچی (Maracci) کا ہے اس میں عربی متن بھی عربی خط میں ہے، صرف ترجمہ نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۳۹)

(ج) محمد پکتھال مرحوم کا اولین ایڈیشن صرف انگریزی ترجمے پر مشتمل ہے، اس میں عربی متن نہیں ہے یہ بعد کے ایڈیشنوں میں ہوا ہے (ایضاً ص ۳۹) غالباً میرا اپنا فرانسیسی ترجمہ پہلا ہے جس میں عربی متن کے ساتھ چھپنے والے ایڈیشن میں صفحے دائیں طرف سے (عربی کتاب کی طرح) شروع ہوتے ہیں دیگر مسلمان مترجموں کی طرح نہیں۔ (ایضاً ص ۳۹)

(د) کاش اس بیان کی ذرا زیادہ وضاحت ہوتی (جس کی مجھے سخت ضرورت ہے) کہ ''حال میں اسلامی ساہتیہ پرکاش کے زیراہتمام مختلف ہندوستانی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے شائع ہوئے ہیں، جن میں متن کی بھی عربی میں کتابت شامل ہے'' (ص ۴۰) کیا یہ عربی متن تامل، تیلگو، کنڑی، گجراتی، مراٹھی اور ہندی رسم الخطوں میں ہے یا عربی رسم الخط میں؟ کاش ان کی تاریخ طباعت بھی معلوم ہوسکے، اور

Marfat.com

مترجموں کے نام بھی۔

(۵) نند کمار اوستھی کے ایڈیشن میں صرف عربی متن بخط ہندی ہے یا اس میں ترجمہ بھی ہے؟ (ص:۴۱)

(۲) محض اطلاعاً عرض ہے کہ تقریباً پچاس سال پہلے ایک بنگالی ترجمۂ قرآن میں عربی متن بنگالی رسم الخط میں بھی تھا، کم و بیش اسی زمانے میں ترکی میں سارا قرآن (بغیر ترجمے کے) صرف لاطینی خط میں چھپا اور تا حال رائج ہے۔

(۳) یہ بھی اطلاعاً عرض ہے کہ میرے علم میں سرسید وہ قدیم ترین شخص ہیں جو انگریزی زبان کو عربی خط میں لکھنے لگے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ وائسرائے کی کونسل کے رکن تھے، جو بیان دینا ہوتا تھا وہ لکھ کر انگریزی میں ترجمہ کرا کر اور اسے عربی خط میں لکھ کر ساتھ لے جاتے تھے، انہیں انگریزی زبان تو آتی تھی لیکن انگریزی خط پر عبور نہ تھا۔

میں نے ۱۹۳۳ء میں لندن میں ایک انگریز نومسلم مسٹر فویلنگ کو سورۂ فاتحہ کا انگریزی ترجمہ عربی خط میں لکھتے پایا، اب حال میں وہاں نومسلم انگریزوں نے ایک رسالہ نکالنا شروع کیا ہے جس میں پورے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ (انگریزی زبان بخط عربی) بہ احتیاط شائع کرنا مقصود ہے، کئی نمبر نکل چکے ہیں، خدا پروان چڑھائے، ایک زمانہ میں اسپینی، پرتگالی اور پولینڈی زبانیں عربی خط میں لکھی جاتی تھیں۔

(۴) آخر میں یہ کہ فرانس میں ہماری ایک نومسلم بہن نے ایک کتاب شائع کی ہے (کارنت حدیث ادسوژ ے ولا فام) یعنی چالیس حدیثیں عورت کے متعلق عربی ہی نہیں اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی عربی خط میں دیا ہے جیسا کہ نام سے واضح ہوگا۔

نیاز مند

(ڈاکٹر) محمد حمید اللہ (پیرس)

(ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ۔ جنوری، فروری، مارچ ۱۹۸۶ء)

Marfat.com

ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ

مخدوم ومحترم زاد فیضکم ومد عمرکم..........السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرشاد کا شمارہ جمادی الآخر ۱۴۰۹ھ ابھی ابھی آیا فقہ اسلامی کے بنیادی ماٰخذ پر آپ کے فاضلانہ مقالے کی دوسری (شاید آخری) قسط بھی پڑھی اور مستفید ہوا عرصہ ہوا ۱۹۵۲ء میں میں نے بھی اس موضوع پر کچھ کام کیا تھا جو لندن کے اسلامک کوارٹرلی دسمبر ۱۹۵۴ء میں چھپا اور کچھ نظر ثانی کے بعد فرانسیسی میں ۱۹۶۲ء میں مکرر شائع ہوا۔ اس وقت قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کے سوا مجھے کچھ اور ماٰخذ بھی نظر آئے، خلاصہ عرض کرتا ہوں۔

(۱) قیاس کا جس میں اجتہاد اور استحسان کو بھی امام شافعی نے ذیلی اقسام کے تحت داخل کیا ہے اور امور پر بھی اطلاق کرنا چاہتے ہیں مثلاً

(۲) عرف وعادۃ تعامل یہ عہد نبوی میں بھی ماخذ رہا اور اب تک باقی ہے جس نئے ملک میں اسلام پہنچتا اور پھیلتا ہے مقامی عادتوں میں نئی اور نامعلوم چیزیں ملتی ہیں۔ ہر اجتہاد سے حسن وقبح کی اساس پر قبول یارد کرنا پڑتا ہے آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ نجد میں بہت دنوں تک ٹیلیفون کو ہاتف یعنی شیطان کی نظر نہ آنے والے شخص کی آواز کی بناء پر حرام سمجھا گیا۔ اس کا پر لطف قصہ حافظ وہبہ سفیر سعودیہ در لندن نے کیا ہے۔

(۳) احل لکم ما وراء ذالکم کی اساس پر فقہاء نے الاصل الاباحۃ کا کلیہ وضع فرمایا ہے، ہر چیز اصولاً مباح ہے عقل مفید اور مضر میں امتیاز کرتی ہے اور جس کی شریعت نے صراحت سے ممانعت کی ہے وہ حرام ہو جاتی ہے۔

(۴) الضرورات تبیح المحظورات

(۵) کتاب الخراج کے مطابق حضرت عمرؓ نے بعض وقت مماثلت کو بھی ماخذ قواعد قرار دیا۔ جب اجنبی تاجر اسلامی سرزمین میں آنے لگے تو چنگی کا سوال ہوا اور سرحد کے ایک افسر کی دریافت پر دربار خلافت سے جواب دیا گیا کہ ان سے اسی مقدار میں چنگی لو جتنی ان کے ملک میں مسلمان تاجر سے لی جاتی ہے۔

(۶) بین الممالک معاہدات میں قبول کردہ شرائط۔

(۷) امام مالک کے ہاں عرف اہل مدینہ معمولی قیاس سے مرجح ہے۔

(۸) عموم البلویٰ

(۹) ایک زمانے میں یہ مناسب معلوم ہوا کہ بہت پرانے حقوق کو طلب نہ کرنے دیا جائے کہ بعد از وقت ہیں اس لیے یہ تدبیر کی گئی کہ قاضیوں کو حکمران نے ہدایت دی کہ فلاں قسم کے مطالبات کی سماعت تمہارے شعبے سے غیر متعلق ہیں اور وہ صرف حکمران کے یہاں کیے جائیں۔

(۱۰) اجماع اتنا اٹل نہیں ہے جتنا عوام الناس میں مشہور ہے۔ بزدوی نے صراحت سے لکھا ہے کہ ایک عہد کا اجماع سابقہ اجماع کو منسوخ کر سکتا ہے۔

(۱۱) شرائع من قبلنا (بر بنا آیت: **فبهداهم اقتده** وغیرہ) اگر ان کا وجوب ثابت ہوا اور ان کو قرآن یا حدیث نے منسوخ نہ قرار دیا ہو۔

(۱۲) اجتہاد کی ذیلی قسمیں: استصحاب، استصلاح وغیرہ کا ذکر بھی اصول فقہ کی کتابوں میں آتا ہے۔

خدا کرے آں محترم بخیر و عافیت ہوں۔

ناچیز:

(ڈاکٹر) محمد حمید اللہ (پیرس)

(ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ۔ اپریل، مئی، جون ۱۹۸۹ء)

خطوط بنام ڈاکٹر لئیق احمد بابری

لئیق احمد بابری، ڈاکٹر (متوفی ۲۰۰۳-۶-۲۶) شاعر، ادیب، دانشور، محقق، نقاد، مترجم، مصنف، پنجابی، فرانسیسی و عربی کے ماہر۔ گورنمنٹ کالج لاہور، فرانسیسی نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد اور ام القریٰ یونیورسٹی مکۃ المکرمہ کے شعبۂ فرانسیسی سے وابستہ رہے۔ صدر فرانسیسی انجمن پاکستان۔ فرانس کے سب سے بڑے علمی اعزاز سے نوازے گئے۔

(۱)

بسم اللہ

۵/جمادی ے۱۳۷ھ

مکرمی دام لطفکم

سلام مسنون! کل سہ پہر عنایت نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ مسرت ہوئی کہ آپ کو ابتدائی مراحل سے اب بخیر وخوبی نجات مل گئی ہے۔ ان شاء اللہ باقی علمی کام سے بھی باحسن الوجوہ فراغت حاصل ہو جائے گی۔

مولانا ظفر صاحب کا پتا سہواً پاریس میں چھوٹ گیا' یہاں ساتھ نہ آیا' تاہم میں نے پروفیسر محمد شفیع صاحب سے التجا کی تھی کہ ظفر صاحب کو میرے پتا اور مدت قیام سے اطلاع دے دیں' اگر آپ کو خط لکھیں تو مہربانی فرما کر میری طرف سے معذرت چاہ لیں۔ یہ اطلاع دیں کہ

Marfat.com

میں یہاں سے بھی ہر وقت خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میں یہاں ایک اور ماہ رہوں گا اور ان شاءاللہ فروری کی آٹھ دس تک یہاں سے نکل کر پندرہ سولہ تک پاریس آ جاؤں گا۔

۲۔ تراجم قرآن متعدد ہیں اور ہر دکان پر مل سکتے ہیں۔ میری رائے میں Icasimis ki سب سے اچھا ہے جسے سات سو فرانک میں مل جانا چاہیے۔

پتا

1- Maisonnenbe 10, Rue St. Subpice VI - C

2- Genthner ;2, Rue Vavian VI - C

یہاں کے لیے کوئی کار لائق ہو تو بے تکلف ارشاد فرمائیں۔ اُمید ہے کہ آپ بصحت و عافیت ہوں گے۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۲)

بسم اللہ

۱۴ر شوال ۱۳۷۸ھ

مکرمی دام لطفکم!

سلام مسنون۔ عنایت نامے کا دلی شکریہ۔ عرصہ ہوا میں نے عید کے موقع پر کارڈ بازی ترک کر دی ہے۔ آپ نے تو کارڈ سے بھی گزر کر ایک لفافہ استعمال کیا ہے۔ اس سے فرانس کے محکمہ ڈاک نے تو استفادہ کیا' ورنہ مجھ لاابالی کے لیے تو رنگین کارڈ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال آپ کا شکریہ۔

امید ہے کہ آپ بفضل خدا خیر و عافیت سے ہوں گے۔ اور مقالے کا کام آگے بڑھ رہا ہوگا۔ میری مشغولیت اصولاً مئی کے آخر میں ختم ہوگی اور خدا نے چاہا تو جون کے اوائل میں "وطن" کو واپس ہو سکوں گا۔

مخلص

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۳)

بسم اللہ

۵/دسمبر ۱۹۵۸ء

4, Rue de Tournon

Paris - VI

مکرمی!

سلام مسنون' خیر و عافیت کا طالب۔

میں ۱۱ تا ۲۰ دسمبر سفر پر رہوں گا۔ اس دوران میں آپ بے وجہ زحمت نہ فرمائیں۔
معلوم نہیں آپ ہوٹل میں ماہانہ کیا ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں جو ختم دسمبر سے تین ماہ سفر پر رہیں گے۔ ان کا کمرہ خالی رہے گا۔ وہ ماہانہ (12) ہزار فرانک دیتے ہیں۔ ان کا پتہ نمبر 84 ریوکلود برنار (مادام ماریودچ کی گلی میں) ان کا نام موسیو محمد۔ اگر آپ کو پسند ہو تو ان سے مل سکتے یا ان کو لکھ سکتے ہیں (اور میرا حوالہ دے سکتے ہیں)

اگر کل سنیچر کی شام کو آپ کو فرصت ہو تو رات کے 9 بجے مرکز ثقافت اسلامیہ کے ایک محدود اجتماع میں شرکت فرمایئے۔ غالباً امجد صاحب بھی آئیں گے۔ پتہ نمبر 13 - Rue Mazarine (سیٹر و Odion کے سامنے کی گلی) چوتھی منزل' دائیں ہاتھ کا کمرہ جس پر Heckmann لکھا ہوا ہوگا' مگر اصرار نہیں کیونکہ آپ کی تعلیمی مشغولیت کو بہر حال تقدم حاصل رہے گا۔

مخلص

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۴)

بسم اللہ

۲۰/صفر ۱۳۸۰ھ

4, Rue de Tournon

Paris - VI

مکرمی۔ سلام مسنون!

نوازش نامہ ملا۔ خیر و عافیت سے مسرت ہوئی۔ آپ کی یکا یک روانگی کی اطلاع ماجد صاحب سے ملی تھی وہ آج کل اپنے والد کی علالت کے باعث حیدرآباد گئے ہوئے ہیں۔ بیوی یہیں ہوگی۔

ترجمۂ قرآن الحمدللہ شائع ہو گیا ناشر Club Francais de livre

8, rue de la Paris, Paris II - C

آپ ضرور اپنی تعلیم کی تکمیل فرمائیں۔ اگر زندگی ہے اور یہیں کا آب و دانہ ہے تو آپ سے ان شاء اللہ مکرر ملاقات ہو جائے گی۔

یاد فرمانے والوں کو سلام فرمائیں۔

چونکہ کوئی عجلت کی چیز جواب طلب نہ تھی اس لیے سمندری ڈاک سے لکھ رہا ہوں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۵)

بسم اللہ

۱۵/شعبان ۱۳۸۵ھ پنجشنبہ

R, Rue de Tournon

Paris - VI

مکرمی دام لطفکم!

سلام مسنون۔ خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔ ظفر اقبال کے فرزند کے ساتھ آپ تشریف لائے تھے تو میں نے انہیں ایک کتاب بھیجنے کا وعدہ کیا تھا' وہ اب آ گئی ہے مگر مجھے

Marfat.com

ان کا نام یاد نہ رہا۔ اگر زحمت نہ ہو تو دوسطری کارڈ مجھے لکھ دیں، ساتھ ہی ان کا پتا بھی درج کر دیں تو عنایت ہوگی۔

مخلص

محمد حمید اللہ

مکرر:

غالباً چغتائی صاحب (سائنسٹ) آپ ہی کے مکان میں رہتے ہیں۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے۔ اگر ملفوفہ خط ان کے لیٹر بکس میں ڈال دیں تو عنایت ہوگی۔ زحمت دہی کی معافی چاہتا ہوں۔

(۶)

بسم اللہ

۲۱ رشعبان ۱۳۸۵ھ منگل

4,Rued Tournon vi-c

مکرمی دام لطفکم:

سلام مسنون! زحمت فرمائیوں پر دل سے ممنون ہوں۔

افسوس ہے کہ میرے پاس مولانا آزاد کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ ان کی تفسیر کا انگریزی ترجمہ بمبئی میں چھپ رہا ہے' ایک جلد چھپ بھی چکی ہے مگر مجھے علم نہیں کہ وہ پاریس میں کہیں ہے یا نہیں۔ رمضان مبارک۔

مخلص

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۷)

بسم اللہ

۲۴ر شوال ۸۸ھ

4, Rue de Tournon

75- Paris - VI

مکرمی۔سلام مسنون!

امتحان کی مبارکباد۔حلاج ایک مجذوب تھے۔مجذوب کی بڑکو اسلام قرار دینا عقل سلیم کو نہیں بھاتا۔ ماسینوں کا مقصد مشنریانہ تھا کہ مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے اور ابن اللھی مذہب عیسائیت سے قریب کرنے کے لیے حلاج کے نام کی آڑ لیں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۸)

بسم اللہ

۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

4, Rue Tournon vi. c

مکرمی دام لطفکم:

سلام مسنون! آپ کا پاکستان کا خط ملا تھا جس کا شکریہ مگر اس میں ایک ہفتے کے بعد نکلنے کا ذکر تھا اس لیے جواب بعد از وقت پہنچتا اس لیے نہ دیا۔

سفر سے واپسی پر کارڈ ملا۔زحمت فرمائی کا شکریہ۔افسوس ہے کہ آپ کا استقبال کرنے موجود نہ تھا۔

قریب میں جزیرہ کورسیکا' پھر لِل پھر بہاولپور جانا ہے اور جنوری کے آغاز تک سفر ہی سفر ہیں۔

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں اور پاریس تشریف آوری کامیاب رہے۔

خاکسار

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۹)

بسم اللہ

۲۲؍صفر ۱۴۰۰ھ

4:Rue de tournon

95006 Paris

مکرمی دام لطفکم:

سلام مسنون۔ کام کی کثرت ہے۔ دیری پر معافی چاہتا ہوں۔ میرے لیے سنیچر اور اتوار مملو ہیں۔ سنیچر کی دوپہر میں دو طالب علم یکے بعد دیگرے عرصے سے آتے ہیں اور مغرب تک رہتے ہیں اتوار کی دوپہر کو 23, Rue Boys Barret میں مسلمان طلبہ کی انجمن میں رہتا ہوں۔

بہرحال پرسوں سنیچر کو ۴ بجے میں آپ کے ہاں خود آؤں گا اور پندرہ بیس منٹ کے بعد واپس ہو جاؤں گا۔ خدا کرے یہ خط آپ کو وقت پر مل جائے اور آپ کے لیے کسی مشکل کا باعث نہ بنے۔ مکان میں آداب

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱۰)

بسم اللہ

۱۷؍صفر ۱۴۰۰ھ

4, Rue de tournon

75006 - Paris

عزیز مکرم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں آپ کو خط لکھنے والا ہی تھا کہ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ امید کہ آپ اور اہل وعیال سب خیر و عافیت سے ہوں گے۔

Marfat.com

توقع ہے کہ اس ہفتے کے دوران میں آپ کو اطلاع دے سکوں کہ میرا قریبی نظام العمل کیا ہے۔

شاید یہی بہتر ہوگا کہ میں آپ کے ہاں آ جاؤں۔ مکان میں سلام۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱۱)

بسم اللہ

۲ محرم ۱۴۰۲ھ

مکرمی زاد مجدکم۔

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا شکر گزار ہوں۔

اسلامیات پر فرانسیسی زبان میں سیکڑوں اہم کتابیں ہیں جو آپ پر مخفی نہیں' اس لیے آپ کی فرمائش کا مطلب سمجھ نہ سکا کہ کونسی اہم کتابیں مراد ہیں۔

میں نے گزشتہ ہفتے تین دن اسلام آباد میں گزارے۔ ممکن ہے کہ وسط دسمبر میں بھی ایک دن کے لیے مجھے وہاں آنا پڑے۔ (حکومت کی دعوت ہے اور ظاہر ہے کہ میں اپنے وقت کا مالک نہ رہوں گا) توقع تو ہے کہ دسمبر کے آخر تک پاریس واپس پہنچ جاؤں' ان شاء اللہ۔

امید ہے کہ آپ اور اہل وعیال سب خیر وعافیت سے ہوں گے۔

مخلص

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۲)

بسم اللہ

۲۸ محرم ۱۴۱۳ھ

باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیاً

4, Rue de Tournon

Paris - 6 / France

محترم ومکرم دام لطفکم!

سلام مسنون۔ ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آج شام آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوں معذرت خواہ بھی۔ پاکستان میں آپ لوگوں کا اظہار محبت کے لیے جو والہانہ جوش وخروش تھا اس سے میرے ہوش وحواس گم ہو گئے تھے۔ غالباً آپ کا مکمل نام لئیق (احمد) بابری ہے۔

اپنے فرانسیسی ترجمۂ قرآن مجید کے سیٹ میں نے خود تو نہیں بنائے لیکن جن لوگوں نے چوری کے ایڈیشن طبع کیے ہیں انہوں نے سیٹ بھی رجسٹر کیے ہوں تو یہ ناممکن نہیں۔ ترجمے کے اب تک جائز و ناجائز اٹھارہ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ انیسویں کے پروف آ رہے ہیں۔ اور ہر ایڈیشن میں ترمیمیں ہوتی رہی ہیں اس دفعہ بھی کافی الفاظ بدلے ہیں۔

مگر قصہ یہی نہیں ہے۔ میں اس کا ناشر نہیں ہوں۔ ناشر ایک فرنگی Clut Freencais Livre ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر آپ مطلوبہ کام نہیں کر سکتے اور وہ اجازت مفت نہ دے گا۔ پہلا ایڈیشن 1959ء کا ہے۔ آیا قانوناً ابھی ناشر کا حق باقی ہے یا نہیں، یہ دریافت کرنا ہوگا۔ مجھے علم نہیں، لیکن اخلاقاً اس کا حق باقی ہے۔ اسی لیے ترجمے کی فرمائش کی اور اس نے ایک ادیب فرانسیسی مددگار مجھے دیا تاکہ میری فرانسیسی کو درست کرے۔ یوں بھی یہ ترجمہ بعض اہل خیر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کرتے رہے ہیں۔ آئندہ ایڈیشن سنا ہے کہ ایک ملین کی تعداد میں ہوگا۔

یہ ہے صورتحال۔ خدا کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

Marfat.com

خطوط بنام ڈاکٹر نبی بخش بلوچ

نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر۔ تلمیذ علامہ عبدالعزیز میمن۔ علمی اور تحقیقی خدمات کے حوالے سے بین الاقوامی شہرت یافتہ دانشور۔ کولمبیا یونیورسٹی امریکہ سے تعلیم کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ بہت سے علمی اداروں کے سربراہ رہے۔ ان کی علمی و تحقیقی خدمات پر چار کتابیں چھپ چکی ہیں۔ جامع سندھی لغت کے مصنف۔ سندھی لوک ادب ۴۳ جلدوں میں اور شاہ جو رسالو گیارہ (۱۱) جلدوں میں مرتب کر کے شہرت حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور فن پر محمد راشد شیخ کی کتاب اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔

(۱)

بسم اللہ

۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۰۷ھ

مخدوم و محترم مزاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کی ڈاک میں آپ کی ناممتناہی کرم فرمائیوں کا تازہ ثبوت ملا اور پنجابی ترجمۂ قرآن مجید کا نسخہ پہنچا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ چند دن قبل پہنچے ہوئے خط کا جواب بھی اس اثناء

Marfat.com

میں مل چکا ہوگا۔

یہاں آج کل ۱۲ (سینٹی گریڈ) کی سردی اور برفباری ہو رہی ہے۔ سڑکوں پر بالشت بھر برف ہے۔ آمد و رفت میں دشواری اور حوادث کی کثرت ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۲)

بسم اللہ

۲۸ رجب ۱۴۰۸ھ

4, Rue de Tournon

Paris -6 / France

محترم و مکرم زاد مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گزشتہ ہفتے کرم نامہ ملا تھا اور میں ممنون و مشرف بھی ہوا تھا۔ فوراً کتاب آپ کو ہوائی ڈاک سے دوبارہ بھیج دی۔ امید ہے کہ مل گئی ہوگی اور آپ کی عزیز بچی کو خوشی ہوئی ہوگی۔

میں نے ایک سوال کی جسارت اور گستاخی کی تھی۔ جواب دیتے وقت غالباً یاد نہ آیا۔ وہ یہ کہ آپ نے مولانا مقبول سبحانی کے کشمیری ترجمۂ قرآن مجید کے متعلق ایک زمانے میں دلچسپی لی تھی۔ محترم صدر پاکستان نے اس کے چھاپنے کا حکم دیا تھا۔ اب وہ کس مرحلے میں ہے؟

میں نے شاید آپ کو لکھا تھا کہ میرا فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید اب پندرھویں مرتبہ چھپ رہا ہے۔ الحمدللہ اس دفعہ ناشر ایک لاکھ نسخے چھاپنا چاہتا ہے۔ خدا اسے اجر عظیم عطا فرمائے۔ پروف درست کر کے واپس کر چکا ہوں۔ کچھ ترمیمیں بھی ہیں۔

خدا کرے وہاں اور سب خیر و عافیت ہو اور ہم لوگوں کو خدا نیک توفیق دے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۳)

بسم اللہ

۳؍جنوری ۱۹۸۷ء

4, Rue de Tournon

Paris -6 / France

مخدومی زاد مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲؍دسمبر کا عنایت نامہ نمبر F.A/NHC/86-20 کل شام ملا ممنون ہوا۔

غالباً مجھے غلط فہمی ہوئی ہے جب گزشتہ نوازش نامے میں آپ نے لکھا تھا کہ آفسٹ کی چھپائی وہاں ممکن ہے تو میں نے خیال کیا کہ ہر مضمون کو (اس کی اپنی زبان میں) فوٹو سے چھاپا جائے گا۔ اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو معذرت اور معافی کا خواستگار ہوں۔ والامر بید اللہ واللہ المستعان

خادم

محمد حمید اللہ

(۴)

بسم اللہ

۱۵؍جون ۱۹۸۷ء

4, Rue de Tournon

Paris -6 / France

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تار بروقت مل گیا۔ سنیچر اور اتوار درمیان میں آگئے۔ آج سفارت خانہ اور PIA کے دفتر پر گیا۔ الحمد للہ کام بن گیا لیکن چونکہ PIA کے لیے ممکن نہ تھا کہ آپ کے حسب فرمائش مجھے ۲۷ کو اسلام آباد پہنچائے اس لیے جلد نکلنا پڑا ہے اور نظام العمل یہ ہے۔

روانگی پیرس سے ۲۴؍جون 12:25 بجے

آمد کراچی ۲۵؍جون 4 بجے

روانگی کراچی سے ۲۷/جون ۷ بجے

آمد اسلام آباد ۲۷/جون ۵۵-۸ بجے

اور دو دن جو ملے ہیں وہ کراچی میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں گزار لوں گا ان کا پتا ہے:

محی الدین محمد عبدالقادر صاحب

۲۱۸۹۔ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی نمبر ۵

ان کے پاس ٹیلیفون تھا' شاید اب بھی ہو (۴۲۴۳۵۳)

اطلاعاً عرض ہے ان شاء اللہ ۲۷/جون کو ملاقات کی مسرت حاصل ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ یکم جولائی کو واپسی ہو سکے گی۔

سفارت کے لوگوں نے فرمایا کہ ٹیلیکس کر دیں گے۔ اس لیے تار خود بھیجنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ ان شاء اللہ یہ خط بروقت آپ کو مل جائے گا۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۵)

بسم اللہ

۲/اکتوبر ۱۹۸۷ء

4, Rue de Tournon
Paris -6 / France

محترمی متعنا اللہ بطول حیاتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اخبار Impact (لندن) سے معلوم کر کے دلی صدمہ ہوا کہ بروہی صاحب کا لندن میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ نصیب کرے۔ ان کی جگہ پُر ہونی مشکل ہے۔ اللہ کی مشیت۔

میں ان کے خاندان سے واقف نہیں ہوں۔ اس لیے یہ حقیر تعزیت نامہ آپ ہی کو لکھتا ہوں۔

ہجرہ کاونسل کا کام جاری ہے۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۶)

باسمہ تعالیٰ۔حامداومصلیا

۱۹۹۲/۴/۲ء

4, Rue de Tournon

Paris-6 / France

مخدوم ومحترم زادمجدکم وعم نفعکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج صبح کرم نامہ ملا۔ممنون ومسرور ہوا۔میں آپ کی مصروفیتوں سے تو واقف تھا لیکن آپ کو کوئی حادثہ پیش آیا۔یہ معلوم نہ تھا۔خدا کرے صحت عاجل وکامل حاصل ہو۔عید مبارک۔

ہجرہ کاونسل سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔السرد والفرد کا بدستور انتظار ہے۔محمود غازی صاحب سے اتنا معلوم ہوا کہ''کتاب چھپ گئی اور تجلید کے شعبے میں ہے''واللہ المستعان۔

ان شاءاللہ ۲۵/اپریل کو آٹھ دس دن کے لیے پاکستان آرہا ہوں۔پروگرام میں حیدر آباد سندھ کا تو نام نہیں ہے۔واللہ المستعان۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

Marfat.com

خطوط بنام ڈاکٹر احمد خاں

"احمد خاں، ڈاکٹر۔ تلمیذ علامہ عبدالعزیز میمن۔ پنجاب یونیورسٹی سے علامہ صغانی کی لغت العباب الزاخر واللباب الفاخر پر ڈاکٹریٹ کی۔ مذکورہ لغت کی تین جلدیں ان کی زیر نگرانی طبع ہو چکی ہیں۔ عربی مخطوطات کے تحفظ و تحقیق کی خاطر مرکز حمایت المخطوطات العربیہ نامی ادارہ اسلام آباد میں قائم کیا۔ عربی میں ان کی مختصر کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ وہ مجمع اللغۃ العربیہ دمشق اور المجمع العلمی الہندی علی گڑھ کے اعزازی رکن بھی ہیں۔"

(۱)

بسم اللہ

۱۶ رجمادی الاولی ۱۴۰۶ھ

4, Rue de Tournon

Paris -6 / France

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون۔ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ اطمینان خاطر کا باعث ہوا۔ آپ جیسے باصول شخص کی طرف سے مرسلہ کتاب القرآن فی کل لسان کی عدم وصولی سے تشویش تھی۔ ادھر کی ڈاک سے تجربے تلخ بھی ہو رہے ہیں۔

میرا فرانسیسی ترجمہ قرآن ابھی پروف خوانی کی منزل ہی میں ہے۔ فرانس کے مطبعوں کی سست خرامی کا کیا گلہ کروں۔ دو سال سے کتاب مطبع ہی میں ہے۔

خدا کرے مکان میں سب خیر و عافیت سے ہوں۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۲)

بسم اللہ

۵/دسمبر ۱۹۹۸ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ خدا کرے آپ خیروعافیت سے ہوں۔ نومبر کا معارف (اعظم گڑھ) آج ہی آیا ہے۔ اس میں آپ کی مؤقر کتاب پر میری خیال آرائی بھی ہے۔

القرآن فی کل لسان کی فوٹو کاپیاں ملی ہوں گی۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۳)

بسم اللہ

۵/ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ سے خیر خیریت نہ دی' نہ مانگی' قصور معاف فرمائیں۔ ان شاء اللہ آپ اور اہل و عیال بخیروعافیت ہوں گے۔

کیا ایک زحمت دہی کی اجازت دیں گے؟

سال دو سال کا عرصہ ہوا' سائنس کانگریس نے مجھ سے ایک مقالہ مانگا تھا۔ میں نے بھیجا' یاد نہیں' غالباً علم النبات پر تھا۔ اسلام آباد کی جگہ سنا کہ وہ پشاور میں Proceedings میں چھپا۔ وہاں کے قواعد کے مطابق غالباً مؤلف کو نسخہ بھیجنا ضروری نہیں سمجھا جاتا' خیر اگر وہ کتاب آپ کے ہاں ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ صرف میرے مضمون (اور کتاب کے ٹائٹل) کی فوٹو کاپی میرے مصارف پر مجھے روانہ فرمائی جا سکے۔ ممنون ہوں گا۔

دیگر کارلائقہ کے لیے یاد سے شاد فرمائیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

خطوط بنام پروفیسر عبدالرحمٰن مؤمن

پروفیسر عبدالرحمٰن مومن سابق صدر شعبہ سماجیات (Department of Socialogy) بمبئی یونیورسٹی ہیں۔ انہوں نے اس شعبے میں تقریباً 30 برس تک تعلیم دی۔ وہ آسٹریا اور ملائیشیا کی یونیورسٹیوں میں Visiting Professor رہ چکے ہیں۔ فی الوقت ان کا قیام بمبئی میں ہے اور وہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے فیلو کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ ان کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

(1) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (سیرت، کمالات اور افادات)

(2) قصۂ موسیٰ و فرعون جدید تحقیقات کی روشنی میں

(3) دیوارِ چین سے مسجد قرطبہ تک (سفرنامہ زیرِ طبع)

(4) The Relevence of prophet Muhammad's (PBUH) Life and Teaching in an Insecure, Fragile World.

(5) Diversity, Ethnicity and Identity in South Asia.

(6) The Empowerment of Muslims in India.

(7) Islam and The Promotion of Knowledge.

Marfat.com

(۱)

بسم اللہ

۱۰ رجب ۱۴۰۱ھ

حامداً ومصلیاً

محترم ومکرم زادمجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۲ جمادی الآخر کل شام پہنچا۔ دلی مسرت کا باعث ہوا۔

چند چیزیں علیحدہ رجسٹرڈاک سے بھیج رہا ہوں۔ رسالہ البلاغ (تاریخ رویت وعید کے متعلق) کھو گیا ہے۔ باوجود تین چار گھنٹے کی تلاش کے دستیاب نہ ہوسکا۔ وہ کچھ اہم بھی نہیں۔ میں نے اس میں بیان کیا تھا کہ سنن ابی داؤد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحت سے فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنی مقامی رویت پر عمل کرے' کسی دور کے ملک کی رویت پر نہیں۔ حتیٰ کہ اسلامی مملکت ہی کے دوسرے حصے کی رویت پر۔ چنانچہ دمشق میں حضرت معاویہؓ کی خلافت میں چاند ہوگیا تھا اور مدینے میں نہیں۔ دمشق کے مسافر مدینہ آئے تو ان کے تیس روزے ہوگئے تھے اور مدینے میں 29۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے وہ حدیث بیان فرمائی جو اوپر درج ہوئی۔ ایک جگہ چاند کا ہونا' دوسری جگہ نہ ہونا یہ قانون فطرت کے مطابق ہے اور جدید ترین علم ہیئت بھی وہی کہتا ہے۔

مصحف عثمانی کے متعلق میں نے فلاڈلفیا کا پتا دیا تھا' شکاگو کا نہیں۔

Hyderabad House 145,S, 13th St, Room 507

Philadelphia, PA, 19107 USA

ڈوب مرے فرعون کا مضمون پڑھنے کے بعد تشنگی باقی رہے تو دریافت فرمائیں' حاضر ہوں۔ موریس بوکای سرجن ہے' مصریات اور تاریخ سے اسے تعلق نہیں' ہٹ دھرمی کا کیا علاج؟ خود فرانسیسی ماہرین مصریات نے بوکای کی تردید کی ہے۔

سیرت ابن ہشام ہی کے چند اجزاء کو (جو ابن اسحاق کے نہیں بلکہ ابن ہشام کے تھے) حذف کرکے گیوم نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ میں اسی کو ترجمہ ابن ہشام کہتا ہوں کہ اصل ابن اسحاق نہیں ہے۔ غالباً گیوم نے سیرت ابن اسحاق کے اس ٹکڑے کا بھی ترجمہ کیا ہے جو اب مراکش میں ملا ہے۔

گیوم کی عربی بہت کمزور ہے۔

نیازمند

م ح ا

(۲)

بسم اللہ

4, Rue de Tournon

Paris -6 / France

24/ذی الحجہ 1401ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دو دن ہوئے عنایت نامہ ملا۔ سرفرازی اور مسرت کا باعث ہوا۔

متعنا اللہ بطول حیاتکم و جزاکم فی الدارین احسن الجزاء

آپ کے معلومات مصری فرعونیات کے متعلق مجھ سے دس گنا زائد ہیں۔ چشم بددور۔ آپ کے نوٹ اور تمہید بہت کارآمد اور معقول ہیں' دلنشین بھی۔

1326ھ کی ولادت' چھہتر سالہ بوڑھا ہو کر بھلکو ہو گیا ہوں۔ یہ تو یاد آیا کہ آپ نے قرآن مجید کے ایک اچھوتے پہلو کے متعلق سابق میں کچھ دریافت فرمایا تھا۔ لیکن اب وہ ذہن سے اتنا اُتر گیا ہے کہ باوجود کوشش کے یاد نہ آسکی کہ وہ کیا بات تھی۔ غالباً میں نے رانا احسان الٰہی کی تحقیق کا ذکر کیا تھا کہ مدائن صالح کے غاروں کو فرنگی قبرستان کہتے ہیں کہ ان میں کچھ انسانی ہڈیاں ملیں لیکن پروفیسر صاحب موصوف نے دیکھا کہ ان میں دروازوں کو کنڈی لگانے لیے جو سوراخ ہیں وہ اندر سے دروازہ بند کرنے کے لیے ہیں (یعنی زندہ سکونت پذیر افراد کے لیے) نہ کہ باہر سے کہ قبرستان کے طور وہ غار استعمال ہوتے ہوں اور شاید حضرت ذوالکفل کے متعلق لکھا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کی رائے میں وہ ممکن ہے گوتم بدھ ہوں کہ کفل والا یعنی کپلا وستو والا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ گوتم بدھ کے باپ سدھودانا (پاک غذا' کفل) کی طرف اشارہ ہو۔ بہر حال آپ کی کوششیں ان شاء اللہ بڑی مفید ہوں گی اور مجھے بھی ان کو پڑھنے کا شوق اور انتظار رہے گا۔

مجھے لندن کے عربیہ کی خبر نہیں اور نہ اس کی کہ برٹش میوزیم کوئی نادر چیز چھاپنا چاہتی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ "سابق" جنت نشاں کو جانہیں سکتا۔ ویسے میں اسے فضول سمجھتا ہوں کہ مستشرقین پر اعتراض کیا جائے۔ انہوں نے ہمارے علوم کی اس وقت قدر کی (اور کتابیں

چھاپیں) جب ہم غافل تھے۔اب بھی اعتراض کی جگہ دلیل کا دلیل سے اور بہتر دلیل سے جواب دیں تو مفید ہوگا۔گالی گلوچ سے فائدہ کیا؟

تونس کے چار دوستوں کو مکتوب جیفر کے متعلق لکھا۔کسی نے بھی تا حال جواب نہ دیا۔ واللہ المستعان

نیاز مند

ح

(۳)

بسم اللہ

پاریس 17 ر شعبان 1402ھ

محترم ومکرم زاد مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دو دن ہوئے عنایت نامہ ملا تھا اور آج کشمیری ترجمہ قرآن پاک کی دو جلدیں بھی پہنچی ہیں۔خدا آپ کو جزائے خیر دے۔مصارف ڈاک کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔اگر آپ اجازت دیں تو یہ آپ کو پیش کر دوں۔التماس ہے کہ اگر تیسری جلد شائع ہو کر ترجمہ مکمل ہو تو اسے سمندری ڈاک سے روانہ فرمائیں، ہوائی ڈاک سے نہیں۔

نمائش قرآن مجید چند ہفتوں کے لیے ملتوی ہو گئی ہے کیونکہ افتتاح کے لیے علی حرکان صاحب رابطۃ العالم الاسلام کے امینِ عام آنے والے تھے اور وہ علیل ہو گئے ہیں۔

میں واقعتاً سخت شرمندہ ہوں کہ آپ کو اتنی زحمت دی۔معلوم ہوا ہے کہ تاج کمپنی کراچی میں مولانا مقبول سبحانی کا کشمیری ترجمۂ قرآن چھپ رہا ہے۔ممکن ہے جلدی ہی شائع ہو جائے۔

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔رمضان مبارک

نیاز مند

ح

Marfat.com

(۴)

بسم اللہ

پاریس 8/ذی الحجہ 1402ھ

شنبہ

محترمی زادفیضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! عید مبارک

آپ کا 26/ذی قعدہ کا عنایت نامہ کافی دیر سے پرسوں پہنچا۔ دلی شکریہ۔ آپ کو بھی میرا ناکافی جواب (عراق میں صحابہ کرامؓ کی لاشوں وغیرہ کے متعلق) اس اثناء میں مل چکا ہوگا۔ اس لیے مکرر نہ لکھوں گا۔

انڈیا آفس کے نسخۂ قرآن مجید کے فوٹو کا دلی شکریہ۔ فلاڈلفیا والے احمد اور عائشہ نے اس کا مائیکروفلم حاصل کیا ہے۔ (غالباً انڈیا آفس لائبریری نے اس کی نقل اپنے پاس رکھی ہے اور تجارت کرنا چاہتے ہیں) کتاب کے آخر میں بعض مغلیہ افسروں کے مہر ہیں۔ مشہور تو تھا کہ وہ جلال الدین یعنی اکبر بادشاہ کی مہر ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ لکھا ہے ''بوساطت جلال الدین عرض دیدہ شد'' موجودہ ورق 181 پر سورہ والناس کے بعد کتبہ عثمان بن عفان لکھا ہے۔ میکروفلم بہت خراب ہے۔ شاید اصل مخطوطہ بھی خراب حالت میں ہے۔ بہت سے اوراق گم بھی گئے ہیں۔ محض خط کا مختلف ہونا (روسی نسخے سے) اہمیت نہیں رکھتا کہ کاتب مختلف ہونے کے باوجود معاصر ہوسکتے ہیں۔ میں خطاطی کا ماہر نہیں اور یقیناً بنفشی شعاعوں کے امتحان کی بھی ضرورت ہے۔ بہرحال حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب اور موجود تین نسخوں میں سے ایک ہے۔

قرآن مجید میں صراحت ہے کہ ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے اور ثمود عذاب الٰہی سے ناپید ہوگئے۔ اسی طرح عادا الاولیٰ کی قرآنی اصطلاح سے عاداول اور عاد ثانی دو عادقوموں کا وجود ماننا پڑتا ہے۔ ایک عاد میں حضرت ہود علیہ السلام نبی تھے جن کا مزار یمن میں ہے۔ باوجود خواہش کے مجھے تاحال موقع نہ ملا کہ مدائن صالح کو جاؤں حتیٰ کہ اس کی تاریخ کا مطالعہ کروں۔ مجھے خود مدینہ منورہ میں 1939ء میں ایک یمنی خط کا کتبہ ملا تھا (جواب نجدی قاضی صاحب کا مکان بنانے میں ڈائنامائٹ سے تباہ کردیا گیا ہے) میں نہیں جانتا کہ یہ حمیری خط تھا یا ثمودی۔ بہرحال خط مسند کہا جاسکتا ہے۔ میں نے مصر کے ناظم آثار قدیمہ ڈاکٹر فخری صاحب کو

اس کتبہ کی نقل دکھائی تو انہوں نے فوراً پڑھ کر کہا کہ یہ دو تین آدمیوں کے نام ہیں اور کوئی اور عبارت نہیں ہے۔ یہ کتبہ حیدرآباد میں رہ گیا ہے اب میرے پاس نہیں ہے۔ مگر آپ کا قیاس معقول و مقبول ہے۔ تاریخ کے مطالعے کی ضرورت ہے جو شاید آپ کی مدد کرے۔ میں سفر جنوبی افریقا وغیرہ کے لیے پابرکاب ہوں اس لیے فی الحال شاید کتب خانہ نہ جا سکوں۔

مکرر

استانبول توپ قاپی سرائے میوزیم میں قرآن مجید کے جو نادر مخطوطے ہیں ان کی فہرست ترکی میں چھپی ہے۔ کئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قرآن بھی ہیں۔ سفر سے واپسی پر خیال ہے کہ اس فہرست کے ابتدائی اوراق کا ترجمہ کر کے کہیں چھپوا دوں۔ آپ کا کیا مشورہ ہے؟ یعنی کسی اخبار یا رسالے کو پیش کروں؟

نیازمند

م ح ا

(۵)

بسم اللہ

4, Rue de Tournon

Paris -6 / France

22/ربیع الغوث 1406ھ

مخدوم و محترم زاد فیضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

چند دن پہلے ایک عریضہ بھیجا تھا ملا ہوگا۔ آج ایک زحمت دینی ہے۔ مجھ سے علی گڑھ یونیورسی نے فرمائش کی ہے کہ سرسید کے دینی رُجحان پر ایک مقالہ لکھوں۔ اس سلسلے میں مطالعہ کرنے میں یہ نظر آیا کہ ان کی خالص دینی کتابیں تو اب بعد از وقت (Out of Date) ہو چکی ہیں لیکن ان کی سیاسی تالیفیں اب بھی وقتی ضروریات کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

میرا اشارہ ''اسباب بغاوت ہند'' کی طرف ہے۔ تاریخ عجیب طور پر اپنے آپ کو دُہراتی نظر آتی ہے۔ میری ناچیز رائے میں مناسب ہوگا کہ اس کتاب کو پھیلایا جائے۔

Marfat.com

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگراں

بلکہ ممکن ہو تو اس کے ترجمے بھی ہندی، گجراتی، مرہٹی، تامل، بنگالی، ملیالم، تلنگی جیسی بڑی زبانوں میں کرائے جائیں۔ رسالہ بڑا بھی نہیں کہ گراں خرچ ہو جائے۔

میں نے اس کا تجزیہ و تحلیل ہی دیکھی ہے۔ اگر اصل رسالہ جو غالباً اردو اور انگریزی دونوں میں ہے، مل سکے تو شاید حیدرآباد کی حبیب کمپنی سے بھی اشاعت میں کچھ مدد مل سکے۔ یہ سارے مرکزی اور صوبائی وزیروں کو بھیجی جانی چاہیے۔

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔

خادم

ح

(۶)

بسم اللہ

28 رشعبان 1406ھ

محترم و محرم زاد مجدکم!

سلام مسنون، نیاز مندانہ

14 رشعبان کا خط ابھی ملا ہے۔ ممنون ہوا۔ یہاں اسلام دشمنی کا وہ عالم ہو گیا ہے کہ آپ کو یقین نہ آئے گا۔ اسی ماہ شعبان میں ایک مسلمان ننھے بچے کو پتانے چھوڑنے پر پاس کے ایک مکان کی شاید پانچویں منزل سے گولی چلا کر قتل کیا گیا۔ پانچ سال کی سادہ قید جن میں سے دو سال پیشگی ہی معاف کر دیئے گئے۔ دوسرا واقعہ "جی ہاں میں نے اسے قتل کیا کیونکہ وہ (مراکشی) مسلمان تھا۔ ان لوگوں کو یہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے؟" سزا دو سال کی قید سادہ!

مجوزہ کتاب سے Provocation ہی ہوگا۔

یہاں کے جو "بڑے نما" لوگ مسلمان ہونے ہیں (بوکائی، گارودی وغیرہ) ان کے اسلام کی جگہ قرآن و حدیث کے اسلام پر مجھے زیادہ اعتماد ہے۔

یہاں جو سات آٹھ پادری اور راہبات کے Convent کی صدر Supertend جو میرے علم میں مسلمان ہوتے ہیں، یہ سوانح عمری لکھنے پر قطعاً آمادہ نہیں ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے، کوئی

Marfat.com

پچاس سال قبل ووکنگ مشن نے ایسی ایک کتاب چھاپی تھی۔ وہ دلچسپ تو ہوتی ہے لیکن ترغیب اسلام پر اس کے اثرات میرے علم میں بالکل نہیں ہوئے۔ خواہشمندانِ اسلام کو عقائد و عبادات اور سماجی احکام سے زیادہ کرید ہوتی ہے۔

یہ میرا فوری ردِ عمل ہے۔ باقی وہی چیز اچھی ہوگی جو مولائے پاک آپ کو سجھائے۔

نیازمند

م ح ا

(۷)

بسم اللہ

6 رمضان المبارک 1406ھ

مخدوم محترم زاد فیضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ' عید مبارک

آپ ان نادر دوستوں میں ہیں جو جواب دیتے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بے حد مصروف ہیں۔ اسی لیے کوشش کرتا رہتا ہوں کہ حتی الامکان آپ کو زحمت نہ دوں مگر مجبور ہوگیا ہوں۔

کیا فخر مسلمانان کتب خانہ بانکی پور کے موسس خدا بخش خان مرحوم کے چند سطری حالات مل سکتے ہیں؟ ممکن ہے کسی WHO`S WHO میں مل جائیں۔ (تاریخ و مقام ولادت، تعلیم، ملازمت، تالیفیں)

میں اس کتب خانے کی نادر روزگار ''کتاب الردۃ'' للواقدی کی اشاعت میں ان شاء اللہ اب کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس کے دیباچے میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے لابد نہیں ہے۔

خدا کرے وہاں اور سب خیر و عافیت ہو۔ کار لائقہ کے لیے حاضر ہوں۔

نیازمند

م ح ا

Marfat.com

مکرر

کیا آپ کے ہاں سیرت النبی (سلیمان ندوی) ہے۔ کیا اس کی جلد اوّل صفحہ نمبر 90 تا 93 میں یہ ذکر ہے کہ نویلڈ یکے نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا؟ اس نے تاریخ قرآن ضرور لکھی مگر ترجمہ قرآن نہیں۔

(۸)

بسم اللہ

18 / رجب چہار شنبہ 1407ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

11 / رجب کا کرم نامہ آج صبح پہنچا۔ اسے وقت تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

مساجد کے لیے غیر مسلموں سے کام لے سکنے کے متعلق آپ کا استدلال بالکل صحیح ہے۔ ہر زمانے میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ کعبہ شریف کے متعلق بھی۔ اب چند سال کی بات ہے کعبے کا نیا دروازہ امیر کا میں تیار کرایا گیا اور حجرِ اسود کو جو ٹو ٹنے لگا تھا' ایک شفاف Case میں رکھنے کا کام فرانسیسیوں سے کرایا گیا۔ بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کے لیے قیصر روم سے سامان اور کاریگر منگوائے گئے تھے۔ یہ اموی دور میں ہوا۔ عباسی دور میں بھی عیسائی کاریگروں کو مکہ بلانے کا تاریخ میں ذکر آیا ہے۔

یہ تو جسمانی اور فنی کام کے متعلق تھا۔ آپ کا سوال جن شریف ہندو انجینئرز کے متعلق ہے اس کے لیے سوائے اس کے کیا عرض کروں کہ خدا ان کی اس شرافت کے باعث ان کو طریق مستقیم کی ہدایت دے اور ان مسلمان انجینئر صاحب کو اس "ہندو شریف انجینئر" کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔

خدا کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں۔

نیازمند

م ح ا

Marfat.com

(۹)

بسم اللہ

4, Rue de Tournon

Paris -6 / France

19 رجب 1407ھ

26-02-1989

مخدوم ومحترم زادمجدکم وعم فیضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا 10 ر رجب کا کرم نامہ ملا۔ جزاکم اللہ۔ آپ کی نئی دریافتوں اور تحقیقاتوں پر دلی مبارکباد۔ دین کی بڑی خدمت ہے۔

خطوط کا جواب دینا اب کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے۔ اللہ نیک ہدایت دے۔ امام بخاری نے اپنی ''التاریخ الکبیر'' نامی کتاب میں (جو محدثین کی سوانح عمریوں پر ہے) حضرت ابن عباس کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے: ''انّ جواب الکتابِ واجبٌ کردّ السلام''

برسٹیڈ کی کتاب کے متعلق یہ ذہن میں آتا ہے کہ اگر آپ کے کوئی دوست انگلستان میں ہوں تو اس کی جلدوں کے آپ کو صرف فہرست ہائے مضامین کی فوٹو کاپیاں (زیراکس) بھیجیں۔ پھر شاید ایک آدھ باب کی تصویر منگوا سکیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کتاب کہاں مل سکے گی۔ چالیس سال قبل میں نے اس کی مختصر ورق گردانی کی تھی۔ اب کچھ یاد نہیں۔

مصریات کے متعلق آپ کے سامنے میں ایک بچہ ہوں۔ اس کا قطعاً امکان نہیں کہ میں آپ کی کتاب میں ترمیم یا اضافہ کرسکوں۔ اس پر پیش لفظ لکھنا میرے ہی لیے باعث عزت ہوگا لیکن مشورہ یہ ہے کہ آپ کسی مصریات کے ماہر سے یہ کام لیں۔

مسلم احمد نظامی صاحب کا نام پہلی دفعہ آپ سے سن رہا ہوں۔ ''دور کے ڈھول سہانے'' کا مصداق ہوں۔ وعلیک وعلیہ السلام

کوئی دو ہفتے ہوئے یہاں اخباروں میں طویل مضمون آئے کہ مصر میں گزشتہ دس سالوں کی سب سے بڑی تحقیق ہوئی اور آثارِ قدیمہ ملے ہیں' کام جاری ہے۔ اس میں رعمسیس دوم کی بھی کچھ چیزیں ملی ہیں۔ شاید یہ آپ کے علم میں بھی آیا ہو۔

خادم

ح

Marfat.com

(۱۰)

بسم اللہ

3 / ذی قعدہ 1408ھ

مخدوم محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامے کی آپ نے زحمت اُٹھائی۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

الحمد للہ خیریت سے ہوں اور آپ کی خیر و عافیت کا خدا سے طالب۔

میں سیرت شامی سے کچھ نہیں تو پچاس سال سے واقف ہوں اور اس کے مخطوطوں سے مکہ معظمہ و استنبول کے قیام کے زمانے میں استفادہ کرتا اور کراتا رہا ہوں۔ میرے ہاں اس کی چھ مطبوعہ جلدیں آئی ہیں۔ ابھی شاید تین چوتھائی باقی ہے۔ بڑی اُپج والی اور نفیس کتاب ہے۔ اللہ مؤلف کو جنت الفردوس اور اعلائے علیین نصیب کرے۔

دیدات صاحب سے شخصی واقفیت تو نہیں ہے لیکن معلوم ہوا کہ انہیں بہائی فرقے کے عدد 19 سے بڑی رغبت ہے۔

عیسائیت کا جو مبتدی بھی مطالعہ کرتا ہے وہ مسکت اعتراضات کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ان کے "آمنت" (Creed) ہی کو لیجئے۔ "صلیب پر مرنے اور...... کے بعد آسمان پر گئے تو خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے" کوئی شخص اپنے داہنے ہاتھ پر تو بیٹھ نہیں سکتا یعنی خدا الگ اور خدا کے ہاں مدعو الگ؟ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر بھی انسان تھے اور عرش پر بھی غیر اللہ تھے تو وہ پھر کب خدا بنیں گے؟ ایک دن میں نے یہ بیان کیا تو یہاں فیکلٹی آف پراٹسٹنٹ تھیالوجی کے ریکٹر نے لیکچر کے بعد مجھے شخصاً یہ کہا: "واقعی ہمارے آمنت کے الفاظ کی اصلاح کی ضرورت ہے۔"

خدا آپ کو تا دیر صحیح و سلامت رکھے۔

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد پہلا "اسلامی" حج ہوا تھا۔ اب 1408ھ میں اس پر چودہ صدیاں گزر گئی ہیں۔ 1410ھ میں "الیوم اکملت لکم دینکم" کے نزول کی چودہ سویں سالگرہ ہوگی۔ والحمد للہ

سنا ہے کہ بمبئی میں کوئی ادارہ تحقیقات قرآنیہ قائم ہوا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟

الفقیر الی اللہ

ح

Marfat.com

(11)

بسم اللہ

4, Rue de Tournon

Paris -6 / France

جمادی الآخر 1409ھ

12رجنوری 1989ء

مخدوم ومحترم زاد فیضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی 22رجمادی الاولیٰ کا کرم نامہ ملا' ممنون ہوا۔

رعمسیس پر کتاب ان شاء اللہ مفید ہوگی۔خدا برکت دے۔چاہیں مکرر موریس بوکائی کو خط لکھ کر پوچھیں کہ آیا ان کی رعمسیس کی ممی پر کی ہوئی تحقیق چھپی یا نہیں۔مسودۂ کتاب مجھے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ان شاء اللہ کتاب اچھی ہی ہوگی۔طباعت پر استفادہ کرلوں گا۔

بے نظیر بیگم کے سلسلے میں عرض ہےکہ تاریخ ہند میں رضیہ سلطانہ گزری ہے جو بدنام نہیں ہے۔اس کے ہمعصر یا اس سے متاخر فقہاء نے میرے علم میں کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ عورت قاضی بن سکتی ہے۔حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا عہد نبویؐ سے لے کر خلافت عمرؓ تک ایک مسجد کی امام تھیں اور مرد بھی ان کی اقتداء کرتے تھے۔اس پر فکر ونظر اسلام آباد' ستمبر 1988ء میں میرا ایک جوابی مضمون چھپا تھا' شاید نظر سے گزرا ہو۔میرا استدلال ملکہ سبا بلقیس سے ہے کہ قرآن کے مطابق وہ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ ایمان لائیں اور بی بی کو حکم نہیں دیا گیا کہ وہ حکمرانی ترک کردیں۔غرض میری ناچیز رائے میں عورت کی حکمرانی جائز ہے۔حدیث ''لن یفلح القوم ولوا امرھم امراۃ'' میری دانست میں پیش گوئی ہے۔تحریم وممانعت نہیں' وہ ایران کے متعلق تھا اور حدیث صحیح ثابت ہوئی۔

اسلام معاشرے پر ان شاء اللہ کتاب مفید ہوگی۔میری فرانسیسی کتاب سیرت النبیؐ میں اس پر ایک باب ہے۔آپ ایک کتاب لکھیں گے۔از یں چہ بہتر۔

خدا آپ کی علمی کوششوں میں روزافزوں برکت دے۔

خادم

ح

انقرہ سے ایک آواز

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی ثم فرنساوی کا مکتوب گرامی مورخہ ۲ رذی الحجہ ۱۳۸۳ھ)

''میں انقرہ آیا ہوا ہوں یہاں مشہور حنفی فقیہ امام سرخسی کی ۴۸۳ھ میں وفات پر ۹ سو سال گزرنے کی یادگار منائی جارہی ہے اور بین الاقوامی اجتماع ہے یاد ہوگا کہ امام سرخسی کو حکمران وقت نے کسی وجہ سے قید کر دیا تھا جہاں وہ سالہا سال (شاید پندرہ سال) صابروشاکر رہے اور قید میں بھی طلبہ کو درس واملا کراتے رہے۔ زمانہ قید کے اس املا کی یادگار

کتاب المبسوط (۳۰ جلد) کوئی سات ہزار بڑی تقطیع کے صفحے

شرح السیر الکبیر (۴ جلد) (ڈیڑھ ہزار صفحے)

اور شرح زیادات الزیادات ہیں اور چھپ چکی ہیں اسی زمانے کی کئی اور کتابیں تھیں جو اب ناپید ہوگئی ہیں۔ اس تقریب پر ایک نمائش بھی کی جارہی ہے جس میں صرف سرخسی کے مخطوطات جمع کیے گئے ہیں جو ایک سو کے قریب ہیں قدیم ترین مخطوطہ چھٹی صدی کا ہے گزشتہ سال بھی ایک تقریب ہوئی تھی اور استنبول میں ابوحنیفہ، دینوری کی یاد میں جو مشہور نباتاتی گزرا ہے اس کی وفات پر گیارہ سو سال گزرے تھے اس کے سلسلے میں بھی کتب نباتات کی ایک نمائش کی گئی تھی کئی درجن باتصویر قلمی کتابیں بھی اس میں دیکھنے میں آئی تھیں جن میں قدیم اسلامی مصوروں کی بنائی ہوئی نباتاتی رنگین تصویریں تھیں۔ چار سال بعد اولین نزول وحی پر چودہ سو سال گزر رہے ہیں ترک بھائیوں نے اس کو بھی موزوں طور پر منانے کی تیاری شروع کر دی ہے۔''

Marfat.com

تجدد پسند ترک لیڈروں نے تو بہت چاہا کہ اسلام اور اس کے متعلقات سے اپنا پیچھا چھڑالیں لیکن اسلام اور اسلامیات خود ہی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والے نہیں اور کسی فلسفی، مہندس، شاعر، مؤرخ، ادیب کی علمی یادگاروں تو خیر لیکن دینی شخصیتوں اور مذہبیات کی یادگاروں کے منانے میں تو یقیناً فخر ملت اور ہمارے سابق ہم وطن ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بھی سعی وتحریک کو بڑا دخل ہوگا۔ اختیاری ہجرت کی سعادت صحیح معنی میں جو انہیں حاصل ہوئی وہ نادر ہی کسی کے نصیب میں آتی ہے۔ اس خوش نصیبی پر وہ اپنے ہمہ وقتی قلمی اور لسانی جہاد سے برابر اضافہ ہی کرتے رہے ہیں۔ صدق جدید لکھنؤ..... عبدالماجد دریابادی۔

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

(''چراغ راہ'' کراچی۔ اگست' ستمبر 1965ء)

Marfat.com

مکتوبات ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ بنام خواجہ عبدالوحیدؒ

تعلیقات وحواشی: خواجہ عبدالرحمٰن طارق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پ:۱۶محرم ۱۳۲۶ھ، حیدر آباد دکن، م: ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء) عالم بے مثل، محقق اور مترجم۔ فقہ اور عہدِ نبوی ان کے خصوصی میدان تھے۔ عہد نبوی پر تو وہ سند کا درجہ رکھتے تھے۔ اس موضوع پر ان کی کئی قابل قدر تصانیف، مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر، عالمی سطح پر صاحبان فکر ونظر سے خراج تحسین وصول کرچکی ہیں۔ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ (والد گرامی جناب خواجہ عبدالوحیدؒ) کے مابین دوستانہ تعلقات نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط تھے۔ یہ تعلقات اخلاص فی سبیل اللہ پر استوار ہوئے اور دونوں بزرگ دین اور عملی کاموں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ لاہور تشریف لاتے تو خواجہ صاحبؒ کے ہاں ''قدیر منزل'' (مکان نمبر احمد نگر میو روڈ، حال اقبال روڈ) میں قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ (شاید ۱۹۴۶ء میں) دو یا تین خواتین بھی ڈاکٹر صاحبؒ کے ساتھ آئیں اور ''قدیر منزل'' میں قیام پذیر ہوئیں۔ ان خواتین میں ڈاکٹر صاحب کی بھانجی بھی شامل تھیں جو بہت جلد ہمارے ہاں کی خواتین اور بچیوں سے گھل مل گئیں۔ والد گرامی جب بھی حیدر آباد دکن تشریف لے جاتے تو ڈاکٹر صاحبؒ کے مکان پر قیام فرماتے۔

میں نے خطوط نقل کرنے میں ڈاکٹر صاحبؒ کی املا کی پیروی کی ہے۔ یہ خطوط پہلی بار منظر عام پر آرہے ہیں۔

آخری خط صوبہ سرحد کے معروف ماہر تعلیم جناب خان سعد اللہ خاں (ایبٹ آباد) کے نام ہے۔

Marfat.com

(۱)

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدرآباد دکن

۸ رجب ۱۳۸۵ھ پنجشنبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دس بارہ دن ہوئے ہوں گے کہ آپ کی مرسلہ کتاب پہنچی۔ جس طور سے پڑھے جانے کی وہ متقاضی ہے اس کے باعث آپ کا فوراً شکریہ ادا نہ کر سکا۔ ظاہر ہے کہ ایک چھوٹے لیکچر یا مضمون میں اشاروں کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن مسرت وحیرت سے دیکھا کہ آپ نے تقریباً ہر ایک اہم شعبہ حیات کا ذکر کیا ہے۔ اگر اس کا ہندی ترجمہ بھی ہو جائے تو اچھا ہو۔ اردو ترجمے کی شاید اتنی ضرورت نہ ہو۔

امید ہے کہ آپ بخیریت تمام ہوں گے۔ کار لائقہ سے یاد فرما کر ممنون فرمائیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر:

کیا آپ کو علم ہے کہ ادارہ معارف اسلامیہ کے اجلاس دوم کی روداد کب تک تقسیم ہو گی۔ اس کا عرصے سے انتظار ہے۔

(۲)

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدرآباد دکن

۱۹ رمضان ۵۸ھ پنجشنبہ

مکرمی زاد مجدکم

سلام مسنون: آپ کا تازہ عنایت نامہ، آپ کے پچھلے خط کی عدم جوابدہی پر ایک خاموش تنبیہ تھی۔ شبلی کے ترجمے پر سچ تو یہ ہے کہ میں برابر غور کرتا رہا ہوں۔ میں انگریزی زبان کے ماہر کی حیثیت سے رائے دہی کا خود کو مجاز نہیں پاتا۔ لیکن سیرت نبویؐ کے طالب علم کی حیثیت سے یہ سوچتا رہا ہوں کہ کیا شبلی مرحوم اور ان کے نعم البدل سلیمان ندوی کو تالیف کے نئے ایڈیشن

Marfat.com

کی ضرورت نہیں؟اس کے استنباطات سے اختلاف ایک طرف اسکے بہت سے واقعات بھی اصلاح طلب ہیں۔اس میں شک نہیں اردو میں وہ سب سے اچھی تالیف ہے لیکن اس سے بہتر کی طلب جب تک نہ رہے ہم بڑے پست ہمت ثابت ہوں گے۔اس کے بہت سے اہم ابواب بڑے تشنہ ہیں۔[1]

آپ کے حالیہ سوال کا جواب یہ ہے کہ'' دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور''[2] کا عربی ترجمہ ہوا ہے۔آپ شوق سے انگریزی کریں البتہ چھپنے سے پہلے ایک نظر مسودہ دکھا دیا جائے تو اصل کی بعض فروگزاشتیں دور ہو جائیں۔آپ کو تو یوں بھی مختصر مضامین چاہئیں۔ ان شاء اللہ آئندہ کچھ بھیجنے کی کوشش کرونگا۔سیرت النبیؐ پر میرے چند مضمون، عام دلچسپی کے اسلامک کلچر میں چھپے ہیں۔معلوم نہیں آپ کی نظر سے گزرے یا نہیں۔

1- ADMINISTRATION OF JUSTICE IN EARLY ISLAM (APRAIL 1934).

2- CITY STATE OF MECCA. (JULY 1938).

3- EDUCATIONAL SYSTEM IN THE TIME OF THE PROPHET(JANUARY 39).

''اسلام اور حضری (شہری) زندگی'' پاریس[3] کی فرنچ اکاڈیمی کے رسالے سے ایک مضمون میں نے ترجمہ کر کے ایک مقامی اخبار میں چھاپا تھا۔اگر اس کی ضرورت ہو تو کترن (CUTTING) تلاش کر کے روانہ کروں۔

ڈاکٹر صاحب وغیرہ کو سلام

ناچیز کی جانب سے سلام مسنون

خادم: محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۳)

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدرآباد دکن

۱۲ محرم ۱۳۵۹ھ

مکرم و محترم!

سلام مسنون: رسالہ ''اسلام'' کے تازہ نمبر میں سیرت النبی کا ترجمہ شروع ہونا معلوم ہوا۔ خدا کرے جلد تکمیل کو پہنچے اور آپ کی سعی مشکور ہو۔ ۵

اس سلسلے میں دو ایک مفروضے ہیں:

(۱) اسماء اور اعلام کے ہجے انگریزی میں صحت اور باقاعدہ یکسانی، دونوں کے حامل ہونے ضروری ہیں۔

(۲) اصل میں بعض جگہ پر غلطیاں ہوگئی ہیں۔ مثلاً جرش کو جو یمن میں ہے، شام میں ہونا لکھ دیا ہے۔ ان کی اصلاح۔

(۳) کیوں نہ آپ الفاروق جلد دوم کا ترجمہ ہاتھ میں لے کر جلد مکمل فرمائیں۔ ۲

خادم

محمد حمید اللہ

(۴)

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدرآباد دکن

۲۸ ذی الحجہ ۵۹ھ

محب مکرم زاد مجدکم

سلام مسنون: آپ کا دہرا عنایت نامہ ملا۔ اگر اسلامک کلچر کا متعلقہ مضمون آپ دوبارہ دیکھیں تو آپ کو اس پر ''ڈاکٹر'' نظر نہیں آئے گا، وہ کوئی اور صاحب ہیں۔ غالباً کلکتے۔ اس کے اڈیٹر آج کل ہاشمی فرید آبادی ہے شریک معتمد انجمن ترقی اردو ہیں جو میرٹھ اور دہلی میں رہتے ہیں۔ آپ کا خط دفتر رسالہ سے ان کو بھیج دیا جائے گا۔ میں نہیں سمجھتا میری کسی سفارش کی ان کو ضرورت

Marfat.com

ہوگی۔ اگر وہ خدانخواستہ اجازت نہ دیں تو مطلع فرمایئے تاکہ یہ مسئلہ مجلس ادارت اسلامک کلچر میں پیش کرانے کا انتظام کروں جس میں متعدد مقامی احباب شریک ہیں۔

غزوات نبویؐ کے میدان کے آخری حصے سے معلوم ہو جائیگا کہ اس کا تا حال کوئی اور ترجمہ نہیں چھپا ہے۔ فرانسیسی خلاصہ البتہ چھپ چکا ہے۔ ترجمے کی اجازت میں کسی موزوں فرد کو جس کا آپ انتخاب کریں، خوشی سے دیتا ہوں۔ خود مجھے بھی طباعت سے قبل ترجمے پر ایک نظر ڈال لینے میں عذر نہ ہوگا۔ البتہ بغیر تصاویر اور نقشوں کے ترجمہ یا خلاصہ چھاپنا نامناسب ہوگا۔

عبدالغنی صاحب سے کل پرسوں ملاقات ہو تو ان شاء اللہ آپ کا سلام پہنچا دوں گا۔ پیشگی وعلیکم السلام عرض ہے۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب[8] وغیرہ احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر:

مولانا احمد علی صاحب[9] کی خدمت میں مولوی مظفر بیگ صاحب، مالک مکتبہ ابراہیمیہ نے ایک ضروری خط بھیجا تھا۔ اس کے جواب کا انتظار ہے۔

(۵)

بسم اللہ

کلل منڈی حیدرآباد دکن

۱۴ شعبان ۶۲ھ

محترم زاد مجدکم

سلام مسنون: عنایت نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

آپ کی علالت کی خبر سے متاسف ہوا۔ ان شاء اللہ اب آپ صحت کاملہ سے متمتع ہو نگے۔

دریا آباد سے ترجمہ قرآن آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ خود مؤلف کو اپنے تاثرات اور دیگر امور لکھوں۔ اب معلوم ہوا کہ وہ آپ کا بھجوایا ہوا تھا۔!

اسلامی کلچر کا اگلا نمبر تیار ہو کر عرصہ ہوا، مطبع جا چکا ہے۔ اس کی توقع نہیں کہ اکتوبر نمبر میں تبصرہ آ سکے۔ جنوری میں آ سکے گا۔ البتہ تنقید ڈاکٹر عبدالمعید خان" کریں گے کیونکہ فن تفسیر انہیں کا

خصوصی موضوع ہے۔ میرے پاس فقہ اور عہد نبوی کے متعلق امور آتے ہیں ۔ افسوس ہے کہ طباعت کی بے شمار و بے حساب غلطیاں ہیں۔

آئندہ دسمبر کی غالبًا دس سے دار العلوم کالج (حال شعبہ دینیات ، جامعہ عثمانیہ) کی نود (۹۰) سالہ جوبلی ہے۔اور پندرہ سے شعبہ فنون جامعہ عثمانیہ کی پچیس سالہ جوبلی۔ دار العلوم کی کمیٹی کی طرف سے آپ کی خدمت میں کرایہ آمد و رفت پیش کیا جاتا ہے۔

مدراس میں نمائش تمدن اسلامی کا افتتاح گورنر مدراس کے ہاتھوں ۲۵ اگسٹ [۱۲] کو عمل میں آرہا ہے۔ اسکے لئے مختلف کام میرے ذمے ہیں۔ اس لئے اس مستعجلانہ نوٹ پر معذرت چاہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۶)

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدرآباد دکن

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

مکرمی دام لطفکم

سلام مسنون! کوئی ہفتہ بھر ہوا کہ مدراس کی نمائش سے واپسی پر عنایت نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

دار العلوم کی جوبلی کے سلسلے میں مقالے کا پڑھنا بالکل آپ کا اختیاری ہے۔ آپ کی خواہش ہو تو نظام العمل میں تہائی یا نصف گھنٹے کی گنجائش نکالی جا سکتی ہے ۔ جامعہ عثمانیہ کی جوبلی ایک الگ جشن ہے جو دار العلوم کے دو چار دن بعد سے شروع ہوگا۔ آپ کی تشریف آوری ہی ہمارے لئے کافی حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

آپ کو میرے جو نشریات درکار ہوں، تحریر فرمائیں۔ اگر باقی ہوں تو گزران دونگا۔ میری عام طور پر ''معتمد حیدرآباد اکاڈیمی'' یا ''حبیب کمپنی اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن'' سے آپ خط و کتابت فرما سکتے ہیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۷)

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدر آباد دکن

۱۵ ذوالحجہ الحرام ۱۳۶۴ھ چہار شنبہ۔

محترم ومکرم زاد مجد کم

سلام مسنون۔ عنایت نامہ کوئی ہفتہ بھر پہلے موصول ہوا تھا۔ ممنون ومسرور کیا کتاب عہد نبوی کے میدان جنگ [۱۳] ختم ہو جانے سے دوبارہ ایک مقامی ناشر نے شائع کی ہے۔ میں نے انہیں آپ کو دو نسخے بھیجنے کے لئے ہدایت کر دی تھی۔ امید کہ مل گئے ہونگے۔ آپ کے ہاں کے رسالہ پیغام حق کے اڈیٹر نے سنا اس کے کچھ نسخے منگوائے تھے اور پارسل واپس کر دی۔ معلوم نہیں کیا بات ہوئی۔ (یہ بیچارے ناشر کا بیان تھا)۔ مولوی سید محمد شاہ صاحب تو بہت شریف آدمی ہیں اور میری سفارش پر ان کو ناشر نے سول ایجنٹ بنایا تھا اور ان کا نام بھی کتاب پر چھاپ دیا تھا۔

دیگر یہ کہ آپ نے میرے مضامین کا ترجمہ مکمل فرمالیا ہو تو اس کا انتظار رہیگا۔ [۱۴] ممکن ہے میں تین چار ماہ بعد بیرون ہند سفر پر کچھ عرصے کے لئے چلا جاؤں۔

امید ہے دیگر احوال بہ عافیت ہوں گے۔ میری بھانجی اپنی متعارف احباب کو سلام عرض کرتی ہیں۔ عبدالغنی صاحب بھی آپ کی خدمت میں سلام فرماتے ہیں۔ کیا آپ کو

۱۔ Conflict of Law

۲۔ القرآن فی کل لسان

وصول ہوئے۔ میں نے اگر سہواً تا حال نہ بھیجا ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر شکر گزار فرمائیے۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۸)

بسم اللہ

شیخ حیدر ال ال ایم (عثمانیہ)
معتمد مقامی کل ہند کانفرنس قانون
باغ عامہ۔ حیدرآباد دکن
ٹیلیفون نمبر: (۲۵۵۳) نشان مجاریہ (۱۸۵۲)
مکرمی جناب مولوی خواجہ عبدالوحید صاحب[۱۵]
محمد نگر میورروڈ، لاہور

سلام مسنون: ۱۸ جولائی سے ہمارے ہاں کانفرنس قانون ہے (دو دن تک) اس کے فوراً ہی بعد اردو کانگریس ہے۔ موسم بھی یہاں بہت اچھا ہے۔ اگر آپ تشریف لاسکیں تو ہم سب کے لئے باعث مسرت ہوگا۔

آپ کے لئے دلچسپی کی کئی چیزیں ہوں گی۔

مخلص
محمد حمید اللہ

(۹)

بسم اللہ

۱۱ ر ج ۲ ۶۴ھ
کٹل منڈی حیدرآباد دکن
محترم ومکرم زاد مجدکم

سلام مسنون: عنایت نامہ ملا ممنون ہوا۔

اسلامک کلچر میں مضمون چھپنے کے بعد اردو متن میں کافی ترمیم واضافہ ہوا ہے اگر آپ کو وہ مقالہ قابل اشاعت معلوم ہو رہا ہے تو میں آپ کو اردو نسخہ جس میں قلمی حواشی بھی بکثرت ہیں مستعار بھیج دونگا۔ مقابلہ کرا کے انگریزی میں تکملہ فرمالیں۔ (قبل اشاعت ایک نظر میں دیکھ لینے (پر) آمادہ ہوں۔ البتہ مقابلہ کرنا معلوم نہیں کب میسر ہوگا۔ کئی دفعہ کوشش کی پھر دیگر اہم تر مصروفیتوں نے کھینچ لیا۔

Marfat.com

یہی حال قرآنی تصور مملکت کا ہے۔اس کا نظر ثانی شدہ اردو متن معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۶۱ء میں چھپا ہے۔اس کا بھی مقابلہ کرا کے تکملہ فرمالیں تو بہتر ہوگا۔اس کے بعد بہت کم ترمیم ہوئی ہے۔

آخر الذکر کی طباعت میں کوئی دشواری نہیں۔ اول الذکر کی بلا ترمیم طباعت آپ صرف اسلامک کلچر کی اجازت سے کر سکتے ہیں۔ یا شیخ محمد اشرف (لاہور) کی اجازت سے جسے اسلامک کلچر کے مضامین ری پروڈیوس کرنے کی ''مناپولی'' دیدی گئی ہے۔

مجوزہ ترمیمات کے بعد چھاپنے میں غالباً کاپی رائٹ مانع نہ ہوگا۔

ممکن ہے آپ کے جواب کی وصولی کی مسرت جلد حاصل ہو۔

میتۃکے معنی میرے ناقص علم میں UNSLAUGHTERED DEAD BODY کے ہیں۔ CARRION اور CARCASS پر آپ کا اعتراض بجا ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰)

بسم اللہ

کلل منڈی حیدرآباد دکن

۹؍رجب ۶۴ھ

جناب مکرم۔سلام مسنون

پرسوں شام مضمون واپس ملے۔شکریہ۔ میں اپنی بدحواسی پر شرمندہ ہوں کہ مضمون بغیر دیکھے بھیج دیا تھا۔امین جنگ کے حواشی میں کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔انہوں نے مضمون پڑھ کے مجھے جو چیزیں لکھ بھیجیں وہ وہاں درج کردی گئیں۔

حواشی کے نمبر آپ درست کرلیں یعنی ۸۔۶۔۷۔کو ۶۔۷۔۸ ہی ہونا چاہیے۔جگہ نہ ہونے اور بعد از وقت حوالہ ملنے سے اسے اس طرح نقل کیا گیا تھا۔

آپ کو زحمت فرمانیوں پر محجوب ہوں۔آپ غالباً پاریس کے پروفیسر LOUIS MASSIGNON سے واقف ہوں گے۔ یہ آج دو پہر طیارے سے حیدرآباد آرہے ہیں۔ وہ

دن قیام کا پروگرام ہے۔ غالباً شام و لبنان پر عالم اسلامی کی نبض دیکھنے (کے لئے) یہ سفر ہوا ہے۔ اس غیر سرکاری سفیر کی موجودگی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ان کا آئندہ پروگرام معلوم نہیں ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱)

بسم اللہ

شراکت وراقات دکن

۱۵۔ بیچلرز کوارٹرز، بالمقابل معظم جاہی مارکیٹ حیدر آباد دکن

مجاریہ: تاریخ: ۱۲/ محرم ۱۳۶۵ھ

مکرمی و محترمی زاد مجدکم

سلام مسنون!

چند دن قبل میں نے آپ کو مولوی سید محمد شاہ صاحب ایڈیٹر پیغام حق و مالک مکتبہ پاکستان کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ آج مکرر اپنے دوست مالک شرکت وراقت دکن (کذا) کے اصرار پر یہ چند سطریں تحریر کر رہا ہوں۔

اگر آپ کی ملاقات مولوی سید محمد شاہ صاحب سے ہو سکے تو انہیں فرمایئے کہ ان کی ساکھ متاثر ہو رہی ہے اور وہ اپنے خطوط اور فرمائشوں کے سلسلے میں بھیجی ہوئی پارسلوں کو نہ لے کر بلا وجہ ملی نقصان کا باعث ہو رہے ہیں[۱۶]

آپ کو زحمت دیتے ہوئے مجھے شرمندگی ہے۔ آپ خواہ مخواہ تکلیف نہ فرمائیں۔ آپ کا وقت اس سے زیادہ قیمتی کاموں کے لئے ہے۔

مخلص

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۲)

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدرآباد دکن

۱۷ رصفر ۶۵ھ سہ شنبہ

محترم ومکرم زادمجدکم وفیعکم

سلام مسنون: مزاج گرامی۔ تین ہفتوں کے سفر کے بعد دو دن ہوئے کہ گھر واپس ہوئے۔ منتظر ڈاک میں آپ کا عنایت نامہ بھی تھا اور تاریخ سے معلوم ہوا کہ بہت دن سے وہ آیا ہوا ہے نادم ہوں کہ جواب کو تعویق ہوئی۔

دنیائے اسلام کے ہر حصے کی طرح ہم بھی کمزوریوں سے خالی نہیں ہیں۔ حیدرآباد میں دینی کام کیلئے مدد دینے والے اہل خیر کی کمی نہیں۔ امراء میں بھی اور غرباء میں بھی۔ الحمدللہ اب تک کچھ نہ کچھ لاج، درد اور حمیت باقی ہیں۔ لیکن بہت کچھ وصول کرنیوالوں کی صلاحیتوں پر مبنی ہوتا ہے۔

حکومت سے میں آج کل کوئی زیادہ توقع نہیں رکھتا۔ سیاسی بحران کا زمانہ ہے اور ہندوؤں کی سیاسی بیداری اور اپنے اکثریت میں ہونے کا شعور، بہت کچھ ہماری حکومت کے ہاتھ پاؤں باندھ چکا ہے اور خصوصا اسلامی اداروں کی خدمت اس وقت کچھی جا سکتی ہے جب کسی خالص ہندو ادارے کو بھی کچھ دیا جارہا ہو۔

بہر حال اگر موثر سفارشیں لائی جاسکیں اور مستعدی سے بلکہ چرب زبانی سے کام کیا جاسکے تو عوام سے چند ہزار روپے آسانی سے جمع ہوسکیں گے۔ غلام محمد فنانس ممبر نہیں ہیں ورنہ ان سے بڑی مدد مل سکتی۔ اب بھی خان فضل محمد خاں، نواب فخر جنگ وغیرہ کے نام جو بااثر لوگ ہیں، آپ موثر سفارشی وتعارفی خط لاسکیں تو وہ ضرور آپ کا ہاتھ بٹائینگے اور ان شاءاللہ کچھ نہ کچھ کام ہو جائے گا۔

اپنے مصارف سفر اور قیام کے متعلق آپ تردد نہ فرمائیں۔ ہمارے غریب خانے میں آپ کی موجودگی سے مسرت ہی ہوگی اور کسی کو بار نہ ہوگا۔ میں نے پٹرول نہ ملنے سے اپنا موٹر فروخت کر دیا ہے اس لیے سواری کی ایک دشواری سے قطع نظر ان شاءاللہ یہاں آپ کو اپنے خادم کے ہاں اور کوئی زحمت نہ ہوگی۔ اپنی آمد کی تاریخ سے مطلع فرمائیں تو عنایت ہو۔ محترمہ بھابھی صاحبہ بھی ساتھ آئیں تو کیا کہنا۔

نیازمند

محمد حمیداللہ

Marfat.com

(۱۳)

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدرآباددکن

۱۱شوال ۶۵ھ

مکرمی سلام مسنون!

عنایت نامہ ملا۔افسوس کہ باوجود تلاش مطلوبہ کتابیں تاحال یہاں نہ ملیں۔اگر آئندہ کہیں نظر آئیں تو ضرور اطلاع دوں گا تاکہ بشرط ضرورت منگوالی جائیں۔

مجھے بھی ''لسان الغیب مؤلفہ خواجہ میر ولی اللہ بی۔اے،ایل ایل بی،وکیل ایبٹ آباد مطبوعہ اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور'' کی ضرورت ہے۔کیا یہ وہاں مل سکتی ہے۔

میں ذی قعد کے آغاز میں ان شاءاللہ سفر حج پر روانہ ہو جاؤں گا۔ مخلص

محمد حمید اللہ

(۱۴)

بسم اللہ

۲۷رمضان المبارک ۶۹ھ

مکرمی خواجہ صاحب دام لطفکم

سلام مسنون! دفتر معلومات سے آپ نے پولینڈی استفسار کے متعلق پتہ چلانے کی زحمت فرمائی تھی۔Jaziers Ki صاحب کا ایک خط آیا ہے۔اس میں لکھتے ہیں۔

THE INFORMATION DEPT IS HONOURING ME BY SENDING THE COMPLIMENTARY COPIES OF PAKISTAN NEWS. UNFORTUNATELY SOME ISSUES DID NOT REACH ME ANDI HAVE ASKED TO SUPPLY ME WITH THE COPIES IN QUESTION.

BESIDES I HAVE INFORMED THE NAMED DEPT THAT I COULD BE VERY GLAD, IF I COULD BE OF ANY SERVICE TO THEM AND PAKISTAN

اگر ممکن ہو تو اب کچھ پتہ چلا کر اطلاع دینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ مخلص

محمد حمید اللہ

(۱۵)

بسم اللہ

مکرمی جناب عبدالوحید صاحب دام لطفکم

سلام مسنون! آج لندن سے ایک خط موصول ہوا جو منسلک ہے۔اس کے خط کشیدہ الفاظ کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرانی ہے۔

اگر آپ اس زحمت کو (جو کتاب ''عہد نبویؐ کے میدان جنگ'' کا ترجمہ کرنے کے متعلق ہے) گوارا کر کے اپنے ذمے لینے پر آمادہ ہیں تو براہِ کرم مطلع فرمائیں کہ میں انہیں کس قدر معاوضے کے لئے لکھوں۔

عاجلانہ جواب باعث امتنان ہوگا۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱۶)

بسم اللہ

ڈاکٹر ایم حمید اللہ ایم اے، ڈی فل، ڈی لٹ

عثمانیہ یونیورسٹی کالج حیدرآباد دکن

۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ

بخدمت جناب خان بہادر سعد اللہ خان صاحب (ایبٹ آباد)

جناب محترم!

سلام مسنون! اگرچہ مجھے جناب سے نیاز حاصل کرنے کا موقع تا حال نہیں ملا لیکن جناب کے اوصاف حمیدہ سے اس دور دراز مقام پر بھی پوری طرح واقف ہوں۔کوئی دو سال کا عرصہ ہوا، اسلامیہ کالج پشاور میں بھی حاضر ہونے کا مجھے موقع ملا تھا۔احباب نے اطلاع دی ہے کہ وہاں شعبہ دینیات کے لئے ایک لیکچرار کی ضرورت ہے۔مداخلت بیجا نہ سمجھی جائے اگر میں عرض کروں کہ اس کام کے لئے مولانا عبدالوحید (اڈیٹر دی اسلام لاہور) سے بہتر شخص آپ کو نہیں

Marfat.com

ملے گا جن کے دلچسپ اور محققانہ مقالات سے ہندوستان سے باہر کے لوگ بھی مستفید ہو رہے ہیں۔ جناب بھی خوب واقف ہوں گے کہ وہ اردو اور انگریزی کے کتنے اچھے مقرر ہیں۔ لاہور کے علاوہ ایبٹ آباد اور امرتسر میں بھی بار ہا وہ لیکچر دے چکے ہیں۔ خود علامہ عبداللہ یوسف علی ان کی قابلیت کے معترف رہے ہیں اور اپنے ترجمہ قرآن میں مدد پاتے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اسلامیہ کالج پشاور کو ان کی خدمات کے حصول پر مسرت رہے گی ان شاء اللہ المستعان

خادم

محمد حمید اللہ

تعلیقات وحواشی

(۱) مکتوب الیہ نے اپنی کتاب Islamic Back Ground of Modern Science مطبوعہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور، مکتوب نگار کو بھیجی تھی۔ مذکورہ کتاب کا ہندی ترجمہ تو نہ ہو سکا۔ لیکن مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ایماء پر مولوی ضیاء الرحمٰن بی۔ اے نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا جو ''قرآن مجید اور سائنس'' کے عنوان سے دو اقساط میں ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ کے جنوری اور فروری ۱۹۳۰ء کے شماروں میں سید صاحبؒ کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوا:

مولوی عبدالوحید ایک روشن دل اور روشن خیال فاضل ہیں۔ پچھلے سال اورینٹل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور میں انہوں نے یہ مضمون خطبہ کے طور پر انگریزی میں پڑھا تھا اور نہایت پسند کیا گیا تھا۔ ہماری فرمائش پر انہوں نے یہ انگریزی مضمون اس غرض سے بھیجا تھا کہ اس کا ترجمہ معارف میں شائع ہو۔ بروقت ترجمہ نہ ہونے کے سبب سے یہ کئی مہینے پڑا رہا۔ آخر ہمارے ایک کرم فرما مولوی ضیاء الرحمٰن بی۔ اے نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا جو آج آپ کے سامنے موجود ہے۔

مضمون نگار کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید نے حقائق اشیاء کی تلاش، معرفت اور ان سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کا سبق دیا۔ قرآن پاک کی یہی تعلیم تھی جس نے اگلے مسلمانوں کو علوم وفنون کی تحقیق اور ترقی کا شوق پیدا کیا اور مسلمانوں کی یہی تحقیقات تھیں جس پر یورپ نے اپنی نئی تحقیقات کی بنیاد رکھی۔

مضمون چونکہ انگریزی میں تھا، اس لیے قرآن مجید کی اصلی آیتوں کی بجائے صرف ترجمہ پر قناعت کی گئی اور ہم بھی تطویل کے خوف سے اصل آیتیں نہیں لکھتے اور ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔''

[''معارف'' اعظم گڑھ۔ جنوری ۱۹۳۰ء (جلد ۲۵، نمبر ۱) ص: ۹]

Marfat.com

(۲) خواجہ عبدالوحید صاحبؒ نے سید سلیمان ندویؒ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندویؒ کی تصنیف ''سیرت النبیؐ'' کے انگریزی ترجمے کا منصوبہ بنایا۔ کتاب کے مقدمہ کا ترجمہ پندرہ روزہ ''اسلام'' لاہور میں شائع ہوا جسے اس دور کے تمام اہم علماء اور علمی مشاہیر نے تحسین کی نظر سے دیکھا۔ خواجہ صاحب کی بنیادی ضروریات زندگی کے لیے انتھک جدوجہد اور دیگر اہم مصروفیات کی وجہ سے یہ منصوبہ شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکا۔

(۳) مکتوب نگار کی ایک اہم اور قابل قدر تصنیف۔

(۴) پیرس (Paris)

(۵) دیکھیے حاشیہ نمبر۲

(۶) شبلی نعمانیؒ کی الفاروق کا انگریزی ترجمہ مولانا ظفر علیؒ نے کیا اور نظر ثانی کا کام خواجہ صاحبؒ نے کیا تھا۔

(۷) پ: ۳۰ جنوری ۱۸۹۰ء فرید آباد، انڈیا۔ م: ۱۹ جولائی ۱۹۶۴ء لاہور ممتاز مؤرخ، مترجم اور ادیب۔ غیر منقسم ہندوستان اور پاکستان میں، ایک طویل عرصے تک انجمن ترقی اردو کے شریک معتمد رہے۔

(۸) م: ۷ دسمبر ۲۰۰۰ء لاہور۔ ممتاز سائنس دان۔

(۹) حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، پ: ۱۸۸۶ء، موضع جلال آباد ضلع گوجرانوالہ۔ م: ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء، لاہور۔ مشہور عالم دین اور مفسر قرآن، حضرت مولانا حسین احمد مدنی دیوبند سے فارغ ہونے والے طالب علموں کو عطائے سند کے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ ''آپ نے تحصیل علم تو کر لی۔ اب تکمیل علم کے لیے لاہور جایئے۔ یعنی حضرت لاہوریؒ کے درس قرآن میں شرکت تکمیل علم کے لیے لازمی قرار دیتے تھے۔

(۱۰) مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے مذکورہ ترجمہ قرآن، خواجہ صاحبؒ کی درخواست پر بھجوایا تھا۔

(۱۱) حیدر آباد کے مذہبی سکالر، ان کے محققانہ مضامین اور تبصرے اسلامک کلچر میں شائع ہوتے تھے۔

(۱۲) August، اگست۔

(۱۳) سیرت کے عسکری پہلو پر مکتوب نگار کی ایک قابل قدر تصنیف۔

Marfat.com

(۱۴) خواجہ صاحبؒ نے ،مکتوب نگار کے بہت سے اردو مضامین کا انگریزی میں ترجمہ کیا، موصوف یہ کام دینی جذبے کے تحت بلا معاوضہ کرتے تھے۔

(۱۵) اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے۔کل ہند کانفرنس قانون ۱۸اور ۱۹ جولائی ۱۹۴۴ء (مطابق ۲۷اور ۲۸رجب ۱۳۶۳ھ) کو منعقد ہوئی تھی ،اس لیے اندازہ ہے کہ یہ خط جولائی ۱۹۴۴ء کے پہلے یا دوسرے عشرے میں لکھا گیا ہوگا۔

(۱۶) اس سلسلے میں چند دن پہلے لکھا گیا خط مکتوب الیہ کو موصول نہیں ہوا تھا۔کسی غلط فہمی کی بناء پر سید محمد شاہ صاحب نے مذکورہ پارسل واپس کر دیے تھے۔خواجہ صاحبؒ نے معاملہ خوش اسلوبی سے طے کرا دیا۔شرکت وراقات دکن کے مالک نے بذریعہ خط نمبر بی/۲۱۶ مکتوبہ ۱۴رصفر ۶۴ھ خواجہ صاحبؒ کو رقم موصول ہونے کی اطلاع دی۔انہوں نے لکھا کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۰ جنوری وصول ہونے کے دو دن بعد جناب سید محمد شاہ صاحب کے پاس سے رقم بذریعہ بنک ڈرافٹ وصول ہوئی۔''

Marfat.com

ڈاکٹر حمید اللہ کے ایک خط پر اظہار رائے

جامعہ ڈربن......۱۴ر جون ۸۳ء

مخدوم و محترم جناب صباح الدین صاحب مدظلہ العالی......سلام و رحمت فراواں۔ والا نامہ ملا۔ دعاؤں، محبت و شفقت کا پیام لایا۔ ساتھ ہی مئی ۱۹۸۳ء کا معارف بھی موصول ہوا، صفحات ۳۸۹، ۳۹۰ پر مخدوم و محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مدظلہ کا مراسلہ نظر سے گذرا [۱]، ایک معروف اسکالر کے نوک قلم سے اس مراسلہ کا صدور ناچیز کے لیے باعث صد حیرت ثابت ہوا، کوئی اور ہوتا تو شاید جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کرتا مگر چونکہ یہ تحریر ایک پایہ کے عالم کی ہے، لہٰذا علمی دیانت کا تقاضا تصور کرتا ہوں کہ اپنی حقیر رائے سے بھی آپ کو مطلع کر دوں، اِن اُرید به الا الاصلاح اپنی رائے کے اظہار سے پہلے اس عقیدت کا انکشاف ضروری ہے جو مجھے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے رہی ہے اور ہنوز باقی ہے۔

مغربی دنیا میں عصر حاضر کے تین مسلم تابندہ ستاروں نے اسلام کی روشنی پھیلائی ہے جن کی کرنیں چھن کر ہم نے یورپ میں فکر و نظر کی تاریک راہوں پر بچھائی ہیں، ان کی ہر رائے سے اتفاق ضروری نہیں۔ لیکن ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف تقاضائے دانش ہے انہیں کی بدولت ایک طرف یورپ کے بھٹکے ہوئے مسلم طلبہ نے راہ پائی اور دوسری طرف مسیحی گروہان گوسفندان اسلام کے متعلق سنجیدگی کے ساتھ سوچنے پر مجبور ہوئے، پہلی شخصیت اے ایل طباوی مرحوم کی تھی۔ جن کا وصال چند ماہ قبل لندن میں ایک حادثہ میں ہوا۔ دوسری شخصیت سید حسن نصر کی ہے جنھوں نے علوم اسلامیہ خاص کر اسلامی سائنس میں مسلم دانشوروں کی خدمات کو اس طرح پیش کیا کہ

---

۱ مذکورہ مکتوب نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی جلد دوم ص ۵۵۴ میں شامل ہے، یہ دونوں مکتوبات اس لیے شریک اشاعت کیے جا رہے ہیں تاکہ قارئین کا نقطہ نظر بھی سامنے آ جائے۔ (م۔ع)

Marfat.com

اہل یورپ ہل گئے اور اعتراف اور عدم اعتراف کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے، تیسری شخصیت حضرت ڈاکٹر حمید اللہ کی ہے جو گزشتہ چار یا پانچ عشرات سے تہذیب نوی کے قبلہ پیرس میں اسلام اور علوم اسلامیہ کی سربلندی کے لیے سرگرم وسرشار ہیں۔اے۔ایل طباوی صاحب نے خالص علمی انداز میں سب سے پہلے مستشرقین کے کید ومکر کا پردہ چاک کیا۔جس نے یورپ میں پڑھنے والے مسلم طلبہ کو اچانک چونکا دیا۔موصوف کا پہلا رسالہ زیر عنوان ''انگریزی داں مستشرقین'' ۱۹۶۴ء میں لندن سے شائع ہوا اور دوسرا رسالہ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ بیدار مغز اور حساس مسلم اسکالر بھی چونکے، اور مستشرقین کی اسلام دشمنی یا تمسیخ اسلام اور علوم اسلامیہ کے خلاف علمی حلقوں میں ایک تحریک کی داغ بیل پڑ گئی، تحدیث نعمت کے طور پر اس لہر کا ذکر بیجا نہ ہوگا کہ ناچیز کے تعلقات ان تینوں اسکالر کے ساتھ بے حد قریبی رہے ہیں اور ہنوز قائم ہیں۔(اللھم زد فزد)

ڈاکٹر حمید اللہ سے ملنے کے لیے ناچیز ۱۹۷۰ء میں پیرس پہنچا۔آستانہ حمیدیہ کی تلاش میں جو محنت ناچیز نے کی، شاید ہی کسی اسکالر کی تلاش میں عمر بھر کی ہو، بیگم قدسیہ ناچیز کی جنوں پائی سے تھک تھک کر بیٹھ گئیں، مگر ہمت نہ ہاریں، آخر ہم علم کے اس آستانہ پر پہنچے، یہ معلوم کر کے بے حد صدمہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب ان دنوں پیرس سے باہر تھے، ہم ڈاکٹر صاحب کے دروازہ کو چوم کر واپس آ گئے۔(واضح رہے کہ ناچیز نہ تو بدعتی ہے نہ ضعیف العقیدہ، البتہ علماء ''ورثۃ الانبیاء'' کی قدم بوسی کو فال نیک تصور کرتا ہے) جولائی ۱۹۷۳ء میں ۲۹ ویں بین الاقوامی مستشرقین کانفرنس کا انعقاد پیرس کی معروف یونیورسٹی دانش گاہ ساربان میں ہوا۔ ناچیز بھی مدعو تھا۔ سفر خرچ بھی کانفرنس والوں نے ہی فراہم کیا تھا، تمناؤں کے ساتھ گیا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے ملاقات کا ایک اور موقع ہاتھ آیا لیکن اس دفعہ بھی محرومی ہی نوشتہ تقدیر تھی۔ آخر ۱۹۷۸ء میں کراچی میں پیر حسام الدین صاحبؒ راشدی کے مکان پر ایک عشائیہ میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی اور علمی مذاکرات کا موقع نصیب ہوا۔ چند سال ہوئے کہ جنوبی افریقہ میں ڈاکٹر صاحب سے نیاز حاصل ہوا اور استفادہ کا موقع بھی ملا۔ان کے اخلاص، انکسار، محبت اور شفقت کا جواب نہیں۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب کا یہ خط نہ صرف دارالمصنفین اعظم گڑھ کی کانفرنس منعقدہ فروری ۱۹۸۲ء کے حق میں منفیانہ حیثیت رکھتا ہے بلکہ ان تمام کاوشات، سرگرمیوں، اجتماعات اور کانفرنسوں کے بھی خلاف ہے جو ''اسلام اور مستشرقین'' کے سلسلہ میں جہاں کہیں منعقد کی جاتی

ہیں یا آئندہ کی جائیں گی، اس لیے ڈاکٹر صاحب کے ہر بیان پر نقد ونظر ضروری ہے تاکہ ہمارا ذہن صاف رہے اور اعتذاری نفسیات کو تقویت نہ پہنچے۔

(۱) ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ''مستشرقین کی شکایات کے ادارے سے ناچیز کو بالکل اتفاق نہیں......''

ڈاکٹر صاحب کا ہر عقیدت مند ان سے یہ سوال کرنے کی جرأت کرے گا کہ کیا مستشرقین کو اس کا حق ہے کہ وہ سال، دو سال یا تین برسوں میں دنیا کے کونہ کونہ میں اپنی کانفرنسیں منعقد کرتے رہیں۔ اسلام پر نشستیں کرکے نہایت دل آزار مقالات پڑھتے رہیں۔ اسلام کی اصلیت پر موشگافیاں کرکے دنیا کو بتاتے رہیں کہ اسلام یہودیت اور مسیحیت کی بگڑی ہوئی شکل ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی کاذب تھے، قرآن کی تالیف کرکے دینی فضا کو مکدر کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کے ہزاروں ادارے اس قسم کے جگر پاش، دل دوز و دل سوز مقالات شائع کرتے رہیں ان کو اس کا حق ہے لیکن ہمیں شکایت کا بھی حق نہیں۔ ہمیں اس کی تلقین کی جائے کہ ہم اپنے دین کلچر کی توہین دیکھ کر بھی خاموش رہیں، مداہنت کی پالیسی پر عمل کریں۔

(۲) ڈاکٹر صاحب پھر فرماتے ہیں کہ ''اگر ان سے مستشرقین کی اس کانفرنس کے انعقاد کا مشورہ لیا جاتا تو وہ ہرگز اس کا مشورہ نہ دیتے۔''

یہ ڈاکٹر صاحب کی ذاتی رائے ہے اور ان کو اس کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار فرمائیں، لیکن ناچیز کی حقیر رائے میں ''اسلام اور مستشرقین'' کے زیر عنوان دارالمصنفین کی یہ کانفرنس نہ صرف تاریخ ساز ہے بلکہ چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک انقلابی موڑ بھی ہے۔ بشرطیکہ اس کو صحیح سمت سفر عطا کیا جائے، اور نشستند و گفتند و برخاستند کی آفت سے محفوظ رکھا جائے، اس کانفرنس کا انعقاد سیدی و مرشدی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہ کی دور رس نظر کا کرشمہ ہے۔ یہ ابتدائیہ ہے ایک انتہائیہ کا۔ تقریباً تین صدیوں سے استعمار نے ہمیں مہر بلب رکھا اور ان کے طرفدار مستشرقین نے اسلام دشمن لٹریچر کا انبار جمع کرکے عالم اسلام کو اس کے اندر غرق کردیا، ہم احساس کمتری کا شکار ہوگئے، ہمیں ایک ہی سبق پڑھایا گیا کہ اسلام عقل و دانش کا بدترین دشمن ہے، تہذیبوں کو برباد کیا، مصری، ایرانی، عراقی، شامی اور انڈس ویلی تہذیبوں کو فنا اور برباد کردیا۔ تلوار کے زور سے پھیلا، اس کا اپنا کچھ نہیں ہے، اس نے سب کچھ قدیم یونان اور روم سے لیا، اور اب جدید یورپ کا خوشہ چین ہے، وغیرہ وغیرہ، دوسری عالمگیر جنگ کے بعد مغربی

Marfat.com

استعمار کی کرتوتی، اور سحر و کید کا یہ تودہ ڈھیر ہونے لگا، عالم اسلام میں دانشوروں کے قلم کی حرارت سے مغربی اسکالرشپ کا ملمع محل پگھلنے لگا۔ اب ہم اس مقام پر آ گئے ہیں کہ ہم برملا اپنی کانفرنسوں اور بین الاقوامی اجتماعات یا اجلاسوں میں استشراقی آسیب کو اتاریں، نئی اسلامی اسکالرشپ کی عمارت کھڑی کرنے سے پہلے ہمیں غلاظت سے جمی ہوئی عمارت کو منہدم کرنا ہوگا تاکہ ہماری آئندہ نسل احساس کمتری کے دلدل سے نکل کر خود اعتمادی کی پُر بہار فضا میں داخل ہو، اور پھر ''اقراء'' کمیونٹی ریسرچ و تحقیق کی کمیونٹی کی حیثیت عالم میں نمودار ہو سکے، عالم اسلام میں پھر بہار علم پلٹ آئے، جسے استعماریوں نے تین صدیوں سے روک رکھا تھا۔ ہم ''پدرم سلطان بود'' کے نظریہ کی تائید نہیں کرتے۔ ہمارا مقصد امت مسلمہ کی نئی نسل کو احساس کمتری سے نجات دے کر نئے مستقبل کی تعمیر کا حوصلہ پیدا کرنا ہے، نئی عمارت کی بنیاد ریت کے ڈھیر پر نہیں کھڑی کی جاتی، اس کے لیے سنگین بنیاد کی ضرورت ہے۔

(۳) ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ''مستشرقین میں سے ہر فرد عناد و دشمنی نہیں رکھتا اور اکا دُکا رکھتا ہے، وہ اس طرح کی کانفرنسوں اور شکایت ناموں سے شدید تر دشمنی دکھانے لگتا ہے، جیسا کہ کچھ دنوں سے یہاں نظر آ رہا ہے''

اس کا جواب ایک مختصر سوال ہے! کاش ڈاکٹر صاحب چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک مستشرق کی نشاندہی فرما دیتے، جو اسلام سے دشمنی اور عناد نہیں رکھتا ہے، ناچیز نے آپ کی کانفرنس کے لیے جو مقالہ پیش کیا اس کی طرف توجہ مبذول کرانا کافی ہوگا، ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ میں ہمیں ایک فرد ایسا نظر نہیں آیا جو اسلام دشمنی سے پاک ہو، ابھی زندہ مثال برناڈ لوئس کی ہے جس نے قرآن کریم کا موازنہ جرمنی کے ایک وثنی رزمیہ سے کیا ہے، وہ رقمطراز ہے کہ ''واگنر نے اسی رزمیہ (Epic) سے اپنی موسیقی یا اوپرا (Opera) کی تخلیق کی'' (ملاحظہ ہو ''امریکن اسکالر'' شمارہ نمبر ۱۹۷۹ء ص ۳۷۳) قرآن کریم کو جرمنی کے وثنی رزم سے تشبیہ دینا کس دانش کا ثبوت ہے؟ برناڈ لوئس اور اسی قبیل کے مستشرقین مغربی جامعات کے علمی اور تحقیقی اداروں کے سربراہ ہیں، یہ سب زہر پھیلانے میں مصروف ہیں۔ یہ بات سرے سے قابل قبول نہیں کہ اکا دُکا دشمنی رکھتا ہے، دوسرا سوال یہ ہے کہ آخر اکا دُکا جو دشمنی رکھتا ہے وہ اس قسم کے شکایت ناموں سے شدید دشمنی کیوں دکھانے لگتا ہے؟ اس کی دشمنی پر اس کانفرنس کا کیا اثر پڑے گا؟ آخر چند دنوں سے یہ کہرام یورپ میں کیوں مچا ہوا ہے؟ اگر مستشرقین مخلص ہیں تو انہیں کیا ڈر؟ چوں حساب

Marfat.com

ما پاک است از محاسبہ چہ باک؟ یہ کہرام و مرثیہ خود اس بات کی دلیل ہے یا اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ہمارا موقف صحیح ہے! مستشرقین کے دل میں چور ہے، وہ نہیں چاہتے کہ ان کی اسکالر شپ کی نقاب کشائی کی جائے، منظم اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں ان کے خلاف تہلکہ مچایا جائے۔ انہیں معلوم نہیں کہ ان کے سحر کا زور اب ٹوٹ رہا ہے۔ مشرق میں مغربی اسکالر شپ کے آسیب کو اتارنے کے لیے کانفرنسیں برپا کی جارہی ہیں، انہیں خطرہ ہے کہ اگر خالص، طاہر و مطہر اسلامی لٹریچر کی افزائش ہوئی تو ان کے کھوٹے سکوں کو نگاہیں پہچان لیں گی اور خود ان کے حلیف اور طرفداران کا کیمپ چھوڑنے پر مجبور ہوں گے چونکہ توحید و تثلیث کا تصادم ازلی ہے اور عقیدہ لَمْ یلد ولم یولد کا ٹکراؤ نظریۂ ابن اللہ کے ساتھ ابدی ہے، اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ عالم مسیح کا کوئی فرد اس قسم کی کانفرنسوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھے اور ہمارے اعلان کو پسند کرے کہ ''اسلام اور علوم اسلامیہ کی تعبیر و تفسیر کا حق صرف مسلمانوں کو ہے، دوسرے مذاہب والے اپنے تعصب کی بناء پر انصاف نہیں کر سکتے۔......''

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات کہ ''ہم اپنے بچوں کو ان ہی کے ہاں بھیجتے ہیں اور ان کے پرزہ کاغذ (ڈگری کی سند) پر اتراتے ہیں۔ پھر ان ہی کی شکایت کریں، اخلاق تو اس کی اجازت نہیں دیتا۔''

ہمارے ننانوے (۹۹) فیصد لڑکے سائنسی علوم کی تحصیل کے لیے مغربی جامعات میں جاتے ہیں، جہاں عقائد کا ٹکراؤ کم ہے، مستشرقین کے خلاف ہماری کانفرنسیں اس لیے منعقد کی جانے لگی ہیں کہ ہمارے بچے مغربی پرزہ کاغذ پر اترانا چھوڑ دیں۔ اپنے شاندار مستقبل سے واقفیت حاصل کر کے نئی دنیا میں وہ پھر عالم تازہ پیدا کریں اور علم و فضل کی وہ فضا پیدا کر سکیں کہ آکسفورڈ اور کیمبرج کے اساتذہ و طلبہ پھر بغداد، قاہرہ اور قیروان جا کر تحصیل علم پر اترائیں۔ یہ حقیقت ہے افسانہ نہیں کہ یورپ کے علماء وفضلاء بغل میں جزدان دبا کر اندلس جایا کرتے تھے اور اسلامی اسکالرز کے آگے زانوئے ادب تہ کیا کرتے تھے۔ کیا تابناک ماضی کے احیاء کی آرزو معصیت ہے؟ پھر یہ منطق ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں کہ چونکہ ہمارے بچے مغربی جامعات و اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے یورپ جاتے ہیں لہٰذا ان کو اس بات کی کھلی اجازت ہو کہ وہ ان بچوں کے اسلاف کو، ان کے دین و پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو، ان کی دینی والہامی کتاب قرآن کو مسخ کرنے کی کوشش کریں، کیا اخلاق اس کی اجازت دیتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ آج یورپ

Marfat.com

محیر العقول سائنسی ایجادات کے مرحلہ سے گذر رہا ہے، اور ہم وہاں تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن پہنچنے کی آرزو، طفل تسلی اور خام خیالی سہی معصیت نہیں۔ یورپ ایک دن میں ان ترقیات کو حاصل نہیں کر سکا، استشراقی اسکالرشپ کے اسی نعرہ نے کہ ہم نے سب کچھ یونان سے بھیک میں لیا ہے، ہمیں مفلوج کر دیا ہے، اسلامی چراغ علم کو پھر فروزاں کرنے کے لیے خون جگر کی ضرورت ہے، جو ان ہی کانفرنسوں کے ذریعہ ممکن ہے ان کانفرنسوں میں ہماری مسائی ایک مربع کی شکل اختیار کریں گی یعنی (۱) استعماری افسون کا مداوا اور اعتذاری نفسیات سے گلوخلاصی (۲) مستشرقین کے زہر کا علاج (۳) علوم اسلامیہ کا احیاء اور (۴) اسلام، علوم اسلامیہ، تاریخ اسلام، عقائد اسلام کی تشریح وتفسیر کا حق مستشرقین سے واپس لینا۔ ممکن ہے ہم اپنی حیات میں ان مسائی کو بارآور ہوتے نہ دیکھ سکیں لیکن ہماری آئندہ نسلیں ضرور دیکھ سکتی ہیں۔ اخلاق کا ہر اصول ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہم ظالم کے ظلم کے خلاف آواز بلند کریں۔ اپنے حقوق کا تحفظ کریں اور ماضی کے احیا کی سعی کریں، مستشرقین اور اسلام کے زیرعنوان کانفرنسوں کے انعقاد کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم مستشرقین کے خلاف محاذ آرائی کر رہے ہیں یا طبل جنگ کا اعلان ہے، اس کا مقصد اپنے دین اور ثقافت کا تحفظ ہے۔ قلم کے زہر کو کافور کرنا اور نظر کی جانڈس یا پیلی کو دور کرنا ہے۔ (کذا)

ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمان درست ہے کہ "مستشرقین مسلمان نہیں، ان سے توقع کہ وہ سو فیصدی ہماری باتوں کو داد دیں، یہ عبث ہے، ان سے سو فیصدی تو کیا ایک فیصدی باتوں کی داد کے ہم نہ تو بھوکے ہیں نہ خواہاں ہیں۔" ان کی داد نہ دینے سے توحید پر آنچ نہیں آئے گی، ممکن ہے ان کے تثلیث کے عقیدے میں فرق آئے "لکم دینکم ولی دین" کا فیصلہ اٹل ہے اور برحق بھی۔ اس فارمولے پر ہمیں شرح صدر ہے، نہ تو اعظم گڑھ کی کانفرنس نے ان کو مسلم تصور کیا ہے، نہ ہی آئندہ کوئی کانفرنس اس کی توقع رکھتی ہے۔ یہ ہمیں اور سارے جگ کو معلوم ہے۔

(۴) دفاع: ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمان کہ "ان کے دین اور ان کے دنیا کے متعلق کیا ہم بھی مبالغہ آمیز شکایتیں اور تنقیدیں نہیں کرتے۔"

جواباً عرض ہے کہ اسلام کی پوری تاریخ میں مستشرقین جیسا کوئی منظم ادارہ وجود میں نہیں آیا جس نے دین مسیح پر منظم حملے کیے ہوں، اول تو حضرت مسیح علیہ السلام خود مسلمانوں کے پیغمبر تھے (لا نفرق بین احد من رسلہ) کا عقیدہ ہمیشہ کارفرما رہا، ہاں مختلف ادوار میں مختلف مسلم علماء نے مشنری زور کو توڑنے کے لیے ان مناظرات میں ضرور حصہ لیا، جس کی دعوت خود

مستشرقین نے دی، ہم میں سے بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ خود ہندوستان میں تمام مذہبی ومشنری امور کا سربراہ اعلیٰ خود وائسرائے ہند ہوا کرتا تھا، اسی کی نگرانی میں اشاعت دین مسیح کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ مالیہ کا نظم اور اہل ہند کو مسیح بنانے کی مہم میں مشورے کا مصدر اول وہی ہوا کرتا تھا، ان مواقع پر مسلمانوں نے دفاعی محاذ ضرور قائم کیا، اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ افریقہ میں ایشیا میں خاص کر انڈونیشیا میں اور خود ہندوستان و پاکستان میں دین مسیح کی اشاعت کس طرح ہوئی ہے یا ہو رہی ہے تو ہم انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ کیا اس مسیحی جارحیت کے خلاف گلہ وشکوہ بھی جرم ہے؟ اور اپنے دین حنیف کے تحفظ کے لیے نعرہ بلند کرنا مبالغہ آمیزی ہے؟ یہ بات عبرت خیز ہے کہ برطانیہ ہند کا وائسرائے دین مسیح کے اشاعتی ادارہ کی سربراہی پر فخر محسوس کرے، مگر آج ہم محض اسلام کا نام لیتے ہوئے اس لیے شرمائیں کہ ہم حقیقت پسند اور کوتاہ نظر نہ کہلانے لگیں اگر دورِ استعمار میں مناظرات کی تاریخ ہمارے سامنے ہو تو ڈاکٹر صاحب کے اعتراض پر ہمیں تردد نہ ہوگا۔

(۵) مستشرقین کے اخلاص علمی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ''میرا تاثر یہ ہے کہ وہ عام طور پر عمداً اسلامی چیزوں پر اعتراض نہیں کرتے وہ مخلص ہوتے ہیں، یعنی اپنے علم اور فہم کے مطابق تاثر لیتے ہیں اور بتاتے ہیں، گالی گلوچ کے ساتھ نہیں۔''

تاریخی تجربہ اس کے برخلاف شہادت پیش کرتا ہے۔ پندرہ صدیوں میں ان کے اخلاص علمی نے اس سے زیادہ ترقی نہیں کی کہ اسلام مسخ شدہ مذہب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی کاذب ہیں، قرآن مجید محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تالیف ہے۔ ان کی فہم ودانش نے اس سرحد سے ایک انچ آگے قدم نہیں بڑھایا، جہاں تک ان کی گالی گلوچ کا تعلق ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برسوں کی گالی گلوچ کو اگر یکجا کر دیا جائے تو یہ مجموعہ چند جلدوں میں تو کیا ایک چھوٹی سی لائبریری میں بھی سما نہیں سکتا، ناچیز چند برسوں سے ان مغلظات کو یکجا کرنے میں مشغول ہے، کاش یہ پروجیکٹ تکمیل کے مرحلہ تک پہنچ جائے، سوچنے کی بات ہے کہ مستشرقین آخر کسی دوسرے مذہب کے پیچھے کیوں نہیں پڑے؟ اس دنیا میں تو اور بھی مذاہب ہیں، بدھ مذہب ہے، ہندو دھرم ہے، چینی، جاپانی، افریقی مذاہب ہیں۔ مستشرقین جان جی دے کر آخر اسلام کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ اس لیے کہ اسلام محض عقائد کا فرسودہ مجموعہ نہیں، یہ ایک نظام حیات ہے،

Marfat.com

نظام فکر ہے، صدیوں کا تجربہ کردہ نظام ہے، اس کے اندر اپنی قوت و طاقت ہے، اسی لیے دنیا میں اگر کسی مذہب پر سب سے زیادہ حملہ ہوا ہے تو وہ اسلام ہے۔

اگر مستشرقین واقعی مخلص ہوتے تو وہ خود ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیقات و تالیفات پر یقین کر لیتے، یا کسی دوسرے مسلم اسکالر کی تحقیقات کو ہی تسلیم کر لیتے، انکار حدیث، انکار قرآن کے بجائے ان کو مذہب اسلام کی اساس قبول کر لیتے۔ اسلام کے خلاف محاذ آرائی اور اس کے نبی کی توہین اور کلام الٰہی کی بے حرمتی کے بجائے یا تو خاموش رہتے یا نرم لہجہ اختیار کرتے۔ یہ تشنج اور عصباتی ہذیان جو مستشرقین کی وبائی بیماری ہے، اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ وہ مخلص نہیں۔ وہ عمداً اسلامی چیزوں پر اعتراض کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

(۶) ناچیز کو حسرت ہی رہ گئی کہ وہ کسی ایک مستشرق کی ایسی کتاب پڑھتا جو گالی گلوچ، تبرہ بازی رکیک زبان اور چھچھورے اسلوب یا طرز نگارش سے پاک ہوتی، کاش ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کسی بھی مستشرق کی ایک کتاب کا حوالہ دیتے تو ہم سب اس کی طرف رجوع کر سکتے۔ گالی گلوچ کا یہ حال ہے کہ برناڈ لوئس نے اپنی تازہ ترین تالیف (The Muslim Discovery of Europe) مطبوعہ نیو یارک ۱۹۸۲ء (صفحات ۳۵۰) میں، اسلام اور اسلام قبول کرنے والے مسیحیوں کے خلاف جو رکاکت لسانی کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۹۸۲ء کی لکھی ہوئی کتاب کے گالی گلوچ کا مقابلہ ایک صدی قبل کی لکھی ہوئی کتاب سے کر لیجیے، کوئی فرق نظر نہیں آئے گا، وہی تبرہ بازی ہے اور وہی مغلظات ہیں۔ ہالینڈ کا معروف مستشرق جس کا نام آج بھی بڑے احترام کے ساتھ متشرقین لیتے ہیں، ڈوزی (Dozy) تھا اس نے بھی سو سال قبل اپنی تالیف (History of Spanish Islam) میں اسپین میں فروغ اسلام اور ہسپانوی عیسائیوں کے مشرف باسلام ہونے پر وہی گالی گلوچ استعمال کیا تھا جو ۱۹۸۲ء میں اس کے شاگرد رشید لوئس نے کیا ہے، زبان کی رکاکت اور توہین آمیز اسلوب نگارش دونوں کا طرہ امتیاز ہے، عالم اسلام میں ''مستشرقین'' کی اصطلاح اب رسوائے زمانہ ہوتی چلی جا رہی ہے، اس کے معنی ''اسلام دشمن ٹولی'' کے ہیں، جس کا پیشہ اور مشن بلکہ رزق و روزی کا مدار ہی اسلام کے خلاف لکھنے اور لٹریچر فروخت کرنے پر ہے، اس لیے اب مستشرقین نے اپنے آپ کو اسلامیسٹ (Islamicist) لکھنا شروع کیا ہے، تاکہ ان پر لفظ مستشرق کا اطلاق ہی نہ ہو، چنانچہ برناڈ لوئس نے بھی اپنی مذکورہ بالا کتاب کے مقدمہ میں اپنے آپ کو اسی نئی اصطلاح سے یاد کیا ہے یعنی یہی اب ان کا تخلص ہے،

Marfat.com

یہ شعر پرانا سہی نتیجہ ہے اس گھبراہٹ خوف اور اسلام دشمنی کا جس کے خلاف عالم اسلام کھڑا ہو چکا ہے اور جس کے خلاف اعظم گڑھ کی کانفرنس منعقد کی گئی تھی اور آئندہ بھی اسی قسم کی کانفرنسوں کا ہجوم ہوگا، ایک ملک میں نہیں سارے عالم اسلام میں ہوگا۔ مستشرقین کا بھرم کھلے گا۔

قریب ہے یارو، روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا

ڈاکٹر صاحب مستشرقین کے اخلاص کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اگر خالص علمی انداز میں مستشرقین کو ان کی غلطیاں بتائی جائیں تو عام طور پر وہ فوراً مان لیتے ہیں۔'' اس سلسلہ میں دو نظائر بھی پیش کیے ہیں۔

اپنے دعویٰ کی دلیل میں ڈاکٹر صاحب شاخت کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انقرہ میں ہونے والی سرخسی کے جشن کے موقع پر علمی مقالات پڑھے گئے۔ شاخت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنا مقالہ پیش کیا، شاخت کا مقالہ اغلاط سے بری نہ تھا، چنانچہ اس نے اپنے مقالہ کی اصلاح ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کی روشنی میں کی اور پھر طباعت کے لیے پیش کیا۔ یہ بیان درحقیقت ہمارے مؤقف کی تائید ہے، ہم یہی تو کہتے ہیں کہ مستشرقین کے ائمہ بھی مصادر اولیٰ تک نہیں جاتے بلکہ محض اپنے متقدمین کی کتب تک ان کی رسائی ہے، اسی بنیاد پر سارا عالم ان کو سند جہاں تسلیم کر لیتا ہے، ہمارا دعویٰ یہی ہے کہ مستشرقین کا علم ناقص ہے، وہ مفروضات پر اپنی عمارت کھڑی کر کے خود ہی اس پر رنگ و روغن کر دیتے ہیں، بعض اوقات اصل مصادر کے انکشاف سے گھبرا کر وہ اپنے موقف کو اس لیے بدل دیتے ہیں کہ ان کی اسکالرشپ کی عظمت پر آنچ نہ آ جائے۔ یہاں یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ غلطیاں عمداً دیدہ و دانستہ تھیں یا سہواً لاعلمی کی بناء پر تھیں۔ یہ تو محض اتفاق کی بات تھی کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اس جشن میں موجود تھے، اور انہوں نے اپنا مقالہ بھی پیش کیا، اگر ڈاکٹر صاحب نہ ہوتے اور اپنا مقالہ پیش نہ کیا ہوتا تو شاخت صاحب ہی سند تسلیم کر لیے جاتے، اور مصدر بھی بن جاتے، اب سوال یہ ہے کہ دنیا بھر کی کانفرنسوں میں جہاں مستشرقین اپنی ناقص تحقیقات (عمداً یا سہواً) پیش کرتے رہتے ہیں، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب یا ان کے پایہ کا مخلص عالم کیسے موجود ہو سکتا ہے، جو مستشرقین کی اصلاح کر سکے۔

ڈاکٹر صاحب نے مستشرقین کے اخلاص کا ذکر کیا ہے۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے، اخلاص کا تعلق قلب سے ہے، اور قلب کا علم صرف اللہ کو ہے، ہم اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں

Marfat.com

کر سکتے ، ہم تو صرف داخلی اور خارجی تنقیدات کی حد تک اپنی رائے کے اظہار کے مجاز ہیں، اگر آنجہانی شاخت مخلص ہوتا تو تحریک انکار حدیث کے امام گولڈزیہر کی امامت قبول کرنے کی بجائے حمید اللہ صاحب کی امامت قبول کرتا اور احادیث کو مجموعہ انتحال یا جعل سازی قرار نہ دیتا اور قوانین اسلامیہ وشرعیہ سے متعلق احادیث کو دوسری صدی ہجری کی موضوعات قرار نہ دیتا۔ اور یہ نہ کہتا کہ احادیث کا بیشتر حصہ امام شافعیؒ کے بعد گڑھا گیا۔ جب اسلامی قانون سازی کی تحریک چلی اور قانون سازی کے لیے احادیث کی تائید کی ضرورت محسوس کی گئی کون ہے جو ایسے اسکالر کو مخلص قرار دے گا؟ کیا یہی علامت اخلاص ہے؟ کیا کسی مذہب کے اساس کی بیخ کنی اسکالرشپ ہے؟

نظیر ثانی

ڈاکٹر صاحب مستشرقین کی صداقت وامانت علمی کی دوسری نظیر پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اٹلی کے معروف مستشرق لیوی ویلا ویدا نے ذمیوں سے دگنی چنگی وصول کرنے کے موضوع پر جب ان کا (ڈاکٹر صاحب کا) مقالہ پڑھا تو انہیں ایک خط لکھا کہ" تمہاری دلیلوں کے سامنے تو کوئی یہودی ربانی بھی زبان نہیں کھول سکے گا۔"

اس کے جواب میں بھی ناچیز قرآنی موقف کو ترجیح دینے کے حق میں ہے، جواب خود ایک سوال میں مضمر ہے۔ کیا یہودی ربانی یا عیسائی پادری (علماء اہل کتاب) اسلام اور اسلامی تاریخ سے ناواقف تھے، یا ہیں؟ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ توحید کی امانت یعنی کتاب الٰہی (وحی نزول قرآن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت وغیرہ) کو اسی طرح پہچانتے ہیں، جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ یہ انتہائی بلیغ اشارہ ہے، انسان اپنے بچے کو بغیر اشتباہ کے فوراً پہچان لیتا ہے۔ خواہ وہ درجنوں بچوں کے جھرمٹ میں کھڑا ہو یا ان کے ساتھ کھیل رہا ہو، اسی طرح قرآن کو علمائے اہل کتاب درجنوں مذاہب اور عقائد کے درمیان پہچان رہے تھے، کہ یہ من جانب اللہ ہے اور توحید کی امانت ہے، مگر پہچاننے کے باوجود کتمان حق پر کمر بستہ تھے اور ہنوز ہیں:

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ. [انعام: ۲۰]

خود اپنی کتابوں کی روشنی میں علمائے یہود و نصاریٰ ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے، مگر اس ظہورِ قدسی کے بعد وہ انکار کرنے لگے، اور اس طرح اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا، اللہ نے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی اور اعلان کر دیا کہ:

"جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، درانحالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے، اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں، البتہ جو اس روش سے باز آ جائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں، اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں، ان کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا درگذر کرنے والا رحم کرنے والا ہوں۔"

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ (بقرہ ۱۵۹-۱۶۰)

اس آیت کریمہ میں علماء یہود پر سخت نقد ہے۔ علمائے یہود جس طرح اپنی کتاب یعنی احکامِ الٰہی کی اشاعت کرنے کے بجائے اس کو محض ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود حلقے میں مقید رکھتے تھے، اور یہودی عوام تک اس کو ہوا نہ لگنے دیتے تھے، اسی طرح قرآن کریم کو کلامِ الٰہی پہچانتے ہوئے بھی، اس کی مخالفت کرتے اور عوام کو اس کے خلاف بھڑکاتے تھے اور ہنوز بھڑکا رہے ہیں۔

قرآن کا یہ بیان آج بھی ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے، یعنی یہودی ربانی یا مسیحی پادری دل سے اسلام کی حقیقت کو پہچانتے ہیں، وہ اسلامی تاریخ سے بھی ناواقف نہیں ہیں، وہ ذمیوں سے دگنی چنگی وصول کرنے کے اسباب سے بھی ناواقف نہیں، وہ سب کچھ جانتے ہیں مگر کتمانِ حق چونکہ ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی ہے، اس لیے وہ حق کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں، عوام کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ ناواقف تھے یا ہیں تو یہ بات قابلِ قبول ہے، کیونکہ ہر مذہب کے عوام خود اپنے مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور علمائے مذاہب کی ہدایت پر انحصار کرتے ہیں، اس لیے یہودی اور مسیحی عوام کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ تاریخ اسلام کی تفصیلات سے

ناواقف ہیں، یا ذمیوں کے بارے میں تفصیلات نہیں جانتے تو یہ بات عقل میں آنے والی ہے لیکن کسی ربانی یا پادری کے بارے میں کہنا قابل قبول نہیں۔

اگر یہ مفروضہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ دلیلوں کے آگے کوئی ربانی ذمیوں کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتا، تو پھر اسی منطق کو مزید وسعت کیوں نہ دی جائے؟ آخر ڈاکٹر صاحب کی دیگر تالیفات یا کتب (مثلاً قرآن، وحی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اسلامی تاریخ کے بہت سے دوسرے گوشے) بھی دلائل کی روشنی ہی میں لکھی گئی ہیں، اگر ربانی ذمی کے معاملہ میں زبان نہیں کھول سکتا تو اسے اسلام کی صداقت میں ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ دلائل کے سامنے بھی زبان نہیں کھولنا چاہیے، کلام الٰہی یعنی قرآن کے انکار پر مصر نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی کاذب قرار دینا چاہیے، نہ ہی اسلام کو یہودیت و مسیحیت کی مسخ شدہ صورت تصور کرنا چاہیے۔

اگر دلائل کی کوئی اہمیت ہوتی تو یہود و نصاریٰ ڈیڑھ ہزار برسوں سے اسلام کی بیخ کنی پر کمر بستہ نہ ہوتے، اور آج شرق اوسط میں صلیب کا نیا دور شروع نہ ہوتا، عیسائی اور یہودی دو ہزار سال نفرت و قتل وکشت کے بعد اس طرح شیر و شکر (بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ) نہ ہوتے اور ''حضرت عیسیٰ کے قاتلین'' یہودی کلیسا اور چرچ کے متولی نہ ہوتے۔

شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولی   ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جوانمرگ

اقبال کی یہ پیشین گوئی برحق ثابت ہوئی، اگرچہ مرحوم خود اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہے، بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ آج بعض جامعات میں دراسات علوم مسیح کے شعبہ جات کے اخراجات بھی یہودی تجوری سے ادا کیے جاتے ہیں، مسیحی اساتذہ کی تنخواہیں تک کلیسا کے یہودی متولی ادا کرتے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبیست؟

مراسلہ کے آخر میں ڈاکٹر صاحب مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ان کی چیزوں کو کھلے دل سے پڑھ کر ان غلط فہمیوں کو خالص علمی انداز میں دور کریں، ہو سکے تو ان کا نام بھی نہ لیں، زیر بحث مسئلہ کو اس طرح پیش کریں کہ اعتراض خود ہی دور ہو جائے۔''

یہ مشورہ سر آنکھوں پر، مگر یہ محض نظریہ ہے، عملی طور پر مشکل ہے۔ کون قاری ایسا ہوگا جو کھلے دل سے ان کی تالیفات کو نہیں پڑھتا ہے۔ جب گالی گلوچ، مغلظات اور رکاکت شروع ہوتی ہے تو دل آزاری ہوتی ہے۔ کیا خود ڈاکٹر صاحب نے یا دیگر علمائے اسلام نے خالص علمی

Marfat.com

انداز میں ان کی غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی؟ کیا ضخیم سے ضخیم کتابیں نہیں لکھی گئیں؟ کیا ان تالیفات نے مستشرقین کی غلطیوں کو دور کر دیا؟ کیا وہ کلاسیکی اعتراضات جو دمشق کے جان (۷۰۰ء یا ۷۴۹ء) نے اٹھائے تھے، برنا ذلوئس (حی القائم) کے دور یعنی ۱۹۸۳ء تک علیٰ حالہ قائم نہیں؟ (جن کی طرف ناچیز نے اپنے طویل مقالہ میں بھی بار بار اشارات کیے ہیں) نام لینا اور نہ لینا دونوں بے معنی ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حقیقت الحقائق تو یہ ہے کہ الحق مرٌ (حق تلخ ہے)

اور پھر یہ علمی بددیانتی ہوگی کہ نام کو مخفی رکھ کر کسی پر جرح و نقد کیا جائے۔ جب ہمارا مؤقف صحیح ہے تو ڈرنے کی کیا ضرورت۔

دلیر آمدی سعدیا درسخن	چو تیغت بدست است فتح بکن
بگو آنچہ دانی کہ حق گفتہ بہ	نہ رشوت ستاں و نہ رشوت بدہ

بات بڑھتی جارہی ہے لیکن ناچیز جناب سے اس کی اجازت چاہے گا کہ اس ضمن میں ایک ذاتی نظیر بھی پیش کرے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھکس کی مقبولیت سے کون واقف نہیں، بلکہ یہ علوم کے میدان میں عالمی سند کی حیثیت رکھتے ہیں، کوئی مقالہ اسلام، اسلامی تاریخ و تہذیب سے متعلق پڑھ جایئے، دل آزاری کے سوا کچھ نہ ملے گا، آج سے پورے بیس سال قبل کا ذکر ہے کہ ناچیز نے عربی زبان و ادب میں فن توشیح پر ایک ریسرچ مقالہ لکھا، مذکورہ بالا انسائیکلوپیڈیا نے تمام عالمی موشح فن پاروں کا ذکر کیا مگر عربی کا نام تک نہیں لیا، حالانکہ ناچیز کی تحقیق کے مطابق دنیا کے کسی ادب میں توشیحی عمل پختگی کی اس منزل تک نہیں پہنچ سکا جہاں عربی کا موشح پہنچا ہے۔ (ملاحظہ ہو عنوان اشرف مؤلفہ شرف الدین اسماعیل المقری (متوفی ۱۴۳۳ء) اور ''التحفۃ السنیہ مؤلفہ عبداللہ آفندی الوصاف (متوفی ۱۸۵۳ء) یہ تحقیق یوں شروع ہوئی کہ جدید کمپیوٹر کا نظام اسی فن سے متاثر نظر آتا ہے (یہ تحقیق ہنوز ناتمام ہے اور جاری ہے) ناچیز کا یہ مقالہ سندھ یونیورسٹی کے ریسرچ جرنل (جلد ۳۔ ۱۹۶۳) صفحات ۷۲ تا ۹۱) میں شائع ہوا۔ ۱۹۶۵ء میں ناچیز نے اس مقالہ کو امریکن اورینٹل کانفرنس کے ۱۷۹ ویں سالانہ اجلاس منعقدہ نیویارک میں پیش کیا۔ سامعین یہ باور کرنے کو تیار نہ تھے کہ عربوں نے ایسا سحر آمیز کام کیا ہے، اس سلسلہ میں ناچیز تمام عبرانی اور سنسکرت علماء سے ملا کہ آیا ایسا کوئی نمونہ قدیم کتابوں میں موجود ہے۔ جواب نفی میں ملا۔ آخر میں ناچیز دنیا کے معروف امریکی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر سے

Marfat.com

ملا جو صوبہ مساچوسٹ میں واقع ہے اور M.I.T کے نام سے معروف ہے۔ عربی موشح کا نمونہ دکھایا۔ وہ بھی حیران اور انگشت بدنداں تھا، ناچیز نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے ایڈیٹر کو مقالہ کی کاپی ارسال کر دی اور عند الملاقات اس سے شکایت بھی کی، کہ علوم عربیہ اسلامیہ کے ساتھ آخر سوتیلی ماں کا سلوک کیوں ہے اور کب تک جاری رہے گا؟ مدیر موصوف نے فوری جواب دیا اور لکھا کہ انسائیکلو پیڈیا کی آئندہ ایڈیشن میں یہ معلومات استعمال کی جائیں گی۔ آج اٹھارہ سال ہو گئے لیکن انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ Acrostics میں عربی یا اسلامی Acrostics کا ذکر کہیں نہیں آیا، آپ خود فیصلہ کریں کہ "غلط فہمیوں کا علمی انداز میں دور کرنا کیا معنی رکھتا ہے" یہ مقالہ ناچیز کی تازہ تالیف دی ڈائنامکس آف اسلام جامعہ ڈربن ۱۹۸۲ء (صفحات ۲۴۵-۲۶۱) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

دوسری عالمی جنگ (۱۹۴۵ء) کے خاتمہ اور استعمار کے زوال کے بعد عالم اسلام کی آزادی نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ یا نہضہ کی لہر پھونک دی ہے، علوم و معارف کے میدان میں نشاطیت کی نئی فضا بلکہ بہار آ رہی ہے، جسے استعمار نے کچل دیا تھا ضرورت ہے کہ مستشرقین کی تحقیقات کا احاطہ کیا جائے اور اس سے جو فسادات اب تک پیدا ہو چکے ہیں ان کا ازالہ بھی کیا جائے یہ ضروری ہے، بدقسمتی سے ہم نے ہمارے علماء اور فضلاء نے بھی مستشرقین کی تحقیقات پر اعتماد کلی کر کے نقصان اٹھایا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس خسارہ کی تلافی جلد از جلد کی جائے، یہاں پر ایک نظیر کا پیش کرنا لازمی ہے۔

ابن سعد (متوفی ۲۳۱ھ/۸۵۴ء) کی طبقات الکبریٰ علمائے شرق و غرب سبھوں کے لیے مصدر اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ یورپ میں اس کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس میں مکاتیب نبویہ کا بھی ایک حصہ ہے۔ ابن سعد کے جرمن ایڈیٹر نے مکاتیب کے متن کی قرأت میں کافی غلطیاں کی ہیں۔

اسپرنگر جس نے ابن سعد کے مجموعۂ مکاتیب کو علیحدہ کتابی شکل میں جمع کیا ہے۔ اس نے بھی قرأت میں غلطیاں کی ہیں، یہی حال اٹلی کے مستشرق کیتانی کا ہے۔ ہم عصر مسلم علماء میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے مکاتیب نبویہ کی سیاسی اہمیت پر سب سے پہلے توجہ مبذول کرائی۔ دوسرے ایرانی عالم علی حسین نے اس کی طرف توجہ کی، اوّل الذکر نے مجموعہ "الوثائق السیاسیۃ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر خلیفہ چہارم تک کے کئی سو مکاتیب جمع کر دیے ہیں، آخر الذکر نے مکاتیب نبویہ کا مجموعہ دو جلدوں میں شائع کرایا ہے، ان علماء میں سے کسی نے بھی

Marfat.com

متن کی صحت یا مقارنہ اور مقابلہ کا اہتمام نہیں کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان مکاتیب میں متن کے اغلاط موجود ہیں۔ شاید اسی لیے کہ انہوں نے مستشرقین پر اعتماد کلی کر کے ان کو قبول کر لیا۔ ۱۹۷۴ء میں جب ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو ناچیز نے ان کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ان کا مقصد اس وقت محض منتشر مکاتیب کو حتی الامکان یکجا کرنا تھا، ان کی تحلیل وتفرید کا وقت تھا نہ ہی وہ اسکیم کا حصہ تھا۔ یہ بعد کے اس کا اسکالرز کا کام ہے کہ وہ تصحیح کا اہتمام کریں (اس واقعہ کا ذکر ''پاکستان میں فروغ عربی'' [جامعہ کراچی ۱۹۷۵ء صفحات ۷۷تا۷۹] میں موجود ہے۔)

اسلام کا مسلمہ اصول ''خذ ماصفا ودع ماکدر'' ہے مستشرقین کے معاملہ میں بھی اس اصول پر عمل کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا اگر ان کا کوئی کام آج کی بدلی ہوئی مذہبی رواداری کی فضا میں قابل قبول ہو تو اس کی تحسین میں قباحت نہیں۔ حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے، لیکن یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ عقائد اور دینیات میں کوئی انصاف ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ خام خیالی ہے اور طفل تسلی بھی، البتہ ڈکشنری اور فہارس ومعاجم میں ان کے کام لائق ستائش ہیں۔

گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے مستشرقین کے چند محاسن کا ذکر ضروری ہے۔ جو محض ذاتی تجربات پر مبنی ہیں۔ مستشرقین نامی مخلوق کا نام ناچیز نے سب سے پہلے مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ میں طالب علمی کے ابتدائی دور (۱۹۴۲ء، ۴۳ء) میں سنا تھا۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طالب علمی کے دوران اس مخلوق کی شکل وصورت ابھر کر زیادہ واضح صورت میں سامنے آئی، جب علامہ شبلیؒ کی تالیفات پر نظر پڑی، یا استاذی الجلیل حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحریرات وتقریرات نظر سے گذریں، بڑی تمنا تھی کہ اس مخلوق سے ملاقات ہو تو پوچھوں کہ آخر وہ اسلام کے دشمن کیوں ہیں؟ بڑا معصوم سا طفلانہ سوال تھا، اس کا انتظار رہا، حسن اتفاق کہیے کہ جامعہ سندھ میں ۱۹۶۲ء میں پہلی بار کیمبرج یونیورسٹی کے مڈل ایسٹ سنٹر کے ڈائریکٹر آر۔ بی سارجنٹ صاحب سے ملاقات ہوئی جو شیخ الجامعہ رضی الدین صدیقی صاحب کی دعوت پر تشریف لائے ہوئے تھے، رابطہ صرف ملاقات پر ختم نہیں ہوا بلکہ اس سے آگے بھی بڑھا، شیخ الجامعہ نے ناچیز کو مامور کیا کہ سندھ کے آثار قدیمہ، مساجد ومقابر وغیرہ کی سیاحت میں ناچیز بھی ڈاکٹر سارجنٹ کی معیت میں رہے، نیز کراچی کے علماء اور اسکالرز سے ملاقات کے بعد مطار تک رفاقت جاری رکھے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، زندگی کا یہ پہلا موقع تھا کہ ایک معروف مستشرق کو یمین ویسار سے دیکھنے

Marfat.com

اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اور یہ تعلق آج تک قائم ہے، تقریباً (۲۰، ۲۲) بیس، بائیس سالوں سے عالمی مستشرقین سے ربط رہا، ان میں سے اکثر ناچیز کے استاذ بھی تھے، کچھ رفیق تھے اور کچھ مشیر بھی، انہی ذاتی تعلقات کی بنیاد پر چند محاسن جو انسانی اخلاق کا کلس ہیں کا ذکر ضروری ہے، ہم نے ان میں ایسے انسانی صفات دیکھے ہیں جو ہمارے اسکالرز میں موجود نہیں۔ مثال کے طور پر اگر ان سے کسی قسم کی معلومات حاصل کی جائیں، کوئی مسودہ یا مخطوطہ طلب کیا جائے، یا کسی تحقیق کے بارے میں معلومات طلب کی جائیں تو وہ اس میں چست نظر آتے ہیں، ہمارے علماء اس میں اکثر سست ہیں کسی بڑے سے بڑے مستشرق کو بھی خط لکھیے، وہ ہفتہ عشرہ کے اندر جواب مثبت یا منفی میں ضرور دے گا۔ ہمارے علماء الا ماشاء اللہ اس کے عادی ہی نہیں، یا تو وہ خط پڑھ کر پھینک دیتے ہیں، یا ان کے پاس جواب کا وقت نہیں، ناچیز پورے اعتماد کے ساتھ عرض کرسکتا ہے کہ اس نے چوٹی کے مستشرقین سے ریسرچ و تحقیق کے سلسلہ میں مراسلات کیے، اور جوابات پائے، مگر جامعہ از ہر جیسی مایۂ ناز دانش گاہ کے رکٹر کو برسوں خط لکھا، جواب تو کجا خط کی رسید تک نہیں ملی، عرب ممالک ہوں یا ایشیائی اور افریقی مسلم ممالک ہر جگہ یہی حال ہے، علمی تعاون کی کمی ہے، ہمارے علماء میں نخوت کی کثرت ہے، جو وبائی مرض کی حیثیت رکھتی ہے۔ مستشرقین کی اسلام دشمنی اپنی جگہ پر، مگر اخلاقی قدریں اپنی جگہ پر ہیں۔ ہم آخرالذکر حصے کے معترف ہیں اور داد تحسین دیے بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔ ہمارے ہاں جو اسکالرز یمشون فی الارض مرحاً کے مریض ہیں وہ دراصل علم کی اعلیٰ منزلوں تک نہیں پہنچ سکے ہیں، ورنہ ہمارے ہاں بھی اخلاص و انکساری کے پیکر فرشتوں سے کم نہیں، مرشدی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مثال شاید اسی سلسلہ میں کافی ہو۔

(والسلام)

دعا گو دعا جو، خادم سید حبیب الحق ندوی

(''معارف'' اعظم گڑھ۔ اگست ۱۹۸۲ء)

Marfat.com

کلکتہ: ۲۳ر جون ۱۹۸۳ء

مکرم محترم صباح الدین صاحب

السلام علیکم!

مزاج گرامی، سید حبیب الحق صاحب ندوی کا مقالہ ''اسلام اور مستشرقین'' ایک نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے اور بادۂ کہنہ در جام نو کے کیف و سرور کا حامل ہے۔ لائق مقالہ نگار مبارکباد کے مستحق ہیں۔

محترم حمیداللہ صاحب کے خط مطبوعہ معارف مئی ۱۹۸۳ء پر اظہار خیال کی اجازت چاہتا ہوں، محترم حمیداللہ صاحب کو مستشرقین کے ادارے کے قیام سے اتفاق نہیں۔ لیکن اس ناچیز کا یہ خیال ہے کہ بیشتر حضرات کو ان کے اس خیلل سے اتفاق نہیں ہوگا، کہ نفاق و نزاع پھیلانے والے منافقین اور کاذبین کے باب کذب وافترا کا سدباب اور ان کے انسداد کی کوششیں نہ کی جائیں، میں جہاں تک سمجھتا ہوں مستشرقین کے اس ادارے کا قیام شکوہ شکایات اور اعتراضات کے لیے نہیں جواب شکوہ وشکایات اور دفاع اعتراضات والزامات کے لیے ہے، اس زہر کا تریاق فراہم کرنے کے لیے ہے جو ان کی بدولت نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم طبقہ کے دلوں، دماغوں اور ذہن میں پھیل رہا ہے۔

حمیداللہ صاحب کا خیال ہے کہ ان میں ہر فرد پیشہ ور عناد اور دشمنی نہیں رکھتا۔ یہاں اس فرد یا افراد کی بات ہی نہیں ہے جو بغض و عناد نہیں رکھتے۔ بات صرف ان ہی لوگوں کی ہے جو عناد رکھتے ہیں اور فتنہ فساد پھیلاتے ہیں۔ اگر کذب وافترا پردازی، فتنہ انگیزی، فتنہ گری اور دروغ گوئی کی روک تھام اخلاق کے ناطے نہ کی جائے اور اسے بے لگام چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ ظاہر ہے۔ زہر بنانے والے پیشہ ور ہوں یا غیر پیشہ ور، زہر کا اثر اور زہر کا عمل دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا۔ جہاں تک اکاذکا کی بات کا تعلق ہے، صلیبی جنگوں کے بعد سے لے کر آج تک کی صدیوں میں یہ تعداد بھی صدہا کی ہوگی اور عمرو عیار کی زنبیل کی طرح ختم ہونے میں نہیں آئے گی، مولانا

Marfat.com

عتیق الرحمٰن سنبھلی جن کا مستقل قیام برطانیہ میں ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں " برطانیہ، ۹۷ فیصدی غیر مسلم اکثریت کا ملک ہے، غیر مسلم اکثریت بھی وہ جس کی اسلام دشمنی اور کم سے کم بیزاری یا بیگانگی مشہور و مسلم ہے" ہاں اِکا دُکا یعنی ایک دو فیصدی ڈیون پورٹ کی طرح صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے جسارت سے ایمانداری کے ساتھ شروع سے آخر تک سچائی اور حقیقت بیانی سے کام لیا ہے، اور اپنے ہم عصر اور پیشہ ور کی دھاندلی بازی دورغ گوئی پر اظہار ندامت و شرمندگی کیا ہے اور ان کی غلطیوں کے لیے خود معافی کے خواستگار ہوئے ہیں۔ ہم ان کی قدر و منزلت کرتے ہیں، عزت و احترام کرتے ہیں، ان کے ناموں ان کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں، انہیں سراہتے ہیں، سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ان کے ہاں بھیجتے ہیں، صرف ڈاکٹری کی سند ہی نہیں اور بھی ہر طرح کے علوم کی سند ان سے حاصل کرتے ہیں، صرف یہی نہیں لاکھوں مسلمان ان کے ملکوں میں آباد ہیں، وہاں روزی کماتے ہیں، روزگار کرتے ہیں، ان کے اخلاق، ان کے انصاف، ان کی فراخدلی اور حوصلہ افزائی سے متاثر ہیں، اور ان کی خوبیوں کے معترف بھی ہیں، لیکن ہماری شکایت ان اداروں، ان ملکوں، ان حکومتوں، ان حکمرانوں اور ان کے باشندوں سے نہیں ہے، صرف ان ہی لوگوں سے ہے جن کی بے انصافی، تنگ دلی، تنگ نظری اور ہٹ دھرمی ہم سے ہمارے ایمان کی متاع بے بہا چھینے لیتی ہے، اس میں وسوسے ڈالتی ہے، میں عرض کروں گا، وہاں کے بسنے والے، وہاں کے اداروں میں ان سے علم حاصل کرنے والے، وہاں روزی پیدا کرنے والے کے کسی گھر میں اگر وہاں کا کوئی باشندہ ڈاکہ زنی کرتا ہے یا اس کا خون کرتا ہے تو کیا دنیا کا کوئی اخلاقی تقاضا اور قانونی ضابطہ اس کی اجازت دے گا کہ اس سے درگذر کیا جائے۔ یہ تو پھر دنیوی مال و متاع سے بھی زیادہ اعتقادات پر ڈاکہ اور ایمان کا خون ہے۔ اسلام کے خلاف مستشرقین یا غیر مستشرقین کے ایسے لٹریچر کا تسلسل برقرار ہے جس میں جھوٹ کی پوٹ اور ان کے دل کی کھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور صرف ہم ہی ان سے علم کے فائدے حاصل نہیں کرتے، کم و بیش وہ بھی حاصل کرتے ہیں، نہ معلوم کتنے مستشرقین ہوں گے جنہوں نے اسلامی مفکرین، محققین، مؤرخین اور محدثین کے علمی خزانوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کے نام اور تفصیل طوالت کا باعث ہوگی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے مؤقف سے نہیں ہٹے۔

اس وقت یہاں صورت حال یہ ہے کہ اسلام چاروں طرف سے تنقید وتنقیص کا نشانہ بنا ہوا ہے۔کوئی قرآن شریف کے معانی اپنے حساب سے نکال کران پر اعتراضات کرتا ہے،کوئی اس کے معانی سے اپنا نقطہ نظر ثابت کرتا ہے،کوئی اسلام کو جاہلیت کا مذہب بتاتا ہے، کوئی مسلم پرسنل لا بدلنے کا مشورہ دیتا ہے کوئی حدیث وفقہ میں فی نکالتا ہے،کوئی عورت کا درجہ اسلام میں نہایت گرا ہوا لونڈی کی طرح بتاتا ہے،غرض جتنے منہ اتنی باتیں ،اور یہ سب باتیں بڑے بڑے اخباروں میں کہی جاتی ہیں،کمال تو یہ ہے،بہت سے لکھنے والے بات اپنے مذہب کی کہتے ہیں،ساتھ ہی اسلام کو بھی گھسیٹ لیتے ہیں،اپنا گھر چھوڑ کر دوسروں کے گھر میں جھانکنا شروع کر دیتے ہیں۔

حال ہی میں ایک بڑے مشہور انگریزی اخبار ٹیلیگراف میں مس تولین سنگھ کا آرٹیکل ارمئی ۱۹۸۳ء کو ''Why I am ashamed to be a Sikh'' شائع ہوا تھا وہ بات اپنے مذہب،اپنے گرودوارہ کی کرتی ہیں لیکن دوسرے مذاہب پر اپنی برتری اور دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہوئے اسلام پر بھی ایک ریمارک پاس کرتی چلی جاتی ہیں،وہ کہتی ہیں سکھ ازم میں اسلام کا اندھا جوش وخروش نہیں ہے۔لیکن انہیں نہیں معلوم کہ گرنتھ کے آخر میں بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے کلام کا بڑا حصہ شامل ہے۔اور وہ ''فرید آکھیا-فرید آکھیا''(فرید نے کہا،فرید نے کہا)ان کے فرمودات سے پُر ہے۔بابا فرید الدین گنج شکرؒ اسی اسلام کے مشہور صوفی بزرگ اور اسی اسلام کے ایک ستون ہیں، جسے وہ اندھے جوش وخروش کا حامل بتاتی ہیں،اسلام اور مسلمانوں کو طرح طرح سے مطعون کرنے،ان میں احساس کم تری پیدا کرنے اور ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے قلم بھی کچھ کم رواں دواں نہیں ہیں۔

حال ہی میں انگریزی میں ایک کتاب اسلامی تصوف پر شائع ہوئی ہے۔یہ ایک غیر مسلم کی لکھی ہوئی ہے جو اردو کے لکھنے والے بھی ہیں،اس کتاب میں یہ صاحب وہی سب باتیں کہتے ہیں جو مستشرقین تصوف کے بارے میں کہتے چلے آئے ہیں، کہ تصوف دوسرے مختلف مذاہب سے لیا گیا ہے،اور ان مستشرقین کے حوالے بھی دیے ہیں، یہ لوگ غیر مستشرق غیر مسلم ہیں،لیکن ان کے علم کا ماخذ ان کی معلومات کا منبع مستشرقین ہی ہیں،صرف غیر مسلم ہی نہیں،اکثر مسلم حضرات بھی ان ہی سے متاثر ہو کر اپنے تاثرات سے اسلام وقرآن پاک کے خلاف اپنی تنقیدات واعتراضات کی خرافات کا زہر گھولتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

حمیداللہ صاحب آگے فرماتے ہیں ''وہ مسلمان نہیں ہیں، ان سے توقع کرنا کہ وہ سو فیصدی ہماری باتوں کی داد دیں، یہ عبث ہے۔ اور ان کے دین اور ان کی دنیا کے متعلق کیا ہم بھی مبالغہ آمیز شکایتیں اور تنقیدیں نہیں کرتے۔'' حمیداللہ صاحب کا فرمانا بالکل بجا اور درست ہے، وہ مسلمان نہیں ہیں، لیکن ہم ان سے کب توقع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ سو فیصدی ہماری باتوں کو داد دیں، ہم تو کہتے ہیں کہ ایسی داد وہ ایک فیصدی بھی نہ دیں تو بہتر ہے، جس کے پردے میں بیداد ہی بیداد ہو، ان کے دین اور ان کی دنیا سے متعلق ہماری شکایتیں مبالغہ آمیز اور تنقیدیں ضرور ہوتی ہوں گی، لیکن آٹے میں نمک اور نمک میں آٹے کا سوال ہے، پھر ہمارے یہاں ایسے باقاعدہ منضبط ادارے اور آرگنائزیشن کہاں ہیں جو ان کے ہاں اسی کام کے لیے وقف ہیں، علاوہ ازیں ہماری شکایتیں اور تنقیدیں ہما شما اور ہر ایرے غیرے کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام اور خدمت صرف اہل علم اور علماء ہی بجالاتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایسی تنقید، ایسی شکایت تو نہ کرتے ہوں گے۔ ایسی ہٹ دھرمی اور جھوٹ سے تو کام نہ لیتے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہی نہ تھے۔ جیسا کہ بہت سے مستشرقین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر کیا پیغمبر ہی نہیں کہتے، بلکہ ایک ریفارمر یا عیسائیت سے کچھ لے لوا کر، پادریوں سے کچھ سیکھ سکھا کر اس میں کچھ ترمیم و تنسیخ کرنے کے بعد ایک نیا دین گھڑ لینے کی عجیب و غریب کہانیاں گھڑتے رہتے ہیں، اور ان کو درست ثابت کرنے کے لیے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ قلابے ملاتے ملاتے، وہ خوب ایسی ایسی قلابازیاں بھی کھاتے ہیں کہ ان کے منہ سے کہیں کہیں عالم حیرت میں اور کبھی کبھی عالم مجبوری میں حرف حق نکل ہی جاتا ہے اور ہماری وسیع القلبی کا یہ عالم ہے کہ اس حرف حق کو جگہ جگہ موتیوں کی طرح چن لیتے ہیں اور ان کے نام کے حوالوں کے ساتھ دے دیتے ہیں اور یہ ذکر بھی نہیں کرتے کہ ان کے اس خیر کے ساتھ شر بھی شامل ہے۔

جہاں تک حمیداللہ صاحب کے ذاتی تاثر کا تعلق ہے جس کی مثالیں انہوں نے دی ہیں بہرحال مستثنیات ہر معاملہ میں ہوتی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ عام طور پر مذہبی اسلامی چیزوں پر اعتراض نہیں کرتے جب کہ پوپ پال ششم نے یہ تسلیم کرلیا کہ یہ کام عمداً ارادی باضابطہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا ہے اور اس پر اظہار افسوس بھی کیا ہے۔

Marfat.com

حمید اللہ صاحب آخر میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''ان کی چیزوں کو کھلے دل سے پڑھ کر ان کی غلط فہمیوں کو خالص علمی انداز میں دور کریں'' ان کا فرمانا بالکل بجا اور درست ہے، ہر شخص کو اس سے اتفاق ہوگا، وہ آگے فرماتے ہیں ''ہو سکے تو ان کا نام بھی نہ لے کر زیر بحث مسئلہ کو اس طرح پیش کریں کہ اعتراض خود بخود دور ہو جائے۔''

تریاق کے نام پر زہر بنانے والوں، سچ کے پردے میں جھوٹ کی اشاعت کرنے والوں یا علانیہ زہر کی تجارت اور جھوٹ کی تبلیغ کرنے والوں کے نام کی نشان دہی نہ کی جائے تو ان کا کاروبار تو خوب چلتا رہے گا اور ناواقف نادانستگی میں ان کا شکار ان کا نشانہ بنتے ہی رہیں گے، اگر ان کے نام کی نشان دہی نہ ہوتی تو جان سے لے کر دانتے، دانتے سے لے کر جارج سیل، سیل سے لے کر منٹگمری، اور منٹگمری سے لے کر جان لیفن تک اور اس سے آگے نہ معلوم کتنے ناموں سے آج کون واقف ہوتا، آج کل تو مہلک اجزاء کی حامل دواؤں پر بھی بڑی سرخی سے زہر لکھ دیا جاتا ہے، تاکہ لوگ اس سے ہوشیار اور محتاط رہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی مؤرخ چنگیز و ہلاکو کی فتوحات اور ان کی خونریزی کی تاریخ لکھے ان کے نام نہ لکھے اسپین میں مسلمانوں پر ازابیلا کی سفاکی، ظلم اور زیادتی کی داستان لکھے اور اس کا نام تک نہ لے، دنیا کی کوئی تاریخ خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی، ثقافتی ہو یا معاشرتی بے نام و نشان نہ مکمل ہوتی ہے، نہ مستند ہوتی ہے اور نہ معتبر ہوتی ہے۔

میں جہاں تک سمجھتا ہوں مستشرقین کے اس ادارے کا قیام مرض کو بڑھانے پھیلانے کے لیے نہیں مرض کی صحت و شفا کے لیے ہوگا، اس کا مقصد کسی پر کیچڑ اچھالنا نہیں ہوگا کیونکہ کیچڑ کو کیچڑ سے نہیں دھویا جا سکتا بلکہ اس کیچڑ کو صاف کر دینا ہوگا، جو اسلام اور مسلمانوں پر اچھالی جاتی ہے تاکہ حقائق دنیا پر روشن ہوتے رہیں اور وہ آئینے صاف ہوتے رہیں، جن کو مخالفین اپنی اڑائی ہوئی دھول اور گرد و غبار سے آلودہ اور دھندلا کر دینا اور ان کی آب و تاب کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

محترم حمید اللہ صاحب کی شخصیت قابل احترام ہے، ان کی دینی اور علمی خدمات قابل ستائش ہیں، ان کا مستقل قیام پیرس میں ہے، ان کے تعلقات اور ان کا ماحول جس میں وہ رہتے ہیں ایسے ہی تاثرات کا مقتضی ہو سکتا ہے جس کا اظہار انہوں نے فرمایا ہے لیکن تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے اور ان کے خیال کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے، جس کا اظہار راقم الحروف نے کیا ہے۔

(ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ۔ اگست ۱۹۸۳ء)

(مکتوب نگار نامعلوم)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور ماہنامہ الرشاد

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم (۱۹۰۸۔۲۰۰۲ء) کا سب سے بڑا کارنامہ تحقیق و تدقیق اور تلاش میں تفحص ہے، وہ مدۃ العمر اس بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زن اور علم کے موتی تلاش کرتے رہے، نادر و نایاب قدیم اسلامی مصادر و مراجع پر ان کی گہری نظر تھی اور وہ مسلسل اس کی جستجو میں سرگرداں رہتے کہ کہیں سے کوئی خزینہ ہاتھ آ جائے اس کے لیے انہوں نے دنیا کے متعدد کتب خانوں کی سیر کی اور کئی نادر کتابوں کو نہ صرف تلاش کیا بلکہ انہیں مرتب بھی کیا اور ان پر تحقیقی مضامین لکھے جو علمی رسائل کی زینت بنے۔

چونکہ وہ کئی زبانوں کے ماہر اور کئی ملکوں کے سیاح تھے اس لیے ان کی رسائی ان کتب خانوں تک بھی رہی جن تک عام نگاہیں نہ پہنچ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو بعض قدیم مصادر ان مقامات پر ملے جہاں عام طور سے ان کے ملنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی تلاش و جستجو میں وہ ان علمی رسائل و جرائد کا مطالعہ کرتے تھے جن میں علمی و تحقیقی مضامین و مقالات شامل ہوتے، ان کا سب سے محبوب رسالہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ تھا جس سے وہ نہ صرف استفادہ کرتے بلکہ افادہ عام کی غرض سے خود اپنی تحقیقات بھی اس میں شائع کراتے۔

حضرۃ الاستاذ مولانا مجیب اللہ ندوی نے فروری ۱۹۸۱ء میں ماہنامہ الرشاد جاری کیا تو وہ بھی علمی اور تحقیقی مضامین کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کی نظر میں قابل قدر ٹھہرا، چنانچہ اس میں انہوں نے اشاعت کے لیے اپنے بعض مضامین ارسال فرمائے، علمی و تحقیقی مکتوبات لکھے، جس سے علمی دنیا میں ماہنامہ الرشاد کو بڑا وقار و اعتبار حاصل ہوا۔

Marfat.com

بعض اختلافی مسائل میں متحدہ روایتیں

الرشاد میں ان کا پہلا مضمون ''بعض اختلافی مسائل میں متحدہ روایتیں'' اگست ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔اس مضمون کے لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''مجھے عرصے سے تمنا رہی ہے کہ ایسی حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے جو شیعہ اور سنی دونوں میں مشترک ہو،سنیوں کے یہاں صحاح ستہ وغیرہ ماخذ ہیں لیکن میری ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ شیعہ کتب حدیث سے نابلد ہوں البتہ دوستی بہت سے شیعہ علماء اور غیر علماء سے ہے ان سے ضرورت پر دریافت کر لیتا ہوں اور آج ایسی ہی دو تین حدیثوں سے بحث مقصود ہے۔''[1]

اس مضمون میں انہوں نے حدیث معاذؓ،حضرت فاطمہؓ،خلیفہ ابوبکرؓ کے ہاں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دو مسلمان گروہوں میں صلح کرانا،حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باہمی خط کتابت اور مسجد نبوی میں کھلنے والے دروازے کا بند کروانا وغیرہ پر بحث وتحقیق پیش کی ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے جن احادیث کو پیش کیا ہے وہ ان کو مشترک تصور کرتے تھے،آخر میں انہوں نے ایک نقشہ بھی دیا ہے جس میں ازواج مطہرات کے حجروں کی تفصیل،تبدیلی قبلہ سے پہلے اور بعد کی صورت پیش کی گئی ہے،اس مضمون میں بعض اختلافی مسائل میں متحدہ روایتوں میں مساوات اور اعتدال کے جو پہلو سامنے آتے ہیں ان کی وضاحت ہوتی ہے۔

اس علمی وتحقیقی مضمون کی اشاعت کے لیے الرشاد کے انتخاب پر فاضل مرتب اور مشہور عالم وفقیہ مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ:

''محترم ڈاکٹر صاحب کی بین الاقوامی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں،دینی علوم اور خاص طور پر سیرت نبوی پر ان کی تحریریں اور ان کے تیار کیے ہوئے اس عہد کے نقشے اہل علم کے لیے علمی ماخذ کا کام دیتے ہیں،یہ تحریر اور آخر میں جو نقشہ مسکن نبویؐ اور مسجد کا دیا ہے وہ بھی ان کی وسعت مطالعہ کا آئینہ دار ہے۔ایک نئے پرچے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا مضمون بھیج کر جو ہمت افزائی کی ہے،ہم اس کے لیے ان کے شکر گزار ہیں،امید ہے کہ موصوف آئندہ بھی جامعۃ الرشاد کو اپنے قیمتی مضامین سے علمی زینت بخشتے رہیں گے۔''[2]

Marfat.com

غزوۂ بنی النضیر کا اصل باعث

ماہنامہ الرشاد میں ڈاکٹر صاحب کا دوسرا مضمون ''غزوۂ بنی النضیر کا اصل باعث'' جنوری، فروری ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ جس میں ڈاکٹر صاحب نے غزوہ بنی النضیر کے اسباب کے سلسلے میں جو عام نقطہ نظر ہے اس سے علیحدہ اپنی تحقیق پیش کی ہے۔

اس مضمون میں پہلے ابن اسحاق کے حوالے سے متاخرین نے غزوۂ بنی النضیر کے جو اسباب بیان کیے ہیں ان کی تفصیل لکھی ہے، پھر اپنے اشکال اور اس سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی سے استفسار اور ان کا جواب اور اس سے اپنی بے اطمینانی کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ علامہ شبلی کو بھی اس میں کوئی غیر معقول بات نظر نہیں آئی اور چونکہ سیرت شبلی ہمارے ملک اور ہماری زبان کی سب سے بہتر سوانح نبویؐ ہے، اس لیے جو نئی معلومات سامنے آئی ہیں وہ شائع ہو جائیں تو کم از کم چند لوگوں کی غلط فہمی ضرور دور ہو جائے[3]۔ چنانچہ انہوں نے مصنف عبدالرزاق جلد پنجم حدیث نمبر ۹۳۳۷ اور سمہودی کی تاریخ مدینہ طبع جدید صفحہ ۲۹۸ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس میں غزوہ بنی النضیر کے جو اصل اسباب بیان ہوئے ہیں وہ ابن اسحاق کے بیان پر قابل ترجیح ہیں[4]۔ اس سلسلے کی دوسری تفصیلات پیش کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ:

''ابن اسحاق کی کتاب المغازی کو نقل کرتے وقت کاتب سے سہو ہوئی اور یا تو چند سطریں یا پورا ایک ورق چھوٹ گیا اور نظر اچٹنے سے دو قصے مدغم ہو گئے ہیں، یہ بہت قدیم زمانے میں پیش آیا اور بعد کو تحقیق کا خیال کسی کو نہ آیا، ان حالات میں سمہودی کے بیان کی (یہ روایت ابن اسحاق کی روایت پر قابل ترجیح ہے) یہ بندہ ناچیز بھی تائید کرتا ہے اور توقع ہے کہ دیگر فضلا و محققین اسی نتیجے پر پہنچیں گے۔''[5]

اس سلسلے میں اہل علم اور محققین کا کیا نقطہ نظر رہا راقم الحروف ان سے بے خبر ہے، البتہ ماہنامہ الرشاد کے فاضل مدیر مولانا مجیب اللہ ندویؒ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس میں غزوہ بنی النضیر کے سبب اصلی پر جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر اس سلسلہ میں راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس کا سبب نہ تو محض دیت کا مطالبہ تھا اور نہ قریش کی سازش میں ان کا ملوث ہونا تھا بلکہ ان مذکورہ اسباب کے ساتھ ان کی وہ

Marfat.com

معاندانہ روش بھی تھی جس کی زد روزمرہ مسلمانوں پر پڑتی تھی، ان تمام اسباب نے مل کر ایسی صورت پیدا کر دی تھی کہ اگر ان کے خلاف یہ قدم نہ اٹھایا جاتا تو وہ اسلامی حکومت جو ابھی وجود میں آئی تھی اور جس کا مرکز مدینہ منورہ تھا وہ ہمیشہ انتشار و فساد کی آماجگاہ بنا رہتا۔'' [۱]

مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے اس کی اور بھی تفصیلات قلم بند کی ہیں ایک آدھ باتوں سے اختلاف کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات کی تائید کی ہے۔

مکتوب پیرس نمبرا

ستمبر ۱۹۸۲ء کے الرشاد میں مولانا مجیب اللہ ندوی نے مغازی امام زہری کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مصنف عبدالرزاق کے ضمن میں شائع ہوگئی ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے مولانا کے اس بیان سے اختلاف کیا اور ایک خط لکھ کر واضح کیا کہ:

''یہ سہو قلم سہو حافظہ ہے، مصنف عبدالرزاق کی آخری دو جلدوں میں جامع معمر بن راشد چھپی ہے اور اس کے ایڈیٹر مولانا اعظمی (مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ) کو انتباہ نہ ہوا کہ یہ ایک الگ کتاب ہے، مصنف عبدالرزاق نہیں بلکہ عبدالرزاق کے استاذ معمر بن راشد کی کتاب الجامع ہے۔

فواد سزگین کے مطابق مغازی زہری کے اقتباسات کو الدوری نے شائع کیا ہے اور یہ کہ زہری اصل میں مؤلف نہیں بلکہ عروہ کے راوی ہیں، عروہ کی مغازی کے اقتباسات حال میں ڈاکٹر مصطفیٰ الاعظمی نے شائع کیے ہیں۔'' [۲]

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کا یہ علمی انکشاف ان کے بلند تحقیقی ذوق کا مظہر ہے، اس انکشاف کے پیش کرنے کی سعادت ماہنامہ الرشاد کے حصے میں آئی، مگر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور ڈاکٹر صاحب کی اس تحقیق کو استشراق کے اثر کا نتیجہ قرار دیا، انہوں نے لکھا کہ:

''رسالہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ (اپریل ۱۹۸۳ء) کے ذریعہ میرے قدیم کرم فرما ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے ایک جدید انکشاف کا علم ہوا، اس انکشاف میں مجھ پر انہوں نے عدم انتباہ کا الزام لگایا ہے، میں اس بارے میں ان کو معذور تصور کرتا ہوں اور تحقیق وصداقت سے قطعا

Marfat.com

عاری، اس الزام پر ان کو کوئی ملامت نہیں کرتا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کسی خام مسلم مستشرق کی باتوں میں آ گئے ہیں۔'' [۸]

اس کے بعد محدث اعظمی نے شیخ سعید سنبل کی الاوائل اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی بستان المحدثین کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے انکشاف کی تردید کی ہے اور یہ سوال قائم کیا ہے کہ کیا ان مشائخ کو بھی اشتباہ نہ ہوا، اپنے موقف کی تائید میں بعض اور مضبوط دلائل بھی دیے ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ:

'' مصنف عبدالرزاق کی آخری کتاب الجامع معمر قرار دینے والوں نے اس کی اکثر حدیثوں کو بہ روایت معمر پاکر اپنے استشراق کے زور سے اس کو جامع معمر یقین کر لیا، وہ اور کچھ نہیں پوری کتاب الجامع کو حرفاً حرفاً پڑھ لیتے تو یہ دعویٰ کرتے ہوئے ان کو خود شرم محسوس ہوتی۔'' [۹]

محدث اعظمی کے مختصر مضمون پر فاضل مدیر الرشاد نے بھی اظہار خیال کیا اور ان کے انداز نگارش کو ناپسندیدہ قرار دیا اور لکھا کہ:

'' راقم الحروف معذرت کرتے ہوئے عرض کرے گا کہ مولانا نے جواب میں جو تحریر روانہ فرمائی ہے اس میں غصہ کا انداز بیان ان کے شایان شان نہیں ہے، یہ علمی بحث ہے اس میں علمی انداز ہی مناسب ہے۔'' [۱۰]

مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ کے ان دلائل کو جو انہوں نے الاوائل اور بستان المحدثین کے حوالے سے پیش کیے تھے اسے ناکافی قرار دیا، البتہ اس سلسلے میں انہوں نے احادیث سے جو دلائل فراہم کیے تھے اس کے وزن کو تسلیم کیا مگر وہ کوئی قطعی رائے نہ دے سکے کہ ان کے پاس مصنف کا کوئی نسخہ نہیں تھا۔

مصنف عبدالرزاق

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے محدث کبیر کے مضمون کے جواب میں ایک اور مضمون الرشاد میں اشاعت کی غرض سے ارسال فرمایا جس میں انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں متعدد دلائل فراہم کیے چونکہ ان دلائل و شواہد سے ڈاکٹر صاحب کی وسعت مطالعہ و معلومات اور دقیق النظری کا اندازہ ہوتا ہے اس لیے طوالت کے باوجود انہیں نقل کیا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

(۱) جامع معمر بن راشد کے ترکی میں دو مخطوطے ملے ہیں جن پر نام بھی صرف جامع معمر ہے۔ اور ان میں مندرجات بھی ایک چھوٹی کتاب کے ہیں۔ جلد میں اور کوئی چیز نہیں۔ ان میں ایک جو بہت قدیم ۳۶۴ھ کی تحریر ہے۔ انقرہ میں ہے، دوسرا مماثل نسخہ استانبول میں ہے۔ ان کا ایڈیشن ایک ترکی رفیق نے اشاعت کے لیے تیار کیا۔ انہیں مصنف عبدالرزاق سے دلچسپی نہ تھی۔ میں نے جامع معمر کے ان دونوں مخطوطوں کے مندرجات کا مصنف عبدالرزاق کے باب کتاب الجامع سے مقابلہ کیا تو پتا چلا کہ وہ ہو بہو ایک ہی چیز ہیں، فرق ہے تو وہی جو عام طور پر ایک ہی کتاب کے دو مخطوطوں میں ہوتا ہے، مکرر عرض کرتا ہوں کہ ان دونوں مخطوطوں پر جامع معمر درج ہے۔ جامع عبدالرزاق نہیں۔

(۲) مصنف عبدالرزاق کے جو متداول نسخے دنیا کے مختلف ملکوں میں ملتے ہیں ان میں ''کتاب الجامع'' کتاب کے آخر میں موجود ہے، اگر ایسا ہی ایک نسخہ شیخ سعید سنبل یا حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہما اللہ کی نظر سے گزرا ہو اور انہوں نے کچھ لکھا ہو اور کچھ خیال آرائی کی ہو تو قصور انؒ کا نہیں، بے خیالی میں ہر کسی سے ایسا ہی ہو سکتا ہے، اگر کسی نے انہیں توجہ دلائی ہوتی اور اس کے بعد بھی وہ اپنی رائے پر قائم رہتے تو وہ اہم چیز ہوتی، موجودہ صورت حال سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) اگر جامع معمر میں جو مصنف عبدالرزاق کا ضمیمہ بن گئی ہے، چند ایسی حدیثیں جو عبدالرزاق نے معمر سے نہیں بلکہ کسی اور شیخ سے روایت کی ہوں تو اس سے بھی کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ مصنف کا وہ حصہ جو بلا اختلاف مصنف عبدالرزاق (۹½ ویں جلدیں) ان میں کثرت سے حدیثیں ''عبدالرزاق عن معمر'' ملتی ہیں اس سے وہ جامع معمر کا جز نہیں بن جاتیں۔ سیرت ابن ہشام میں دیکھیے، ابن ہشام نے کچھ چیزیں حذف بھی کی ہیں۔ کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھائی بھی ہیں (سیرت ابن اسحاق مطبوعہ مراکش سے اس کا پتا آسانی سے چل سکتا ہے) ایسا بارہا ہوتا ہے کہ کتاب راوی کی طرف منسوب کر دی جائے۔ ابن حبیب کی ایک کتاب ان کے شاگرد اور راوی سکری کی طرف مخطوطے میں منسوب ہوگئی ہے، ایسی مثالیں کثرت سے مل سکتی ہیں۔

Marfat.com

(۴) دمشق کے مخطوطے کو مصر کے فواد سید نے عبدالرزاق کا قرار دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انقرہ اور استانبول کے مخطوطوں سے واقف نہ تھے، ترکی کے فواد سزگین جامع معمر اشاعت کے لیے تیار کرنے کے بعد دمشق گئے اور وہاں کے مخطوطے کو دیکھا پھر رباط جا کر وہاں کے مخطوطے کو بھی دیکھا، وہ اپنی جرمن کتاب تاریخ تالیفات عربی میں لکھتے ہیں کہ جامع کے راوی عبدالرزاق ہیں اور انہوں نے اسے اپنی مصنف کا ذیل بنایا اور اس میں کچھ حدیثوں کا اضافہ بھی کیا ہے اور یہ کہ اصابہ ابن حجر ج ۴ ص ۳۱۱، ص ۶۰۳ میں بھی جامع معمر کے اقتباسات ہیں۔

(۵) میری دانست میں پرکھنے کا بہتر معیار یہ ہو کہ داخلی شہادت پر جائیں۔ معمر بہت قدیم مؤلف ہیں ان کے استاد ہمام بن منبہ کے وقت حدیث کے مجموعوں میں کوئی تبویب مطلق نہیں ہوتی تھی معمر گویا تبویب کا آغاز کرتے ہیں لیکن جو زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے۔ ان کے شاگرد عبدالرزاق تبویب کو مزید ترقی دیتے ہیں اور فقہی ابواب پر کتاب الطہارۃ، کتاب الحیض، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجمعہ، عیدین، جنائز، زکوٰۃ، صیام، عقیقہ وغیرہ حدیثیں مرتب کرتے ہیں اور ان کتابوں کے تحت وہ ذیلی ابواب دیتے جاتے ہیں۔ یہ چیزیں صرف مصنف میں ملتی ہیں، کتاب الجامع میں نہیں ملتیں۔ اس کا نہج بالکل الگ ہے اور تبویب نسبتاً ابتدائی حالت میں ہے، مصنف میں کتاب الاشربہ اور کتاب البیوع کی حدیثیں دوبارہ الگ مقام پر (یعنی جامع معمر میں) نہ ہوتیں اگر دونوں ایک ہی کتاب کے اجزاء ہوتے تو دو جگہ ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی حال مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کا ہے جو مصنف میں بھی اور جامع معمر میں بھی ہے اور یہ بعض دیگر تفصیلوں پر مشتمل ہے ایسی اور چیزیں بھی ملتی ہیں جو اندرونی شہادت ہیں۔

ممکن ہے کہ اس کے باوجود میں ہی غلطی پر ہوں اور کتاب الجامع کے دو معنی متفرقات کے باب کے ہوں، لیکن اس کے خلاف رائے رکھنے کو استشراق یعنی کفر قرار دیا جا سکتا ہے تو میں علام الغیوب سے استغفار کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اهدنا الصراط المستقیم۔"

Marfat.com

مکتوب پیرس نمبر۲:

اس سلسلہ میں ایک سال بعد ڈاکٹر صاحب کو کچھ اور معلومات حاصل ہوئے تو انہوں نے ایک مراسلے میں اس کی وضاحت کی اور لکھا کہ:

''الرشاد کے ناظرین کو یاد ہوگا کہ میری دانست میں مصنف عبدالرزاق کی جلد ۱۰۔۱۱ کا باب کتاب الجامع اصل میں ان کے استاذ معمر بن راشد کی کتاب الجامع کی من وعن نقل پر مشتمل ہے، مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کو اس سے اختلاف تھا اور ان کا خط الرشاد میں بھی چھپا تھا اور الفرقان میں بھی، میرا جوابی عریضہ الرشاد میں تو چھپا لیکن الفرقان کی کسی مصلحت سے ان کے ناظرین اس کے جواب سے محروم رہے، مگر آپ کے یہاں مولانا اعظمی صاحب کا جواب الجواب نہ چھپنے کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ میرا جواب قابل پذیرائی رہا۔

اب نئی چیز ایک تو یہ عرض کرنی ہے کہ کسی اور کی کتاب کو من وعن اپنی کتاب میں شامل کردینا اوروں نے بھی کیا ہے، چنانچہ عبدالرزاق کے شاگرد امام احمد بن حنبل کی مسند میں عبدالرزاق کے دادا استاد (معمر کے استاد ہمام بن منبہ کا صحیفہ من وعن نقل ہوگیا ہے۔ دیکھو مسند احمد میں مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہی صحیفہ ہمام بعد میں ابن کثیر کی جامع المسانید (مخطوطہ مصر) میں بھی من وعن نقل ہوا ہے۔ فرق ہے تو وہی جو ایک ہی کتاب کے دو مخطوطوں میں ہوتا ہے لیکن میں یہاں تفصیل میں نہیں جاؤں گا عرض کرنا صرف یہ ہے کہ عبدالرزاق نے جامع معمر کو نقل کیا تو یہ انوکھی چیز نہیں اس کا کافی رواج رہا ہے۔

دوسرے یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں معمر کی کتاب کو نقل کرتے ہوئے عنوان ''کتاب الجامع'' دیا گیا ہے، ''الکتاب الجامع'' نہیں اور نہ الباب الجامع اگر یہ حصہ مصنف ہی کا ایک جز یا ایک باب ہوتا تو شاید عنوان ترجیحاً ''الکتاب الجامع'' دیا جاتا یا الباب الجامع۔ واللہ اعلم بالصواب[۱۲]

اہل علم اور ارباب دانش بخوبی واقف ہیں کہ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے جو تحقیق پیش کی تھی اس میں کس قدر صداقت تھی۔

ان دلائل کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف کی تائید میں الرشاد میں کچھ نہیں تحریر فرمایا اور راقم الحروف کو معلوم نہیں کہ محدث الاعظمی کا کیا موقف رہا۔

مکتوب پیرس نمبر ۳

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کو مدۃ العمر قرآن پاک سے خصوصی شغف رہا یہی وجہ ہے کہ قرآنیات پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی، ستمبر ۱۹۸۵ء کے الرشاد میں نیاز قومی کا مضمون قرآن مجید اور غیر عربی رسم الخط شائع ہوا تو انہوں نے اس سے خصوصی دلچسپی لی اور ایک خط میں پسندیدگی کا اظہار کیا جو جنوری تا مارچ ۱۹۸۶ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے، اس علمی مکتوب سے رسم الخط اور مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم پر ان کی گہری نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ انہوں نے دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے جو ترجمے ہوئے ہیں ان کی ایک مفصل فہرس بھی تیار کی تھی جو شائع ہو چکی ہے۔

اس خط میں انہوں نے بعض تفصیلات طلب کی ہیں مثلاً اسلامی ساہتیہ پرکاش کے زیر اہتمام مختلف ہندوستانی زبانوں میں قرآن کریم کے جو تراجم شائع ہوئے ہیں کیا ان میں عربی متن بھی شامل ہے، ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا ہے کہ کیا ان ترجموں میں عربی متن تمل، تیلگو، کنٹری، گجراتی، مراٹھی اور ہندی رسم الخطوں میں ہیں یا عربی رسم الخط میں، اسی طرح انہوں نے مترجموں کے نام اور تاریخ طباعت بھی معلوم کیے ہیں، یہ بھی معلوم کیا ہے کہ کیا اوتھی کے ایڈیشن میں صرف عربی متن بخط ہندی ہے یا اس میں ترجمہ بھی ہے؟

بعض اطلاعات بھی فراہم کی ہیں مثلاً سرسید وہ قدیم ترین شخص ہیں جو انگریزی زبان کو عربی خط میں لکھنے لگے تھے، وجہ یہ تھی کہ وہ وائسرائے کی کونسل کے رکن تھے، جو بیان دینا ہوتا تھا وہ لکھ کر انگریزی میں ترجمہ کرا کر اور اسے عربی خط میں لکھ کر ساتھ لے جاتے تھے، انگریزی زبان تو آتی تھی لیکن انگریزی خط پر عبور نہ تھا۔[۴]

مکتوب پیرس نمبر ۴

نیاز قومی کے مضمون کے متعلق ان کا ایک اور مفصل خط ستمبر ۱۹۹۳ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے اس میں تقریباً وہی تمام باتیں دہرائی اور دریافت کی گئی ہیں جن کا ذکر مذکورہ بالا خط میں کیا گیا ہے۔[۵]

مکتوب پیرس نمبر۵

حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ نے ۱۹۸۹ء میں فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین شروع کیا تھا جس کی دو قسطیں پڑھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ایک علمی مکتوب ارسال کیا جو ستمبر ۱۹۸۹ء کے الرشاد میں شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کے علاوہ فقہ اسلامی کے جو دوسرے ماخذ ہیں ان کی نشاندہی کی ہے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) قیاس کا جس میں اجتہاد اور استحسان کو بھی امام شافعی نے ذیلی اقسام کے تحت داخل کیا ہے۔

(۲) عرف وعادۃ تعامل، یہ عہد نبویؐ میں بھی ماخذ رہا اب تک باقی ہے جس نئے ملک میں اسلام پہنچتا اور پھیلتا ہے مقامی عادتوں میں نئی اور نامعلوم چیزیں ملتی ہیں، ہر اجتہاد سے حسن وقبح کی اساس پر قبول یا رد کرنا پڑتا ہے، آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ نجد میں بہت دنوں تک ٹیلیفون کو ہاتف یعنی شیطان کی نظر نہ آنے والے شخص کی آواز کی بناء پر حرام سمجھا گیا اس کا پر لطف قصہ حافظ وہبہ سفیر سعودیہ در لندن نے بیان کیا ہے۔

(۳) اجل لکم ماوراء ذالکم کی اساس پر فقہاء نے الاصل الاباحۃ کا کلمہ وضع فرمایا ہے، ہر چیز اصولاً مباح ہے، عقل مفید اور مضر میں امتیاز کرتی ہے اور جس کی شریعت نے صراحت سے ممانعت کی ہے وہ حرام ہے۔

(۴) الضرورات تبیع المحظورات

(۵) کتاب الخراج کے مطابق حضرت عمرؓ نے بعض وقت مماثلت کو بھی ماخذ قواعد قرار دیا۔ جب اجنبی تاجر اسلامی سرزمین میں آنے لگے تو چنگی کا سوال ہوا اور سرحد کے ایک افسر کی دریافت پر دربار خلافت سے جواب دیا گیا کہ ان سے اسی مقدار میں چنگی لو جتنی ان کے ملک میں مسلمان تاجر سے لی جاتی ہے۔

(۶) بین الممالک ہدایات میں قبول کردہ شرائط۔

(۷) امام مالک کے ہاں عرف اہل مدینہ معمولی قیاس سے مرجح ہے۔

(۸) عموم البلوئی

Marfat.com

(۹) ایک زمانے میں یہ مناسب معلوم ہوا کہ بہت پرانے حقوق کو طلب نہ کرنے دیا جائے کہ بعد از وقت ہیں اس لیے یہ تدبیر کی گئی کہ قاضیوں کو حکمران نے ہدایت دی کہ فلاں قسم کے مطالبات کی سماعت تمہارے شعبے سے غیر متعلق ہیں اور وہ صرف حکمران کے یہاں کیے جائیں۔

(۱۰) اجماع اتنا اٹل نہیں ہے جتنا عوام الناس میں مشہور ہے۔ بزدوی نے صراحت سے لکھا ہے کہ ایک عہد کا اجماع سابقہ اجماع کو منسوخ کر سکتا ہے۔

(۱۱) **شرائع من قبلنا (بربنا آیت: فبهداهم اقتده وغیره)** اگر ان کا وجوب ثابت ہوا اور ان کو قرآن یا حدیث نے منسوخ نہ قرار دیا ہو۔

(۱۲) اجتہاد کی ذیلی قسمیں: استصحاب، استصلاح وغیرہ کا ذکر بھی اصول فقہ کی کتابوں میں آتا ہے۔[۱۵]

ماہنامہ الرشاد میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی دارالمصنفین آنے کی روداد بھی ابوعلی عبدالباری مرحوم کے قلم سے شائع ہوئی ہے[۱۶]۔ جس میں انہوں نے دوسری تفصیلات کے ساتھ اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا ہے کہ علامہ شبلی سیرت النبی کا ایک خاص حصہ مستشرقین کے الزامات کے جواب میں لکھنا چاہتے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی اور وہ اب تک نہیں لکھا جا سکا، چونکہ ڈاکٹر صاحب کئی زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں اور سیرت پر ان کی خاص نگاہ ہے اس لیے وہ یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا اور لکھا کہ "مستشرقین کی تردید کی کوشش سے آپ ان کی اہمیت بڑھاتے اور سرفراز کرتے ہیں، وہ اس کے مستحق نہیں، ان کے لغو اعتراضوں سے اعتنا نہ کرنا ہی بہتر جواب ہے[۱۷]۔

۲۰۰۲ء میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ کی وفات پر ہند و پاک میں ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ مدیر الرشاد مولانا مجیب اللہ ندوی پر بھی اس سانحہ کا بڑا اثر ہوا، انہوں نے ایک پرسوز مضمون الرشاد ۲۰۰۳ء جنوری، فروری میں لکھا[۱۸]۔ جس میں ان کی شخصیت، خدمات اور امتیازی کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔ غرض ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کو الرشاد سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس تعلق اور ان کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں مولانا مجیب اللہ ندوی الرشاد کا ڈاکٹر حمید اللہ نمبر شائع کرنا چاہتے تھے مگر ان کے ضعف اور پیرانہ سالی کی وجہ سے اب تک یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے حالات سازگار بنائے۔

Marfat.com

حواشی

(۱) ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۱ء ص ۲۲

(۲) ایضاً ص ۲۶

(۳) ایضاً جنوری، فروری ۱۹۸۲ء ص ۱۸، ۱۹

(۴) ایضاً

(۵) ایضاً ص ۲۰

(۶) ایضاً ص ۲۰، ۲۱

(۷) اپریل ۱۹۸۳ء ص ۵۷ نمبر ا

(۸) ایضاً ص ۴۵

(۹) ایضاً ص ۴۶

(۱۰) ایضاً ص ۴۷

(۱۱) ایضاً جون، جولائی ۱۹۸۳ء ص ۲۵۔۱۷

(۱۲) ایضاً مئی، جون ۱۹۸۴ء ص ۵۹۔۶۰، نمبر ۲

(۱۳) ایضاً جنوری، تا مارچ ۱۹۸۶ء، ص ۶۲، ۶۳، نمبر ۳

(۱۴) ایضاً اپریل، مئی، جون ۱۹۸۹ء، ص ۴۵۔۴۶، (نمبر ۴)

(۱۵) ایضاً ستمبر ۱۹۹۳ء (نمبر ۵)

(۱۶) ایضاً مئی ۱۹۸۳ء ص ۴۸۔۵۳

(۱۷) ایضاً جون، جولائی ۱۹۸۳ء، ص ۲۸

(۱۸) ایضاً جنوری، فروری ۲۰۰۳ء (وفیات)۔☆ (مطبوعہ ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ)

(مطالعات و مشاہدات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ادبی دائرہ اعظم گڑھ ۲۰۱۰ء)

Marifat.com

نگارشاتِ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

(حصہ سوم)

گردآوردہ: محمد عالم مختار حق

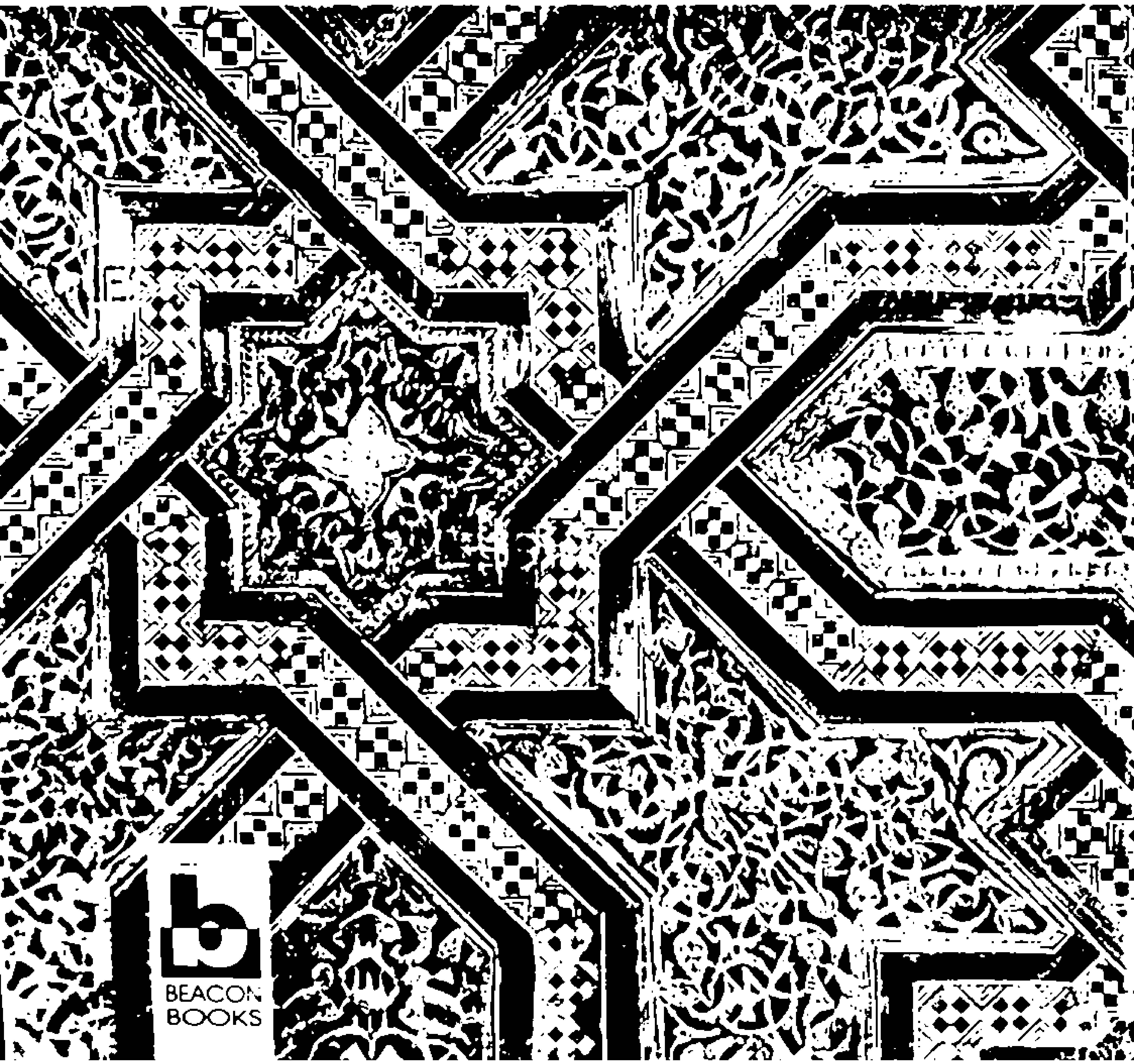

BEACON BOOKS

Marfat.com